وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلشرز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ''**نعم الباری**'' کی توجیہ

میں نے 18 جنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالے کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ''**نعم الباری**'' رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام بھی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ''**نعم الباری**'' رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

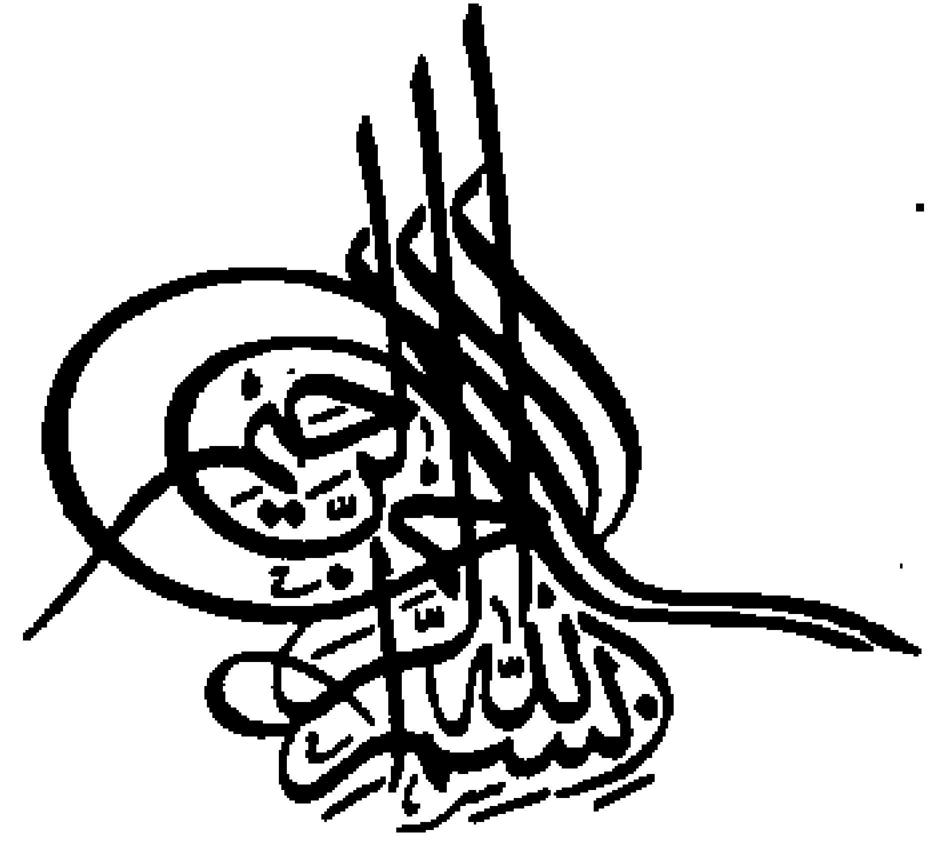
نِعمُ الباری
فی
شرح صحیح البُخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی



نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء رابع عشر

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد رابع عشر (۱۴)

الاحادیث: ۶۴۸۲ ــــ ۶۷۷۱

کتاب الرقاق، کتاب الایمان والنذور

کتاب کفارات الایمان، کتاب الفرائض

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد رابع عاشر (۱۴)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	باراول نومبر 2013ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS27

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (رابع عاشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العالمین، الّذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امّة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و هدانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰة والسّلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجّلین، الذی شرح الفرقان باحادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسراره و غوامضه لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرته من الظلمات والضلال المبین، و علی اله الطیبین واصحابه الطّاهرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجهد العظیم، و علی ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدّین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاه القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیه نعم الباری) توکّلا علی رحمة الله و فضله العمیم۔ ولا یکون تحریره و تقریره و تکمیله الّا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمّیته بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شریك له واشهد انّ سیّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یهده الله فلا مضلّ له و من یّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الکریم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبیّ الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعته فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرما صنعت ابوء لك بنعمتك علیّ وابوء لك بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمین یا ربّ العالمین بجاه سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دار و مدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام "نعم الباری فی شرح صحیح البخاری" رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں؛ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

۸۱۔ کِتَابُ الرِّقَاقِ

دلوں کو نرم کرنے والی احادیث کا بیان

۲۶۔ بَابُ: اَلِانْتِهَاءِ عَنِ الْمَعَاصِي — گناہوں سے رکنے کا وجوب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں گناہوں سے رکنے کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے اور اگر بالفرض کوئی گناہ ہو گیا ہے تو پھر اس سے اعراض کیا جائے اور یہ عہد کیا جائے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَا النَّجَاءَ فَأَطَاعَتْهُ طَائِفَةٌ فَأَدْلَجُوا عَلَى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْهُ طَائِفَةٌ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاجْتَاحَهُمْ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۸۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ بن ابی بردہ از ابوبردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اور اس پیغام کی مثال جسے اللہ تعالیٰ نے دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اس مرد کی مثال ہے جو ایک قوم کے پاس گیا، سو اس نے کہا: میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور بے شک میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، سو تم جلدی نجات حاصل کرو، جلدی نجات حاصل کرو۔ پس ایک جماعت نے اس کی اطاعت کی اور وہ راتوں رات تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے، سو انہوں نے نجات پالی اور دوسری جماعت نے اس کی تکذیب کی تو صبح کو اس لشکر نے آ کر ان پر حملہ کر دیا ان کو بالکلیہ ہلاک کر دیا۔

صحیح البخاری: ۶۴۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے معاصی اور گناہوں سے رکنا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک قوم کو ڈرایا گیا اور انہوں نے ڈرانے والے کی خبر پر عمل نہیں کیا تو وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ ابن کریب ہیں اور ابو کریب الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، یہ حماد بن اسامہ اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ بُرد کی تصغیر ہے، یہ ابن عبداللہ بن ابی بُردہ ہیں اور ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول ہے کہ ان کا نام الحارث ہے اور یہ بُرید اپنے دادا ابو بُردہ بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میری مثال اور میرے اس پیغام کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے"۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو بلیغ کسی چیز کو تفہیم کے لیے فہم کے قریب کرنے کے لیے ذکر کرتا ہے۔

حدیث میں مذکور مثال کے متعلق متعدد اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا النذیر العریان" یعنی میں ایسا ڈرانے والا ہوں جس کے کپڑے اتار لیے گئے۔ اور وہ اپنے سر کے گرد کپڑے لپیٹے ہوئے کسی قوم کے پاس آیا ہو کسی لشکر کے حملہ سے ڈرانے کے لیے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: "النذیر العریان" سے مراد وہ مرد ہے جو قبیلہ خثعم سے تھا، ایک دن اس کے اوپر ذی الخلصہ نے حملہ کیا، اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا اور اس کی بیوی کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا، سو وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور ان کو ڈرایا، تو پھر یہ کسی خبر کے تحقق کے لیے ضرب المثل بن گئی۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے: یہ اس مرد کا نام ہے جس کے اوپر عوف بن عامر الیشکری نے حملہ کیا اور اس کی بیوی بنو کنانہ سے تھی اور اس قصہ کو حدیث کے الفاظ پر منطبق کرنا بعید ہے، کیونکہ اس قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ برہنہ تھا۔

اور عبدالملک نے کہا: یہ قدیم مثال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرد کا مقابلہ ایک لشکر سے ہوا، انہوں نے اس کے کپڑے اتار کر اس کو برہنہ کر دیا، پھر وہ مدینہ کی طرف آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں تمہیں اس لشکر سے ڈرانے والا ہوں اور تم مجھے برہنہ دیکھ رہے ہو، اس لشکر نے میرے کپڑے اتار لیے، سو تم بھی اس سے نجات حاصل کرو، نجات حاصل کرو۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اپنی امت کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ اس میں ایک شخص ڈرانے کے لیے برہنگی کی حالت میں آیا تھا۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ لفظ "العریان" نہیں ہے بلکہ "العربان" ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جو فصیح اللسان ہو اور صریح

الفاظ کے ساتھ ڈراتا ہو اور کنایہ اور توریہ سے کام نہ لیتا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے "رجل عریان" یعنی "فصیح اللسان"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فالنجاء النجاء"۔ یہ اکسانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے مفعول مطلق ہے، یعنی تم نجات کو حاصل کرو بایں طور کہ تم فرار اور بھاگنے میں جلدی کرو، کیونکہ تم اس لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور دوسرا "النجاء" جو مذکور ہے، یہ پہلے کی تاکید ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فادلجوا" یہ بابِ افعال سے ہے، اس کا معنی ہے: رات کے ابتدائی حصہ میں روانہ ہونا یا پوری رات چلتے رہنا۔ اور علامہ ابن الملقن نے اپنی توضیح میں لکھا ہے کہ یہ لفظ "فادّلجوا" ہے اور دال پر تشدید ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہاں درست نہیں ہے کیونکہ "الادّلاج" کا معنی ہے: رات کے آخری حصہ میں روانہ ہونا، اور یہ اس مقام کے مناسب نہیں ہے، صحیح وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مھلھم" اس کا معنی ہے: کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد اس حدیث میں مذکور ہے "فنجوا" یعنی چونکہ انہوں نے ڈرانے والے کی اطاعت کی اور رات کے اول حصہ میں چل پڑے تو وہ نجات پا گئے۔ اور جس فریق نے ڈرانے والے کی تکذیب کی تھی تو دشمن نے اچانک آ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کو بالکلیہ ختم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَهُمْ يَقْتَحِمُونَ فِيهَا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۱۰۵۸۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری مثال اور لوگوں کی مثال اس مرد کی مثل ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں وہ اس آگ میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا، اور وہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس پر غالب آ گئے اور وہ آگ میں داخل ہو گئے، پس میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور وہ اس آگ میں گرے جا رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۴۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گناہوں اور معاصی سے رکنا اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معاصی کے ارتکاب سے منع فرماتے تھے اور روکتے تھے جو معاصی دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن، یہ الاعرج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ھذہ الدواب تقع فی النار" اس سے مراد پروانے ہیں یا وہ کیڑے مکوڑے ہیں جو آگ میں اور روشنی میں آکر گرتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ چھوٹے مچھر ہیں۔ اور ابن سیدہ نے کہا ہے کہ یہ مچھر کی مثل کیڑے مکوڑے ہیں اور اس کا واحد فراش ہے یعنی پروانہ۔ امام طبری نے کہا: یہ نہ مچھر ہے نہ مکھی ہے۔ ابونصر نے کہا ہے: یہ اڑتے ہیں اور چراغ پر گرتے ہیں۔ اور مجمع الغرائب میں مذکور ہے: یہ وہ اڑنے والے کیڑے مکوڑے ہیں جو آگ میں گرتے ہیں اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ ایک اڑنے والا کیڑا ہے جو مچھر سے بڑا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقتحمن" یہ الاقتحام سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز پر ٹوٹ پڑنا۔ کہا جاتا ہے "قحم فی الامر" یعنی کسی نے اپنے آپ کو اچانک گرا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانا آخذ بحجزکم" اس میں صنعتِ التفات ہے اور غائب سے مخاطب کے صیغہ کی طرف رجوع ہے، بہ ظاہر ہونا چاہیے تھا کہ میں ان کو کمر سے پکڑ رہا ہوں۔ "حجز" کہتے ہیں تہبند باندھنے کی جگہ کو یا شلوار کے کمر بند باندھنے کی جگہ کو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھم یقتحمون فیھا" اور دوسری روایت میں ہے "وانتم تقتحمون" یعنی وہ اس میں گر رہے ہیں، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قیاس یہ تھا کہ انتم ہوتا نہ کہ ھم ہوتا تا کہ یہ "حجزکم" کے موافق ہو، اور پھر یہ جواب دیا ہے کہ یہ صنعتِ التفات ہے۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر سے پکڑ کر کھینچا، اس میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۶۔۱۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کامل) مسلمان

وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے دوسرے مسلمان محفوظ
رہیں۔ اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے
کاموں سے ہجرت کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۰، ۶۴۸۴، صحیح مسلم: ۴۰، سنن نسائی: ۴۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۸۱، ۷۰۴۶، سنن دارمی: ۲۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو اپنی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھے گا وہ گناہوں اور معاصی سے رکا ہوا ہوگا۔ اور نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کر لی اور جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے گا وہ معاصی سے رکا رہے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زکریا، یہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عامر، یہ شعبی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے شروع میں گزر چکی ہے۔

یہاں سوال ہے کہ اس حدیث میں مہاجر کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت ختم ہوگئی۔ سو جو مسلمان اب ہجرت نہیں کر سکے ان کو ملال ہوتا کہ ہم اس فضیلت سے محروم رہ گئے، تو آپ نے ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دیا وہ حقیقت میں کامل مہاجر ہے اور اس کو ہجرت کا اجر و ثواب ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور پروانوں کی مثال کی تحقیق

صحیح البخاری: ۶۴۸۳ میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور لوگوں کی مثال اس مرد کی مثل ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں وہ اس آگ میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا''۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو تشبیہ بیان کی گئی ہے وہ اس پر موقوف ہے کہ درج ذیل آیت کے معنی کی معرفت ہو:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں O

(البقرہ:۲۲۹)

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی اور منع کی ہوئی چیزیں ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ''الا ان حمی اللہ محارمہ'' (سنو! اللہ تعالیٰ کی خاص چراگاہ وہ ہے جس میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں) اور تمام محارم کی اصل دنیا اور اس کی زینت کی محبت ہے اور دنیا کی لذات اور شہوات کو حاصل کرنے کی رغبت ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدود کا اظہار کتاب وسنت کے شافی اور کافی بیانات کے ساتھ فرمایا کہ آپ لوگوں کو دوزخ کی آگ سے چھڑاتے ہیں اور اس مرد نے جو آگ جلائی تھی، اس آگ کی روشنی سے زمین کے مشارق اور مغارب روشن ہو گئے۔ اور لوگوں نے بیان اور کشف کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کی اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے اور لذات اور شہوات کو حاصل کرنے کی حرص میں مبتلا رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان کو اس سے منع فرماتے رہے اس کو اس طرح بیان فرمایا کہ آپ ان کو ان کی کمر سے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں جیسے پروانے آگ میں گرتے ہیں اور جو آدمی آگ روشن کرتا ہے اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور خواہی نہ خواہی آگ میں گر جاتے ہیں۔ پس جیسا کہ آگ جلانے والے کی غرض اپنے فعل سے یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو آگ کی روشنی سے نفع پہنچائے اور اس کی حرارت سے ان کو فائدہ پہنچائے اور پروانے اس آگ کی روشنی کو اپنی ہلاکت کا سبب بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بیانات کے ساتھ امت کو ہدایت دینے کا قصد کرتے ہیں تا کہ امت ہلاکت کے سبب سے اجتناب کرے لیکن لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے پھر بھی ہلاکت کو طلب کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان ''اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ''

۶۴۸۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از سعید بن المسیب، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۳۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۳، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۴۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے، بکیر، بکر کی تصغیر ہے اور وہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عُقیل کا ذکر ہے، یہ ابن خالد الایلی ہیں۔ اور ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر تم ان چیزوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں"۔ یعنی وہ خوفناک چیزیں اور وہ احوال جو ہمارے سامنے ہیں اور جو موت کے وقت ہم پر حالات پیش آئیں گے اور برزخ میں اور قیامت کے دن جو امور ہم پر مترتب ہوں گے۔

اس حدیث میں صنعتِ بدیع ہے، کیونکہ ہنسنے کا مقابلہ رونے سے کیا ہے اور قلت کا مقابلہ کثرت کے ساتھ کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۳۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۴۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث، حدیثِ سابق کی مثل ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے ان کے بیٹے موسیٰ بن انس الانصاری نے روایت کی ہے جو بصرہ کے قاضی تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم ہنسنے اور زیادہ رونے کے متعلق آثار اور اقوالِ علماء

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہاں پر لوگ باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم موت کا زیادہ ذکر کرو، سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف بندہ کے دل میں اس کے علم کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ۞ (فاطر:۲۸) اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O

اور جب کسی شخص کو بھی ایسا علم نہیں ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا تو کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو منور کر دیا اور اس کی بصیرت سے پردہ کو اٹھا دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے اور اس کا شکر واجب ہے اور اس نے مستقبل میں پیش آنے والی قیامت کی خوفناک چیزوں کو یاد کیا اور اللہ کے بندوں کو ان مواقف میں جن سختیوں کا سامنا ہوگا ان کو یاد کیا اور اس کا معائنہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے جو سوال کرے گا چھوٹی سی چھوٹی چیز کے بارے میں تو پھر وہ شخص یقیناً بہت زیادہ غمگین ہوگا اور بہت زیادہ روئے گا، اسی لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جائے تو تمہارے حلق کے نیچے سے نہ کوئی کھانے کا نوالہ اترے گا اور نہ پانی کا کوئی گھونٹ اترے گا اور نہ تم بستروں پر سو سکو گے اور نہ تم عورتوں سے محبت رکھو گے، اور تم جنگلوں کی طرف نکل جاؤ گے اور زور سے پکار رہے ہو گے اور رو رہے ہو گے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: روؤ، اگر تم کو رونا نہ آئے تو کوشش کر کے روؤ، پس اگر تم کو ان باتوں کا علم ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک شخص نماز پڑھتا رہے حتیٰ کہ اس کی پشت ٹوٹ جائے اور روئے حتیٰ کہ اس کی آواز منقطع ہو جائے۔

اور الفضیل نے کہا: مجھے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ ایک دن ہنسے تو انہوں نے اپنے اوپر چھلانگ لگا کر کہا: تم کیوں ہنستے ہو؟ ہنسنا تو اسے چاہیے جس نے پل صراط کو طے کر کے قطع کر لیا ہو، پھر انہوں نے کہا: میں نے اپنے نفس پر یہ قسم کھائی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں ہنسوں گا حتیٰ کہ میں یہ جان لوں کہ کب قیامت واقع ہوگی، پھر کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے۔

حسن بصری نے کہا: جس آدمی نے یہ جان لیا کہ موت اس پر آنے والی ہے اور قیامت کا اس سے وعدہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے کھڑا ہونا ہے تو اس پر حق یہ ہے کہ وہ دنیا میں غمگین رہے۔ اور سفیان نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًاؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ۞ (الانبیاء:۹۰) بے شک وہ (سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ ہم سے عاجزی کرنے والے تھے O

سفیان نے کہا: دائمی حزن دل میں ہوتا ہے اور کہا: حزن بقدر بصیرت ہوتا ہے اور بعض متقدمین نے کہا: حزن اور خوف خدا دل

میں ہوتے ہیں اور انہی کی وجہ سے اعمال مرتب ہوتے ہیں؟۔ پس جس نے یہ قصد کیا کہ اس کا فرض مکمل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کامل نماز پڑھے گا اور کامل روزہ رکھے گا اور اسی طرح باقی فرائض بھی ادا کرے گا۔ اور اپنے نفس اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرے گا۔ اور جس سے یہ سوال کیا جائے کہ کن لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور اپنی زبان اور سمع اور بصر اور تمام اعضاء کے بارے میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے تو وہ اس آیت میں داخل ہو جائے گا:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ (فصلت: ۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O

سو وہ اپنے نفس کو اس سے عاجز اور کوتاہی کرنے والا پائے گا اور جب وہ کھلی آنکھ سے دیکھے اور جان لے کہ اس کی موت قریب ہے اور اس کی خطا عظیم ہے اور یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے تو وہ اپنے نفس پر بہت غم کرے گا۔

اور مطرف بن عبد اللہ نے کہا کہ تم برے اعمال کو چھوڑ دو کیونکہ خیر میں بھی شر کثیر ہے۔ پس اگر ہمارے گناہ نہ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کی صحت پر بھی ہم سے مواخذہ کرتا اور ان اعمال کو درست طریقہ پر انجام نہ دینے سے مواخذہ فرماتا تو اس میں عقلمندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵۔ ۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس شرح کو من وعن اپنی کتاب التوضیح میں نقل کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۰۔ ۵۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابٌ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ — دوزخ کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے، لہٰذا شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنا دوزخ میں گرنے کا سبب ہے۔ اور بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ اور جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں کے ساتھ

ڈھانپ دیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، سنن ترمذی: ۲۵۵۹، سنن نسائی: ۳۷۶۳، مسند احمد: ۲۱-۸۷، سنن دارمی: ۲۸۴۳)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان حدیث کا جزو ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے" یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے اور شہوات کی مذمت میں ہے، ہر چند کہ انسانوں کے نفوس شہوات کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس میں عبادات اور اطاعات پر برانگیختہ کیا ہے، ہر چند کہ نفوس عبادات اور اطاعات کو ناپسند کرتے ہیں اور ان پر عبادات اور اطاعات دشوار ہوتی ہیں۔ اور جنت کو تکلیف دہ کاموں اور مشقت والے کاموں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے، پس جنت تک آدمی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس تکلیف دہ اور مشقت والے کاموں کی وادی کو عبور نہ کر لے۔ اور دوزخ سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتا جب تک کہ شہوات کے تقاضوں کو ترک نہ کر دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا جوامع الکلم میں سے ہونا

یہ حدیث شہوات کی مذمت میں اور اس سے منع کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنے میں بہت بلیغ ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے اگرچہ نفس پر یہ دشوار ہوتا ہے اور نفس کو ناپسند ہوتا ہے، کیونکہ قیامت کے دن صرف جنت اور دوزخ ہوگی اور ان دونوں میں سے کسی ایک میں دخول کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا، اس لیے مومن پر واجب ہے کہ ان کاموں میں کوشش کرے جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے اور دوزخ سے دور ہو جائے خواہ یہ اس کے اوپر دشوار ہو، کیونکہ دوزخ پر صبر کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی حدیث کی تائید میں ایک اور حدیث

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا، پس فرمایا: جنت کی طرف دیکھو، پھر حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے، پس کہا: تیری عزت کی قسم! جو بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو جنت کو پر مشقت کاموں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا، پھر فرمایا: اب جنت کی طرف رجوع کرو، حضرت جبریل نے رجوع کیا، پس کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے یہ خوف ہے کہ اب تو اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا، فرمایا: جا کر دوزخ کو دیکھو، حضرت جبریل نے دوزخ کی طرف دیکھا، پھر لوٹ آئے، پس کہا: تیری عزت کی قسم! دوزخ کے متعلق جو بھی سنے گا تو وہ اس میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دو، پھر فرمایا: اب دوزخ کی طرف رجوع کرو، حضرت جبریل نے رجوع کیا، پس کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے یہ خوف ہے کہ اس سے تو کسی کو نجات نہیں ہوگی۔

مکارہ اور شہوات کا بیان

اس حدیث میں مکارہ اور مشقت والے کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کا مکلف کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے اور ان کاموں کو بجالائے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کو ترک کر دے جیسا کہ عبادات کو صحیح طریقہ سے انجام دینا اور ان کی حفاظت کرنا اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے قولاً اور فعلاً اجتناب کرنا اور ان کے اوپر مکارہ اور پر مشقت کاموں کا اطلاق کیا، کیونکہ ان کاموں پر عمل کرنے والے کو مشقت ہوتی ہے اور اس کے لیے یہ کام مشکل ہوتے ہیں اور ان کاموں میں سے مصیبت پر صبر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرنا ہے۔ اور شہوات سے مراد دنیا کی وہ چیزیں ہیں جن سے انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔ اور اس لیے کہ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنا ان چیزوں کے ترک کا باعث ہوتا ہے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اسی کے ساتھ شبہات بھی لاحق ہیں، کیونکہ جب آدمی مشتبہ چیزوں پر عمل کرے تو اس کا خطرہ ہے کہ پھر وہ کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کوئی آدمی جنت تک نہیں پہنچے گا جب تک کہ وہ مشقت والے کاموں کو نہ کرے جن کو مکارہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوزخ تک تبھی پہنچے گا جب وہ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرے گا، اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حجاب سے ڈھانپ دیا ہے۔ جنت کے اوپر پر مشقت کاموں کا حجاب ڈال دیا ہے اور دوزخ کے اوپر شہوات اور لذیذ چیزوں کا حجاب ڈال دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۳۔ ۵۴۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوزخ پر شہوات کے حجاب کا معنی

حجاب کا یہاں پر معنی ہے احاطہ، یعنی دوزخ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنے کا محل ہے، یعنی جو لوگ صرف شہوات کے

تقاضوں پر عمل کرتے ہیں مثلاً زنا کی شہوت پر، لواطت کی شہوت پر، شراب نوشی کی شہوت پر، چوری کی شہوت پر، زمین کے اندر اپنی بڑائی حاصل کرنے کی خواہش، زمین میں فساد کرنا اور یہ سب شہوات ہیں۔ اور یہ وہ شہوات ہیں جنہوں نے دوزخ کا احاطہ کیا ہوا ہے اسی لیے دوزخ میں اکثر وہ لوگ داخل ہوں گے جو عیش و عشرت میں مبتلا رہتے ہیں، من مانی کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾

اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش O بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے O (الواقعہ: ۴۱-۴۵)

الواقعہ: ۴۲ میں ''سَمُوْمٍ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گرم ہوا، جیسے دنیا میں لو چلتی ہے، یہ گرم ہوا بدن کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے، یہاں اس سے مراد دوزخ کی آگ کی سخت گرمی اور تپش ہے، اور اس آیت میں ''حَمِیْمٍ'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: کھولتا ہوا پانی، جب دوزخ کی آگ ان کے جسموں کو جلا دے گی تو یہ کھولتے ہوئے پانی کی پناہ میں آئیں گے جیسے دنیا میں انسان آگ سے گھبرا کر پانی کی طرف دوڑتا ہے تاکہ آگ کی گرمی کا توڑ پانی سے کرے اور وہ کھولتا ہوا پانی ایسا ہوگا ''وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾'' (محمد: ۱۵)۔ (اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا O)۔ وہ گرم ہوا کی شدت یا دوزخ کی آگ کی تپش سے سائے کی طرف دوڑیں گے جیسے انسان دھوپ کی تپش سے گھبرا کر سائے کی طرف جاتا ہے اور دوزخیوں کا سایا دھواں ہوگا، اس آیت میں ''یحموم'' کا لفظ ہے، لغت میں ''یحموم'' کا معنی ہے: شدید سیاہ، ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''حمم'' سے بنا ہے، اس کا معنی ہے کوئلہ، ضحاک نے کہا: دوزخ کی آگ سیاہ ہے، اس کے رہنے والے سیاہ ہیں اور اس کی ہر چیز سیاہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾

اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں، سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں O (الاسراء: ۱۶)

اس آیت پر بہ ظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل میں کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے، پھر اس کی بنیاد اور جواز فراہم کرنے کے لیے وہاں کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتا ہے تاکہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دے، اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے کہ ان پر احکام نازل کیے جائیں اور وہ ان کی خلاف ورزی کریں تاکہ ان پر عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کے بندوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے، وہ صرف اس سے راضی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور بندوں کو اجر و ثواب دیا جائے، وہ فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۖ (النساء: ۱۴۷) اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔

شکر ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو ترک کیا جائے اور نیک کاموں کو دوام اور تسلسل کے ساتھ کیا جائے اور تا حیات ایمان کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔

بعض انسان دنیا میں اپنے اعمال سے دنیا کی منفعتوں، لذتوں اور دنیا میں اقتدار اور حاکمیت کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں، یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تو ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ جاتی رہے گی، اللہ تعالیٰ دنیا میں سے جتنا حصہ انہیں دینا چاہے وہ ان کو دے دیتا ہے اور انجامِ کار آخرت میں ان کو جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ مذمت کیے ہوئے دھتکارے ہوئے جہنم میں داخل ہوں گے۔

پس اصحاب الشہوات وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں میں داخل ہو گئے جن چیزوں سے دوزخ کا احاطہ کیا ہوا ہے اور حجاب ڈالا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ

رہی جنت، تو اس کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ نیکی کا عمل ان نفوس کے لیے شاق اور مکروہ ہوتا ہے جو برائی کا حکم دینے والے ہیں، اسی لیے تم اکثر لوگوں کو پاؤ گے کہ خیر کے عمل کے وقت ان کا دل تنگ ہوتا ہے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں لیکن یہ خیر کے عمل ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں۔

انسان جب اطاعت کے کاموں کا اخلاص کے ساتھ عادی ہو جائے اور ان کی متابعت کرے تو اسے اطاعت اور عبادت ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کی خطائیں معاف ہوتی ہیں جب وہ تکلیف اور مشقت کے وقت میں پورا پورا وضو کرے یعنی سرد موسم میں۔ انسان اپنے آپ کو ایذاء پہنچانا ناپسند کرتا ہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں اس کو ایذاء پہنچتی ہے لیکن جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی خطائیں معاف ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں تو وہ اس تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔ یا جیسے انسان حج کے لیے سفر کرے یا جہاد کے لیے سفر کرے تو یہ اس کو طبعاً ناپسند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ (البقرہ: ۲۱۶) اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۷۳۔ ۳۷۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابٌ: اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ

جنت تم میں سے کسی ایک کے اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے اور دوزخ بھی اسی طرح ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جنت کا بندہ کے ساتھ قرب بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح دوزخ کا بھی بندہ کے ساتھ قرب بیان کیا گیا ہے۔یعنی اگر ایسے کام کرے گا جو جنت میں دخول کا موجب ہوں تو جنت میں چلا جائے گا اور اگر ایسے ناجائز کام کرے گا جو دوزخ میں دخول کا موجب ہوں تو دوزخ میں چلا جائے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۸۔حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔
(مسند احمد:۳۶۵۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن مسعود نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور اور الاعمش از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ،انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت تم میں سے کسی ایک کے اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے اور دوزخ بھی اس کے مثل ہے۔

صحیح البخاری:۶۴۸۸،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن مسعود، یہ ابوحذیفہ النہدی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔اور یہ تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں''شراك النعل'' کا ذکر ہے: یہ وہ جگہ ہے جس میں مرد اپنی انگلی کو داخل کرتا ہے اور اس کا اطلاق ہر اس چمڑے پر ہوتا ہے جس سے قدم کی حفاظت کی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ اطاعات اور عبادات جنت کی طرف پہنچاتی ہیں اور معاصی اور گناہ دوزخ کے قریب کرتے ہیں اور معاصی اور گناہ بندہ کو بہت آسان لگتے ہیں تو مومن کو چاہیے کہ وہ خیر کو ترک نہ کرے اور شر پر مداومت نہ کرے، بسا اوقات وہ شر کو آسان سمجھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین ہوتا ہے، کیونکہ مومن اس نیکی کو نہیں جانتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس برائی کو نہیں جانتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۹۔حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَصْدَقُ بَيْتٍ قَالَهُ الشَّاعِرُ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: سب سے سچا شعر یہ ہے جس میں شاعر نے کہا ہے: ''سنو! ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا ہے باطل ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۸۴۱، ۶۱۴۷، ۶۴۸۹، صحیح مسلم: ۲۲۵۶، سنن ترمذی: ۲۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۵۷، مسند احمد: ۸۸۶۶)

صحیح البخاری: ۶۴۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

میں نے شارحین میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس باب میں اس حدیث کو وارد کرنے کی وجہ ذکر کی ہو، اسی وجہ سے علامہ ابن بطال نے اس حدیث کو اس سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے۔ پس میں کہتا ہوں: اس فیضِ الٰہی سے جو میرے دل میں واقع ہوا ہے کہ دنیا کی ہر وہ چیز جو اللہ کے ماسوا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع نہ کرتی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب ہو جب وہ چیز باطل ہو تو اس کے ساتھ مشغول ہونا جنت سے دور کرنے کا سبب ہے باوجود اس کے کہ جنت بندہ کے اس کی جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات کے معاملات میں مشغول ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے امر میں داخل ہے اور یہ دوزخ سے دور کرتی ہیں حالانکہ دوزخ بندہ کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لبید کا تذکرہ

جس شاعر کا یہ شعر ہے اس کا نام لبید ہے، اور یہ عامر ہیں اور پھر جعفری ہیں اور یہ صحابی ہیں جو مشہور شاعر ہیں اور یہ بنو جعفر بن کلاب کے وفد میں آئے تھے اور اسلام قبول کیا اور اسلام میں اچھے عمل کیے اور جب سے اسلام لائے انہوں نے کوئی شعر نہیں کہا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے، اس سے مخصوص چیزیں مراد ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے دور کرنے والی ہوں وہ چیزیں باطل ہیں ورنہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے قریب کرے وہ باطل نہیں ہے اور شاعر کا ارادہ یہ ہے کہ امرِ دنیا میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے، جو چیز ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف نہ لوٹاتی ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نہ حاصل ہوتا ہو تو وہ باطل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۱۹۸)

صحیح البخاری: ۶۴۸۸، میں یہ دلیل ہے کہ اطاعات اور عبادات جنت کی طرف پہنچاتی ہیں اور گناہ اور معاصی دوزخ کے قریب

پہنچاتے ہیں اور وہ بندہ کو بہت آسان لگتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرد کوئی بات کہتا ہے جو اللہ کی رضا مندی کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے لیے اپنی رضا مندی قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے اور ایک آدمی کوئی بات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے اور اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے متعلق اپنی ناراضگی کو قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۹، موطا امام مالک ص ۷۰۹)

اسی طرح علامہ داؤدی نے کہا ہے: اللہ کے ماسوا سے مراد وہ ہیں جو انبیاء اور رسل اور فرشتے اور آسمانی کتابوں کے ماسوا ہوں، کیونکہ یہ تمام امور برحق ہیں اور یہ ارادہ کیا ہے کہ جو اللہ کے لیے نہ ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابٌ: لِيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ وَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ

انسان کو چاہیے کہ اپنے سے کم درجہ والے کو دیکھے اور اپنے سے بلند درجہ والے کو نہ دیکھے

۶۴۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۷۳۶۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اس کی طرف دیکھے جس کو اس کے اوپر مال میں اور جسمانی بناوٹ میں فضیلت دی گئی ہے تو چاہیے کہ اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم درجہ کا ہے جو ان میں سے ہے جن پر اس کو فضیلت دی گئی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیز امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اس کی طرف دیکھو جو تم سے کم درجہ کا ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بلند درجہ کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، وہ عبد اللہ ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، وہ عبد الرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس کی طرف دیکھنا چاہیے جو اس سے کم درجہ کا ہے'' تا کہ اس کے اوپر اپنی کمی آسان ہو جائے۔

اور جو اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت دی ہے اس کا وہ شکر ادا کرے، یہ دنیاوی امور کے متعلق ہے اور رہا دینی امور کا معاملہ اور وہ امور جن کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے تو آدمی کو چاہیے اس کی طرف دیکھے جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہے تا کہ فضائل کے حصول میں اس کی رغبت زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے: یہ حدیث خیر کے تمام معانی کی جامع ہے، کیونکہ بندہ جب اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور اس میں کوشش کرتا ہو اور وہ اس شخص کو دیکھے جو اس سے زیادہ عبادت کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں یہ چاہے گا کہ یہ بھی عبادت کرے تا کہ اس کے ساتھ لاحق ہو جائے اور پھر وہ ہمیشہ اپنے رب کا زیادہ قرب حاصل کرتا رہے گا۔

اور جو شخص دنیا میں کسی خسیس حال کے اوپر ہو تو وہ غور کرے تو دنیا میں ایسے لوگ ہوں گے جو اس سے زیادہ خسیس حال میں ہوں گے، پس جب وہ اس شخص کو دیکھے گا اور اس پر غور کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ نعمتیں آشکار ہوں گی، پھر وہ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے بہتر حال میں رکھا۔ اور یہ نہیں سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمتیں کم دی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا طریقہ

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مال داروں کے پاس کم جایا کرو یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کم نہ سمجھو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس مرض کی دوا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے سے دنیاوی اعتبار سے بڑے مرتبہ کے شخص کو دیکھے گا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں حسد پیدا ہو اور اس کی دوا یہ ہے کہ وہ اپنے سے دنیاوی اعتبار سے کم درجہ کے آدمی کو دیکھے تا کہ یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا محرک ہو۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں جس شخص میں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شاکر صابر لکھ دے گا: جو شخص دنیا میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم درجہ کا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنا فضل فرمایا ہے۔ اور جو دین میں اس کی طرف دیکھے گا جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہو تو وہ اس کی اقتداء کرے گا اور جس نے دنیا میں اس شخص کو دیکھا جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہے تو وہ اس پر افسوس کرے گا کہ اس کو ایسی نعمتیں نہیں ملیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو شاکر صابر نہیں لکھے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۵۔ ۵۴۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اگر کسی مرد کو یہ خطرہ ہو کہ مال داروں کے پاس جانے سے وہ ان کے خلاف حسد میں مبتلا ہوگا اور اس کے اوپر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو وہ کم سمجھے گا تو پھر اس کو مال داروں کے پاس جانے سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ مال داروں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۷۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ مال داروں کے پاس کم جایا کرو، وہ صحیح اور برحق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے وقت مال داروں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بلاضرورت مال داروں کے پاس نہیں جانا چاہیے۔
(سعیدی غفرلہ)

۳۱- بَابُ: مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ أَوْ بِسَيِّئَةٍ — جس نے نیک کام کرنے یا برا کام کرنے کا ارادہ کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کے عنوان میں ''ھم'' کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے: دل کا کسی کام کے کرنے کو ترجیح دینا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۱- حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا جَعْدُ بْنُ دِينَارٍ أَبُو عُثْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ قَالَ إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً۔
(صحیح مسلم: ۱۳۱، مسند احمد: ۲۸۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جعد بن دینار ابو عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو رجاء العطاردی نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ کر مقدر کر دیا ہے، پھر ان کا بیان فرما دیا ہے، سو جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس سے لے کر سات سو نیکیوں بلکہ اس سے بھی بڑھا کر لکھ دیتا ہے۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر

عمل کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھ دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے نیکی یا برائی کا ارادہ کیا'' اور اس جملہ کا بعینہٖ حدیث میں ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابومعمر کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عمرو بن الحجاج المنقری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں جعد کا ذکر ہے، ان کی کنیت ابوعثمان الرازی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابورجاء کا ذکر ہے، ان کا نام عثمان بن تمیم العطاردی ہے اور یہ تمام راوی بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں''۔ اس میں یہ بیان ہے کہ یہ حدیث احادیثِ قدسیہ میں سے ہے یا واقعہ کا بیان ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اور رب عزوجل نے فرمایا کہ اس نے نیکیوں کو مقدر کر دیا اور اسی طرح برائیوں کو بھی مقدر کر دیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یہ قاعدہ باطل ہے کہ حسن اور قبح عقلی ہیں اور افعال اپنی ذات میں قبیح یا حسن نہیں ہوتے بلکہ حسن اور قبح شرعی ہیں حتیٰ کہ اگر شارع اس کے برعکس ارادہ کرے تو برعکس ہو جائے گا یعنی اگر نماز سے منع فرمادے تو وہ قبیح ہو جائے گی اور زنا کا حکم دے تو وہ حسن ہو جائے گا، اور اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز فی نفسہٖ حسن ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منع نہیں کرے گا اور زنا فی نفسہٖ قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دے گا، اور شارع علیہ السلام کاشف اور مبیّن ہیں مثبت نہیں ہیں اور ان کا اس کے برعکس حکم دینا جائز نہیں ہے۔

حسن اور قبح کے عقلی اور شرعی ہونے کی تحقیق

میں کہتا ہوں: اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حسین ہے اور جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ قبیح ہے، اپنی ذات میں کوئی کام اچھا ہے نہ برا ہے۔ سچ بولنا اس لیے اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا اور جھوٹ بولنا اس لیے برا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے کا حکم دیتا تو وہ اچھا ہوتا اور سچ بولنے سے منع فرماتا تو وہ برا ہوتا، لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی ہے۔

ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے۔ سچ بولنا، عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ سب اپنی ذات میں اچھے کام تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے۔ اور جھوٹ بولنا، کفر کرنا اور زنا کرنا یہ کام اپنی ذات میں برے اور قبیح تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا، لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی نہیں ہے عقلی ہے۔

حسن وقبح کے عقلی ہونے کے دلائل

ماتریدیہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے O

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ بے حیائی ہے اور برا طریقہ ہے۔ زنا برا طریقہ اس لیے ہے کہ زنا کی وجہ سے نسب محفوظ نہیں رہتا اور یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون شخص کس کا بیٹا ہے اور کس کے نسب سے ہے، اس لیے افزائش نسل کے لیے زنا کرنا برا طریقہ ہے۔ اور جو کام فی نفسہٖ بے حیائی ہو اور برا طریقہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا حکم دینا محال ہے۔ نیز ماتریدیہ کی دلیل یہ آیت بھی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ:۹۰۔۹۱)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو O شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خمر (انگور کی شراب) پینے سے منع فرمایا ہے اور شرط لگا کر جوا کھیلنے سے منع فرمایا ہے اور ان کی حسب ذیل خرابیاں بیان فرمائی ہیں:

(۱) خمر ناپاک ہے (۲) شیطان کے عمل سے ہے (۳) خمر اور جوئے کی وجہ سے شرابی ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہیں اور بغض رکھتے ہیں، اسی طرح جوئے میں بھی ہارنے والا جیتنے والے سے عداوت اور بغض رکھے گا (۴) اور اس میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان خرابیوں کی وجہ سے خمر اور جوئے کو حرام فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرہ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے۔

اس آیت میں بھی ماتریدیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام فرمایا اور بتایا کہ ہر چند کہ اس میں کچھ فائدہ بھی ہے لیکن اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہے۔ اور نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے شراب اور جوئے کو حرام فرما دیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور آپ سے حیض کا حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ گندگی

النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ (البقرہ:۲۲۲) ہے، سو عورتوں سے حالتِ حیض میں الگ رہو اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں۔

لوگ آپ سے سوال کرتے تھے کہ جب بیوی ایامِ حیض میں ہو تو اس سے مجامعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ گندگی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حالتِ حیض میں بیوی سے مجامعت کرنے کی قباحت عقلی ہے، چونکہ یہ گندا کام تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا ہے۔

نیز ماتریدیہ کی دلیل یہ آیت بھی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (العنکبوت:۴۵) بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور یہ نماز کا حسنِ عقلی ہے۔ اور نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا ہوتا ہے اور منعم کا شکر ادا کرنا یہ بھی حسنِ عقلی ہے۔

واضح رہے کہ اکثر فقہائے احناف ماتریدی ہیں اور اکثر فقہائے شافعیہ اشعری ہیں اور علامہ کرمانی چونکہ شافعی ہیں اس لیے انہوں نے حسن وقبح کے شرعی ہونے کو بیان کیا ہے، علامہ بدرالدین عینی چونکہ حنفی ہیں اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ حسن وقبح عقلی ہونے پر دلائل پیش کرتے لیکن ان کی طرف سے یہ فریضہ اس ناکارہ نے سرانجام دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "پس جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے"۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس نیکی کو لکھ دیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کو اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اور کراماً کاتبین اس تقدیر کو جان لیتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اگر اس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو وہ نیکی دس گنا لکھ دی جاتی ہے"۔

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (الانعام:۱۶۰) جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اس کی وہ نیکی سات سو گنا تک لکھ دی جاتی ہے اور اس کو دگنا بھی کر دیا جاتا ہے"، جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ:۲۶۱) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے ان کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ جب نیکی کا ارادہ اس لیے معتبر ہوتا ہے کہ وہ دل کا فعل ہے تو چاہیے کہ برائی کے ارادہ کا بھی اسی طرح اعتبار کیا جائے کیونکہ وہ بھی دل کا فعل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضلِ عظیم نہ ہوتا تو جنت میں کوئی شخص نہیں داخل ہو سکتا تھا، اس لیے کہ بندوں کی برائیوں کی تعداد نیکیوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے، پس اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر یہ لطف وکرم فرمایا کہ ان کی نیکیوں کو تو دگنا چوگنا کر دیا اور برائیوں کو دگنا چوگنا نہیں کیا بلکہ ایک برائی کی اتنی سزا رکھی جتنی ایک برائی کی سزا ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض برائیوں کی سزا تو دگنی بھی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ذکر ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ۞ (الاحزاب: ۳۰)

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا، اس کو دہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ازواجِ مطہرات کا مقام اور مرتبہ عام مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ بھی عام مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ رکھا ہے۔ لیکن ازواجِ مطہرات کی ایک معصیت کا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مواخذہ ہے ان سے وہ ایک مواخذہ ہی کیا جائے گا دو مواخذے نہیں کیے جائیں گے۔

اس کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان اگر بھولے سے کوئی نافرمانی کرلے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوتا لیکن حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے سے ممنوعہ درخت سے کھا لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۞ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا O

پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے سخت مواخذہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۞ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۞ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ۞ (الاعراف: ۲۲-۲۴)

پس جب (حضرت آدم وحوا علیہما السلام) دونوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لیے ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے O دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O فرمایا: اترو، تم

میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں
ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے O

اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس سے مواخذہ بھی شدید ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا: بے شک تم اس زمانہ میں ہو کہ تم میں سے جس نے کسی ایک حکم پر دسواں حصہ بھی عمل نہیں کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر بعد میں ایسا زمانہ آئے گا کہ جس نے ان احکام میں سے دسواں حصہ بھی عمل کرلیا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔ (سنن ترمذی: ۲۲۶۷)

کیونکہ صحابہ کرام کا مرتبہ بہت زیادہ تھا، انہوں نے اپنے سامنے نبوت کو چلتے پھرتے دیکھا اور سینکڑوں معجزات کا مشاہدہ کیا، نگاہِ رسالت نے ان کی تربیت کی اور ان کا اجر اتنا زیادہ رکھا کہ اگر وہ تھوڑے سے جو بھی صدقہ کردیں تو اس کا اجر بعد والوں کے احد پہاڑ جتنے صدقہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور جس نے حالتِ ایمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا یا ایک ساعت آپ کی ہم نشینی کی تو بعد کے لوگوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرلے وہ صحابی رسول کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو جب ان کا اجر اتنا زیادہ رکھا تو ان سے مواخذہ بھی بہت شدید رکھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''عزم'' اور ''ھم'' کے مباحث (''ھم'' کا معنی ہے: کسی فعل کو ترجیح دینا)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ برا کام نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب بندہ نے برائی کا ارادہ کیا اور اس برائی کو نہیں کیا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس کی وہ برائی نہ لکھی جاتی۔ اس کی نیکی کس طرح لکھ دی جاتی ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ برائی سے باز رہنا بھی نیکی ہے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص بیس سال نماز پڑھنے کے بعد بھی ایک نماز کو ترک کرنے کا عزم کرے تو وہ اسی حال میں نافرمان قرار پائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عزم ہے۔ عزم کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی کام کو کرنے کی پختہ نیت کرلے اور حدیث میں جو ذکر ہے وہ نیکی کا ''ھم'' ہے یا برائی کا ''ھم'' ہے۔ یعنی وہ نیکی کے کام کو ترجیح دے یا برائی کے کام کو ترجیح دے اور نیکی کو کرنے کی یا برائی کو کرنے کی نیت اور عزم نہ کرے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: جب کوئی بندہ اپنے دل میں معصیت کی تحسین کرے تو اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا لیکن جب اس معصیت کا عزم کرلے تو پھر وہ حدیثِ نفس کے مرتبہ سے نکل جاتا ہے، پھر وہ دل کا عمل ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ کسی فعل کو کرنے کی نیت کرلے تو اس وقت وہ معصیت کا اور گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اور ''ھم'' اور عزم میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے دوران نماز کے توڑنے کا ''ھم'' کرے یعنی نماز کے توڑنے کے قصد کو ترجیح دے لیکن نماز کو توڑنے کی نیت نہ کرے تو اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ نماز کو توڑنے کا عزم کرلے اور اس کی نیت کرلے تو پھر اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرے اور پھر اس برائی کو نہ کرے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اس برائی کو ترک کرنے کا ارادہ کرے لیکن اگر کسی شخص نے اس پر جبر کیا اور اس نے حالتِ جبر میں برائی کو ترک کیا تو پھر اس برائی کے ترک کرنے کو نیکی قرار نہیں دیا جائے گا اور وہ اس حدیث کی عبارت میں داخل نہیں ہے۔

اور علامہ طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کی تصحیح اور تصویب ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ کراماً کاتبین بندہ کی نیکی یا برائی کے ارادہ کو لکھ لیتے ہیں اور اسی طرح وہ بندہ کی نیکی یا برائی کے اعتقاد کو بھی لکھ لیتے ہیں اور علامہ طبری نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ کراماً کاتبین صرف اسی عمل کو لکھتے ہیں جو بندہ کا عمل ظاہر ہو اور سنائی دے اور وہ بندہ کے دل کے ارادہ پر مطلع نہیں ہوتے۔

فرشتے بندہ کے دل کے افعال پر کس طرح مطلع ہوتے ہیں؟

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتے غیب کے عالم تو نہیں ہیں، پس انہیں بندہ کے دل کے ارادہ کا کیسے پتا چل جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس بندہ سے پاکیزہ اور پسندیدہ خوشبو نکلتی ہے اور جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے اور برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے ناگوار بدبو نکلتی ہے تو فرشتے اس خوشبو یا بدبو سے اس کے نیکی یا برائی کے ارادہ کو پہچان لیتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس حدیث کو امام طبری نے بیان کیا ہے اس کی ابو معشر المدنی نے روایت کی ہے۔ اور عنقریب کتاب التوحید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آئے گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب میرا بندہ کسی برے کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو تم اس کو اس وقت تک نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس برائی پر عمل کرلے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرشتہ آدمی کے دل کے احوال پر یا تو اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے مطلع ہوتا ہے اور یا اللہ تعالیٰ اس میں ایسا علم پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ بندہ کے دل کے افعال اور احوال پر مطلع ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیکی اور برائی کے "ھم" کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فضل

اس حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی مقدار کو بیان فرمایا ہے بایں طور کہ بندہ اگر نیکی کا "ھم" کرے یعنی نیکی کو ترجیح دینے کا قصد کرے اور خواہ وہ نیک کام نہ کرے پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کو بندہ کی نیکی قرار دیتا ہے اور اگر وہ برائی کا "ھم" کرے یعنی برائی کے فعل کو ترجیح دے خواہ اس کا عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بندہ کی نیکی قرار دیتا ہے۔ اور اگر وہ برائی کا ارتکاب کرلے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کا عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں قرار دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضلِ عظیم نہ ہوتا تو کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوتا کیونکہ بندہ کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوتی ہیں، سو اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ لطف کیا کہ اس کی نیکیوں کو تو دگنا چوگنا کر دیا اور اس کی برائیوں کو دگنا چوگنا نہیں کیا۔ اور نیکیوں کے ارادہ کو نیکی قرار دیا کیونکہ نیکی کا ارادہ بندہ کے دل کا فعل ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور برائی نہ کرے تو چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برائی نہ لکھتا تو اس کی برائی نہ کرنے کو نیکی کس طرح لکھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس طرح ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل حدیث میں برائی سے رکنے کو بھی صدقہ فرمایا ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے حدیث بیان کی از والد خود از جدِ خود، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، صحابہ نے پوچھا: پس اگر وہ (کوئی چیز) نہ پائے؟ آپ نے فرمایا: پس وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کر کے اس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، صحابہ نے پوچھا: اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے یا نہ کر سکے، آپ نے فرمایا: پھر وہ ضرورت مند مظلوم کی مدد کرے، صحابہ نے عرض کیا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ خیر کا حکم دے یا فرمایا: نیکی کا حکم دے، راوی نے کہا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ برائی سے باز رہے، کیونکہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۲۲، صحیح مسلم: ۱۰۰۸، سنن نسائی: ۲۵۳۸، مسند احمد: ۱۹۰۳۷، سنن دارمی: ۲۷۴۷)

فرشتوں کو بندہ کے دل کے افعال کا کیسے علم ہوتا ہے؟

یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے ایسی علامت مقرر کر دی ہو جس سے ان کو بندہ کے دل کے افعال کا علم ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے بہ کثرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب کی سبیل مہیا فرما دی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے بنی اسرائیل سے کہا:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران: ۴۹)

اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں اللہ کے اذن سے مادرزاد اندھے اور برص زدہ کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمہارے لیے قوی نشانی ہے ۝

اور بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت علمِ غیب کی خبریں دی ہیں۔ تو اس میں کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ ابنِ آدم کے ساتھ جو لکھنے والے فرشتے مقرر کیے گئے ہوں ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی سبیل مقرر کر دی ہو جس سے انہیں بنو آدم

کے دلوں میں نیک کام کرنے اور برے کام کرنے کا علم ہو جائے اور فرشتے اس کو لکھ لیتے ہوں جب وہ اپنے دل میں کسی نیک کام کا ارادہ کرے یا اس کا عزم کرے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دل کے افعال پر مواخذہ ہونے کے دلائل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

جو لوگ اس سے محبت رکھتے ہوں کہ مومنوں میں بے حیائی کی بات پھیلے تو یہ محبت رکھنا ان کے دل کا فعل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اس آیت میں بدگمانی کرنے اور تجسس کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ دل کے افعال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (البقرہ: ۲۳۵)

اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کی عدت کے ایام میں اس عورت کو نکاح کا پیغام دینے سے منع فرمایا ہے اور یہاں تک فرمایا کہ عدت کے دوران تم اس کو نکاح کا پیغام دینے کا عزم بھی نہ کرو حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے۔ اور عزم کرنا دل کا فعل ہے، اس

سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اسی طرح احادیث میں بھی دل کے افعال پر مواخذہ کا ثبوت ہے:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس مرد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے روانہ ہوا، سو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ میں نے کہا: میں اس مرد کی مدد کروں گا (اس وقت حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ جاری تھی اور احنف بن قیس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے جانا چاہتے تھے) تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: واپس آجاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کو ٹکرائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، پس مقتول (کے دوزخی ہونے) کی کیا وجہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے صاحب کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۴۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ جو شخص اپنے صاحب کے قتل پر حریص ہو تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا، حالانکہ حرص دل کا فعل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گمان کرنے سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور تجسس نہ کرو اور (کسی کے حالات جاننے کے لیے) تفتیش نہ کرو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (صحیح البخاری: ۶۰۶۴)

نیز علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی مسلمان سے حسد کرنا اور مسلمانوں کو حقیر جاننا اور کسی مکروہ چیز کا ارادہ کرنا یہ اعمال قلوب میں سے ہیں اور ان سب پر مواخذہ ہوتا ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں جو وسوسے آتے ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے جو ان کے دلوں میں آتی ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا ان کے مطابق کلام نہ کریں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۹، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ترمذی: ۱۱۸۶، سنن نسائی: ۳۴۳۱، مسند احمد: ۹۵۰۳)

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں ہوتا اور حدیثِ نفس سے مراد یہ ہے کہ دل میں کسی کام کا خیال آئے اور دل اس کام کی تحسین کرے اور اس کی طرف ترغیب دے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن جب آدمی دل سے اس کام کا عزم کرلے تو پھر اس پر مواخذہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید کی آیت البقرہ: ۲۳۵ میں ہے کہ دورانِ عدت کسی کو نکاح کا پیغام دینے کا عزم نہ کرو۔ سو عزم سے منع کیا گیا ہے اور وہ دل کا فعل ہے، ہاں حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل سے پختہ ارادہ نہ کرے۔ سو اگر کسی گناہ کا خیال دل میں آئے اور نفس اس کی طرف راغب بھی ہو اور اس کی تحسین کرے

اور اس کی طرف ترغیب دے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس گناہ کا عزم نہیں کرے گا۔

اسی طرح اگر دل میں نیک کاموں کا خیال آئے اور ان کا بندہ عزم کرے تو اس پر اجر ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہترین اللہ کا ذکر وہ ہے جو مخفی ہو۔ (مسند احمد: ج ۱ ص ۱۷۲، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۹۱، شعب الایمان ج ۱ ص ۴۰۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو جس کو فرشتے بھی نہیں سنتے اور یہ اس ذکر پر ستر درجے افضل ہے جس کو فرشتے سنتے ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۸ ص ۱۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے اور دل کے افعال پر عذاب بھی مرتب ہوتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۴۰۔ ۵۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابٌ: مَا يُتَّقَى مِنْ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ — گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! گناہوں کو معمولی سمجھنے سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اس کی طرف سے مطالبہ ہوگا۔ اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور محقرات، محقرۃ کی جمع ہے، یہ وہ گناہ ہیں جن کو ان کا کرنے والا حقیر سمجھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعَرِ إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمُوبِقَاتِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يَعْنِي بِذَلِكَ الْمُهْلِكَاتِ۔ (مسند احمد: ۱۲۱۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی نے حدیث بیان کی از غیلان از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ بے شک تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں اور بے شک ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے شمار کرتے تھے۔

امام ابو عبد اللہ نے کہا کہ "موبقات" سے مراد "مہلکات" ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت معنوی طور پر ثابت ہے یعنی جب گناہوں کو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ہلاک کرنے والے ہیں تو پھر ان سے بندہ اجتناب کرے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مہدی، یہ ابن میمون الازدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غیلان، یہ ابن جریر ہیں۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ غیلان بن جامع ہیں اور یہ صراحتاً غلط ہے، اس لیے کہ غیلان بن جریر اہل بصرہ میں سے ہیں اور غیلان بن جامع کوفی ہیں جو کوفہ کے قاضی تھے اور اس سند کے تمام رجال بصری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث کا معنی قرآن مجید کی اس آیت کی طرف راجع ہے:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ (النور:۱۵)

اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی O

اور صحابہ کرام صغیرہ گناہوں کو بھی مہلکات میں شمار کرتے تھے، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ خوف تھا۔ اور وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے تھے اور جب آدمی بہت زیادہ گناہوں کو معمولی سمجھے تو پھر وہ گناہ کبیرہ ہو جاتے ہیں کیونکہ صغیرہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گناہوں کو معمولی نہ سمجھنے کے متعلق دلائل

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین ظاہری اور صورتاً جھوٹ بولے تھے: ایک یہ تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے حالانکہ ان کا یہ کلام حقیقت میں جھوٹ نہ تھا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر حضرت سارہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی مومن نہیں تھا اور ان کی مراد یہ تھی کہ وہ ان کی دینی بہن ہیں۔ اسی طرح جب کفار نے ان کو میلے میں چلنے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا کہ میں بیمار ہوں، ان کی مراد یہ تھی کہ تمہاری گمراہی اور بت پرستی کی وجہ سے مجھے رنج اور تکلیف ہے اور یہ بھی جھوٹ نہیں تھا۔ اسی طرح جب انہوں نے قوم کے بتوں کو توڑ دیا اور صرف بڑے بت کو باقی رکھا اور قوم نے آ کر پوچھا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ان کا بڑا بت تو یہاں موجود ہے ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں تو۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بھی جھوٹ نہیں تھا لیکن جب حشر کے دن لوگ ان کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تو ان کو اپنے یہ تین ظاہری جھوٹ یاد آئیں گے اور وہ شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال خوف ہے۔ اسی طرح کاملین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ان سے کوئی معمولی غلطی بھی ہو جائے تو

وہ اس کو بہت سنگین سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ جس چیز پر چاہے مواخذہ فرما سکتا ہے۔ وہ چاہے تو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دے، اور وہ چاہے تو ایک بلی کو باندھ کر بھوکا پیاسا رکھنے کی وجہ سے ایک عورت کو دوزخ میں ڈال دے، سو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

ابن وہب از عمرو بن حریث از یزید بن ابی حبیب از اسلم بن عمران روایت کرتے ہیں، انہوں نے ابوایوب سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ ایک آدمی کوئی نیک کام کرتا ہے اور اس پر اعتماد کر لیتا ہے اور گناہوں کو معمولی سمجھتا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے گناہوں نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہوگا۔ اور ایک مرد کوئی برا کام کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ امن میں ہوگا۔

اور اسد بن موسیٰ نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: تم گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ گناہ جمع ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ گناہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیں گے۔

ابوعبدالرحمٰن الحبلی نے کہا ہے: اس شخص کی مثال جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کو ایک درندہ ملا وہ اس سے بچ گیا، پھر اس کو ایک نر اونٹ ملا وہ اس سے بھی بچ گیا، پھر اس کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا اور اس کو درد پہنچایا، پھر دوسری چیونٹی نے کاٹا، پھر تیسری چیونٹی نے کاٹا حتیٰ کہ کئی چیونٹیوں نے اس کو کاٹ کر بے ہوش کر دیا، وہ اسی طرح ہے جو مرد کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اور صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے تو تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں پر عذاب دیتا ہے تو تم اس سے دھوکہ میں نہ آؤ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۴۷۔۵۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابٌ: اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ وَمَا يُخَافُ مِنْهَا — اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے اور خاتمہ سے ڈرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال کا مدار خاتمہ اور انجام پر ہے۔

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ خاتم میں تاء پر زبر بھی ہے اور تاء کے نیچے زیر بھی ہے، پھر کہا: اس کی جمع خواتیم ہے۔

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ کا رد فرماتے ہیں: یہ عجیب تصرف ہے کیونکہ علامہ ابن ملقن نے یہاں پر یہ گمان کیا ہے کہ خواتیم یہاں پر اس خاتم کی جمع ہے جس کو پہنا جاتا ہے یعنی انگوٹھی، حالانکہ اس کا یہاں پر کوئی دخل نہیں ہے۔ یہاں خواتیم سے وہ اعمال مراد ہیں جن اعمال کو کرتے کرتے مرد کی موت واقع ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ الْأَلْهَانِيُّ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ نَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى رَجُلٍ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنْهُمْ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا فَتَبِعَهُ رَجُلٌ فَلَمْ يَزَلْ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَالَ بِذُبَابَةِ سَيْفِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ فَتَحَامَلَ عَلَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عیاش الالھانی الحمصی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کو دیکھا جو مشرکین سے قتال کر رہا تھا، اور مسلمانوں کے نزدیک وہ شخص ان سے بہت زیادہ دفاع کرنے والا تھا، تو آپ نے فرمایا: جو شخص اس مرد کو دیکھنا چاہے جو اہلِ دوزخ میں سے ہو تو وہ اس مرد کو دیکھ لے، پھر ایک شخص اس مرد کے پیچھے پیچھے رہا اور اسی طرح اس کا پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ وہ مرد زخمی ہو گیا، اس نے موت کو جلدی طلب کیا اور اس نے تلوار کی نوک کو اپنے دو پستانوں کے درمیان رکھ کر اپنے آپ کو اس تلوار پر گرا دیا حتیٰ کہ وہ تلوار اس کے دونوں کندھوں کے درمیان سے نکل گئی، تب نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک بندہ ضرور عمل کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ اہلِ جنت کا عمل کر رہا ہے اور بے شک وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے، اور ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوزخیوں کے سے عمل کر رہا ہے اور وہ اہلِ جنت سے ہوتا ہے، اعمال کا دارومدار تو خاتمہ پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۸، ۴۲۰۲، ۴۲۰۷، ۶۴۹۳، ۶۶۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۲، مسند احمد: ۲۳۳۰۶)

صحیح البخاری: ۶۴۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس مرد کا ذکر ہے جو بہ ظاہر جہاد کر رہا تھا لیکن حقیقت میں وہ اہلِ دوزخ میں سے تھا کیونکہ اس نے انجام کار خودکشی کر لی تھی، اس لیے اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عیاش کا ذکر ہے، یہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، یہ محمد بن مطرف

ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔
یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب "لایقال فلان شھید" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے اور یہ حدیث کتاب المغازی میں بھی گزری ہے اور عنقریب کتاب القدر میں بھی آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جو ایسے مرد کی طرف دیکھنا چاہے جو اہلِ دوزخ میں سے ہو" اس مرد کا نام قزمان تھا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "کان من اعظم المسلمین غناء عنھم" یعنی مسلمانوں کے نزدیک وہ مرد مسلمانوں کی طرف سے بہت زیادہ مدافعت کرنے والا تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بذبابة" ذبابة کا معنی ہے: تلوار کی ایک طرف، اس مرد نے تلوار کی ایک طرف کو اپنے پستانوں کے درمیان رکھ کر اس پر زور دیا اور وہ تلوار اس کے آر پار ہو گئی۔
بہ ظاہر اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی طرف سے جہاد کر رہا تھا اور وہ خودکشی کر کے مر گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جہنمی فرمایا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ خودکشی کرنا تو گناہِ کبیرہ ہے تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ تو دوزخ میں نہیں رہتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے باطن میں اس کے کفر پر مطلع تھے، اس وجہ سے آپ نے فرمایا کہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے، یا اس شخص نے خودکشی کو حلال سمجھ کر اپنے آپ کو قتل کیا تھا، تو پھر وہ حرام کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواتیم اعمال کو بندوں سے مخفی رکھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ان کے اعمال کے خواتیم کو مخفی رکھا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے اور اس کی لطیف تدبیر ہے، کیونکہ اگر کسی انسان کو یہ علم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کس عمل پر ہوگا تو اس کے دل میں تکبر اور سستی پیدا ہو گی، جس کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور جس کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو وہ زیادہ گمراہی، سرکشی اور کفر میں مبتلا ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس علم کو اپنے ساتھ خاص رکھا تاکہ بندے خوف اور امید کے درمیان رہیں۔ پس جو اطاعت گزار ہو وہ اپنے عمل کی وجہ سے تکبر میں مبتلاء نہ ہو اور جو گناہ گار ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تاکہ ہر بندہ اللہ تعالیٰ سے خضوع خشوع کرتا رہے اور عاجزی کرتا رہے اور اس کا محتاج رہے۔
حفص بن حمید نے کہا: میں نے امام ابن المبارک سے پوچھا: یہ بتائیے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو قتل کر دیا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس سے افضل ہوں تو امام عبداللہ بن المبارک نے کہا: تمہارا اپنے متعلق بے خوف ہونا کہ تم اس قاتل سے افضل ہو یہ اس کے قتل کے گناہ سے زیادہ سنگین ہے۔

عبداللہ بن مبارک نے جو کہا کہ کسی شخص کا اپنے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ نجات یافتہ لوگوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گناہ قاتل کے گناہ سے زیادہ ہے، کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ انجامِ کار اس کا کیا حال ہوگا اور وہ کس حال پر مرے گا، اور یہ بھی نہیں جانتا کہ جس شخص کے متعلق وہ بدگمانی کر رہا ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور وہ اس حال میں مرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر چکا ہو، اور تم بھی اس کے متعلق بدگمانی کر رہے ہو تو ہوسکتا ہے تمہارا حال متغیر ہو جائے اور تم اللہ پر ایمان کے بجائے اللہ کے کفر کی طرف منتقل ہو جاؤ، پس مومن اپنے ایمان کے حال میں اگرچہ یہ جانتا ہے کہ وہ نیک کام کر رہا ہے لیکن وہ یہ تو نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں مرے گا، پس یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ وہ نیکوکار ہے اور دوسرے کے متعلق یہ بدگمانی کرے کہ وہ بدکار ہے۔ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۴۔ بَابٌ: اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَّاطِ السُّوْءِ برے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی بہ نسبت تنہائی میں رہنے میں راحت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں ''العُزلة'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے ''الاعتزال اور الانفراد'' یعنی لوگوں سے الگ تھلگ رہنا۔ اور ''خلاط'' کا لفظ خلیط کی جمع ہے، کسی مرد کا خلیط وہ شخص ہوتا ہے جس سے وہ مل جل کر رہتا ہے، اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ اور راحت کے معنی ہیں: خوشی اور استراحت اور نفس کا مطمئن اور پرسکون ہونا۔

لوگوں سے الگ تھلگ رہنے میں بہ کثرت فوائد ہیں، کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ وہ شخص لوگوں کے شر سے دور رہتا ہے۔

اور حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خلوت نشینی میں سے اپنا حصہ لو، اور ایک روایت میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خلوت نشینی میں برے ساتھیوں سے نجات اور راحت ہے۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا (میں) تمہیں یہ خبر نہ دوں کہ لوگوں میں سب سے بہتر ٹھکانے والا کون ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مرد جس نے اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کے راستہ میں پکڑی اور کیا تمہیں اس شخص کی خبر نہ دوں جو اس کے قریب ہے، یہ وہ شخص ہے جو کسی پہاڑ کی گھاٹی میں خلوت نشین ہو، نماز پڑھتا ہو اور زکوٰۃ دیتا ہو۔

پھر اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کہاں ہے جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: کامل مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

اور اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ آپ نے جو فرمایا کہ جو شخص اپنے گھوڑے

کی لگام کو پکڑے تو وہ اس عموم سے خارج ہے اور اس سے مراد خاص شخص ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بھی نیک لوگوں میں سے ہے، جیسا کہ دوسرے لوگوں نے بتایا: بہترین لوگوں میں سے وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل نیک ہو، یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص کسی وقت میں افضل ہوگا نہ کہ ہر وقت میں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۴ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَهُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ رَجُلٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَرَجُلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ أَوْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ يُونُسُ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوسعید نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا: کہا گیا یارسول اللہ! ح اور محمد بن یوسف نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے نیک کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مرد اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرے، اور جو مرد پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں ہو، اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے چھوڑ دے۔

شعیب کی متابعت الزبیدی اور سلیمان بن کثیر اور نعمان نے کی ہے از الزہری۔

اور معمر نے کہا از الزہری از عطاء یا عبیداللہ، از ابوسعید از نبی ﷺ اور یونس نے اور ابن مسافر نے اور یحییٰ بن سعید نے کہا: از ابن شہاب از عطاء از نبی ﷺ کے بعض اصحاب از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۶، ۶۴۹۴ صحیح مسلم: ۱۸۸۸، سنن ترمذی: ۱۶۶۰، سنن نسائی: ۳۱۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۷، مسند احمد: ۱۱۳۲۸)

صحیح البخاری: ۶۴۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "خلوت نشینی میں برے دوستوں سے طمانیت اور سکون ہے اور راحت ہے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "وہ مرد سب سے بہتر ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے چھوڑ دیتا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء بن یزید، یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، یہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور الاوزاعی، عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا''۔ اس اعرابی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''سب سے افضل وہ مرد ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے''۔

اس پر یہ سوال ہوگا کہ دوسری احادیث میں ہے تم میں سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن کا علم سیکھے اور قرآن کا علم سکھائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف، اوقات اور اقوام اور احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ یعنی بعض حالات میں مجاہد افضل ہوتا ہے اور بعض حالات میں معلمِ قرآن افضل ہوتا ہے، یعنی جب تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت ہو تو مجاہد افضل ہے اور جب لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے معلم کی ضرورت ہو تو پھر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا افضل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی شعب'' اس کا معنی ہے: پہاڑ میں راستہ اور پانی بہنے کی جگہ، اور دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۵ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَاجِشُونُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ خَيْرُ مَالِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ الْغَنَمُ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الماجشون نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی مسلمان مرد کا بہترین مال وہ بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں میں جائے گا اور بارش گرنے کی جگہوں میں وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑ کی چوٹیوں میں چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۹، ۳۳۰۰، ۳۶۰۰، ۶۴۹۵، ۷۰۸۸، سنن نسائی: ۵۰۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۰، مسند احمد: ۱۰۶۴۹)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور عزلت نشینی کے شرعی دلائل میں تطبیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتنوں کے زمانہ میں شہروں اور آبادعلاقوں سے نکل کر جنگلوں اور ویرانوں میں چلے جانا چاہیے،

لیکن یہ اس شخص کے لیے مشروع ہے جس کو فتنہ زائل کرنے پر قدرت نہ ہو اور جس کو ازالہ فتنہ پر قدرت ہو کہ وہ فتنہ کے ازالہ کے لیے کوشش کرے اور اس کے لیے یہ فرضِ عین ہے جب کہ وہ منفرد ہو اور اگر ایسے لوگ متعدد ہوں تو پھر یہ فرضِ کفایہ ہے۔اور جب فتنہ کے ایام نہ ہوں تو پھر علماء کا عزلت نشینی اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں اختلاف ہے کہ ان میں کونسی چیز افضل ہے۔امام شافعی اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس سے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں، شعائر اسلام کے حاصل ہونے کا موقع ملتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے مواقع ملتے ہیں، بیماروں کی عیادت کی جاتی ہے، جو مسلمان فوت ہو جائیں ان کے جنازہ میں شرکت ہوتی ہے، ان کو کثرت سے سلام کیا جاتا ہے، نیکی کا حکم دیا جاتا ہے، برائی سے روکا جاتا ہے، نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تعاون کیا جاتا ہے اور ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی ہے اور یہ وہ کام ہیں جن کو ہر شخص کر سکتا ہے۔اور اگر وہ شخص عالم اور زاہد ہو تو مل جل کر رہنا اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس صورت میں بھی عزلت نشینی افضل ہے، کیونکہ اس میں سلامتی محقق ہے بہ شرطیکہ وہ جن عبادات کا مکلف ہے ان کی ادائیگی کا طریقہ اس کو معلوم ہو، اور جس شخص کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا اس کے لیے مل جل کر رہنا افضل ہے۔علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں سے الگ ویرانوں میں رہنا افضل ہے کیونکہ بہت کم محافل گناہوں سے خالی ہوتی ہیں۔علامہ عینی فرماتے ہیں: میں بھی ان کا ہمنوا ہوں، کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں شر اور فساد سے بچنا بہت مشکل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنوں سے دور رہنا چاہیے، سلف صالحین کی ایک جماعت فتنوں کے خطرہ سے بستیوں سے نکل گئی تھی۔حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ربذہ چلے گئے تھے۔اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔اس حدیث میں آپ کے علمِ غیب کا ثبوت ہے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں عزلت نشینی کو ترجیح دی ہے، جب کہ شارع علیہ السلام نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ محلہ کے سب مسلمان مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور شہر کے سب لوگ جمع ہو کر جمعہ کی اور عید کی نماز پڑھیں، اور تمام ملکوں کے مسلمان حج کے لیے جائیں اور میدانِ عرفات میں جمع ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا حکم شریعت میں معلوم اور مشہور ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجتماعیت کا حکم اس وقت پسندیدہ ہے جب امن ہو اور عزلت نشینی اس وقت پسندیدہ ہے جب فتنہ کا زمانہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایام فتنہ میں خلوت نشینی کا سلامتی ہونا

جب فتنوں کا ظہور ہو تو شہروں سے نکل کر ویرانوں کی طرف چلے جانا مستحب ہے، علی بن معبد نے از حسن بن واقد روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک سو اسی (۱۸۰) سال گزر جائیں تو میری امت کے لیے تنہائی اور عزلت نشینی حلال

ہو جائے گی اور لوگوں سے بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنا جائز ہو جائے گا۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۲۳)

اور علی بن معبد نے از عبداللہ بن المبارک از مبارک بن فضالہ از الحسن روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں کوئی دین دار اپنے دین کو سلامت نہیں رکھ سکے گا سوا اس کے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف چلا جائے یا پتھروں سے کسی پتھر کی طرف نکل جائے، پس جب ایسا ہو کہ زندگی کا گزارنا بغیر اللہ کی نافرمانی کے ممکن نہ رہے تو اس وقت خلوت نشینی جائز ہو جائے گی۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیسے خلوت نشینی جائز ہو گی حالانکہ آپ ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب ایسا ہو گا تو ایک مرد کی ہلاکت اپنے ماں باپ کے ہاتھوں ہو گی، پس اگر اس کے ماں باپ نہ ہوں تو اس کی بیوی کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، پس اگر اس کی بیوی نہ ہو تو اس کی اولاد کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، پس اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ اس کو تنگ دستی کی زندگی پر عار دلائیں گے اور اس کو ان کاموں کا مکلف کرائیں گے جو اس کی طاقت میں نہیں ہوں گے، سو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(تنبیہ: اس حدیث کو علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے۔ شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ اور علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کو وہیں سے نقل کیا ہے اور مخرجین نے اس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

ہم نے علامہ خطابی کی ''کتاب العزلۃ'' میں یہ حدیث روایت کی ہے از الحسن از ابی الاحوص از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دین دار کے لیے اس کا دین محفوظ نہیں رہے گا سوا اس شخص کے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر فرار ہوتا رہا یا ایک پہاڑ کی چوٹی سے دوسرے پہاڑ کی چوٹی تک فرار ہوتا رہا، یا ایک پتھر سے دوسرے پتھر کی طرف فرار ہوتا رہا جیسے لومڑی فرار ہوتی ہے۔

(حافظ العراقی نے ''احادیث الاحیاء'' ج ۱ ص ۱۷۳ کی تخریج میں لکھا ہے کہ علامہ خطابی نے کتاب العزلۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔)

اسحاق بن راشد نے از عمرو بن وابصہ الاسدی از والد خود یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنہ کا ذکر کیا اور قتل و غارت کے ایام کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے محفوظ نہیں ہو گا، میں نے پوچھا: پس اگر میں یہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے ان حالات میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جان کو اور اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے اگر وہ قاتل میرے گھر میں داخل ہو گیا تو؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے کمرہ میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ میرے کمرے میں داخل ہو جائے تو؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی مسجد میں داخل ہو جاؤ اور اس طرح کرو، اور آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو کلائی کے کنارہ سے پکڑا اور تم کہو: میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ تم مرجاؤ۔

(سنن ابوداؤد: ۴۲۵۸، علامہ خطابی نے ''کتاب العزلۃ'' ص ۲۱۔ ۲۲ میں لکھا ہے: حافظ العراقی نے احادیث الاحیاء کی تخریج ج ۱ ص ۵۴۶ میں لکھا

ہے کہ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے مختصراً روایت کی ہے اور علامہ خطابی نے کتاب العزلہ میں اس حدیث کو مکمل روایت کیا ہے، اور علامہ خطابی تک اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی ایک شخص سے روایت کی ہے جس کا نام سالم ہے اور وہ مجہول ہے۔)

امام ابن المبارک نے از شعبہ از خبیب بن عبدالرحمٰن از حفص بن عاصم روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عزلت میں سے اپنا حصہ لے لو۔ (کتاب الزہد والرقائق: ۱۱ ص ۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عزلت نشینی میں برے اصحاب سے راحت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۷، کتاب العزلہ للخطابی ص ۲۲)

محمد بن سنان القزاز کی حدیث میں ہے کہ ہمیں ابوبکر نے خبر دی از بکیر بن مسمار، انہوں نے کہا: میں نے عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں اور بکریوں میں تھے تو ان کے پاس ان کا بیٹا عمر آیا، پس جب انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں، جب ان کا بیٹا ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: اے ابا جان! کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آپ ایک اعرابی ہوتے اور لوگ آپ سے آپ کے ملک کے متعلق جھگڑا کرتے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عمر کے سینہ پر ہاتھ مارا پس کہا: اے میرے بیٹے! خاموش رہو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندہ سے محبت کرتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور پوشیدہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۵، کتاب الزہد والرقائق)

امام ابوجعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس شخص کی خبر نہ دوں جس کا گھر تمام لوگوں سے افضل ہوگا؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مرد جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کو رکھے، اور تمہیں اس کی خبر نہ دوں جو اس کے قریب ہو؟ یہ وہ مرد ہے جو کسی گھاٹی میں خلوت نشین ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور لوگوں کے شر اور فساد سے دور رہتا ہو۔ (تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار ج ۷ ص ۱۸۰)

اگر تم یہ سوال کرو: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا جواب ہوگا کہ جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی پہنچائی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۰۷، شعب الایمان للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۲، المشکوٰۃ: ۵۰۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "جو مرد اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہو"، یہ حکم عام ہے اور یہاں اس سے خاص حکم مراد ہے۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ وہ افضل لوگوں میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے افضل ہیں، آپ نے فرمایا: "لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل نیک ہو"۔ (سنن ترمذی: ۳۳۲۹)

نیز آپ نے فرمایا: "تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے"۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۷، کتاب فضائل القرآن)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنِّي وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل: ۲۳)

(ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا:) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور

اس کا بہت بڑا تخت ہے O

اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی، حالانکہ بلقیس کو وہ چیزیں تو نہیں دی گئی تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھیں۔ (نہ بلقیس کو اس زمانہ کی ایجادات دی گئی تھیں مثلاً ہوائی جہاز، ٹینک، میزائل، ایٹم بم، بحری جہاز اور ٹرین وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو فرمایا ہے کہ بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی اس سے مراد عموم نہیں ہے بلکہ خاص چیزیں مراد ہیں، یعنی بلقیس کے ملک کے اعتبار سے اسے تمام چیزیں دی گئی تھیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حدیث میں جو فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے بہتر ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہترین لوگوں میں سے ہے، یا مراد یہ ہو کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے زیادہ بہتر ہے۔ پس جو شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس سے افضل ہوگا جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ کسی وقت میں افضل ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ہر وقت کے اندر افضل ہے جیسا کہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابوامیہ الشعبانی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، پس میں نے کہا: اے ابوثعلبہ! آپ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ (المائدہ:۱۰۵) اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

تو حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو، اللہ کی قسم! میں اس کا سوال ان سے کر چکا ہوں جو اس آیت کی خبر رکھنے والے تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جارہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے پر خوش ہو رہا ہے تو تم صرف اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا، کیونکہ تمہارے بعد صبر کرنے کے ایام آئیں گے اور ان ایام میں صبر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی انگاروں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے، ان میں عمل کرنے والوں کو پچاس مردوں کا اجر ملے گا جو اس کی مثل اجر کرتے ہوں گے اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ان میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس شخص کو ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۴۱، سنن ترمذی: ۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۴)

پس اس زمانہ میں لوگوں سے الگ رہنا ان کے ساتھ مل جل کر رہنے سے افضل ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے زمانوں میں اس کے خلاف حکم ہوگا۔ اور مراد یہ ہوگی کہ لوگوں سے میل جول نہ رکھو اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان سے الگ رہنے والا سب سے افضل ہوگا حتیٰ کہ دونوں حدیثوں میں تضاد نہ ہو۔

اور جو چیز اس تاویل پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانوں میں احکام مختلف ہوتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے اپنے امیر کے کسی حکم کو ناپسند کیا تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص بھی اپنے امیر کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۹، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ

جماعۃ المسلمین عند ظهور الفتن)

نیز امام حاکم روایت کرتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کی خبر دی جو قیامت تک ہونے والی ہیں، پس میں نے آپ سے ہر چیز کے متعلق دریافت کیا مگر میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کس وجہ سے مدینہ سے نکلیں گے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۲۶، دار الباز، مکۃ المکرمہ)

فصل

ابن معبد نے کتاب ''الطاعة والمعصية'' میں از ابن المبارک از معمر از طاؤس روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنہ کے زمانہ میں لوگوں میں سب سے اچھا مرد وہ ہے جو علیحدگی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۶۴)

اور عباد بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کو بشارت دو جو اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے ثواب کی نیت سے ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتے ہیں، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس طرح ہوں گے اور آپ نے انگشتِ وسطیٰ اور سبابہ کو جمع کر کے دکھایا۔

اور مکحول یہ کہتے تھے کہ اگر چہ جماعت میں فضیلت ہے لیکن سلامتی تنہائی میں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۵۶۔ ۵۶۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عزلت نشینی اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں موازنہ

علامہ خطابی نے کہا ہے: اگر عزلت نشینی اور تنہائی میں رہنے کا صرف یہی فائدہ ہوتا کہ اس سے انسان غیبت سے محفوظ رہتا ہے اور ناجائز اور بے حیائی کی چیزوں کو دیکھنے سے بچا رہتا ہے تب بھی اس میں بہت خیر تھی۔

اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں یہ فائدہ ہے کہ انسان اس وجہ سے اپنے معاش اور روزمرہ کے کھانے پینے کو سہولت سے حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اولیٰ ہے بشرطیکہ وہ جماعت کی حفاظت کرے، لوگوں کو سلام کرے، سلام کا جواب دے، مسلمانوں کے حقوق ادا کرے، بیماروں کی عیادت کرے، فوت شدہ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پڑھے اور مطلوب صرف یہ ہے کہ فضول صحبت کو ترک کرے کیونکہ فضول صحبت کی وجہ سے دل بیکار باتوں میں مشغول ہوتا ہے اور وقت ضائع ہوتا ہے اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو اس طرح رکھے جیسے انسان کو کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو صرف اتنی مجلس پر اقتصار کرے جس کی زیادہ ضرورت ہو اور جو بدن اور قلب کو راحت دینے والی ہو۔

علامہ قشیری نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: جن لوگوں نے عزلت نشینی کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے شر سے سلامت رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۵۔ بَابُ: رَفْعِ الْأَمَانَةِ
امانت کے اٹھ جانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لوگوں کے درمیان امانت کے اٹھ جانے کا بیان کیا گیا ہے اور امانت کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ کوئی امین نہیں ملے گا۔ اور امانت خیانت کی ضد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو تم قیامت کا انتظار کرنا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کردیا جائے تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔

(صحیح البخاری: ۵۹، ۶۴۹۶، مسند احمد: ۸۵۱۲)

صحیح البخاری: ۶۴۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "امانت کا اٹھ جانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب امانت ضائع کردی جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔ اور امانت کا ضائع ہوجانا ہی امانت کا اٹھ جانا ہے۔

اور یہ حدیث کتاب العلم کے شروع میں اسی سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "امانت کیسے ضائع ہوگی؟" اس سوال کا قائل وہ اعرابی ہے جس نے یہ سوال کیا تھا کہ قیامت کب واقع ہوگی، کیونکہ یہ مکمل حدیث اس طرح سے ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک اعرابی آیا، اس نے سوال کیا: قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔۔۔الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جب کوئی امر یعنی منصب نااہل کے سپرد کردیا جائے"۔ یہاں امر یا منصب سے مراد ان امور کی

جنس ہے جن کا دین کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسے خلافت، سلطنت، امارت، قضاء اور افتاء۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ''اذا اسند الامر'' سے مراد ہے جب مناصب غیر مستحقین کے سپرد کر دیے جائیں جیسے قضاء کا منصب غیر عالم کے سپرد کر دیا جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اگر کسی جاہل کو رشوت کے بغیر قضاء کے منصب پر سونپ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جاہل دین دار ہو اور جس مسئلہ کا اسے علم نہ ہو وہ عالم سے پوچھ کر اس کے مطابق فیصلہ کر دے۔ پس مصیبتِ عظمیٰ یہ ہے کہ جاہل سے رشوت لے کر اسے قضاء کا منصب سونپ دیا جائے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس پر اللہ نے لعنت کی ہو یہ وہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعنت کی ہے۔ اور مصر کے شہروں میں جو کہ اسلام کی کرسی ہیں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان شہروں میں قاضی اور حاکم اور تمام اہل مناصب صرف رشوت دے کر ہی منصب حاصل کرتے ہیں اور یہ چیز روم کے شہروں میں اور بلادِ عجم میں نہیں پائی جاتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: روم کے شہروں سے مراد اگر یورپی ممالک ہیں تو بے شک وہاں ایسا نہیں ہوتا، وہاں اصول اور قانون کی عمل داری ہوتی ہے، اگرچہ وہ لوگ کافر ہیں لیکن اصول اور قانون پر پورا پورا عمل کرتے ہیں۔ برطانیہ میں ایک وزیر نے قانون بنایا کہ جو شراب پی کر گاڑی حدِ رفتار سے زیادہ رفتار سے چلائے گا اس کا چالان کیا جائے گا، وزیر موصوف خود شراب کے نشہ میں ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی چلا رہے تھے، سو ٹریفک پولیس والوں نے ان کا چالان کر دیا، دوسرے روز پارلیمنٹ میں انہوں نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور کہا: میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں، میں نے خود قانون بنایا اور خود قانون شکنی کی۔ اب ہمارے ملک کے حالات پر غور کریں کیا ہمارے ملک میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ٹریفک کا افسر کسی وزیر کا چالان کر دے گا؟ تازہ مثال ہے کہ سابق صدر پرویز مشرف عدالت میں پیش ہوا، عدالت نے کسی جرم کی بناء پر اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا، پولیس کی موجودگی میں مشرف اپنے ذاتی سیکورٹی گارڈز کے ساتھ عدالت سے فرار ہو کر اپنی رہائش گاہ چک شہزاد میں پہنچ گیا اور پولیس تکتی رہ گئی، اور ایک دن کے بعد اس پولیس افسر کو معطل کیا گیا جس نے پرویز مشرف کو بروقت گرفتار نہیں کیا تھا، اس لیے یورپی ممالک میں تو اصول اور قانون کی عمل داری ہے لیکن عجم کے شہروں میں تو رشوت کا اور سفارش کا دور دورہ ہے، اسکول میں پڑھانے کے لیے اسکول ٹیچر کو بھی ملازمت کے حصول کے لیے چھ لاکھ روپیہ رشوت دینی پڑتی ہے، کسی بڑے منصب کے حصول کے لیے کتنی رشوت دینی پڑے گی اس کا آپ خود اندازہ کر لیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۴۹۷ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از زید بن وہب، انہوں نے کہا: ہمیں حذیفہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان کیں، ان میں سے

مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ حَدَّثْتُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ سَمِعْتُ أَبَا أَحْمَدَ بْنَ عَاصِمٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدٍ يَقُولُ قَالَ الْأَصْمَعِيُّ وَأَبُو عَمْرٍو وَغَيْرُهُمَا جَذْرُ قُلُوبِ الرِّجَالِ، الْجَذْرُ الْأَصْلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالْوَكْتُ أَثَرُ الشَّيْءِ الْيَسِيرِ مِنْهُ وَالْمَجْلُ أَثَرُ الْعَمَلِ فِي الْكَفِّ إِذَا غَلُظَ۔

ایک کا مصداق تو میں نے دیکھ لیا اور دوسری حدیث کے مصداق کا میں انتظار کر رہا ہوں، ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امانت مردوں کے دلوں کی گہرائی میں اتار دی گئی ہے، پھر انہوں نے قرآن کا علم حاصل کیا، پھر انہوں نے سنت کا علم حاصل کیا، اور ہمیں انہوں نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق یہ حدیث بیان کی کہ ایک مرد نیند کرے گا یعنی سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی، اس کا اثر آبلہ یا چھالہ کی طرح باقی رہ جائے گا، پھر وہ دوبارہ نیند کرے گا تو امانت اٹھالی جائے گی اور اس کا اثر اس طرح رہ جائے گا جیسے کام کرنے کی وجہ سے ہاتھوں میں کوئی چھالہ پڑ جاتا ہے، جیسے انگارہ تم نے اپنے پیر پر لڑھکایا تو اس سے ایک چھالہ پڑ گیا، پس تم اس کو ابھرا ہوا دیکھتے ہو اور اس میں کوئی چیز ہوتی نہیں ہے، پھر لوگ صبح کو اٹھیں گے، ایک دوسرے سے خرید وفروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی ایک بھی امانت ادا کرنے والا نہیں ہوگا، پھر کہا جائے گا کہ بنوفلاں میں ایک مرد امین ہوا کرتا تھا، اور کسی مرد کے لیے کہا جائے گا: کتنا عقلمند ہے اور کتنا ظریف ہے اور کتنا جسیم ہے اور اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ اور اب مجھ پر ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ میں یہ پرواہ نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کس سے کوئی چیز خریدوں، اگر وہ مسلمان ہو تو اس کو اسلام خیانت سے روکے گا، اور اگر نصرانی ہو تو اس کے حکام اس کو خیانت سے روکیں گے، لیکن آج کے دن پس میں صرف فلاں اور فلاں کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

فربری نے بیان کیا: ابوجعفر نے کہا: میں نے یہ حدیث ابوعبداللہ کو بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواحمد بن عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے ابوعبید اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ الاصمعی اور ابوعمرو اور ان کے غیر نے کہا: ''جذر قلوب الرجال'' اور ''جذر'' ہر چیز کی جڑ کو کہتے ہیں اور ''الوکت'' کسی چیز کے معمولی اثر کو کہتے ہیں۔ اور ''مجل'' کام کاج کا اثر جو ہتھیلی میں ظاہر ہو جب وہ

ہتھیلی پھول جائے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۸۶، ۷۲۷۶، صحیح مسلم: ۱۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۷۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۳، مسند احمد: ۲۳۲۴۴)

صحیح البخاری: ۶۴۹۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''امانت کا اٹھ جانا'' اور اس حدیث میں امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائی'': ان میں سے ایک حدیث امانت کے نزول کے متعلق تھی اور دوسری حدیث امانت کے اٹھ جانے کے متعلق تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ان الامانة نزلت فی جذر قلوب الرجال'' جذر کے معنی ہیں ہر چیز کی جڑ۔ اور امام ابوعبید نے کہا ہے کہ ابن الاعرابی نے کہا: ''الجذر'' درخت کی جڑ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ثم علموا من القرآن'' یعنی جب ان کے دلوں کی جڑوں میں امانت نازل ہوگئی تو پھر ان کو قرآن مجید سے یہ علم ہوا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (الاحزاب: ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے فرائض ہیں۔ دوسرا قول ہے کہ اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام ہیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور الواحدی نے اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور عبادات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''پھر انہوں نے سنت سے جانا'' سنت سے مراد ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حاصل معنی یہ ہے کہ امانت کا علم ان کو فطرت سے معلوم ہوا یا شریعت کا علم حاصل کرنے سے معلوم ہوا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وحدثنا رسول اللہ ﷺ عن رفعها" پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث بیان فرمائی کہ یہ امانت کس طرح اٹھالی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ینام الرجل عن نومة فتقبض الامانة بقلبه" ایک مرد نیند کے وقت سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی۔ یعنی ایک قوم سے تدریجاً امانت کو اٹھالیا جائے گا، پہلے ایک قوم سے امانت کو اٹھالیا جائے گا، پھر دوسری قوم سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اور جیسے جیسے ان کا دین فاسد ہوتا جائے گا ان سے امانت اٹھتی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل اثر الوکت" علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "الوکت" کسی چیز کا نکتہ کی طرح اثر ہوتا ہے، اس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل المجل" مجل کا معنی ہے: سخت کام کرنے کی وجہ سے جو ہاتھوں میں چھالہ پڑ جاتا ہے مثلاً کلہاڑی سے لکڑیاں پھاڑے تو ہاتھوں میں چھالہ پڑ جاتا ہے۔ اور یہ کھال اور گوشت کے درمیان ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنفط، فتراه منتبرا" یعنی وہ چھالہ جسم کے کسی عضو میں ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور "منتبرا" کا مصدر الانتبار ہے، اس کا معنی "الارتفاع" ہے، کہا جاتا ہے "انتبر الامیر" یعنی امیر منبر پر چڑھ کر بلند ہو گیا۔ اسی وجہ سے منبر کو منبر کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی زمین سے بلند ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل امانت سے خالی ہو جائے گا اور دل سے تدریجاً امانت تھوڑی تھوڑی کر کے زائل ہوتی رہے گی، پس جب اس سے امانت کا ایک جز زائل ہوگا تو اس کا نور زائل ہو جائے گا اور اس کے بعد اندھیرا آجائے گا۔ وہ "الوکت" (ہلکا نشان) کی مثل ہے، اور اگر ایک اور چیز زائل ہو جائے تو پھر وہ چھالہ کی مثل ہے۔ اور یہ محکم اثر ہوتا ہے جو جلدی زائل نہیں ہوتا، کچھ مدت کے بعد زائل ہوتا ہے۔ پھر جب وہ نور زائل ہو جائے تو اس کو تشبیہ دی ہے انگارہ کے ساتھ جس کو تم پیر پر لڑھکاؤ تو اس میں چھالہ پڑ جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما ابالی ایکم بایعت" علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کی تاویل بیعت خلافت سے کی ہے اور یہ غلط ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ اگر وہ نصرانی ہوگا تو اس کو اس کے حکام سیدھے راستہ پر لگا دیں گے، اور صحیح وہ ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس سے مراد خرید و فروخت ہے، یعنی پہلے مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ امانت دار ہیں تو میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرتا تھا اور یہ تفتیش نہیں کرتا تھا کہ کون لوگ امانت دار ہیں اور کون لوگ امانت دار نہیں ہیں، ہر کسی سے خرید و فروخت کر لیتا تھا، کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوگا تو اس کا دینِ اسلام اس کو خیانت سے منع کرے گا اور اس کو امانت کے ادا کرنے پر برانگیختہ کرے گا اور اگر وہ کافر ہے تو اس کے حکام اس کو امانت داری پر مجبور کریں گے اور اگر میرا حق اس کے ذمہ ہوگا تو وہ حق اس سے دلا دیں گے۔

اور رہا آج کا دن، تو اب امانت اٹھ چکی ہے اور آج کے دن میں خرید و فروخت کرنے میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا کہ میں کس سے خرید و فروخت کروں اور کس سے خرید و فروخت نہ کروں سوا چند معین لوگوں کے جن کو میں جانتا ہوں اور مجھے ان پر اعتماد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۹۔ ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان

قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، تم ان میں سے کوئی ایک بھی عمدہ اونٹ نہیں پاؤ گے جو سواری کے لائق ہو۔

(صحیح مسلم: ۲۵۴۷، سنن ترمذی: ۲۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۰، مسند احمد: ۴۵۰۲)

صحیح البخاری: ۶۴۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''امانت کا اٹھ جانا'' اور اس میں حدیث یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، ان میں سے ایک بھی عمدہ یا سواری کے لائق نہیں ہوگا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ لوگ بہت زیادہ ہوں گے اور ان میں پسندیدہ لوگ کم ہوں گے اور غیر پسندیدہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے فرائض کو ضائع کر دیا جو ان پر مقرر کیے گئے تھے اور ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امانت کی تفسیر فرائض کے ساتھ کی ہے، پس اس اعتبار سے باب کے عنوان اور حدیث میں مطابقت ظاہر ہوگئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد گزشتہ زمانہ کے لوگ ہیں، اس لیے امام بخاری نے اس کو یہاں پر ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے اس سے اپنے زمانہ کے اصحاب اور ان کے تابعین کا ارادہ نہیں کیا، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کے اصحاب اور تابعین کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے، آپ نے فرمایا ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہ'' یعنی بہترین وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ کے ہیں، پھر وہ لوگ ہوں گے جو ان کے قریب ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ تمام لوگوں میں کوئی مومن نہیں ہوگا سوا اس کے کہ سو میں یا اکثر میں کوئی ایک مومن ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ دین کے احکام میں برابر ہیں اور کسی شخص کی کوئی ذاتی فضیلت نہیں ہے اور کسی شخص کا دوسرے سے کوئی زیادہ مرتبہ نہیں ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں کوئی سواری نہ ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اکثر لوگ ناقص ہوں گے اور اہلِ فضل اس میں بہت کم ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۰۔۱۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، تم ان میں سے کوئی بھی سواری نہیں پاؤ گے''۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم سو اونٹوں میں کوئی ایک اونٹ بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو سواری کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہو، کیونکہ سواری کیے جانے کی صلاحیت وہ اونٹ رکھتا ہے جو آسانی سے سوار کے حکم پر چلے، اسی طرح تم سو لوگوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو تمہاری رفاقت اور صحبت کے لائق ہو، جو اپنے رفیق کی مدد کرے اور جو نرم مزاج ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: عرب بطور مبالغہ کے سو اونٹ کہتے ہیں، پس وہ کہتے ہیں کہ فلاں کے سو اونٹ ہیں اور فلاں کے دو سو اونٹ ہیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی دو طرح تاویل ہے، ایک یہ ہے کہ لوگ دین کے احکام میں برابر ہیں اور اس میں کسی معزز آدمی کی پسماندہ آدمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی امیر آدمی کی غریب آدمی پر کوئی فضیلت ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں سے کوئی بھی اس لائق نہ ہو کہ اس پر سواری کی جائے، حالانکہ اونٹ ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ ان پر سواری کی جائے۔ اور اس حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اکثر لوگ ناقص ہیں اور ان میں اہل فضیلت بہت کم تعداد میں ہیں۔ پس وہ ایسے ہیں جیسے وہ اونٹ ہوں جن پر بوجھ لادا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو کتاب القضاء میں اس باب میں وارد کیا ہے کہ قاضی دو فریقوں کو برابر برابر رکھے۔

اور علامہ ابن قتیبہ سے منقول ہے کہ راحلة سے مراد وہ اونٹ ہے جو عمدہ ہو اور سوار ہونے کے لیے پسندیدہ ہو۔ اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ لوگ نسب میں ان سو اونٹوں کی طرح ہیں جن میں کوئی سواری کے لائق نہ ہو، پس سب برابر ہوں۔

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں رغبت نہ کرنے والا اور آخرت میں رغبت کرنے والا بہت کم ہے جیسا کہ سو اونٹوں میں کوئی ایک سواری کے لائق ہو۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ یعنی لوگوں میں جو شخص پسندیدہ اور کامل ہو، وہ بہت کم ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس مثال کے مناسب وہ مرد جواد ہے جو لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے اور ان سے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، وہ بہت کم ہوتا ہے جیسا کہ سو اونٹوں میں کوئی ایک سواری کے لائق ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حدیث کا معنی یہ ہے کہ لوگ بہت زیادہ ہیں اور ان میں پسندیدہ لوگ بہت کم ہیں اور اسی معنی کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے، کیونکہ اس حدیث کو رفع الامانة کے باب میں داخل کیا ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے یہ اشارہ کیا ہے کہ لوگوں سے مراد اس حدیث میں وہ ہیں جو قرونِ ثلاثہ کے بعد آئیں گے یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ ایسے لوگ ہوں گے جو امانت میں خیانت کریں گے اور ان کے پاس امانت نہیں رکھی جائے گی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۵۔۵۵۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۶۔ بَابُ: الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ — دکھانے اور سنانے کے لیے کسی عبادت کو کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ریا کاری کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ریا کاری کا معنی ہے: کسی عبادت کو اس قصد سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس عبادت کرنے والے کی تعریف کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ ح وحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَيْرَهُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے سلمہ بن کہیل نے حدیث بیان کی ح اور ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سلمہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں نے ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا کہ اس نے کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس میں ان کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے (دنیا میں) کسی کو سنانے کے لیے عمل کیا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن اس کا عیب) سنائے گا، اور جس نے (دنیا میں) کسی کو دکھانے کے لیے عبادت کی، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن اس کے عیوب) لوگوں کو دکھائے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۱۵۲، صحیح مسلم: ۲۹۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۷، مسند احمد: ۱۸۳۳۰)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ثوری ہیں اور یہ دونوں سندوں میں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو نعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جندب، یہ ابن عبد اللہ البجلی ہیں اور یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور دوسری سند پہلی سند سے اعلیٰ ہے۔

جندب نام کے صحابہ کرام

صحابہ میں جندب نام کے پانچ افراد ہیں:

(۱) جندب بن جنادہ ابوذر الغفاری (۲) جندب بن مکیث الجہنی (۳) جندب بن ضمرۃ الجندعی (۴) جندب بن کعب العبدی

(۵) جندب بن عبداللہ البجلی۔ اور یہ وہی ہیں جن سے سلمہ بن کہیل روایت کرتے ہیں اور ان میں زیادہ مشہور حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلیفہ بن خیاط نے بیان کیا کہ جندب یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہوئے تھے، یہ مدینہ کے قریب بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے تھے اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی۔ اور جس جندب کا اس حدیث میں ذکر ہے ان کی تاریخ وفات کو کسی نے بیان نہیں کیا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے کہ "سلمہ بن کہیل نے بیان کیا: جندب کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے کسی اور سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ان کے سوا اور کوئی اس جگہ باقی نہیں رہا تھا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا رد کیا ہے کہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جندب اپنی وفات تک کوفہ میں رہے اور جندب کی حیات میں کوفہ میں حضرت ابو جحیفہ السوائی بھی تھے اور ان کی وفات جندب کی وفات کے چھ سال بعد ہوئی ہے۔ اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ بھی کوفہ میں تھے اور ان کی وفات جندب کی وفات کے بیس سال بعد ہوئی ہے اور سلمہ بن کہیل نے ان دونوں سے روایت کی ہے، پس یہ متعین ہو گیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ان سے نہیں سنا اور نہ ان میں سے کسی ایک سے سنا اور نہ ان کے غیر سے سنا ان صحابہ سے جو اس وقت کوفہ کے علاوہ کسی اور شہر میں موجود تھے، اس کے بعد کہ انہوں نے جندب کی حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

علامہ کرمانی لکھتے ہیں: جس جندب کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کی تاریخ وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا، پس حافظ ابن حجر یہ کیسے کہتے ہیں کہ حضرت ابو جحیفہ کی وفات جندب کی وفات کے چھ سال بعد ہوئی ہے اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی ہے۔ علامہ الواقدی نے کہا ہے: وہ بشر بن مروان کی حکومت میں فوت ہوئے تھے اور حضرت ابن ابی اوفیٰ کی وفات ۸۷ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری نے بیان کیا ہے، پس حافظ ابن حجر یہ کیسے کہتے ہیں کہ ان کی وفات جندب کی وفات کے بیس سال بعد ہوئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من سَمَّعَ" یعنی جس نے اپنے آپ کو مشہور کیا اور گم نامی کے ازالہ کے لیے ذکر کو پھیلایا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: یعنی اس نے ایک کام کیا جو اخلاص پر مبنی نہیں تھا، اس کا ارادہ صرف یہ تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس کو سنیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزاء دی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اور اس چیز کو ظاہر کرے گا جس کو وہ چھپاتا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے عمل سے لوگوں کے نزدیک کسی مقام، مرتبہ اور عزت کا ارادہ کیا اور اس نے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو لوگوں کے نزدیک ظاہر فرمائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مطلع کر دے گا کہ اس بندہ نے یہ کام اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیا تھا، سو یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۱۔ ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اسی طرح جس نے کوئی کام ریا کاری کے لیے کیا اس کو قیامت کے دن ریا کاری کے ساتھ مشہور کیا جائے گا اور اس کو رسوا کیا جائے گا اور جو چیز اس کے باطن میں تھی اس کو ظاہر کیا جائے گا۔

صحیح مسلم: ۱۹۰۵ میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے بندہ کے لیے قیامت کے دن کہا جائے گا: تو نے یہ کام اس طرح اور اس طرح کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ اس بندہ نے یہ کام کیا ہے، سو دنیا میں کہا گیا، تم نے جس لیے وہ کام کیا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا، اب اس بندہ کو دوزخ میں ڈال دو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہ ظاہر عمل کو دکھانے اور سنانے سے کون شخص سلامت رہے گا حالانکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ رات کو اپنی مساجد میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ کون لوگ تہجد پڑھ رہے ہیں اور لوگ ان کی نیکیوں کو جان لیتے تھے اور لوگ ان کی نیکیوں کا ذکر کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو امام اور مقتدا ہوتے ہیں اور ان کے عمل کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا فرائض مقرر کیے ہیں اور کیا نوافل۔ وہ اپنے نفس اور دشمن پر قہر کرتے تھے، ان کے لیے برابر ہے کہ وہ اپنے عمل کو ظاہر کریں یا مخفی رکھیں کیونکہ ان کی نیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل سے اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ ان کا عمل کو ظاہر کرنا بھی اس لیے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو اس عمل کی طرف راغب کریں اور اپنے نیک اعمال لوگوں کو دکھا کر نیک اعمال کی ترغیب دیں۔

اور لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کی پیروی نہیں کی جاتی اور ان پر ان کی خواہشِ نفس کا غلبہ ہوتا ہے تو ان لوگوں کے لیے اپنے نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔

حماد از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو سنا جو قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا "اواب" (یعنی یہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے)، اور دوسرے آدمی کو سنا وہ قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا "مرائی" (یعنی یہ ریا کاری کرنے والا ہے)، پھر لوگوں نے دیکھا تو جس کو آپ نے "الاواب" فرمایا تھا وہ حضرت المقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۴۴)

اور زہری نے از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بلند آواز سے قراءت کی تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حذافہ! مجھے نہ سناؤ، اللہ کو سناؤ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۶۲)

وہب بن الورد نے بیان کیا: ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملا تو اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، مجھے یہ بتایئے کہ میں اپنے کون سے عمل کو مخفی رکھوں؟ تو انہوں نے کہا: تم اپنے نیک عمل کو مخفی رکھو حتیٰ کہ تمہارے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ تم نے کوئی نیکی نہیں کی سوائے فرائض کے۔ اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، پھر میں اپنے کون سے عمل کو ظاہر کروں؟ تو انہوں نے کہا: تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۶۹)

اور حسن بصری نے کہا ہے کہ میں ایسے لوگوں سے ملا جن میں سے کوئی ایک بھی اپنے نیک عمل کو چھپانے پر قادر نہیں تھا، سو وہ لوگ نیک عمل کو ظاہر کرتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ شیطان سے اسی عمل کو زیادہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے جو چھپا کر کیا جائے۔ اور کہا: بعض لوگ ایسے تھے کہ ان کے پاس مہمان آتے اور وہ رات کو نماز پڑھتے اور مہمان کو ان کے نماز پڑھنے کا علم نہ ہوتا۔ اور الربیع بن خثیم چھپ کر عمل کرتے تھے، وہ مصحف قرآن پڑھتے، ان پر کوئی آنے والا آتا تو وہ مصحف کو چھپا دیتے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ص ۱۵)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو اپنی قراءت کی آواز آہستہ رکھتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو اپنی آواز کو بلند رکھتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا: میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں اور اس کو میری حاجت کا علم ہے، تو کہا گیا کہ آپ نے اچھا کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا: میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں، تو کہا گیا: آپ نے اچھا کیا۔ اور جب ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ'' (بنی اسرائیل: ۱۱۰) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کچھ آواز بلند کریں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کچھ آواز کو پست کریں، پس یہ ائمہ مقتدا ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کئے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

مجاہد نے کہا: یہ لوگ ریاکار ہیں۔

اور امام ابن المبارک نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے دکھاوے کے لیے کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے گا اور جس نے سنایا تو اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا۔ اور جس نے تعظیم کے لیے اپنے آپ کو بلند کیا اللہ تعالیٰ اس کو جھکا دے گا، اور جس نے خدا کے خوف سے تواضع کی، اللہ تعالیٰ اس کو سربلند فرمائے گا۔ (کتاب الزہد ص ۱۵۲)

امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! ایک آدمی کسی نیک عمل کو چھپاتا ہے، پھر جب لوگ اس نیک عمل پر مطلع ہو جاتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دو اجر ہیں، نیکی کو چھپانے کا بھی اجر ملے گا اور اس کے ظاہر کرنے کا بھی اجر ملے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۸۴)

امام ترمذی نے کہا: بعض اہل علم نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب لوگ اس کے اس نیک عمل کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، لیکن جب اس کو اس سے خوشی ہو کہ لوگوں پر اس کی یہ نیکی ظاہر ہو اور وہ اس کی تعظیم و تکریم کریں تو یہ ریاکاری ہے۔ اور بعض نے یہ کہا کہ جب اس کے اس نیک عمل پر لوگ مطلع ہوں تو وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے عمل جیسا نیک عمل کریں تو

اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کے نیک عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا۔

حضرت ابو جوزاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل نار کی خبر نہ دوں؟ اہل جنت وہ ہیں جن کے کان اس کی اچھی تعریف سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ سنتا ہے اور اہل نار وہ ہیں جن کے کان اس کے برے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ سنتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۴، کتاب الزہد: ۱۵۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۷۵۔۵۷۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ریا کاری کی مذمت میں مزید دلائل

از سلمہ بن کہیل از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، جس شخص کی دنیا میں دو زبانیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں بنا دے گا۔

علامہ خطابی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے کوئی عمل بغیر اخلاص کے کیا اور اس کا ارادہ اس سے یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دکھائے اور لوگوں کو سنائے تو اس کی سزا قیامت کے دن یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اور اس چیز کو ظاہر کر دے گا جس چیز کو وہ چھپاتا تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے عمل سے لوگوں کے نزدیک عزت اور نام و نمود کا ارادہ کیا اور اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں دے گا اور دکھانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مطلع کر دے گا کہ اس نے یہ عمل لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا، اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیا تھا۔ اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے ○

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے عمل سے یہ قصد کیا کہ لوگوں کو سنائے اور لوگوں کو دکھائے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں اور لوگوں کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہو تو اس کو اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا اور اس کے عمل کی یہی جزا ہو گی اور آخرت میں اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے لوگوں کے عیوب کو سنایا اور ان کو مشہور کیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر کر دے گا اور اس کو ناپسندیدہ باتیں سنائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنی طرف ایسے نیک عمل کو منسوب کیا جو اس نے نہیں کیا اور ایسی خیر کا دعویٰ

کیا جس کو اس نے نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا اور اس کے جھوٹ کو ظاہر کر دے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کا ثواب دکھائے گا اور اس کو اس ثواب سے محروم کر دے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کر دے گا اور لوگوں کے کانوں کو اس کے برے کاموں کے ساتھ دنیا میں بھر دے گا یا قیامت میں بھر دے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس معنی میں کئی احادیث مروی ہیں:

امام احمد اور امام دارمی نے حضرت ابوہند الداری سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی دکھاوے کی جگہ کھڑا ہوا اور سنانے کی جگہ کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو دکھائے گا اور اس کو سنائے گا۔ (یعنی اس کے عیوب دکھائے گا اور اس کے عیوب سنائے گا)۔

اور امام طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ بھی دنیا میں سنانے اور دکھانے کی جگہ کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اس کو سنائے گا اور دکھائے گا۔ (یعنی اس کے عیوب لوگوں کو دکھائے گا اور سنائے گا)۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل صالح کو مخفی رکھنا چاہیے لیکن جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے لیے اس کو ظاہر کرنا مستحب ہے جب کہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ اس نیک کام میں اس کی اقتداء کریں اور اس کو بقدر ضرورت مقدر کیا جائے گا۔

علامہ ابن عبد السلام نے کہا ہے: نیک عمل کو مخفی رکھنے سے ان لوگوں کے نیک اعمال کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کی اقتداء کی جاتی ہے یا جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسے علم کی کتابوں کو لکھنا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۶۔ ۵۵۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابُ: مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ — جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے اپنے نفس سے جہاد کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اپنے نفس سے جہاد کرنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے، یعنی ایک انسان اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کا نفس اس کو کسی اور کام میں مشغول رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے نفس کے تقاضوں کے خلاف جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۰۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں

لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوهُ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کا پچھلا حصہ تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک! (میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں) پھر آپ تھوڑی دیر چلے، پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیک رسول اللہ وسعدیک! پھر آپ تھوڑی دیر چلے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کریں۔ پھر آپ تھوڑی دیر چلے، پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک رسول اللہ وسعدیك، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ اس کے حکم پر عمل کرلیں؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب نہ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۵۶، ۵۹۶۷، ۶۲۶۷، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳، صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نفس کے ساتھ توحید کے ساتھ جہاد کیا جائے اور مرد کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا یہی جہادِ اکبر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا''۔ ردیف کا معنی ہے جو سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کا پچھلا حصہ تھا''۔ یہ وہ لکڑی ہے جس کے ساتھ سوار

اپنے پیچھے ٹیک لگاتا ہے اور اس سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شدید قریب تھے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اچھی طرح سن سکیں اور اس کو منضبط کر سکیں۔ رہا یہ کہ اس حدیث میں تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو متوجہ کیا اور فرمایا: یامعاذ بن جبل، تو یہ تاکید کے اہتمام کے لیے تھا تاکہ اس کے بعد جو خبر آنے والی ہے اس کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت غور کے ساتھ سنیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''لبیك'' یہ کئی مرتبہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ لفظ تلبیہ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: یارسول اللہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں، اور یہ ''لب بالمکان'' سے ماخوذ ہے اور وہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص کسی جگہ پر قیام کرے۔ اور یہ ہمیشہ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ بطور تکرار کے استعمال ہوتا ہے، یعنی میں بار بار آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ''وسعدیك'' یعنی میں آپ کے اطاعت کے لیے مدد کرتا ہوں، اور یہ بھی مصدر منصوب ہے اور ''اسعدك السعدین'' کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟''
حق کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو موجود ہو اور متحقق ہو یا وہ چیز جو ہونے والی ہو لامحالہ۔
میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے حق کی تفسیر حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کی ہے مگر پوری نقل نہیں کی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعد لکھا ہے:

''حق سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مستحق ہے یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے''۔ اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حق سے مراد وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا ہے اور ان پر جو احکام لازم کیے ہیں سو ان احکام کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۹، دار المعرفہ، بیروت)
اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کے بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور عبادت سے مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟'' معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے جیسے کوئی مزدور کام کرے تو مالک پر اس کی مزدوری کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں ہے، یعنی جس طرح مزدور کی مزدوری مالک پر حق ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور اطاعت کرنے پر جو بندوں سے ثواب کا وعدہ اپنے فضل سے فرمایا ہے تو اس وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفس کے ساتھ جہاد کا بیان

مرد کا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہی جہادِ اکبر ہے اور دشمنِ اسلام کے ساتھ جنگ کرنا یہ جہادِ اصغر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات: ۴۰۔۴۱)

اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O

اور از الحسن بن ہاشم از یحییٰ بن ابی العلاء از لیث از عطاء بن ابی رباح از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ جہاد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے ہو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نفس سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۳ ص ۵۲۳۔۵۲۴)

(الحافظ العراقی نے احیاء العلوم ج ۲ ص ۷۰۹ پر احادیث کی تخریج میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی ج ۱۱ ص ۱۹۷ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کے عارفین میں سے کسی نے اس کی روایت نہیں کی۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الکاف الشاف ج ۳ ص ۱۶۹۔۱۶۸ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ضعف ہے اور شیخ البانی نے الاحادیث الضعیفہ میں اس کو درج کیا ہے: ۲۴۶۰)۔

اور سفیان ثوری نے کہا: تمہارا دشمن وہ نہیں ہے جس کو اگر تم قتل کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا تمہارا دشمن تو تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے، سو تم اپنی خواہش کے خلاف جہاد کرو یہ اس سے زیادہ شدید ہے جو تم اپنے دشمن سے قتال کرتے ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے جس چیز کو تم اپنے دین سے گم پاؤ گے وہ تمہارے نفسوں کے ساتھ جہاد ہے اور کبھی جہاد النفس ہوتا ہے مباح شہوات سے اپنے آپ کو روکنا تا کہ آخرت میں زیادہ اجر ملے، تا کہ بندہ اس آیت کا مصداق نہ بن جائے:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِیْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ (الاحقاف: ۲۰)

(ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

اور امت کے سلف صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے۔

اور سالم الخواص نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی: آپ شہوات کے قریب نہ جائیں، کیونکہ میں نے شہوات کو اپنی ضعیف مخلوق کے لیے پیدا کیا ہے۔ اگر تم شہوات کے قریب گئے تو میں تم سے اپنی مناجات کی حلاوت کو سلب کرلوں گا اور اے داؤد! آپ بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ تم شہوات کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ دل شہوات سے ڈھانپا ہوا ہے اور میری آواز اس سے حجاب میں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۱۰۔۲۱۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۸۱۔۵۸۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہاد بالنفس کی تعریف میں متقدمین کی آراء

اس باب میں جہاد بالنفس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جہاد بالنفس سے مراد ہے نفس کو ان کاموں سے روکنا جو عبادت سے دور رکھتے ہیں اور ایسے کاموں میں مشغول نہ ہونا جن کی وجہ سے بندہ عبادت نہ کر سکے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: مرد کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہی کامل ترین جہاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا ○ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ○ (النازعات: ۴۰۔۴۱)

اور انسان جب اپنے نفس کو معاصی اور گناہوں سے روک لیتا ہے تو اپنے نفس کو شبہات سے بھی روک لیتا ہے اور اپنے نفس کو مباح اور جائز شہوات کی کثرت سے روکتا ہے تا کہ اس کو آخرت میں اجر زیادہ ملے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اور اس لیے تا کہ وہ شہوات کے تقاضوں پر زیادہ عمل کرنے کا عادی نہ بن جائے اور شہوات کے تقاضوں سے الفت نہ رکھے۔ پھر شہوت کے تقاضے اس کو مشتبہ کاموں کی طرف گھسیٹ لیں گے، پھر وہ اس سے محفوظ نہیں رہے گا کہ حرام کا ارتکاب کرے۔

علامہ القشیری نے اپنے شیخ ابوعلی الدقاق سے نقل کیا ہے: جو شخص اپنے ابتدائی سلوک میں نفس کے ساتھ جہاد نہ کرتا ہو تو وہ اس طریقہ کا ایک ذرہ بھی نہیں پائے گا۔

اور ابوعمر بن بجید سے روایت ہے: جس پر اس کا دین کرم کرے تو اس پر اس کا نفس آسان ہو جاتا ہے یعنی اس پر نفس کی مخالفت کرنا آسان ہوتی ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: نفس کے ساتھ مجاہدہ کی اصل یہ ہے کہ نفس کو اس کی پسندیدہ چیزوں سے روکے اور نفس کے تقاضوں کے خلاف کام کرے اور نفس کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت ہے شہوات میں منہمک ہونا اور دوسری صفت ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا۔ اور مجاہدہ اس کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے: نفس کے ساتھ جہاد کرنا دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں داخل ہے، کیونکہ دشمن تین قسم کے ہیں، ان کا سردار شیطان ہے، پھر نفس ہے کیونکہ وہ انسان کو ان لذات کی طرف دعوت دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے اور اس سے اس کا رب ناراض ہوتا ہے اور شیطان اس کا مددگار ہوتا ہے اور ان کاموں کو اس کے لیے خوشنما بناتا ہے۔ پس جس نے اپنی خواہش کی مخالفت کی اس نے شیطان کا قلع قمع کیا، پس نفس کے ساتھ مجاہدہ یہ ہے کہ نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرے

اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے اپنے آپ کو روکے، اور جب بندہ اس پر قوی ہوجاتا ہے تو اس کے لیے دین کے دشمنوں سے جہاد کرنا آسان ہوجاتا ہے، پس پہلا جہادِ باطن ہے اور دوسرا جہادِ ظاہر ہے۔ اور نفس کے ساتھ جہاد کے چار مراتب ہیں:

(۱) نفس کو امورِ دین کے علم کے حصول کے لیے برانگیختہ کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لیے تیار کرنا۔

(۲) نفس کو اس پر برانگیختہ کرنا کہ جن کو علم نہیں ہے ان کو تعلیم دیں۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف اور جو اللہ تعالیٰ کے دین کے مخالف ہیں ان کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دے۔

(۴) اور جہاد النفس پر سب سے زیادہ مددگار شیطان کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک و شبہات کو اپنے دل و دماغ سے نکال دینا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جن محرمات سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنا ہے۔ پھر شبہات کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دراز گوش پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے دراز گوش پر سواری کی۔ اور جو شخص دراز گوش پر سواری کو حقیر جانے وہ دراز گوش سے بھی زیادہ حقیر ہے، کیونکہ دراز گوش پر سواری کرنا آپ کی سنت ہے۔

(۳) اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے اور ان کا حسنِ ادب ہے کہ انہوں نے لبیک کہا اور سعدیک کہا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کی حقیقتِ حال کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہوتا ہے۔

(۴) اور ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھنا۔

(۵) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام کی تاکید کے لیے اس کا تکرار کرنا چاہیے۔

(۶) اور شیخ اپنے تلمیذ سے کسی حکم کے متعلق پوچھے تاکہ معلوم ہو کہ تلمیذ کو اس حکم کے متعلق کیا معلوم ہے، اور جو اس کو معلوم نہ ہو اس حکم کو شیخ بیان کرے۔

(۷) صحیح البخاری کے اوائل میں یہ حدیث ہے اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بشارت دینے سے منع کیا تھا کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ جب بندے اس کی عبادت کریں تو وہ ان کو عذاب نہ دے، تاکہ لوگ اس بشارت پر اعتماد نہ کریں اور عمل کو چھوڑ دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب احادیث میں کسی چیز کی رخصت ہو ان کو بالعموم بیان نہیں کرنا چاہیے، تاکہ لوگ اپنی ناقص فہموں سے غلط رائے نہ قائم کرلیں۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا اور اس حدیث کی وجہ سے انہوں نے عمل میں کوشش کو ترک نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ سے خوف میں کوئی کمی کی، لیکن جو شخص حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا نہ ہو اس سے یہ اطمینان نہیں ہے، سو وہ ظاہر حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے عمل میں کوشش کرنے کو ترک کردے گا۔ اور اس کے معارض کتاب اور سنت کی وہ تصریحات ہیں کہ بعض نافرمان موحدین کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اس لیے ان دونوں چیزوں کو جمع کرنا واجب ہے۔

(۸) زہری کا قول یہ ہے کہ یہ رخصت فرائض اور حدود کے نزول سے پہلے تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب الجنائز میں یہ حدیث

ہے کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جنت کی چابی ہے، مگر ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں اور اس چابی کے دندانے اعمالِ صالحہ ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ شرک دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے، تو جو شرک کو ترک کرے گا وہ دائماً دوزخ میں نہیں رہے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موحدین کے تمام بدن کو آگ نہیں جلائے گی کیونکہ سجدہ کی جگہوں کو آگ نہیں جلاتی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۷۔۵۵۹، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب السجود میں روایت کیا ہے، حدیث میں ہے:

امر الله الملائكة ان يخرجوا من كان يعبد الله فيخرجونهم ويعرفونهم بآثار السجود وحرم الله على النار ان تاكل اثر السجود۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اس کو نکال دیں، پھر فرشتے ان کو نکال دیں گے اور وہ ان کو سجدہ کی نشانیوں سے پہچانیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے سجدہ کی نشانیوں کو کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۸۲، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۵۶، صحیح ابن حبان: ۷۴۲۹، سنن نسائی: ۱۱۳۹، سنن کبریٰ: ۱۱۶۳۷، سنن دارمی: ۲۸۰۱، صحیح ابن خزیمہ: ۴۲۵، مسند احمد: ۷۷۱۷، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۳۴۹) (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفس کی اقسام

ایک نفسِ امارہ ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے اور اسی نفس کے ساتھ جہاد کرنا مطلوب ہے۔ اور دوسرا نفسِ مطمئنہ ہے جو کہ نیکی اور خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ اور تیسرا نفسِ لوامہ ہے جو انسان کو برے کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ پس نفسِ مطمئنہ خیر کا ارادہ کرتا ہے اور نفسِ امارہ برائی کا اور شر کا ارادہ کرتا ہے، اور نفس لوامہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ پس انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے۔

نفس کے ساتھ جہاد کر کے عبادت کرنا افضل ہے یا بغیر نفس کے ساتھ جہاد کے

بعض علماء نے کہا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کر کے عبادت کرنا افضل ہے، اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو عبادت پر ابھارتا ہے اور عبادت کی مشقت پر صبر کرتا ہے اور اس کا نفس جو اس کو عبادت سے روکتا ہے اس سے مزاحمت کرتا ہے تو اس کا عبادت کرنا زیادہ افضل ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ جو نفس کے ساتھ جہاد کے بغیر عبادت کرتا ہے وہ افضل ہے، کیونکہ عبادت کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا ہو گیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی دائماً عبادت کرتا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ دوسری قسم افضل ہے، کیونکہ اس میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادات بعد کے مسلمانوں سے زیادہ افضل ہیں، کیونکہ عبادت کرنا ان کی طبیعت کا تقاضا بن گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں"۔

عبادت کا معنی ہے: محبت کے ساتھ اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور عبادت کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل اور منکسر قرار دے اور یہ اعتقاد رکھے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ تذلل اور عجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اور اس طرح نہ کرے کہ وہ عبادت کو عادتاً کر رہا ہے اور نہ اس طرح کرے جس سے یہ پتا چلے کہ وہ اپنے رب کی عبادت سے مستغنی ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تذلل تام کرے اور محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں کو عبادت پر اجر عطا فرمانا محض اس کا فضل ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے"۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اپنا حق کیسے ثابت کریں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اپنے کسی حق کو ثابت یا واجب نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نفس کے اوپر اپنے کرم اور فضل سے ہمارے حق کو واجب کر لیا ہے ورنہ ہمارا رب جو چاہے کرے لیکن اس کے کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے ہمارے لیے اپنے نفس کے اوپر کچھ حقوق واجب کر لیے اور اسی میں سے یہ حق بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (الانعام: ۵۴)

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۸) اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے غلبۂ شہوت یا حماقت کی بناء پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کر لیا، پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی، اس گناہ سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا، اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گناہ کے بعد کوئی نیکی کی، تا کہ اس گناہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر جو اپنی رحمت کو لازم کیا ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی چیز فرض یا واجب ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ

نے ازراہِ کرم اور ازراہِ فضل اپنے اوپر اپنی رحمت کو لازم کرلیا ہے، پس اللہ ہی کے لیے حمد ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۹۱۔ ۳۹۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: التَّوَاضُعِ — تواضع اور انکسار کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں تواضع کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، تواضع کا معنی ہے: انسان کا اپنے مرتبہ سے نیچے اترنا، دوسرا قول ہے تواضع کا معنی ہے: اپنے سے بڑے مرتبہ والے کی تعظیم کرنا۔

امام عبداللہ بن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کوئی انسان ایمان کی بلندی پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ اس کے نزدیک پستی بلندی سے زیادہ پسندیدہ ہو اور دنیا کا قلیل مال دنیا کے کثیر مال سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۱۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَاقَةٌ قَالَ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَكَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ لَهُ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقَالُوا سُبِقَتِ الْعَضْبَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے لیے ایک اونٹنی تھی ح اور مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفزاری نے خبر دی اور ابو خالد الاحمر نے از حمید الطویل از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کا نام العضباء تھا۔ اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی، سو ایک اعرابی اپنے اونٹ پر آیا اور وہ اس سے آگے نکل گیا، تو مسلمانوں کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے کہا: العضباء پر سبقت کرلی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ پر یہ حق ہے کہ جو چیز بھی دنیا میں سربلند ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کردیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، سنن نسائی: ۳۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۰۲، مسند احمد: ۱۱۵۹۹)

صحیح البخاری: ۶۵۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے تواضع، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ کسی چیز کو دنیا میں سربلند نہیں کرے گا مگر اس کو پست کردے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ سربلندی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور فخر اور غرور ناپسندیدہ صفات ہیں اور تواضع اور انکسار اور عاجزی اور پستی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفات ہیں۔

میں کہتا ہوں: مطلقاً کبریائی اور بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اگر کوئی شخص کسی کو اپنے کمال میں یکتا اور ناقابل تسخیر سمجھے تو اللہ تعالیٰ اس کو گرادیتا ہے۔ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ کبھی کسی اونٹ سے دوڑ میں اور مقابلہ میں پیچھے نہیں رہے گی اور اس کو ناقابل تسخیر گردانتے تھے تو ایک بار وہ بھی ایک اعرابی کے اونٹ سے پیچھے رہ گئی۔ ہمارے زمانہ میں اسکواش کا ایک چیمپئن تھا جس نام جہانگیر تھا اور اس نے پانچ سو سے زائد مقابلے جیتے تھے اور لوگ اس کو اسکواش میں ناقابل تسخیر سمجھتے تھے لیکن وہ اپنے چچازاد بھائی جان شیر خان سے اسکواش کے ایک مقابلہ میں ہار گیا، اسی طرح مشہور باکسر محمد علی کلے بھی باکسنگ کا چیمپئن تھا اور کسی مقابلہ میں ہارا نہیں تھا حتیٰ کہ اس کو بھی لوگ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے لیکن ایک مقابلہ میں وہ بھی جوفریزیر سے ہار گیا، سو مطلقاً بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ورنہ ہر کمال کو زوال ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام العضباء تھا"۔ "العضباء" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا کان شق ہوا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا کان چرا ہوا نہیں تھا، یہ صرف اس کا لقب تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ایک اعرابی ایک قعود پر آیا"۔ "قعود" جوان اونٹ کو کہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے پیٹھ کو سوار کے لیے مہیا کرے، اس کی کم سے کم عمر دو سال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عثمان بن کرامۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی سو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسی عبادت سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض کیں، اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے

الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ۔

محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کے وہ پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا کرتا ہوں، اور میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا تردد میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵ طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، ج ۱۰ ص ۲۱۹، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷)

صحیح البخاری: ۶۵۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے حتیٰ کہ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث میں تواضع کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

اور صاحب التلویح نے کہا ہے: میں اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت کو نہیں جانتا، کیونکہ اس حدیث میں تواضع کا ذکر نہیں ہے اور نہ تواضع کے قریب کسی چیز کا ذکر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو امام بخاری اس سے پہلے باب میں داخل کرتے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مرد کے مجاہدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس سوال کا علماء نے جواب بھی دیا ہے، پس علامہ کرمانی نے کہا: نوافل کے ساتھ تقرب اسی وقت حاصل ہوگا جب بندہ میں بہت زیادہ اپنے رب عزوجل کے لیے تواضع اور تذلل ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس جواب کو پہلے صاحب التلویح ذکر کر چکے ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ نوافل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہوتا ہے اور یہ استحقاق رب عزوجل کے ساتھ انتہائی تذلل اور تواضع سے ہوتا ہے۔ پھر صاحب التلویح نے کہا: اس میں بُعد ہے، لیکن نوافل سے اللہ کے نزدیک اس وقت ثواب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص فرائض پر محافظت کرے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس باب کی عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے مستفاد ہے "میں اس کے کان

ہو جاتا ہوں''۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں:

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس باب کی حدیث کے ساتھ مناسبت اس کے لازم سے ہے، کیونکہ حدیث میں ہے''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں''۔سو یہ حدیث اولیاء اللہ سے عداوت رکھنے سے زجر و توبیخ پر مشتمل ہے اور وہ ان سے محبت کو مستلزم ہے اور تمام اولیاء اللہ سے اور اولیاء اللہ کی محبت غایت تواضع سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اولیاء اللہ میں وہ بھی ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: التزام کی دلالت ترک کی گئی ہے، کیونکہ اگر یہ معتبر ہو تو لازم آئے گا کہ ایک لفظ کے غیر متناہی مدلولات ہوں اور اس قائل سے پوچھا جائے گا کہ تم لزومِ بیّن کا ارادہ کرتے ہو یا مطلق لزوم کا، اور جو بھی ہو دلالتِ التزامی کو ترک کیا جاتا ہے۔پس اگر تم لزومِ بیّن کا ارادہ کرو تو وہ اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، پس مدلول منضبط نہیں ہوگا۔اور اگر تم مطلق لزوم کا ارادہ کرتے ہو تو لوازم غیر متناہی ہیں۔پس ایک لفظ سے ان مدلولات کا افادہ ممتنع ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل اور مکمل عبارت

تنبیہ: اس حدیث کو تواضع کے باب میں امام بخاری نے داخل کیا ہے اور اس پر علامہ داؤدی نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس حدیث میں بالکل تواضع نہیں ہے۔اور بعض علماء نے کہا: مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو اس سے پہلے باب میں داخل کیا جاتا جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مرد کے مجاہدہ کا ذکر ہے، اور امام بیہقی نے''الزہد'' میں یہی عنوان قائم کیا ہے، انہوں نے کہا ہے''فصل فی الاجتہاد والطاعة وملازمة العبودية'' اور امام بخاری کی طرف سے اس اشکال کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا تقرب جو نوافل کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی تواضع اور اس پر توکل سے حاصل ہوگا، اس جواب کو علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے۔

(۲) علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا عنوان حدیث کے اس جملہ سے مستفاد ہوتا ہے''كنت سمعه'' یعنی میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس سے ایک تیسرا جواب نکلتا ہے اور میرے لیے ایک چوتھا جواب بھی ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مطابقت''من عادى لى وليا'' جو میرے ولی سے عداوت رکھے'' سے بہ طریق لازم ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت رکھنے سے زجر و توبیخ کی جائے جو ان کی محبت کو مستلزم ہے اور تمام اولیاء سے محبت کو مستلزم ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہوگا جب انتہائی تواضع کی جائے، کیونکہ اولیاء اللہ میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں جن کی طرف کوئی شخص التفات نہیں کرتا اور تواضع پر ترغیب میں متعدد احادیث صحیحہ مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے، پس اس باب کی دونوں حدیثوں سے وہ مستغنی ہیں، ان میں سے ایک حدیث

حضرت عیاض بن حمار کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم تواضع کرو حتیٰ کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی پر فخر نہ کرے۔ اس حدیث کی امام مسلم اور امام ابوداؤد وغیرہما نے روایت کی ہے۔ اور ایک حدیث وہ ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اللہ کے لیے تواضع نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے تواضع کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اعلیٰ علیین میں کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: میں اس اعتراض کو رد کرنے میں مشغول ہونا مناسب نہیں سمجھتا اور میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص میرے جواب پر واقف ہوگا (جو فتح الباری میں مذکور ہے۔ فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵) تو وہ یہی کہے گا کہ باب کی حدیث سے مناسبت کے لیے ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے اور کیسے کافی نہیں ہوگی جب کہ میری تقریر سے (جو فتح الباری میں مذکور ہے: فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵) وہ مناسبت بالکل واضح ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عثمان، یہ ابن کرامۃ العجلی ہیں، یہ ۲۵۶ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے تھے اور یہ امام بخاری کے کم سن اساتذہ میں سے ہیں، اور یہ امام بخاری کے اکثر مشائخ میں شریک ہیں۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن مخلد، یہ امام بخاری کی اس حدیث کے شیخ ہیں، امام بخاری نے ان سے بغیر واسطہ کے بھی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن مخلد ہیں، یہ البجلی ہیں، ان کو القطوانی الکوفی بھی کہا جاتا ہے، یہ محرم ۲۱۳ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان بن بلال ابوایوب القرشی التیمی ہیں، جو ۱۷۷ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور اس حدیث کی سند میں شریک بن عبداللہ بن ابی نمر القرشی ہیں، ان کو اللیثی بھی کہا جاتا ہے، یہ ۱۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

خالد بن مخلد پر جرح کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ خالد میں بحث ہے۔ امام احمد نے کہا: ان کی منکر روایات ہیں، امام ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی دس احادیث منکر ہیں اور ان میں سے اس باب کی حدیث بھی منکر ہے، اور

اس حدیث کی سند میں شریک ہے، اس میں بھی بحث ہے، اور وہ حدیث معراج کے راوی ہیں اس میں انہوں نے اضافہ بھی کیا ہے اور کمی بھی کی ہے اور تقدیم اور تاخیر بھی کی ہے اور کئی چیزوں کے ساتھ وہ متفرد ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: رہے خالد، تو ابن معین نے کہا ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث کو لکھا جائے گا، اور ابوداؤد نے کہا: وہ بہت سچے ہیں لیکن ان میں تشیع تھا۔ اور میرے نزدیک ان کی روایت میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور رہے شریک، تو یحییٰ بن معین اور نسائی نے کہا ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور محمد بن سعد نے کہا: وہ ثقہ ہیں اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور عطاء، وہ ابن یسار ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ عطاء بن ابی رباح ہیں، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جو میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں"۔

یہ حدیث احادیثِ قدسیہ میں سے ہے اور اس حدیث کی بعض سندوں کے ساتھ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے بیان کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے سنا۔

اللہ کے ولی کی تعریف

اس حدیث میں "ولی" کا ذکر ہے، ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ عزوجل کی صفات کا عالم ہو اور اس کی اطاعت اور عبادت پر دوام کرتا ہو اور اپنی عبادت میں مخلص ہو۔

"من عادی" پر ایک سوال کا جواب

"معاداۃ" کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے اور اللہ کا ولی اس سے عداوت رکھے اور یہ اللہ کے ولی کی شان سے بعید ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من عادی" یہ معادات سے ماخوذ ہے اور یہ بابِ مفاعلہ ہے جو جانبین سے فعل کے صدور کا تقاضا کرتا ہے، یعنی وہ شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے اور اللہ کا ولی اس سے عداوت رکھے حالانکہ ولی کی شان حلم ہے اور عداوت سے اجتناب کرنا ہے اور جو ان کے ساتھ جہالت کی بات کرے اس سے درگزر کرنا۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ معادات جھگڑے میں منحصر نہیں ہے اور نہ دنیاوی جھگڑوں میں منحصر ہے بلکہ کبھی اس بغض کو بھی معادات کہتے ہیں جو تعصب سے پیدا ہوتا ہے مثلاً رافضی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے اور بدعتی، سنی سے بغض رکھتا ہے تو ان میں معادات جانبین سے ہوگی۔ اور ولی کی جانب سے جو عداوت ہوگی وہ محض اللہ کے لیے ہوگی اور دوسرے شخص کی جو عداوت ہوگی وہ اس کی نفسانیت کی بناء پر ہوگی۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس اعتراض کے جواب میں اس تکلف کی ضرورت نہیں

ہے بلکہ کبھی باب مفاعلہ ایک جانب سے فعل کے صدور کے لیے بھی آتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ○

(آل عمران: ۱۳۳)

اس آیت مبارکہ میں بھی ''سارعوا'' کا لفظ ہے اور وہ باب مفاعلہ سے ہے اور یہاں بھی سرعت کا فعل جانبین سے نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے ''اسرعوا'' تم جلدی کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقد آذنته'' اس کا معنی ہے: میں اس کو خبر دیتا ہوں اور اس کو مطلع کرتا ہوں، یعنی میں اس سے جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے میرے ساتھ جنگ کو حلال کر لیا''۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''اس نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کر دیا''۔ اور حضرت ابوامامہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ''اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا''۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ محاربہ جانبین سے ہوتا ہے، سو مخلوق اللہ تعالیٰ سے کیسے محاربہ کر سکتی ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں حرب کا اطلاق ہے اور اس سے اس کا لازم مراد ہے، یعنی اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو معاملہ دشمن محارب کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مما افترضت علیه'' اس سے مراد جمیع فرائض ہیں، خواہ فرائض عین ہوں یا فرائض کفایہ ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں''۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: بندہ کا اپنے رب سے قرب پہلے ایمان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر نیک اعمال کے ساتھ ہوتا ہے اور رب کا قرب بندہ کے ساتھ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں اپنی معرفت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں اس کو اپنی رضا عطا فرماتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور احسان کی کئی وجوہ ہیں۔ اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے قرب اسی وقت ہوتا ہے جب بندہ مخلوق سے دور رہے۔ اور رب تعالیٰ کا قرب علم اور قدرت کے ساتھ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ اور لطف اور نصرت کے ساتھ خواص کے ساتھ مخصوص ہے اور اُنس کے ساتھ اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے'' اس سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرائض کو بھی شامل ہیں اور فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں اور اس سے نوافل مطلقاً مراد نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے''۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ مجاز پر محمول ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اس بندہ کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح بندہ اپنے اعضاء کی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں وہ ہلاکت میں واقع نہ ہو جائے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ مثالیں ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ان اعضاء کے ساتھ ایسی

توفیق دیتا ہے جس سے وہ ایسے کام کرے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو اپنی معصیت سے محفوظ رکھتا ہے مثلاً اس کے کان ان چیزوں کو نہیں سنتے جو اللہ کو ناپسند ہوں یعنی لہو ولعب کو نہیں سنتے، اور اللہ اس کی آنکھیں ہوجاتا ہے یعنی وہ اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو نہیں دیکھتا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے سے منع فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے یعنی وہ اپنے ہاتھوں سے ان چیزوں کو نہیں پکڑتا جن کا پکڑنا اس کے لیے حلال نہیں ہے، اور وہ اس کے پاؤں ہوجاتا ہے، یعنی وہ اپنے پاؤں سے چل کر باطل کی طرف نہیں جاتا، یا بندہ ایسا نہیں کرتا کہ دعا کو قبول کرنے میں جلدی کرے اور اپنی طلب کو اصرار کرے، کیونکہ انسان کی سعی ان چار اعضاء کے استعمال کے بعد ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے''۔ اس حدیث میں ''بصر'' کا لفظ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''عین'' کا لفظ ہے، اور یعقوب بن مجاہد کی روایت میں عین کا لفظ ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور عبدالواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے ''میں اس کا دل ہوجاتا ہوں جس سے وہ تعقل کرتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے ''میں بندہ کے لیے اس کے مقاصد کو مہیا کردیتا ہوں گویا کہ وہ کان اور آنکھوں سے اپنے مقاصد کو حاصل کرلیتا ہے''۔

دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ''میں اس کی نصرت کرنے میں اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ اور پیر کی طرح ہوجاتا ہوں''۔ یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کرنے میں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ ''میں اس کی سماعت کا محافظ ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، پس وہ اسی بات کو سنتا ہے جس کا سننا اس کے لیے حلال ہوتا ہے اور اس کی بصارت کا محافظ ہوجاتا ہوں''۔

حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ متحد ہوں اور اللہ تعالیٰ بندہ کا عین ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل روحانی ہیں، وہ اپنی صورت اتار دیتے اور بشر کا مظہر ہو کر آجاتے، تو انہوں نے کہا: جب حضرت جبریل علیہ السلام ایسا کرسکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زیادہ قادر ہے کہ وجودِ کلی یا بعض وجود کی صورت میں ظاہر ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ ظالم اتحادیہ کہتے ہیں۔

بندہ کی پناہ کی طلب اور اس کو پناہ دینے پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ اگر وہ بندہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں''۔ یعنی بندہ جس چیز سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ بندہ کو اس چیز سے ضرور پناہ عطا فرماتا ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتنے صلحاء اور عبادت گزاروں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا میں بہت کوشش کی اور ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اجابت کئی قسم کی ہے، کبھی بندہ کا مطلوب بعینہٖ فوراً پورا ہوجاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اس

کے مطلوب کو موخر کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ کو وہ مطلوب تو عطا نہیں فرماتا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کوئی چیز عطا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا مومن کی روح قبض کرنے کے متعلق تردد کرتا ہوں"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تردد کرنا محال ہے اور "البداء" امور میں جائز نہیں ہے (البداء کا معنی یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کرنا ہو، پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ اس کام میں کوئی خرابی ہے تو اس کام کو ترک کر دے یا بدل دے اس کو "البداء" کہتے ہیں، شیعہ اس کے قائل ہیں اور اہل سنت اس کے منکر ہیں۔)

اس حدیث میں تردد کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک تاویل یہ ہے کہ بندہ اپنی زندگی کے ایام میں کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کا منتظر ہوتا ہے یا فقر و فاقہ کی وجہ سے موت کا منتظر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفاء عطا فرمائے اور اس سے اس مصیبت کو دور کر دے، تو بندہ کا یہ فعل اس شخص کی تردید کی مثل ہے جو پہلے ایک کام کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کوئی حرج ہے تو اس کو ترک کر دیتا ہے یا اس سے اعراض کرتا ہے۔ اور اس کام کا واقع ہونا ضروری ہوتا ہے جب اس کا وقت آ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے فناء کو مقدر کر دیا ہے اور اپنے لیے بقاء کو مقدر کر دیا ہے۔

اور دوسری تاویل یہ ہے: میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں اپنے رسولوں (فرشتوں) کو رد نہیں کرتا، جس طرح مومن کی جان کے معاملہ میں رد کرتا ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے اور انہوں نے تھپڑ مار کر ملک الموت کی آنکھ نکال دی تھی اور حقیقتِ معنی دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ پر لطف ہے اور اس کی شفقت ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وانا اکرہ اساءتہ" یعنی میں بندہ کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں، کیونکہ بندہ موت کے سبب سے دائمی نعمت تک پہنچتا ہے جو اس کو زندگی میں حاصل نہیں ہے۔ یعنی بندہ تو زندگی چاہتا ہے لیکن میں اس کو موت عطا کرتا ہوں، کیونکہ زندگی ارذل عمر تک پہنچاتی ہے اور خلقت کے پہلے حال کی طرف لوٹاتی ہے اور اسفل سافلین کی طرف راجع کرتی ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں بندہ کی مکروہ چیز یعنی موت کو ناپسند کرتا ہوں اور اس کی روح قبض کرنے میں جلدی نہیں کرتا تو میں متردد کی مثل ہوتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۵۔۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کے تعقبات

اس حدیث میں مذکور ہے "میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔۔۔ الحدیث"۔

علامہ عینی نے اس کی یہ شرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے کانوں کا اور اس کی آنکھوں کا محافظ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کانوں سے اسی بات کو سنتا ہے جس کا سننا اللہ تعالیٰ کا پسند ہوتا ہے اور لہو و لعب کو نہیں سنتا اور حتیٰ کہ وہ اپنی آنکھوں سے انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے اور ناجائز اور حرام چیزوں کو نہیں دیکھتا۔

لیکن یہ شرح اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے "کہ بندہ نوافل کو (بشمول فرائض) دوام کے ساتھ ادا کر کے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان ہوجاتا ہوں اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں"۔ سو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو بندہ اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز نہ سنے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے اور جو اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو نہ دیکھے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے بعد یہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ سو بندہ کا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو سننا اور پسندیدہ چیزوں کو دیکھنا یہ وہ مرتبہ ہے جو پہلے حاصل ہوتا ہے جس سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا اس کے بعد کا مرتبہ ہے، لہٰذا محبوب بننے کے بعد اسے جو نعمت حاصل ہوگی وہ اس سے زائد ہوگی جو حصول قرب کے وقت حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے یہاں پر اللہ تعالیٰ کے کان ہونے اور آنکھیں ہونے کا یہ معنی نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کان اور اس کی آنکھوں کا محافظ ہوجاتا ہے بلکہ یہاں اس کے سوا کوئی اور معنی مراد ہوگا۔ اور اس معنی کو سمجھنے کے لیے امام رازی کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، لکھتے ہیں:

الحجة الثالثة: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: "کوئی بندہ فرائض کی ادائیگی کی مثل سے میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا اور نہ کوئی بندہ نوافل پر دوام کرنے سے میرے قرب کی مثل حاصل کرسکتا ہے حتیٰ کہ میں اس بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں، پس جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں اور آنکھ ہوجاتا ہوں اور زبان اور آنکھ اور دل اور ہاتھ اور پیر، وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے"۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ کے اپنے کانوں میں غیر اللہ کا کوئی حصہ نہیں رہتا نہ ان کی آنکھوں میں اور نہ ان کے باقی اعضاء میں، کیونکہ اگر ان کی آنکھوں میں اور کانوں میں غیر اللہ کا حصہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ میں اس کے کان ہوں اور میں اس کی آنکھ ہوں، پس یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مقام اس سے بلند ہے کہ کسی سانپ کو مسخر کردیا جائے یا کسی درندہ کو مسخر کردیا جائے۔

الحجة الرابعة: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے حکایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "جس نے میرے ولی کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کردیا"۔ پس اللہ تعالیٰ نے ولی کی ایذاء کو اپنی ایذاء کے قائم مقام قرار دیا اور یہ اس آیت کے قریب ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الفتح: ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر، سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ○

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ

اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ

أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ٣٦)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا O

إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے O

پس اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو اللہ کی رضا قرار دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کو اللہ تعالیٰ کی ایذاء قرار دیا۔ پس ضروری ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تمام درجات سے اعلیٰ ہو اور اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ''جس نے میرے ولی کو ایذاء دی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا''۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولی کی ایذاء کو اپنی ایذاء کے قائم مقام قرار دیا۔ اور اس کی تاکید اس حدیث مشہور سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا: میں بیمار تھا سو تم نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تم سے پانی طلب کیا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، میں نے تم سے طعام طلب کیا تم نے مجھے طعام نہیں کھلایا، بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں یہ کام کیسے کرتا حالانکہ تو رب العالمین ہے! پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اسی طرح پلانے اور کھلانے کا معاملہ ہے۔ اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اولیاء اللہ ان درجات تک پہنچ جاتے ہیں۔

الحجة الخامسة: ہم عرف میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس شخص کو بادشاہ خدمت خاصہ کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے اور اس کو اپنے پاس مجلس اُنس میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس کو اس مرتبہ کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے کہ اس کو ان کاموں پر قادر کر دیتا ہے جن کاموں پر دوسرے قادر نہیں ہوتے، بلکہ عقلِ سلیم شہادت دیتی ہے کہ جب یہ قرب حاصل ہو جائے تو یہ مناصب اس کے تابع ہوتے ہیں، پس قرب اصل ہے اور منصب اس کے تابع ہے اور تمام بادشاہوں میں سب سے عظیم بادشاہ رب العالمین ہے، پس جب وہ اپنے بندہ کو یہ شرف عطا فرمائے کہ اس کو اپنی خدمت کی چوکھٹ تک پہنچائے اور کرامت کے درجات تک پہنچائے اور اس کو اپنی معرفت کے اسرار سے واقف کرے اور اپنے اور اس کے درمیان حجابات کو اٹھا دے اور اس کو اپنے قرب کی چادر پر بٹھائے تو اس میں کونسا بُعد ہے کہ اس کے ہاتھ پر بعض کرامات کا اس عالم میں ظہور ہو۔

الحجة السادسة: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افعال کا متولی روح ہے نہ کہ بدن۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت روح کے لیے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے جب خیبر کے دروازہ کو اکھاڑا تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا لیکن قوت ربانیہ سے اکھاڑا ہے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر اس وقت میں عالم اجساد سے منقطع ہو گئی تھی اور وہ عالم کبریاء کے ملائکہ کے انوار سے روشن ہو گئے تھے اور ان کی روح ارواحِ ملکیہ کے جواہر کے مشابہ ہو گئی تھی، اور عالمِ قدس کے انوار ان میں موجزن ہو گئے تھے، پس ضروری ہوا کہ ان میں وہ

قدرت حاصل ہوتی جو عموماً دوسرے بشر کو حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر دوام کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کے کان ہوجاتا ہوں اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، پس جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کے کان ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو سنتا ہے اور جب یہ نور اس کی آنکھ ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھتا ہے اور جب یہ نور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے اور بعید اور قریب چیزوں پر تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۵۔۴۳۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوجاتا ہے لیکن بندہ، بندہ ہی رہتا ہے خدا نہیں ہوتا، جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا، اس کی صورت کا مظہر ہوجاتا ہے۔ بلاتشبیہ وتمثیل جب بندہ کامل کی اپنی صفات فنا ہوجاتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوجاتا ہے۔

شیخ محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی المتوفی ۱۳۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ''میں بندہ کے کان ہوجاتا ہوں'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل میں صرف اس کا جسم باقی رہتا ہے اور اس میں متصرف حضرت الالٰہیہ ہیں اور یہ وہی چیز ہے جس کو صوفیاء فناء فی اللہ سے کہتے ہیں یعنی بندہ اپنے نفس کے دواعی اور محرکات کو اتار پھینکتا ہے حتیٰ کہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ متصرف ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں وحدت الوجود کی چمک ہے اور ہمارے مشائخ اس مسئلہ کے معتقد ہیں۔

اور یہ ایسا ہے جیسے قرآن عزیز میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (النمل: ۸)

پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کو ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے O

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (القصص: ۳۰)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں O

پس جو چیز دکھائی گئی تھی اور جس کا مشاہدہ ہوا تھا وہ صرف آگ تھی نہ کہ رب جل مجدہٗ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلی فرمائی تھی، پس دیکھنے میں درخت کلام کر رہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی، اس لیے کہ رب جل مجدہٗ اس درخت میں تجلی فرما چکا تھا اور وہ درخت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا واسطہ بن گیا تھا۔ پس جس میں تجلی کی گئی تھی اس نے تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا، اور اس حدیث کی امثال میرے نزدیک مسئلہ تجلی کی طرف راجع ہیں، پس بے شک جب درخت کے لیے یہ جائز ہے کہ اس میں یہ ندا کی جائے کہ میں اللہ ہوں، تو اس ولی کا کیا حال ہوگا جو نوافل سے تقرب حاصل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کان اور اس کی آنکھیں نہ ہوں، یہ کیسے نہیں ہوگا حالانکہ ابن آدم جو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں ہے۔

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۸۔۴۲۹، مجلس علمی، سورت، ہند ۱۹۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں اس معنی کا رد کیا ہے کہ بندہ عین حق تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض گمراہ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ بندہ جب ظاہری اور باطنی عبادات کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ بشری کدورات اور میل سے خالص اور صاف ہو جاتا ہے تو وہ حق کے معنی میں ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اور یہ کہ بندہ کا نفس فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا ذکر کرنے والا ہے اور اس سے محبت کرنے والا ہے اور ان لوگوں کے رد کے لیے کافی ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ ''اگر بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال ضرور پورا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں''۔ پس اگر بندہ بندگی سے نکل کر حق ہو گیا تھا تو پھر اس کا کیا مطلب ہوگا کہ جب بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کو ضرور دیتا ہوں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث ''من عادی لی ولیا'' کی سند پر بحث ونظر

یہ حدیث عطاء بن یسار سے مروی ہے، صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عطاء بن ابی رباح ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس پر خطیب بغدادی نے تنبیہ کی ہے۔ اور شمس الدین ذہبی نے خالد بن مخلد کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ امام احمد نے بیان کیا: اس کی منکر روایات ہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا: اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اور امام ابن عدی نے اس کی دس ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو منکر ہیں۔ اور یہ حدیث از محمد بن مخلد از محمد بن عثمان بن کرامۃ شیخ البخاری سے مروی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث بہت غریب ہے، اگر صحیح البخاری کی ہیبت نہ ہوتی تو اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکرات میں سے شمار کیا جاتا، کیونکہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یہ حدیث یقیناً مسند احمد میں نہیں ہے۔ اور یہ کہنا مردود ہے کہ یہ متن صرف اسی سند سے مروی ہے۔ اس کے باوجود خالد بن مخلد کے شیخ الشیخ شریک ہیں ان میں بھی بحث ونظر ہے اور وہی معراج کی حدیث کے راوی ہیں جس میں انہوں نے اضافہ بھی کیا ہے اور کمی بھی کی ہے اور تقدیم اور تاخیر بھی کی ہے اور وہ کئی چیزوں کے ساتھ منفرد ہیں جس میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفسیر اپنی جگہ پر آئے گی، لیکن اس حدیث کی اور بھی سند ہے اور اس کا مجموعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ ان میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کی امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور ابن ابی الدنیا نے اور امام ابونعیم نے حلیۃ میں روایت کی ہے اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے از عبد الواحد بن میمون از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اور امام ابن حبان نے اور امام ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس حدیث میں متفرد ہیں۔ اور امام بخاری نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں لیکن امام طبرانی نے اس حدیث کی از یعقوب بن مجاہد از عروہ روایت کی ہے اور کہا ہے: اس حدیث کی عروہ سے صرف یعقوب اور عبد الواحد نے روایت کی ہے۔ اور ان میں سے وہ حدیث ہے جو حضرت ابوامامہ سے مروی ہے، اس کی

امام طبرانی اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں سندِ ضعیف سے روایت کی ہے۔ اور ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو الاسماعیلی نے مسند علی میں بیان کی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور ان دونوں کی سند ضعیف ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کی امام ابویعلیٰ اور امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔ اور حذیفہ سے روایت ہے جس کی امام طبرانی نے مختصراً روایت کی ہے اور اس کی سند حسن غریب ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کی امام ابن ماجہ نے اور امام ابونعیم نے حلیۃ میں مختصراً روایت کی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اور وہب بن منبہ سے منقطع روایت ہے جس کی امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور ابونعیم نے الحلیہ میں روایت کی ہے اور اس میں امام ابن حبان پر تعقب ہے جنہوں نے اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کے بعد کہا: اس حدیث کے صرف دو طریقے معروف ہیں، یعنی اس باب کی حدیث کے علاوہ۔ اور وہ ہشام الکنانی ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور عبدالواحد بن میمون ہیں جو از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں روایات صحیح نہیں ہیں اور میں عنقریب بیان کروں گا کہ ان کی روایات میں کیا زائد فائدہ ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۰۔۵۶۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ

حدیث مذکور کی مسند احمد میں روایت

حافظ ابن حجر عسقلانی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے، لیکن ہم نے دیکھا کہ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی کے دفاع میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسند احمد میں یہ حدیث مذکور ہے لیکن یہ خالد بن مخلد کی روایت نہیں ہے جس کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے انکار کیا ہے اور اس کا متن بھی خالد بن مخلد کی روایت کے متن سے قدرے مختلف ہے، ہم درج ذیل عبارت میں مسند احمد کی سند اور متن مع ترجمہ کے ذکر کر رہے ہیں تا کہ پورا کشف ہو جائے:

۲۶۱۹۳۔ حدثنا حماد وابوالمنذر، قالا: حدثنا عبدالواحد مولی عروۃ، عن عروۃ عن عائشۃ: قالت: قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ عزوجل: من اذل لی ولیا فقد استحل محاربتی وما تقرب الی عبدی بمثل اداء الفرائض، وما یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ، ان سالنی اعطیتہ، وان دعانی اجبتہ، ما ترددت عن شیء انا فاعلہ ترددی عن وفاتہ لانہ یکرہ الموت، واکرہ مساء تہ، قال ابی: وقال ابوالمنذر: قال: حدثنی عروۃ، قال: حدثتنی عائشۃ، وقال ابو المنذر: آذی لی۔

ہمیں حماد نے اور ابوالمنذر نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا کہ ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی جو عروہ کے آزاد شدہ غلام ہیں از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی کی تذلیل کی اس نے میرے ساتھ جنگ کو حلال کر لیا، اور میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کی مثل سے کسی چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کرتا اور بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کو قبول کرتا ہوں، اور میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس کے کرنے میں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا تردد میں اس بندہ کی

(مسند احمد: ۲۶۱۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وفات میں کرتا ہوں، کیونکہ وہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں، میرے والد نے کہا: اور ابوالمنذر نے کہا: کہ مجھے عروہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی اور ابوالمنذر نے کہا: جس نے میرے ولی کو ایذاء دی۔

یہ حدیث مسند احمد کے درج ذیل نسخوں میں بھی مذکور ہے:

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶، دارالفکر طبع قدیم)، (مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

(مسند احمد ج ۸ ص ۵۰۶، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ)، (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۱۶ھ)

(مسند احمد: ۲۶۱۹۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

حدیث مذکور کی مزید تخریج

مسند احمد کے مخرجین شعیب الارنؤوط اور دیگر نے اس حدیث کی درج ذیل تخریج کی ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے ''الاولیاء: ۴۵'' میں اور امام بیہقی نے ''کتاب الزہد: ۶۹۸۔۶۹۹'' میں اس حدیث کی از ابوالمنذر اسماعیل بن عمر اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: ''جب میں اس بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ تعقل کرتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔

اور امام بزار نے ''۳۶۴۷ اور ۳۶۴۷'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵ میں'' اس کی مختصراً روایت کی ہے از ابوعامر العقدی اور امام القضاعی نے ''مسند الشہاب: ۱۴۵۷ میں'' اس حدیث کی از ابوطلحہ بن یحییٰ روایت کی ہے اور یہ دونوں روایتیں بھی عبدالواحد سے ہیں اور اس میں بھی وہ اضافہ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، امام بزار نے کہا: اس روایت میں عبدالواحد متفرد ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یعقوب بن مجاہد ابوحزرۃ نے بھی اس کی متابعت کی ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کی ''المعجم الاوسط: ۹۳۴۸ میں'' از ہارون بن کامل از سعید بن ابی مریم از ابراہیم بن سوید از یعقوب بن مجاہد ابوحزرۃ از عروہ بن زبیر روایت کی ہے۔

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۴ھ نے ''مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے، اور اس حدیث کی امام بزار، امام احمد اور امام طبرانی کی طرف نسبت کی ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۶۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ سے ''محاربۃ'' کا معنی

صحیح البخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں''۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ "محاربة" باب مفاعلہ ہے، اس کا معنی ہے: جانبین سے جنگ کرنا، حالانکہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی قید میں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے جنگ کر سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ کا انجام ہلاکت ہے اور اللہ پر کوئی غالب نہیں آسکتا تو معنی یہ ہے کہ جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی، اس نے اپنے آپ کو اپنی ہلاکت پر پیش کر دیا۔

علامہ الفاکہانی نے کہا ہے: اس حدیث میں شدید تحدید (دھمکی) ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور یہ بلیغ مجاز ہے کیونکہ جو شخص اس کو ناپسند کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے عناد رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے عناد رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔

علامہ الطوفی نے کہا ہے: جب کہ اللہ کا ولی اللہ کی اطاعت کر کے اور اللہ سے ڈر کر اس سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ حفاظت اور نصرت کے ساتھ اس سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ جو دشمن کا دشمن ہوتا ہے وہ دوست ہوتا ہے اور جو دشمن کا دوست ہوتا ہے وہ دشمن ہوتا ہے، پس اللہ کے ولی کا دشمن اللہ کا دشمن ہے، پس جو اللہ کے ولی سے عداوت رکھے وہ ایسا ہے جیسا کہ وہ اللہ کے ولی سے جنگ کرتا ہے اور جو اللہ کے ولی سے جنگ کرتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔

فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر مواظبت

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ علامہ الطوفی نے کہا ہے کہ فرائض کا حکم جزمی ہے اور اس کے ترک پر عذاب ہوتا ہے، اس کے برخلاف نفل نہ تو اس کا حکم جزمی ہے اور نہ ان کے ترک پر عذاب ہوتا ہے، اگرچہ نوافل، فرائض کے ساتھ تحصیل ثواب میں شریک ہیں، پس فرائض زیادہ کامل ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض زیادہ محبوب ہیں اور زیادہ قرب کا سبب ہیں، نیز فرض اصل اور بنیاد ہے اور نفل فرع اور بنیاد کے اوپر کی عمارت ہے۔ اور فرائض کو ان کے طریقہ پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کا احترام ہے اور اس کی اطاعت کر کے اس کی تعظیم ہے اور ربوبیت کی عظمت کو اور عبودیت کی ذلت کو ظاہر کرنا ہے، پس فرائض کی ادائیگی کے ساتھ تقرب حاصل کرنا عظیم عمل ہے۔ اور جو شخص فرض کو ادا کرتا ہے کبھی عذاب کے خوف سے ادا کرتا ہے اور جو نفل کو ادا کرتا ہے وہ صرف خدمت کو ترجیح دینے کے لیے کرتا ہے۔ پس اس کو محبت کی جزاء دی جائے گی جو اللہ کی خدمت سے تقرب حاصل کرتا ہے۔

فرائض نوافل سے زیادہ اہم ہیں تو ان سے اللہ کی محبت کیونکر حاصل نہیں ہوگی؟

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت نوافل کے لزوم سے تقرب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فرائض اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہیں تو ان کی ادائیگی سے محبت کیونکر حاصل نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نوافل سے مراد وہ ہیں جو فرائض کو بھی شامل ہوں اور فرائض پر مشتمل ہوں اور فرائض کے مکمل ہوں اور اس کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: اے ابن آدم! میرے پاس جو اجر ہے تو اس کو اس وقت پا سکے گا

جب تو ان کاموں کو کرلے جو میں نے تجھ پر فرض کیے ہیں۔

علامہ الفاکہانی نے کہا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ فرائض کو ادا کرے اور نوافل کی ادائیگی میں دوام کرے یعنی نفلی نمازیں پڑھے، نفلی روزے رکھے اور دیگر نفلی عبادات کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔

اور علامہ ابن ہبیرہ نے کہا ہے کہ نفل فرض پر مقدم نہیں ہوتے، کیونکہ نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں پس جب تک فرض کو ادا نہ کیا جائے تو نفل حاصل نہیں ہوگا۔ اور جس نے فرض کو ادا کیا، پھر اس پر نوافل کو زیادہ ادا کیا تو اس سے تقرب کا ارادہ محقق ہوگا۔ نیز عادت جاری اس طرح ہے کہ تقرب غالباً واجبات کے بغیر ہوتا ہے جیسے ہدیہ اور تحفہ دینے سے محبت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو خراج ادا کرتا ہے یا جو اس کے ذمہ قرض ہو اس کو ادا کرتا ہے تو اس سے محبت نہیں ہوتی۔ نیز تمام نوافل فرائض کی تکمیل کے لیے مشروع کیے گئے ہیں جیسا کہ امام مسلم کی اس روایت میں ہے: ''دیکھو میرے بندہ کی کوئی نفلی عبادت ہے تو اس سے اس کے فرض کو کامل کر دیا جائے''۔ اس سے واضح ہوا کہ نوافل کے ساتھ تقرب سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرائض کو ادا کیا نہ وہ کہ جس نے فرائض میں کمی کی جیسا کہ بعض اکابر نے کہا ہے: جس کو فرائض کی ادائیگی نوافل سے مشغول رکھے وہ معذور ہے اور جس کو نوافل کی ادائیگی فرائض سے مشغول رکھے وہ مغرور ہے۔

اللہ تعالیٰ بندہ کے کان اور آنکھ ہوجاتا ہے، اس کی توجیہات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ''اللہ بندہ کی آنکھ ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسی طرح اس کے کان اور ہاتھ اور پیر ہوجاتا ہے اور اس کا دل ہوجاتا ہے جس سے وہ تصرف کرتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہے جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ''اور اس کا قلب ہوجاتا ہے جس سے وہ تعقل کرتا ہے''۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ ہوجاتا ہوں''۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باری جل وعلا کیسے بندہ کے کان اور آنکھ ہوجائے گا اور اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث بطور تمثیل کے وارد ہے اور اس کا معنی یہ ہے: میں بندہ کے کان اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں کیونکہ وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے، پس وہ میری طاعت سے محبت کرتا ہے اور میری خدمت کو ترجیح دیتا ہے جیسا کہ وہ ان اعضاء سے محبت رکھتا ہے۔

(۲) بندہ بالکلیہ میرے ساتھ مشغول ہوجاتا ہے، پس وہ اپنے کان سے وہی بات سنتا ہے جو بات مجھے راضی کرے اور اپنی آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جس کا میں نے اسے حکم دیا ہے۔

(۳) میں بندہ کے مقاصد مہیا کر دیتا ہوں گویا کہ وہ ان مقاصد کو اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصر سے حاصل کرتا ہے۔

(۴) میں بندہ کی نصرت اور مدد میں اس کے کانوں اور اس کی آنکھ کی طرح ہوجاتا ہوں اور اس کے ہاتھوں اور اس کے پیروں کی طرح ہوجاتا ہوں تاکہ وہ اپنے دشمن کا مقابلہ کرے۔

(۵) علامہ فاکہانی اور علامہ ابن ہبیرہ نے کہا ہے کہ یہاں پر مضاف حذف ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ میں اس کے کانوں کا محافظ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کوئی بات سنتا ہے، پس وہ اسی چیز کو سنتا ہے جس کا سننا جائز ہوتا ہے اور وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کا دیکھنا جائز ہوتا ہے۔

(۶) علامہ الفاکہانی نے کہا ہے: اس حدیث میں سمع بمعنی مسموع کے ہے، یعنی وہ صرف میرے ذکر کو سنتا ہے اور صرف میری کتاب کی تلاوت سے لذت حاصل کرتا ہے اور صرف مجھ سے مناجات کرنے سے اُنس حاصل کرتا ہے اور وہ ملکوت کے عجائب میں نظر نہیں کرتا اور صرف اسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس میں میری رضا ہوتی ہے۔

علامہ الطوفی نے کہا ہے: قابلِ ذکر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مجاز ہے اور بندہ کی نصرت اور اس کی تائید اور اس کی اعانت سے کنایہ ہے گویا کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنی ذات کو بندہ کے آلات کے منزلہ میں نازل فرمایا۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں ہے: ''پس وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے''۔ اور انہوں نے کہا کہ اتحادیہ کا یہ زعم ہے کہ یہ مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور حق تعالیٰ بندہ کا عین ہوجاتا ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ حضرت جبریل، حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے، انہوں نے کہا: وہ روحانی ہیں، پس وہ اپنی صورت کو الگ کردیتے اور بشر کے مظہر میں ظاہر ہوتے تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر زیادہ قادر ہے کہ وہ وجود کلی کی صورت میں ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس بات سے جو ظالمین کہتے ہیں۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ مثالیں ہیں اور ان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے اعضاء کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے جن سے اللہ کی محبت آسان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو محفوظ رکھتا ہے اور ان کو ان اعضاء کے ساتھ ان کاموں سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوں اور ان باتوں کے سننے سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہوں، اور ان چیزوں کو دیکھنے سے بچاتا ہے جن کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور ان چیزوں کو پکڑنے سے بچاتا ہے جن کو پکڑنا اس کے لیے جائز نہیں ہے اور کسی باطل چیز کی طرف جانے سے اس کے پیروں کو بچاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔

(۷) علامہ خطابی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بندہ کے کان ہوجاتا ہوں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو بہت جلدی قبول کرتا ہے اور اس کو اس کی طلب میں کامیاب کرتا ہے۔

امام بیہقی نے کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کانوں سے کسی بات کے سننے کی بہ نسبت میں بندہ کی ضروریات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہوں۔ اور کسی چیز کو دیکھنے کی اور کسی چیز کو چھونے کی اور کہیں چل کر جانے کی بہ نسبت اس کی ضرورت کو بہت جلد پورا کرتا ہوں۔

اور بعض متاخرین صوفیاء نے اس حدیث کو مقامِ فناء اور محو پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی وہ مقصود ہے جس کے علاوہ اور کوئی چیز مقصود نہیں ہے۔

اور بعض گمراہ لوگوں نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب بندہ عباداتِ ظاہرہ اور عباداتِ باطنہ کو لازم کرلیتا ہے حتیٰ کہ میل سے صاف ہوجاتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کے معنی میں ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ وہ اپنے نفس کو فناء کردیتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہ اسباب اس کے شہود میں محض عدم ہوجاتے ہیں اگرچہ خارج میں معدوم نہیں ہوتے۔ اور ہر تقدیر پر اس حدیث میں اتحادیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو وحدتِ مطلقہ کے قائلین ہیں، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے ''اور اگر بندہ مجھ سے سوال کرے، اور اگر بندہ مجھ سے پناہ طلب کرے'' سو اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے تو پھر بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیسے کرے گا اور اس سے کیسے پناہ طلب کرے گا۔

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر وہ بندۂ محبوب مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا کرتا ہوں"۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عُبّاد اور صلحاء کی جماعت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بہت مبالغہ کیا اور ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی مقبولیت کئی طرح ہوتی ہے، کبھی تو فی الفور بعینہٖ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی وجہ سے وہ مطلوب تاخیر سے حاصل ہوتا ہے، اور کبھی مطلوب کا غیر حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ مطلوب میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور کوئی مصلحت نہیں ہوتی، اس لیے اللہ تعالیٰ وہ چیز عطا فرماتا ہے جس میں بندہ کی مصلحت ہوتی ہے۔

کسی بندہ کے دل میں آئی ہوئی بات اسی وقت شرعاً معتبر ہے جب وہ کتاب وسنت کے موافق ہو

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ "وہ بندہ میرے اولیاء اور اصفیاء کے ساتھ ہوگا اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ جنت میں ہوگا"۔ اور بعض جاہلوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ بندہ اہل تجلی میں سے ہے، پس انہوں نے کہا کہ جب اس کا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ محفوظ ہو تو اس کے دل میں آنے والی باتیں خطا سے محفوظ ہوں گی، اور اس پر اہل تحقیق نے رد کیا ہے کہ دل میں آنے والی وہی بات برحق ہے جو کتاب وسنت کے موافق ہو۔ اور عصمت صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور ان کے ماسوا سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راس الملهمين ہیں اس کے باوجود بسا اوقات ان کی ایک رائے ہوتی اور وہ صحابہ کو اپنی رائے کی خبر دیتے اور صحابہ اس کے خلاف مشورہ دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔ تو جس نے یہ گمان کیا کہ بندہ کے دل میں جو بات آتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حکم کے مقابلہ میں کافی ہے، اس نے عظیم خطاء کا ارتکاب کیا۔ اور بعض جاہلوں نے اور مبالغہ کیا، انہوں نے کہا: "میرے دل میں میرے رب نے مجھ سے کہا ہے"، یہ بہت شدید خطاء ہے، کیونکہ یہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے دل میں شیطان نے بات کی ہو۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ کے تردد کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں اتنا تردد نہیں کرتا جتنا مومن کی روح قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں"۔

علامہ الکلاباذی نے یہ کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے فعل کی صفت کو ذات کی صفت سے تعبیر کیا ہے اور تردید کو تردد سے تعبیر کیا ہے، یعنی بندہ کے دل میں جو زندگی سے محبت ہے اس کو موت سے محبت کی طرف لوٹا دیتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق پیدا کرتا ہے، سو وہ بندہ موت کا مشتاق ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ سبحانہٗ اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہے، پس اس سے موت کی ناپسندیدگی کو زائل کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے اوپر ایسے احوال وارد کرتا ہے، پھر اس حال میں اس کو موت آتی ہے کہ وہ موت کا مشتاق ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تردد کا ذکر ہے اور مراد اس سے ملائکہ کا تردد ہے

جو بندہ کی روح کو قبض کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ نے ملائکہ کے تردد کو اپنی طرف منسوب اس لیے کیا کہ ان کا تردد کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فرشتہ کو روح قبض کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ کیسے تردد کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت تردد کرتا ہے جب اس کے لیے وقت مقرر نہیں کیا جاتا، گویا کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کی روح اس وقت قبض کرنا جب یہ راضی ہو۔ پھر علامہ ابن الجوزی نے تیسرا جواب ذکر کیا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تردد کا معنی لطف ہو، گویا کہ فرشتہ روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہے، کیونکہ جب وہ بندۂ مومن کی قدر و منزلت کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اس سے دنیا والوں کو بہت فائدہ حاصل ہو رہا ہے تو اس کا احترام کرتا ہے اور اس کی روح کو قبض کرنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا، پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کرتا ہے تو اس کی تعمیل کے سوا اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اور علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندۂ مومن کی روح تاخیر سے قبض کرتا ہے اور تدریجاً قبض کرتا ہے، اس کے برخلاف باقی جو امور ہیں تو اللہ تعالیٰ محض کُن فرماتا ہے اور وہ امور واقع ہو جاتے ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کی قدر و منزلت بہت عظیم ہے، کیونکہ وہ اپنی تدبیر سے نکل کر اپنے رب کی تدبیر میں داخل ہو گیا۔ اور وہ خود اپنا بدلہ لینے سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے بدلہ لینے میں داخل ہو گیا۔ اور اپنی قوت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی قوت میں داخل ہو گیا۔

(۲) جو شخص کسی ولی کو ایذاء پہنچائے اور پھر فوراً اس پر کوئی مصیبت نہ آئے یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد میں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ گیا، کیونکہ اس پر کوئی اور مصیبت آسکتی ہے جو اس سے زیادہ شدید ہوگی۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جو بندہ پر احکام فرض کیے ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں جیسے نماز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات یا جن چیزوں کا ترک فرض کیا ہے جیسے زنا اور قتل وغیرہ جو محرمات میں سے ہیں اور اس میں فرائضِ باطنہ بھی داخل ہیں جیسے اللہ کی معرفت کا حصول اور اس سے محبت اور اللہ پر توکل کرنا اور اللہ سے ڈرنا۔

(۴) اور اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اللہ کا ولی مغیبات پر اللہ کی اطلاع سے مطلع ہو جاتا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ قرآن مجید میں ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ (الجن: ۲۶۔۲۷)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ○ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں، سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر اپنے غیب کو بالذات ظاہر فرماتا ہے اور اولیاء اللہ پر اپنے غیب کو انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں ظاہر فرماتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۰۔۵۶۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کے اہم نکات کوذکر کر دیا ہے لیکن ہم نے چاہا کہ حافظ ابن حجر کے نکات کو ان کی اصل عبارات کے ضمن میں پیش کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۹۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ

نبی ﷺ کا ارشاد: مجھے اور قیامت کو (ان دو) انگلیوں کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (النحل:۷۷)

اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس عنوان میں ''ساعۃ'' کے لفظ پر زبر بھی ہے اور پیش بھی ہے، اگر اس پر زبر ہو تو یہ واؤ بمعنی مع کے ہے یعنی مجھے قیامت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس پر پیش مستحسن ہے اور ''بُعِثْتُ'' میں جو ضمیر مجہول ہے اس کا اس پر عطف ہے۔ اور ''کھاتین'' کا معنی ہے: دو انگلیوں کی مثل ہے یعنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی۔

باب میں مذکور آیت کی شرح از علامہ عینی

اس آیت کا معنی ہے: ''اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ یعنی قیامت کا معاملہ اتنی سرعت کے ساتھ ہوگا جتنی سرعت میں پلک جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هٰكَذَا وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّ بِهِمَا۔

(صحیح مسلم: ۲۹۵۰، مسند احمد: ۲۲۲۹۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو کھینچا۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث باب کے عنوان کے معنی کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی مریم، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم بن مریم المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں انگلیوں کو کھینچتے" تا کہ وہ دو انگلیاں باقی انگلیوں سے ممتاز ہو جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۴۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ هُوَ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ وَأَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۵۱، مسند احمد: ۱۱۹۱۳، سنن دارمی: ۲۷۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی اور وہ الجعفی ہیں۔ انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اور ابی التیاح از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے اپنا یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو ان دو کی مثل بھیجا گیا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی باب کے عنوان کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجعفی، اس میں جعف بن سعد کی طرف نسبت ہے جو مذحج کا قبیلہ ہے۔ الجوہری نے کہا: یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ ہیں اور نسبت اسی طرح سے ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو التیاح، اور ان کا نام یزید ہے اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن حمید، وہ الضبعی البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے "کھاتین" یعنی ان دو کی مثل۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے جیسے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی لمبائی میں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ قریب ہے اور وہ جلد آنے والی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمن: ۳۴) بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہے، تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ قیامت عنقریب واقع ہونے والی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: معلوم یہ ہے کہ وہ قریب آنے والی ہے اور اس کی ذات مجہول ہے، پس آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۹۔ ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ يَعْنِي إِصْبَعَيْنِ تَابَعَهُ إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۴، صحیح مسلم: ۲۹۵۱، مسند احمد: ۱۱۹۱۳، سنن دارمی: ۲۷۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے خبر دی از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو کی مثل بھیجا گیا ہے، یعنی دو انگلیوں کی مثل بھیجا گیا ہے۔

اسرائیل نے ابوبکر کی اس حدیث میں متابعت کی ہے از ابوحصین۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی باب کے عنوان کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یوسف، یہ ابوزکریا الزمی ہیں اور اس حدیث میں مذکور ہے ابوبکر، وہ ابن عیاش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوحصین کا ذکر ہے، وہ عثمان بن عاصم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، وہ ذکوان الزیات ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دو انگلیوں کی مثل کا مصداق

یعنی مجھے اور قیامت کو انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی مثل مبعوث کیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہے جیسے ان دو انگلیوں کے طول میں تھوڑا فاصلہ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اس امت کو آدھے دن تک مؤخر کر دے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۰، المستدرک ج ۴ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴) یعنی پانچ سو سال تک۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۵۰)

حضرت زمل الخزاعی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، اس میں مذکور ہے: یارسول اللہ! میں نے دیکھا آپ ایک منبر پر ہیں جس کی سات سیڑھیاں ہیں اور آپ کے پہلو میں ایک دبلی اونٹنی ہے گویا کہ آپ اس کی صفت بیان کر رہے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹنی سے مراد قیامت کا وقوع ہے جس سے آپ نے ڈرایا۔ اور آپ نے منبر کی سیڑھیوں کے متعلق فرمایا: دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور مجھے اس کے آخر میں بھیجا گیا ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں:

یہ حدیث اگرچہ ضعیف الاسناد ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متعدد صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے کہا: دنیا کے سات دن ہیں اور ہر دن ہزار سال کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری ہزار میں مبعوث کیے گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر یہ حدیث مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اس حدیث کا مدلول تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد قیامت آجائے گی لیکن اب تو چودہ سو چونتیس سال گزر گئے اور ابھی تک قیامت نہیں آئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور اس حدیث کی تاویل میں اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں یعنی آپ کے اور قیامت کے درمیان آپ کے سوا اور کوئی نبی نہیں ہوگا اور نہ آپ کی شریعت کے سوا کسی اور نبی کی شریعت ہوگی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ صحیح البخاری: ۵۰ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ اس کو سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں تھا اور اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو قیامت کا علم تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۸۷)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر صرف وہی اس کو ظہور میں لائے گا، آسمانوں اور زمینوں پر قیامت بہت بھاری ہے، وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی، وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں، آپ کہیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کا علم نہ آپ کو ہے اور نہ کسی اور کو، یعنی قیامت کے وقوع کا علم۔ اور اس باب کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، پس آپ کے قریب اور کوئی نبی نہیں ہے، آپ کے قریب قیامت ہے جیسے انگشتِ

شہادت درمیانی انگلی کے قریب ہوتی ہے اور درمیان میں کوئی انگلی نہیں ہوتی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو قیامت کا علم ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۹۳۔ ۵۹۴ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور اسی طرح کی ایسی دیگر آیات کا محمل یہ ہے کہ قیامت کا بالذات اور بلا واسطہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام میں سے جس کو چاہے گا قیامت کے وقوع پر مطلع فرمائے گا اور جو فرشتہ قیامت کے دن صور پھونکے گا اس کو تو بہر حال وقوع قیامت کا علم ہو جائے گا، اس لیے از خود اپنے قیاس سے کسی کو قیامت کے وقوع کا علم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو قیامت کا علم عطا فرمائے گا اس کو قیامت کا علم ہو جائے گا۔ اور متعدد مفسرین نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقوع قیامت کا علم دیا گیا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس کو مخفی رکھیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی مقدار کے متعلق اقوال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے

امام طبری اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور چھ ہزار سال گزر چکے ہیں، گویا اب قیامت کے آنے میں ایک ہزار سال رہ گئے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بحث کے آخر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O

(المعارج: ۴)

معمر نے کہا: دنیا اول سے لے کر آخر تک اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کتنے سال گزر چکے ہیں اور کتنے سال باقی ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

دنیا کی عمر ختم ہونے میں کتنی مدت باقی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس امت کی مدت ایک ہزار سال ہے اور ایک ہزار سال کے بعد صرف پانچ سو سال کا اضافہ ہوگا اور انہوں نے اس پر ان احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے جن کو انہوں نے اپنے اس رسالہ میں ذکر کیا ہے: ''الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الالف''۔

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہم جس سال میں ہیں اس سال میں ابھی تک امام مہدی کا ظہور نہیں ہوا اور اس سے ان لوگوں کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔

یہ جہان کب سے بنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح دنیا کی عمر کو بھی اور انسانیت کی ابتداء کو اور اس جہان میں انسانوں کی بقاء کو اور برزخ میں کتنا عرصہ رہیں گے ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس باب میں جو کچھ بھی وارد ہے وہ امور ظنیہ ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

(تفسیر روح المعانی جز ۹ ص ۱۹۶۔ ۱۹۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

صحیح البخاری: ٦٥٠٥، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ١٤٢١ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم پندرھویں صدی ہجری میں ہیں اور ابھی تک قیامت واقع نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور قیامت دونوں اس طرح متصل ہیں جیسے انگشتِ سبابہ اور درمیانی انگلی، یعنی قیامت کا معاملہ قریب ہے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ لوگوں کو عملِ صالح پر برانگیختہ کیا جائے اس سے پہلے کہ قیامت اچانک آ جائے اور ان کو پتا بھی نہ ہو۔ (شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٤٠٠، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٤٠۔ بَابٌ باب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں اسی طرح صرف لفظِ باب لکھا ہوا ہے اور اس کا کوئی عنوان ذکر نہیں کیا اور یہ بمنزلہ فصل ہے۔ اور اس کی حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے باب میں ہے اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے "باب طلوع الشمس من مغربها" اور ہر دو تقدیر پر اس باب کی اور اس سے پہلے والے باب کے درمیان مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ سورج کا مغرب سے طلوع اس وقت ہوگا جب قیامت کا وقوع قریب ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٤٠، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٥٠٦۔ بَابٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ فَذَلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام: ١٥٨) وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أَحَدُكُمْ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس کو تمام لوگ دیکھیں گے اور سب اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا "جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو" (الانعام: ١٥٨)، اور ضرور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ دو مرد اپنے درمیان کپڑے کو کھول رہے ہوں گے نہ اس کی خرید و فروخت کریں گے اور نہ اس کو لپیٹیں گے اور ضرور ضرور

قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک مرد اپنی اونٹنی کے دودھ کو لے کر مڑے گا اور اسے پی نہیں سکے گا اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک شخص اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا اور اس حوض سے پانی نہیں پی سکے گا، اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ تم میں سے کوئی ایک اپنا لقمہ منہ کی طرف لے کر جائے گا اور اس کو کھا نہیں سکے گا۔

(صحیح البخاری:۸۵، صحیح مسلم:۱۵۷، سنن ابوداؤد:۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ:۴۰۶۸، مسند احمد:۷۱۲۱)

صحیح البخاری:۶۵۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور شعیب کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، وہ ابن ہرمز الاعراج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث مختصر ہے اور پوری حدیث کتاب الفتن کے اواخر میں اسی سند کے ساتھ آئے گی جس کے شروع میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں قتال کریں اور اس میں تقریباً دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، پھر اس کا ذکر اختصار سے کیا گیا ہے جو اس باب میں مذکور ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اہل ہیئت نے بیان کیا ہے کہ فلکیات بسیطہ ہیں، ان کے تقاضے مختلف نہیں ہیں، لہٰذا ان پر قیامت واقع نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان کے قواعد ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کے مقدمات ممنوع ہیں۔

سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا بیان

اس باب میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کے متعلق امام طبری لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو کافر مغرب سے سورج کے طلوع سے پہلے ایمان نہ لایا ہو تو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد اس کو اپنے ایمان سے فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت ایمان لانا اور عملِ صالحہ کرنا اس کے حکم میں ہے جب کوئی آدمی غرغرہ موت کے وقت ایمان لائے یا عملِ صالح کرے۔ اور اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ (غافر:۸۵)

پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے ۝

جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول ہوگی جب تک وہ غرغرہ موت میں نہ ہو (غرغرہ کا مطلب یہ ہے کہ روح اس کے جسم سے نکل کر حلقوم تک پہنچ جائے۔سعیدی غفرلہ)، نیز قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ (الانعام:۱۵۸)

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار کرو (اور) ہم بھی انتظار کر رہے ہیں O

علامہ ابن عطیہ نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الانعام:۱۵۸ میں جو بعض آیات کا ذکر ہے اس سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔

جان لو کہ سورج اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چلتا ہے اور اس کی قدرت سے غروب ہوتا ہے۔اور غروب کے وقت سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت دی جاتی ہے، پھر ایک مطلع کی طرف لوٹتا ہے، پس جب وہ رات ہوگی تو اس کو دوسرے مطلع کی طرف طلوع ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی، پھر اس کو اجازت دی جائے گی اور اس کے طلوع کا وقت گزر چکا ہوگا۔پھر چلتا رہے گا، پھر وہ جان لے گا کہ وہ باقی رات تک نہیں پہنچ سکے گا، پھر وہ مغرب کی طرف لوٹ آئے گا اور پھر وہاں سے طلوع ہوگا، پس جو شخص پہلے کافر تھا اس کو اس وقت کا ایمان نفع نہیں دے گا، اور جو مومن گناہ گار تھا اس کو اس کی توبہ فائدہ نہیں دے گی۔اور امام ترمذی نے حضرت صفوان بن عسان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مغرب میں ایک دروازہ توبہ کے لیے کھلا ہوا ہے اور وہ دروازہ ستر سال کی مسافت پر مشتمل ہے، وہ دروازہ بند نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۱۔۱۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقوع قیامت کی علامات

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ نکل آئیں گی تو کسی نفس کو اس کے ایمان سے فائدہ نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دجال (۳) دابۃ الارض۔ (صحیح مسلم:۱۵۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ چیزوں سے پہلے عمل کرلو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دھواں (۳) دجال (۴) دابۃ الارض (۵) تم میں سے کسی ایک کی موت (۶) یا سب کی موت یعنی قیامت۔ (صحیح مسلم:۲۹۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم:۲۷۰۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، پس جب سورج غروب

ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: سورج جاتا ہے اور اللہ عزوجل سے اجازت طلب کرتا ہے اور اس کو اجازت دی جاتی ہے، پس گویا کہ اس کو کہا جاتا ہے کہ جہاں سے وہ آیا تھا وہیں لوٹ جائے۔ تو پھر وہ مغرب سے طلوع ہو گا۔ (صحیح البخاری: ۷۴۲۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہو گی کیونکہ اس وقت ایک چیخ کی آواز آئے گی جس سے اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ پس جو اس وقت اسلام لایا یا جس نے اس وقت توبہ کی اور ہلاک ہو گیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ (تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۵۲۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۹۹۔ ۶۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشوؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۱۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ بندہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور دنیا میں لمبے قیام کو پسند نہ کرے لیکن دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کی تیاری کرے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرنا اس کے برخلاف ہے یعنی وہ دنیا میں لمبے قیام کو ناپسند کرے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے محبت کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے اور اس کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے ملاقات کو ناپسند کرنا اس کے برخلاف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ اخْتَصَرَهُ أَبُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی دوسری ازواج مطہرات نے کہا: بے شک ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن مومن پر جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی

دَاوُدَ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

رضا اور اس کی تکریم کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی جو اس سے آگے پیش آنے والی ہے، سو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اور بے شک کافر پر جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی جو اس کے سامنے پیش آنے والی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

ابوداؤد اور عمرو نے اس حدیث کو شعبہ سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سعید نے کہا از قتادہ از زرارہ از سعد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح مسلم: ۲۶۸۳، سنن ترمذی: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۱۸۳۶، مسند احمد: ۲۲۱۸۸، سنن دارمی: ۲۷۵۶)

صحیح البخاری: ۶۵۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان اس حدیث کا جز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حجاج کا ذکر ہے، یہ ابن المنہال البصری ہیں اور یہ امام بخاری کے بعض شیوخ میں سے ہیں۔ ۲۱۷ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن یحییٰ ہیں اور اس حدیث کی حضرت انس نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں، سو اس حدیث کی سند میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے"۔

حدیث مذکور میں جملہ شرطیہ ہے یا خبریہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس جملہ میں شرط، جزاء کا سبب نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور اس حدیث کی تاویل یہ ہے.

کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے اور اسی طرح کراہت کا معاملہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس جملہ میں ''مَن'' خبر یہ ہے اور شرطیہ نہیں ہے، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات کی محبت کا سبب ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے کہ جس بندہ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھی تو یہ وہی بندہ ہے جس سے ملاقات کی اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے اور اسی طرح کراہت کا معاملہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کتاب التوحید میں عنقریب حدیث مرفوع آئے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جب میرا بندہ میری ملاقات سے محبت کرتا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہوں''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں ''مَن'' شرطیہ ہے اور اس کی نفی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اللہ کی ملاقات سے محبت اور اس کو ناپسند کرنے کی توجیہ

اور علامہ النووی نے کہا ہے کہ جو کراہت معتبر ہے، یہ وہ ہے جو نزع روح کے وقت ہوتی ہے جس حالت میں بندہ کی توبہ قبول نہیں ہوتی، پس اس وقت ہر انسان کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے کہ وہ کس انجام سے دو چار ہونے والا ہے۔ سو اہل سعادت موت کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں تا کہ وہ ان نعمتوں کی طرف منتقل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے تا کہ ان کو عظیم اجر عطا فرمائے اور عزت و کرامت عطا فرمائے۔ اور اہل شقاوت اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کس عذاب کی طرف اور برے انجام کی طرف منتقل ہونے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور ان کے لیے خیر کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اقسام

علامہ الخطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کئی قسم پر ہے، ان میں سے ایک قسم اللہ تعالیٰ کی رویت اور معائنہ ہے یعنی آخرت کے احوال کو دیکھنا اور بعث اور نشور ہے، یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۞ (الانعام: ۳۱)

بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے O

اس تقصیر کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضائے جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا تا کہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر فانی اجر و ثواب کے حصول کا۔ اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر کفار ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوتا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے وہ ثواب کی

بجائے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

انسان کی سعادت کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی عیاشیوں اور دلفریبیوں سے لاتعلق رہے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے، اور جو شخص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہوگا تو وہ شخص کسی زادِ راہ کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شخص جو شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ کرتا رہے گا حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچے گی تو وہ کہے گا ہائے: افسوس! میری اس تقصیر پر جو قیامت کے متعلق مجھ سے ہوئی۔

اور ملاقات کی تیسری قسم موت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۠ (الجمعہ:۸)

آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے، پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (العنکبوت:۵)

اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ بہت سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے O

جیسا کہ حدیث میں ہے ''جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ کی اجل ضرور آنے والی ہے''۔

اور علامہ ابن الاثیر نے النہایہ میں کہا: یہاں اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مراد ہے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونا اور اللہ کے پاس جو اجر ہے اس کو طلب کرنا اور اس سے غرض موت نہیں ہے، کیونکہ ہر ایک موت کو ناپسند کرتا ہے۔ سو جس نے دنیا کو ترک کیا اور دنیا سے بغض رکھا، وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جس نے دنیا کو ترجیح دی اور دنیا کی طرف مائل ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات موت سے حاصل ہوگی۔

موت کو ناپسند کرنے کا وقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' کافر کے پاس جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور سزا کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں ہوتی جو اس کے آگے پیش آنے والی ہے''۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''جو اس کو آگے پیش آنے والی ہے'' یہ موت کو بھی شامل ہے۔ اور اگر تم کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خصوصیت سے نفی کی ہے اور بر طریقِ عموم اس کا اثبات کیا ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی صحت کی حالت میں اور اپنے حال پر مطلع ہونے سے پہلے کراہت کی نفی کی ہے اور نزع روح کی حالت میں اور اپنے حال پر مطلع ہونے کے بعد کراہت کا اثبات کیا ہے، لہٰذا اس میں کوئی منافاۃ نہیں

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۲۔ ۱۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٠٨۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٥٠٧ صحیح مسلم: ٢٦٨٣، سنن ترمذی: ١٠٦٦، سنن نسائی: ١٨٣٦، مسند احمد: ٢٢١٨٨، سنن دارمی: ٢٧٥٦)

صحیح البخاری: ٦٥٠٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان اس حدیث کا جز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ ابن عبداللہ بن ابی بُردہ ہیں اور ان کا نام الحارث ہے یا عامر ہے۔ بُرید اپنے دادا ابوبردہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوبُردہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الدعوات میں روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس حدیث کی صحت کو مستحکم کرنے کے لیے روایت کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٠٩۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی اور عروہ بن الزبیر نے اہل علم کے رجال میں خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے اور اس وقت آپ تندرست تھے کہ بے شک کسی نبی کی ہرگز روح قبض نہیں کی گئی حتیٰ کہ اس

إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهِ قَالَتْ فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ قَوْلُهُ اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى۔

(صحیح البخاری: ۷-۴۴۳، صحیح مسلم: ۲۴۴۴، مسند احمد: ۲۴۰۶۲)

نے جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیا، پھر اس کو اختیار دیا گیا، پھر جب آپ پر وفات کا نزول ہوا اور اس وقت آپ کا سر میرے زانو پر تھا، آپ پر کچھ دیر کے لیے بے ہوشی طاری ہوئی، پھر آپ ہوش میں آئے، پھر آپ کی نظر بلند ہو کر چھت کی طرف لگ گئی، پھر آپ نے کہا: اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ، میں نے (دل میں) کہا: اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے اور میں نے جان لیا کہ یہ اسی حدیث کا وقت ہے جو آپ ہمیں بیان فرماتے تھے، پس آخری بات جو نبی ﷺ نے فرمائی وہ آپ کا یہ ارشاد تھا: ''اللھم الرفیق الاعلیٰ''۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند فرمایا، جب آپ کو موت اور حیات کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے موت کو اختیار کر لیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب نبی ﷺ تندرست تھے، پھر آپ کو اختیار دیا گیا'' یعنی دنیا کی زندگی اور موت کے درمیان اختیار دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الرفیق الاعلیٰ'' یعنی میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں اور رفیق اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں یا رفیق اعلیٰ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں O

(النساء: ۶۹)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اب رسول اللہ ﷺ ہمیں اختیار نہیں کریں گے'' یعنی جب آپ نے آسمان والوں کی رفاقت کو اختیار کر لیا تو پھر آپ زمین والوں کی مرافقت کو اختیار نہیں فرمائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ایک سوال کا جواب

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت ہونی چاہیے اور یہ ملاقات موت کے بغیر ممکن نہیں جب کہ دیگر احادیث میں موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے محل الگ الگ ہیں، جب انسان صحت مند ہو تو اس وقت موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور جب موت کا وقت آجائے اور انسان عالمِ برزخ کا مشاہدہ کرنے لگے اور اس کو یہ دکھایا جائے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا کیا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہیے اور یہ خواہش ممنوع نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۵۱۲)

صحیح البخاری: ۶۵۰۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے آخری وقت کے متعلق دیگر احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نظر اوپر اٹھ جائے اور سینہ سے آواز نکلنے لگے اور رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے تو یہ وہ وقت ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔۔۔الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۲۶۸۴)

نیز تفسیر عبد بن حُمید میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو اس کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور اس کو توفیق دیتا ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے: فلاں آدمی خیر کے ساتھ جاں بحق ہوا۔ پس جب اس پر موت کا وقت آتا ہے اور وہ اپنے ثواب کو دیکھتا ہے تو اس کی روح جلدی سے دوڑتی ہے اور یہ اس حدیث کا مصداق ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے، وہ اس کو گمراہ کرتا ہے اور فتنہ میں مبتلا کرتا ہے حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں: وہ شخص برے حال میں مرا۔ اور جب اس پر موت کا وقت آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اس پر کیا عذاب نازل ہوگا تو اس کا سانس اکھڑتا ہے اور یہ اس کا مصداق ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔

اور ابن جُریج نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (المومنون: ۹۹-۱۰۰)

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے O تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب

ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گاO

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جب مومن فرشتوں کو دیکھتا ہے تو فرشتے مومن سے کہتے ہیں: ہم تمہیں دنیا کی طرف واپس بھیج دیں؟ تو مومن کہتا ہے: "تفکرات اور غموم کی دنیا کی طرف؟ مجھے تو اللہ کی طرف لے جاؤ"۔ اور کافر یہ کہتا ہے: مجھے واپس دنیا میں بھیجو شاید میں کوئی نیک کام کروں۔ (المومنون: ۹۹۔۱۰۰) (تفسیر الطبری ج۹ ص ۴۲)

امام عبداللہ بن المبارک اپنی سند کے ساتھ از محمد بن کعب روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کا سانس نکلنے لگتا ہے تو اس کے پاس ملک الموت آتا ہے، پس کہتا ہے: السلام علیک یا ولی اللہ! اللہ تم پر سلام پڑھتا ہے، پھر اس آیت کے موافق اس کی روح قبض کرتا ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل: ۳۲)

ان (متقین) کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں: تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھےO

(کتاب الزہد لابن المبارک ص ۱۴۹، شعب الایمان للبیہقی ج۱ ص ۳۶۱)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مومن کی روح نہیں قبض کی جاتی حتیٰ کہ اس کے اوپر سلام پیش کیا جائے۔

(المستدرک للحاکم ج۲ ص ۳۵۲۔۳۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد نیک ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح! نکل، تو پاکیزہ جسم میں تھی تو اس حال میں نکل کہ تیری تحسین کی گئی ہے اور تجھے خوشی اور مسرت کی بشارت ہو اور تیرا رب تجھ پر راضی ہے ناراض نہیں ہے اور اس سے اسی طرح کہا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۲)

"الرفیق الاعلیٰ" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں الرفیق الاعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں"۔ یہ جنت میں بلند درجہ کے حصول کی دعا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ہوں۔ اور یہ جنت میں سب سے افضل جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا: اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار نہیں کریں گے"۔ یعنی آپ اس حالت میں ہمیں اختیار کرنے والے نہیں ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ کا سر میرے زانو پر تھا"۔ یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پھیپھڑے اور سینہ کے درمیان فوت ہوئے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج۲۹ ص ۷۰۵۔۷۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابٌ: سَكَرَاتِ الْمَوْتِ — موت کی شدتوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب موت کی سکرات کے بیان میں ہے، سکرات ''سَکرۃ'' کی جمع ہے (جب سین پر زبر ہو) اور اس کا معنی ہے: موت کی شدت، موت کا غم اور موت کی بے ہوشی۔ اور ''سُکر'' (جب سین پر پیش ہو) تو اس کا معنی ہے: وہ حالت جو مرد اور اس کی عقل کے درمیان طاری ہو جاتی ہے۔ اور ''سُکر'' کا اکثر استعمال شراب میں ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے: نشہ۔ اور غضب اور عشق اور اونگھ اور جو بے ہوشی رنج کی وجہ سے ہو اس پر بھی سُکر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ''سَکَر'' (جب سین اور کاف دونوں پر زبر ہو) تو یہ کھجور کا نبیذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ أَبَا عَمْرٍو ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها كَانَتْ تَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ أَوْ عُلْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ يَشُكُّ عُمَرُ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى حَتَّى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْعُلْبَةُ مِنَ الْخَشَبِ وَالرَّكْوَةُ مِنَ الْأَدَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی از عمر بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی کہ بے شک ابوعمرو ذکوان جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بیان کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا یا لکڑی کا برتن تھا، اس میں پانی تھا، عمر کو شک ہے (کہ وہ چمڑے کا برتن تھا یا لکڑی کا برتن تھا)، آپ اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے، پھر ان کو بھگو کر اپنے چہرہ پر ملتے اور فرماتے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک موت کی شدتیں ہیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ نصب کیا اور آپ فرما رہے تھے ''فی الرفیق الاعلیٰ''۔ حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے گر گیا۔
امام ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) نے کہا: ''العلبة'' لکڑی کا برتن ہے اور ''الرکوۃ'' چمڑے کا برتن ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۹۰، ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۵۲۱۷، ۶۵۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۹۶)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سکرات الموت'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی سکرات ہیں۔اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن سعید، یہ ابن ابی حسین المکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ملیکہ، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ہیں، ان کا نام زہیر التیمی الاحول المکی ہے، یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ حکومت میں قاضی تھے۔اور عمر، ذکوان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''ر کوۃ'' یا ''علبة'' تھا جس میں پانی تھا، اس میں راوی کو شک ہے۔

''ر کوۃ'' چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا جس کی جمع رکاء ہے، اور ''علبة'' یہ لکڑی کا برتن ہے۔العسکری نے اپنی تلخیص میں لکھا ہے کہ ''العلبة'' اعراب کا پیالہ ہے جو چمڑے سے بنایا جاتا ہے اور اس کو اونٹ کے پہلو میں لٹکایا جاتا ہے، اس کی جمع علاب آتی ہے۔اور ابن التیانی کی الموعب میں مذکور ہے کہ اونٹ کی کھال سے جو چھوٹا پیالہ بنایا جاتا ہے اس کو ''العلبة'' کہتے ہیں۔اور ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ ''العلبة'' کا نچلا حصہ چمڑے کا ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ گول لکڑی ہوتی ہے جیسے چھلنی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الرفیق'' یعنی اے اللہ! مجھے ان میں داخل کر دے، یعنی میں موت کو اختیار کر رہا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۱۔ حَدَّثَنِي صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ جُفَاةً يَأْتُونَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَسْأَلُونَهُ مَتَى السَّاعَةُ فَكَانَ يَنْظُرُ إِلَى أَصْغَرِهِمْ فَيَقُولُ إِنْ يَعِشْ هَذَا لَا يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي مَوْتَهُمْ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سخت طبیعت کے دیہاتی لوگ آتے تھے، پس وہ آپ سے سوالات کرتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ لوگوں میں سے سب سے کم عمر کی طرف دیکھ کر فرماتے: اگر یہ زندہ رہا تو اس کو بڑھاپا نہیں پائے گا حتیٰ کہ تم پر تمہاری قیامت واقع ہو جائے۔

ہشام نے کہا: یعنی ان کی موت۔

صحیح البخاری: ۶۵۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں موت کی شدت کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے "حتیٰ کہ تم پر تمہاری قیامت واقع ہو جائے" اور قیامت سے مراد موت ہے، اور موت میں سکرات ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صدقہ، یہ ابن الفضل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدۃ، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اعراب اور "جفاۃ" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعراب میں سے مرد آتے تھے۔ اعراب ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنگلوں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں اور شہروں میں نہیں رہتے، اور بغیر ضرورت کے وہ شہر میں داخل بھی نہیں ہوتے۔ اور عرب لوگوں کے گروہ کے لیے معروف لفظ ہے اور اس کا اس لفظ سے واحد نہیں ہے خواہ وہ دیہات میں رہیں یا شہروں میں رہیں اور ان کی طرف جب نسبت کی جاتی ہے تو اعرابی اور عربی کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جفاۃ" یہ جافی کی جمع ہے جو جفا سے ماخوذ ہے، اور یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طبیعت میں سختی اور شدت ہو، کیونکہ اعراب لوگوں سے کم میل جول رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں "حفاۃ" ہے اور وہ حافی کی جمع ہے جو اپنے پیروں میں کوئی چیز پہنے بغیر چلتا ہے۔ اور یہ دونوں معنی دیہاتیوں میں غالب ہیں۔

اس حدیث کی تعلیق میں ہے کہ "ساعتکم" سے مراد ہے ان کی موت۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: ساعت سے مراد ہے ان لوگوں کی موت اور ان کے زمانہ کا ختم ہو جانا، کیونکہ جو شخص مر جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے، کیونکہ قیامتِ کبریٰ کا علم تو اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ سائل کا سوال تو قیامتِ کبریٰ کے متعلق تھا اور آپ نے جواب میں قیامت صغریٰ کا ذکر فرمایا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سائل نے تو قیامتِ کبریٰ کے متعلق سوال کیا تھا کہ وہ کب واقع ہوگی؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامتِ صغریٰ کے متعلق جواب دیا تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیامتِ کبریٰ کے وقت کے متعلق سوال کو چھوڑ و، کیونکہ اس کے وقت کو تو اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی جانتا نہیں، اور اس وقت کے متعلق سوال کرو جس وقت میں تمہارے زمانہ کے لوگ ختم ہو جائیں گے تو اس کا جاننا تمہارے لیے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کے جاننے سے تم میں موت سے پہلے نیک عمل کرنے کی ترغیب ہوگی، کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں

جانتا کہ اس سے پہلے کون فوت ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں قیامت کے قرب کو بیان کرنا ہے، اس سے قیامت کا حقیقۃً وقوع مراد نہیں ہے، یا یہ بیان کرنا ہے کہ بڑھاپے کی کوئی حد نہیں ہے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی زیادہ عمر نہیں ہوگی اور زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۲ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُرَّ عَلَيْهِ بِجِنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از محمد بن عمرو بن حلحلۃ از معبد بن کعب بن مالک از حضرت ابوقتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا: یہ راحت پانے والا ہے، اس سے راحت حاصل کی گئی ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! راحت پانے والا اور جس سے راحت حاصل کی گئی ہو، اس کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: بندہ مومن دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے اللہ عزوجل کی رحمت کی طرف راحت پاتا ہے اور جو بندہ بدکار ہو تو اس سے اللہ کے بندے راحت پاتے ہیں اور شہر اور درخت اور مویشی۔

(صحیح البخاری: ۶۵۱۳، صحیح مسلم: ۹۵۰، سنن نسائی: ۱۹۳۰، مسند احمد: ۲۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۵۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، لیکن اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بندہ مومن موت کی صورت میں دنیا کی مشقتوں سے راحت پاتا ہے اور دنیا کی مشقتوں میں سے موت کی شدت بھی ہے۔ سو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن ابی اویس کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ المدنی ہے، یہ امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عمرو بن حلحلۃ، جو معبد بن کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور معبد سے ان کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کی اور معبد بن کعب بن مالک، یہ انصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی

سند میں ابوقتادہ کا ذکر ہے، ان کا نام الحارث بن ربعی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''بندہ مومن دنیا کی مشقت اور تکلیفوں سے اللہ عزوجل کی رحمت کی طرف راحت پاتا ہے اور بندہ فاجر یعنی بدکار اس سے اللہ کے دیگر بندے اور شہر اور درخت اور مویشی راحت پاتے ہیں''۔

علامہ ابن التین نے اس کی شرح میں لکھا ہے: کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن سے مراد خصوصاً متقی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر مومن ہو۔ اور فاجر کا جو آپ نے ذکر فرمایا، ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد کافر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بدکار اور نافرمان ہو۔ رہا یہ کہ بندے اس سے راحت پائیں گے تو چونکہ وہ بندوں پر ظلم کرتا ہے تو جب وہ مرجائے گا تو لوگ اس کے ظلم سے نجات پالیں گے۔ رہا یہ کہ شہروں کو اس کے مرنے سے کیسے راحت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شہروں کے علاقوں کو غصب کر لیتا ہے اور شہروں کے حقوق سے منع کرتا ہے اور شہروں کے محاصل کو اور ان کی آمدنی کو ناجائز مصارف میں خرچ کرتا ہے۔ اور رہا یہ کہ درخت بدکار کے مرنے سے کیسے راحت پائیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بدکار درخت کے پھلوں کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرتا ہے لیکن اصل میں یہ راحت درخت والے کو حاصل ہوگی اور درخت کی طرف اس راحت کا اسناد مجاز ہے۔ اور رہا یہ کہ مویشی اور چوپائے بدکار کے مرنے سے کیسے راحت پائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بدکار اور فاجر چوپایوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا ہے اور انہیں کھانے اور پینے کے لیے کم چیزیں دیتا ہے، تو اس کے مرنے سے وہ جانور راحت پائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبدربہ بن سعید از محمد بن عمرو بن حلحلۃ، انہوں نے کہا: مجھے ابن کعب نے حدیث بیان کی از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''مستریح ومستراح منه'' مومن ہے جو راحت پاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۱۲، ۶۵۱۳، صحیح مسلم: ۹۵۰، سنن نسائی: ۱۹۳۰، مسند احمد: ۲۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۵۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس سے پہلی حدیث کا اختصار کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے

ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہتی ہے، اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے، گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۹۶۰، سنن ترمذی: ۲۳۷۹، سنن نسائی: ۱۹۳۷، مسند احمد: ۱۱۶۷۰)

صحیح البخاری: ۶۵۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "سکرات الموت" اور ہر مرنے والا موت کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس حدیث میں میت یعنی مرنے والے کا ذکر ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحُمیدی کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں اور حُمید، حمد کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے اور وہ سفیان بن عیینہ ہیں اور ان کے شیخ عبداللہ بن ابی بکر کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں میت کی جگہ المومن کا لفظ ہے اور پہلا لفظ محفوظ ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ میت کے گھر والے تو میت کے ساتھ جاتے ہیں لیکن اس کے مال کا اور اس کے عمل کا جانا تو بہ ظاہر صحیح نہیں ہے، کیونکہ آنا جانا تو ذی روح کی صفت ہے وہ گھر والوں کے لیے تو صحیح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گھر والوں کے لیے تو جانا حقیقت پر محمول ہے اور عمل اور مال کے لیے مجاز پر محمول ہے۔

اس پر پھر یہ اعتراض ہوگا کہ لفظ واحد سے حقیقت اور مجاز دونوں کا ارادہ کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا جائز ہے اور دوسروں کے نزدیک یہ عموم مجاز پر محمول ہے۔ یعنی ایک ایسا عام معنی لیا جائے کہ حقیقی معنی اور مجازی معنی دونوں اس کے فرد بن جائیں اور وہ یہاں پر ہے کہ میت کے ساتھ یہ تینوں چیزیں لازم رہتی ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہر میت کے ساتھ تو اس کے گھر والے اور مال نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عموم اور غالب احوال پر محمول ہے۔ اور مال سے مراد ہے اس میت کی باندیاں اور غلام اور اس کے مویشی وغیرہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میت کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے''۔ عمل کے اس کے ساتھ باقی رہنے کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ شخص نیک ہو تو اس کا عمل اس کے پاس ایک حسین چہرہ اور حسین کپڑوں میں ملبوس شخص بن کر آئے گا، پس کہے گا: تمہیں بشارت ہو جس سے تم خوش ہو گے، وہ شخص کہے گا: آپ کون ہیں، وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں اور حدیث میں ہے کہ کافر کے پاس ایک مرد بدشکل اور ڈراؤنی شکل میں آئے گا اور اس سے کہے گا: میں تیرا عملِ خبیث ہوں۔ اسی طرح حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ غُدْوَةً وَعَشِيًّا إِمَّا النَّارُ وَإِمَّا الْجَنَّةُ فَيُقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى تُبْعَثَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے یا دوزخ اور یا جنت۔ پس اس سے کہا جائے گا: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۷۹، ۳۲۴۰، ۶۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۸۶۶، سنن ترمذی: ۱۰۷۲، سنن نسائی: ۲۰۷۰، مسند احمد: ۵۸۹۰، موطا امام مالک: ۵۶۴)

صحیح البخاری: ۶۵۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک مرجائے اور موت سے پہلے انسان کو موت کی سختیوں سے گزرنا ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان ''سکرات الموت'' کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں اور ان کو عارم کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میت پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے"۔ اور بعض روایات میں ہے کہ "میت کو اس کے ٹھکانے پر پیش کیا جاتا ہے"۔ اور یہ قلب پر محمول ہے۔ (یعنی اس میں معاملہ کو الٹ کر دیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اونٹنی کو حوض پر پیش کیا حالانکہ حوض کو اونٹنی پر پیش کیا جاتا ہے۔)

میت پر جنت اور دوزخ کے ٹھکانے پیش کرنے کا فائدہ

اس حدیث میں مذکور ہے "میت پر اس کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے"۔ یعنی دن کے اول میں اور دن کے آخر میں۔ اور یہ اہلِ دنیا کے اعتبار سے ہے اور جو چیز مومن پر پیش کی جاتی ہے وہ اس کے دونوں ٹھکانے ہوتے ہیں جن کو وہ بہ یک وقت دیکھتا ہے اور مومن پر ان ٹھکانوں کے پیش کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو فرحت حاصل ہو اور کافر پر ان ٹھکانوں کو پیش کرنے کا فائدہ ہے کہ اس کو عذاب کی ایک قسم حاصل ہو۔

میت کی روح پر جنت اور دوزخ کے ٹھکانے پیش کیے جاتے ہیں یا اس کے بدن پر؟

روح پر یہ ٹھکانے حقیقتاً پیش کیے جاتے ہیں اور روح کے ساتھ بدن کے جو اجزاء متصل ہوتے ہیں ان پر پیش کیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ نعمت یا عذاب کا ادراک کرتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے دوسروں سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہاں ٹھکانے پیش کرنے سے مراد خبر دینا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اعمال کی یہ جزا ہے، کیونکہ کسی پر کوئی چیز پیش نہیں کی جاتی، کیونکہ جو چیز قیامت تک دائم رہے گی یہ وہ عرض ہے جو خصوصیت سے ارواح پر پیش کی جاتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عرض کو خبر پر محمول کرنا ظاہر سے عدول ہے اور بغیر کسی قرینہ کے الفاظ کو ظاہر سے عدول پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض ہے کہ بدن فانی ہیں اور جو چیز فانی ہو وہ معدوم کے حکم میں ہے اور معدوم پر پیش کرنا متصور نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا تسلیم نہیں ہے کہ بغیر قرینہ کے ظاہر سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں ظاہر پر حکم لگانا متعذر ہے اور ظاہر سے عدول پر قرینہ موجود ہے اور وہ ہے معدوم پر پیش کرنے کا محال ہونا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: ظاہر پر محمول کرنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ حدیث مومن اور کافر دونوں کے حق میں عام ہے، سو اگر پیش کرنے کو روح کے ساتھ خاص کیا جائے تو شہید کے حق میں اس کا زیادہ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ شہید کی روح تو یقینی طور پر ثواب سے بہرہ یاب ہوتی ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح کافر کی روح دوزخ میں یقینی طور پر عذاب میں مبتلا ہوتی ہے، پس جب روح کو اس چیز پر محمول کیا جائے جو بدن کے ساتھ متصل ہے تو اس کا فائدہ شہید کے حق میں بھی ظاہر ہوگا اور کافر کے حق میں بھی ظاہر ہوگا۔ انتہیٰ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کہنا تسلیم نہیں ہے کہ خبر کا عموم اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کا مؤید ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا بھی تسلیم نہیں ہے کہ اگر اس پیش کرنے کو روح کے ساتھ خاص کیا جائے تو شہید کے حق میں اس میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے، کیونکہ شہید کے حق میں اس کا فائدہ زیادہ فرحت اور سرور ہے اور کافر کے حق میں اس کا فائدہ اس کی زیادہ بے قراری اور حسرت ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قبر میں سوال کے فتنہ کو بیان کیا اور اس حدیث میں ہے: پھر اس کے لیے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا ہے، تو اس کی خوشی اور سرور میں بہت اضافہ ہوتا ہے، پھر اس کے لیے دوزخ کے ابواب میں سے ایک باب کھولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا تھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے، تو اس کی خوشی اور سرور میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔۔۔الحدیث۔

اور اس حدیث میں کافر کے متعلق مذکور ہے: ''پھر اس کے لیے دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا تو اس کی حسرت اور نامرادی میں اضافہ ہوگا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تو''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے جو امام ابن ابی الدنیا اور طبرانی کے حوالہ سے حدیث لکھی ہے اس کا ہم نے خود فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۲۳، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کی مفصل عبارت

اور فتح الباری کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

کتاب الجنائز میں امام مالک کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: اگر وہ میت اہل جنت میں سے ہو تو اس کو اہلِ جنت سے ٹھکانا پیش کیا جائے گا اور اس کی توجیہ میں کتاب الجنائز میں لکھ چکا ہوں اور علامہ قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے کہ یہ پیش کرنا مومن متقی کے لیے اور کافر کے لیے تو ظاہر ہے لیکن جو مومن گناہ گار ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے سامنے اس کا ٹھکانا جنت سے پیش کیا جائے کہ وہ عنقریب اس جنت کی طرف راجع ہوگا اور اس اشکال سے نجات اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے قبر کے سوال کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ ''پھر اس کے لیے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ وہ ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا ہے تو پھر اس کی خوشی اور سرور میں اضافہ ہوگا، پھر اس کے لیے دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا تھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تو، تب بھی اس کی خوشی اور سرور میں اضافہ ہوگا۔۔۔الحدیث۔ اور کافر کے حق میں ہے کہ ''اس کے لیے دوزخ کے

دروازوں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا تو اس کی حسرت اور چیخ وپکار میں اضافہ ہوگا دونوں جگہوں میں، اور اس میں ہے کہ اگر تم اطاعت کرتے تو۔۔۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر نفس کو قبر میں جنت میں اس کا گھر دکھایا جائے گا اور دوزخ میں اس کے گھر کو دکھایا جائے گا، پس اہل دوزخ اس گھر کو دیکھیں گے جو دوزخ میں ہے، ان سے کہا جائے گا: اگر تم عمل کرتے تو تمہیں یہ جنت کا گھر ملتا۔ اور اہل جنت اس گھر کو دیکھیں گے جو دوزخ میں ہے، ان سے کہا جائے گا: اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان نہ ہوتا تو تم اس گھر میں ہوتے۔

اور امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکھانا نجات کے لیے ہے یا آخرت میں عذاب کے لیے ہے، لہٰذا جو گناہ گار ہے اس کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ جس کے لیے دخول جنت سے پہلے عذاب کو مقدر کیا گیا ہو تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ جنت میں تمہارا گھر ہے، اگر تم گناہ نہ کرتے تو ابتداءً جنت میں چلے جاتے۔ اور اس سے کہا جائے گا: یہ تمہارا گھر ہے تمہاری نافرمانی کی وجہ سے، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں ہر مصیبت سے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اور وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اس پر اس کے ٹھکانے کو صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے یا دوزخ کو یا جنت کو"۔ اس کے بعد مذکور ہے: "پس کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ٹھکانے کو دوبارہ پیش کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کا فائدہ ہے ان کو یاد دلانا کہ تم دوبارہ زندہ کر کے اس ٹھکانے میں داخل کیے جاؤ گے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ کرمانی

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس قول کا کیا فائدہ ہے "حتیٰ کہ تم زندہ کر کے اس ٹھکانے میں داخل کیے جاؤ"۔

پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قبر میں جو اس کو ٹھکانے پر پیش کیا گیا تھا وہ اس کو بھول گیا تھا تو دوبارہ یاد دلانے کے لیے اسے پھر پیش کیا جائے گا۔

نیز علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں عذاب قبر کا اثبات ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عذاب جسم کو ہوتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ جسم میں روح کو لوٹایا جائے کیونکہ درد کا ادراک تو صرف زندہ کو ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی کے بیان کردہ فوائد پر علامہ عینی کی بحث ونظر

علامہ عینی علامہ کرمانی کی عبارت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قبر کے عذاب میں کوئی نزاع نہیں ہے اور رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عذاب جسم کو ہوتا ہے، سو یہ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ جسم فنا ہو جاتا ہے اور جو چیز فنا ہو جائے اس کو عذاب دینا غیر متصور ہے۔ اور رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ جسم میں روح کا لوٹانا ضروری ہے، سو اس میں اختلاف ہے۔ کیا حقیقتاً روح بدن میں لوٹتی ہے یا اس حیثیت سے بدن کے قریب ہو جاتی ہے کہ بدن کو اس

کے واسطہ سے یا بغیر واسطہ کے عذاب ہو، اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اور بعض علماء نے روح کو عذاب دینے کی مثال اس طرح دی ہے کہ جو شخص سویا ہوا ہو تو نیند میں اس کی روح کو ثواب ہوتا ہے یا عذاب ہوتا ہے اور جسم کو بالکل محسوس نہیں ہوتا۔

اور جان لو کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے اور اس پر صبح اور شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اور کفار کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں، وہ ہر دن میں دو مرتبہ جہنم میں ہوتی ہیں اور یہی ان پر عذاب کا پیش کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ارواح ساتویں زمین کے نیچے سیاہ چٹان میں ہوتی ہیں اور وہ سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں جہنم کے کنارے پر ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۰۔۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومنین پر ثواب اور کفار پر عذاب کو پیش کرنا

اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا ہے:

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۚ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (المومن: ۴۶)	صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو ○

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ پر پیش کرنے کی خبر دی ہے جیسا کہ نیک مسلمانوں کو جنت پر پیش کیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مومن کامل الایمان کے ساتھ مخصوص ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات کا ارادہ فرماتا ہے۔ لیکن جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وعید کو نافذ فرماتا ہے جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نیک عمل بھی کیے ہیں اور برے عمل بھی کیے ہیں، پس ان کے لیے دونوں ٹھکانے ہیں جن دونوں ٹھکانوں کو وہ دیکھتے ہیں، جیسا کہ اس کے عمل کو دو شخص دو وقتوں میں دیکھتے ہیں یا ایک وقت میں دیکھتے ہیں کہ ایک عمل برا ہوتا ہے اور ایک عمل نیک ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ جنت سے مراد وہ لوگ ہوں جو جنت میں داخل ہوں گے خواہ کسی طرح سے بھی داخل ہوں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ٹھکانے صرف روح پر پیش کیے جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدن کے ایک جز کے ساتھ پیش کیے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام جسم کے ساتھ پیش کیے جائیں اور پھر اس میں روح داخل کی جائے جیسا کہ جب فرشتے آ کر میت سے سوال کرتے ہیں حتیٰ کہ فرشتے اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے: دیکھو یہ دوزخ میں تمہارا ٹھکانا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا، اور جس طرح بھی ہو عذاب محسوس ہوتا ہے اور درد موجود ہوتا ہے اور معاملہ بہت شدید ہے۔

اور بعض علماء نے روح کو عذاب دینے کی مثال سونے والے شخص کے ساتھ دی ہے، کیونکہ خواب میں اس کی روح کو ثواب ہوتا ہے یا عذاب ہوتا ہے اور جسم اس کو بالکل محسوس نہیں کرتا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آل فرعون کی ارواح سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں، ان کو دوزخ پر ہر دن میں دو مرتبہ پیش کیا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اس قول کا مصداق ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔ (المومن: ۴۶) صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے ایک سیاہ چٹان میں ہیں جو جہنم کے کنارے پر ہے اور اس میں وہ سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۱۱۔ ۶۱۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا۔

(سنن نسائی: ۱۹۳۶، مسند احمد: ۲۴۹۴۲، سنن دارمی: ۲۵۱۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الاعمش از مجاہد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُردوں کو برا نہ کہو، کیونکہ انہوں نے جو پہلے اعمال بھیجے ہیں وہ اس کی جزاء پا چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی مُردوں کا ذکر ہے اور جو شخص مرتا ہے وہ مرنے سے پہلے ''سکرات الموت'' کی کیفیت سے گزرتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن الجعد کا ذکر ہے، یہ ابن عبید ابو الحسن الجوہری البغدادی ہیں۔ ان سے امام بخاری نے سولہ حدیثیں لکھی ہیں اور یہ رجب کے آخر میں ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فانهم قد افضوا الی ماقدموا'' یعنی وہ اپنے اعمال کی جزاء خیر یا شر کو پہنچ چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا یا لکڑی کا پیالہ تھا جس میں پانی تھا، آپ اپنے دونوں ہاتھ اس پانی میں داخل کرتے، پھر اس سے اپنے چہرہ پر لگاتے اور فرماتے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، بے شک موت کی سختیاں ہیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور آپ فرما رہے تھے: ''فی الرفیق الاعلیٰ'' حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر دی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے گر گیا۔

قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے جو امام ابوداؤد کے علاوہ باقی سنن میں سندِ حسن کے ساتھ مذکور ہے، اس میں

یہ ذکر ہے کہ آپ فرماتے: اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔ اور اس حدیث کی شرح مکمل گزر چکی ہے۔ اور وہاں یہ بھی گزر چکا ہے کہ قاسم بن محمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھے۔ پس میں اس کے بعد کسی پر بھی موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی، اور ترمذی میں یہ روایت ہے کہ اگر کسی پر آسان موت آئے تو میں اس پر رشک نہیں کرتی جب کہ میں دیکھ چکی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت تھی۔

اور مسروق نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کسی کے اوپر اس سے زیادہ سخت درد نہیں دیکھا جتنا سخت درد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دیکھا تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لیے دو اجر ہیں اور مسند ابویعلیٰ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم گروہ انبیاء پر دگنی مصیبت آتی ہے تا کہ ہمیں دگنا اجر ملے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی شدت کی توجیہات

اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات میں سختی کی گئی اور یہ اسی طرح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ فرمائی، اس وقت بھی آپ پر شدت ہوئی اور آپ کو سخت ایذاء پہنچائی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کے حال میں بھی شدت کی گئی کیونکہ آپ نے فرمایا: مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا بخار تم دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دگنا بخار چڑھتا تھا۔ اسی طرح آپ پر موت میں بھی شدت کی گئی حتیٰ کہ آپ کے بعد کسی پر اگر سہولت کے ساتھ موت آتی تو اس پر رشک نہیں کیا جاتا تھا، اور آپ پر موت کے وقت شدت اس لیے کی گئی تا کہ آپ کو صابرین کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو، کیونکہ صبر ایک بلند منزل ہے جو سہولت سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے لیے امتحان ضروری ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مولیٰ نے امتحان لیا ''فنعم المولى ونعم النصير''۔ اور آپ نے ان تمام امور میں صبر کیا حتیٰ کہ آپ جب دنیا سے گئے اس وقت بھی آپ موت کی شدت میں مبتلا تھے لیکن آپ نے صبر کیا اور اپنی حیات کو توحید پر ختم کیا، آپ فرماتے تھے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، بے شک موت کی سختیاں ہیں''۔ پس جس شخص کو موت کی سختیاں لاحق ہوں تو اس امر پر تعجب نہ کیا جائے جس کا ہونا ضروری ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ سے اپنی امت کو تسلی دی ہے کہ ''موت کی سختیاں ہیں''۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ اور اس وقت بھی آپ امت کی خیر خواہی میں مشغول رہے، آپ فرماتے تھے: ''الصلوٰة الصلوٰة وما ملكت ايمانكم'' یعنی وفات کے وقت آپ نے اپنی امت کو نماز کی تاکید کی اور زکوٰۃ کی تاکید کی اور آپ اخیر وقت تک بندوں کو احکامِ شرعیہ پر عمل کے لیے برانگیختہ کرتے رہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۰۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی شدت کی دیگر توجیہات از مصنف

(۱) میں کہتا ہوں کہ روح کے اور بدن کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، روح کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کمال

حاصل کرے اور اس کی زیادہ سے زیادہ عبادت اور اطاعت کرے اور بدن کا تقاضا ہے کھانے پینے کی لذات اور شرمگاہ کی شہوتیں۔ تو جس انسان میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے اور بدنی لذات اور شہوات سے کنارہ کش رہتا ہے تو اس کی روح بدن کے ساتھ متصل اور جڑی ہوئی ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے بہرہ اور دنیاوی لذات اور شہوات میں مبتلا ہوتا ہے اس کی روح کا بدن کے ساتھ اس قدر اتصال نہیں ہوتا، اس لیے موت کے وقت اس کی روح اس کے بدن سے آسانی سے نکل جاتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی اس کے ساتھ اتنی متصل نہیں ہوتی۔ اور جس نے اپنے بدن کے تقاضوں کو روح کے تقاضوں میں ڈھال لیا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کامل اور اطاعت اور عبادت میں فائق ہوتا ہے اس کی روح بدن کے ساتھ شدید متصل ہوتی ہے اس لیے جب اس روح کو بدن سے الگ کیا جائے تو تکلیف ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی اور آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے والے تھے اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو آپ کے بدن سے سختی سے الگ کیا گیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان مرتے وقت اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہوتا ہے اور عزیز و اقارب کی محبت اس کے دل میں پیوستہ ہوتی ہے تو جس کے جتنے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اس کو ان سے فراق کے وقت اتنا زیادہ قلق اور رنج ہوتا ہے، اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اپنے فلاں فلاں رشتہ داروں سے اور عزیزوں سے جدا ہو رہا ہوں اور ان کی محبت اس کو دنیا کی طرف کھینچتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام امت سے محبت تھی اور آپ اپنی تمام امت پر شفیق تھے تو وفات کے وقت آپ کو یہ خیال تھا کہ آپ اپنی تمام امت سے جدا ہو رہے ہیں تو تمام امت کی جدائی کی وجہ سے آپ کو سب سے زیادہ قلق تھا اور اسی قلق کو موت کی سختی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو خود ہی جانتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک عام لوگوں کی بہ نسبت بہت لطیف تھا اس وجہ سے آپ کو معمولی سی تکلیف بھی سخت معلوم ہوتی تھی۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں پر جو انبیاء علیہم السلام کے مماثل ہیں۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، المستدرک: ۵۵۱۴، جمع الجوامع: ۳۱۴۰۰، کنز العمال: ۶۷۸۰)

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی زیادہ سختی نازل کی گئی تاکہ زیادہ سختی کی وجہ سے آپ کو زیادہ اجر حاصل ہو۔

(۵) عام آدمیوں کو کسی چیز سے جتنی تکلیف ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دگنی تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کو بخار ہو رہا تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو تو بہت شدید بخار ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر آپ کو اس کا دگنا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اسی طرح ہوگا۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچے خواہ کانٹا چبھنے کی تکلیف ہو یا اس سے زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے

جیسے درخت کے پتے گرادیے جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۸، صحیح مسلم: ۲۵۷۱)

اور جب گناہ نہ ہوں تو ان کے درجات بلند کر دیے جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، ان پر جب بیماری کا غلبہ ہوتا ہے تو اس شدید تکلیف کی وجہ سے ان کے درجات مزید بلند کر دیے جاتے ہیں۔

(۶) مصیبت بہ قدر نعمت نازل ہوتی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں اس پر مصیبت بھی بہت سخت نازل ہوتی ہے۔ مذکور الصدر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قوی انسان پر سخت بلائیں نازل کی جاتی ہیں اور ضعیف انسان کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے، کیونکہ مصیبت زدہ کی جب معرفت قوی ہوتی ہے تو اس پر مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے، ان میں سے بعض لوگ مصیبت کے اجر پر نظر رکھتے ہیں تو ان کو وہ مصیبت معمولی معلوم ہوتی ہے، اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص یہ خیال کرتا ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں تصرف کر رہا ہے اور وہ اس کا حق ہے، تو وہ اس بلاء اور مصیبت کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر اعتراض نہیں کرتا، اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے مولیٰ کی محبت میں مستغرق اور منہمک ہوتا ہے اس کو اس وقت اس مصیبت کا احساس نہیں ہوتا جیسے حسن یوسف کے جلوؤں میں کھو کر مصر کی عورتوں کو اپنی انگلیاں کاٹنے کا درد اور احساس نہیں ہوا، اور اس سے بھی بڑا درجہ یہ ہے کہ جس طرح عام لوگ نعمت سے لذت حاصل کرتے ہیں خواص بلکہ اخص الخواص اسی طرح مصائب سے لذت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر مصائب کی طرف نہیں ہوتی مصائب نازل کرنے والی کی طرف ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۶، صحیح مسلم: ۲۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۲)

(۷) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھ کر کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے آپ کے اوپر اپنا ہاتھ نہیں رکھ سکتا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء کے گروہ پر اسی طرح مصائب کو دگنا کیا جاتا ہے جس طرح ہمارے اجر کو دگنا کیا جاتا ہے، بے شک انبیاء سابقین کو جوؤں کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ جوؤں کو مار دیتے، اور ان کو فقر کے ساتھ مبتلا کر دیا جاتا حتیٰ کہ وہ اپنا ستر ڈھانپنے کے لیے اپنے گرد چادر لپیٹ دیتے، اور بے شک وہ مصائب میں اسی طرح فرحت محسوس کرتے تھے جس طرح تم خوش حالی میں فرحت محسوس کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۱۹۱۵، عالم الکتب، مصنف عبد الرزاق: ۲۰۶۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۴)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح کے وقت جو زیادہ سختی اور شدت کی گئی اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اگر امت کے کسی فرد پر نزع روح کے وقت سختی اور شدت ہو تو وہ گھبرائے نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر اپنے آپ کو یہ تسلی دے کہ اس کی کیا حیثیت ہے، وہ کیا چیز ہے تمام انبیاء کے قائد اور رسولوں کے سردار پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی، اسی طرح اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر سکرات کی سختی دیکھ کر اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی۔

(۹) روح معصیت کی آلودگی سے منزہ ہوتی ہے اور جب جسم معصیت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح اور جسم میں اتصال اور ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا نہیں ہوتا، سو جو لوگ بدکار اور گناہ گار ہوتے ہیں تو نزع روح کے وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ایک جھٹکے سے روح

جسم سے اکھڑ کر الگ ہو جاتی ہے اور اگر جسم عبادت اور اطاعت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح سختی کے ساتھ جسم کے ساتھ چمٹ جاتی ہے، پس حضرت عزرائیل علیہ السلام جب نیک لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو روح جسم سے الگ ہونے میں سخت مزاحمت کرتی ہے، اس لیے نیک لوگوں کو نزع روح کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

(۱۰) آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے آپ کو شدت سکرات میں مبتلا کیا گیا۔

(۱۱) سکرات کی سختی شدت کرب کی وجہ سے ہوتی ہے اور شدت فرح کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر جب نزع روح کی کیفیت طاری تھی تو ان کے گھر والوں نے کہا: ہائے ان کی تکلیف! حضرت بلال نے آنکھیں کھول کر کہا: ہائے اس کی خوشی! کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گا اور آپ کے اصحاب سے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملاقات سے خوشی کی یہ کیفیت ہے تو اللہ عزوجل سے ملاقات کی خوشی کی کیفیت کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ نعمتیں بندوں کو ملیں گی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔ کوئی نفس ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہیں۔ (السجدہ:۱۷)

تو ان بندوں کی خوشی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کو یہ غیر مترقب نعمتیں ملیں گی۔

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح اور سکرات کی شدت کو اس لیے طاری کیا گیا تا کہ اس حال میں بھی آپ کی زندگی میں آپ کی امت کے لیے نمونہ ہو۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب:۲۱)

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت سکرات کو امت کی تعلیم کے لیے طاری کیا گیا تا کہ آپ نے اس حال میں جو دعائیں پڑھی تھیں آپ کی امت بھی ان دعاؤں کو پڑھے۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے وقت دیکھا، آپ کے پاس ایک لکڑی یا چمڑے کے پیالہ میں پانی تھا، آپ اس پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے ہاتھ سے چہرہ پر پانی لگاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! سکرات الموت پر میری مدد فرما۔

(سنن ترمذی: ۹۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۵۸، مسند احمد ج ۶ ص ۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۳، مسند ابویعلیٰ: ۴۵۱۰، المعجم الاوسط: ۳۲۶۸، المستدرک: ۴۴۴۲ طبع جدید)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! تو روح کو پٹھوں، ہڈیوں اور انگلیوں کی پوروں کے درمیان سے قبض کرتا ہے، سو تو موت پر میری مدد فرما اور اس کو مجھ پر آسان فرما دے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ)

(۱۴) عام لوگوں کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہوتا ہے تو روح کو صرف ان چار عناصر سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوتی ہے، صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تمام حقائق کائنات سے مرکب تھا، اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو تمام حقائق کائنات سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوئی اور عناصر اربعہ کی بہ نسبت تمام حقائق کائنات سے منفصل ہونے کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔

(۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو رہی تھی، حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا: ''واکرب اباہ'' (آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن کے بعد تمہارے والد پر کرب اور بے چینی نہیں ہوگی، جب آپ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا: ہائے! میرے والد نے رب کی دعوت پر لبیک کہا! ہائے میرے والد نے جنت الفردوس کو اپنا ٹھکانا بنالیا، ہائے ہم جبریل علیہ السلام کو اپنے والد کی خبر سناتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے انس! اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال کر خوش ہو گئے ہو! (صحیح البخاری: ۴۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۰، سنن نسائی: ۱۸۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۷، سنن دارمی: ۸۸)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی تکلیف کی شدت دیکھ کر سیدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام نے رنج اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے والد کو بے چینی نہیں ہوگی'' اس میں آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی شخص کو نزع روح کی تکلیف میں دیکھ کر اس کے اقرباء گھبرائیں تو وہ شخص ان کو تسلی دے۔

(۱۶) نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اس پانی کو اپنے ہاتھ سے چہرہ پر لگایا، اس میں آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص نزع روح کی کیفیت میں مبتلا ہو اس کو اپنے چہرہ پر پانی مل کر اپنے جسم کو تسکین پہنچانی چاہیے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع روح کی اس شدید تکلیف کے باوجود کوئی بے صبری کا اظہار نہیں کیا، کوئی آہ و بکا نہیں کی، کوئی ہائے وائے نہیں کہا، اور صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، سو اسی طرح امت کو بھی صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنی چاہیے۔

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا، اس وقت آپ فرما رہے تھے: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' نماز اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا، یا نماز اور اپنے خدام کو لازم رکھنا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت وصیت کی جب آپ کی زبان بڑی مشکل سے چل رہی تھی، آپ نے فرمایا: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' (یہ حدیث صحیح ہے)۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، صحیح ابن حبان: ۶۶۰۵، مسند عبد بن حمید: ۱۲۱۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، مسند احمد ج ۳ ص

اس سے معلوم ہوا کہ نزع روح کی شدت کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال دامن گیر تھا کہ آپ کی امت نماز کی اور کوتاہی نہ کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی نہ کرے۔ نزع روح کی شدت میں بھی آپ کو اپنی امت کی فکر لاحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر یاد رکھنا چاہیے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہمیں کتنی فکر کرنی چاہیے۔

(۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آخری کلمہ کے ساتھ کلام کیا وہ تھا ''اللھم الرفیق ا

اللہ! سب سے اعلیٰ رفیق)۔ (صحیح البخاری: ۴۴۶۳، سنن ترمذی: ۳۴۹۹، السنن الکبریٰ: ۷۱۰۵)

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کے دل و دماغ میں سوائے اپنی تکلیف اور اس سے نجات کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات کی شدت طاری کر کے یہ دکھایا کہ نزع روح کی شدید تکلیف میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی امت کو بھولے تھے اور نہ اپنے رب عزوجل کو، اور آپ کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ اپنے رب عزوجل کا نام تھا ''الرفیق الاعلیٰ''۔

(۲۰) جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکرات کی شدت میں بھی اپنے رب عزوجل کو یاد رکھا اور کہا: ''اللھم الرفیق الاعلیٰ'' اس میں آپ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہمیں بھی آخری وقت میں اپنے رب عزوجل کو یاد کرنا چاہیے اور اس کا نام لینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اللہ عزوجل کو ''الرفیق الاعلیٰ'' کے نام سے یاد کیا، اور ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق اپنے رب عزوجل کو اس کے بلند و بالا نام کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور یہ پڑھنا چاہیے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ — جس شخص کا آخری کلام ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۱۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی تلقین کرو۔
(صحیح مسلم: ۹۱۶، سنن ترمذی: ۹۷۶، سنن نسائی: ۱۸۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۴۵)

الہ العالمین! یہ گناہ گار، ناکارہ اور عاجز بندہ آپ سے دعا کرتا ہے کہ اس پر سکرات الموت کو آسان فرمانا اور مرنے سے پہلے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' زبان پر جاری فرما دینا۔ آمین یارب العالمین۔ اور اسی طرح میں اپنے تمام احباب، تلامذہ اور قارئین کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ الہ العالمین ان پر بھی سکرات الموت کو آسان فرمانا اور مرنے سے پہلے ان کی زبان پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' جاری فرما دینا۔ آمین

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۲۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا، ...ا نے مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت میں سے جو شخص فوت ہو گیا اس حال میں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو وہ ...مس داخل ہو گیا، میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ تو فرشتے نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور ...نے چوری کی ہو۔ (صحیح البخاری: ۱۲۳۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

...بث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان لایا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ دائمی طور پر دوزخ میں ...اہ اس نے کتنے زیادہ گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے کیونکہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:۱۱۰)

اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا O

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

(آل عمران:۱۳۵۔۱۳۶)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا O ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزاء ہے O

اور اگر وہ بغیر توبہ کیے مرگیا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر کے اس کو جنت میں داخل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(الرعد:٦)

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب ضرور سخت عذاب دینے والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(الزمر:۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور تیسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمادیں، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

(سنن ترمذی:۲۴۳۵، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

اور اس کی چوتھی صورت یہ ہے کہ جو مرتکب کبیرہ ہو، جب وہ اپنے گناہوں کی سزا پالے گا تو اللہ تعالیٰ اس سزا کے بعد اس کو جنت میں داخل فرمادے گا، کیونکہ جو بندہ بھی ایمان لایا اس کو اس کے ایمان کی جزا یعنی جنت ضرور ملے گی۔ اگر وہ اپنے گناہوں

کے سبب سے پہلے جہنم میں داخل ہوا تو بعد میں اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا O اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

لہٰذا جو ایمان لایا اس کو اس کی جزا ضرور ملے گی اور اس نے کبیرہ گناہ کیے اور ان کی معافی نہیں ہوئی تو اس کی سزا بھی ملے گی اور اس پر اجماع ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا، اس لیے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل محض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہا اور اس کو گناہوں کی سزا ملی اور وہ دوزخ میں گیا تو بہر حال اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہوگا اور اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور اس کے دل میں ایک گندم کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ اور اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور اس کے دل میں ایک جوار کے برابر بھی ایمان ہو۔

(صحیح البخاری: ۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۲۳۶۱)

۴۳۔ بَابُ: نَفْخِ الصُّوْرِ
صور میں پھونکنے کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: الصُّوْرُ: كَهَيْئَةِ الْبُوْقِ، زَجْرَةٌ: صَيْحَةٌ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: النَّاقُوْرِ: الصُّوْرِ، الرَّاجِفَةُ: النَّفْخَةُ الْأُوْلَى

وَ الرَّادِفَةُ: النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ

مجاہد نے کہا: صور سینگ کی شکل پر ہے۔ زَجْرَةٌ: اس کا معنی ہے چیخ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: النَّاقُوْر کا معنی ہے صور اور ''الرَّاجِفَةُ'' کا معنی ہے: پہلی مرتبہ صور میں پھونک مارنا۔

اور ''الرَّادِفَةُ'' کا معنی ہے: دوسری مرتبہ صور میں پھونک مارنا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں صور پھونکنے کا بیان ہے، صُور کے لفظ میں صاد پر پیش ہے اور واؤ ساکن ہے۔ حسن بصری نے اس کو واؤ پر زبر بھی پڑھی ہے یعنی صُوَر۔ اور اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد ہے جسموں میں پھونک مارنا تا کہ ان کی طرف روحوں کو لوٹایا جائے۔ اور امام ابو عبیدہ نے المجاز میں لکھا ہے کہ صُور، صورۃ کی جمع ہے جیسے سُوَر المدينة سورة اس سے مراد ہے شہر پناہ۔

الازہری نے کہا ہے: یہ معانی اہل سنت و جماعت کے موقف کے خلاف ہیں اور اس کی تفسیر اب آ رہی ہے۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح از علامہ عینی

مجاہد نے کہا کہ صُور سینگ کی شکل پر ہے۔

اس تعلیق کی الفریابی نے وصل کے ساتھ روایت کی ہے از ابن ابی نجیح از مجاہد۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ (الکہف:۹۹) اور اس دن ہم ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونک دیا جائے گا، پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے O

یعنی صور اس سینگ کی شکل کا ہوگا جس کو بجایا جاتا ہے اور یہ معروف ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لغتِ یمن میں صور سینگ کا نام ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کو بجائے جانے والے سینگ کے ساتھ کس طرح تشبیہ دی گئی ہے جو کہ مذموم ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ وحی کی آواز کو "صلصلة الجرس" یعنی گھنٹی کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی، حالانکہ گھنٹی کو ساتھ رکھنا ممنوع ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کو کس چیز سے بنایا گیا ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں وہب بن منبہ سے یہ روایت کی ہے کہ صور کو سفید موتیوں سے صاف شیشہ میں بنایا گیا، پھر عرش سے فرمایا: صور کو پکڑ لو اور اس کو لٹکا لو، پھر فرمایا: ہو، سو وہ ہو گیا۔ پس حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ صور کو پکڑ لیں، سو انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور اس صور میں جتنی تعداد میں روحیں پیدا ہو چکی ہیں اتنے سوراخ ہیں، پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس حدیث میں مذکور ہے "پھر تمام روحوں کو صور میں جمع کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ اس میں پھونک ماریں تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام نسائی اور امام ابن حبان نے بھی اس کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس پوچھا: صور کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ "زجرة" کا معنی ہے چیخ۔ اس لفظ سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے:

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (الصّٰفّٰت:۱۹) وہ صرف ایک زوردار جھڑک ہوگی، پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گی O

اس آیت میں "زجرة" کا لفظ ہے، اس کا معنی جھڑکنا ہے جیسے بکریوں اور اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے زور سے ڈانٹتے ہیں، پھر یہ لفظ چیخ کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ایک زوردار چیخ کی آواز آئے گی، جس سے مُردے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اس صور کی آواز کو "زجرة" سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ آواز جھڑکنے کی طرح ہوگی جو مُردوں کو قبروں سے اٹھا دے گی اور ان کو ہنکا کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس چیخ یا جھڑک کا کیا فائدہ ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیخ محض ڈرانے کے لیے ہوگی اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اس جھڑک کی مُردوں کو زندہ کرنے میں کوئی تاثیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور کی آواز سے سب زندہ

لوگ مر جائیں گے اور دوسرے صور کی آواز سے سب مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ نہ پہلے صور کی موت میں کوئی تاثیر ہے اور نہ دوسرے صور کی حیات میں کوئی تاثیر ہے، بلکہ موت اور حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (الملک:۲) وہ ذات جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

''زجرۃ'' کی تفسیر جو چیخ کی گئی ہے، یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور الفریابی نے اس کی بھی ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے۔

تیسری تعلیق میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الناقور'' کا معنی ہے ''الصور''۔ ناقور کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ (المدثر:۸۔۹) پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کو امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے از علی بن ابی طلحہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے اور ''نقر'' کا معنی ہے: پھونک ماری۔

چوتھی تعلیق میں مذکور ہے: ''الراجفۃ'' سے مراد ہے پہلی پھونک، اور ''الرادفۃ'' سے مراد ہے دوسری پھونک۔ ان دونوں پھونکوں کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَۃُ ؕ (النازعات:۶۔۷) (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی لرزانے والی O پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O

الفرّاء نے معانی القرآن میں مجاہد سے ذکر کیا ہے کہ ''راجفۃ'' کا معنی ہے زلزلہ۔ یعنی جو چیز زمین کو لرزائے گی اور ہلائے گی اور الٹ پلٹ کر دے گی۔ اور ''رادفۃ'' سے مراد ہے: ''دکدکۃ'' یعنی پہاڑوں کا گر کر ہموار ہو جانا۔

صور پھونکنے کی تعداد

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ صور پھونکنے کی تعداد میں اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ دو مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (الزمر:۶۸) اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O

اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ ایک ''نفخۃ الفزع'' ہے یعنی صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے اس حیثیت سے کہ ہر دودھ پلانے والی بھول جائے گی کہ اس نے کس کو دودھ پلایا۔ پھر ''نفخۃ الصعق'' ہے (یعنی جس صور پھونکنے سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے)۔ پھر ''نفخۃ البعث'' ہے یعنی صور میں پھونکنے سے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ پہلے دو صُور بھی ایک صور کی طرف راجع ہیں جس صور میں پھونکنے سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور مشہور یہ ہے کہ صُور میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ اور علامہ الحلیمی نے اس کے اوپر اجماع کو نقل کیا ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ صور میں پھونکے گا۔
امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں از عبداللہ بن الحارث روایت کی ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: اے کعب! مجھے اسرافیل کے متعلق خبر دو۔ اس کے بعد حدیث میں مذکور ہے کہ صور پھونکنے والا فرشتہ اپنے ایک زانو کے بل گرا ہوا ہے اور دوسرا زانو اس نے نصب کیا ہوا ہے اور صور اس کے منہ میں ہے اور اس نے اپنی پشت ٹیڑھی کی ہوئی ہے اور اس نے اپنی نظر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف لگائی ہوئی ہے اور جب وہ دیکھے گا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اپنے پروں کو ملا لیا ہے تو اس فرشتہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ صور میں پھونکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں زید بن جدعان ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث مذکور کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کتاب الزہد میں ہناد بن السری نے یہ روایت کی ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے صور کے ساتھ مقرر ہوتے ہیں، وہ انتظار کرتے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے تو وہ صور میں پھونکیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ پر موقوف ہے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو صور میں پھونکنے والے دوسرے آسمان میں ہیں، ان میں سے ایک کا سر مشرق میں ہے اور اس کے پیر مغرب میں ہیں اور دوسرا اس کے برعکس ہے، وہ دونوں انتظار کر رہے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے تو وہ صور میں پھونکیں۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔
اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بغیر شک کے روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ اور امام بزار نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صور پھونکنے والے دو صاحبوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ کب انہیں صور میں پھونکنے کا حکم دیا جائے گا۔
اور بعض علماء نے کہا کہ وہ فرشتہ جب دیکھے گا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اپنے پروں کو ملایا ہے تو وہ صور میں پھونکے گا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے تو وہ پہلی بار صور میں پھونکے گا جس سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور دوسری مرتبہ صور میں حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پھونکیں گے اور اس سے جو ہلاک ہو گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن الاعرج، ان دونوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: دو مرد لڑے، ایک مرد مسلمانوں میں سے تھا اور دوسرا مرد یہود میں سے تھا، پس مسلمان

اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ قَالَ فَغَضِبَ الْمُسْلِمُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ فِي أَوَّلِ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مُوسَى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ۔

نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، پس یہودی نے کہا: اور اس ذات کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس مسلمان غضب ناک ہوا اور اس نے یہودی کے منہ پر تھپڑ مارا، پس یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور اس نے اس کو جو کچھ اس کے اور مسلمان کے درمیان واقع ہوا اس کے متعلق خبر دی، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت مت دو، کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا، سو اس وقت (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہوئے تھے، سو مجھ سے پہلے وہ ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "صور میں پھونکنا" اور بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے "لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے ۔۔۔ الحدیث" اور یہ معلوم ہے کہ لوگ صور میں پھونکنے کی وجہ سے بے ہوش ہوں گے۔ سو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب کی حدیث کے رجال کا تذکرہ باب "مایذکر فی الاشخاص" میں گزر چکا ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از یحییٰ بن قزعہ از ابراہیم بن سعد از ابن شہاب از ابی سلمہ از عبدالرحمٰن الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی تھی۔ اور وہاں ان راویوں پر بحث ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، پھر آپ نے اپنی فضیلت دینے سے کیوں منع فرمایا؟ اس سوال کے متعدد جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تخیرونی" یعنی مجھ کو فضیلت نہ دو، اور مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خیر نہ قرار دو۔

اس پر یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات ہیں، تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت سے کیوں منع فرمایا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی شان میں کمی ہو یا ان کی توہین ہو۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جس کے نتیجہ میں کوئی جھگڑا ہو، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بطور تواضع فرمایا۔ یا آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عمل میں فضیلت نہ دو، کیونکہ ان کا عمل مجھ سے زیادہ ہے۔ اور ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے عمل کی وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آزمائش اور امتحان میں فضیلت نہ دو، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے زیادہ آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیے گئے۔

"صعقة" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الناس یصعقون یوم القیامة" یعنی قیامت کے دن لوگ بے ہوش کیے جائیں گے۔

"صعقة" کا معنی ہے: بے ہوش ہونا۔

اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "صعق" یہ ہے کہ کسی شدید آواز کو سننے سے انسان پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور بسا اوقات وہ اس آواز کو سن کر مر جاتا ہے، پھر اس کا استعمال زیادہ تر موت کے معنی میں ہوا۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد یہ گھبراہٹ کی بے ہوشی ہو حتیٰ کہ تمام آسمان اور زمین شق ہو جائیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فافاق قبلی" وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے۔ کیونکہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص بے ہوش ہونے کے بعد ہوش میں آئے، اور رہی موت تو کہا جاتا ہے: وہ اس سے زندہ کیا گیا ہے۔ اور پہاڑ طور پر جو صعقة ہوا تھا وہ موت نہیں تھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۴۳)

پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا: تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلا ادری اکان موسیٰ فیمن صعق فافاق قبلی" یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا ان لوگوں میں سے ہیں جو بے ہوش ہو گئے تھے، پس مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔

اس پر بھی یہ سوال ہے کہ نبی ﷺ نے تو فرمایا کہ "میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں" اور آپ نے فرمایا "سب سے پہلے مجھ سے زمین پھٹے گی"، تو پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ کیسے فرمایا "پس میں از خود نہیں جانتا کہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے، پس مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اس وقت کہا ہو جب آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ زمین سب سے پہلے آپ سے پھٹے گی۔ اور بے شک ہمارے نبی ﷺ وہ پہلے شخص ہیں جن سے زمین پھٹے گی، پس موسیٰ علیہ السلام بھی اس جماعت میں سے ہوں گے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام سے پہلے زمین پھٹے گی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یا موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا" جس آیت میں یہ فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيۡهِ اُخۡرٰى فَاِذَا هُمۡ قِيَامٌ يَّنۡظُرُوۡنَ ۝ (الزمر: ٦٨)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ۝

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ان کا بیان

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ان کے متعلق دس اقوال ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ مُردہ لوگ ہیں کیونکہ ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا (۲) شہداء (۳) انبیاء علیہم السلام اور امام بیہقی کا اسی طرف میلان ہے اور انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔ (۴) حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت، پھر پہلے تین فوت ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرمائے گا: مر جاؤ! سو وہ مر جائیں گے۔ یہ یحییٰ بن سلام کا اپنی تفسیر میں قول ہے (۵) حاملین عرش، کیونکہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے "جو آسمانوں میں ہیں وہ بے ہوش ہو جائیں گے"۔ اور حاملین عرش آسمانوں سے اوپر ہیں۔ (۶) صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام، اس کی امام طبری نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے روایت کی ہے اور امام ثعلبی نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۷) وہ بچے جو جنت میں ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ (۸) جنت کے محافظین (۹) دوزخ کے محافظین اور دوزخ میں جو سانپ اور بچھو ہیں، اس کی امام الثعلبی نے حکایت کی ہے۔ (۱۰) تمام فرشتے۔ اس کو ابن حزم نے "الملل والنحل" میں وثوق کے ساتھ کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملائکہ روحیں ہیں اور ان میں کوئی روح نہیں ہے، پس ان پر بالکل موت نہیں آتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۳۔ ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْعَقُ النَّاسُ حِينَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ قَامَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَمَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

صَعِقَ رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

قیامت کے دن لوگ بے ہوش کیے جائیں گے جب بے ہوش کیے جائیں گے، پس میں سب سے پہلے کھڑا ہوں گا، پس اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کیا وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے۔
اس حدیث کی ابوسعید نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیثِ مذکور کی دوسری سند ہے جس میں اس حدیث کو امام بخاری نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کے رجال کا اس ترتیب کے ساتھ کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث میں الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ﷺ سے پہلے ہوش میں آ گئے تو کیا اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے نبی ﷺ سے افضل قرار دیا جائے گا؟

اس کا یہ جواب ہے: نہیں! اس اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی ﷺ پر مطلقاً افضلیت لازم نہیں آتی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تو ایک امرِ مشکوک کا ذکر ہے کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا بے ہوش ہوئے ہی نہیں تھے، تو اس سے ان کی نبی ﷺ پر افضلیت لازم نہیں آئے گی کیونکہ آپ مطلقاً افضل ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا، ان کی تفصیل کے متعلق بحث و نظر

ایک قول یہ ہے کہ مستثنیٰ ملائکہ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ شہداء ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ انبیاء علیہم السلام ہیں اور علامہ الحلیمی کا مختار یہ ہے کہ مستثنیٰ شہداء ہیں اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے اس پر استدلال اس آیت سے کیا ہے:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران:۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں انہیں رزق دیا جا رہا ہے۔

اور باقی اقوال جو ذکر کیے گئے ہیں وہ ضعیف ہیں۔

اور علامہ ابوالعباس القرطبی متوفی ۶۵۶ ھ، نے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جن کا بے ہوش ہونے سے استثناء کیا گیا ہے ان کی تعیین میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے اور سب کی گنجائش ہے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۳۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

اور امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ ھ نے "البعث والنشور" میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش کرنا نہیں چاہا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شہداء ہیں۔ اس حدیث کی حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (البعث والنشور ص ۳۲۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ ھ)

اور امام ابن معبد نے "کتاب الطاعة" میں بھی ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا، آپ نے فرمایا: وہ شہداء ہیں۔

اور النحاس نے "معانی القرآن" میں سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ وہ شہداء ہیں۔ (معانی القرآن ج ۵ ص ۱۴۹)

اور حسن بن ابی الحسن نے کہا: جو لوگ دو صوروں کے درمیان مر جائیں گے ان سے اللہ عزوجل نے آسمان کی چند شخصیات کے بے ہوش ہونے کا استثنیٰ کیا۔

یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آخر میں ان میں سے جو باقی رہیں گے وہ حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت ہیں۔ پھر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل فوت ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرمائے گا: مر جاؤ، تو وہ مر جائیں گے۔ (تفسیر ابن ابی زمنین ج ۴ ص ۱۲۰)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ وہ حاملینِ عرش ہیں اور حضرت جبریل ہیں اور حضرت میکائیل اور حضرت ملک الموت علیہم السلام ہیں۔ اور علامہ الحلیمی نے کہا: جس کا یہ زعم ہے کہ جن کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کا استثنیٰ حاملین عرش یا حضرت جبریل یا حضرت میکائیل یا حضرت ملک الموت کی وجہ سے ہے یا جس نے کہا کہ یہ استثنیٰ بچوں کی وجہ سے ہے یا جنت کی حوروں کی وجہ سے ہے یا جس نے یہ زعم کیا کہ یہ استثنیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی، پس میں اپنا سر بلند کروں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب ہوں گے۔۔۔۔ الحدیث۔ سو ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۱۰۔۳۱۱)

رہا پہلے قول کا صحیح نہ ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حاملین عرش نہ آسمان کے رہنے والے ہیں اور نہ زمین کے اور عرش تمام آسمانوں کے اوپر ہے، پس حاملینِ عرش آسمانوں میں کیسے ہوں گے؟ جب کہ الزمر: ۶۸ میں یہ فرمایا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے۔ سو جب حاملینِ عرش آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے ہیں ہی نہیں تو ان کا استثنیٰ کیسے ہوگا؟

اور رہے حضرت جبریل اور حضرت ملک الموت اور حضرت میکائیل علیہم السلام تو یہ ان فرشتوں میں سے ہیں جو عرش کے گرد حلقہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور جب کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے تو ان کا آسمانوں میں حلقہ بنانا نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح دوسرا قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بچے اور حور جنت میں ہیں اور جنت اگرچہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں لیکن تمام جنتیں آسمانوں کے اوپر ہیں اور عرش کے نیچے ہیں اور وہ ایک ایسا عالم ہے جس کو بقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اس سے علیحدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فنا کے لیے پیدا کیا ہے اور اس استثنٰی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقتاً فوت ہو گئے تھے۔ پس دوسرے صور کو پھونکنے کے وقت ان پر موت نہیں آئے گی۔ اسی لیے اس استثنٰی کی تاویل کرنے والوں نے ان کا شمار نہیں کیا جو صور پھونکنے سے پہلے فوت ہو چکے تھے، کیونکہ استثناء ان سے ہوگا جن کا اس میں فی الجملہ دخول ممکن ہو لیکن جس کا ان میں فی الجملہ دخول ممکن نہ ہو تو ان کے استثنٰی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں جو ارشاد ہے کہ "پس موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے ہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور میں جو انہیں بے ہوش کیا گیا تھا اس کی انہیں جزاء دی گئی"۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بے ہوشی کا "صعقة" ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا اور یہ موت کا "صعقة" نہیں ہے جو صور پھونکنے کے وقت حادث ہوگی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو میں سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ کیا وہ مجھ سے پہلے زندہ کر دیے گئے تھے اور اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہے جیسے دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت دی گئی کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو پہاڑ طور پر بے ہوش کیا گیا تھا اسی کی جزاء دی گئی، یعنی ان کو دیگر انبیاء سے پہلے زندہ کیا گیا جس اندازے سے ان پر ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تھی یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ گئے تاکہ یہ ان کی جزاء ہو جائے، اور ان کے علاوہ استثنٰی میں جو اقوال ہیں وہ ثابت نہیں ہیں۔

علامہ ابو العباس القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ صور میں دوسری مرتبہ پھونکنے کے بعد رونما ہوا جو نفخة البعث ہے یعنی جس میں سب کو زندہ کیا جائے گا۔ اور قرآن عظیم کی نص صریح کا تقاضا یہ ہے کہ یہ استثنٰی ان سے ہے جو صور پھونکنے کے بعد بے ہوش ہو گئے تھے اور جب کہ یہ معاملہ اس طرح ہے تو بعض علماء نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہوں جو انبیاء علیہم السلام میں سے فوت نہیں ہوئے اور یہ بالکل باطل ہے کیونکہ گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر موت آئی تھی۔

امام بیہقی نے کہا ہے: میرے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے اور اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آپ نے شب معراج آسمان میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو دیکھا اور یہ اس وقت صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ان کی روحوں کو لوٹا دیا، پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جیسا کہ شہداء زندہ ہیں۔ پھر جب صور میں پہلی مرتبہ پھونک ماری گئی تو جنہوں نے بے ہوش ہونا تھا وہ بے ہوش ہو گئے لیکن یہ موت نہیں تھی صرف ان کا شعور ماؤف ہو گیا تھا، پس بے شک موسیٰ علیہ السلام ان میں سے

ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے استثنیٰ کیا ''الا من شاء اللہ''۔ یعنی دوسرے لوگوں کا شعور تو ماؤف ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شعور ماؤف نہیں کیا، اور پہاڑ طور پر جوان کو بے ہوش کر دیا گیا تھا اس کا اس میں حساب کر دیا گیا۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۱۰)

اور قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ''صعقة'' سے مراد وہ ''صعقة'' ہو جس کے بعد گھبراہٹ طاری ہو گی جب آسمان اور زمینیں شق ہو جائیں گی۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۵۷)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جو چیز اس اشکال کو زائل کرتی ہے وہ یہ ہے کہ موت عدمِ محض نہیں ہے، وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل کیے جانے اور موت کے بعد بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے، پس جب یہ صفت شہداء میں ہے تو اس صفت کا انبیاء علیہم السلام میں ہونا زیادہ حق دار اور زیادہ اولیٰ ہے بلکہ صحیح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷، سنن نسائی: ج ۳ ص ۹۱، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۶)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شب معراج بیت المقدس میں اور آسمانوں میں جمع ہوئے خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جو شخص بھی آپ کو سلام کرتا ہے تو اس کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف روح کو لوٹا دیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے قطعی طور پر یہ علم ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے اس حیثیت سے کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے ہر چند کہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں اور یہ ایسا حال ہے جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے وہ بھی موجود ہیں اور زندہ ہیں۔ اور ہماری نوع میں سے ان کو کوئی نہیں دیکھتا سوا ان اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیکھنے کی کرامت عطا کی ہو۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو جب صور میں پھونک ماری گئی جو ''نفخة الصعق'' تھی تو آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی تھے وہ ''مصعوق'' ہو گئے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ رہا انبیاء علیہم السلام کے غیر کا صعق تو وہ موت ہے (یعنی صور میں پھونکنے سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو تھے وہ سب مر گئے لیکن انبیاء علیہم السلام کا ''صعق'' یہ تھا کہ وہ بے ہوش ہوئے)۔ پس جب صور میں ''نفخة البعث'' ہو گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جن پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی وہ ہوش میں آ جائیں گے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔
(المفہم ج ۶ ص ۲۳۴۔ ۲۳۳)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جب انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کو شارع علیہ السلام نے زندوں میں شمار کیا ہے تو انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزوی، حاملینِ عرش اور رسلِ ملائکہ کی موت اور اہل جنت اور جنت پر موت کا نہ آنا

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت ان پر بے ہوشی کا طاری ہونا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ''میں از خود نہیں جانتا حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے''۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظیم فضیلت ہے، ہاں یہ فضیلت مشکوک ہے، کیونکہ فرمایا: یا تو وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے، اس سے ان کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ آپ کی افضلیت مطلقہ ہے۔
اور یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت جزوی ہے اور یہ علامہ الحلیمی کا مختار ہے۔
اور جن فرشتوں کا استثنیٰ میں ذکر کیا گیا ہے ہم ان سے موت کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان کے متعلق موت کو محال قرار دیتے ہیں۔
ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا اس استثنیٰ میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ آسمانوں اور زمینوں سے اوپر ہیں۔
پھر ایسی احادیث بھی وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاملین عرش اور ملک الموت پر اور میکائیل پر موت کو طاری کرے گا اور سب سے آخر میں حضرت جبریل پر موت کو طاری فرمائے گا اور ان کو اسی جگہ زندہ کر دے گا اور وہ ان ملائکہ کو زندہ کریں گے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور رہے اہل جنت تو ان کے متعلق حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ مریں گے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جنت دار الخلد ہے اور جو جنت میں داخل ہو گیا وہ اس میں کبھی بھی نہیں مرے گا، اس کے باوجود کہ وہ بھی موت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں پیدا کیا وہ زیادہ اولیٰ ہے کہ وہ جنت میں کبھی بھی نہ مرے۔
نیز موت مکلفین پر قہر کرنے کے لیے ہے اور ان کو ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے اور اہلِ جنت کے متعلق ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں ہوئی کہ وہ بھی مکلف ہیں، پس اگر ان کو موت سے معاف کر دیا گیا جیسا کہ ان کو تکلیف سے معاف کر دیا گیا ہے تو یہ بعید نہیں ہے۔
رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۔ (القصص:۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو چیز بھی ہلاک ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گی سوا اللہ سبحانہٗ کی ذات کے کیونکہ وہ قدیم ہے اور قدیم کے لیے فناء ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا حادث ہے اور حادث وہ ہوتا ہے جس کو مُحدِث جب تک چاہے باقی رکھے اور جب چاہے فناء کر دے۔ اور کسی صحیح حدیث یا معلول سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش کو ہلاک کرنے والا ہے، پس چاہیے کہ جنت بھی اس کی مثل ہو۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۱۱)

جنت اور دوزخ کی فناء کے متعلق دیگر اقوال

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جنت اور دوزخ کی فناء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو فناء کرے گا تو جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ باقی رکھے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کو بھی اللہ تعالیٰ فناء کردے گا اور سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ" (الحدید: ۳) "اللہ ہی اول ہے اور وہی آخر ہے"۔ پس جب اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ کو فناء کردے گا تو جو ان میں مخلوق ہے وہ بھی بطریق اولیٰ فناء ہو جائے گی۔ اور بعض علماء نے تیسرے قول کا بھی ذکر کیا ہے کہ فقط دوزخ فناء ہوگی۔ اور ہمیں اس میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

صور میں پھونکنے کی تعداد

صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ صور میں صرف دو مرتبہ پھونک ماری جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو مرتبہ صور میں پھونکنے کے درمیان چالیس (۴۰) کا عرصہ ہے، لوگوں نے پوچھا: اے ابوہریرہ! چالیس دن کا عرصہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں، لوگوں نے کہا: چالیس (۴۰) سال کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: چالیس (۴۰) مہینوں کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں اور کہا: انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی اور اسی سے اس کی دوبارہ پیدائش کی جائے گی۔
(صحیح البخاری: ۴۸۱۴، صحیح مسلم: ۲۹۵۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ صور میں دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔

اور بعض ضعیف احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ علی بن معبد کی "کتاب الطاعة" میں مذکور ہے کہ صور میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور وہ صور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا فرمایا، پس وہ صور کو اپنے منہ پر رکھے ہوئے ہیں اور نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بہت عظیم سینگ ہے اور سینگ کی گولائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اس صور میں حضرت اسرافیل علیہ السلام تین مرتبہ پھونک ماریں گے، پہلی مرتبہ پھونک مارنا "نفخة الفزع" ہوگا جسے سن کر لوگ گھبرائیں گے اور دوسری مرتبہ پھونک مارنا "نفخة الصعق" ہوگا (جسے سن کر عام لوگ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے) اور تیسری مرتبہ پھونک ماریں گے تو سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے حاضر

ہو جائیں گے۔۔۔الحدیث

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس آیت میں مکمل فرمایا ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۞ اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس (ص:۱۵) کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہو گی O

قیامت کے وقوع کا وقت اور کیفیت

صور پھونکنے کا یہ واقعہ نصف رمضان کو جمعہ کے دن ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو چلائے گا تو وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، پھر وہ فریب نظر ہو جائیں گے، پھر زمین، زمین والوں کے ساتھ حرکت کرے گی اور اس کا مصداق یہ آیت ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۞ (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی (النازعات:۶۔۷) لرزانے والی O پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O

اور زمین اس طرح ہوگی جیسا کہ سمندر میں کشتی سمندر کی موجوں سے تھپیڑے کھا رہی ہوتی ہے اور لوگ اس کی پشت پر ہوں گے، اور دودھ پلانے والی اپنے بچہ کو بھول جائے گی، حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے، اور شیاطین اڑ کر بھاگ رہے ہوں گے حتیٰ کہ کنارے پر آئیں گے، پھر فرشتے ان کو تھپڑ ماریں گے حتیٰ کہ وہ لوٹ جائیں گے اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور ایک دوسرے کو پکاریں گے اور اس کا مصداق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۞ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا (المومن:۳۳) نہیں ہے O

پس جب لوگوں کا یہی حال ہوگا تو زمین پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور لوگ ایک سنگین امر دیکھیں گے۔ پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پگھلے ہوئے تانبہ کی طرح ہوگا، پھر آسمان پھٹ جائیں گے اور سورج اور چاند کی روشنی ختم ہو جائے گی اور ستارے بکھر جائیں گے، پھر آسمان کو ان سے لپیٹ دیا جائے گا۔

اور مردوں کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہوگا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو اس حال میں باقی رکھے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو "نفخة الصعق" کا حکم دے گا، اور اس حدیث میں ہے "پھر ہاتف تین مرتبہ آواز دے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا "لله الواحد القهار" اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد قہار ہے"۔

علامہ زمخشری کی تفسیر میں ہے: منادی ندا کرے گا: آج کس کی بادشاہت ہے؟ تو اہل جنت جواب دیں گے: اللہ ہی کی ہے جو "واحد القهار" ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ "نفخة البعث" پھونکیں، سو وہ پھونک ماریں گے تو پھر سب لوگ زندہ ہو جائیں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۱۶۔ ۶۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابٌ: يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو جمع کرے گا (یا فناء کرے گا)

رَوَاهُ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کی نافع نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو قبض فرمائے گا اور قبض کے معنی ہیں: جمع کرنا۔ اور کبھی قبض کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو فناء کرنا اور اس کو ختم کرنا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر:٦٧)

اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک ہے اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ قیامت کے دن تمام زمینیں فناء ہو جائیں گی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوری زمین کو قبضہ میں لے لے گا، یعنی پوری زمین کو جمع کر لے گا۔
اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥١٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ سے لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح البخاری: ۴۸۱۲، ۷۳۸۲، ۷۴۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲، مسند احمد: ۸۶۴۶، سنن دارمی: ۲۷۹۹)

صحیح البخاری:۶۵۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو جمع کرے گا'' اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی عنوان ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ذکر ہے محمد بن المقاتل، یہ المروزی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن زید ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''ویطوی السمآء'' یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کو لپیٹ لے گا، اس سے لپیٹنے کا لغوی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ فناء کر دے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''بیمینہ'' یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے، اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کو فناء کر دے گا۔

لفظ''ید'' کے متعدد معانی

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کو احاطہ کرنے سے عبارت ہے اور''الید'' کا لفظ متعدد معانی کے لیے آتا ہے، ان میں سے ایک معنی قوت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے ۝ (ص:۱۷)

اور''ید'' کا دوسرا معنی ملک ہے یعنی ملکیت جیسے درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (آل عمران:۷۳) آپ کہیے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے ۝

اور''ید'' کا تیسرا معنی نعمت ہے، جیسے تم کہو:''کم یدلی عند فلان'' یعنی میں نے فلاں کو کتنی نعمتیں دی ہیں۔

اور''ید'' کا چوتھا معنی ہے: ملا ہوا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرہ:۲۳۷) یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)۔

اور ''ید'' کا پانچواں معنی ہے: عضو مخصوص یعنی ہاتھ۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ (التوبہ:۲۹) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں O

اور قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ (الفتح:۱۰) اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔

اور ''ید'' کا معنی اطاعت اور پیروی بھی ہے اور ''ید'' کا معنی سلطنت بھی ہے اور ''ید'' کا معنی اطاعت بھی ہے اور ''ید'' کا معنی جماعت بھی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

اللہ تعالیٰ یہ قول اس وقت فرمائے گا جب دنیا کا زمانہ منقطع ہو جائے گا اور اس کے بعد لوگوں کو قبروں میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس کے بعد حشر ونشر ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب تمام مخلوق کو چاندی کی مثل سفید زمین میں جمع کیا جائے گا اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ آج کس کی بادشاہت ہے تو بندے جواب دیں گے: اللہ ہی کے لیے ہے جو واحد القہار ہے۔ اس حدیث کی ابووائل نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس کو نحاس نے ذکر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کی طویل حدیث میں مذکور ہے کہ جب پہلی مرتبہ صور میں پھونکنے کے بعد تمام زندہ لوگ مر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا اس وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرمائے گا: میں جبار ہوں، آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو کوئی جواب نہیں دے گا، پس اللہ عزوجل خود فرمائے گا ''للہ الواحد القہار'' اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد القہار ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہو سکتی ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد دو مرتبہ فرمائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۰ - حَدَّثَنَا يَحۡيَى بۡنُ بُكَيۡرٍ حَدَّثَنَا اللَّيۡثُ عَنۡ خَالِدٍ عَنۡ سَعِيدِ بۡنِ أَبِي هِلَالٍ عَنۡ زَيۡدِ بۡنِ أَسۡلَمَ عَنۡ عَطَاءِ بۡنِ يَسَارٍ عَنۡ أَبِي سَعِيدٍ الۡخُدۡرِيِّ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم تَكُونُ الۡأَرۡضُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ خُبۡزَةً وَاحِدَةً يَتَكَفَّؤُهَا الۡجَبَّارُ بِيَدِهِ كَمَا يَكۡفَأُ أَحَدُكُمۡ خُبۡزَتَهُ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِأَهۡلِ الۡجَنَّةِ فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الۡيَهُودِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحۡمٰنُ عَلَيۡكَ يَا أَبَا الۡقَاسِمِ أَلَا أُخۡبِرُكَ بِنُزُلِ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ قَالَ بَلَى قَالَ تَكُونُ الۡأَرۡضُ خُبۡزَةً وَاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَظَرَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از خالد از سعید بن ابی ہلال از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی، جبار عزوجل اپنے ہاتھ سے (اہل جنت کی ضیافت کے لیے) اس کو الٹ پلٹ کرے گا جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے دسترخوان پر روٹی کو گھماتا ہے، پھر ایک یہودی آیا، سو اس نے کہا: رحمٰن تم پر برکت نازل فرمائے اے ابوالقاسم! کیا میں تم کو

ﷺ إِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِإِدَامِهِمْ قَالَ إِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَنُونٌ قَالُوا وَمَا هَذَا قَالَ ثَوْرٌ وَنُونٌ يَأْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُونَ أَلْفًا۔ (صحیح مسلم: ۲۷۹۲)

(قیامت کے دن) اہل جنت کی ضیافت کی خبر نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا کہ تمام زمین ایک روٹی ہو جائے گی جیسے نبی ﷺ نے فرمایا، پس نبی ﷺ نے ہماری طرف دیکھا، پھر آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں، پھر اس یہودی نے کہا: کیا میں تم کو ان کے سالن کے متعلق خبر نہ دوں؟ پھر اس نے کہا: ان کا سالن بالام اور نون ہے، صحابہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: بیل اور مچھلی، جس کی کلیجی کے ساتھ زائد چربی کے حصہ کو ستر ہزار آدمی کھائیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ بے شک اللہ عزوجل قیامت کے دن تمام زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا، پھر اس کی ایک روٹی بنادے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، اور وہ ابن زید ہیں اور وہ الجمحی ہیں۔ اس سند میں سعید تک مصری راوی ہیں اور وہاں سے آخر تک مدنی راوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

زمین کو روٹی بنانے کی تفصیل اور ''سفرۃ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تکون الارض یوم القیامۃ خبزۃ واحدۃ'' یعنی تمام زمین قیامت کے دن ایک روٹی بن جائے گی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آٹا گوندکر رکھا جاتا ہے، پھر آگ جلائی جاتی ہے اور پھر اس گندھے ہوئے آٹے کے پیڑے بنائے جاتے ہیں جو گول گول ہوتے ہیں، پھر اس کو ہاتھوں سے الٹ پلٹ کر کے اور پھیلا کر چپاتی کی طرح سیدھا بنادیا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں ''سفرۃ'' کا ذکر ہے، سفرۃ اس طعام کو کہتے ہیں جو مسافر کے لیے بنایا جاتا ہے اور اسی سے سفرۃ اس دسترخوان کو بھی کہتے ہیں جس پر کھانا کھایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نزلا لاھل الجنۃ'' یعنی اہل جنت کی ضیافت اور مہمانی کے لیے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روٹی کو اہل جنت کے لیے بنائے گا جو جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کو محشر میں کھائیں گے حتیٰ کہ محشر کا جو لمبا زمانہ ہوگا اس میں بھوک لگنے سے ان کو تکلیف نہیں ہوگی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اہل محشر میں سے جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ اس کو کھائیں گے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کو کھاتے رہیں گے حتیٰ کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

علامہ داؤدی کی شرح کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ زمین سفید روٹی کی طرح ہو جائے گی، ہر مومن اس کو اپنے قدموں کے نیچے سے کھالے گا۔ اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے اور یہ علامہ داؤدی کے ذکر کیے ہوئے عموم کے منافی نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے اوپر علامہ بیضاوی کا اشکال

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: یہ حدیث بہت مشکل ہے، نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور ہر چیز پر اس کی قدرت کا انکار کیا جائے بلکہ اس لیے کہ زمین کے جسم کا پک کر روٹی بن جانا جیسا کہ کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں، اس کا احادیث میں ثبوت نہیں ہے جب کہ آثار سے یہ ثابت ہے کہ یہ زمین قیامت کے دن آگ بن جائے گی اور اس کو جہنم کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور حدیث میں جو ہے کہ یہ زمین ایک روٹی ہو جائے گی، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ایک روٹی کے مثل ہو جائے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ طیبی نے یہاں بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی زمین آگ بن جائے گی، یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور زمین کا ایک روٹی ہو جانا جس کو محشر والے کھائیں گے یہ مجاز پر محمول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس اثر کو ہم نے ابھی سعید بن جبیر سے ذکر کیا ہے وہ ان دونوں کا رد کرتا ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ زمین ایک روٹی بن جائے گی اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس حدیث سے علامہ بیضاوی نے استدلال کیا ہے کہ زمین آگ بن جائے گی اس سے مراد تمام زمین نہیں ہے بلکہ سمندر کی زمین ہے کیونکہ امام طبری نے کعب احبار کی سند سے روایت کی ہے کہ سمندر کی جگہ آگ بن جائے گی اور ربیع بن انس کی تفسیر میں از ابوالعالیہ از ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ آسمان شب بن جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ بن جائے گی۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بیہقی نے کتاب البعث میں یہ آیت ذکر کی ہے:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O (الحاقۃ: ۱۴)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن کر کفار کے چہروں پر چھا جائیں گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: بعض شارحین (حافظ ابن حجر) نے کہا ہے کہ (زمین کا روٹی بن جانا اور زمین کا آگ بن جانا اور زمین کا غبار بن جانا، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ زمین روٹی بن جائے گی اور ابی بن کعب کی روایت میں ہے کہ سمندر کی جگہ کی زمین آگ بن جائے گی اور "الحاقۃ: ۱۴" میں ہے کہ زمین ریزہ ریزہ ہو کر غبار ہو جائے گی) ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بعض زمینیں آگ بن جائیں گی اور بعض زمینیں غبار بن جائیں گی اور بعض زمینیں روٹی ہو جائیں گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۸، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی اس پر رد کرتے ہیں کہ اس میں تامل ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ تمام زمین قیامت کے دن روٹی بن جائے گی اور ''الارض'' کا اطلاق تمام زمین پر ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو بیان کیا ہے اس میں مجاز کا ارتکاب ہے، تو جب تک حقیقت متعذر نہ ہو اس کو مجاز پر محمول نہیں کیا جائے گا اور تمام زمین کے روٹی بننے میں کوئی تعذر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ جوابِ شافی یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جو زمین آگ بن جائے گی اس سے سمندر کی زمین مراد ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ زمین غبار بن جائے گی اس سے پہاڑ مراد ہیں کیونکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہونے کے بعد کفار کے چہروں پر غبار بن جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی توجیہ اور ''نواجذ'' وغیرہ کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر آپ ہنسے'' یعنی آپ کو اس پر تعجب ہوا کہ یہودی نے کیسے اس چیز کی اپنی کتاب سے خبر دی جس کی نظیر وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے بتائی گئی تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ آپ کے نواجذ ظاہر ہو گئے''۔ نواجذ ڈاڑھوں کو کہتے ہیں اور وہ دانتوں کے اخیر میں ہوتی ہیں، کیونکہ دانتوں کے اول کو اضراس کہا جاتا ہے اور پھر ثنایا ہیں، پھر رباعیات ہیں، پھر ضواحک ہیں، پھر الارحاء ہیں، پھر النواجذ ہیں۔ اور کتاب الصوم میں مذکور ہے کہ آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کے انیاب ظاہر ہو گئے، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ نواجذ کا اطلاق انیاب اور اضراس دونوں پر ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ کتاب الادب کے باب التبسم میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبسم پر اضافہ نہیں کرتے تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ کی عادت یہی تھی اور غالب طور پر آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور آپ کا اتنا ہنسنا کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں، یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہے۔

''بالام'' اور ''نون'' کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اس یہودی نے کہا: کیا میں تم کو اہل جنت کے سالن کی خبر نہ دوں تو اس نے کہا: اہل جنت کا سالن ''بالام'' اور ''نون'' ہے''۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی زبان میں معنی بیل ہے، اس لیے اس کی تفسیر ''ثور'' کے لفظ سے کی گئی ہے اور اسی وجہ سے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ بالام کیا چیز ہے، اگر یہ عربی لفظ ہوتا تو صحابہ کرام اس کو جانتے ہوتے۔ اور اس حدیث میں ''نون'' کا ذکر ہے اور اس کا معنی ہے مچھلی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ سالن مچھلی کی کلیجی کی زائد چربی سے بنا ہو گا جس کو ستر ہزار کھائیں گے''۔ یہ کلیجی کی چربی کا زائد ٹکڑا بہت لذیذ ہوگا، اسی لیے اس کو کھانے کے ساتھ ستر ہزار اہل جنت کی تخصیص کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستر سے مراد عددِ کثیر ہو اور ستر ہزار میں انحصار نہ ہو۔

اہل جنت کی ضیافت کے متعلق کعب احبار کی روایت

کعب احبار نے امام عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے

فرمائے گا'' ہر مہمان کے لیے ایک جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور میں آج تمہارے لیے مچھلی اور بیل کو ذبح کرتا ہوں، پس بیل کو اہل جنت کے لیے ذبح کیا جائے گا''۔

اور امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے'' اہل جنت کا تحفہ مچھلی کے جگر کا زائد ٹکڑا ہوگا اور اسی میں ان کی غذاء ہوگی اور اس کے بعد ان کے لیے جنت کے بیل کو ذبح کیا جائے گا اور اس کے اطراف سے کھایا جائے گا اور اس حدیث میں ہے کہ ان کو سلسبیل کے چشمہ سے پلایا جائے گا''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۸۔۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ نَقِيٍّ قَالَ سَهْلٌ أَوْ غَيْرُهُ لَيْسَ فِيهَا مَعْلَمٌ لِأَحَدٍ۔ (صحیح مسلم: ۲۷۹۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو سرخی مائل سفید زمین کے اوپر جمع کیا جائے گا جو میدے کی ٹکیہ کی طرح ہوگا۔

سہل یا کسی اور نے کہا: اس زمین میں کوئی نشان نہیں ہوگا وہ ہموار اور سیدھی ہوگی۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے'' اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے کر جمع کرے گا'' اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ زمین میدے کی ٹکیہ کی طرح ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میدانِ محشر کی زمین اس موجودہ زمین کے علاوہ ہوگی۔

حکم بن ابان نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ دنیا کی زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے پہلو میں دوسری زمین ہوگی جس میں لوگوں کا حشر (یعنی لوگوں کو جمع) کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (ابراہیم: ۴۸)

جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے اور غالب بھی ۝

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ زمین کو تبدیل

کر دیا جائے گا گویا کہ وہ چاندی ہے، اس میں کوئی حرام خون نہیں بہایا ہوگا اور اس میں کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔

علامہ قرطبی نے ''تذکرہ'' میں صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا تبدیل کرنا دو مرتبہ ہوگا، پہلے صور پھونکنے کے وقت صرف ان کی صفات تبدیل ہوں گی، پس ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور سروں سے کھینچ لیا جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور زمین میں تموج ہوگا اور سمندر آگ بن جائیں گے، پھر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پھٹ جائے گی، پھر اس کی بنیاد اور ہیئت بدل جائے گی، پھر اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی مریم، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم بن ابی مریم المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن سعد، یہ حضرت سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زمین مضمحل ہو کر معدوم ہو جائے گی اور محشر کی زمین نئی بنائی جائے گی جو روٹی کی طرح ہوگی یا چاندی کی مثل ہوگی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عفراء''، اس کا معنی ہے: وہ سفید رنگ جس میں سرخی کی آمیزش ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''معلم'' یعنی اس زمین میں کوئی علامت نہیں ہوگی جس سے استدلال کیا جائے کہ یہاں پر یہ مکان ہے یا یہ دوکان ہے۔ اور یہ زمین بالکل ہموار ہوگی، اس میں کوئی گڑھا نہیں ہوگا اور نہ اونچائی ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اپنی حکومت اور بادشاہت میں منفرد ہونا

اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رب عزوجل تمام مخلوق کو فناء کر دے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ کی حدیث میں گزرا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک منادی اس وقت نداء کرے گا جب زمین چاند کی مثل سفید ہوگی اور اس میں مخلوق کو جمع کیا جائے گا اور اس زمین میں مخلوق نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی ہوگی، سو منادی نداء کرے گا: آج کس کی بادشاہت ہے؟ پھر بندے جواب دیں گے ''للہ الواحد القھار'' صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہے۔ اس کی ابو وائل نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ وہ چیز ہے جس کو قیاس سے حاصل نہیں کیا جاتا اور نہ تاویل سے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ احادیث ہیں، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت اور حکومت میں منفرد ہوگا۔ جب حکومت کے متعلق کسی کا دعویٰ نہیں ہوگا اور کسی کی طرف حکومت منسوب نہیں ہوگی، کیونکہ ہر ایک کی حکومت اور ملک فناء ہو چکا ہوگا اور ہر جبار اور متکبر فانی ہو چکا ہوگا اور ان کی نسبتیں اور ان کے دعوے منقطع ہو چکے ہوں گے اور یہ حسن بصری اور محمد بن کعب کا قول ہے۔ اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا "لمن الملك اليوم" اس وقت دنیا کے زمانے منقطع ہو چکے ہوں گے اور اس کے بعد لوگوں کو قبر سے اٹھایا جائے گا اور حشر اور نشر ہوگا۔ (التذکرہ: ۱۹۵۔ ۱۹۴)

"ید" کی تحقیق

صحیح البخاری: ۶۵۱۹ میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ لے گا"۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ید (ہاتھ) کا معنی تو ہمارے نزدیک عضو مخصوص ہے جس سے ہم کسی چیز کو پکڑتے ہیں اور لپیٹتے ہیں۔ اور لفظِ شمال جس کا معنی ہے: الٹا ہاتھ، اس میں زیادہ شدید اشکال ہے، اس لیے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

پھر جان لو کہ کلامِ عرب میں "ید" کے پانچ معانی ہیں: (۱) القوت (۲) النعمت (۳) ملانا (۴) ملک (۵) عضو مخصوص یعنی ہاتھ۔

اور الٹا ہاتھ چونکہ سیدھے ہاتھ کی بہ نسبت کمزور ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اوپر الٹے ہاتھ یعنی شمال کا اطلاق نہیں آتا بلکہ سیدھے ہاتھ یعنی یمین کا اطلاق آتا ہے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے یمین کا لفظ ہے اور شمال کا ذکر نہیں ہے اور جس حدیث میں شمال کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۸۲۷)

علامہ خطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف الٹے ہاتھ کی نسبت نہیں کی جاتی، کیونکہ الٹا ہاتھ نقص اور ضعف کا محل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے انگلیوں کے ثبوت کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث میں مذکور ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنی آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس قلب میں تصرف فرماتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔
(صحیح مسلم: ۲۶۵۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں انگلیوں کے درمیان دلوں کے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام لوگوں کے دلوں پر قدرت ہے اور اس کے لیے ان دلوں کو پھیرنا بہت آسان ہے۔

زمین کے تبدیل ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ زمین کو سفید زمین سے بدل دیا جائے گا اور وہ چاندی کی مثل ہوگی جس پر کوئی حرام خون نہیں بہایا ہوگا اور نہ اس پر کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۷۶)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ زمین کو آگ سے بدل دیا جائے گا اور جنت اس کے پیچھے ہوگی اور جنت کی جوان لڑکیاں اور جنت کے پیالے اس کے پیچھے دکھائی دیں گے۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۴۷۰)

اور ابو الجلد جیلان بن فروہ نے کہا: میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ قیامت کے دن زمین آگ کی طرح مشتعل ہوگی اور بھڑک رہی ہوگی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ زمین چاندی سے بدل دی جائے گی اور آسمان سونے سے بدل دیا جائے گا۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۱۴۴)

اور ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) نے کہا ہے: زمین کو روٹی کی طرح بدل دیا جائے گا اور قیامت کے دن مخلوق اس سے کھائے گی۔ (تفسیر القرطبی ج ۹ ص ۳۸۳)

اور سعید بن جبیر اور محمد بن کعب نے کہا: زمین کو سفید روٹی سے بدل دیا جائے گا اور مومن اس کو اپنے قدموں کے نیچے سے کھائے گا۔ (تفسیر طبری ج ۷ ص ۴۸۱)

اور امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو چمڑے کی طرح کھینچا جائے گا اور اس کی وسعت میں اضافہ کیا جائے گا اور تمام مخلوق ایک زمین میں ہوگی۔ پھر آسمانوں کو قبض کر لیا جائے گا۔ (کتاب الزہد ص ۳۵۴)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما (زین العابدین) بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچے گا حتیٰ کہ کسی بشر کے لیے صرف اپنے قدموں میں کھڑے ہونے کی جگہ ہوگی۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴-۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۵- بَابٌ: كَيْفَ الْحَشْرُ — حشر کی کیفیت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حشر کی کیفیت کا بیان ہے اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں صرف باب الحشر لکھا ہے اور کیفیت کا لفظ نہیں ہے یعنی حشر کا بیان۔

حشر کی چار قسموں کا بیان

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حشر جمع ہے اور حشر کی چار قسمیں ہیں، دو حشر دنیا میں ہیں اور دو حشر آخرت میں ہوں گے۔ جو حشر دنیا میں

ہیں ان میں سے ایک حشر وہ ہے جس کا ذکر سورۃ الحشر کی اس آیت میں ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر: ۲)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلاوطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔

زہری نے کہا: بنونضیر دنیا میں وہ پہلے لوگ تھے جن کا شام میں حشر کیا گیا۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ان اہلِ کتاب کو پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب سے نکالا گیا، اور دوسری بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے شام کی طرف نکالا۔

(۲) میدانِ محشر شام کی سرزمین میں قائم ہوگا جب تمام مُردوں کو زندہ کر کے شام کے علاقہ میں جمع کیا جائے گا اور دنیا میں سرزمین سے پہلی بار بنونضیر کو نکالا گیا تھا۔

(۳) یہودیوں کو قتال کے لیے پہلی بار ان کی بستی سے نکال کر جمع کیا گیا اور پھر ان کو جلاوطن کیا گیا۔

(۴) قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے اور دوسرا حشر اس وقت ہوگا جب قربِ قیامت میں ایک آگ تمام لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۸۔۴۹۹، معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۲۔۵۳)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

یہ دنیا میں پہلا حشر تھا جو شام کی طرف کیا گیا اور دنیا میں دوسرا حشر وہ ہے جس کا ذکر صحیح البخاری کی اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک آگ لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔

اور وہ دو حشر جو آخرت میں ہوں گے، ان میں سے ایک حشر تو وہ ہے جس میں مُردوں کو زندہ کرنے کے بعد ان کی قبروں سے نکال کر میدانِ محشر کی طرف جمع کیا جائے گا اور آخرت میں دوسرا حشر وہ ہے جس میں مومنوں کو جنت کی طرف جمع کیا جائے گا اور کفار اور منافقین کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔ سو یہ کل چار حشر ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى ثَلَاثِ طَرَائِقَ رَاغِبِينَ رَاهِبِينَ وَاثْنَانِ عَلَى بَعِيرٍ وَثَلَاثَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَأَرْبَعَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَعَشَرَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَيَحْشُرُ بَقِيَّتَهُمُ النَّارُ تَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا وَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَيْثُ أَصْبَحُوا وَتُمْسِي مَعَهُمْ حَيْثُ أَمْسَوْا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۱، سنن نسائی: ۲۰۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والدِ خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: لوگوں کا حشر تین طریقوں سے کیا جائے گا: (۱) لوگ اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے (۲) دو آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوں گے اور تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوں گے اور چار آدمی اونٹ پر سوار ہوں گے اور دس آدمی اونٹ پر سوار ہوں گے۔ (۳) اور باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی، آگ دوپہر میں ان کے ساتھ ہوگی جب وہ آرام کر رہے ہوں گے اور وہ آگ رات میں ان کے

ساتھ ہوگی جب وہ رات میں سوئے ہوئے ہوں گے، اور وہ آگ
صبح میں ان کے ساتھ ہوگی جب وہ صبح اٹھیں گے اور شام میں وہ
آگ ان کے ساتھ ہوگی جب وہ شام کے وقت ہوں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کا تین طریقوں سے حشر کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معلی بن اسد، یہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وُہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے اور یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن طاؤس، یہ عبداللہ ہیں۔ یہ اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لوگوں کا حشر تین طریقوں سے کیا جائے گا" یعنی تین فرقوں میں لوگوں کا حشر ہوگا۔

حدیث میں مذکور حشر کا تعلق دنیا کے حشر سے ہے

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ علماء نے بیان کیا ہے: یہ حشر دنیا کے آخری وقت میں ہوگا قیامت سے تھوڑی دیر پہلے جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں آئے گا کہ تم اللہ تعالیٰ سے پیدل چلتے ہوئے ملاقات کرو گے۔ اور اس لیے کہ اس میں شام اور صبح کا ذکر ہے، اور اس میں یہ ذکر ہے کہ آگ لوگوں کے ساتھ منتقل ہوگی اور یہ وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ حشر قیامت سے تھوڑی دیر پہلے ہوگا۔ زندہ لوگوں کو شام کی طرف جمع کیا جائے گا اور وہ حشر جو لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے محشر کی طرف ہوگا وہ اس صورت کے برخلاف ہے، کیونکہ اس صورت میں ہے کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوں گے اور باری باری اس پر سوار ہو رہے ہوں گے۔ اور جو حشر قبروں سے محشر کی طرف ہوگا وہ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس باب کی حدیث میں روایت کی ہے کہ وہ ننگے پیر ہوں گے ننگے بدن ہوں گے اور پیدل چل رہے ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "راغبین" یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور یہ مسلمانوں میں سے سابقین ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "راھبین" یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، اور یہ عام مومنین ہوں گے۔ اور کفار اہل دوزخ

ہیں۔

اونٹوں پر سواری کی کیفیت کا بیان

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "دو آدمی ایک اونٹ پر ہوں گے"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ اونٹ ان مسلمانوں کے لیے ہوں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے اور اپنے اخلاص میں اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے۔ اور فرمایا: وہ اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور جو رغبت کرنے والے ہوں گے وہ اپنے قدموں پر پیدل چل رہے ہوں گے۔ یا یہ اونٹ دونوں فریقوں کے لیے ہوں گے یعنی رغبت کرنے والوں میں سے مثلاً دو ایک اونٹ پر ہوں گے اور اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دس ایک اونٹ پر ہوں گے اور کفار اپنے منہ کے بل چل رہے ہوں گے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اونٹ پر لوگ باری باری سوار ہو رہے ہوں گے، بعض سوار ہوں گے اور بعض پیدل چل رہے ہوں گے۔

اس حدیث میں پانچ لوگوں کا اور چھ لوگوں کا دس تک ذکر نہیں کیا اختصاراً۔ اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اونٹ میں اتنی طاقت پیدا کر دے کہ وہ دس آدمیوں کو اٹھا کر لے جائے۔

بعض شراحِ مصابیح کے اس قول کا رد کہ اس حدیث میں جس حشر کا ذکر ہے اس سے مراد آخرت کا حشر ہے

بعض شراح المصابیح نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو آخرت کے اس حشر پر محمول کرنا اولیٰ ہے جو قبروں سے محشر کی طرف لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور انہوں نے اس کی کئی وجوہ ذکر کی ہیں۔ اور ہم نے ان کے قول اور ان کی وجوہ کو ترک کرنا مناسب جانا اور ہم نے علامہ خطابی کے قول پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھا جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ جس حشر کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ دنیا سے شام کی طرف ہوگا۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت معاویہ بن حیدہ کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "تمہارا حشر کیا جائے گا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا دراں حالیکہ تم پیدل بھی ہو گے اور سواریوں پر بھی ہو گے اور تمہارا حشر تمہارے چہروں پر کیا جائے گا"۔

اس حدیث کی امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تقیل" یہ لفظ قیلولہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کرنا خواہ اس وقت نیند نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کئی دنوں تک اس حال میں رہیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تبیت" یہ البیتوتۃ سے ماخوذ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تصبح" یہ الاصباح سے ماخوذ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تمسی" یہ الامساء سے ماخوذ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا۔

البغدادی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، کہ ایک مرد نے کہا: یا نبی اللہ! کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: کیا جس نے انسان کو دنیا میں دو ٹانگوں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے، قتادہ نے کہا: کیوں نہیں ہمارے رب کی عزت کی قسم

(صحیح البخاری: ۴۷۶۰، ۶۵۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۰۶، مسند احمد: ۱۲۹۷۹)

صحیح البخاری: ۶۵۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی حشر کی کیفیت کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن محمد، یہ الجعفی ہیں جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ ابن محمد المؤدب البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبد الرحمن نحوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! کافر کا منہ کے بل کیسے حشر کیا جائے گا؟"۔ اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔

کافروں کا منہ کے بل حشر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو اس بات کی سزا دی جائے گی کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ نہیں کرتے تھے، لہٰذا ان کی ذلت کو ظاہر کرنے کے لیے قیامت کے دن ان کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا کسی حدیث مرفوع میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافروں کو دنیا میں بھی منہ کے بل چلایا جائے گا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ مومنین کی ارواح کو ایک پاکیزہ خوشبو کے ساتھ اٹھائے گا، ایک آگ زمین کے اطراف سے نکلے گی جو لوگوں کو اور مویشیوں کو شام کی طرف جمع کرے گی۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کے حشر کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ

گھوڑوں پر سوار ہوگا، دوسرا گروہ اپنی اولاد کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوگا، اور تیسرا گروہ منہ کے بل شام کی طرف جا رہا ہوگا اور ان کے ساتھ بندر اور خنزیر بھی ہوں گے۔ اور جو لوگ شام کی طرف جمع کیے جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو حق کی معرفت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ کسی فریضہ کی معرفت رکھتے ہوں گے اور نہ کتاب وسنت پر عمل کریں گے۔ اور یہ لوگ ایک سو سال تک جنات سے لڑتے رہیں گے جیسا کہ گدھے اور کتے لڑتے ہیں۔ اور قیامت کے معاملہ سے جس چیز سے سب سے پہلے لوگ خوفزدہ ہوں گے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو ایک ہوا بھیجے گا جو ہر دینار اور درہم کو قبض کرلے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بیت المقدس کی طرف لے جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی بنیادوں کو منہدم کردے گا، پھر اس کو سمندر میں پھینک دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّكُمْ مُلَاقُو اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً مُشَاةً غُرْلًا قَالَ سُفْيَانُ هَذَا مِمَّا نَعُدُّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تم ننگے پیر ہوگے، ننگے بدن ہوگے، پیدل ہوگے اور غیر مختون ہوگے۔

سفیان نے کہا: ہم اس حدیث کو ان احادیث میں شمار کرتے ہیں جنہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

صحیح البخاری: ۶۵۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں حشر کے دن لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس باب کا عنوان حشر کی کیفیت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی، اور یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، اور وہ ابن دینار ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ملقوا الله" اصل میں یہ لفظ "ملاقون" تھا، اضافت کی وجہ سے نون کو ساقط کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حفاۃ" یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور حافٍ کی جمع ہے، یعنی پیروں میں نہ جوتے ہوں اور نہ موزے ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو پیروں کو چھپائے۔

اور اس کے بعد حدیث میں "عراۃ" کا ذکر ہے، یہ عارٍ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے برہنہ، یعنی ننگے بدن۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غرلاً" "الغرل" اس کو کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ کیا ہوا ہو۔

اور اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ان کا حشر اس حال میں کیا جائے گا جس حال میں یہ پہلی مرتبہ پیدا کیے گئے تھے۔ اور ان کو اس حال میں لوٹایا جائے گا جس طرح یہ ابتداء میں تھے اور ان کی کوئی چیز گم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ختنہ سے جو کھال کا حصہ بچہ کے آلہ سے کاٹ دیا جاتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ لگا ہوا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سفیان نے کہا: ہم اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات میں شمار کرتے تھے"، یعنی یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی ہوئی احادیث میں سے بہت مشہور تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۵ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنَّكُمْ مُلَاقُوا اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: بے شک تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تم ننگے پیر ہو گے، ننگے بدن ہو گے اور غیر مختون ہو گے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

۶۵۲۶ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ بن النعمان از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دے رہے تھے، پس آپ نے فرمایا: بے شک تمہارا حشر اس حال میں کیا جائے گا کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن ہو گے، (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے): جس دن

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ (المائدہ: ۱۱۷۔۱۱۸) قَالَ فَيُقَالُ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ۔

ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے، جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں O
اور بے شک قیامت کے دن مخلوقات میں سے سب سے پہلے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو لباس پہنایا جائے گا، اور بے شک میری امت میں سے کچھ مردوں کو لایا جائے گا، پس انہیں بائیں طرف سے پکڑ لیا جائے گا سو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب میں سے ہیں، پس وہ فرمائے گا: بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں، سو میں کہوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندہ نے کہا:
اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو، تو ہی ان پر نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ ہے O اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو، تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O
آپ نے فرمایا: پھر کہا جائے گا: بے شک یہ لوگ اپنی ایڑھیوں پر پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۲۴، صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

صحیح البخاری: ۶۵۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن بشار کا ذکر ہے، اور اس کے بعد اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، اور ان کا ذکر کئی مرتبہ کیا جا چکا ہے۔ اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے جو از شعبہ بن الحجاج از المغیرہ بن نعمان النخعی روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "محشورون" یہ حشر کا اسم مفعول ہے، اس کا معنی ہے: تم جمع کیے ہوئے ہو گے۔ اور دوسری روایت میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ "تحشرون" بھی ہے۔

برہنہ حشر کیے جانے پر ایک سوال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ان پر موت کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو اس کے اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس لباس میں وہ فوت ہوگا۔ سو یہ حدیث ان احادیث کے معارض ہے جن میں مذکور ہے کہ حشر کے دن ہر انسان کو برہنہ اٹھایا جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ بعض فوت شدگان کو بے لباس اٹھایا جائے گا اور بعض فوت شدگان کو لباس پہنے ہوئے اٹھایا جائے گا، یا وہ قبروں سے وہ کپڑے پہنے ہوئے نکلیں گے جن کپڑوں میں وہ فوت ہوئے تھے۔ پھر حشر کی ابتداء کے وقت ان سے وہ لباس نکال لیا جائے گا، سو ان کا برہنہ حشر کیا جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۴) جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں ○

قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لباس پہنانے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لباس پہنایا جائے گا"۔ اس حدیث پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لباس پہنانے کی کیا توجیہ ہے جب کہ آپ سید المرسلین ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے ختنہ کرنے کی سنت کو قائم کیا۔ اور ختنہ کرنے میں شرمگاہ کے بعض حصہ کو کھولنا ہے تو اس کی جزاء ان کو یہ دی گئی کہ ان کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا گیا، جیسا کہ پیاسے روزہ دار کو قیامت کے دن جزاء دی جائے گی اور اس کو 'ریان' سے پانی پلایا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے کپڑے اتار لیے گئے تھے، سو اس کی جزاء میں قیامت کے دن ان کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جسم کو شلوار کے ساتھ ستر یعنی پوشیدہ کرنے کی سنت قائم کی تھی، اس لیے قیامت کے دن ان کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ، نے "المفہم" (شرح صحیح مسلم) میں لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ تمام مخلوقات سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا تو یہاں مخلوقات سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا ہیں، کیونکہ قائل اپنے آپ کو عمومی خطاب میں داخل نہیں کرتا۔

قائل اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا، اس جواب پر علامہ قرطبی اور علامہ عینی کا رد کرنا

اور ان کے شاگرد مفسر قرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، نے "التذکرۃ" میں لکھا ہے: یہ جواب بہت

عمدہ تھا، اگر یہ حدیث نہ ہوتی جس کو امام ابن المبارک نے ''کتاب الزہد'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: قیامت کے دن سے سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو قبط کا بنا ہوا سوتی لباس پہنایا جائے گا۔ پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب یمنی چادر کا لباس پہنایا جائے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ شارح صحیح مسلم علامہ قرطبی التوفی ۶۵۶ ھ پر تعجب ہے، انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ مخلوقات میں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماسوا مخلوق مراد ہو جب کہ عام لفظ سے خاص کو کسی ایسی دلیل مستقل لفظی سے خاص کیا جاسکتا ہے جو عام کے ساتھ مقرون ہو، جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات ثابت ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن المبارک نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے وہ اس احتمال کو رد کرتی ہے۔ اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے جو اس باب کی حدیث کے موافق ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ سب سے پہلے جنت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، آپ کو جنت کا ایک حلّہ پہنایا جائے گا اور ایک کرسی لا کر اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا، پھر مجھے لایا جائے گا، پھر مجھے جنت کا ایک حلّہ پہنایا جائے گا جس کی کوئی بشر قیمت نہیں ڈال سکتا، پھر ایک کرسی لائی جائے گی اور اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قیامت کے دن پہلے ملبوس ہونا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افضلیت کا موجب ہے؟

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کسی شخص کا ایک فضیلت کے ساتھ مخصوص ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ فضیلتِ مطلقہ کا حامل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک جزوی فضیلت حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام پر کلی فضیلت ہے۔

امت کے بعض مردوں کو ''اُصیحابی'' فرمانے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے کچھ مردوں کے متعلق فرمایا ''اُصیحابی''۔ یعنی یہ میرے اصحاب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو بطورِ شفقت تصغیر کے صیغہ کے ساتھ فرمایا، کیونکہ ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نے کہا تھا''۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اس حدیث میں آپ کی امت کے جن مردوں کو مرتدین فرمایا ہے اس میں ''مرتدین'' کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے'' آپ سے کہا جائے گا: بے شک یہ لوگ اپنی ایڑھیوں پر پھر کر مرتد ہو گئے تھے''۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں مرتدین سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حقوقِ واجبہ کو ادا نہیں کیا تھا۔ اور الحمد للہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی دین سے مرتد نہیں ہوا تھا۔ عرب

کے بعض سخت دل لوگ دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے جن سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔

اور قاضی عیاض مالکی نے کہا: ان مرتدین کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم نافرمانوں کی ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کیا تھا اور دوسری قسم وہ ہے جو کفر کی طرف پلٹ گئے تھے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں مرتدین اپنے ظاہر پر محمول ہیں یعنی وہ کافر ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اس سے مراد امتِ دعوت ہے امت اجابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ منافقین ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: ان مرتدین میں مرتکبین کبائر اور مرتکبین بدعت کا دخول محال نہیں ہے۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ منافقین ہیں اور مرتدین ہیں، پس ہو سکتا ہے کہ ان کا ماتھا سفید ہو اور ان کے ہاتھ پیر بھی سفید ہوں کیونکہ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد میں سے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ماتھے اور ہاتھ پیروں کی سفیدی کو دیکھ کر ان کو ''اُصَیحابی'' فرمائیں گے کیونکہ ماتھے اور ہاتھ پیروں کا سفید ہونا ایمان اور اعمالِ صالحہ کی علامت ہے، جو مسلمان وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا ماتھا اور اس کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے۔ پھر آپ کو بتایا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد اپنے آپ کو بدل لیا، اور یہ اس حال پر فوت نہیں ہوئے جس حال پر آپ انہیں دنیا میں چھوڑ کر گئے تھے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا: سو اس وقت ان کے ماتھے اور ہاتھ پیروں کی سفیدی نکل جائے گی اور ان کا نور بجھا دیا جائے گا۔

اور علامہ الفربری نے کہا کہ امام ابو عبد اللہ البخاری نے قبیصہ سے روایت کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئے تھے، پس ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا حتیٰ کہ یہ لوگ قتل کر دیئے گئے یا کفر پر مر گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۴۔ ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علمِ رسالت پر شیخ اشرف علی تھانوی کے ایک اعتراض کے متعدد جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے کچھ مردوں کے متعلق فرمائیں گے ''اصیحابی'' یعنی یہ میرے اصحاب ہیں، حالانکہ آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مرتد ہونے کا علم نہیں تھا۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا ''انك لا تدری ما احدثوا بعدك'' (بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام کیا تھا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمنہ تک بھی کہ آخر عمر سے بہت متاخر ہے آپ پر بعض کونیات (حوادث) ظاہر نہیں ہوئے نہ بالذات نہ بالعطاء۔

(بسط البنان مع حفظ الایمان ص ۱۷، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)

ہم پہلے وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ما کان و ما یکون کا علم عطا

فرمایا تھا اور تمام ماکان و مایکون میں یہ لوگ بھی داخل ہیں جن کے متعلق قیامت کے دن آپ "أصیحابی" فرمائیں گے۔ اور جن کے متعلق آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ مرتد ہو گئے تھے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ یہ لوگ حقیقت میں آپ کے امتی اور مومن نہیں ہیں بلکہ مرتد اور کافر ہیں۔ اب آپ وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم "ماکان و مایکون" کے ثبوت میں احادیث

(۱) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے، پس آپ نے ہم کو مخلوق کی ابتداء سے خبر دی حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا، اس نے اس کو بھلا دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۹۲)

(۲) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے، آپ نے اس مقام سے لے کر قیامت تک کی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کے متعلق آپ نے بیان فرما دیا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا، اس نے بھلا دیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۱، الرقم المسلسل: ۷۱۵۷، صحیح البخاری: ۶۶۰۴، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۰)

(۳) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی اس چیز کی جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۱، الرقم المسلسل: ۷۱۶۹)

(۴) امام مسلم حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے، پس ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا، پس آپ اترے، پھر آپ نے نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھے، پس آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، پھر آپ منبر سے اترے، پس آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے، پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ "فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا احفظنا" پس آپ نے ہمیں ان تمام چیزوں کی خبر دی جو ہو چکی ہیں اور ان تمام چیزوں کی خبر دی جو ہونے والی ہیں، پس ہم میں زیادہ عالم وہ تھا جو زیادہ اس حدیث کو یاد رکھنے والا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۲، الرقم المسلسل: ۷۱۶۱)

صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کا علم عطا فرمایا گیا تھا اور اس علم کے عموم میں ان کا علم بھی شامل ہے جن کے متعلق زیر بحث حدیث میں مرتدین فرمایا ہے۔

اس پر دلائل کہ مرتدین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بالقصد اور دانستہ "أصیحابی" فرمانا محال ہے

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو "أصیحابی" فرمایا، ان کو آپ نے بے توجہی سے "أصیحابی" فرمایا تھا۔ اور اگر آپ توجہ فرماتے تو ان کو "أصیحابی" نہ فرماتے۔ کیونکہ جو لوگ مرتد ہو گئے وہ کافر ہیں اور کافر قیامت کے دن اپنی علامتوں سے اس طرح ممتاز ہوں گے کہ میدان محشر میں موجود ہر شخص ان کو پہچان لے گا کہ یہ کافر ہیں، مومن نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۰۶۔۱۰۷)

جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا: کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا، سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے O اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان کے چہرے قیامت کے دن سیاہ ہوں گے، سو اس علامت سے تو ہر شخص جان لے گا کہ یہ لوگ کافر ہیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ میرے اصحاب ہیں جب کہ آپ کے اصحاب کی شان یہ ہے کہ ان کے چہرے سفید ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے توجہی سے ان کو "اُصیحابی" فرمائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس:۴۰۔۴۲)

اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہو گی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کفار کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان پر غبار چھایا ہوا ہو گا۔ سو میدان محشر میں کفار کو دیکھ کر کسی کو ان کے بارے میں یہ شبہ نہیں ہو گا کہ یہ مومن ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شبہ کیسے ہو سکتا ہے؟

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ پر آئے، پس آپ نے فرمایا: اے مومنین کی قوم کے دار! تم پر سلام ہو، بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، اور میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو، اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے، تب صحابہ نے کہا: آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر ایک آدمی کے گھوڑے "غر محجل" (جن کے ماتھے اور ہاتھ پیر سفید ہوں) ہوں، وہ سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس بے شک میرے امتی آثار وضو کی وجہ سے "غر محجل" ہوں گے اور میں حوض پر ان کا پیشوا ہوں گا، سنو! چند لوگوں کو میرے حوض سے روکا جائے گا جیسا کہ کسی گم راہ اونٹ کو روکا جاتا ہے، میں ان کو بلاؤں گا، سنو یہاں آؤ، تو کہا جائے گا: ان لوگوں نے آپ کے بعد دین کو بدل لیا تھا، تو میں کہوں گا: (ان سے) دوری ہو، دوری ہو۔

(صحیح مسلم:۲۴۹، الرقم المسلسل:۴۷۲، سنن ابن ماجہ:۴۳۰۶، مسند احمد:۷۹۹۹)

اس حدیث میں واضح طور پر آپ نے یہ بتا دیا ہے کہ قیامت کے دن آپ اپنی امت کو ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے اور یہ لوگ جو مرتد ہو گئے تھے ان میں آپ کی امت کی نشانیاں نہیں ہوں گی تو آپ بے توجہی سے ان کو "اُصیحابی" فرمائیں گے، اور

جب آپ کو توجہ دلائی جائے گا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے تو آپ فرمائیں گے "سحقا، سحقا" (دوری ہو، دوری ہو)۔

اس حدیث کا بعض علماء نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جب آپ "أصیحابی" فرمائیں گے تو ان کی امید قائم ہو جائے گی کہ شاید ہماری نجات ہو جائے گی، اور جب آپ "سحقا، سحقا" فرمائیں گے تو ان کی امید ٹوٹ جائے گی، اور امید کا بندھ کر ٹوٹ جانا، یہ زیادہ رنج اور عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ سو آپ کا انہیں "أصیحابی" فرمانا ان کو زیادہ عذاب میں مبتلاء کرنے کے لیے تھا۔

علامہ زرقانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے ان کو "أصیحابی" فرمانا اس لیے تھا کہ ان کی امید قائم ہو، اور پھر بعد میں "سحقا، سحقا" کہہ کر ان کی امید کو توڑ دیا، اور امید بندھ کر ٹوٹ جانا زیادہ حسرت اور عذاب کا موجب ہوتا ہے۔

علامہ محمد باقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پہلے منافقین کو مسلمانوں کے حکم میں رکھا اور پھر ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا، اسی طرح ان منافقین کو پہلے مسلمانوں کی علامت کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور یہ بھی غرمحجل ہوں گے اور پھر ان کا نفاق اور ارتداد ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا جائے گا، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو "أصیحابی" فرمانا ان کے "غر محجل" ہونے کے اعتبار سے ہے، اور بعد میں "سحقا، سحقا" فرما کر ان کو اپنے حوض سے دور کر دینا، یہ ایسے ہی ہے جیسے دنیا میں آپ نے منافقین کو مسجد نبوی سے نکال دیا تھا۔ اور مرتدین پر یہ توجیہ اس طرح منطبق ہوتی ہے کہ مرتدین پہلے اسلام لائے، اور پھر دینِ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ تو آپ کا ان کو پہلے "اصیحابی" فرمانا ان کے پہلے حالِ اسلام کے اعتبار سے ہے اور بعد میں "سحقا سحقا" فرما کر ان کو حوض سے دور کر دینا ان کے ارتداد کی سزا ہے۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ یہ توجیہ زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ منافقین کو ایک نور دیا جائے گا اور ان کی ضرورت کے وقت اس نور کو بجھا دیا جائے گا، پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر ایمان کی وجہ سے ان کو نور عطا کیا تا کہ وہ اس سے دھوکا کھائیں اور ان کی ضرورت کے وقت پل صراط پر اس نور کو بجھا دیا، اسی طرح یہ بعید نہیں ہے کہ پہلے ان کے چہرے اور ہاتھ پیروں کو سفید کر کے "غرۃ" اور "تحجیل" کے ساتھ ان کا حشر کیا جائے، اور آپ اس علامت کی وجہ سے ان کو "أصیحابی" فرمائیں، اور جب ان کو حوض پر پانی پینے کی ضرورت ہو تو آپ ان کو "سحقا سحقا" فرما کر حوض سے دور کر دیں، اور اللہ تعالیٰ مکر کرنے والوں کو ان کے مکر کی یونہی جزا دیتا ہے۔ (شرح الموطا للزرقانی ج ۱ ص ۶۰، المطبعۃ الخیریہ، مصر)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، پس جو اچھا عمل ہوتا ہے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اور جو برا عمل ہوتا ہے میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ امام بزار نے اس حدیث کو سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اب اشکال یہ ہے کہ جب آپ کو امت کے احوال معلوم ہوتے ہیں تو پھر آپ ان مرتدین کو "أصیحابی" کیوں فرمائیں گے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ پر امت کے اعمال اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں، پس کہا جاتا ہے کہ آپ کی امت نے برا کام

کیا یا اچھا کام کیا، اور کام کرنے والوں کی تعیین کے بغیر اعمال پیش کیے جاتے ہیں، لیکن یہ جواب بعید ہے، کیونکہ ابن المبارک نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ ہر روز صبح و شام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ امت کو وضو کے آثار اور ان کے اعمال سے پہچانیں گے اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو "اُصیحابی" کہہ کر ندا کرنا ان میں زیادہ حسرت اور عذاب پیدا کرنے کے لیے ہے، کیونکہ جب آپ ان کو "اصیحابی" کہہ کر فرمائیں گے تو ان کو نجات کی امید مل جائے گی اور جب آپ "سحقا سحقا" فرمائیں گے تو ان کی امید ٹوٹ جائے گی اور امید بندھ کر ٹوٹ جانا زیادہ حسرت اور عذاب کا سبب ہے، اور فرشتوں کا یہ کہنا کہ انہوں نے دین بدل لیا تھا، یہ بھی ان میں زیادہ اور عذاب کا سبب ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح الموطا میں یہی جواب دیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۲-۴۱۳، مکتبۃ الحجاز، کراچی)

مشہور دیوبندی عالم شیخ زکریا لکھتے ہیں:

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اگر عرضِ اعمال کی احادیث صحیح ہوں تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وقت وہ لوگ آپ کے ذہن میں محفوظ رہیں خاص طور پر حشر کے وقت بھی۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ان کے ارتداد اور نفاق کا علم ہو لیکن محشر کی حشر سامانیوں کی بناء پر اس طرف توجہ نہ رہے۔ (اوجز المسالک ج ۱ ص ۶۲، المکتبۃ الیحیویہ، سہارنپور)

ہم نے قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ، مشاہیر علماءِ اسلام اور خصوصاً علمائے دیوبند کی تصریحات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مرتدین کو "اُصیحابی" فرمانا آپ کے علمِ کلی اور علمِ ما کان و ما یکون کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۶۵۲۷۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن ابی صغیرہ نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد بن ابی بکر نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ننگے پیر، ننگے بدن، غیر مختون حال میں حشر کیا جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: معاملہ اس سے بہت شدید ہوگا کہ وہ اس کا قصد کریں۔

(صحیح مسلم: ۲۸۵۹، سنن نسائی: ۲۰۸۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۶، مسند احمد: ۲۴۲۶۴)

صحیح البخاری: ۶۵۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں قیس بن حفص کا ذکر ہے، یہ ابومحمد دارمی البصری ہیں جن کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ یہ امام بخاری کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن الحارث کا ذکر ہے، یہ ابوعثمان الھجیمی ہیں جن کی وفات ۱۸۶ھ میں ہوئی تھی۔ اور یہ امام بخاری کے منفرد رواۃ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حاتم بن ابی صغیرہ کا ذکر ہے، ان کا نام مسلم القشیری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی مُلیکہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی مُلیکہ ہیں۔ ان کا نام زُہیر الاحول المکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "معاملہ اس سے بہت شدید ہوگا کہ وہ اس کا قصد کریں"۔ یعنی محشر میں اتنی شدت ہوگی کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ستر دیکھنے کا خیال نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۵۔۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ فِي قُبَّةٍ فَقَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَذَلِكَ أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از عمرو بن میمون از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا چوتھا حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! بے شک میں ضرور امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہوگے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جنت میں صرف مسلمان شخص داخل ہوگا۔ اور تمہاری نسبت مشرکین کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہوتا ہے یا سرخ بیل کی کھال میں ایک سیاہ بال ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۴۲، صحیح مسلم: ۲۲۱، سنن ترمذی: ۲۵۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۸۳، مسند احمد: ۳۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۵۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث کا عنوان ہے حشر کی کیفیت، اور اس حدیث میں مسلمانوں کے جنت میں دخول کی تعداد کا بیان ہے۔ بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے لیکن مسلمانوں کا جنت میں دخول حشر کے بعد ہوگا، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کے رجال کا ذکر کئی مرتبہ ہو چکا ہے۔ اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور ابو اسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن میمون الازدی کا ذکر ہے، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا اور یہ ان میں تھے جنہوں نے بندروں کو ایک زانیہ بندریہ کو رجم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے" صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اس خیمہ میں چالیس مرد تھے اور وہ خیمہ چمڑے کا تھا۔

اہلِ جنت کی تعداد کے متعلق تدریجاً بشارت

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے چوتھائی حصہ کا ذکر کیا، پھر تیسرے حصہ کا ذکر کیا، پھر نصف حصہ کا ذکر کیا۔ آپ نے تدریجاً مسلمانوں کی تعداد کے اضافہ کو بیان فرمایا۔ اور یہ اس لیے تھا کہ یہ بشارت صحابہ کے ذہن میں پختہ اور مؤکد ہو جائے۔ اور ابو صالح کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا دو تہائی حصہ ہو گے۔

اس حدیث کی ابو سعید نے روایت کی ہے اور یہ کلبی کی روایت ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ یہ اضافہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کلبی ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام احمد کی روایت اس طرح ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا چوتھائی حصہ ہو گے بلکہ تم اہلِ جنت کا تیسرا حصہ ہو گے بلکہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہو گے۔ اور امام ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس (١٢٠) صفیں ہوں گی اور میری امت کی ان میں سے اسی (٨٠) صفیں ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تم مشرکین کی بہ نسبت ایسے ہو گے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہو"۔ اس حدیث میں "أو" کا لفظ ہے جس کا معنی "یا" ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں ایک بال کا اطلاق کیا ہے اور اس سے حقیقتِ وحدت مراد نہیں ہے، کیونکہ بیل میں کوئی ایک بال اس کے رنگ کے خلاف نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٦٦۔ ١٦٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٥٢٩۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل

عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ آدَمُ فَتَرَاءَى ذُرِّيَّتُهُ فَيُقَالُ هَذَا أَبُوكُمْ آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ جَهَنَّمَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ كَمْ أُخْرِجُ فَيَقُولُ أَخْرِجْ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا أُخِذَ مِنَّا مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ فَمَاذَا يَبْقَى مِنَّا قَالَ إِنَّ أُمَّتِي فِي الْأُمَمِ كَالشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ۔ (مسند احمد: ۸۶۹۶)

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از ثور از ابی الغیث از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے قیامت کے دن (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو بلایا جائے گا، پس ان کی اولاد ان کو دیکھے گی، پس کہا جائے گا: یہ تمہارے باپ آدم ہیں۔ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کہیں گے "لبیك وسعدیك" (پس اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: اپنی اولاد میں سے ان کو جہنم سے نکال لو جن کو جہنم میں بھیجا گیا ہے، (حضرت) آدم (علیہ السلام) کہیں گے: اے میرے رب! کتنے نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر سو میں سے ننانوے نکال لو۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! جب ہم میں سے ہر سو میں سے ننانوے جہنم میں ہوں گے پھر تو ہم میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، آپ نے فرمایا: بے شک میری امت دوسری امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل کے اندر ہو۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث کا عنوان ہے "کیفیتِ حشر" اور اس حدیث میں جہنم سے بعض اولادِ آدم کو نکالنے کا ذکر ہے۔ سو بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: جہنم سے بعض اولادِ آدم کا نکالنا حشر کے مرحلہ کے بعد ہوگا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ان کے بھائی عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثور کا ذکر ہے، وہ ابن زید دیلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالغیث کا ذکر ہے، یہ سالم ہیں جو عبداللہ بن مطیع کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور یہ تمام راوی مدنی ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''فتراء ی''یعنی آدم علیہ السلام لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں گے اور وہ ان کو دیکھیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اخرج''یہ اخراج سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: نکالو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''بعث جھنم''یعنی جو لوگ دوزخ میں ہیں، اور جو اس کے مستحق ہو گئے کہ ان کو دوزخ میں بھیجا جائے۔ یعنی ان میں سے ایک کو نکال دو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حشر کے متعلق قرآن مجید کی متعارض آیات

حشر کے متعلق قرآن مجید کی ایسی آیات ہیں جن میں بہ ظاہر تعارض ہے۔ ان میں سے درج ذیل آیات ہیں:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (یونس:۴۵)

اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) دن کی صرف ایک گھڑی بھر رہے ہیں، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۗ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۗ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو موہنوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کیلئے اور بھڑکا دیں گے O

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (یٰس:۵۲)

وہ کہیں گے: ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا، یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا O

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف:۶)

پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے O

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دوزخیوں سے سوال کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو جواب دیں گے۔ اور سوال جبھی ہوگا جب وہ سنیں گے اور جواب تبھی دیں گے جب وہ ناطق ہوں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل: ۹۷ میں فرمایا ہے کہ''وہ

گونگے اور بہرے ہوں گے''، اور یہ تعارض ہے۔ اور یونس:۴۵ میں فرمایا ہے ''وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے'' اور بنی اسرائیل:۹۷ میں فرمایا ہے کہ ''وہ اندھے ہوں گے'' تو جب وہ اندھے ہوں گے تو کیسے ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور یس:۵۲ میں فرمایا ہے ''کہ وہ کہیں گے: ہائے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا'' یعنی وہ بولتے ہوں گے۔ حالانکہ بنی اسرائیل:۹۷ میں فرمایا ہے کہ ''وہ گونگے ہوں گے'' تو پھر وہ کیسے بولیں گے؟۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿﴾ (طٰہٰ:۱۰۲)
جس دن میں صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی O

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿﴾ (یس:۵۱)
اور صور پھونک دیا جائے گا، پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے O

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿﴾ (المعارج:۴۳)
جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O

یس:۵۱ میں فرمایا ہے ''وہ تیزی سے چل رہے ہوں گے'' اور المعارج:۴۳ میں فرمایا ہے ''وہ دوڑ رہے ہوں گے'' اور تیزی سے چلنا اور دوڑنا باہم متعارض ہیں۔

تعارضِ مذکور کا جواب

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جب لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور وہ حشر کی طرف آئیں گے تو نہ ان کا ایک حال ہوگا، نہ ان کا ایک مقام ہوگا اور نہ ان کے ٹھہرنے کی ایک جگہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ پانچ احوال ہیں:

(۱) جس حال میں انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا (۲) جس حال میں وہ حساب کی جگہ کی طرف جائیں گے (۳) جس حال میں ان کا حساب ہوگا (۴) جس حال میں وہ دارالجزاء کی طرف جائیں گے (۵) جس حال میں وہ دارالجزاء میں قیام کریں گے اور جس میں وہ مستقر رہیں گے۔

پہلا حال: جب مشرکین کو قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا

کفار کے اس حال میں حواس اور اعضاء کامل ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ'' (یونس:۴۵)، یعنی وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿﴾'' (طٰہٰ:۱۰۳) یعنی وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: تم صرف دس دن ٹھہرے تھے O اور فرمایا ''فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿﴾'' (الصّٰفّٰت:۱۹) یعنی پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا
اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟ O وہ کہیں

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (المومنون:۱۱۲۔۱۱۵)

گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے O اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے، کاش! تم نے پہلے جان لیا ہوتا O کیا پس تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے O

دوسرا حال: جب وہ حساب کی جگہ پر جائیں گے

مشرکین کے اس حال میں بھی حواس کامل ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۲۲)

ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے، (ان سب کو) جمع کرو O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو راستہ دکھاؤ اور ان کی رہنمائی کرو اور جو اندھا اور بہرا ہو اس کے لیے رہنمائی نہیں ہوسکتی۔ اور جو گونگا ہو وہ سوال نہیں کرسکتا، پس اس سے ثابت ہوا کہ اس حال میں ان کی آنکھیں بھی ہوں گی اور کان بھی ہوں گے اور بولنے والی زبانیں بھی ہوں گی۔

تیسرا حال: جب ان سے حساب ہوگا

مشرکین کے اس حال میں بھی حواس کامل ہوں گے تا کہ وہ سنیں کہ ان سے کیا کہا جارہا ہے اور وہ اپنے صحائفِ اعمال میں پڑھیں جو ان کے اعمال بول رہے ہوں گے۔ اور ان کے خلاف ان کے اعضاء ان کے گناہوں کی گواہی دے رہے ہوں گے اور وہ ان کو سنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ بولیں گے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (الکہف:۴۹)

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا، پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوف زدہ ہوں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! اس نامہ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کرلیا ہے، اور انہوں نے جو بھی عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا O

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۗ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (حم السجدہ:۲۱)

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کردیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

تا کہ یہ لوگ قیامت کے احوال کا مشاہدہ کریں اور جن احوال کی دنیا میں یہ تکذیب کرتے تھے ان کو دیکھیں۔

چوتھا حال: جب مشرکین کو دار الجزاء کی طرف لے جایا جائے گا

اس حال میں ان کی سماعت اور بصارت کو اور زبانوں کو سلب کر لیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا ﴿۹۷﴾ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ (الرحمٰن: ۴۱)

(اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے، اور ان کو ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا ○

اس آیت میں بھی اس طرح اشارہ ہے کہ ان کی بینائی، سماعت اور گویائی کو سلب کر لیا جائے گا۔

پانچواں حال: جب مشرکین کا دوزخ میں قیام اور استقرار ہوگا

اس کی دو قسمیں ہیں: ایک ابتدائی حال ہے اور ایک انتہائی حال ہے۔ پس جب وہ محشر میں حساب کی جگہ سے دوزخ کے کنارے تک کی مسافت کو قطع کریں گے تو اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ یہ حال ان کی ذلت کے لیے طاری کیا جائے گا اور ان کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے طاری کیا جائے گا۔ پھر بعد میں ان کے حواس ان کی طرف لوٹا دیے جائیں گے تا کہ یہ دوزخ کو دیکھیں اور دوزخ میں جو ان کے لیے عذاب تیار کیا گیا ہے اس کو دیکھیں اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں اور ہر اس چیز کو دیکھیں جس کی دنیا میں تکذیب کرتے تھے، پھر یہ دوزخ میں ٹھہریں گے اس حال میں کہ وہ بولتے ہوں گے دیکھتے ہوں گے اور سنتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ ﴿۴۵﴾ (الشوریٰ: ۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا، سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں ○

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾ (الانعام: ۲۷)

اور (اے مخاطب!) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور

مومنوں میں سے ہو جائیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:۳۸)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ، جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں، جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا، سو توان کو دگنا آگ کا عذاب دے، اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝ (الملک:۸)

گویا وہ (دوزخ) ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی، جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ O

اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۝ (الاعراف:۵۰)

اور اہل دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے: ہم پر تھوڑا پانی انڈیل دو، یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے، تو (اہل جنت) کہیں گے: بے شک اللہ نے یہ پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے O

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکار کر کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الاعراف:۴۴)

اور اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو O

اور دوزخی دوزخ کے محافظین سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ

اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا

يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ (المومن:۴۹) کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے O

اور دوزخ کے محافظین ان کو جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ (المومن:۵۰) محافظ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں، محافظ کہیں گے: پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی ہوتی ہے O

اور ان کا انجام اور مآل یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ (المومنون:۱۰۷۔۱۰۸) اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے O (اللہ) فرمائے گا: تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو O

پھر ان پر دوام اور خلود کو لکھ دیا جائے گا اور اس کے لیے ایک مثال بیان کی جائے گی کہ ایک مینڈھا لایا جائے گا اور اس کا نام موت رکھا جائے گا، پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا اور دوام اور خلود کا اعلان کر دیا جائے گا۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۸۳)

اور اس موقف میں ان کی سماعت کو سلب کر لیا جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ ان کی بصارت کو بھی سلب کر لیا جائے لیکن سماعت کا سلب ہونا یقینی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ (الانبیاء:۱۰۰) انکی اسی میں چیخ وپکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے O

پس جب ان کی سماعت سلب کر لی جائے گی تو وہ صرف چیخ وپکار کرتے رہیں گے اور چنگھاڑتے رہیں گے۔

ابن معبد نے اپنی کتاب "الطاعة" میں الضحاک سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا "اخسئوا" یعنی تم اسی (دوزخ) میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو، تو اس وقت وہ بہرے ہوں گے نہ سنتے ہوں گے اور نہ بولتے ہوں گے اور اندھے ہوں گے دیکھتے نہیں ہوں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ان کی سماعت کو سلب کرنے کی یہ حکمت ہو کہ دنیا میں انہوں نے اپنے رب عزوجل کی نداء کو رسولوں کی زبان سے سنا تو انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ اس کا انکار کیا اور جھٹلایا جب کہ ان کے رسولوں کے صدق پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں ان پر حجت سنانا تھی تو ان کے کفر کی آخرت میں سزا دی کہ ان سے سماعت کو سلب کر لیا۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے رسول سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ (حم السجدہ:۵) اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کیجیے، ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O

اور نیز کفار نے دنیا میں کہا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ (حم السجدہ:۲۶)

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قراءت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ O

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اپنے اوپر موٹی چادریں ڈال لیتے تھے اور اپنے سینوں کو موڑ لیتے تھے تا کہ نہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیں اور نہ آپ کا وعظ سنیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق بھی کفار کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾ (ہود:۵)

سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تا کہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O

سو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں مشرکین سے دوزخ میں ان کی بصارت کو سلب کر لیا تا کہ وہ دیکھ نہ سکیں اور عبرت حاصل نہ کر سکیں۔ اور نطق کو سلب کر لیا کیونکہ ان کو بصارت اور نطق دیا گیا تھا لیکن انہوں نے کفر کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۰-۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۶۔ بَابُ: قَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ (الحج:۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے O''

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ (النجم:۵۷) — قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر:۱) — قیامت قریب آ گئی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا زلزلہ یعنی قیامت کے دن کا اضطراب بہت سنگین چیز ہے۔

اس عنوان میں ''ساعۃ'' کا لفظ ہے، اصل میں ساعت کا معنی ہے: زمانہ کا ایک جزو۔ اور اس کا استعارہ قیامت کے دن کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور الزجاج نے کہا: ساعت کا معنی ہے وہ وقت جس میں قیامت واقع ہوگی۔ ایک قول یہ ہے کہ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اچانک واقع ہوگی۔ یا قیامت کا وقت بہت طویل ہوگا اس وجہ سے اس کو ساعت کہا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ اس وقت میں بہت تیزی کے ساتھ حساب لیا جائے گا۔ یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت بہت خفیف ہوگی حالانکہ لوگوں پر قیامت کا وقت بہت طویل گزرے گا۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ''اَزِفَ'' ماضی کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے قرب، یعنی قیامت کا وقت قریب آ گیا اور اس کی میعاد نزدیک آ گئی۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''قیامت قریب آ گئی''۔ علامہ ابن کیسان نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ چاند شق ہو گیا اور قیامت قریب آ گئی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ عنقریب چاند شق ہو گا اور علماء اس کے خلاف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷۔۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۰۔ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ اللهُ يَا آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ قَالَ يَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝﴾ (الحج:۲) فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّنَا ذَلِكَ الرَّجُلُ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا وَمِنْكُمْ رَجُلٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ فَحَمِدْنَا اللهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو صالح از حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے آدم! پس وہ کہیں گے ''لبیک وسعدیک'' میں حاضر ہوں تیرے حکم کی اطاعت کے لیے کھڑا ہوں اور تمام بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دوزخ میں بھیجے ہوئے لوگوں کو نکالو، تو وہ کہیں گے: دوزخ میں بھیجے ہوئے کتنے لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے (دوزخ میں ہیں)، پس یہ وہ وقت ہے جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے: اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ۝

سو یہ بات صحابہ کو بہت سخت معلوم ہوئی، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ ایک شخص ہم میں سے کون ہو گا؟ آپ نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو، تم میں سے ایک شخص ہو گا اور ایک ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میری یہ خواہش ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو۔ ابو سعید نے بیان کیا: پس ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میری خواہش ہے کہ تم اہل اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا جنت کا نصف ہو، بے شک تمام امتوں میں تمہاری مثال

ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہو۔ یا وہ سفید داغ جو گدھے کے اگلے پیر میں ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰، ۷۴۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۲، مسند احمد: ۱۰۸۹۲)

صحیح البخاری: ۶۵۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "آپ نے فرمایا: قیامت کا وقت وہ ہے جب بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا۔۔ الی آخر الآیۃ"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں۔ ان کی دو سو باون ہجری (۲۵۲ھ) میں بغداد میں وفات ہوئی۔ اور اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور ابوصالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔ اور ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے یاجوج اور ماجوج کے قصہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں یہ حدیث حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "والخیر فی یدیک" یعنی تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔ یہ جملہ بطور ادب فرمایا ہے ورنہ خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اس کی قدرت میں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے حسن ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل قبیح نہیں ہے۔ فعل کا اچھا اور برا ہونا بندوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من کل الف" یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں ہوں گے۔ اور اس سے پہلے باب کی حدیث میں گزرا ہے کہ "ہر سو میں سے ننانوے دوزخ میں ہوں گے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدد کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوتا، یعنی کسی عدد کے ساتھ تخصیص اس عدد سے زائد کی نفی نہیں کرتی۔ یا ان دونوں حدیثوں سے مقصود ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ مومنین کا عدد قلیل ہوگا اور کافرین کا عدد کثیر ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما بعث النار" یعنی جو لوگ دوزخ میں بھیجے گئے ہیں ان کی مقدار کتنی ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "فذاک" اس میں اس وقت کی طرف اشارہ ہے جس وقت میں چھوٹا بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس چیز کا وقوع محشر میں ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ معاملہ قیامت کے دن سے پہلے ہوگا، کیونکہ قیامت میں نہ تو حمل ہے اور نہ وضع حمل ہے اور نہ

بوڑھا ہونا ہے۔اور حدیث ان پر رد کرتی ہے۔

علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ لوگوں کو قیامت سے ڈرانے کی ایک مثال ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیامت کے حال کی شدت اور سنگینی سے کنایہ ہے اس حیثیت سے کہ اگر اس دن حاملہ عورتیں ہوتیں تو ان کے حمل ساقط ہو جاتے اور اگر بچے ہوتے تو وہ بوڑھے ہو جاتے، جیسے عرب کہتے ہیں ''ہم پر ایسی سختی آئی ہے کہ اس سختی کے اندر بچہ بوڑھا ہو جائے''۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''اتینا ذالک رجل''یعنی ہزار دوزخیوں میں سے جس ایک کا استثنیٰ کیا گیا ہے وہ مرد کون ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے''ابشروا'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے''اعملوا وابشروا''یعنی عمل کرو اور بشارت دو۔اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ تم قریب بہ صحت عمل کرو اور درست عمل کرو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''ومنکم رجل''یعنی جو ایک مرد دوزخ سے نکالا جائے گا وہ ایک مرد ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''من یاجوج وماجوج الف''یعنی جس طرح مشرکین دوزخ میں ہوں گے،اسی طرح یاجوج اور ماجوج میں سے بھی ایک ہزار دوزخ میں ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اوالرقمۃ''اس سے مراد ہے:وہ نشان اور وہ اثر جو گدھے کے اگلے پاؤں کے باطن میں ہوتے ہیں۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ یہاں دو مثالیں دی ہیں،ایک مثال ہے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں سفید بال ہو،دوسری مثال ہے جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں سفید داغ ہو۔اور ان دونوں مثالوں کی مقداروں میں تو بہت فرق ہے۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ دونوں مثالوں میں سے غرض ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ مومنین کا عدد کم ہوگا بہ نسبت کافروں کے اور یہ بہت زیادہ کم ہے اور یہ مقصد دونوں مثالوں سے حاصل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۸۔۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۵۳۰،کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفار کے نابالغ بچے بھی جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ''حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا''اور جو بچہ ساقط ہوگا وہ مرد ہوگا،پس مسلمانوں کے بچے اپنے آباء کی شفاعت کریں گے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کفار کے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ کفار کے بچے بھی جنت میں ہوں گے۔

الحج:۱ میں فرمایا ہے:''اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝''کہ قیامت کا زلزلہ سنگین چیز ہے۔حالانکہ قیامت کا زلزلہ تو موجود نہیں ہے اور اس کو''شَيْءٌ عَظِيْمٌ''فرمایا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز موجود نہ ہو اس کو بھی''شَيْءٌ''کہنا جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰،ص ۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۷۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ: اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (المطففین: ۴۔۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا؟ ۝ بہت بڑے دن میں ۝ جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۝

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ (البقرہ:۱۶۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اور ان کے تمام وسائل منقطع ہو جائیں گے ۝''

قَالَ: اَلْوُصُلَاتُ فِی الدُّنْیَا۔

انہوں نے کہا: اس سے مراد ہے کہ دنیا میں جن رشتوں کے ساتھ وہ ملے ہوئے رہتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المطففین: ۴ میں فرمایا ہے ''اَلَا یَظُنُّ'' اور یہاں پر ظن بمعنی یقین کے ہے یعنی کیا ان کو یہ یقین نہیں ہے کہ یہ مبعوث ہوں گے، پھر ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کیا کام کیے تھے۔ اور المطففین: ۵ میں فرمایا ہے ''لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝'' یعنی قیامت کے دن، اور المطففین: ۶ میں فرمایا ہے ''جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے'' تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ان کے اعمال کا فیصلہ فرمائے۔ کعب احبار نے کہا ہے کہ وہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور مقاتل نے کہا ہے: جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المطففین: ۶ کی تفسیر میں فرمایا: ''حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا''۔ (صحیح البخاری: ۴۹۳۸، سنن ترمذی: ۳۳۳۵، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۸)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہوگا، پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے، کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کی کوکھوں تک پسینہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۴، سنن ترمذی: ۲۴۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۴۔۳، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۶۰۲، صحیح ابن حبان: ۷۳۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مومن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، مسند ابویعلیٰ: ۱۳۹۰، صحیح ابن حبان: ۷۳۳۴)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے جود اور لطف سے ہمیں بھی ان مقرب لوگوں کے گروہ میں شامل فرما دے۔ آمین

اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے انتظار میں کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾'' (البقرہ: ۱۶۹)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد رحم کے رشتے ہیں۔

اور قتادہ سے منقول ہے: اسباب سے مراد لوگوں کے آپس میں وہ تعلقات ہیں جن تعلقات کو دنیا میں وہ ملا کر رکھتے تھے۔ اور جن تعلقات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، قیامت کے دن وہ تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۹۔ ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾﴾ (المطففین: ۶) قَالَ يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، (آپ نے یہ آیت پڑھی:)
''جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۝''
آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۳۸، ۶۵۳۱، صحیح مسلم: ۲۸۶۲، سنن ترمذی: ۳۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۸، مسند احمد: ۵۷۸۹)

صحیح البخاری: ۶۵۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں ''المطففین: ۶'' کا ذکر ہے اور باب کے عنوان میں بھی یہی آیت مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابان، یہ الوراق الوزان الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن یونس، یہ ابن اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی الکوفی ہیں، یہ شام کی جانب میں ایک جگہ سکونت پذیر تھے جس کا نام ''الحدث'' تھا اور وہیں ان کی ۱۹۱ھ میں وفات ہوئی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عون، اور وہ عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی رشحه"۔ "الرشح" کا معنی ہے: پسینہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انصاف اذنیه" اس میں اُذن کے تثنیہ کی اضافت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا (التحریم: ۴) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جمع کی اضافت ضمیرِ مخاطب کی طرف ہے۔ اور اس حدیث میں تثنیہ کی اضافت ہے اور اس میں یہ فرق ہوسکتا ہے کہ جب کہ ہر شخص کے لیے دو کان ہوتے ہیں تو یہ ایسا ہے جیسے جمع کی اضافت اس کی مثل کی طرف ہو۔ علاوہ ازیں کم سے کم جمع کے دو فرد ہوتے ہیں۔ سو گویا یہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔

حشر کے دن لوگوں کے پسینہ کے متعلق متعدد روایات

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب میں احادیثِ مختلفہ روایت کی گئی ہیں:

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج قریب ہوگا حتیٰ کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچ جائے گا۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۶۹، ۳۵۰۹)

اور امام طبرانی اور امام ابو یعلیٰ نے ابو الاحوص کی حدیث از حضرت عبداللہ روایت کی ہے جس کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کو قیامت کے دن اس کے پسینہ کی لگام ڈالی جائے گی اس دن کے طول کی وجہ سے، حتیٰ کہ وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! مجھے راحت دے خواہ دوزخ کی طرف۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۸ ص ۳۶۳، ۸۸۸۱)

اور امام مسلم نے سلیم بن عامر کی حدیث از حضرت مقداد رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج کو بندوں کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ایک میل یا دو میل کے اندازہ پر ہوگا۔ سلیم بن عامر نے کہا: میں از خود نہیں جانتا کہ ان دو میلوں سے کیا مراد ہے؟ یا زمین کی مسافت مراد ہے یا میل سے مراد سرمہ دانی کی سلائی ہے، پس سورج ان کو جھکا دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، پس ان میں سے بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا اور بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بن جائے گا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا، پس میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۶۴)

اور امام حاکم نے از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورج قیامت کے دن زمین کے قریب ہوگا، پس لوگ پسینوں میں ہوں گے، پس بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی ایڑھی تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی آدھی پنڈلی تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے گھٹنوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی رانوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی کوکھوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے کندھوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے منہ تک پہنچے گا، پھر آپ نے

اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پس اس کی لگام بنائی۔ اوران میں سے بعض وہ ہیں کہ پسینہ اس کو ڈھانپ لے گا اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر اس طرح رکھا۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷)

اور امام ابن ابی شیبہ نے از سلمان الخیر روایت کی ہے، انہوں نے کہا: قیامت کے دن سورج کو دس سال کی گرمی دی جائے گی، پھر سورج لوگوں کی کھوپڑیوں کے قریب ہو گا حتیٰ کہ قاب قوسین کی مقدار پر ہو گا، پھر لوگوں کو پسینہ آئے گا حتیٰ کہ پسینہ زمین پر ان کی قامت کے برابر گر رہا ہو گا، پھر سورج بلند ہو گا حتیٰ کہ ایک مرد کا سانس اکھڑنے لگے گا، سلمان نے کہا حتیٰ کہ مرد کہے گا "غر غر"۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: سورج کی اس تیز گرمی سے کامل مومن کو ضرر نہیں ہو گا، یا جو عرش کے سائے میں ہو گا اس کو ضرر نہیں ہو گا۔

اور سلمان سے مروی ہے: سورج کی گرمی کو کوئی مومن مرد اور مومن عورت نہیں پائیں گے، رہے کفار تو سورج ان کو جلا دے گا حتیٰ کہ ان کے جلنے سے "عق عق" کی آواز سنائی دے گی۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ حدیث روایت کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس دن بہت زیادہ تکلیف ہو گی حتیٰ کہ کافر کے منہ میں پسینہ سے لگام ہو گی، ان سے پوچھا گیا: پھر مومن کہاں ہوں گے؟ انہوں نے کہا: وہ سونے کی ایک کرسی پر ہوں گے اور ان پر بادل سایہ کرے گا۔ اور ابوظبیان سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ نے کہا: سورج ان کے سروں پر ہو گا اور ان کے اعمال ان پر سایہ کریں گے۔ (تفسیر مجاہد ج ۲ ص ۷۳۴)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۰۔۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۲۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۳، مسند احمد: ۹۱۴۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ثور بن زید از ابو الغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ پسینوں میں ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک نیچے چلا جائے گا اور پسینہ ان کی لگام بن جائے گا حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد العزیز بن عبد اللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو الغیث کا ذکر ہے، یہ سالم ہیں۔

پسینہ کی کثرت کا سبب

پسینہ کی کثرت کا سبب قیامت کی مسلسل ہولناکیاں ہیں اور لوگوں کا رش ہے اور سورج کا قریب ہونا ہے۔ اور پسینہ کی مقدار کے اختلاف کا جو احادیث میں ذکر ہے، یہ ان کے اعمال کے اختلاف کے اعتبار سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کے پسینہ کے متعلق مزید احادیث

امام ابن المبارک نے اپنی ''رقائق'' میں شہر بن حوشب کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث بیان کی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات میں سے امتوں کو جمع فرمائے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن ہوں گے اور ذلیل ہوں گے اور زمین کے بادشاہوں سے ان کے ملک کو اللہ تعالیٰ چھین لے گا اور ان کی سرکشی کے بعد ان پر پستی کو لازم کر دے گا اور وہ جو اللہ کی زمین میں اللہ کے بندوں پر جبر کرتے ہیں اس کے بعد ان پر ذلت کو لازم کر دے گا حتیٰ کہ جب وہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے موقف میں پہنچیں گے تو سورج کو سات سال کی گرمی پہنائی جائے گی، پھر سورج کو مخلوقات کے قریب کیا جائے گا جتنا ایک قوس یا دو قوسوں کا فاصلہ ہے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ج ۱ ص ۴۶۷)

الوائلی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین: ۶) ''جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے''O

پھر آپ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم سب کو اللہ تعالیٰ اس طرح جمع کرے گا جس طرح تیروں کو ترکش میں جمع کیا جاتا ہے جو اس دن میں پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷۲)

قیامت کے پسینہ کے متعلق علماء امت کے اقاویل

امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ ''کشف علوم الآخرۃ'' میں لکھتے ہیں: لوگوں کے پسینہ میں ڈوبنے کی مختلف اقسام ہوں گی، بعض وہ لوگ ہوں گے جن کو تھوڑا سا پسینہ آئے گا جیسے کوئی آدمی حمام میں بیٹھا ہوا ہو۔ اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ ان کو اتنا پسینہ آئے گا جیسے کوئی پیاسا آدمی پانی پیئے تو اس کو تراوٹ پہنچتی ہے۔ اور یہ کیونکر نہیں ہوگا حتیٰ کہ سورج لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی ایک اپنا ہاتھ سر پر رکھے تو اس کو سورج کی گرمی ستر درجہ زیادہ محسوس ہوگی۔

اور بعض سلف صالحین نے کہا ہے کہ اگر سورج زمین پر اس طرح طلوع ہو جس طرح قیامت کے دن طلوع ہوگا تو پوری روئے زمین جل جائے گی اور چٹانیں پگھل جائیں گی اور دریا سوکھ جائیں گے۔ سو وہ ہزار سال تک اسی طرح کھڑے رہیں گے۔ پھر اسی طرح وہ موج در موج ایک ہزار سال تک پھرتے رہیں گے اور اللہ عزوجل ان سے کوئی ایک بات بھی نہیں کرے گا۔ پس اس وقت

لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اوران سے شفاعت کا سوال کریں گے تاکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے حساب لے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنے پسینہ کے ساتھ ہوگا، پس وہ اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوب جائے گا اور اس کی دونوں جانبوں میں پسینہ ہوگا اور یہ دنیا کے معمولات کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب لوگوں کی جماعت کسی ہموار زمین میں کھڑی ہو اوران پر پانی گرے تو وہ اس میں مختلف نہیں ہوتے اور حشر کے دن لوگ پسینہ کی مقدار میں مختلف ہوں گے اور یہ خلاف عادت ہے۔ اور ابن برجان نے اپنی کتاب میں اس کی مثال بیان کی ہے کہ مومن اپنے نورِ ایمان کے ساتھ لوگوں کے درمیان چلتا ہے اور کافر اپنے کفر کے اندھیروں میں ہوتا ہے اور مومن کو اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھتا ہے اور اس کو کافی ہوتا ہے اور کافر اور گناہ گار اپنی رسوائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی پناہ میں نہیں ہوتے۔ اور سنت پر عمل کرنے والا مومن یقین کی ٹھنڈک سے سیراب کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے حسن کی وجہ سے وہ ہدایت کے راستوں پہ چلتا ہے اور بدعتی پیاسا رہتا ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے: دنیا میں مومن کو جو اللہ کی راہ میں عمل کرنے سے پسینہ آتا ہے مثلاً جہاد کرنے سے، حج کرنے سے، نمازوں میں قیام کرنے سے، روزے رکھنے سے، کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لیے آنے جانے کی وجہ سے اور کسی نیک کام کا حکم دینے کی مشقت اٹھانے کی وجہ سے، یا کسی برائی سے روکنے اور منع کرنے کی وجہ سے۔ پس عنقریب قیامت کے دن اس کو برے کاموں سے حیا کی وجہ سے رکنے اور خوفِ خدا کی وجہ سے گناہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ پسینہ کی شدت سے نکل جائے گا۔ اور اگر ابن آدم جہالت اور غرور سے سلامت رہے تو وہ ضرور جان لے گا کہ دنیا کے مصائب کو برداشت کرنے میں جو پسینہ آتا ہے، یہ اس سے کہیں آسان ہے جو اسے قیامت کے دن انتظار کرنے کی وجہ سے پسینہ آئے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۰۔ ۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۸۔ بَابُ: الْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن بدلہ لیے جانے کا بیان

وَهِيَ الْحَاقَّةُ لِأَنَّ فِيهَا الثَّوَابَ وَحَوَاقَّ الْأُمُورِ الْحَقَّةُ وَ الْحَاقَّةُ وَاحِدٌ

قیامت کو "الحاقة" کہتے ہیں، کیونکہ اس دن میں بدلہ ملتا ہے اور ثابت شدہ امور ہوتے ہیں۔ اور "الحقة" اور "الحاقة" دونوں کا ایک معنی ہے۔

وَ الْقَارِعَةُ وَالْغَاشِيَةُ وَ الصَّاخَّةُ وَالتَّغَابُنُ

"القارعة، الغاشية، الصاخة، التغابن" یہ بھی قیامت کے نام ہیں۔

غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ۔

اہل جنت، اہل دوزخ کو ان کے حصہ سے محروم کردیں گے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قیامت کے دن قصاص اور بدلہ کی کیفیت کا بیان ہے، اور قِصاص میں قاف کے نیچے زیر ہے یہ "القص" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: "القطع" یعنی کاٹنا۔ یا یہ "اقتصاص الاثر" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: تتبع کرنا۔ کیونکہ جو شخص

قصاص اور بدلہ کا طلب گار رہتا ہے وہ زیادتی کرنے والے کے قصور کو طلب کرتا ہے تا کہ اس کی مثل بدلہ لے۔
اور ''المغرب'' میں مذکور ہے کہ قصاص کا معنی ہے: مقتول کے ولی کا قاتل سے اور زخمی کے ولی کا زخمی کرنے والے سے بدلہ لینا۔ اور قصاص قتل میں یا زخم میں مساوات کا نام ہے، پھر قصاص کا ہر مساوی چیز پر اطلاق کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی قیامت کو ''الحاقۃ'' کہتے ہیں کیونکہ اس کا وقوع برحق ہے۔ اور ''حواق الامور'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن تمام امور ثابت ہوں گے، یعنی اس دن ثواب اور عقاب کی جزاء متحقق ہوگی اور تمام امور جو اس دن ہوں گے وہ سب ثابت اور حق ہوں گے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''الحقۃ'' اور ''الحاقۃ'' دونوں ایک ہیں یعنی معنی میں ایک ہیں۔ اسی طرح الفراء سے منقول ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن کو ''الحاقۃ'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ان کفار سے خصومت کی جائے گی جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی تھی، کیونکہ ''حاقۃ'' کا معنی خصومت بھی ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

قیامت کا نام ''القارعۃ'' ہے۔ ''قرع'' کے معنی ہیں: کھٹکھٹانا، کیونکہ قیامت کا دن اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے دل کو کھٹکھٹائے گا۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ ''القارعۃ'' کا معنی ہے: دہر کی شدائد میں سے ایک شدیدہ، یعنی دہر کے مصائب میں سے ایک مصیبت۔ اور ''قرع'' کا اصل معنی ہے: کوٹنا اور توڑنا اور اسی سے ''قرع الباب'' ماخوذ ہے یعنی دروازہ کو کھٹکھٹانا۔ اور سر پر لاٹھی ماری جائے تو اس کو بھی ''قرع'' کہتے ہیں۔

اور قیامت کا نام ''الغاشیۃ'' بھی ہے، کیونکہ ''غشی'' کا معنی ہے: ڈھانپنا، اور قیامت کو غاشیۃ اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت اپنی خوفناک باتوں کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔ اور سعید بن جبیر اور محمد بن کعب سے منقول ہے کہ ''الغاشیۃ'' کا معنی ہے نار یعنی آگ۔ اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ''الغاشیۃ'' قیامت ہے جو ہر چیز کو اپنی ہولناکیوں سے ڈھانپ لے گی۔
اور قیامت کا نام ''الصاخۃ'' بھی ہے۔ اور ''الصاخۃ'' کا معنی ہے: چیخ اور چنگھاڑ۔ کہا جاتا ہے ''صخ الصوت الاذن'' یعنی چنگھاڑ نے کانوں کو پھاڑ دیا۔ اور اسی وجہ سے قیامت کا نام ''الصاخۃ'' ہے۔ علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ''الصاخۃ'' یعنی قیامت کی چیخ اور چنگھاڑ، اس کا نام ''الصاخۃ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ چنگھاڑ مسلسل کانوں میں آئے گی حتیٰ کہ کانوں کو تقریباً بہرا کر دے گا۔
اور قیامت کا نام ''التغابن'' بھی ہے، یہ غبن کا باب تفاعل ہے، یعنی حصہ کا فوت ہونا۔ یعنی مغبون وہ ہے جس کے جنت میں جو گھر تھے اور ٹھکانے تھے وہ غبن کر لیے گئے۔ ہر کافر کا جو جنت میں ٹھکانا اور گھر ہے وہ اس کے ایمان کو ترک کرنے کی وجہ سے اس سے لے لیا جائے گا اور اس کو محروم کر دیا جائے گا۔ اور ہر مومن نیکی میں کمی کرنے کی وجہ سے اور اپنے ایام کو ضائع کرنے کی وجہ سے مغبون ہوگا یعنی اس کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: کہ ''تغابن'' باب تفاعل ہے جو دو طرفوں میں اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں پر غبن

صرف ایک جانب سے ہے یعنی کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت میں جو ان کا حصہ ہے اس سے ان کو محروم کر دیا جائے گا تو صرف کفار مغبون ہوں گے اور مومن مغبون نہیں ہوں گے، اس لیے یہاں پر غبن کو تغابن کے صیغہ کے ساتھ مبالغہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے ہم اس کی صحت کو نہیں مانتے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تفاعل مبالغہ کے لیے آتا ہے اور تفاعل یہاں پر اپنی اصل پر ہے اور وہ ہے قوم کے درمیان اشتراک۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار اصلِ غبن میں سب مشترک ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے بدلہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۷۸، سنن ترمذی: ۱۳۹۶، سنن نسائی: ۳۹۹۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۵، مسند احمد: ۳۶۶۵)

صحیح البخاری: ۶۵۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "قصاص" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جان کا قصاص لیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، وہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، وہ الاعمش ہیں، وہ ابووائل شقیق بن سلمہ سے از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اول ما یقضی بین الناس بالدماء" یعنی سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون اور جان کے بدلہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اس کا معنی ہے: دنیا میں لوگوں کے درمیان جو خون اور جان کا جھگڑا تھا اس کا فیصلہ قیامت کے دن سب

سے پہلے کیا جائے گا۔

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے اس کی نماز کا حساب لیا جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں جو فرمایا ہے کہ سب سے پہلے خون اور جان کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور دوسری حدیث جس میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اس کا تعلق خالق کے حقوق اور اس کی عبادت سے ہے۔

اور صور کی ایک طویل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون اور جانوں کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، ہر مقتول اپنے سر کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سو وہ کہے گا: اے میرے رب! اس سے سوال کر کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟

اور نافع بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقتول ایک ہاتھ سے اپنے سر کو لٹکائے ہوئے آئے گا اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کے گریبان کو کھینچتا ہوا آئے گا، اس کے سر کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا حتیٰ کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۲-۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۴- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۹، مسند احمد: ۱۰۱۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو، پس اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کو اس سے معاف کرالے، کیونکہ وہاں پر نہ دینار ہوگا اور نہ درہم ہوگا، اس سے پہلے کہ اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیاں لی جائیں، پس اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس کے بھائی کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیے جائیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مظلمۃ" اور یہ اس چیز کا نام ہے جو تم سے ناحق لی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیتحلله" یعنی وہ اپنے بھائی سے سوال کرے کہ وہ اس ظلم کو اس کے لیے قیامت سے پہلے حلال کر دے اور وہ اپنے بھائی سے کہے کہ وہ اس کو اپنے ذمہ سے بری کر دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اس کے بھائی کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی"۔ یعنی ظالم کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دی جائیں گی۔ اور اس سے مراد نیکیوں کا ثواب ہے۔

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نیکیوں کا ثواب غیر متناہی ہے اور ظالم کا ظلم متناہی تھا، تو متناہی کے بدلہ میں غیر متناہی دینا یہ بجائے خود ظلم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ظالم کی نیکی کا اصل ثواب دیا جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ نے اس پر غیر متناہی اجر دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ نہیں دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر اس کی نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پس اگر مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے گئے تو یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ظالم پر جو مظلوم کے گناہ ڈالے جائیں گے وہ اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر بطور سزا ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۳۔۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۵۔ حَدَّثَنِی الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ زُرَیْعٍ ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ (الحجر: ۴۷) قَالَ حَدَّثَنَا سَعِیدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِی الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِیِّ أَنَّ أَبَا سَعِیدٍ الْخُدْرِیَّ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ یَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَیُحْبَسُونَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَیُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِی دُخُولِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِی الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِی الدُّنْیَا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۰، ۶۵۳۵، مسند احمد: ۱۱۰۷۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے۔ (الحجر: ۴۷) انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی المتوکل الناجی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنین دوزخ سے چھٹکارا پالیں گے، پھر ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا، پھر انہوں نے دنیا میں ایک دوسرے پر جو مظالم کیے ہوں گے ان کا قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ جب ان کی کاٹ چھانٹ ہو جائے گی اور وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں دخول کی اجازت دی جائے گی۔ پس اس ذات کی

قسم کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! ان میں سے کوئی ایک جنت میں اپنے ٹھکانے کو اس سے زیادہ پہچاننے والا ہوگا جتنا وہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے''قیامت کے دن قصاص اور بدلہ'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ''دوزخ سے نجات پانے کے بعد مومنین نے ایک دوسرے پر جو ظلم کیا ہوگا اس کا ان سے بدلہ لیا جائے گا''۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے''الصلت'' یہ ابن محمد بن عبدالرحمٰن ابو ہمام الخارکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن زریع، یہ زرع کی تصغیر ہے اور یہ ابومعاویہ العیشی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ ابن ابی عروبہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالمتوکل، یہ علی بن داؤد الناجی ہیں، یہ بنو ناجیہ بن اسامہ بن لوی کی طرف نسبت ہے اور یہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث''کتاب المظالم'' میں گزر چکی ہے۔ وہاں اسحاق بن ابراہیم سے اس حدیث کی روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یہ آیت مذکور ہے''اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے'' (الحجر: ۴۷)۔ اور یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وہ مومنین جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پُل میں ہوں گے''۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن دو پُل ہوں گے، ایک تو یہ پُل ہوگا جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے اور دوسرا وہ پُل ہے جو دوزخ کی پشت پر ہے اور اس کا نام پُل صراط مشہور ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ قیامت کے دن ایک ہی پُل ہوگا تو اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ پُل پہلے پُل کا تتمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ''جب ایک دوسرے سے قصاص لے لیا جائے گا حتیٰ کہ جب ان کی تہذیب اور ان کا تنقیہ کر دیا جائے گا''۔ تہذیب سے مراد ہے انہیں پاک کر دیا جائے گا، مہذب الاخلاق کا معنی ہے: مطہر الاخلاق۔ یہ جوہری نے کہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''پاک صاف ہونے کے بعد انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی''۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث میں مذکور ہے کہ فرشتے ان کو جنت کے راستہ پر دائیں جانب سے

اور بائیں جانب سے رہنمائی کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۴، ۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قصاص کے متعلق دیگر احادیث

امام نسائی روایت کرتے ہیں: بندہ سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور سب سے پہلے لوگوں کے درمیان جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون اور جان کا معاملہ ہے۔ (سنن نسائی: ج ۷ ص ۸۳)

اور امام مالک از یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں، مجھے یہ حدیث پہنچی ہے: مرد کے اعمال میں سے جس پر سب سے پہلے نظر کی جائے گی وہ نماز ہے۔ (الموطا ج ۱ ص ۱۷۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۴۱۳)

علامہ داؤدی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کے درمیان اور عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے دو بیٹے ہیں اور ولید بن عتبہ کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن مبارزت کی تھی اور انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۫ (الحج: ۱۹) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ جھگڑنے والے دونوں فریق کون تھے؟ ایک قول یہ ہے کہ دو فریق وہ تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی اور جنگ کے لیے للکارا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت حمزہ اور ان کے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے جنگِ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومنین اور اہلِ کتاب کے دو فریق ہیں جنہوں نے آپس میں مباحثہ کیا تھا۔ اہلِ کتاب نے مومنین سے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ سے قریب ہیں ہماری کتاب تم سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے۔ اور مومنین نے کہا: ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں، ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے، تم ہماری کتاب کو اور ہمارے نبی کو پہچانتے تھے، پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے حسد کی وجہ سے ان کا کفر کیا۔ ان کی یہ خصومت ان کے رب کے پاس ہوگی۔ (جامع البیان: ۱۸۸۸۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو رحمن کے سامنے جھگڑے کے لیے اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل قیامت کے دن بیٹھوں گا، اور قیس بن عباد نے کہا: انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ۫ (الحج: ۱۹) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔

انہوں نے بیان کیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا، حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ (صحیح البخاری: ۳۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۳۳)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہوگی اور اس شخص پر تہمت لگائی ہوگی اور اس شخص کا مال کھایا ہوگا اور اس شخص کا خون بہایا ہوگا اور اس شخص کو مارا ہوگا۔ پھر اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی اور اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی، پس اگر اس کی نیکیاں اس پر واجب حقوق سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو پھر اصحابِ حقوق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۱، مسند احمد: ۸۰۵۳، ۸۸۵۱)

نیز امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے حقوق ضرور اصحابِ حقوق کو قیامت کے دن ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری نے جو دوسری بے سینگ بکری کو سینگ مارا ہوگا اس کا بدلہ بھی اس سے دلایا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۲، مسند احمد: ۷۲۰۸، ۸۰۰۲)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، پس جب ظالم کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ۝ (ہود: ۱۰۲)

اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے O

(صحیح مسلم: ۲۵۸۳، صحیح البخاری: ۴۶۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفہ میں شام کے وقت اپنی امت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی اور بہت زیادہ دعا کی، پس اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں نے یہ مغفرت کر دی مگر جو انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ تو آپ نے عرض کیا: اے میرے رب! تو اس پر قادر ہے کہ مظلوم کو اس کی مظلومیت پر اپنے پاس سے کوئی اجر عطا فرمادے اور اس ظالم کو بخش دے۔ تو اس شام تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول نہیں کیا، پھر جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔

(سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۱۸، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۰۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس دعا کی قبولیت میں جو تاخیر ہوئی تو وہ اس لیے تھی کہ پہلے ان لوگوں کو کچھ عذاب چکھائے، پس ہوسکتا ہے کہ یہ خبر کسی ایک وقت کے ساتھ مخصوص ہو نہ کہ دوسرے وقت کے ساتھ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مغفرت کی دعا کا قبول ہونا ان میں سے بعض کے لیے ہو نہ کہ دوسرے بعض کے لیے۔ پس یہ حدیث ایک قوم کے ساتھ خاص ہوگی نہ کہ دوسری قوم کے ساتھ، پھر جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائے گا اس کو اس کے گناہ کی وجہ سے عذاب چکھائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ

عام ہو، قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

امام ابوداؤد الطیالسی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک مقروض کو قیامت کے دن بلائے گا، پس فرمائے گا: اے ابنِ آدم! تو نے لوگوں کے حقوق اور ان کے اموال کو کیوں ضائع کیا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے ضائع نہیں کیا لیکن میرا مال غرق ہوگیا یا جل گیا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کہ تیری طرف سے آج تیرے قرض ادا کردوں، پھر اس کی نیکیاں اس کے گناہوں پر غالب آجائیں گی اور اس کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ (مسند الطیالسی ج ۲ ص ۶۶۳، ۱۴۲۳)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ہم نے دیکھا کہ آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت ظاہر ہوئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری امت میں سے دو مرد رب العزت کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا: اے میرے رب! میرے بھائی سے میرا حق وصول فرما، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بھائی سے فرمائے گا: اپنے بھائی کو اس کا حق دو۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میری نیکیوں میں سے تو کچھ بھی باقی نہیں رہا، پھر اللہ تعالیٰ طالب سے فرمائے گا: اب تم کیا کرو گے اس کی نیکیوں میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہی؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، پھر آپ نے فرمایا: یہ بہت عظیم دن ہے، اس دن لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ ان سے ان کے گناہ اٹھالیے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ طالب سے فرمائے گا: اپنا سر اٹھاؤ، وہ سر اٹھائے گا اور کہے گا: اے میرے رب! میں چاندی کے بلند شہر دیکھ رہا ہوں اور سونے کے شہر دیکھ رہا ہوں جن میں موتے جڑے ہوئے ہیں، یہ کس نبی کے لیے یا صدیق کے لیے یا شہید کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کردے، وہ کہے گا: اے میرے رب! ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس کی قیمت ادا کرنے کے مالک ہو، وہ شخص کہے گا: کیسے اے میرے رب؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اپنے بھائی کو معاف کردو۔ وہ کہے گا: اے میرے رب میں نے اپنے بھائی کو معاف کردیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اس کو جنت میں داخل کردو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنین کے درمیان صلح کرائے گا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷۶، علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عباد ضعیف ہے اور اس کا شیخ مجہول ہے۔)

امام ابن عبدالبر نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقروض قیامت کے دن قرض کی وجہ سے باندھا ہوا ہوگا۔ (التمہید ج ۲۳ ص ۲۳۸)

امام ابونُعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے ہاتھ کو یا بندی کے ہاتھ کو پکڑا جائے گا اور اس کو اولین اور آخرین کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے۔

جس کا اس کے اوپر حق بنتا ہو وہ آئے اور اپنا حق لے لے۔ پھر عورت خوش ہو گی کہ اپنے باپ سے حق لے اور اپنے بھائی سے حق لے یا اپنے خاوند سے حق لے، پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ۝ (المومنون:۱۰۱) پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے O

پھر رب تبارک وتعالیٰ اس بندہ سے فرمائے گا: ان لوگوں کو ان کے حقوق ادا کر دو، وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! دنیا فنا ہو گئی، اب میں کہاں سے ان کے حقوق ادا کروں؟ پس فرشتے کہیں گے: اس کے نیک اعمال میں سے لے لو، اور ہر انسان کو اس کے مطالبہ کے حساب سے اس کی نیکیاں دے دو، پس اگر وہ بندہ اللہ کا ولی ہو گا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ فرمائے گا حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ (النساء:۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے O

یوم حساب آنے سے پہلے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے مظالم کا تدارک کرے

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کا حساب کرنے پر جلدی کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم حساب کیے جانے سے پہلے خود اپنا حساب کر لو۔ اور خود اپنے اعمال کا وزن کر لو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۵)

کیونکہ جب کوئی مرد مرے اور اس کے ذمہ نہ کوئی فرض ہو اور نہ کسی کا حق ہو تو وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائے گا۔ اور اس نے لوگوں پر جو ظلم کیے ہیں ان کے تدارک سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اپنے حقوق طلب کرنے والے اس کا احاطہ کر لیں گے اور اس پر اپنے پنجے گاڑ دیں گے اور وہ ان کی کثرت سے مبہوت اور حیران ہو گا، کیونکہ اس نے کسی کی غیبت کی ہو گی یا کسی کی خیانت کی ہو گی یا کسی کو حقارت سے دیکھا ہو گا تو وہ سب اپنا بدلہ لینے کے لیے اس کے پاس اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور وہ جبار رب العزت کی یہ نداء سنے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْیَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝ (المومن:۱۷) آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہو گا، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

پس اس وقت اس کی ان نیکیوں میں سے حق دار لوگوں کو دیا جائے گا جن نیکیوں کو حاصل کرنے میں اس نے اپنی عمر فنا کی تھی، اور اس کی وہ نیکیاں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کو دی جائیں گی جیسا کہ ان احادیث میں وارد ہے جن کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ایک مرد کے پاس ستر صدیقوں کا ثواب ہو اور اس کے خلاف حق کا مطالبہ کرنے والا ہو جس کی اس نے ایک دمڑی دینی ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ اپنے اس طالب کو راضی کر دے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک دمڑی کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازوں کو لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے کو دے دی جائے گی۔ اس کا امام قشیری نے

''تحبیر'' میں ذکر کیا ہے۔

حیوانات اور بہائم کا حشر اور ان کا ایک دوسرے سے قصاص لینا

حیوانات اور بہائم کے حشر میں اور ان کے ایک دوسرے سے قصاص لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: چوپایوں اور پرندوں کا حشر ان کی موت ہے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ حیوانات اور بہائم کا حشر ہوگا اور ان کو اٹھایا جائے گا، یہ حضرت ابوذر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور حسن بصری کا قول ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ (التکویر: ۵) اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے ۝

ہم نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیر کی ہے:
خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو وحوش کہا جاتا ہے، ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذاء پہنچائی ہوگی ان سے قصاص لیا جائے گا اور پھر ان سے کہا جائے گا: مرجاؤ، اور پھر تمام وحشی جانور مرجائیں گے۔ اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:
(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع فرمائے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کے لیے جمع نہ کرے۔
(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، اس کے باوجود وہ سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔
(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذا ہوتے ہیں جیسے شیر اور بکری، لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔ (تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۸۸)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا، بہائم کو اور پرندوں کو اور چوپایوں کو اور ہر چیز کو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عدل کا یہ اثر ہوگا کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم سب مٹی ہوجاؤ۔ اور اسی کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔
اور بعض احادیث میں ہے کہ بہائم جب قیامت کے دن مٹی ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مٹی کو کفار کے چہرہ پر مارے گا اور یہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۝ (عبس: ۴۰) اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۝

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دو بکریوں کو دیکھا وہ ایک دوسری کو سینگ مار رہی تھیں تو

آپ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے قصاص لے گا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۲، مسند ابوداؤد والطیالسی ج ۱ ص ۳۸۶، ۴۲۲)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۶۰-۶۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۹- بَابُ: مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ
اس کا بیان کہ جس کے حساب میں سختی سے تفتیش کی گئی، اس کو عذاب دیا گیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا۔ ''نُوقِشَ'' کا لفظ مناقشہ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حساب میں مکمل تفتیش کرنا اور پورا پورا حساب کرنا اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کا مطالبہ کرنا اور اس میں چشم پوشی نہ کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۶- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ قَالَتْ قُلْتُ أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ قَالَ ذٰلِكِ الْعَرْضُ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمٍ وَأَيُّوبُ وَصَالِحُ بْنُ رُسْتُمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس کے حساب میں مکمل تفتیش کی گئی اس کو عذاب دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق) آپ نے فرمایا: یہ تو اس کو پیش کرنا ہے۔

مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود، انہوں نے کہا کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، انہوں نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔۔۔۔۔۔اسی حدیث کی مثل۔

عثمان بن اسود کی متابعت ابن جریج اور محمد بن سُلیم اور ایوب اور صالح بن رستم نے کی ہے از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳، ۴۹۳۹، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۷۶، سنن ترمذی: ۲۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۳، مسند احمد: ۲۳۶۸۰)

صحیح البخاری: ۶۵۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس شخص سے حساب میں زیادہ تفتیش اور پوچھ گچھ کی گئی (کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا) تو اس کو عذاب دیا گیا"۔ اور اس حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبیداللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن باذام ابومحمد العبسی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عثمان بن الاسود کا ذکر ہے، یہ ابن موسیٰ المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے۔

اس باب کی تعلیقات میں حدیث مذکور کی دو مزید سندیں ذکر کی گئی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

النضر بن شمیل نے ابوعامر الخزاز سے اس حدیث میں یہ اضافہ روایت کیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے علم ہے کہ قرآن مجید کی کونسی آیت سب سے زیادہ سخت ہے، تو مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ (النساء: ۱۲۳)

(اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار ○

آپ نے فرمایا: بے شک مومن کو دنیا میں اس سے زیادہ برے عمل کی جزا دی جائے گی، اس کو جو بیماری پہنچتی ہے حتیٰ کہ اس کو پتھر سے جو زخم آتا ہے (وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے) لیکن جس سے حساب میں سخت تفتیش کی گئی اس کو عذاب دیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۷ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا هَلَكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن ابی صغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد نے حدیث

اللهِ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴾ (الانشقاق: ۷۔۸) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ وَلَيْسَ أَحَدٌ يُنَاقَشُ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عُذِّبَ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۷۔۸)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو پیش کرنا ہے اور جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب میں سختی سے تفتیش کی جائے گی اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳، ۴۹۳۹، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۷۶، سنن ترمذی: ۲۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۳، مسند احمد: ۲۳۶۸۰)

۶۵۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ يُجَاءُ بِالْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهُ قَدْ كُنْتَ سُئِلْتَ مَا هُوَ أَيْسَرُ مِنْ ذٰلِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، ح اور مجھے محمد بن معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک نبی اللہ ﷺ فرماتے تھے: قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا: یہ بتا اگر تیرے لیے تمام روئے زمین بھر کر سونا ہو، کیا تو اس زمین کو (عذاب سے نجات کے لیے) فدیہ میں دے گا؟، وہ کہے گا: جی ہاں، تو اس سے کہا جائے گا: تم سے تو اس سے زیادہ آسان چیز کا سوال کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۴، ۶۵۳۸، ۶۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۰۵، مسند احمد: ۱۱۹۰۳)

صحیح البخاری: ۶۵۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''حساب میں مناقشہ'' اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے: ''کیا تم عذاب سے نجات کے لیے تمام روئے زمین کے سونے کو دے دو گے'' اور اس میں بھی ایک قسم کا مناقشہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ارءیت'' اس کا معنی ہے: ''اخبرنی'' یعنی مجھے یہ بتاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم سے اس سے آسان چیز کا سوال کیا گیا تھا'' یعنی تم سے صرف یہ سوال کیا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک مانو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي خَيْثَمَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرَى شَيْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے خیثمہ نے حدیث بیان کی از عدی بن حاتم، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام فرمائے گا اور اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، وہ شخص اپنے آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کے سامنے بھی دوزخ کی آگ ہوگی، سو تم میں سے جو شخص بھی دوزخ کی آگ سے بچنا چاہے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے (تو اس کو چاہیے کہ وہ بچے۔)

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی حدیثِ سابق کی طرح ہے، کیونکہ جب بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور بندہ کے آگے اور سامنے دوزخ کی آگ ہوگی تو یہ بھی ایک قسم کا حساب میں مناقشہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، جو اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان الاعمش ہیں جو از خیثمہ روایت کرتے ہیں۔ اور خیثمہ بن عبدالرحمن الجعفی ہیں، وہ عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مامنکم من احد'' بہ ظاہر یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب ہے اور تمام مومنین اس خطاب میں شامل ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وسیکلمه الله'' یعنی تم میں سے کوئی ایک نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے گا۔ اور سنن ابن ماجہ میں ہے ''مگر اس سے اس کا رب کلام فرمائے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ اس سے عنقریب خطاب فرمائے گا اور عنقریب اس سے کلام فرمائے گا۔

پھر وہ شخص دیکھے گا تو اس کے سامنے دوزخ کی آگ ہو گی۔ اور کتاب التوحید میں یہ روایت ہے ''پس وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا جو اس کے سامنے تھا، اور بائیں طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا جو اس کے سامنے تھا''۔ اور سنن ترمذی کی روایت میں ہے ''پس وہ کوئی چیز نہیں دیکھے گا سوا اس کے کہ جس کو اس نے پہلے بھیجا''۔ اور محمد بن خلیفہ کی روایت میں ہے ''پس وہ دائیں طرف دیکھے گا تو صرف آگ کو دیکھے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو صرف آگ کو دیکھے گا''۔

اور ابن ہُبیرہ نے کہا ہے: کہ دائیں بائیں دیکھنا اس وجہ سے ہے کہ انسان کو جب کوئی اہم چیز درپیش ہوتی ہے یا کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ دائیں بائیں طرف دیکھتا ہے کہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہے؟ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دائیں بائیں اس لیے دیکھے کہ اسے کوئی راستہ ملے اور وہ بھاگ کر اس آگ سے نجات پا لے، تو وہ سوائے آگ میں داخل ہونے کے اور کوئی راستہ نہیں پائے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پس جو شخص بھی تم میں سے یہ طاقت رکھتا ہو کہ آگ سے بچے خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کر کے''۔ اس کی جزاء محذوف ہے یعنی ''تو وہ اس آگ سے بچے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۰۔ قَالَ الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي عَمْرٌو عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

الاعمش نے کہا: مجھے عمرو نے حدیث بیان کی از خیثمہ از عدی بن حاتم، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، پھر آپ نے اعراض کیا اور چہرہ پھیر لیا، پھر فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، پھر آپ نے اعراض کیا اور چہرہ پھیر لیا تین مرتبہ، حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ دوزخ کی آگ کی طرف دیکھ رہے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور

کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے، اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ کوئی اچھی اور نیک بات کہہ دے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از عمرو، یہ ابن مُرّہ ہیں اور یہ از خیثمہ روایت کرتے ہیں۔ اور پہلے اس حدیث کی الاعمش از خیثمہ روایت کی تھی بلا واسطہ اور دوبارہ واسطہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ یعنی پہلی حدیث کی سند میں الاعمش اور خیثمہ کے درمیان عمرو کا واسطہ نہیں تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا واسطہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اشاح'' اس کا معنی ہے: آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ کسی چیز کے ضرر سے بچنے کے لیے منہ پھیر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فمن لم یجد'' یعنی جسے سائل کو صدقہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو وہ سائل کو کوئی اچھی بات کہہ کر واپس کرے اور اس کو سختی سے رد نہ کرے۔ یعنی اس سے یوں کہے کہ میرے پاس تو تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، اللہ کرے کسی اور جگہ سے تمہاری ضرورت پوری ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں پر ان کے اعمال پیش کرنے اور ان کے محاسبہ کے متعلق متعدد احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جس سے بھی قیامت کے دن حساب میں مناقشہ کیا جائے گا اس کو عذاب ہوگا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O'' (الانشقاق: ۷۔۸)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ یہ صرف پیش کرنا ہے، اور جو حساب اس آیت میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مومن کے اعمال اس پر پیش کیے جائیں گے حتیٰ کہ مومن اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچان لے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے گناہوں پر پردہ رکھا اور آخرت میں اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی النجویٰ کے

متعلق حدیث ہے۔ (وہ حدیث درج ذیل ہے:)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: کہ مومن کو اس کے رب کے قریب کیا جائے گا، اور ہشام نے کہا کہ مومن قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا بازو رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اس گناہ کو پہچانتے ہو؟ بندہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس گناہ کو پہچانتے ہو (دو مرتبہ)، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم سے دنیا میں ستر کیا تھا اور آج تم کو بخش دیتا ہوں، پھر اس کے صحیفۂ اعمال کو لپیٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۸۵)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا''۔ اور حدیث میں مذکور ''عذاب دیا گیا'' کے دو معنی ہیں:

(۱) نفسِ مناقشۃ الحساب اور گناہوں کو پیش کرنا اور اس کے پچھلے گناہوں پر اس کو واقف کرنا اور اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ بھی عذاب ہے۔

(۲) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عذاب کا مستحق ہوگا، کیونکہ بندہ کی جو بھی نیکی ہوتی ہے وہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اس نیکی پر قادر کرتا ہے اور اس بندہ پر فضل فرماتا ہے اور اس کو اس نیکی کی ہدایت دیتا ہے اور خالص اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے والے بہت کم ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ بندہ ہلاک ہو گیا۔

علامہ النووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ دوسری تاویل ہی صحیح ہے کیونکہ لوگوں کے اوپر تقصیر اور کوتاہی غالب ہے۔ پس جس کا پورا پورا حساب لیا گیا اور اس کے ساتھ چشم پوشی نہیں کی گئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معارضہ کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے کہ ہر وہ شخص جس کا بھی حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا۔ اور الانشقاق: ۸ میں اس پر دلیل ہے کہ بعض وہ لوگ جن سے حساب لیا جائے گا ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اور ان میں تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت میں حساب سے مراد پیش کرنا ہے یعنی اعمال کو ظاہر کرنا ہے اور ان کا اظہار کرنا ہے، پس وہ عمل کرنے والا اپنے گناہوں کو پہچان لے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بزار اور امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آسان حساب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایک مرد کے اوپر اس کے گناہوں کو پیش کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک مرد کو قیامت کے دن لایا جائے گا، پس کہا جائے گا: اس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے اٹھا لو، پھر اس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں فلاں دن یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا، اور تو نے فلاں دن یہ اور یہ عمل اور یہ عمل اور یہ عمل کیا تھا، پس بندہ کہے گا: جی ہاں اور انکار کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا اور وہ بندہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ وہ بھی اس کے اوپر پیش کیے جائیں گے، پس اس سے کہا جائے گا: بے شک

تیرے لیے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، تب وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور گناہ بھی کیے ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰، الرقم المسلسل: ۴۵۵، سنن ترمذی: ۲۶۰۵، مسند احمد: ۲۱۵۴۸)

اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس شخص کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگا اور جس شخص کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جس سے آسان حساب لیا جائے گا، پھر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اور جس شخص کے گناہ اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا اور شفاعت صرف اس کی مثل کے لیے ہوگی۔

اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث بھی داخل ہے جس کو امام بخاری نے کتاب المظالم میں اور سورۂ ہود کی تفسیر میں اور کتاب التوحید میں روایت کیا ہے، اس حدیث میں مذکور ہے: تم میں سے کوئی ایک شخص اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بازو اس کے اوپر رکھے گا اور اس سے فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں عمل کیا، اور وہ کہے گا: جی ہاں، پس اللہ تعالیٰ اس سے اقرار فرمائے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا آج تیری مغفرت کر دیتا ہوں۔

اور اعمال کے پیش کرنے کی کیفیت کے متعلق وہ حدیث ہے جس کی امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، پس پہلی دو مرتبہ میں تو مباحثہ اور معاذیر ہوں گے اور اس وقت ہاتھوں سے صحیفے اڑ جائیں گے، پس وہ اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حسن کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

امام ترمذی نے کہا کہ مباحثہ اور جدال کفار کے لیے ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے مجادلہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے ہوں گے، پس وہ یہ گمان کریں گے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے مباحثہ اور مجادلہ کریں گے تو ان کی نجات ہو جائے گی، اور معاذیر سے مراد حضرت آدم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرنا ہے کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف حجت قائم کی اور تیسری مرتبہ مومن کو پیش کیا جائے گا اور وہ سب سے بڑا پیش کرنا ہوگا۔

تنبیہ: امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس مرد سے بھی قیامت کے دن محاسبہ کیا جائے گا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، بہ ظاہر یہ حدیث اس باب کی حدیث کے معارض ہے اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ دونوں حدیثیں مومن کے حق میں ہیں اور مومن کو عذاب دینے اور اس کے جنت میں دخول میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ موحد اگرچہ اس کے خلاف عذاب کا فیصلہ کیا جائے پس ضروری ہے کہ اس کو شفاعت کی وجہ سے یا عموم رحمت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۸ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا: یہ بتا اگر تیرے پاس تمام روئے زمین سونے سے بھری ہوئی ہوتی تو کیا تو اس کو فدیہ میں دیتا؟'' وہ کہے گا: جی ہاں! اس سے کہا جائے گا: تجھ سے تو اس سے آسان چیز کے متعلق سوال کیا گیا تھا (یعنی اللہ کی توحید اور رسولوں پر ایمان اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت)۔

باب مذکور کی حدیث سے ذرّیت آدم سے لیے ہوئے میثاق کی طرف اشارہ

ابی عمران کی روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا ارادہ کیا اور تو اس وقت آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائے گا، پس تو نے انکار کیا مگر یہ کہ تو میرے ساتھ شریک بنائے گا''۔

اور ثابت کی روایت میں ہے کہ ''میں نے تجھ سے اس سے کم چیز کا سوال کیا تھا پس تو نے نہیں کیا، پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا''۔

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ (الاعراف:۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے O

پس یہ وہ میثاق ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ حضرت آدم کی پشت میں تھے، پھر جس شخص نے دنیا میں موجود ہونے کے بعد اس میثاق کو پورا کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے اس میثاق کو پورا نہیں کیا تو وہ کافر ہے۔

پس اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ میں نے تجھ سے ارادہ کیا تھا جب میں نے تجھ سے میثاق لیا تھا، پھر جب میں نے تجھے دنیا میں نکالا تو، تو نے شرک کے سوا انکار کر دیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ارادہ سے مراد یہاں پر طلب ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا اور تو نے اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی مِلک میں وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے اس کے امر کرنے کے اوپر معتزلہ کے اعتراض کا جواب

اور بعض معتزلہ نے اس پر اعتراض کیا ہے: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا امر فرمائے جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع اور محال نہیں ہے۔

اور علامہ المازری نے کہا ہے: اہل السنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے اور کافر سے کفر کا ارادہ فرماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ ایمان لے آتا ہے، یعنی اگر اس کے لیے ایمان کو مقدر کر دیتا تو اس کا ایمان واقع ہو جاتا۔

اور معتزلہ نے کہا ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے ایمان کا ارادہ کیا ہے، پس مومن نے اس کو قبول کیا اور کافر نے انکار کیا۔ پس انہوں نے غائب کو شاہد پر محمول کیا کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ شر کا ارادہ کرنے والا بھی شریر ہے اور کفر شر ہے، پس اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کفر کا ارادہ کرے۔

اور اہل السنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوقین کے حق میں شر کا ارادہ شر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل شر نہیں ہوتا وہ فعل کو جس طرح کرے وہ شر نہیں ہے۔ اور شر کا ارادہ اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے اوپر کوئی نہیں ہے

جو اس کو حکم دے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو مخلوقین کے ارادہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیز جو کسی فعل کا ارادہ کرے اور وہ فعل حاصل نہ ہو تو وہ عجز کی وجہ سے ہوگا اور باری تعالیٰ عجز کے ساتھ متصف نہیں ہوتا اور نہ ضعف کے ساتھ متصف ہوتا ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ کرے اور کافر ایمان نہ لائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میں عجز اور ضعف ہے کہ اس نے ارادہ کیا اور وہ پورا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔

اور معتزلہ نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ (الزمر: ۷) اور وہ اپنے بندوں کے کفر کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

اور اس آیت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس عام سے ان کو خاص کر لیا گیا ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو مقدر کر دیا ہے اور اس آیت میں عباد سے مراد فرشتے ہیں اور مومنین انس ہیں اور مومنین جن ہیں۔ اور دوسروں نے یہ جواب دیا ہے کہ ارادہ رضا کا غیر ہے اور ''لایرضی'' کا معنی ہے ''لایشکرہ لھم'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس پر ثواب نہیں دیتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رضا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کسی دین کو پسند نہیں کرتا جو ان کے لیے مشروع کیا گیا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رضا ارادہ کے ماوراء ایک صفت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ارادہ کا دو چیزوں کے مقابلہ پر اطلاق ہوتا ہے، تقدیر کا ارادہ اور رضا کا ارادہ، اور دوسرا ارادہ پہلے ارادہ سے خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۹۔ ۶۱۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۰۔ بَابٌ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ

اس کا بیان کہ جنت میں ستر ہزار بغیر حساب کے داخل ہوں گے

۶۵۴۱۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَحَدَّثَنِي أَسِيدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَأَخَذَ النَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ هٰؤُلَاءِ أُمَّتِي قَالَ لَا وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قَالَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَهٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی ح اور مجھے اسید بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از حصین، انہوں نے کہا: میں سعید بن جبیر کے پاس تھا تو انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، پس ایک نبی کے ساتھ اس کی امت گزرتی تھی اور ایک نبی کے ساتھ جماعت گزرتی تھی اور ایک نبی کے ساتھ دس افراد گزرتے تھے اور ایک نبی کے ساتھ پانچ افراد گزرتے تھے اور ایک نبی تنہا گزرتے تھے، پس میں نے دیکھا ایک بہت بڑی جماعت تھی، میں نے کہا: اے جبریل! کیا یہ لوگ

إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ قَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

میری امت ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں! لیکن آپ افق (آسمان کا کنارا) کی طرف دیکھیں، سو میں نے دیکھا تو وہاں ایک بہت زبردست جماعت تھی، انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار افراد ہیں اور ان سے نہ حساب ہوگا اور نہ ان کو عذاب ہوگا، میں نے پوچھا: وہ کس لیے؟ تو حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے اور نہ دم طلب کرتے تھے اور یہ لوگ شگون نہیں لیتے تھے اور یہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے، پس آپ کی طرف حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے کردے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو ان میں سے کردے، پھر آپ کی طرف ایک اور مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کردے، آپ نے فرمایا: عکاشہ نے تم پر سبقت کر لی۔

(صحیح البخاری:۵۷۰۵، صحیح مسلم:۲۲۰، سنن ترمذی:۲۴۴۶، مسند احمد:۲۴۴۴)

صحیح البخاری:۶۵۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ کی امت کے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے'' اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عرضت علی الامم'' اس حدیث میں ''عُرِضَتْ'' مجہول کا صیغہ ہے اور ''عَلَیَّ'' میں یاء مشدد ہے اور ''الاُمَمُ'' میں میم پر پیش ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''النفر'' یہ اسم جمع ہے اور اس کا اطلاق مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے جو تین سے لے کر دس تک ہوں اور اس کا واحد من لفظہ نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سواد کثیر'' سواد کے معنی سیاہی ہیں اور یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو دور سے دھندلا نظر آتا ہے، اور اس

کی صفت کثرت لائی گئی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اس سے مراد لفظِ جنس ہے۔ اور سعید بن منصور کی روایت میں کثیر کی جگہ عظیم ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لایکتوون" یعنی وہ لوگ داغ نہیں لگواتے ہوں گے۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی بغیر ضرورت کے داغ نہیں لگواتے ہوں گے اور یہ اعتقاد نہیں رکھتے ہوں گے کہ داغ لگوانے سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یسترقون" یعنی وہ دم نہیں کراتے ہوں گے۔
اس پر سوال ہے کہ دم کرانا تو سنت سے ثابت ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ سے دم نہیں کراتے ہوں گے جو قرآن مجید کے الفاظ نہیں ہیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسے الفاظ سے دم کراتے تھے جو قرآن مجید میں نہیں ہوتے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے شگون نہیں لیتے ہوں گے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے کاموں کو ترک کرنے والے ہوں گے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا عدد ستر ہزار سے زائد ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنے ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ستر سے مراد عددِ کثیر ہو۔
اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں عددِ مذکور اپنے ظاہر پر محمول ہے اور انہوں نے اس کی تائید میں سنن ترمذی کی یہ حدیث پیش کی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا کہ وہ جنت میں میری امت میں سے ستر ہزار افراد کو داخل فرمائے گا جن سے نہ حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ اور میرا رب اپنی مٹھیوں میں سے تین مٹھیاں ڈالے گا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ستر ہزار میں اضافہ کا احتمال باقی ہے کیونکہ اس حدیث میں اس عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے اور اس میں جو مٹھیوں کا ذکر ہے یہ کثرت میں مبالغہ سے کنایہ ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "پھر آپ کی طرف ایک اور مرد کھڑا ہوا"۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مرد حضرت سعد بن عبادہ الانصاری ہیں جو خزرج کے سردار ہیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے یہ سوال بہت بعید ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ سعد بن عمارہ الانصاری ہو اور نقل کرنے والے نے اس میں غلطی کی ہو۔

دوسرے مرد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاحساب جنت میں دخول کی دعا نہیں کی، اس کے چند جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کرلی ہے"۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کیوں نہیں کی اور یہ فرمایا کہ تم پر عکاشہ نے سبقت کرلی ہے۔
الفرّاء نے کہا کہ یہ دوسرا شخص منافق تھا، لیکن اس جواب کو رد کیا گیا ہے کیونکہ صحابہ میں اصل یہ ہے کہ ان میں کوئی منافق نہیں تھا۔
اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوگیا تھا کہ عکاشہ کے حق میں آپ کی دعا مقبول ہوگئی ہے اور دوسرے کے حق میں آپ پر ایسی وحی نہیں ہوئی۔
اور علامہ ابن الجوزی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے: مجھ پر یہ جواب منکشف ہوا کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے صدقِ قلب سے

سوال کیا تھا تو ان کے حق میں دعا قبول کرلی گئی اور جب دوسرے نے کہا کہ میرے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے سوال کے اس سلسلہ کو روکنے کے لیے فرمایا کہ عکاشہ نے تم پر سبقت کرلی۔ اور اگر آپ فرماتے: ہاں تو پھر تیسرا شخص بھی کھڑا ہو جاتا اور کہتا: میرے لیے بھی دعا کریں اور چوتھا بھی کھڑا ہو جاتا اور پھر بے شمار لوگ کھڑے ہو جاتے، اور تمام لوگ اس دعا کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

اور علامہ القرطبی نے کہا ہے: جس دوسرے شخص نے دعا کی درخواست کی تھی اس کے وہ احوال نہیں تھے جو حضرت عکاشہ کے احوال تھے، اس لیے آپ نے اس کی درخواست قبول نہیں کی تھی۔

اور علامہ سہیلی نے کہا: میرے نزدیک اس کا یہ جواب ہے کہ جس وقت حضرت عکاشہ نے سوال کیا تو وہ قبولیت کی گھڑی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ قبولیت کی گھڑی ہے اور جب دوسرے آدمی نے سوال کیا تو وہ قبولیت کی گھڑی گزر چکی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۹۔ ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۲۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۱۱، ۶۵۴۲، صحیح مسلم: ۲۱۶، مسند احمد: ۸۹۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ ستر ہزار ہوں گے، ان کے چہرے اس طرح روشن ہوں گے جس طرح چودھویں رات میں چاند روشن ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ اپنے اوپر چادر اٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے، آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ان میں سے کردے، پھر انصار میں سے ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کردے، آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کرلی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن اسد، یہ ابوعبداللہ المروزی ہیں جنہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نمرۃ'' یہ اس چادر کو کہتے ہیں جس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوں، گویا کہ یہ چادر چیتے کی کھال سے بنائی گئی ہے، کیونکہ ''نمر'' کا معنی ہے چیتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ شَكَّ فِي أَحَدِهِمَا مُتَمَاسِكِينَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ وَوُجُوهُهُمْ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد ضرور جنت میں داخل ہوں گے یا فرمایا: سات لاکھ، ان دولفظوں میں سے ایک میں راوی کو شک ہے، وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ ان میں کا پہلا اور آخری جنت میں داخل ہو جائے گا اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۳، ۳۲۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۹، مسند احمد: ۲۲۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔

یہ حدیث ''صفة الجنة'' کے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''متماسکین'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''متماسکون''۔ یعنی یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے" یہ متماسکون کا بیان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یدخل اولھم وآخرھم الجنۃ" یعنی وہ اس وقت تک ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ اور "صفۃ الجنۃ" کے باب میں مذکور ہے "ان میں سے پہلا داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ آخری داخل ہو جائے گا"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سب ایک صف میں داخل ہوں گے، پھر سب اکٹھے داخل ہو جائیں گے۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جنت کا دروازہ بہت بڑا ہوگا حتیٰ کہ تمام اہلِ جنت ایک صف میں کھڑے ہو کر جنت کے دروازے سے داخل ہو جائیں گے۔ اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ متماسکین کا معنی یہ ہو کہ وہ وقار کی صفت پر ہوں گے۔ اور کوئی شخص دوسرے پر سبقت نہ کرے بلکہ سب اکٹھے داخل ہوں۔

علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک صف میں پہلو بہ پہلو داخل ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُومُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ يَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ خُلُودٌ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۸، صحیح مسلم: ۲۸۵۰، مسند احمد: ۵۹۵۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح، انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا کھڑا ہوگا (اور کہے گا:) اے اہلِ دوزخ! موت نہیں ہے، اور اے اہلِ جنت! موت نہیں ہے، دوام اور خلود ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں مومنین کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن ابراہیم، یہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے

صالح، اور وہ ابن کیسان الغفاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خلود" یعنی تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ وَلِأَهْلِ النَّارِ يَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ۔

(سنن ترمذی: ۲۵۵۷، سنن ابن ماجہ: ۴۳۲۷، مسند احمد: ۷۴۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اہلِ جنت سے کہا جائے گا: اے اہلِ جنت! خلود (ہیشگی اور دوام) ہے موت نہیں ہے، اور اہل دوزخ سے کہا جائے گا: اے اہلِ دوزخ! خلود ہے موت نہیں ہے۔

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دواؤں کے ذریعہ علاج کا مشروع ہونا

صحیح البخاری: ۶۵۴۱ میں ان مسلمانوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو داغ نہیں لگواتے ہوں گے، اور وہ ان لوگوں میں ہوں گے جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے بعض علماء نے دواؤں کے ذریعہ علاج کو مکروہ قرار دیا ہے اور تمام مذاہب کے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے۔

(بدائع الصنائع للعلامہ کاسانی الحنفی ج ۵ ص ۲۷، المدخل لابن الحاج مالکی ج ۴ ص ۱۲۰، المجموع شرح المہذب للعلامہ النووی شافعی ج ۵ ص ۹۸، الفتاوی الکبری للشیخ ابن تیمیہ الحنبلی ج ۳ ص ۷)

اور رسول اللہ ﷺ نے دواؤں کے منافع ذکر فرمائے ہیں جیسا کہ کتاب الطب میں گزر چکا ہے اور آپ نے دوا کے ساتھ علاج کرنے کا حکم دیا۔ اور صحیح البخاری کی حدیثِ مذکور ان لوگوں پر محمول ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے مرض سے بری کرتی ہیں جیسا کہ بعض طبائعین کا قول ہے۔ پس توکل کرنے والے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرتے ہیں اور شارع علیہ السلام نے حضرت سعد کا داغ لگا کر علاج کیا اور حضرت ابن عمر اور حضرت عمران بن حصین اور حضرت خباب بن ارت اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے داغ لگا کر علاج کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۷۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب میں مذکور احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۵۴۱ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، پس ایک نبی کے ساتھ اس کی امت گزرتی اور ایک نبی کے ساتھ ایک جماعت گزرتی اور ایک نبی کے ساتھ دس گزرتے اور ایک نبی کے ساتھ پانچ گزرتے اور ایک نبی تنہا گزرتے، پس میں نے دیکھا ایک بہت بڑی جماعت تھی، میں نے کہا: اے جبریل! کیا یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن آپ افق (یعنی آسمان کے کنارے) کی طرف دیکھیں، پس میں نے دیکھا وہاں بہت زبردست جماعت تھی، حضرت جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے۔۔۔الحدیث

افق میں اپنی امت کی کثیر تعداد کو دیکھ کر ان کو نہ پہچاننے پر اشکال اور اس کا جواب

الاسماعیلی نے یہاں پر یہ اشکال ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو نہیں پہچانا حتیٰ کہ آپ نے یہ گمان کیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، حالانکہ اس سے پہلے کتاب الطہارت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ سے پوچھا گیا: آپ ان کو کیسے پہچانیں گے جن کو آپ نے اپنی امت میں سے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا کہ وہ آثارِ وضو سے ''غر محجل'' ہوں گے یعنی ان کا ماتھا اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے، اور ایک روایت میں ہے ''ان کی ایسی علامت ہوگی جو کسی اور کے لیے نہیں ہوگی''۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آپ نے جن اشخاص کو افق میں دیکھا تھا ان میں سے اکثر کا ادراک نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ تھے اور ان کے اشخاص میں تمیز نہیں تھی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر محمول ہے کہ جب وہ قریب ہوں گے اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص کسی دوسرے شخص کو دور سے دیکھتا ہے، وہ اس سے بات کرتا ہے اور اس کو نہیں پہچانتا کہ یہ اس کا بھائی ہے، پھر جب وہ دوسرے سے متمیز ہو جاتا ہے تو اس کو پہچان لیتا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کا وقوع اس وقت ہوگا جب آپ کی امت حوض پر ہوگی، یعنی جب آپ کی امت حوض پر وارد ہوگی اس وقت آپ اپنی امت کو پہچان لیں گے جیسے کسی کے غر محجل گھوڑے کالے گھوڑوں میں مل جائیں تو وہ ان کو پہچان لیتا ہے۔

بلاحساب اور بلاعذاب جنت میں داخل ہونے والوں کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے ستر ہزار ہیں ان پر نہ حساب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا۔۔۔الحدیث''۔

صحابہ ان لوگوں کے مصداق کے متعلق بحث کرنے لگے، پس بعض لوگوں نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، اور بعض نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا۔ اور انہوں نے کئی چیزوں کا ذکر کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو صحابہ نے آپ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے نہ دم طلب کرتے ہوں گے نہ پرندوں سے فال نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔ اور ابن فضیل کی روایت میں ہے: پس صحابہ نے کہا: ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی پیروی کی، پس ہم ہیں اور ہماری جو اولاد اسلام میں پیدا ہوئی، کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ شہداء ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا دل

اسلام کے لیے نرم ہوگا۔

دم کرانے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے "یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے ہوں گے"۔

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اس روایت کا انکار کیا ہے اور ان کا یہ زعم ہے کہ اس روایت میں راوی نے غلطی کی ہے۔اور انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ دم کرنے والا جس پر دم کرتا ہے اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو اس کا ترک کیسے مطلوب ہوگا؟

اور نیز حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب پر دم کیا اور ان کو دم کرنے کی اجازت دی، اور آپ نے فرمایا "تم میں جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے وہ اس کو نفع پہنچائے" اور نفع مطلوب ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: جو دم طلب کرتا ہے وہ دوسرے سے سوال کرتا ہے اور نفع کی امید رکھتا ہے اور کامل توکل اس کے منافی ہے، اور ان ستر ہزار سے مراد وہ لوگ ہیں جو کامل توکل کرتے ہیں اور دوسروں سے دم کرنے کا سوال نہیں کرتے اور نہ داغ لگاتے ہیں اور نہ پرندوں سے شگون نکالتے ہیں۔

دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فی ذاتہا دم کرنا ممنوع نہیں ہے، ممنوع اس قسم کا دم ہے جس میں شرکیہ کلمات ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر اپنے دموں کو پیش کرو اور دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک اس میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو۔اور اس میں ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ دم کرنا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پر توکل ہو اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے پناہ طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف رغبت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے برکت حاصل کی جائے۔ پس اگر یہ توکل کے منافی ہو تو پھر دعا کرنا بھی توکل کے منافی ہوگا، کیونکہ ذکر اور دعا میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کیا اور سلف صالحین اور بعد کے نیک لوگوں نے دم کیا، پس اگر یہ ان ستر ہزار کے ساتھ لاحق ہونے سے مانع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ اور سلف صالحین دم نہ کرتے۔

توکل کی تحقیق

اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ "جو ستر ہزار بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر توکل کرتے ہوں گے"۔

علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے: صوفیاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: توکل کے اسم کا وہی مستحق ہوتا ہے جس کے دل میں غیر اللہ تعالیٰ کا بالکل خوف نہ ہو، حتیٰ کہ اس کے اوپر اگر شیر حملہ کرے تو وہ اس سے نہ ڈرے حتیٰ کہ وہ رزق کی طلب میں کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا ضامن ہے۔اور جمہور علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص اللہ کے وعدہ پر اعتماد کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور تقدیر واقع ہوگی اور رزق کو طلب کرنے میں سنت کی اتباع کو ترک نہ کرے، کیونکہ اس کے لیے کھانا اور پینا ضروری ہے اور وہ ہتھیار تیار کر کے دشمن کے خلاف جمع کرے اور دروازہ کو بند کرے، اسی طرح دیگر اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔اور ان سب کے باوجود اس کا دل اسباب پر مطمئن نہ ہو بلکہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ اسباب بذاتہا

کسی نفع کو حاصل نہیں کر سکتے اور یہ اسباب بذاتہا کسی ضرر کو دور نہیں کر سکتے، بلکہ سبب اور مسبب سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ پس جب کسی مرد کا میلان سبب کی طرف ہو تو یہ اس کے توکل میں طعن کو پیدا کرے گا۔ اور اگر وہ اسباب کی طرف اس طرح سے نظر کرے کہ ان اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اور اکتساب کی مشروعیت پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا بہترین کھانا وہ ہے جو وہ اپنی کمائی سے کھاتا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی کمائی سے کھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۞ (الانبیاء: ۸۰)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرو گے O

اس آیت میں اسباب کے حصول کی دلیل ہے کہ تم زرہ کو اس لیے بناؤ کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔ اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۞ (النساء: ۷۱)

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو، پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو O

اس آیت میں بھی جنگ کے وقت اپنی حفاظت کا سامان لینے کا حکم دیا ہے اور یہ اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ہے، اگر یہ توکل کے خلاف ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حکم نہ دیتا۔

بلا حساب وبلا عذاب جنت میں داخل ہونے والوں کے متعلق متعدد روایات

امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ اور امام طبرانی نے اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں داخل کرے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے نہ ان سے حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب ہوگا اور میرا رب اپنی مٹھیوں میں سے تین مٹھیاں بھر کر جنت میں داخل کرے گا۔

اور صحیح ابن حبان میں یہ روایت بھی ہے جس کو امام طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ حدیث عتبہ بن عبد سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''کہ پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مل جائیں گے، پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھیاں بھر کر ڈالے گا'' اور اس حدیث میں ہے'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے شک ستر ہزار کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا ان کے آباء اور امہات اور ان کے قبائل کے متعلق اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ میرا کم درجہ کا امتی بھی ان مٹھیوں میں ہوگا''۔

الکلاباذی نے معانی الاخبار میں سندِ ضعیف سے یہ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا تو میں نے آپ کو ڈھونڈا تو آپ اپنے بالا خانے میں نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کے سر کے اوپر تین انوار دیکھے، جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا: تم نے یہ انوار دیکھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

میرے پاس میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا، پھر میرے پاس آیا اور مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کو بغیر حساب کے داخل کرے گا اور بغیر عذاب کے داخل کرے گا۔ پھر میرے پاس آنے والا آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ہر ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار سے دگنے چوگنے بغیر حساب اور کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کو پورے نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو تمہاری امت کے ان اعراب سے مکمل کر دوں گا جو نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ نماز پڑھتے ہیں۔

الکلاباذی نے کہا: پہلی مرتبہ امت سے مراد ہے امتِ اجابت، اور دوسری مرتبہ امت سے مراد ہے آپ کے پیروکار، کیونکہ آپ کی امت تین قسم پر ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے خاص ہے، آپ کی امت میں پہلے آپ کے پیروکار ہیں، پھر امتِ اجابت ہے اور پھر امت دعوت ہے۔ پس پہلے وہ ہیں جو عملِ صالح کرنے والے ہیں اور دوسرے مطلقاً مسلمان ہیں اور تیسرے ان کے ماسوا ہیں جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اور ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے جو مقدار ذکر کی گئی ہے اس پر جو مقدار زائد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مٹھی بھر کر جنت میں ڈالنے کے اعتبار سے ہے۔

کیونکہ امام احمد نے از قتادہ از النضر بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے جنت میں چار لاکھ کو داخل کرے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اور زیادہ کریں، آپ نے فرمایا: پس اس طرح، آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کیا تو انہوں نے کہا: اور زیادہ کریں، تو آپ نے کہا: اس طرح، پھر آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے لیے یہ کافی ہے، پس اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا اپنی ایک مٹھی سے ہی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کر دے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ اس حدیث کی سند جید ہے لیکن قتادہ کی سند میں بہت اختلاف ہے۔

اور خطیب نے ''المبهمات'' میں مجاہد سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق سے واپس ہوئے اور اس میں ایک طویل قصہ ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اسی صفیں اس میں سے میری امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی، اور میرے ساتھ ان لوگوں میں سے ستر ہزار ایسے ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۳۔۶۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۱۔ بَابُ: صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

جنت اور دوزخ کی صفت کا بیان

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ

عَدْنٌ: خُلْدٌ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ: أَقَمْتُ: وَمِنْهُ الْمَعْدِنُ

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ: فِي مَنْبِتِ صِدْقٍ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا طعام جو اہلِ جنت کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی کا زائد ٹکڑا ہو گا۔

''عدن'' کا معنی ہے: دوام اور ہمیشگی۔ ''عدنت بارض'' کا معنی ہے: میں نے زمین میں قیام کیا، اور اسی سے ''المعدن'' نکلا ہے۔

''فی مقعد صدق'' کا معنی ہے: صدق کے ظاہر ہونے کی جگہ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جنت کی صفت بیان کی گئی ہے اور دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے اور کتاب بدء الخلق میں بھی یہ باب گزر چکا ہے، اس میں تھا "باب ماجاء فی صفة الجنة وباب صفة النار"۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔ اور یہ حدیث عنقریب "باب یقبض اللہ الارض" میں گزر چکی ہے۔

اس تعلیق میں "زیادة کبد الحوت" کا ذکر ہے یعنی مچھلی کی کلیجی کا زائد ٹکڑا۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں "عدن" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: خلد اور ہمیشگی۔

امام بخاری کا طریقہ ہے کہ قرآن مجید میں جو لفظ آیا ہو اس کی شرح ذکر کرتے ہیں، سو قرآن مجید میں "جَنّٰتِ عَدْنٍ" (التوبہ: ۷۲) کا لفظ مذکور ہے اور امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: ہمیشگی کی جنتیں۔ اور خلد کا ذکر کیا ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا ہے "خلد" کا معنی ہے: بقا کا دوام۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے لکھا ہے "عدنت بارض" یعنی میں نے زمین میں قیام کیا۔ اس سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ "عدن" کا معنی ہے قیام کرنا۔ کہا جاتا ہے "عدن بالبلد" یعنی اس نے شہر میں قیام کیا اور امام بخاری نے کہا: اس سے "معدن" نکلا ہے یعنی اسی باب سے معدن کا لفظ ہے جس سے زمین کے جواہر نکالے جاتے ہیں مثلاً سونا، چاندی، پیتل اور لوہا وغیرہ۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے "فی معدن صدق" کا معنی ہے "فی منبت صدق" اس سے امام بخاری نے لوگوں کے کلام میں "معدن صدق" کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے "منبت صدق" اور ابوذر کی روایت میں ہے "فی مقعد صدق" جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۵۴۔۵۵)

بے شک متقین جنتوں میں اور دریاؤں میں ہوں گے ۝ سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس۔

اس آیت میں "جَنّٰتٍ" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: باغات۔ اور اس آیت میں "نَهَرٍ" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: دریا۔

کیونکہ "جنّٰت" جمع کا صیغہ ہے تو بہ ظاہر نہر کی جگہ انہار کہنا چاہیے تھا لیکن آیت کے آخری الفاظ کو ایک وزن پر لانے کے لیے انہار کے بجائے نہر کا لفظ ذکر فرمایا، کیونکہ دوسری آیت کا آخری لفظ ہے "مقتدر" اس لیے پہلی آیت میں "انہار" کی جگہ

نھر کا لفظ فرمایا گیا ہے۔
الضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ متقین روشنی اور وسعت میں ہوں گے۔ اور علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ''مقعد صدق'' کا معنی ہے: ایسی مجلس جس میں حق باتیں کی جائیں جس میں کوئی لغو بات نہ ہو اور نہ کوئی گناہ کی بات ہو اور ایسی مجلس جنت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۲۔۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از ابی رجاء از حضرت عمران از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا، پس میں نے دیکھا کہ اکثر اہلِ جنت فقراء ہیں، اور میں نے دوزخ میں جھانکا، پس میں نے دیکھا کہ اکثر اہلِ دوزخ عورتیں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۵۱۹۸، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۲۰۸۷)

صحیح البخاری: ۶۵۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جنت اور دوزخ کی صفت'' اور اس حدیث میں جنت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اکثر اہلِ جنت فقراء ہوں گے اور دوزخ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہوں گی۔ اور یوں یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عثمان بن الہیثم کا ذکر ہے، یہ ابن الجہم ابو عمرو المؤذن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عوف کا ذکر ہے، یہ مشہور اعرابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو رجاء کا ذکر ہے، یہ عمران العطاردی ہیں اور ان کے شیخ حضرت عمران بن حصین الصحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اطلعت'' یعنی میں نے جھانکا اور میں نے دیکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اکثر اہلِ جنت کے فقراء ہونے کی توجیہ اور اکثر اہل دوزخ کے عورتیں ہونے کی توجیہ

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اہلِ جنت اکثر فقراء ہوں گے''۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فقیر صابر، غنی

شاکر سے افضل ہے، کیونکہ آدمی کے پاس مال کی نعمت ہو تو اس پر شکر ادا کرنا اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا مشکل مال نہ ہونے کی صورت میں اپنی ضروریات پر صبر کرنا ہے اور بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا ہے۔ اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ "اہل دوزخ اکثر عورتیں ہوں گی" اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی بہ نسبت کم عبادت کرتی ہیں اور نافرمانی زیادہ کرتی ہیں اور عورتیں اپنے خاوند کا شکر ادا نہیں کرتیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦٥٤٧ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينَ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان التیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت اسامہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، پس جنت میں عام داخل ہونے والے مساکین تھے اور مال دار لوگوں کو روکا ہوا تھا سوا اس کے کہ جو اصحابِ دوزخ تھے انہیں دوزخ میں جانے کا حکم دیا گیا اور میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔

(صحیح البخاری: ۵۱۹۶، ۶۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۷۳۶، مسند احمد: ۲۱۳۱۸)

صحیح البخاری: ۶۵۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اسی طرح مطابقت ہے جس طرح اس سے پہلی حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن علیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان التیمی کا ذکر ہے اور اس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن مل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسامہ کا ذکر ہے اور وہ ابن زید بن حارثہ ہیں اور وہ صحابی بن صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جنت میں عام داخل ہونے والے مساکین ہیں"۔ اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا کہ جنت میں عام داخل ہونے والے فقراء ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ مساکین اور فقراء کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔
میں کہتا ہوں: اصطلاح میں ان کے درمیان فرق ہے۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس بہ قدر نصاب مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس

کے پاس بالکل مال نہ ہو۔قرآن مجید میں ہے:

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ (البلد:١٦) یا خاک نشیں مسکین کو (کھانا کھلانا)O

(سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "اصحٰب الجد محبوسون"۔"اصحٰب الجد" سے مراد ہیں: اغنیاء، یعنی مال دار لوگ۔ ان کو حساب کے لیے روکا جائے گا، یعنی ان کو ان کی ضروریات سے زائد جو مال دیا گیا ہے اس کا حساب لیا جائے گا کہ انہوں نے اس مال کو نیکی میں خرچ کیا ہے یا گناہ میں اور اس مال کی نعمت کے مقابلہ میں انہوں نے کتنی عبادات کی ہیں۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے مال پر فخر کیا اور اس مال پر جو حق واجب ہوتا تھا اس کو ادا نہیں کیا تو اس کا حساب لیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اس حدیث میں فقر کی غنیٰ پر فضیلت ہے جیسا کہ ہم نے پہلی حدیث میں بیان کیا ہے۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس اتنی نعمت ہو جو اس کی ضروریات کی متکفل ہو تو یہ افضل ہے، کیونکہ جو غنی سرکش ہو اس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾ (العلق:٦۔٧) بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہےO اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہےO

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ، ج ۳۰ ص ۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٦٥٤٨ ۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَارَ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَى الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ جِيءَ بِالْمَوْتِ حَتَّى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلَى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ۔

(صحیح البخاری: ٦٥٤٤، ٦٥٤٨، صحیح مسلم: ٢٨٥٠، مسند احمد: ٥٩٥٧)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد بن زید نے خبر دی از والد خود، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت کی طرف چلے جائیں گے، اور اہل دوزخ، دوزخ کی طرف چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ دیا جائے گا، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک نداء کرنے والا نداء کرے گا: اے اہلِ جنت! موت نہیں ہے اور اے اہلِ دوزخ! موت نہیں ہے، سو اہلِ جنت کی خوشی میں اور خوشی زیادہ ہو جائے گی، اور اہل دوزخ کے غم میں اور غم زیادہ ہو جائے گا۔

صحیح البخاری: ٦٥٤٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جنت اور دوزخ کی صفت" اور اس حدیث میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اور اہل جنت کی صفت بھی جنت کی صفت ہے اور اہل دوزخ کی صفت بھی دوزخ کی صفت ہے اور یوں یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے، کیونکہ یہ خوشی اور غم جنت اور دوزخ میں حاصل ہوگا۔ اور یہ وصف کا محل ہے اور اس سے حال کے وصف کا ارادہ کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معاذ بن اسد کا ذکر ہے، یہ ابوعبداللہ المروزی ہیں جو بصرہ میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمر بن محمد کا ذکر ہے، جو اپنے والد محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے "صفة اهل الجنة والنار" میں ہارون بن سعید سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان کر دیا جائے گا"۔ اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان سرحد پر کھڑا کر دیا جائے گا"۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر موت کو ذبح کر دیا جائے گا"۔

موت کو ذبح کرنے پر ایک سوال کا جواب اور موت کو کون ذبح کرے گا؟

اس جگہ یہ سوال ہے کہ موت تو عرض ہے یعنی روح کا بدن سے منفصل ہونا، تو پھر موت کے لیے لایا جانا اور اس کو ذبح کرنا یہ کیسے متصور ہوگا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ موت کو جسم اور جسد بنا دے گا، یا اس میں خلود اور دوام کی طرف ایک مثال سے اشارہ کیا ہے۔ اور علامہ قرطبی نے بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ جو شخص موت کو ذبح کریں گے وہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے۔ اور اس میں دوامِ حیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جنت کے دروازہ پر موت کو ذبح کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۴۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں لانے کی حکمت

اس سے پہلے سورۂ مریم کی تفسیر میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل لایا جائے گا۔ اور مقاتل اور کلبی نے اپنی تفسیر میں "اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ" (الملک: ۲) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو مینڈھے کی صورت میں پیدا فرمایا، وہ جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گا وہ مر جائے گا اور حیات کو گھوڑے کی صورت میں پیدا

کیا وہ جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گا وہ زندہ ہو جائے گا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ موت کو اس صورت میں لانے کی حکمت یہ ہے کہ موت کا فدیہ مینڈھے سے دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ مینڈھے سے دیا۔ اور سرمئی کے رنگ میں جنت اور دوزخ کے رنگوں کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ سرمئی وہ ہے جس میں سفیدی اور سیاہی ہو اور جنتی لوگ وہ ہوں گے جو سفید ہوں گے اور دوزخی لوگ وہ ہوں گے جو سیاہ ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "موت کو ذبح کر دیا جائے گا" اور ذبح کرنے والے کا نام مذکور نہیں ہے۔

اور علامہ قرطبی نے بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ اس کو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے اور اس میں حیات کے دوام کی طرف اشارہ ہے اور بعض تفاسیر میں منقول ہے کہ اس کو ذبح کرنے والے حضرت جبریل ہیں۔

موت نہ آنے سے اہلِ جنت کی خوشی اور اہلِ دوزخ کے غم کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ماجہ نے اور امام ابن حبان نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کو صراط پر ٹھہرایا جائے گا، پس کہا جائے گا: اے اہلِ جنت! تو وہ متوجہ ہوں گے اور ڈر رہے ہوں گے کہ کہیں ان کو اس جگہ سے نہ نکال دیا جائے جس جگہ وہ ہیں، پھر کہا جائے گا: اے اہلِ دوزخ! پس وہ متوجہ ہوں گے اور خوش ہوں گے اور ایک دوسرے کو خوشخبری دیں گے کہ وہ اس جگہ سے نکل جائیں گے جس جگہ پر وہ ہیں، اور اس کے آخر میں ہے کہ پھر دونوں فریقوں سے کہا جائے گا: خلود ہے جس جگہ پر تم ہو۔

اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ سے کہا جائے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں ہم پہچانتے ہیں یہ موت ہے، ہمیں اس کے سپرد کیا گیا تھا، پھر اس موت کو جنت اور دوزخ کی سرحد پر ذبح کر دیا جائے گا۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا ہے: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ یہ صریح عقل کے خلاف ہے، کیونکہ موت عرض ہے اور عرض جسم نہیں بنتی، پس اس کو کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اور ایک جماعت نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے اور دوسری جماعت نے اس کی تاویل کی ہے اور کہا ہے یہ مثال ہے: حقیقت میں وہاں کوئی ذبح نہیں تھا۔ اور دوسری جماعت نے کہا ہے کہ حقیقت میں ذبح ہوا ہے اور مذبوح متولی الموت ہے یعنی ملک الموت ہے۔ اور ہر کوئی پہچانتا ہے کہ یہی وہ فرشتہ ہے جو ان کی روحوں کو قبض کرتا تھا۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر ملک الموت زندہ رہتے تو اہلِ جنت کا عیش مغموم ہوتا۔

اور علی بن معبد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پھر ملک الموت آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! تو باقی ہے، تو الحی القیوم ہے، تجھے موت نہیں آئی گی اور میں باقی ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو، پس تم مرجاؤ اور تمہیں زندہ نہیں کیا جائے گا، پس ملک الموت مرجائے گا۔

اور ابن ابی الدنیا نے محمد بن کعب القرظی کی سند سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مخلوقات میں سے آخر میں جو فوت ہوگا وہ ایک فرشتہ ہے اس سے کہا جائے گا: مرجاؤ، اور تمہیں اس کے بعد زندہ نہیں کیا جائے گا۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ ان کی دلیل ہوگی جو اس کا رد کرتے ہیں کہ مینڈھے کو ذبح کیا گیا، کیونکہ ملک الموت اس سے پہلے فوت ہو گئے تھے، ایسی موت جس کے بعد کوئی حیات نہیں ہے لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۴۔۶۲۵، ملخصاً وملتقطاً دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۴۹۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالُوا يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس نے خبر دی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہلِ جنت! وہ کہیں گے: ہم حاضر ہیں ہمارے رب اور تیری اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ اہلِ جنت کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں، پس اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل عطا فرماتا ہوں، وہ کہیں گے: اے رب! وہ کون سی نعمت ہے جو ان سے افضل ہے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارے اوپر اپنی رضاء کو حلال کر دیتا ہوں، سو میں تم پر اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۷۵۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۹، سنن ترمذی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ۱۱۴۲۵)

صحیح البخاری: ۶۵۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں تم پر اپنی نعمت کو حلال کر دیتا ہوں" یعنی میں تم پر اپنی نعمت کو نازل فرما دیتا ہوں۔ یا یہ لفظ ایجاب کے معنی میں ہے یعنی میں تم پر اپنی نعمت کو واجب کر دیتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حل امر اللہ علیہ" اس کا معنی ہے: اس پر وہ امر واجب ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ أُصِيبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي فَإِنْ يَكُ فِي الْجَنَّةِ أَصْبِرْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی از حمید انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن شہید ہو گئے اور وہ

وَأَحْتَسِبْ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ وَيْحَكِ أَوَهَبِلْتِ أَوَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ لَفِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ۔

نوعمر تھے تو ان کی والدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سوانہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کا مرتبہ میرے نزدیک کیا تھا! اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی نیت کرتی ہوں، اور اگر کوئی دوسری بات ہے تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، یا تم اپنے بیٹے کے فراق میں دیوانی ہوگئی ہو؟ کیا وہاں ایک جنت ہے؟ وہاں تو بہت جنتیں ہیں اور وہ تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۰۹، ۳۹۸۲، ۶۵۵۰، ۶۵۶۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۴، مسند احمد: ۱۳۳۳۰)

صحیح البخاری: ۶۵۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے آخری جملہ میں ہے کہ ''جنت میں بہت جنتیں ہیں اور حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جنت الفردوس میں ہیں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معاویہ بن عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن مہلب الازدی البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن محمد الفزاری ہیں۔ اور حمید کا ذکر ہے وہ ابن ابی حمید الطویل ہیں۔

حارثہ کا تذکرہ

ان کا نام حارثہ بن سراقہ بن الحارث الانصاری ہے، یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے ماں باپ بھی صحابی ہیں اور ان کی ماں کا نام الربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ اور ان کے نام میں اختلاف ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر کوئی اور بات ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں؟''۔ یعنی اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو میں ایسا نوحہ کروں گی جو اہلِ حزن میں مشہور ہے اور ہر ایک اس کو دیکھے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحک''۔ یہ ترحم اور شفقت کا کلمہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اوھبلت'' یعنی جس عورت کا بچہ فوت ہو جائے تو وہ اس کے غم میں چیخ و پکار کرتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جنت میں تو بہت جنتیں ہیں'' یعنی کئی قسم کے باغات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جنت الفردوس'' زجاج نے کہا: جنت الفردوس وہ ہے جس میں مختلف اقسام کے سبزہ جات ہیں

اور ابن الانباری نے کہا: اس میں انگور وغیرہ کے باغات ہیں۔ الفرّاء نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اور ''الفردس'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی وسعت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رومی لفظ ہے جس کو عربوں نے نقل کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے اور اس سے مراد جنت کی وہ جگہ ہے جو سب سے افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۱۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيِ الْكَافِرِ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ۔
(صحیح مسلم: ۲۸۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن موسیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل نے خبر دی از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کافر کے دو کندھوں کے درمیان جو فاصلہ ہوگا وہ تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے جز ثانی میں ہے، یعنی کافر کے دو کندھوں کی مقدار دوزخ میں اتنی طویل ہوگی اور یہ دوزخ کی صفت ہے اور اس میں محل کا ذکر ہے اور اس سے ارادہ حال کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الفضل بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ السینانی ہیں اور سینان مرو کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ اور اس حدیث میں فضیل کا ذکر ہے، یہ فضل کی تصغیر ہے۔ اور ان کی کسی کی طرف نسبت کا ذکر نہیں کیا۔ اور ایک روایت میں الفضل بن غزوان مذکور ہے اور یہی معتمد ہے۔ اور ابو الحسن القابسی نے اپنی روایت میں جو ابو زید المروزی سے ہے کہا ہے کہ یہ الفضیل بن عیاض ہیں۔ اور اس کو ابو علی الجیانی نے رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ فضیل بن عیاض کی صحیح البخاری کی کتاب التوحید میں صرف دو جگہ روایت ہے اور ان کی کوئی روایت ابو حازم سے نہیں ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں اور نہ انہوں نے اس کو پایا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ سلیمان الاشجعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

دوزخی کی عظیم جسامت کے متعلق متعدد احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''کافر کے دو کندھوں کے درمیان کا فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت ہے''۔

اور یوسف بن عیسیٰ کی روایت ہے از الفضل بن موسیٰ جو امام بخاری کے شیخ ہیں، اس میں یہ مسافت پانچ دن کی لکھی ہے۔ اور امام احمد نے از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخی کے کان کی لو سے اس کے کندھے

تک کی مسافت سات سو سال کی ہوگی۔اور امام بیہقی نے کتاب البعث میں ایک اور سند سے روایت کی ہے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ وہ ستر سال کی مسافت ہوگی۔اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کافر کی ڈاڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ سے بڑی ہوگی، ان کی جسامت اس لیے بڑی کی جائے گی تا کہ وہ زیادہ عذاب کا مزا چکھیں۔
اس حدیث میں رسول اللہ کے ارشاد کی تصریح نہیں ہے لیکن یہ حکم میں آپ کے ارشاد کے ہے کیونکہ قیاس کا اس میں دخل نہیں ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کافر کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہے۔اور امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ کافر کی کھال اور اس کی کھال کی موٹائی بیالیس ہاتھ ہوگی اور یہ جبار کے ہاتھ ہیں۔امام بیہقی نے کہا: لفظ جبار سے اس کی ہولنا کی کو بتانے کا ارادہ کیا ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جبار سے مراد کوئی جابر شخص ہو اور یہ اشارہ ہو اس ہاتھ کی بڑائی کا۔اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ یہ جبار یمن کا بادشاہ تھا۔اور امام بیہقی نے عطاء بن یسار کی سند سے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: اس کی ران ورقان کی مثل ہوگی اور اس کی مقعد میں اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہے۔اور امام ترمذی کی روایت میں ہے: جیسے مکہ اور مدینہ کا فاصلہ ہے اور ورقان حجاز کا ایک مشہور پہاڑ ہے۔اور ان مقداروں کا اختلاف دوزخ میں کفار کے عذاب کے اختلاف پر محمول ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سنن ترمذی اور سنن نسائی میں سندِ جید کے ساتھ از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود یہ روایت ہے کہ قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی مثل کیا جائے گا اور وہ مردوں کی صورت میں ہوں گے اور ان کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور اس جہنم کا نام بولس ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حشر کی ابتداء میں ہوگا اور یہ احادیث جو ذکر کی گئی ہیں یہ اس پر محمول ہیں کہ جب وہ دوزخ میں مستقر ہو جائیں گے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: ان احادیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ کافر نے جس جسامت کے ساتھ کفر کیا تھا یا کوئی گناہ کیا تھا وہ تو اتنا بڑا نہیں تھا، تو اب جو اتنے بڑے جسم کو عذاب دیا جائے گا تو اس سے تعذیب بلا معصیت لازم آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے: اس کا جسم اتنا ہی بڑا ہوگا جتنا دنیا میں تھا لیکن اس کے جسم کو بد ہیئت اور قبیح ظاہر کرنے کے لیے اس کو پھلا کر اور پھیلا کر بڑا کر دیا جائے گا۔(سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ قرطبی نے صحیح مسلم کی شرح المفہم میں لکھا ہے کہ دوزخ میں کافر کے جسم کو عظیم بنایا جائے گا تا کہ اس کا عذاب عظیم ہو اور اس کا درد دگنا چوگنا ہو۔اور انہوں نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار اپنے عذاب میں مختلف ہوں گے جیسا کہ کتاب و سنت سے ہم کو علم ہے کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کا عذاب اور مسلمانوں کی پردہ دری کا عذاب اور زمین میں فساد کرنے کا عذاب صرف کفر کے عذاب کے مساوی نہیں ہے۔تو جس نے کفر کے ساتھ ایسے بڑے بڑے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اس کو زیادہ عذاب دینے کے لیے اس کے جسم کو پھلا کر اور پھیلا کر بڑا کر دیا جائے گا۔(فتح الباری ج ۷ ص ۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۲۔ وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۲۷، سنن ترمذی: ۳۲۹۳، مسند احمد: ۸۹۹۰)

اور اسحاق بن ابراہیم نے کہا: ہمیں مغیرہ بن سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابوحازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جنت میں ضرور ایک ایسا درخت ہے کہ ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا اور اس کے سائے کو منقطع نہیں کر سکے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ سایا تو دھوپ سے ہوتا ہے اور جنت میں دھوپ نہیں ہوگی تو پھر سایا کیسے ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ظل'' کا معنی راحت، نعمت اور جہت ہے جیسے کہا جاتا ہے ''انا فی ظلک'' یعنی میں تمہاری رحمت کے سائے میں ہوں اور علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ ظل کا لفظ الفیء سے عام ہے کیونکہ کہا جاتا ہے ''ظل اللیل'' اور ''ظل الجنۃ'' اور ہر اس جگہ کے لیے ظل کا لفظ کہا جاتا ہے جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور الفیء کا لفظ وہاں کہا جاتا ہے جہاں سے سورج زائل ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۳۔ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا۔

ابوحازم نے کہا: پس میں نے النعمان بن ابی عیاش کو یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا: مجھے ابوسعید نے یہ حدیث بیان کی از نبی ﷺ اور بیان کیا کہ جنت میں ضرور ایک ایسا درخت ہے کہ عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال تک چلتا رہے گا پھر بھی اس (کے) سائے کو قطع نہیں کر سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۸۲۷، سنن ترمذی: ۳۲۹۳، مسند احمد: ۸۹۹۰)

صحیح البخاری: ۶۵۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں جنت کی صفت کا بیان ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے از اسحاق بن ابراہیم بھی روایت کی ہے لیکن انہوں نے کہا ہے: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی اور امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث کو تعلیق کی صورت میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے جو ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن سلمہ کا ذکر ہے، یہ المخزومی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد البصری ہیں

ہیں۔ اور ابو حازم کا ذکر ہے وہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور سہل کا ذکر ہے، وہ حضرت سہل بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ عمدہ تیز رفتار سوار اس درخت کو سو سال میں بھی قطع نہیں کر سکے گا''۔ یعنی سو سال میں بھی اس درخت کی ٹہنیوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

جواد اور مضمّر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الجواد'' اس کا معنی ہے: عمدہ اور تیز رفتار گھوڑا۔ جواد کا لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو گھوڑا مضمّر ہو'' مضمّر اس گھوڑے کو کہتے ہیں کہ جس کو پہلے کھلا پلا کر موٹا کیا جائے اور چالیس دن کے بعد اس کو اس کی پچھلی خوراک پر لایا جائے اس کو مضمار کہتے ہیں۔ اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: المضمر وہ گھوڑا ہے جو گھر میں داخل ہو اور اس پر اس کی زین ڈالی جائے اور اس کو چارہ کم دیا جائے تاکہ اس کا گوشت کم ہو جائے، پھر اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور آدمی اس سے مطمئن ہوتا ہے کہ اس سے کوئی آگے نہیں نکل سکے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو گھوڑے مضمر تھے ان سے سات میل تک دوڑ میں مقابلہ کرایا جاتا تھا۔ اور جو مضمر نہیں تھے ان سے ایک میل تک کی دوڑ میں مقابلہ کرایا جاتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيُّهُمَا قَالَ مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ضرور ستر ہزار جنت میں داخل ہوں گے یا سات لاکھ، ابو حازم نہیں جانتے تھے کہ کون سا عدد فرمایا، آپ نے فرمایا: وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے اور ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے، ان میں سے اول اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک کہ آخر داخل نہ ہو جائے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی صورت پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۷، ۶۵۴۳، ۶۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۱۹، مسند احمد: ۲۲۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حدیث مذکور پر دور کے اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "جنت میں اس وقت تک پہلا داخل نہیں ہوگا جب تک کہ آخری داخل نہ ہو جائے"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ کیسے متصور ہوگا حالانکہ یہ دَور کو مستلزم ہے، کیونکہ اول کا دخول آخر کے دخول پر موقوف ہوگا اور آخر کا دخول اول کے دخول پر موقوف ہوگا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: وہ سب ایک صف میں داخل ہوں گے اس میں اول اور آخر موجود ہوں گے اور یہ "دَوْر معية" ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۷۔۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ الْغُرَفَ فِي الْجَنَّةِ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ فِي السَّمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اہلِ جنت (اپنے اوپر کے درجوں کے) بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان میں ستارے کو دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۵۵۶،۳۲۵۶، صحیح مسلم: ۲۸۳۱، مسند احمد: ۲۲۳۶۹، سنن دارمی: ۲۸۳۰)

۶۵۵۶۔ قَالَ أَبِي فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُ وَيَزِيدُ فِيهِ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ الشَّرْقِيِّ وَالْغَرْبِيِّ۔

(عبدالعزیز نے کہا:) میرے والد نے کہا: پس میں نے یہ حدیث النعمان بن ابی عیاش سے بیان کی تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے اور وہ اس میں یہ اضافہ کرتے تھے: جیسا کہ تم افق شرقی اور غربی میں دور ہونے والے ستارے کو دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۵۵۶،۳۲۵۶، صحیح مسلم: ۲۸۳۱، مسند احمد: ۲۲۳۶۹، سنن دارمی: ۲۸۳۰)

صحیح البخاری: ۶۵۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے، وہ اپنے والد ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس حدیث کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لیتراء ون" یعنی اہل جنت ضرور دیکھیں گے اور اس میں لام تاکید کے لیے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الغرف" یہ "غرفة" کی جمع ہے یعنی بالا خانے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الکوکب" اور الاسماعیلی کی روایت میں ہے "الکوکب الدری" یعنی چمک دار ستارہ۔
صحیح البخاری: ۶۵۵۶ کی تعلیق میں ہے "قال" یعنی عبدالعزیز نے کہا۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "ابی" اور وہ ابوحازم ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الغارب" اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے "الغابر"۔ "غارب" کا معنی ہے دور ہو جانے والا۔ اور "الغابر" کا معنی ہے: باقی رہنے والا۔
علامہ طیبی نے کہا ہے کہ جو جنت میں بالا خانے سے دیکھے گا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دور سے کسی چمک دار ستارے کو دیکھے جو مشرق کی جانب ہو یا مغرب کی جانب ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُولُ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی عمران انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جسے قیامت کے دن سب سے کم عذاب ہوگا: اگر تمہارے پاس روئے زمین کی کوئی چیز ہوتی تو کیا تم اس عذاب سے نجات کے لیے اس کو فدیہ میں دیتے؟ وہ کہے گا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے بھی آسان چیز کا ارادہ کیا تھا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ اور تو نے انکار کیا سوائے میرے ساتھ شریک بنانے کے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۴، ۶۵۳۸، ۶۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۰۵، مسند احمد: ۱۱۹۰۳)

صحیح البخاری: ۶۵۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ اس حدیث میں دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے اس کے رہنے

والوں کے حال سے، یہاں بھی ذکر محل کا ہے اور ارادہ حال کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور ابو عمران کا ذکر ہے، وہ عبد الملک بن حبیب الجبنی البصری ہیں۔

یہ حدیث خلق آدم علیہ السلام کے باب میں گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کو باب التوبۃ میں روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابیت'' یہ ''ابی'' سے ماخوذ ہے یعنی تو نے منع کیا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا سوال کیا تھا'' یعنی میں نے تجھے ایک حکم دیا تھا اور تو نے اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس چیز کا حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

اگر اس پر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے صحیح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے بلکہ یہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے غلام پر عتاب کرے اور اس کو مارے اور کہے کہ میں نے اس کو ایک کام کا حکم دیا تھا اس نے وہ کام نہیں کیا، پھر واجب ہے کہ وہ اس کی حقیقت کو واضح کرے، پھر جب غلام آئے تو اسے کہے: فلاں کام کرو اور وہ یہ ارادہ نہ کرتا ہو کہ وہ یہ کام کرے بلکہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ دیکھو میں اس کو اس کام کا حکم دے رہا ہوں اور یہ نہیں کر رہا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۸۸، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ كَأَنَّهُمُ الثَّعَارِيرُ قُلْتُ مَا الثَّعَارِيرُ قَالَ الضَّغَابِيسُ وَكَانَ قَدْ سَقَطَ فَمُهُ فَقُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ أَبَا مُحَمَّدٍ سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَخْرُجُ بِالشَّفَاعَةِ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمْ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۱، مسند احمد: ۱۴۶۳۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ سے شفاعت کے سبب سے لوگ اس طرح نکلیں گے گویا کہ وہ ثعاریر ہیں، میں نے پوچھا: ''ثعاریر'' کیا ہے، انہوں نے کہا: وہ ضغابیس ہیں یعنی چھوٹی ککڑیاں۔ اور ان کے منہ کے دانت گر گئے تھے، پس میں نے عمرو بن دینار سے کہا: اے ابو محمد! (یہ ان کی کنیت ہے) کیا آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: شفاعت کے سبب سے دوزخ سے لوگ نکلیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، یہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جابر، یہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یخرج من النار'' یعنی دوزخ سے لوگ نکلیں گے۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک قوم کو شفاعت کے سبب سے نکالے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثعاریر'' یہ ''ثعرور'' کی جمع ہے ''عصفور'' کے وزن پر۔ ابن الاعرابی نے کہا: یہ چھوٹی ککڑی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے پوچھا ''ثعاریر'' کیا ہے تو انہوں نے کہا وہ ''ضغابیس'' ہے۔ الضغابیس، ضغبوس کی جمع ہے۔ اور الاصمعی نے کہا: یہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کو زیتون کے تیل اور سرکہ کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ یہ انگلی کے برابر بالشت کے برابر ہوتی ہے اس میں کوئی پتہ نہیں ہوتا اور اس میں ترشی کا ذائقہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان قد سقط فمه'' اس کے قائل حماد ہیں۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے منہ کے دانت گر گئے تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

شفاعت کی مختصر تحقیق

اس حدیث میں شفاعت کا ثبوت ہے اور معتزلہ کے مذہب کا رد ہے جو شفاعت کی نفی کرتے ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ المعتزلہ اور الخوارج نے شفاعت کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن مرتکبین کبائر کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت نہیں کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ (المدثر: ۴۸) پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی ۝

اور اس آیت کی مثل اور دیگر آیات بھی ہیں۔

اور اہل السنت نے ان آیات کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیات کفار کے متعلق ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے ثبوت میں متواتر احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتکبین کبائر کی شفاعت فرمائیں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ (الاسراء:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔ اور علامہ الواحدی نے اس میں مبالغہ کیا اور یہ کہا کہ شفاعت کے ثبوت میں اجماع ہے۔

اور امام ابوجعفر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل تاویل نے یہ بیان کیا ہے کہ مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے تاکہ مسلمانوں کو محشر کی تکلیف سے راحت پہنچائیں۔ اور احادیث کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔ اور حسن بصری اور قتادہ سے بھی مروی ہے، اور امام طبری نے کہا: یہ لیث اور مجاہد کا قول ہے کہ مقامِ محمود سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر بیٹھیں گے۔ اور علامہ واحدی نے اس قول کا رد کیا ہے۔

اور علامہ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن رب تعالیٰ کے سامنے رب تعالیٰ کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۹۔۱۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوزخیوں کو دوزخ سے نکالنے کے متعلق احادیث

امام سعید بن ابی منصور نے از سفیان از عمرو روایت کی ہے کہ ایک مرد نے عبید بن عمیر سے کہا اور وہ مرد خوارج کی رائے کے ساتھ متہم تھا، اس کو ہارون ابوموسیٰ کہا جاتا تھا۔ اس نے کہا: اے ابوعاصم! یہ تم کیا حدیث بیان کر رہے ہو؟ (یعنی اللہ تعالیٰ ایک قوم کو شفاعت کے سبب دوزخ سے نکالے گا)، انہوں نے کہا: تم ایک طرف ہٹو، اگر میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے اس حدیث کو نہ سنا ہوتا تو میں اس حدیث کو نہ بیان کرتا۔

- امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ نکلے، ہم حج کا ارادہ کرتے تھے، پھر ہم لوگوں کے ساتھ نکلے، پس ہم مدینہ میں گزرے تو ایک مرد حدیث بیان کر رہا تھا اور اس وقت اس نے دوزخیوں کا ذکر کیا، میں نے اس سے کہا کہ تم کیسی حدیث بیان کر رہے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝ (آل عمران:۱۹۲) اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

- انہوں نے اس سے کہا: کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کیا تم نے قرآن مجید میں مقامِ محمود کو پڑھا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز فرمائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے کہا: یہ مقامِ محمد ہے جس کی حمد کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اسی مقام کی وجہ سے ان لوگوں کو دوزخ سے نکال دے گا جو پہلے دوزخ میں تھے۔

شفاعت کے ثبوت میں دلائل

خلاصہ یہ ہے کہ خوارج مبتدعین کی ایک مشہور جماعت ہے جو شفاعت کا انکار کرتے تھے اور صحابہ ان کا انکار کرتے تھے اور وہ احادیث بیان کرتے تھے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔

امام سعید بن منصور نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس نے شفاعت کی تکذیب کی اس کا اس دین میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور امام بیہقی نے کتاب البعث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو رجم کا انکار کریں گے اور دجال کی تکذیب کریں گے اور عذابِ قبر کی تکذیب کریں گے اور شفاعت کی تکذیب کریں گے اور اس کی تکذیب کریں گے کہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک قوم کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور ہم اس کی اس طرح تکذیب نہیں کرتے جس طرح اس کی اہل حروراء یعنی الخوارج نے تکذیب کی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (الاسراء:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے، پس مجھے میرا رب سبز حلّہ پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی، پھر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ میں کہوں گا اور یہی مقامِ محمود ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور اہل علم یہ کہتے ہیں کہ یہی مقامِ محمود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن کھڑا ہوں گا جب تم ننگے پیر ننگے بدن آؤ گے، پھر مجھے میرا رب حلّہ پہنائے گا، سو میں اس کو پہنوں گا، پس میں عرش کی دائیں جانب ایک مقام پر کھڑا ہوں گا جس مقام پر میرے سوا کوئی کھڑا نہیں ہوگا اور مجھ پر اولین اور آخرین رشک کریں گے۔

شفاعت کی اقسام

علامہ نووی نے قاضی عیاض کی پیروی میں کہا ہے: شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:

ایک قسم ہے محشر کی ہولناکیوں سے راحت پہنچانے کے لیے شفاعت کرنا۔

دوسری قسم ہے بعض لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت کرنا۔

تیسری قسم ہے جن لوگوں کو روک لیا گیا اور وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ان کے لیے شفاعت کرنا تا کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے۔

چوتھی قسم ہے اہل دوزخ میں سے گناہ گاروں کو نکالنے کے لیے شفاعت کرنا۔

اور پانچویں قسم ہے درجات کی بلندی کے لیے شفاعت کرنا۔

قاضی عیاض نے شفاعت کی چھٹی قسم بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کے لیے شفاعت کرنا۔

اور بعض علماء نے شفاعت کی ساتویں قسم بھی بیان کی ہے اور وہ ہے اہلِ مدینہ کے لیے خصوصی شفاعت کرنا، کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے مصائب پر جو بھی صبر کرے گا میں اس کی شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس وقت جس شخص سے یہ ہو سکے وہ مدینہ میں مرجائے، کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

اور امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے میں اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا، پھر اہلِ مکہ کی پھر اہلِ طائف کی۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر تمام عرب کی شفاعت کروں گا، پھر عجمیوں کی شفاعت کروں گا۔

اور شفاعت کی آٹھویں قسم یہ ہے کہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے جنت میں دخول کی شفاعت فرمائیں گے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: سب سے پہلے جنت میں لوگ بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور جو میانہ روی سے عمل کرنے والے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہوں گے۔ اور پھر وہ داخل ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر کے گناہ کیا اور پھر جو اصحابِ اعراف ہیں وہ داخل ہوں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے، اور اصحابِ اعراف کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔

اور شفاعت کی ایک نویں قسم ہے اور یہ ان کے لیے شفاعت ہے جنہوں نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا اور کوئی نیک کام نہیں کیا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۱، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۹ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا مَسَّهُمْ مِنْهَا سَفْعٌ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيُسَمِّيهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۵۰، مسند احمد: ۱۱۸۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دوزخ سے کچھ لوگ نکالے جائیں گے اس کے بعد کہ ان کو دوزخ کی تپش پہنچ چکی ہوگی، پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے، پھر اہلِ جنت ان کا نام جہنمی رکھیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے، اس حیثیت سے کہ اس حدیث میں ان کا ذکر ہے جو جہنم سے نکالے جائیں گے اور ان کو جہنم کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

یہ حدیث کتاب التوحید میں تفصیل اور تطویل سے آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سفعٌ'' اس کے معنی ہیں: آگ کی حرارت اور تپش۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جھنمیین'' یہ جہنمی کی جمع ہے جو جہنم کی طرف منسوب ہو۔

امام نسائی نے عمرو بن ابی عمرو سے از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ اہلِ جنت ان کو کہیں گے کہ یہ جہنمی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد کیے گئے ہیں۔

اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو ان سے یہ نام مٹا دیا جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''السفع'' کا معنی ہے: الاثر۔ الجوہری نے کہا: ''سفعته النار'' اس وقت کہا جاتا ہے جب آگ تھوڑا سا جھلسا دے، پس جسم کی کھال کا رنگ متغیر ہو جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۵۶۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُولُ اللَّهُ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيَخْرُجُونَ قَدِ امْتُحِشُوا وَعَادُوا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ أَوْ قَالَ حَمِيَّةِ السَّيْلِ وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَنْبُتُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو، پس ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور وہ جل چکے ہوں گے اور کوئلہ بن چکے ہوں گے، پھر ان کو حیات کے

دریا میں ڈالا جائے گا، پس وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح کوڑے کرکٹ کا دانہ سیلاب کی کیچڑ میں اگتا ہے، یا راوی نے ''حمیة السیل'' کہا یعنی سیاہ بد بودار مٹی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ زرد رنگ کا لپٹا ہوا اگتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲، ۴۵۸۱، ۴۹۱۹، ۶۵۶۰، ۶۵۷۴، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹، صحیح مسلم: ۱۸۴، مسند احمد: ۱۱۱۳۹)

صحیح البخاری: ۶۵۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آگ ان کے جسم میں داخل ہو کر ان کو کوئلہ بنا دے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، وہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن یحییٰ کا ذکر ہے جو اپنے والد یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن المازنی سے روایت کرتے ہیں از ابی سعید جن کا نام حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں ''باب تفاضل اهل الایمان'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قد امتحشوا'' یہ ''الامتحاش'' سے بنا ہے اور مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: جلنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمما'' اس کا معنی ہے: کوئلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیلقون'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا باب القاء ہے اور اس کا معنی ہے: پھینکنا، یعنی ان کو حیات کے دریا میں پھینکا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الحبة'' یہ سبزیوں کا اور پھولوں کا بیج ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمیل السیل'' اس کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ، یعنی جو مٹی اور کوڑا ہو۔ پس جب اس کوڑے کرکٹ میں بیج بھی ہو اور وہ وادی کے کنارہ پر رہے تو ایک دن اور ایک رات میں وہ اگنے لگتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمئة'' راوی کو شک ہے کہ ''حمیل'' کی جگہ ''حمئة'' کہا۔ حمئة کا معنی ہے: سیاہ بد بودار مٹی۔

علامہ نووی نے کہا ہے: وہ بہت تیزی کے ساتھ اگنے کی وجہ سے ضعیف ہوگا اور اپنے ضعف کی وجہ سے زرد رنگ میں لپٹا ہوا ہوگا اور پھر بعد میں وہ قوت کو پکڑ لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَةٌ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواسحاق سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نعمان سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قیامت کے دن جس شخص کو اہلِ دوزخ میں سے سب سے کم عذاب ہوگا یہ وہ مرد ہوگا جس کے دونوں قدموں کے تلووں میں آگ کے دو انگارے رکھ دیے جائیں گے جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۲، صحیح مسلم: ۲۱۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۴، مسند احمد: ۱۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۵۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کی آگ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اس کے ایک انگارے سے دماغ کھولنے لگتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، اور وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں نعمان کا ذکر ہے، وہ حضرت ابن بشیر بن سعید الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے ''صفة جهنم'' میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان اهون اهل النار عذابا يوم القيامة لرجل'' یعنی قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ابوطالب ہو۔ اور ''لرجل'' میں لام پر زبر ہے اور یہ تاکید کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی اخمص قدميه'' اخمص کا معنی ہے: پیر کا وہ حصہ جو چلتے وقت زمین سے متصل نہیں ہوتا، یعنی تلوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جمرة'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''جمرتان'' اور اسی طرح اسرائیل سے جو روایت آرہی ہے

اس میں بھی "جمرتان" کا لفظ ہے۔یعنی اس کے تلووں میں دو آگ کے انگارے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ عَلَى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ وَالْقُمْقُمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس مرد کو ہوگا جس کے دونوں پیروں کے تلووں کے نیچے دو انگارے ہوں گے جس سے اس کا دماغ جوش میں آرہا ہوگا جس طرح دیگچی یا کیتلی میں جوش آتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۱، ۶۵۶۲، صحیح مسلم: ۲۱۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۴، مسند احمد: ۱۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۵۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مذکور کی دوسری سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، یہ اپنے دادا ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں۔اور یہ سند پہلی سند سے اعلیٰ ہے، لیکن یہاں ابواسحاق نے نعمان سے روایت کی ہے۔اور پہلی حدیث میں سماع کی تصریح کی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "المرجل" اس کا معنی ہے: پیتل کی دیگچی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القمقم" اس سے مراد ہے: کیتلی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اس حدیث کی از ابواسحاق از رسول اللہ ﷺ روایت کی ہے کہ اہل دوزخ میں سے سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ جوش میں آرہا ہوگا جیسا کہ دیگچی میں پانی جوش مارتا ہے۔دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ اس کو سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے کم عذاب ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۳)

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۰۳۸)
اور انہوں نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مرد ابو طالب ہو یا کوئی اور مسلمان ہو، کیونکہ ابو طالب کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی اور اس کو کفار میں سے سب سے کم عذاب ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۲۔ ۹۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۶۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از خیثمہ از عدی بن حاتم، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کی، آپ نے پھر دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کی، پھر آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ کر کے۔ اور جس کو وہ میسر نہ ہو تو وہ کوئی نیک بات کہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے اور یہ دوزخ کی صفات میں سے ہے کہ اس کی آگ سے پناہ کو طلب کرنا چاہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن مرہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خیثمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمن ہیں۔
یہ حدیث ''باب من نوقش الحساب عذب'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشاح'' یعنی آپ نے اپنا چہرہ پھیر لیا۔ ابن الاثیر نے کہا ہے: المشیح کا معنی ہے: الحذر اور کسی معاملہ سے منہ موڑنا۔ گویا آپ نے دوزخ کی آگ سے بچتے ہوئے اپنا چہرہ پھیر لیا۔ یا آپ نے آگ سے بچنے کی وصیت پر

برانگیختہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضى الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۸۵، صحیح مسلم: ۲۱۰، مسند احمد: ۱۱۰۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی اور الدراوردی نے از یزید از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور آپ کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا، تب آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ ہو، پس اس کو دوزخ کے ٹخنوں تک آگ میں رکھا جائے گا اور وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کے دماغ کی جڑ کھول رہی ہوگی۔

صحیح البخاری: ۶۵۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث میں دوزخ کے ٹخنوں کا ذکر ہے اور یہ دوزخ کی صفت ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، یہ ابواسحاق الزبیری الاسدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی حازم کا ذکر ہے اور یہ عبدالعزیز بن حازم سلمہ بن دینار الاسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الدراوردی کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالعزیز بن محمد بن عبید ہے، یہ امام مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ اور یہ تمام راوی مدنی ہیں۔

یہ حدیث ابوطالب کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ابوطالب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمطلب ہیں اور نبی ﷺ کے چچا ہیں، ان کا نام عبد مناف ہے اور یہ حضرت عبداللہ کے سگے بھائی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شاید ابوطالب کو میری شفاعت سے نفع پہنچے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ ﴿۴۸﴾ (المدثر:۴۸) پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی O

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابوطالب کو اس آیت کے عموم سے خاص کرلیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کافر کی سزا اس کے کفر پر بھی ہوگی اور اس کے گناہوں پر بھی ہوگی۔ پس جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کی سزا کو تو معاف نہ فرمائے اور اس کے بعض گناہوں کی سزا کو شفاعت کرنے والے کے دل کو راضی کرنے کے لیے معاف فرمادے اور کافر کو کوئی ثواب نہیں ہوتا کیونکہ کفر پر مرنے کی وجہ سے اس کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی توجیہات

علامہ قرطبی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں جو فرمایا ہے کہ کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے کفار کو دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو ابوطالب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فائدہ پہنچانے کا ذکر ہے اس سے مراد اس کے عذاب میں تخفیف ہے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں یہ کہا ہے کہ اس شفاعت کے متعلق اختلاف ہے، آیا یہ زبان سے قولی شفاعت ہے یا حالی شفاعت ہے؟ اور زبان سے قولی شفاعت تو مشکل ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے فائدہ نہیں ہوگا''۔

اور اس کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں تخصیص جائز ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ابوطالب نے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی بہت زیادہ کی اور آپ سے ظلم کو دور کیا تو اس کی یہ جزا دی گئی کہ اس کے عذاب میں تخفیف کردی گئی اور اس کے اوپر شفاعت کا اطلاق کیا گیا کیونکہ یہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی وجہ سے شفاعت فرمائی۔

اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ جس سے عذاب میں تخفیف کی گئی جب کہ اس نے تخفیف کا اثر نہیں پایا تو گویا اس کو شفاعت سے فائدہ نہیں پہنچا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ ابوطالب کو سب سے کم دوزخ میں عذاب ہوگا، کیونکہ دوزخ کے تھوڑے عذاب کو بھی پہاڑ برداشت نہیں کرسکتا۔ پس اس پر یہ صادق آئے گا کہ تخفیف سے اس کو فائدہ نہیں پہنچا۔ اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے، کیونکہ ابوطالب کے عذاب کو کم کر کے اس کے ٹخنوں تک رکھا گیا اس کے باوجود اس عذاب سے اس کا دماغ کھول رہا تھا، تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس کے عذاب میں تخفیف تو کی گئی لیکن اس کو اس سے فائدہ نہیں پہنچا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ کافر کے کفر کے عذاب میں تخفیف نہ کی جائے اور اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف کردی جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنۡ قَتَادَةَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّنَا فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ وَيَقُولُ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللهُ خَلِيلًا فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا عِيسَى فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُقَالُ لِي ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ حَتَّى مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَكَانَ قَتَادَةُ يَقُولُ عِنْدَ هَذَا أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا، پس لوگ کہیں گے: اگر ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت کو طلب کریں حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت میں پہنچائے؟ پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے، پس لوگ کہیں گے: آپ وہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا سو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، پس آپ ہمارے لیے ہمارے رب کے پاس شفاعت کیجئے، پس حضرت آدم (علیہ السلام) فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے اور فرمائیں گے: تم نوح کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، پس لوگ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، پس وہ فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ اپنی (ظاہری) خطا کو یاد کریں گے تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا ہے، پس لوگ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، پس حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے، تم موسیٰ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے، پس لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ بھی اپنی ظاہری خطاء کو یاد کریں گے، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم (سیدنا) محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، جن کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے، سو لوگ میرے پاس آئیں گے، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، پس اس وقت جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو

سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھائیے، آپ سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا، آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی، سو میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پس میں اپنے رب کی ایسی حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم فرمائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پھر میں لوگوں کو دوزخ سے نکالوں گا اور ان کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر میں دوبارہ لوٹوں گا، پھر پہلے کی مثل سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ حتیٰ کہ دوزخ میں صرف وہ باقی رہ جائے گا جس کو قرآن نے دوزخ میں روک لیا ہے۔ اور قتادہ اس حدیث میں کہتے تھے یعنی دوزخ میں جن پر خلود اور دوام واجب ہو چکا ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٧٤٤، صحیح مسلم: ١٩٣، سنن ابن ماجہ: ٤٣١٢، مسند احمد: ١٣١٥٠)

صحیح البخاری: ٦٥٦٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے مستنبط کی جاسکتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے "پھر میں دوزخ سے لوگوں کو نکالوں گا" کیونکہ اس میں بھی دوزخ کا ایک حال بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عوانہ، ان کا نام الوضاح بن عبد اللہ الیشکری ہے۔

یہ حدیث سورۃ البقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کو امام مسلم نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سورۂ بنی اسرائیل میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بہت طویل روایت ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں ہے جب کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

محشر کے کرب سے راحت دلانے اور حساب و کتاب کے لیے شفاعت

اس حدیث میں مذکور ہے "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا"۔ المستملی کی روایت میں ہے "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو عرصات (یعنی کھلے میدانوں میں) جمع فرمائے گا"۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث گزر چکی ہے اس میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کے تمام لوگوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا"۔ اور سعید اور ہمام کی روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ مومنین کو جمع فرمائے گا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت کو طلب کرتے" اس کی جزاء محذوف ہے یا یہ جملہ اظہارِ تمنا کے لیے ہے تو پھر اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی ہم اپنے رب کے پاس کسی کی استعانت کو طلب کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت پہنچائے" یعنی وہ ہم کو محشر کی ہولناکیوں اور اس کے احوال سے نکال لے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے" اور شیبان کی روایت میں ہے "پھر لوگ جائیں گے حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لست هناکم" یعنی میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: "لست هناکم" اس سے کنایہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مرتبہ مطلوبہ مرتبے سے کم ہے اور یہ انہوں نے تواضعاً فرمایا ہے، یا جوان کا سوال تھا اس کو بہت بڑا سمجھ کر فرمایا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ یہ مقام میرے لیے نہیں ہے بلکہ دوسرے کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یذکر خطیئته" یعنی حضرت آدم علیہ السلام اپنی ظاہری خطاء کو یاد کریں گے کہ انہوں نے اس درخت سے کھایا تھا جس درخت سے ان کو منع فرمایا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے "میں اپنی اس خطاء کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا"۔ اور ابونضرہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "میں نے (ظاہری) گناہ کیا تو میں زمین کی طرف اتار دیا گیا"۔ پس ثابت نے امام سعید بن منصور سے روایت کی ہے کہ "میں نے (ظاہری) خطاء کی اور میں فردوس میں تھا اور آج مجھے اگر بخش دیا جائے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے"۔

حضرت نوح علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور ان کے اول رسول ہونے پر بحث و نظر

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا"۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے رسول ہیں نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام۔ اسی طرح حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام پہلے رسول ہیں اور یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں۔

علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام

وہ پہلے رسول ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا۔ یا وہ پہلے رسول ہیں جن کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان تینوں جوابوں میں اعتراض ہے۔

رہا پہلا جواب تو اس میں یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام رسول ہیں اور ان کو ان کی اولاد قابیل کی طرف بھیجا گیا۔ اور ان کے اوپر اکیس (۲۱) صحائف نازل کیے گئے جن کو حضرت جبریل علیہ السلام نے املاء کرایا تھا اور ان کو سریانی زبان میں لکھا گیا تھا اور ان پر ایک دن اور ایک رات میں پچاس رکعت فرض کی گئیں اور ان پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت، زنا، ظلم اور دھوکہ دہی اور سرکشی کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

رہا دوسرا جواب تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو ان کاموں سے ڈرایا تھا جن میں ہلاکت ہے اور اپنی وفات کے وقت اس کی وصیت کی تھی۔

رہا تیسرا جواب تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی قوم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی حتیٰ کہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کی اولاد کا عدد چالیس ہزار کو پہنچ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا ان میں بعض زنا کرتے ہیں، بعض شراب پیتے ہیں اور بعض فساد کرتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو ان کاموں سے روکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت نوح علیہ السلام اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے''۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس ظاہری خطاء کو یاد کریں گے کہ انہوں نے اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا کی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جانے کے درمیان وقفہ کی مدت

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ، نے ''کشف علوم الآخرۃ'' میں لکھا ہے کہ جب اہلِ محشر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اس کے درمیان ہزار سال کا عرصہ ہے، اسی طرح ہر نبی سے دوسرے نبی تک ہزار سال کا عرصہ ہے اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی ہزار سال کا عرصہ ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے:

امام غزالی نے جو ایک ہزار سال کا عرصہ ہر نبی سے دوسرے نبی کے پاس جانے کے درمیان بیان کیا ہے میں اس کی کسی اصل پر واقف نہیں ہوا۔ اور امام غزالی نے اس کتاب میں ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا ان کی ذکر کردہ کسی حدیث سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۶، دارالمعرفہ، بیروت)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام غزالی کی جلالتِ قدر اور ان کا عظیم مرتبہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت کے منافی ہے اور ان کا امام غزالی کی بیان کردہ احادیث کی اصل پر واقف نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے اس کی اصل پر واقف نہ ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی کا علم تمام احادیث کو محیط نہیں ہے اور نہ تمام منقولات کو محیط ہے حتیٰ کہ وہ یہ دعویٰ کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام غزالی کی جلالتِ قدر اس کے منافی نہیں ہے کہ ان کی بعض کتابوں کے متعلق حسنِ ظن کیا جائے اور اس میں سے نقل کیا جائے، اور یہ منقول ثابت نہیں ہے جیسا کہ احیاء العلوم میں ''قوت القلوب'' سے احادیث نقل کی گئی ہیں چنانچہ متعدد حفاظ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور خود امام غزالی نے اعتراف کیا ہے کہ حدیث میں ان کی معلومات بہت کم ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے علم کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے، انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین ظاہری جھوٹوں کی توجیہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے''۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ تین کلام ہیں جو انہوں نے بطورِ تعریض فرمائے تھے:

(۱) ''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ'' (الانبیاء: ۶۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بتوں کو توڑا تھا اور اس کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی اور فرمایا: بلکہ یہ کام ان کے بڑے بت نے کیا ہے۔ اور اس کلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سبب کی طرف نسبت کی ہے، یعنی اس بڑے بت کی پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ ان بتوں کو توڑا گیا اور یہ بڑا بت ان کو بچا نہیں سکا۔ سو ان کا یہ کلام ظاہری طور پر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا کہ ''میں تمہارا بھائی ہوں'' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے شوہر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ سو ان کا یہ کلام ظاہری طور پر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۳) ''اِنِّيْ سَقِيْمٌ'' (الصّٰفّٰت: ۸۹) یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے عید کے دن میلے میں جانے کی دعوت دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جانا نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ میں بیمار ہوں، حالانکہ وہ بیمار نہیں تھے۔ یہ بھی بہ ظاہر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ ان کی مراد یہ تھی کہ میری قوم بیمار ہے کیونکہ وہ گمراہی میں مبتلاء ہے۔

حدیث میں ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے اور وہ سب اللہ کی راہ میں تھے، انہوں نے کہا: میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا ''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ'' اور انہوں نے حضرت سارہ کے متعلق کہا: یہ میری بہن ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام بزار نے روایت کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (ظاہری) خطا کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے" تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ" اس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے اور وہ ظاہری خطاء یہ تھی کہ انہوں نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے کی ضرب سے مر گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ادب سکھانے کے لیے گھونسا مارا تھا، اس کو قتل کرنے کے قصد سے گھونسا نہیں مارا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے" پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے"۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے" وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے"۔

اور ابونضرہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کی گئی ہے۔

معمولاتِ اہل سنت کی صحت کی دلیل

(میں کہتا ہوں: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی تو آپ بھی شفاعت کرنے سے گریز فرماتے، حالانکہ آپ شفاعت فرمائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت نہیں کی گئی اور بعض مخالفین جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت ہے، اگر یہ صحیح ہوتا تو آپ بھی شفاعت کرنے سے گریز فرماتے جب کہ آپ شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا رسول اللہ کہنا نہ شرک ہے نہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے" پھر لوگ میرے پاس آئیں گے" اور نضر بن انس نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ مجھے اللہ کے نبی نے حدیث بیان کی کہ" میں کھڑا ہوا اپنی امت کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ پل صراط کو عبور کرے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے، پس انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ انبیاء آپ کے پاس آئے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام امتوں کو جہاں چاہے متفرع کرے اس غم کی وجہ سے جس میں یہ مبتلاء ہیں"۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہلِ محشر کے کلام کو جو بیان کیا گیا ہے یہ سب اس وقت واقع ہوگا جب پل صراط کو نصب کیا جائے گا اور کفار دوزخ میں گریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا"۔ ہشام کی روایت میں ہے" پس میں جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا"۔ قاضی عیاض نے کہا: یعنی شفاعت کے متعلق اجازت طلب کروں گا۔ اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ" میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا، پس کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا: محمد، تو کہا جائے گا: محمد کو مرحبا ہو"۔ اور سلیمان کی حدیث میں ہے" میں دروازہ کے حلقہ کو پکڑوں گا اور وہ سونے کا ہوگا، پس دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا، پس کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد تو میرے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا، پس میں سجدہ کرنے کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں اپنے آپ کو دیکھوں گا کہ میں سجدہ کر رہا ہوں" اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا"۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "میں سجدہ میں ایک جمعہ کی مقدار گر جاؤں گا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا" اور النضر بن انس کی روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا: محمد کے پاس جاؤ، پس ان سے کہو: اپنا سر اٹھایئے! یعنی اللہ تعالیٰ مجھ سے جبریل علیہ السلام کی زبان پر فرمائے گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی حدود

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی" یعنی میرے لیے شفاعت کے ہر دور میں ایک حد مقرر کی جائے گی جس حد سے میں واقف ہوں گا، پس میں اس حد سے تجاوز نہیں کروں گا مثلاً مجھ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمہیں اس کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا جس نے نماز باجماعت میں کمی کی، پھر کہا جائے گا: میں نے آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا جنہوں نے نماز میں کمی کی، پھر کہا جائے گا: آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا ہے جنہوں نے خمر پی، پھر کہا جائے گا: آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا ہے جنہوں نے زنا کیا ہے۔ اور اسی طریقہ کے مطابق علامہ طیبی نے حکایت کی ہے۔

علامہ داؤدی کا اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا"۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: گویا کہ اس حدیث کا راوی ایسی چیز پر سوار ہوا جس کی اصل نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے اول میں میدانِ محشر کی تکلیف سے اور کرب سے راحت دلانے کی شفاعت کا ذکر کیا اور اس کے آخر میں دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر کیا۔ اس سے اس کا ارادہ یہ ہے کہ یہ محشر سے منتقل ہونے اور صراط پر گزرنے اور جو صراط سے اس حالت میں دوزخ میں گر جائیں گے اس کے بعد ہوگا۔ اور اس کے بعد دوزخ سے نکالنے کی شفاعت واقع ہوگی۔ اور یہ اشکال قوی ہے۔

قاضی عیاض نے اس کا جواب دیا ہے اور علامہ نووی نے بھی ان کی پیروی کی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ ملی ہوئی ہے، اس میں یہ واقع ہے "پس لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئیں گے، پس آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا، پس وہ دونوں پل صراط کی دونوں جانبوں میں کھڑے ہوں گے دائیں جانب اور بائیں جانب، پس تم میں سے اول بجلی کی طرح گزرے گا۔۔۔ الحدیث۔

قاضی عیاض نے کہا: پس اس روایت سے کلام متصل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شفاعت کے لیے لوگ آئیں گے اور اس میں محشر کے کرب سے راحت دی جائے گی پھر دوزخ سے نکالنے کی شفاعت ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے تین مراحل

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میں دوبارہ لوٹوں گا" یعنی لوگوں کو دوزخ سے نکالنے اور ان کو جنت میں داخل کرنے کے بعد۔
حاصلِ کلام یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اہلِ محشر کو محشر کی تکلیف سے راحت پہنچانے کے لیے شفاعت ہوگی۔ اور دوسری مرتبہ ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت ہوگی اور تیسری مرتبہ میں آپ فرمائیں گے: اے میرے رب! اب دوزخ میں صرف وہ لوگ باقی رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے دوزخ میں روک دیا ہے۔ اور اسی طرح اکثر روایات میں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۵۔ ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام سے گناہِ صغیرہ کے ارتکاب کا محال ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شفاعت کے متعلق حدیث بہت طویل ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر ہے، سو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہِ صغیرہ کا ارتکاب جائز ہے اور جن گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ گناہِ صغیرہ ہیں۔ اور مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اولِ رسول ہونے پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت نوح علیہ السلام اول رسول ہیں" حالانکہ اصحابِ تواریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام رسول ہیں اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدِ امجد ہیں۔ اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب حضرت ادریس علیہ السلام رسول نہ ہوں، پس ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہوں اور رسول نہ ہوں۔
اور حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ کا رسول ہونا زیادہ نقل اور شہرت سے ثابت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں۔
(۲) اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور انکسار ہے اور ان کا دوسروں کے حقوق کا اعتراف کرنا ہے۔
(۳) انبیاء علیہم السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ شفاعتِ عظمیٰ کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخصوص ہیں، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو وہ پہلی مرتبہ ہی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیج دیتے۔
(۴) اہلِ محشر اپنے نفع کے حصول کے لیے کوشش کریں گے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۴۔ ۹۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محشر کا کرب اور اس کی پریشانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اللہ تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، ان کو بلانے والا سنائے گا اور ان میں بصر کو نافذ کرے گا اور سورج قریب ہوگا، پس لوگوں میں اتنا غم اور کرب ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اس کو برداشت کریں گے۔ اور اسحاق بن راہویہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ سورج ان کے سروں کے قریب ہوگا اور اس کی تپش بہت شدید ہوگی اور سورج کا قرب ان کے لیے بہت دشوار ہوگا، پس وہ چیخ و پکار کر رہے ہوں گے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے شروع میں ہے" دنیا وآخرت میں جو کچھ بھی ہونے والا ہے وہ مجھ پر پیش کیا گیا، اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، پس لوگ اس سے گھبرا رہے ہوں گے اور پسینہ ان کے منہ کی لگام بنا ہوا ہوگا۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو اس حال میں روکے رکھے گا۔ اور لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے ان پر پسینہ بہہ رہا ہوگا"۔

اور سلمان کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سورج میں دس سال کی گرمی ہوگی، پھر وہ لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا، پس ان کا پسینہ بہہ رہا ہوگا حتیٰ کہ زمین پر ان کے قد کے برابر پسینہ ہوگا۔

اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ضرور تمام لوگوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا بغیر فخر کے اور جتنے بھی لوگ ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ کشادگی کا انتظار کر رہے ہوں گے اور بے شک میرے ہی ساتھ حمد کا جھنڈا ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کا دن لوگوں پر بہت طویل ہوگا حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے "حضرت آدم (علیہ السلام) کے پاس چلو جو ابوالبشر ہیں، وہ ہماری ہمارے رب کی طرف شفاعت کریں گے تاکہ ہمارا رب ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے"۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کرنا

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے "میں اپنی خطاء کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا ہوں"۔ اور امام سعید بن منصور کی روایت ہے "بے شک میں نے خطاء کی اور میں فردوس میں تھا، پس اگر اللہ تعالیٰ آج مجھے بخش دے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے"۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "بے شک میرا رب آج غضب میں ہے اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا، پس میں نے اس کی نافرمانی کی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری (آج مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، میرے غیر کی طرف جاؤ)۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی خطاء کو یاد کرنا

معبد بن ہلال کی روایت میں ہے کہ "میں نے اپنی قوم کے خلاف دعا کی تھی" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

''میں نے دعا کی تھی تو پورے روئے زمین کو غرق کر دیا گیا''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دو وجہوں سے اہل محشر کی شفاعت نہ کرنے کا عذر پیش کیا تھا:

ایک وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ وہ ایسا سوال نہ کریں جس کا انہیں علم نہ ہو، انہیں یہ خوف ہوا کہ اگر انہوں نے اہل محشر کی شفاعت کی تو یہ بھی اس قبیل سے ہوگی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ایک دعا تھی جس کا قبول ہونا محقق تھا اور انہوں نے وہ دعا پوری کر لی جب روئے زمین کے اوپر طوفان آیا، اب انہیں یہ خطرہ ہوا کہ اب اگر انہوں نے اور دعا کی تو شاید وہ قبول نہیں ہوگی۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل کو نجات دے گا، پس جب ان کا بیٹا غرق ہو گیا تو انہوں نے اپنے رب کو یاد دلایا جو اس نے وعدہ فرمایا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپ کے اہل سے مراد وہ ہیں جو ایمان لایا ہو اور اس نے نیک عمل کیے ہوں، تو آپ کا بیٹا ان سے خارج ہو گیا، لہٰذا آپ اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی خطاء کو یاد کرنا

امام سعید بن منصور نے ثابت سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ''میں نے ایک جان کو بغیر جان کے بدلہ کے قتل کر دیا اور اگر آج میری مغفرت کر دی جائے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے''۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''میں نے ایک نفس کو قتل کر دیا جس کے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا''۔

میں کہتا ہوں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ارادۃً قتل نہیں کیا تھا، آپ نے اس کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ قضاء الٰہی سے مر گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ ''میں نے ایک جان کو قتل کر دیا'' یہ آپ نے خوف الٰہی کی شدت سے فرمایا ورنہ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کے اعلان کا بیان

معتمر کی روایت میں ہے ''اس کی طرف جاؤ جو آج کے دن بخشا ہوا آیا ہے اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح: ۲)

تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے ''متقدم'' سے مراد وہ کام ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئے اور ''متاخر'' سے مراد ہے آپ کی عصمت۔

دوسرا قول ہے کہ آپ سے جو کام سہواً ہوئے یا تاویل سے ہوئے ان کی مغفرت کر دی گئی۔

تیسرا قول ہے ''متقدم'' سے مراد ہے آدم علیہ السلام کے گناہ اور ''متاخر'' سے مراد ہے آپ کی امت کے گناہ۔

چوتھا قول ہے کہ اس آیت کا معنی ہے ''آپ کی مغفرت کر دی گئی ہے اور اگر آپ سے گناہ واقع ہوتا تو بھی اس پر مواخذہ نہ

ہوتا''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے مطابق یہ چوتھا قول ہے۔ اور تیسرا قول یہاں معتبر نہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے ایک جان کو بغیر جان کے بدلہ میں قتل کر دیا تھا اور اگر آج میری مغفرت ہو جائے تو مجھے کافی ہے، حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مغفرت فرما دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شفاعت طلب کرنے والوں سے فرمایا تھا ''تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرما دی ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اگرچہ مغفرت فرما دی گئی اس کے باوجود وہ مواخذہ سے ڈرتے تھے اور اپنے آپ کو مقامِ شفاعت کے لائق نہیں سمجھتے تھے، اس کے برخلاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ استدلال کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی شفاعت کرنے والے ہیں کیونکہ ان کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت فرما دی ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر آپ سے بالفرض کوئی ذنب واقع ہوا تو بھی آپ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا، اور یہ ان نفیس حقائق میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں مجھ پر منکشف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان

اور بعض اسانید سے یہ گذر چکا ہے کہ اہلِ محشر کے سوال میں سے یہ بھی تھا کہ جنت کا دروازہ کھلوایا جائے اور صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے وہ شخص ہیں جو جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ''میں جنت کے دروازہ کے حلقہ کو پکڑوں گا، پس اس کو کھٹکھٹاؤں گا، سو کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ پس میں کہوں گا: محمد، پس وہ میرے لیے دروازہ کو کھول دیں گے اور مجھے مرحبا کہیں گے، پس میں سجدہ میں گر جاؤں گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد یہ روایت کی ہے کہ میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس کہا جائے گا: آپ اپنی امت میں سے جنت کے دروازوں میں سے سیدھے دروازہ سے داخل کر دیں ان کو جن پر نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا۔

اور صور کی طویل حدیث امام ابویعلیٰ سے مروی ہے، اس میں مذکور ہے ''میں کہوں گا: اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا، پس اہلِ جنت کے متعلق میری شفاعت کو قبول فرما کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے آپ کو ان میں شفاعت کرنے والا بنا دیا ہے اور میں نے آپ کی امت کے لیے جنت میں دخول کی اجازت دے دی ہے''۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۴-۶۲۹، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۵۶۶- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَدْخُلُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از الحسن بن ذکوان، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے

الْجَنَّةَ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔

حدیث بیان کی از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: محمد ﷺ کی شفاعت سے ایک قوم دوزخ سے نکلے گی، پس جنت میں داخل ہو جائے گی، ان کو "جهنميين" کہا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۶۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۷۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۵، مسند احمد: ۱۹۸۹۶)

صحیح البخاری: ۶۵۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن بن ذکوان، یہ ابوسلمہ البصری ہیں، ان کے متعلق امام احمد اور ابن معین وغیرہما نے کلام کیا ہے اور صحیح البخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے جو یحییٰ القطان سے مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابورجاء عمران العطاردی ہے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب السنۃ میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے صفۃ النار میں اور امام ابن ماجہ نے کتاب الزہد میں، اور ان سب نے اس حدیث کی روایت محمد بن بشار سے کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ حَارِثَةَ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَدْ هَلَكَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ غَرْبُ سَهْمٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَلِمْتَ مَوْقِعَ حَارِثَةَ مِنْ قَلْبِي فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ لَمْ أَبْكِ عَلَيْهِ وَإِلَّا سَوْفَ تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ لَهَا هَبِلْتِ أَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ فِي الْفِرْدَوْسِ الْأَعْلَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ان کا بیٹا حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہو چکا تھا، اس کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا تھا، حارثہ کی والدہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں حارثہ کی کتنی محبت ہے، اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی ورنہ آپ عنقریب دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں؟ آپ نے اس سے فرمایا: کیا تم دیوانی ہو گئی ہو؟ کیا وہاں پر صرف ایک جنت ہے؟ وہاں پر تو بہت جنتیں ہیں اور بے شک وہ تو الفردوس الاعلیٰ میں ہیں۔

(صحیح البخاری:۲۸۰۹، ۳۹۸۲، ۶۵۵۰، ۶۵۶۷، سنن ترمذی:۳۱۷۴، مسند احمد:۱۳۳۳۰)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۶۵۶۸۔ وَقَالَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ مَوْضِعُ قَدَمٍ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

اور آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور ضرور تم میں سے کسی ایک کے کمان کے کونہ جتنی جنت میں جگہ یا قدم رکھنے کی مقدار جنت میں جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور اگر اہلِ جنت میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو وہ زمین اور آسمان کے درمیان کو روشن کر دے گی اور ان کے درمیان فضاء کو خوشبو سے بھر دے گی۔ اور اس عورت کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری:۲۷۹۲، ۲۷۹۶، ۶۵۶۸، صحیح مسلم:۱۸۸۰، سنن ترمذی:۱۶۵۱، مسند احمد:۱۲۰۲۸)

صحیح البخاری:۶۵۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولقاب قوس احدکم''۔ ''قاب'' کا معنی ہے: کمان کا کونہ، اور یہاں اس سے مراد ہے کمان کا اندازہ، کمان کی مقدار کے برابر جگہ۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''او موضع قدم'' یعنی تم میں سے کسی ایک کے قدم کی جگہ۔ اور ایک روایت میں ''موضع قِدٍّ'' ہے (قاف پر زیر اور یاء پر تشدید) اس کا معنی ہے چابک، اور دوسرا معنی ہے: جوتی کا تسمہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لملأت ما بینهما ریحا'' یعنی وہ عورت پوری زمین و آسمان کو خوشبو سے بھر دے گی۔ اور سعید بن عامر کی روایت میں ہے کہ وہ عورت پوری زمین کو خوشبو سے بھر دے گی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ولنصیفها'' ''نصیف'' کا معنی ہے: عورت کا دوپٹہ جیسا کہ خود حدیث میں اس کی تفسیر بھی مذکور ہے۔ اور یہ تفسیر قتیبہ سے مروی ہے۔ اور زہری سے مروی ہے کہ ''نصیف'' خادم کو بھی کہا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اس کو اس کا دوزخ میں ٹھکانا

دکھادیا جائے گا اگر وہ گناہ کرتا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا
کرے۔اور جو شخص بھی دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کا جنت
میں ٹھکانا دکھادیا جائے گا اگر وہ ایمان لاتا اور نیک کام کرتا تا کہ
اس پر حسرت ہو۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ معاملہ قبر میں سوال کے وقت ہوگا۔

صحیح البخاری: ۶۵۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ دوزخ میں ٹھکانا دکھانا اور جنت میں ٹھکانا دکھانا یہ جنت اور دوزخ کی صفت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمن بن ہرمز ہیں۔اور اس سند کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اسے دوزخ میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ برے کام کرتا''۔
یعنی اگر وہ ایسے برے کام کرتا جن کی وجہ سے وہ اہلِ جہنم میں سے ہوجاتا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے''۔
اس جگہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ جنت دارِ شکر نہیں ہے بلکہ وہ دارِ جزاء ہے پھر وہاں شکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟
اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ شکر اس طرح ادا نہیں کرے گا کہ وہ شکر ادا کرنے کا مکلف ہے بلکہ اس کو شکر ادا کرنے سے لذت حاصل ہوگی۔یا مراد شکر کا لازم ہے اور وہ راضی ہونا اور مسرور ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی نعمت پر شکر ادا کرتا ہے وہ اس نعمت پر راضی ہوتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو شخص بھی دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کا جنت میں ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ نیک کام کرتا''۔یعنی اگر وہ اسلام لے آتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اس ٹھکانے میں داخل فرماتا تا کہ یہ اس کے لیے اور حسرت ہو۔یعنی اس کے عذاب میں اضافہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)
علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: اس حدیث میں مومن کے لیے بشارت ہے اور اس کے برعکس کافر کے لیے وعید ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۷، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

٦٥٧٠۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ۔

(صحیح البخاری:٩٩، ٦٥٧٠، مسند احمد: ٨٦٤١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن ابی سعید المقبری، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کون کامیاب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اے ابوہریرہ! مجھے یہ گمان تھا کہ مجھ سے اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے تم سوال کرو گے کیونکہ میں نے دیکھا ہے تم حدیث کے اوپر بہت حریص ہو، میری شفاعت کے ساتھ قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ کامیاب ہوگا جس نے اخلاص سے کہا ''لا الٰہ الا اللہ''۔ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)۔

صحیح البخاری: ٦٥٧٠، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اگر اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکور (صحیح البخاری: ٦٥٦٥) کے بعد ذکر کیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن عمرو ہیں جو مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔
یہ حدیث کتاب العلم کے ''باب الحرص علی الحدیث'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میری شفاعت کے ساتھ قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ کامیاب ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہا، یعنی اس کا دل زبان کی تصدیق کرتا ہو اور اس کی زبان دل کی تصدیق کرتی ہو، اور یہ شفاعت، شفاعتِ کبریٰ کے علاوہ ہے جو محشر میں راحت دلانے کے لیے کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٩٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٥٧٠، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے کامیاب ہونے والوں کے مراتب

اس شفاعت سے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے مراد یہاں پر شفاعت کی بعض اقسام ہیں اور یہ وہ ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے ''امتی امتی'' (میری امت، میری امت)، پس آپ سے کہا جائے گا: آپ اس کو دوزخ سے نکال لیں جس جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو، پس اس شفاعت کے ساتھ زیادہ کامیاب ہونے والا وہ ہوگا جس کا ایمان دوسروں سے زیادہ کامل ہوگا۔ رہی شفاعتِ عظمیٰ جو محشر کے کرب سے راحت دلانے کے لیے ہوگی تو اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا وہ ہوگا جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں اور یہ وہ ہیں جو حساب کے بعد جنت میں بغیر عذاب کے داخل ہوں گے اور وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ پھر وہ لوگ ہیں جنہیں دوزخ کی آگ کی تپش پہنچے گی اور وہ دوزخ میں نہیں گریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جنت میں دخول کے مراتب ہیں جو ان کے ایمان کے اخلاص کے مراتب پر موقوف ہیں۔ سو یہ سب اخلاص میں مشترک ہوں گے لیکن ان کے مراتب مختلف ہیں۔

قاضی بیضاوی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جن کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جس کی وجہ سے وہ رحمت کے اور دوزخ سے نجات کے مستحق ہوں، کیونکہ ان میں شفاعت کی احتیاج زیادہ ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۴۲۔ ۶۴۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۷۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبْوًا فَيَقُولُ اللهُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور جانتا ہوں کہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والا کون ہوگا، اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا کون ہوگا، ایک مرد دوزخ سے سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا، پس وہ جنت میں آئے گا اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالا جائے گا کہ جنت تو بھر چکی ہے، وہ لوٹے گا، پس کہے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا، پس وہ جنت میں جائے گا اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالا جائے گا کہ جنت بھر چکی ہے، پھر وہ لوٹے گا، پس کہے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا تیرے لیے دنیا کی مثل

ہے اور اس جیسی دس مثالیں ہیں، پھر فرمایا: تیرے لیے دس مثلیں ہیں جو دنیا کی امثال کی طرح ہیں، وہ مرد کہے گا: تو مجھ سے مذاق کرتا ہے یا مجھ پر ہنستا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے، پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، اور آپ فرمار ہے تھے کہ یہ اہلِ جنت میں سے ادنیٰ کا درجہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۱۲، ۷۵۱۱، صحیح مسلم: ۱۸۶، سنن ترمذی: ۲۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۹، مسند احمد: ۳۵۸۴)

صحیح البخاری: ۶۵۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ سے نکلنے کا ذکر ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے، تو یہ جنت اور دوزخ کے اوصاف کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور عبیدہ کا ذکر ہے اور وہ ابن عمرو السلمانی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اس حدیث کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل یخرج من النار کبوا" یعنی جو آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے چل رہا ہوگا یا اپنی سرین کے بل گھسٹ رہا ہوگا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "جنت میں وہ شخص داخل ہوگا جو کبھی تو چلے گا اور کبھی جھکے گا جب اس کو آگ کی تپش پہنچے گی، پس جب وہ دوزخ کی آگ سے گزر جائے گا تو کہے گا: برکت والی ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی" اور الاعمش کی روایت میں یہاں پر "زحفا" کا لفظ ہے اس کا معنی بھی ہے گھسٹتے ہوئے۔

جنت کی چوڑائی تو سات آسمانوں اور سات زمینوں کی چوڑائی کے برابر ہے، پس جنت میں دنیا کی مثل کیسے ہوگی؟

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا! تو جنت میں داخل ہو جا اور تیرے لیے دنیا کی مثل ہے اور اس جیسی دس مثلیں ہیں"۔

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جنت کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمینوں کی چوڑائی کے برابر ہے، پس وہ جنت دنیا کی مثل کیسے ہے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ تمثیل ہے اور جنت کی وسعت کو ہماری عقلوں کے مطابق بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق ضحک اور استہزاء کی نسبت کی تاویلات

اس حدیث میں مذکور ہے" تو مجھ سے مذاق کرتا ہے یا مجھ پر ہنستا ہے"۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے" کیا تو مجھ سے استہزاء فرمارہا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے"۔

علامہ مازری نے کہا ہے: اس نے اللہ تعالیٰ کے مذاق کرنے کے ساتھ ہنسنے کا ذکر کیا، اس لیے کہ جو کسی کا مذاق اڑاتا ہے وہ اس پر ہنستا ہے تو اس وجہ سے استہزاء کے ساتھ ہنسنے کا ذکر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے مذاق کرنے یا مذاق اڑانے کے لفظ کا استعمال بہ طور مجاز ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس لفظ کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں اور مشابہ بالحق یہ ہے کہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے اس کی عقل کام نہیں کررہی تھی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء یا ضحک کی نسبت کس طرح صحیح ہوگی؟

پھر انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ان سے مراد ان کے لوازم ہوتے ہیں یعنی کیا تو میری توہین کررہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنِ الْعَبَّاسِ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از عبداللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عباس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ فائدہ پہنچایا؟

(صحیح البخاری: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲، صحیح مسلم: ۲۰۹، مسند احمد: ۱۷۷۴)

صحیح البخاری: ۶۵۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر اختصار سے روایت کی ہے، پوری روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور آپ کے لیے لوگوں پر ناراض ہوتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ ٹخنے تک دوزخ میں تھا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

یہ حدیث "کتاب الادب" کے باب "كنية المشرك" میں گزرچکی ہے اور اس مکمل حدیث سے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہوجاتی ہے، کیونکہ اس میں دوزخ کا حال بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مسدد کا ذکر ہے از ابوعوانہ، اور ان کا نام الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہے از عبدالملک بن عمیر، از عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب۔ اور عباس کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالمطلب ہیں اور وہ عبداللہ بن حارث کے دادا کے چچا ہیں۔ اور حضرت حارث بن نوفل اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، رضی اللہ عنہما۔

اس باب میں تیئیس احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں سے اکثر دوزخ کی صفت کے بیان میں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اور بعض روافض نے جو یہ حدیث گھڑی ہے کہ ''ابوطالب کی وفات کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھو تو میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری شفاعت کروں گا تو حضرت عباس نے کہا جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے کہ آپ نے جو کلمہ ابوطالب پر پیش کیا تھا وہ اس نے پڑھ لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا''۔ اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر دلیل صحیح البخاری کی حدیث مذکور ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نفع پہنچاتے ہیں اور صحابہ کرام کا بھی یہ عقیدہ تھا جب ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے ابوطالب کو نفع پہنچایا، وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ ٹخنوں تک دوزخ کی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ اور آپ کی شفاعت سے مشرکین کو بھی تخفیفِ عذاب کا نفع پہنچے گا۔ اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے کہ مشرکین کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی، اس کا معنی یہ ہے کہ بطورِ عدل تخفیف نہیں ہوگی اور یہ تخفیف بطور فضل ہوئی تھی۔ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ کے ساتھ اگر مشرک بھی نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا صلہ بھی اسے دیتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۲۔ بَابٌ: اَلصِّرَاطُ جِسْرُ جَهَنَّمَ — ''صراط'' جہنم کا پل ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صراط جہنم کا پل ہے، لفظ ''صراط'' مبتداء ہے اور ''جسر جہنم'' اس کی خبر ہے، اور یہ ایک پل ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا ہوا ہے تاکہ مسلمان اس کو عبور کر کے جنت میں جائیں۔ اور یہ عجمی لفظ ہے اور اس میں جیم پر زبر ہے اور زیر بھی جائز ہے۔ اور یہ آخرت کی آگ کا نام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور اس کو جہنم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا گڑھا بہت دور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٧٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أُنَاسٌ يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ فَيَقُولُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي غَيْرِ الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا أَتَانَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتْبَعُونَهُ وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوهُمْ فَيَعْرِفُونَهُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید اور عطاء بن یزید نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب سورج کے پاس بادل نہ ہوں تو کیا تم اس کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: جب چودھویں رات کو چاند کے پاس بادل نہ ہوں تو کیا تم چاند کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس تم اللہ عزوجل کو قیامت کے دن اسی طرح دیکھو گے، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا، پس ارشاد فرمائے گا: جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا اس کی پیروی کرے، پس جو سورج کی عبادت کرتا تھا وہ سورج کی پیروی کرے گا اور جو چاند کی عبادت کرتا تھا وہ چاند کی پیروی کرے گا اور جو بتوں کی عبادت کرتا تھا وہ بتوں کی پیروی کرے گا، اور یہ امت باقی رہ جائے گی اور اس امت میں ان کے منافقین بھی ہوں گے، پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس صورت کے علاوہ کسی صورت میں آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، لوگ کہیں گے: ہم تجھ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، یہ ہماری جگہ ہے ہم یہیں رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے، پس جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس اللہ تعالیٰ

بِعَلَامَةِ آثَارِ السُّجُودِ وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ
مِنِ ابْنِ آدَمَ أَثَرَ السُّجُودِ فَيُخْرِجُونَهُمْ قَدِ امْتُحِشُوا
فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءٌ يُقَالُ لَهُ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ
نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ وَيَبْقَى رَجُلٌ مِنْهُمْ
مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ قَدْ قَشَبَنِي
رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَاصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ
فَلَا يَزَالُ يَدْعُو اللهَ فَيَقُولُ لَعَلَّكَ إِنْ أَعْطَيْتُكَ أَنْ
تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ
فَيَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ ثُمَّ يَقُولُ بَعْدَ ذَلِكَ يَا رَبِّ
قَرِّبْنِي إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ أَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا
تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ وَيْلَكَ ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَلَا يَزَالُ
يَدْعُو فَيَقُولُ لَعَلِّي إِنْ أَعْطَيْتُكَ ذَلِكَ تَسْأَلُنِي غَيْرَهُ
فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ فَيُعْطِي اللهَ مِنْ
عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهُ فَيُقَرِّبُهُ إِلَى بَابِ
الْجَنَّةِ فَإِذَا رَأَى مَا فِيهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ
يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ ثُمَّ يَقُولُ
أَوَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ وَيْلَكَ يَا ابْنَ
آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى
خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ
أَذِنَ لَهُ بِالدُّخُولِ فِيهَا فَإِذَا دَخَلَ فِيهَا قِيلَ لَهُ تَمَنَّ
مِنْ كَذَا فَيَتَمَنَّى ثُمَّ يُقَالُ لَهُ تَمَنَّ مِنْ كَذَا فَيَتَمَنَّى
حَتَّى تَنْقَطِعَ بِهِ الْأَمَانِيُّ فَيَقُولُ لَهُ هَذَا لَكَ وَمِثْلُهُ
مَعَهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَذَلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ
دُخُولًا۔

فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، سولوگ کہیں گے: تو ہمارا رب
ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں گے اور جہنم کا پل نصب کر دیا
جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس میں سب سے پہلے اس
پل سے گزروں گا اور اس دن تمام رسول یہ دعا کریں گے: اے
اللہ! سلامتی فرما، سلامتی فرما۔ اور اس پل میں آنکڑے (بڑے
ہک یعنی کُنڈے کی مثل) ہوں گے جو سعدان کے کانٹوں کی مثل
ہوں گے، کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے کہا:
کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس وہ آنکڑے سعدان
کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، البتہ ان کی لمبائی چوڑائی کی مقدار کو
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے
اعمال کے اعتبار سے اچک لیں گے، ان میں سے کوئی اپنے عمل کی
وجہ سے ہلاک ہو جائے گا اور بعض کے جسم رائی کے دانہ کے برابر
کٹ چکے ہوں گے، پھر وہ نجات پا جائیں گے حتیٰ کہ جب اللہ
تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا
اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ دوزخ سے ان کو نکالے جن کو نکالنے کا اس
نے ارادہ کیا ہے ان لوگوں میں سے جو یہ شہادت دیتے ہوں گے
کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا
کہ وہ ان لوگوں کو دوزخ سے نکالیں، پس فرشتے ان کو سجدہ کی
نشانیوں کی علامتوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم
کے سجدہ کی نشانیوں کے کھانے کو دوزخ پر حرام کر دیا ہے، پس
فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے دراں حالیکہ وہ جل کر کوئلہ
ہو چکے ہوں گے، پھر ان کے اوپر پانی کو چھڑکا جائے گا جس کو
زندگی کا پانی کہا جاتا ہے سو وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح
زرخیز زمین سیلاب میں اگتی ہے، اور ایک مرد ان میں سے باقی
رہے گا اس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہوگا سو وہ کہے گا: اے میرے
رب! مجھے دوزخ کی بدبو نے ہلاک کر دیا اور اس کی تپش نے مجھے
جلا ڈالا، سو میرا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے، پھر وہ مسلسل

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہوسکتا ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ نعمتیں دے دوں تو، تو مجھ سے کسی اور نعمت کا سوال کرے گا۔ وہ کہے گا: نہیں تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا کسی اور نعمت کا سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے گا، پھر اس کے بعد وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازہ کے قریب کر دے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ تو مجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرے گا؟ اور اے ابن آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پھر وہ مسلسل دعا کرتا رہے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہوسکتا ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ دے دوں تو تو مجھ سے اور سوال کرے گا، وہ کہے گا: نہیں! تیری عزت کی قسم! میں اب اور کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پختہ عہد اور پیمان لے گا کہ اب وہ اس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا، پھر اس مرد کو جنت کے دروازہ کے قریب کر دے گا۔ پھر جب وہ مرد جنت کی نعمتوں کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا خاموش کھڑا رہے گا، پھر کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو مجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرے گا؟ افسوس ہے اے ابنِ آدم! تو کتنا عہد شکن ہے۔ پس وہ مرد کہے گا: اے میرے رب! تو مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بدنصیب تو نہ بنا، پس وہ مسلسل یہ دعا کرتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) ہنسے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ اس سے ہنسے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا، پھر جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ فلاں فلاں چیز کی تمنا کر، سو وہ تمنا کرے گا، پھر اس سے کہا جائے گا: فلاں فلاں چیز کی تمنا کر، سو وہ تمنا کرے گا حتیٰ کہ اس کی تمنائیں منقطع ہو جائیں گی، پس اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: یہ بھی تمہارے لیے ہیں اور اس کی ایک مثل اس کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مرد اہلِ جنت میں سے سب کے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۔

(صحیح البخاری:۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم:۱۸۲، سنن نسائی:۱۱۴۰، مسند احمد:۷۶۶۰، سنن دارمی:۲۸۰۱)

۶۵۷۴۔ قَالَ عَطَاءٌ وَأَبُو سَعِيدِ الْخُدْرِيُّ جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَوْلِهِ هَذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ هَذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَفِظْتُ مِثْلُهُ مَعَهُ۔

عطاء نے کہا اور اس وقت حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی تغیر نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ جب وہ اس قول تک پہنچے کہ تمہارے لیے یہ ہے اور اس کی ایک مثل اور اس کے ساتھ ہے تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے یہ ہے اور اس کی دس مثالیں اور ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: اس کی ایک مثل اس کے ساتھ ہے۔

(صحیح البخاری:۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم:۱۸۲، سنن نسائی:۱۱۴۰، مسند احمد:۷۶۶۰، سنن دارمی:۲۸۰۱)

صحیح البخاری: ۶۵۷۳۔ ۶۵۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جہنم پر ایک پل نصب کر دیا جائے گا'' اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ ''پھر جہنم پر ایک پل نصب کر دیا جائے گا اور وہی صراط ہے''۔ اور جہنم کے پل کو ''صراط'' اس لیے فرمایا ہے کہ ''فضل السجود'' کے باب میں مذکور ہے ''پھر صراط کو نصب کیا جائے گا'' تو یہاں عنوان میں دونوں لفظوں کو جمع کر دیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت میں دیکھیں گے''۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں رب کو دیکھنے کے متعلق سوال نہیں کیا گیا۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ''یاد رکھو تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ تم مرجاؤ'' اور اس سوال کا سبب یہ ہے کہ جب حشر کا ذکر کیا گیا اور اس قول کا کہ ''ہر امت کو چاہیے کہ اس کی پیروی کرے جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتی تھی'' اور مسلمانوں کے اس قول کا ذکر کیا گیا ''ہماری یہ جگہ ہے ہم یہیں رہیں گے حتیٰ کہ ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ لیں''۔

چاند اور سورج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی مثال کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا تم سورج کو دیکھنے کے وقت تنگ ہوتے ہو جب اس پر بادل نہ ہوں''۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے ''لا تضامون'' یا ''لا تضاهون'' یعنی سورج تم پر مشتبہ نہیں ہوتا اور نہ تم اس کے متعلق شک کرتے ہو کہ تم اس کو دیکھنے کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑا کرو۔

پھر اس کے بعد چاند کا ذکر کیا اور سورج اور چاند کو ذکر کے ساتھ اس لیے خاص فرمایا کہ بغیر بادل کے آسمان میں سورج اور چاند کو دیکھنا بہت بڑی نشانی ہے، کیونکہ سورج اور چاند میں بہت عظیم نور ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے چاند اور سورج کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور اس کے دیدار پر استدلال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور اس کے دیدار پر ایک اعتراض کا جواب

معتزلہ اور خوارج نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کیا ہے اور یہ ان کی جہالت ہے، کیونکہ کتاب، سنت اور اجماع صحابہ اور اسلافِ امت کے دلائل سے اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ثابت ہے کہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو دکھائی دے گا۔ منکرین کہتے ہیں: جو چیز دکھائی دے وہ ایک جہت میں ہوتی ہے اور دیکھنے والا دوسری جہت میں ہوتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی ایک جہت میں ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ مخلوق کے لیے ہے کہ جب مخلوق دکھائی دے تو وہ کسی ایک جہت میں ہوگی اور دیکھنے والی مخلوق دوسری جہت میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان قواعد سے بلند و برتر ہے۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والا تو مانتے ہیں تو ان کے اصول کے مطابق پھر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک جہت سے دیکھ رہا ہو اور مخلوق دوسری جہت میں دکھائی دے رہی ہو۔ اس لیے اس کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ دیکھنے والا ایک جہت میں ہو اور دکھائی دینے والا دوسری جہت میں ہو یہ اس وقت ہے جب دیکھنے والا اور دکھائی دینے والا دونوں مخلوق ہوں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق تقریباً بیس صحابہ سے احادیث مروی ہیں جن میں سے حضرت علی، حضرت جریر، حضرت صہیب اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں۔

محشر میں لوگوں اور مومنین کے کھڑے ہونے کی مدت

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا''۔ شعیب کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک زمین میں حشر فرمائے گا''۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، پھر ان کو سنائے گا اور ان میں بصر کو نافذ کرے گا''۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت کی ہے: ''جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا تو وہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور ان کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔۔۔ الحدیث''۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''مومن کے اوپر حشر کے دن کے وقوف میں تخفیف کی جائے گی حتیٰ کہ اس پر وہ وقت ایسے گزرے گا جیسا کہ فرض نماز کا وقت گزرتا ہے''۔ اور حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''اتنا وقت لگے گا جیسے سورج کو مغرب کی طرف غروب میں وقت لگتا ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس جو شخص سورج کی عبادت کرتا ہوگا وہ اس کی پیروی کرے گا''۔

اس حدیث میں سورج اور چاند کی پیروی کرنے کا ذکر ہے۔ ان کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ جسامت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عظیم ہیں۔

طاغوت کے لفظ کی تحقیق اور اس کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو طواغیت کی عبادت کرتے تھے وہ طواغیت کی پیروی کریں گے''۔

طواغیت ''طاغوت'' کی جمع ہے اور اس کا معنی شیطان اور بُت ہے۔ یہ بطورِ جمع بھی استعمال ہوتا ہے اور بطورِ مفرد بھی اور مذکر بھی اور مونث بھی، اور اس کا اطلاق ان پر کیا جاتا ہے جو گمراہ کرنے والوں کے سردار ہوں۔ الجوہری نے کہا ہے: طاغوت کاہن ہے اور شیطان ہے اور کبھی یہ واحد استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔ (النساء:٦٠)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس لے جائیں۔

النساء: ٦٠ کی تفسیر از مصنف

ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کریں گے۔ اور منافق نے کہا: کعب بن الاشرف فیصلہ کریں گے۔ یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ فرمایا۔ منافق اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا اور کہا: میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ فیصلہ فرمائیں گے، پھر وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، یہودی نے بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ کر چکے ہیں لیکن یہ مانتا نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا: کیا ایسا ہی ہے؟ اس منافق نے کہا: ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے، تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا، اس منافق کے گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۴۹۔۲۴۸، روح المعانی ج ۵ ص ۶۷)

اور کبھی طاغوت کا لفظ بطورِ جمع استعمال ہوتا ہے، جیسے درج ذیل آیت میں ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مدد گار ہے، انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، وہ دوزخی لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

البقرہ:۲۵۷ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جن لوگوں نے شیاطین سے دوستی رکھی، وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو گئے اور شیطان نے انہیں کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔ یہاں مفسرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، پھر شیطان کے بہکانے میں آ کر وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور آپ کے ساتھ انہوں نے کفر کیا اور یوں وہ نور سے نکل کر ظلمت میں آ گئے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: طاغوت کا لفظ ہر چند کہ لاہوت کے وزن پر ہے لیکن اس میں قلب ہے (یعنی اس کی ترتیب الٹی کی گئی ہے) کیونکہ یہ ''طغیان'' سے ماخوذ ہے اور لاہوت کا لفظ غیر مقلوب ہے کیونکہ وہ ''لاہ'' سے ماخوذ ہے جیسے رغبوت اور رحموت ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ محققین کے نزدیک لاہوت کی جمع نہیں آتی کیونکہ یہ رہبوت اور رحموت کی طرح مصدر ہے اور طاغوت کی اصل ''طغیوت'' ہے۔ پس یاء کو غین پر مقدم کیا گیا تو یہ لفظ ''طیغوت'' ہو گیا، پھر یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یاء متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے تو یہ لفظ طاغوت ہو گیا۔ سو جب یہ ثابت ہے کہ یہ اصل میں طغیان کے معنی میں مصدر ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اسم مفرد ہے۔

اس امت سے مراد خاص امتِ محمدیہ ہے یا عموم مراد ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس کے منافقین بھی ہیں''۔ ایک قول یہ ہے کہ اس امت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عام مراد ہیں۔ اور اس میں تمام اہلِ توحید داخل ہیں حتیٰ کہ جنات بھی داخل ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے بقیہ حصہ میں ہے کہ اس میں وہ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بدکار۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ یہ امت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علاوہ دوسروں کو بھی شامل ہے اس حدیث میں مذکور ''هذه الامة'' کے منافی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس حدیث کے بقیہ حصہ میں ہے کہ ''اس میں وہ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بدکار'' یہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جو مسلم میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس میں اس امت کے منافقین بھی ہوں گے''۔

منافقین نے یہ گمان کیا کہ آخرت میں ان کو مومنین کے ساتھ مستور رکھنا ان کے لیے نفع مند ہوگا۔ پس وہ مومنین کے ساتھ اس دن میں مخلوط ہو گئے ہیں حتیٰ کہ ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۞ (الحدید:۱۳)

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کوئی نور حاصل کرو، پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا O

اللہ تعالیٰ کے آنے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ آئے گا"۔

اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی تجلی کا آنا ہے اور حجابات کا اٹھ جانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ سب مومنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے کیونکہ عادت یہ ہے کہ ہر وہ جو دوسرے سے غائب ہو اس کو دیکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کے پاس نہ آئے، سو یہاں پر دیکھنے کو مجازاً آنے سے تعبیر فرمایا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آنا اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حدوث کی علامات سے تنزیہہ واجب ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے اصل میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے کسی اجنبی صورت میں ظاہر ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ اس صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کی صورت کا لفظ متشابہات میں سے ہے اور امت کے اس میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ "المفوضہ" ہے جو متشابہات کی تاویل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور دوسرا فرقہ "المؤولہ" ہے اور وہ صورت کی تاویل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ صورت سے مراد صفت ہے۔ یا اس کلام کو بطورِ مطابقت کے لایا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پہلے اللہ تعالیٰ ان کے پاس کسی اور صورت میں آئے گا اور پھر ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے"۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب دنیا میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں تھا تو اس کو کیسے پہچانیں گے؟

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ مسلمانوں نے تو پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں تھا تو وہ کیسے پہچانیں گے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: مسلمان اللہ تعالیٰ کو دنیا میں صفت کے ساتھ پہچانتے تھے، یعنی انبیاء علیہم السلام نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات

بیان کی ہیں ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک علمِ بدیہی پیدا فرمادے گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو جان لیں گے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس وقت تمام معلومات بدیہی ہو جائیں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب اللہ تعالیٰ کسی اجنبی صورت میں مسلمانوں کے سامنے ظاہر ہوگا اور فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں تو مسلمان کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے، پس جب ہمارے پاس ہمارا رب آجائے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے''۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے یہ کلام منافقین سے صادر ہوا ہو۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ صحیح نہیں ہے اور کلام اس کے ساتھ مستقیم نہیں ہوتا۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے کہ قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے اور حدیث کا لفظ اس کی تصحیح کرتا ہے یا اس میں ظاہر ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں میں ان کے پاس آئے گا اور فرشتوں کی ایسی صورت میں آئے گا کہ ایسی صورت کی مثل دنیا میں انہوں نے نہیں دیکھی ہوگی۔ اس وجہ سے وہ اس حال کے اندر اللہ کی پناہ طلب کریں گے اور کہیں گے کہ جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے یعنی جب ہمارے پاس ہمارا رب اس صورت یعنی اس صفت میں آئے گا جس سے ہم اس کو پہچانتے ہیں تو پہچان لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اجنبی صورت میں آنے کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صورت کے بغیر آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ امتحان کے لیے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس مختلف صورتوں میں آئے، پس فرمائے: میں تمہارا رب ہوں، اور یہ بطورِ امتحان ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، تو اس وقت مسلمان کہیں گے: تو ہمارا رب ہے''۔

محشر میں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا فرق

ایک قول یہ ہے: اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو حشر کے پہلے مرحلہ میں دیکھ لیں گے اور حقیقتاً علم اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ محشر میں جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، یہ دیکھنا اس کے مغائر ہوگا جو وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے جب اللہ تعالیٰ ان پر اکرام فرمائے گا، کیونکہ محشر میں دیکھنا امتحان کے لیے ہوگا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا زیادہ اکرام کے لیے ہوگا۔

اس سوال کے جوابات کہ محشر میں اللہ تعالیٰ کا بطورِ امتحان یہ فرمانا ''میں تمہارا رب ہوں'' آخرت کے دار الجزاء ہونے کے خلاف ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امتحان لینا آزمائش اور تکلیف کے لیے ہوتا ہے اور قیامت کے دن آزمائش اور تکلیف نہیں ہو سکتی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: تکلیف اور آزمائش کے آثار اس وقت منقطع ہوں گے جب جنت میں یا دوزخ میں استقرار ہو جائے گا۔ اور علامہ طیبی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا دارِ بلاء ہے اور آخرت دارِ جزاء ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کسی ایک میں وہ چیز واقع نہ ہو جو دوسری میں خاص ہے کیونکہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اور اس میں آزمائش ہو گی اور اس میں قبر والوں کو سوال کے فتنہ میں مبتلاء کیا جائے گا، اور اس کے علاوہ اور بھی آزمائشیں ہوں گی۔

جہنم کے پُل کی صفت اور اس میں آنکڑوں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور جہنم کا پُل نصب کیا جائے گا''۔

یہ پُل جہنم کی پشت پر پھیلا ہوا ہے اور یہ بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے ''آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ پُل کیسا ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ایک پھسلوان چیز ہو گی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس میں سب سے پہلے اس پُل سے گزروں گا''۔ اس کا معنی ہے کہ میں سب سے پہلے اس پُل پر چلوں گا اور اس کو منقطع کروں گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: کوئی ایک بھی اس پُل سے نہیں گزرے گا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پُل سے گزر جائیں۔ اور علامہ النووی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ اس پُل سے پہلے میں گزروں گا اور میری امت گزرے گی۔

''کلالیب'' کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''بہ کلالیب'' یہ ''کلوب'' کی جمع ہے جو تنور کی طرح ہے اور اس میں بہ کی ضمیر پُل کی طرف لوٹ رہی ہے اور شعب الایمان کی روایت میں ہے ''جہنم میں آنکڑے ہیں''۔ اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ''پُل صراط کے دونوں کناروں پر آنکڑے معلق ہوں گے اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ حکم دے گا وہ آنکڑے اس کو پکڑ لیں گے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مثل شوك السعدان'' یہ تثنیہ کے لفظ پر ہے اور یہ ''سعدانة'' کی جمع ہے، یہ ایک کانٹے دار گھاس ہے جس کی پسندیدہ چراگاہ میں مثال دی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ وہ چراگاہ ہے اور سعدان کی مثل نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان آنکڑوں کی لمبائی چوڑائی کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''اس کی لمبائی چوڑائی کی مقدار کو صرف اللہ ہی جانتا ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لوگ اس پُل سے اپنے اعمال کے اعتبار سے گزریں گے، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے عمل سے ہلاک ہو جائیں گے''۔

اس میں ''باء'' سببیت کی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ۔(البقرہ:۵۴) بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنانے کے سبب سے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ان میں سے بعض اپنے عمل سے ہلاک ہو جائیں گے'' یعنی اپنے برے عمل کے سبب سے۔

پل صراط پر سے گزرنے والوں کے بعض اعضاء کے کٹ جانے کا بیان

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور بعض رائی کے دانہ کے برابر کٹ جائیں گے''۔ یعنی ان کے اعضاء کو رائی کے دانہ کے برابر کاٹ دیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ پل صراط کے آنکڑے ان کے اجسام کو رائی کے دانہ کے برابر کاٹ دیں گے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ کہا جاتا ہے ''خردلت اللحم'' یعنی اس کے اعضاء کاٹ کر الگ الگ کر دیئے گئے۔ اور الاصیلی کی روایت میں یہ لفظ ''المجردلة'' ہے، یعنی وہ گرنے کے قریب ہوں گے۔ اسی طرح ابواحمد الجرجانی کی روایت میں ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے ''ان میں سے بعض گزر جائیں گے حتیٰ کہ نجات پا جائیں گے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم ینجو'' یعنی ان کی نجات ہو جائے گی۔ اور ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے ''ثم ینجلی'' یعنی ان کے لیے بیان کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ جس کو دوزخ سے نکالنا ہے اس کو نکالے''۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا کہ وہ کسی کام سے فارغ ہو گیا، محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان اپنے فیصلوں کو پورا فرما دے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور ارادہ فرمائے گا کہ جن کو وہ دوزخ سے نکالنے کا ارادہ رکھتا ہے ان کو دوزخ سے نکالے اور یہ وہ ہیں جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان کو دوزخ سے نکالے، پس فرشتے ان کو سجدوں کے آثار کی علامت سے پہچانیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر ابن آدم کے سجدوں کے نشان کے کھانے کو حرام فرما دیا ہے''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور اپنی رحمت کے سبب سے یہ ارادہ فرمائے گا کہ جن کو وہ اہل دوزخ سے نکالنا چاہتا ہے ان کو نکالے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ سے ان کو نکالیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمانے کا ارادہ فرمائے گا، یہ وہ لوگ ہوں گے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے۔

آثار سجود کے مصداق کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''آثار سجود کی علامت سے''۔

سجدہ کا اثر پیشانی پر ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سات ہڈیاں ہوں۔

جب دوزخی کا جسم جل کر کوئلہ ہو چکا ہو گا تو فرشتے آثارِ سجود کو کیسے پہچانیں گے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام فرما دیا ہے"۔

یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کی عبارت یہ ہے کہ فرشتے سجدہ کے اثر کو کیسے پہچانیں گے جب کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کردے گا حتیٰ کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کو شفاعت کی اجازت دے گا"۔ اور اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل سجدہ کے اعضاء کو عام اعضاء سے خاص فرمالے گا جیسا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اس سے منع کر دے گا کہ وہ مومن کے سجدہ کے نشان کو جلائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیخرجونهم قد امتحشوا ویسب علیهم ماء یقال له ماء الحیٰوة" یعنی فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے جب کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر زندگی کا پانی ڈالا جائے گا۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "پس ان کو حیات کے دریا یا حیا کے دریا میں ڈال دیا جائے گا" اور دوسری روایت میں مذکور ہے "ان کو دریا میں ڈال دیا جائے گا جو جنت کے دریاؤں میں سے ہے اور اس کو حیات کا پانی کہا جاتا ہے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فینبتون نبات الحبة فی حمل السیل" یعنی پس وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح دانہ سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں اگتا ہے۔

جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اس کے مصداق کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان میں سے ایک مرد باقی بچے گا جس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہو گا"۔

الکشمیهنی کی روایت میں ہے "اور یہ مرد بنی اسرائیل کا کفن چور تھا"۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول یا رب قد قشبنی ریحها واحرقنی ذکاؤها فاصرف وجهی عن النار" یعنی اے میرے رب! دوزخ کی بدبو نے مجھے ہلاک کر دیا اور اس کی تپش کی تیزی نے مجھے جلا ڈالا، سو میرا چہرہ دوزخ سے پھیر دے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے "قشب الدخان" اس وقت کہتے ہیں جب اس کے نتھنوں میں دھواں گھس جائے اور اس کو زکام میں مبتلا کر دے۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ "القشب" کا معنی ہے: ہر ناپسندیدہ چیز کا لگنا اور بندہ کا اس سے گھن کھانا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ مرد یہ دعا کیسے کرے گا حالانکہ وہ پل صراط سے گزرے گا اس حال میں کہ وہ جنت کو طلب کر رہا ہو گا تو اس کا چہرہ جنت کی طرف ہو گا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ پل صراط پر پشت کے بل پلٹ جائے گا اور اسی حال میں رہے گا کہ اس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہو گا اور وہ اپنے اختیار سے دوزخ سے اپنا چہرہ ہٹانے پر قادر نہیں ہو گا اور وہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○" (الفاتحہ:٦) کے قبیل سے ہے، گویا کہ جب وہ جنت کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کے چہرہ کو دوزخ سے دور رکھے۔ پھر اس کا چہرہ دوزخ سے

دور کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذا رای مافیها سکت ما شاء الله ان یسکت ثم یقول: رب ادخلنی الجنة'' یعنی جب وہ مرد جنت کی نعمتوں کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا خاموش کھڑا رہے گا، پھر دعا کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس نے جنت کو کیسے دیکھا حالانکہ اس وقت تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوا تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جنت کی دیوار شفاف ہے اور اس کا باطن ظاہر سے دکھائی دیتا ہے جیسا کہ جنت کے بالا خانوں کی صفت میں مذکور ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں دیکھنے سے مراد علم ہے یعنی جنت کی پاکیزہ خوشبوئیں اور اس کے انوار باہر پھیلے ہوئے ہوں گے جیسا کہ دوزخ کے باہر دوزخ کی تپش کی بدبو پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لاتجعلنی اشقی خلقك'' یعنی تو مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بدبخت نہ بنا۔

خلق سے مراد یہاں پر وہ ہے جو لوگ جنت میں داخل ہو گئے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ وہ تمام مخلوق میں سے سب سے بدبخت نہیں ہوگا کیونکہ وہ مومن ہے اور دوزخ سے نکلا ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ''اشقی'' بمعنی شقی ہے یا خلق سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوزخ سے نکل چکے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی یضحك'' یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہنسے گا۔

اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ضحک کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے مجاز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مرد جنت میں داخل ہونے والوں میں سے آخری ہوگا''۔

امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں آخر میں جو شخص داخل ہوگا وہ جہینہ کا ایک مرد ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں دو روایتیں ہوں۔ ایک روایت کے مطابق وہ آخری شخص جہینہ سے ہوگا اور دوسری روایت اس حدیث میں مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۳۔۲۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۔ بَابٌ: فِي الْحَوْضِ

حوض کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر: ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے''۔

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے حوض پر ملاقات ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا ذکر کیا گیا ہے۔ حوض اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔ اور حوض کی جمع ''احواض'' اور ''حیاض'' آتی ہے۔ اور حوض کے متعلق اس قدر زیادہ احادیث وارد ہیں کہ وہ معنیً متواتر ہیں اور حوض پر ایمان رکھنا واجب ہے اور وہ کوثر ہے جو جنت کے دروازہ پر ہے، مومنین کو اس سے پانی پلایا جائے گا اور وہ حوض اب بھی پیدا کیا ہوا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، نے التذکرہ میں لکھا ہے اور ''صاحب القوت'' (محمد بن علی بن عطیہ المشہور بابی طالب مکی المتوفی ۳۸۶ ھ) وغیرہ نے لکھا ہے کہ حوض صراط کے بعد ہوگا اور دوسروں نے اس کے برعکس لکھا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں۔ ایک حوض محشر میں ہے صراط سے پہلے اور دوسرا حوض جنت کے اندر ہے اور ان میں سے ہر حوض کا نام کوثر ہے۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس کا عنوان ہے ''کتاب فی الحوض'' اور اس سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی لکھی ہوئی ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں الکوثر کا ذکر ہے یہ ''فوعل'' کا وزن ہے جو کثرت کا مبالغہ ہے اور عرب ہر اس چیز کو جو عدد میں کثیر ہو یا مقدار میں کثیر ہو یا مرتبہ میں عظیم ہو اس کو کوثر کہتے ہیں۔

اور سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ اس بڑھیا سے کہا گیا جس کا بیٹا سفر سے واپس آیا کہ تمہارا بیٹا کس چیز کو لے کر سفر سے لوٹا؟ اس نے کہا ''آب بکوثر'' یعنی وہ مال کثیر کو لے کر لوٹا۔

اور کوثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا نام ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کوثر کے ذکر میں بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ حوض ہے جس پر میری امت آئے گی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے حوضِ کوثر مشہور ہے۔

لیکن امام ترمذی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک حوض ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کے متصل ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

امام ابن ابی الدنیا نے سندِ صحیح کے ساتھ حدیثِ مرسل از الحسن بصری روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک حوض ہے اور وہ اپنے حوض پر کھڑا ہوگا اور اس کے ہاتھ میں ایک عصا ہوگا اور وہ اپنی امت میں سے جس کو پہچانے گا اس کو بلائے گا: سنو! انبیاء علیہم السلام اس پر فخر کریں گے کہ کس کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں اور مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔

اور امام طبرانی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔ اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ پس اگر یہ حدیث ثابت ہو تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مخصوص ہے وہ کوثر ہے جس سے پانی حوض میں آ رہا ہوگا۔ سو اس کی نظیر دوسروں کے لیے نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوضِ کوثر عطا فرمایا ہے۔

حوض کے متعلق علمائے اسلام کے مذاہب

الخوارج اور بعض معتزلہ نے حوض کا انکار کیا ہے اور جو لوگ حوض کا انکار کرتے ہیں ان میں سے عبیداللہ بن زیاد بھی ہے جو عراق کے حکام میں سے ایک تھا۔ اور یہ لوگ اس مسئلہ میں گمراہ ہیں اور انہوں نے سلف صالحین کے اجماع کی خلاف ورزی کی اور متاخرین کے مذہب سے الگ ہو گئے۔

حوض کے ثبوت کے متعلق احادیث کا بیان

حوض کے متعلق پچاس سے زیادہ صحابہ سے احادیث منقول ہیں ان صحابہ میں سے حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید، حضرت سہل بن سعد، حضرت جندب، حضرت ام سلمہ، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت حارثہ بن وہب، حضرت المستورد، حضرت ابوذر، حضرت ثوبان، حضرت انس اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس ان صحابہ کی احادیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور حضرت ابوبکر، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ بن زید، حضرت سوید بن جبلہ، حضرت عبداللہ الصنابحی، حضرت براء بن عازب، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت خولہ بنت قیس، حضرت ابن عباس، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت بریدہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت حذیفہ بن اسید، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت لقیط بن عامر، حضرت زید بن ثابت، حضرت حسن بن علی، حضرت ابوبکرہ، حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد اور امام ابوعوانہ کے نزدیک ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بیہقی وغیرہ کے نزدیک ہے اور ابوامامہ کی حدیث امام ابن حبان وغیرہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے۔ اور حضرت سوید بن جبلہ کی حدیث امام ابوزرعہ الدمشقی کی مسند میں ہے اور حضرت عبداللہ السنابحی کی حدیث امام ابن ماجہ کے نزدیک ہے۔

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے اور حضرت خولہ بنت قیس کی حدیث امام طبرانی کے نزدیک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے اور حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث امام ترمذی اور امام نسائی کے نزدیک ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام ابن ابی عاصم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب کی احادیث اور جو ان کے ساتھ مذکور ہیں خولہ بنت حکیم تک، ان سب کی حدیث امام ابن ابی عاصم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عرباض بن ساریہ کی حدیث امام ابن حبان کے نزدیک ہے اور حضرت ابومسعود البدری اور سلمان الفارسی اور سمرہ بن جندب اور عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث امام طبرانی کے نزدیک ہے۔ اور حضرت خباب بن الارت کی حدیث امام حاکم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت النواس بن سمعان کی حدیث امام ابن ابی الدنیا کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث امام ابن مندہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حدیث امام ابن کثیر کے نزدیک ہے اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت لقیط بن صبرہ کی حدیث ابن القیم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث امام احمد اور بزار کے نزدیک ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ "حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے حوض پر ملاقات ہو"۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی پورا نام ہے اور اس تعلیق کو امام بخاری نے غزوۂ حنین میں ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از سلیمان از شقیق از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۶، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

۶۵۷۶۔ وحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِي رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ تَابَعَهُ عَاصِمٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ وَقَالَ حُصَيْنٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

اور مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ، انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے سنا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا، اور ان میں سے کچھ مردوں کو میرے لیے ظاہر کیا جائے گا، پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں! پس کہا جائے گا: بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا باتیں نئی نکالیں۔

سلیمان کی متابعت عاصم نے کی ہے از ابی وائل اور حصین نے کہا از ابی وائل از حضرت حذیفہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۵، ۶۵۷۶، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی تمام احادیث حوض کے ذکر میں ہیں سوا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے جس کو عطاء بن یسار نے روایت

کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس اب ان احادیث کے ذکر کے وقت باب کے عنوان سے مطابقت کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن حماد کا ذکر ہے یہ الشیبانی البصری ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے اور یہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں شقیق بن سلمہ کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کی دوسری سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، یہ ابن بحر ابوحفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن جعفر کا ذکر ہے، یہ از شعبہ از المغیرہ بن مقسم الضبی از ابی وائل روایت کرتے ہیں اور ابووائل شقیق بن سلمہ ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انا فرطکم علی الحوض'' یعنی میں تمہارا حوض پر پیش رَو ہوں گا۔

''فرط'' اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے پہلے حوض پر پہنچ جائے تاکہ لوگوں کو پانی پلانے کے لیے حوض کا اور ڈول کا انتظام کرے۔ کہا جاتا ہے ''فرطت القوم'' جب تم قوم سے پہلے پہنچو تاکہ تم ان کے لیے پانی کو طلب کرو اور ان کے لیے پانی کو مہیا کرو۔

اس حدیث میں اس امت کے لیے بشارت ہے اور ان لوگوں کو مبارک ہو کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش رو ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیرفعن'' یعنی ان لوگوں کو میرے لیے ظاہر کیا جائے گا حتیٰ کہ میں ان کو دیکھوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم لیختلجن دونی'' یعنی ان لوگوں کو حوض سے ہٹا دیا جائے گا اور میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ لوگ یا تو مرتد ہوں گے یا نافرمان ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۰۔۲۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَمَامَكُمْ حَوْضٌ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَأَذْرُحَ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۴۵، مسند احمد: ۴۷۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبیداللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تمہارے آگے حوض ہے (اس کا فاصلہ ایسا ہے) جیسے جرباء اور اذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عمر العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "امامکم" اس کا معنی ہے: تمہارے آگے یا تمہارے سامنے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حوض" اور السرخسی کی روایت میں ہے "حوضی" یعنی میرا حوض۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جرباء اور اذرح" علامہ کرمانی نے کہا: یہ دو جگہوں کے نام ہیں۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ عبید اللہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ شام کے دو شہر ہیں یا دو بستیاں ہیں اور ان کے درمیان تین راتوں کی مسافت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: الرشاطی نے کہا ہے "الجرباء" مونث کا صیغہ ہے اور یہ الاجرب کی تانیث ہے، یہ شام کا ایک شہر ہے۔ اور ابن وضاح نے کہا: "اذرح" فلسطین میں ہے۔ اور الرشاطی نے کہا کہ اسی جگہ پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دو لاکھ درہم دیے تھے۔

حوض کے طول اور عرض کے متعلق مختلف روایات

اس جگہ مفصل اور مبسوط کلام کی ضرورت ہے کیونکہ حوض کی مقدار میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ یہاں اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "حوض میں اتنا فاصلہ ہے جتنا جرباء اور اذرح میں فاصلہ ہے" اور یہ بیان نہیں فرمایا کہ ان دونوں مقامات کے درمیان کتنی مسافت ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔

اور امام بخاری کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میرے حوض کی مقدار اتنی ہے جیسا کہ ایلہ اور صنعاء کا فاصلہ یمن سے ہے۔ اور امام بخاری ہی کے نزدیک حارثہ بن وہب کی روایت میں ہے کہ جیسے مدینہ اور صنعاء کے درمیان فاصلہ ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حوض کی دو طرفوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ صنعاء اور ایلہ کے درمیان ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حوض کی چوڑائی ایسی ہے جیسے ایلہ سے لے کر الجحفہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسے عدن اور ایلہ کے درمیان فاصلہ ہے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسے عمان سے لے کر ایلہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور امام ابن حبان نے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: میرے حوض کی دو طرفوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایلہ اور صنعاء کے درمیان میں ہے اور یہ ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جتنا صنعاء سے لے کر مدینہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جتنا عدن سے لے کر عمان البلقاء تک کا فاصلہ ہے۔ اور امام عبد الرزاق نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلہ کے درمیان

فاصلہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: جتنا مکہ اور عمان میں فاصلہ ہے۔

اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلاء کے درمیان بُعد ہے اور ایک روایت میں ہے: جتنا مکہ اور عمان کے درمیان بُعد ہے۔ اور حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: جتنا فاصلہ صنعاء سے لے کر بصریٰ تک ہے۔ اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلہ کے درمیان بعد ہے یا جتنا صنعاء اور مکہ کے درمیان بعد ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا فاصلہ کعبہ سے لے کر بیت المقدس تک ہے۔ اور امام طبرانی نے حضرت عتبہ بن عمرو سے روایت کی ہے: جتنا بیضاء سے بصریٰ تک فاصلہ ہے۔

مذکور الصدر مختلف روایات میں تطبیق

علماء نے اس اختلاف میں تطبیق دی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ اندازوں کا اختلاف ہے، کیونکہ کسی ایک حدیث میں یہ اختلاف مذکور نہیں ہے کہ اس کو راویوں کے اضطراب میں شمار کیا جائے۔ یہ اختلاف متعدد صحابہ کی احادیثِ مختلفہ میں ہے جو انہوں نے مختلف مقامات پر سنیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حوض کی مقدار کے متعلق ہر مثال بیان فرماتے تھے اور اس کی وسعت کے متعلق بیان فرماتے تھے۔ اور بعض دور دراز کے شہر میں بھی اس طرح کی مقدار کا اختلاف ہوتا ہے اور اس سے مسافتِ محققہ کا آپ نے ارادہ نہیں فرمایا۔ قاضی عیاض نے کہا: اس طریقہ سے یہ الفاظِ مختلفہ باعتبار معنی کے جمع ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے:

اس تطبیق میں بحث و نظر ہے، کیونکہ مثال کا بیان کرنا اور اندازہ کرنا متقارب چیزوں میں ہوتا ہے اور یہ اختلاف تو متباعد ہے جو کبھی زیادہ ہو کر تیس دن تک کا ہوتا ہے اور کبھی تین دن تک کا ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۵۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی نظر میں نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر دی کہ حوض کی مقدار تین دن کی مسافت ہے تو اس وقت اتنی ہی مقدار تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضور پر فضل فرمایا کہ بتدریج حوض کی مقدار میں اضافہ فرمایا اور جتنی حوض کی مقدار میں وسعت ہوتی گئی اتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مقدار کی خبر دیتے گئے۔ اور جس نے بھی حوض کی مقدار دوسروں سے مختلف بیان کی ہے وہ اس اعتبار سے ہے۔ اور اس وجہ سے اس اختلاف میں جوابِ شافی اور تطبیقِ کافی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی کے طویل کلام کی ضرورت نہیں رہتی جو بالکل بے فائدہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کو مسترد کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ جواب بعینہٖ وہی ہے جو اس کلامِ طویل میں مذکور ہے۔ اور علامہ عینی جب اس جواب سے خوش ہوئے تو انہوں

نے یہ وہم ڈالا کہ اس جواب کے ساتھ انہوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ اور اس میں علامہ عینی کی باقی کلام سے استغناء ہے اور علامہ عینی پر یہ حق تھا کہ اس کلام کو اس کی طرف منسوب کرتے جس نے اس کو ظاہر کیا ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کلام میں کوئی فائدہ نہیں ہے حالانکہ اسی کلام سے خوش ہو کر انہوں نے اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۷، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی کے پسندیدہ جواب کا فتح الباری میں ذکر

میں کہتا ہوں: علامہ قرطبی لکھتے ہیں: بعض قاصرین کا یہ گمان ہے کہ حوض کی مقدار میں اختلافِ مذکور اضطراب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، پھر انہوں نے قاضی عیاض کے کلام کو نقل کر کے اضافہ کیا کہ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر کبیر مقدار کی جوانب بہت وسیع ہیں۔ پھر انہوں نے کہا: اور شاید آپ نے حاضرین کے اعتبار سے جہاتِ مختلفہ کا ذکر کیا، پس جو شخص جس جہت کو پہچانتا تھا اسی جہت سے اس کو مخاطب کیا اور ہر قوم ایک جہت کی معرفت رکھتی تھی۔ اور علامہ النووی نے یہ جواب دیا ہے کہ مسافتِ قلیلہ کے ذکر میں وہ چیز نہیں ہے جو مسافتِ کثیرہ کے خلاف ہو اور اس کو رد کرے، پس اکثر مسافت حدیثِ صحیح سے ثابت ہے، لہٰذا اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس طرف اشارہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کم مسافت کی خبر دی، پھر آپ کو مسافتِ طویلہ کا علم دیا گیا تو آپ نے اس کی خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل فرمایا تھا حوض کی مقدار میں تدریجاً وسعت کر کے۔ پس اعتماد اس پر ہوگا جو آپ نے طویل مسافت بیان فرمائی ہے۔ الی آخرہ۔ پس غور کرو کہ یہ عبارت کتنے فوائد پر مشتمل ہے جس کے متعلق اس معترض نے یہ کہا ہے کہ اس کلام میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وللہ الحمد

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حدیث میں مقاماتِ مذکورہ کے ذکر کی تفصیل

الایلہ: یہ ایک آباد شہر ہے اور یہ شام کی جانب سے بحرِ قلزم کی ایک طرف ہے اور آج کل یہاں ویرانہ ہے، اور لوگ حج کرنے کے لیے مصر سے جاتے ہیں اور مصر کے والی اس کو عقبہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اہل مصر میں مشہور ہے۔ ایلہ اور مدینہ نبویہ کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہے۔

صنعاء: صنعاء نام کے دو شہر ہیں۔ ایک صنعاء یمن کا شہر ہے اور یہ یمن کے شہروں میں سب سے بڑا شہر ہے۔ اور دوسرا صنعاء دمشق کے دروازہ پر ایک بستی ہے جو باب الفرادیس سے متصل ہے، یہ یاقوت کا قول ہے۔ اور جو صنعاء پہلا ہے حدیث میں وہی مراد ہے، اس لیے حدیث میں اس کی قید ہے "صنعاء من الیمن"۔

الجحفہ: یہ رابغ کے قریب ایک جگہ ہے اور یہ مصر اور اہل شام کا میقات ہے اور آج کل اہلِ شام ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے ہیں جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے۔

عدن: یہ یمن کی آخری جانب میں ایک شہر ہے جو بحرِ ہند کے ساحل پر ہے۔

عمان: اس کی بھی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جو البلقاء کے قریب ہے، اس لیے اس کو عمان البلقاء کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم جو ہے اس میں عین پر پیش ہے اور میم پر تشدید نہیں ہے یعنی یہ لفظ عُمان ہے، یہ بصرہ اور عدن کے درمیان سمندر کے کنارے پر

واقع ہے۔

البلقاء: یہ فلسطین کا ایک معروف شہر ہے۔ یہ بعض کا قول ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

''البلقاء'' کا تلفظ ممدودہ بھی ہے اور مقصوری بھی ہے۔ الرشاطی نے کہا ہے: ''البلقاء'' دمشق کی عمل داری میں سے ہے۔ بصریٰ: اس میں باء پر پیش ہے اور صاد پر جزم ہے۔ یاقوت نے کہا: یہ شام کا ایک شہر ہے اور یہ حوران کا قصبہ ہے اور دمشق کی عمل داری میں سے ہے۔

البیضاء: یہ ربذہ کے قریب ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان معروف ہے۔ اور الرشاطی نے کہا ہے: ''البیضاء'' ابیض کی تانیث ہے اور یہ ربذہ کے قریب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۸۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ وَعَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنه قَالَ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ۔ (صحیح البخاری: ۴۹۶۶، ۶۵۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر اور عطاء بن السائب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ کوثر اس خیر کثیر کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

ابوبشر نے کہا: میں نے سعید سے کہا: لوگ یہ زعم کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں دریا ہے تو سعید نے کہا: جنت میں جو دریا ہے، یہ بھی اس خیر کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید میں الکوثر کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر: ۱) ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O''

یہ حدیث تفسیر کوثر میں گزر چکی ہے اور وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو از یعقوب بن ابراہیم از ہشیم از ابی بشر از سعید بن جبیر روایت کیا ہے۔ اور یہاں پر اس حدیث کو از عمرو بن محمد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن محمد، یہ ابن بکیر الناقد البغدادی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہُشیم، یہ ہشم کی تصغیر ہے، یہ ابن بُشیر ہیں اور بُشیر بھی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء بن

السائب، یہ الکوفی ہیں اور مشہور محدث ہیں اور صغار تابعین میں سے ہیں اور بہت سچے ہیں، اخیر عمر میں ان کے حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا اور انہوں نے ہشیم سے جو حدیث سنی ہے وہ اختلاط کے بعد سنی ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے یہاں پر ان کا ذکر ابو بشر کے ساتھ کیا ہے اور امام بخاری کی ان سے صرف اسی جگہ روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے"۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیق میں ابو بشر کا ذکر ہے وہ جعفر مذکور ہیں، اور سعید کا ذکر ہے وہ ابن جبیر ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ کوثر جنت میں ایک دریا ہے۔ الہروی نے کہا کہ تفسیر میں وارد ہے کہ کوثر سے مراد قرآن اور نبوت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۹۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا۔

(مسند احمد: ۲۷۷۵۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت پر ہے، اس کا پانی دودھ سے سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے کوزوں (گلاس یا پیالہ) کی تعداد آسمان کے ستاروں کی مثل ہے، جو اس میں سے ایک مرتبہ پیئے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن الحکم بن ابی مریم الجمحی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں نافع بن عمر کا ذکر ہے، یہ الجمحی المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی ملیکہ التیمی المکی ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میرا حوض ایک ماہ کی مسافت ہے"۔
صحیح مسلم کی روایت میں ہے "ایک ماہ کی مسافت پر ہے اور اس کے کونے برابر ہیں"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کا پانی دودھ سے سفید ہے"۔ علامہ المازری نے کہا: نحویوں کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

چونکہ نحویوں نے کہا ہے کہ "ابیض من کذا" نہیں کہا جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہو، کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "اشد بیاضا من اللبن" یعنی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے یعنی "ماؤہ ابیض من اللبن" "اشد" کے بغیر، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کو راویوں کی غلطی کی طرف منسوب کیا جائے جیسا کہ نحویوں کا زعم ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا صحیح مسلم کی روایت سے استشہاد کرنا غیر مفید ہے کیونکہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لون" یعنی رنگ سے اسمِ تفضیل کا استعمال فرمایا ہو اور یہ نحویوں پر حجت ہو کہ لون سے اسمِ تفضیل نہیں آتا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کی خوشبو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے"۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا اضافہ کیا ہے کہ "اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہے" اور امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ روایت کی ہے کہ "اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے" اور ترمذی کی روایت میں "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "اس کا پانی اولوں سے زیادہ ٹھنڈا ہے"۔

"کیزان" کا معنی اور ستاروں کے ساتھ تشبیہ کے دو محمل

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وکیزانہ کنجوم السماء" "کیزان، کوز کی جمع ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عدد میں تشبیہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روشن ہونے میں تشبیہ ہو۔ اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "اس کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی مثل ہیں"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے اس حوض سے پیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی"۔

اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "جس نے حوض سے منہ پھیرا وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۴۔۲۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس سوال کا جواب کہ جب حوض سے پینے کے بعد پیاس نہیں لگے گی تو پھر جنت کے دریاؤں سے کس لیے پانی پیا جائے گا؟

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حوض سے پانی پینے کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی تو پھر جنت کے دریا کس لیے ہیں اور ان سے کوئی کیوں پانی پیئے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت کی نہروں سے جو پانی پیا جائے گا وہ پیاس بجھانے کے لیے نہیں بلکہ لذت کے حصول کے لیے پیا جائے گا جس طرح جنت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہیں اور ان سے جو دودھ اور شہد کو پیا جائے گا وہ لذت کے حصول کے لیے پیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۵۸۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ قَدْرَ حَوْضِي كَمَا بَيْنَ أَيْلَةَ وَصَنْعَاءَ مِنَ الْيَمَنِ وَإِنَّ فِيهِ مِنَ الْأَبَارِيقِ كَعَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ۔

(صحیح مسلم: ۲۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۴، مسند احمد: ۱۳۰۸۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس، ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کی مقدار ایسی ہے جیسے ایلہ اور صنعاء کی یمن سے مقدار ہے اور میرے حوض میں لوٹے آسمان کے ستاروں کے عدد کی مثل ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن عفیر کا ذکر ہے، یہ سعید بن کثیر بن عفیر ابو عثمان المصری ہیں جو عبداللہ بن وہب المصری سے روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید الایلی۔

حدیث مذکور کے معانی

ابن شہاب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کا ثبوت

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی"۔ اس حدیث کی سند میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ابن شہاب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے "ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وصنعاء من الیمن" اس حدیث میں یمن کی قید لگا کر اس کا اس صنعاء سے احتراز کر لیا جو شام میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الاباریق" یہ ابریق کی جمع ہے۔ ابریق فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کعدد نجوم السماء" یہ تشبیہ صرف عدد میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِينُهُ أَوْ طِيبُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ شَكَّ هُدْبَةُ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۶۴، سنن ترمذی: ۳۳۵۹، مسند احمد: ۱۲۲۶۴)

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ ح اور ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس وقت میں جنت میں سیر کر رہا تھا تو میں ایک دریا کے پاس تھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے رب نے عطا فرمائی ہے۔ پس اس کی مٹی یا فرمایا: اس کی خوشبو تیز مشک کی خوشبو کی طرح تھی۔ اس میں ہدبہ کو شک تھا (کہ مٹی فرمایا یا اس کی خوشبو۔)

صحیح البخاری: ۶۵۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الولید، یہ ہشام بن عبد الملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، اور وہ ابن یحییٰ الازدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب میں جنت میں چل رہا تھا''۔ یہ شب معراج کا واقعہ ہے۔ اور اس کی تصریح سورۃ الکوثر کی تفسیر میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس وقت میں ایک دریا کے پاس تھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس حوض سے بعض لوگوں کو قیامت کے دن دور کیا جائے گا یہ اس دریا کے علاوہ ہے جو جنت میں ہے۔ یا یہ وہی حوض ہو جس کو انہوں نے دیکھا تھا اور اس وقت نبی ﷺ جنت میں داخل ہوں اور وہ لوگ جنت سے خارج ہوں۔ پس آپ ان کو آواز دے کر بلائیں، سو ان کو حوض سے دور کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ بدر الدین عینی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا: اس سے یہ چیز مستغنی کرتی ہے کہ جو حوض جنت سے خارج ہے اس کو اس دریا سے بڑھایا جائے گا جو جنت میں داخل ہے، سو کوئی اشکال نہیں ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے: اس پر دلیل کی ضرورت ہے کہ یہ حوض جنت کے دریا سے بڑھایا جائے گا۔ اور ہم کہتے ہیں: اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو حوض تھے، ایک وہ حوض جو جنت میں ہے اور دوسرا وہ حوض جو قیامت کے دن ہوگا اور ہم عنقریب اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس دلیل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جس کو میں نے علامہ قرطبی کے رد میں اس کلام کے شروع میں ذکر کیا تھا۔ علامہ قرطبی نے وثوق سے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں۔ پس میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جو صحیح مسلم میں حوض کی صفت میں ہے کہ اس حوض میں جنت سے دو پرنالے گریں گے اور اسی کی مثل حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اس سے زیادہ صریح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس میں مذکور ہے ''کوثر کا دریا حوض کی طرف کھولا جائے گا''۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۹، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''قباب الدر'' ''یہ ''قبۃ'' کی جمع ہے جو کسی عمارت پر بنا ہوتا ہے اور اس کی جمع ''قبب'' کے وزن پر بھی آتی ہے۔ اور ''دُرّ'' درۃ کی جمع ہے اور یہ موتی کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المجوف'' اس کا معنی ہے: کھوکھلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذا طینہ او طیبہ'' یہ امام بخاری کے شیخ ہدبہ کو شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذفر'' یعنی جس کی خوشبو سب سے تیز ہو۔ ابن فارس نے کہا ہے: الذفر خوشبو کی تیزی کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۵۔ ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِي الْحَوْضَ حَتَّى عَرَفْتُهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي فَأَقُولُ أَصْحَابِي فَيَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۰۴، سنن نسائی: ۹۰۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ضرور میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر آئیں گے حتیٰ کہ میں جب ان کو پہچانوں گا تو ان کو میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا، پس میں کہوں گا: (یہ) میرے اصحاب ہیں، پس وہ کہے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے اور وہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، وہ ابن صہیب ابوحمزہ البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اختلجوا" یہ خلج سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: وہ کھینچے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دونی" یعنی میرے قریب سے۔ پس میں کہوں گا "اصحابی" اور ایک روایت میں ہے "اصیحابی" تصغیر کے ساتھ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول" اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے "فیقال"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما احدثوا بعدك" یعنی انہوں نے وہ گناہ کیے ہیں جن کی وجہ سے اس حوض سے پینا حرام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن مطرف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رَو ہوں گا، جو بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس میں سے پیئے گا، اور جو پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، ضرور میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کردی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۹،۶۵۶۷، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

۶۵۸۴۔ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ هَكَذَا سَمِعْتَ مِنْ سَهْلٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا

ابوحازم نے کہا: مجھ سے النعمان بن ابی عیاش نے سنا، پس انہوں نے پوچھا: کیا اسی طرح تم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے سنا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! پس انہوں نے کہا: میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے سنا اور وہ اس میں یہ

أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُحْقًا بُعْدًا يُقَالُ سَحِيقٌ بَعِيدٌ سَحَقَهُ وَأَسْحَقَهُ أَبْعَدَهُ۔

(صحیح البخاری:۷۰۵۱،صحیح مسلم:۲۲۹۱،مسند احمد:۱۰۸۳۶)

اضافہ کرتے تھے، پس میں کہوں گا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں، پس کہا جائے گا: بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔ سو میں کہوں گا: جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر کر دیا ان کے لیے دوری ہو، دوری ہو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''سحقا'' کا معنی ہے ''بُعدا''، کہا جاتا ہے ''سحیق'' کا معنی ہے بعید۔ اور ''سحقهٗ واسحقهٗ'' کا معنی ہے: اس نے اس کو دور کر دیا۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مطرّف، یہ ابو غسان اللیثی المدنی ہیں جو عسقلان میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انی فرطکم علی الحوض''۔ ''الفَرَط'' میں فا اور راء دونوں پر زبر ہے، یہ اس مرد کو کہتے ہیں جو حوض پر جانے والوں میں پہلے پہنچ جائے تاکہ ان کے لیے حوض کو درست کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سحقا'' یعنی دوری ہو اور اس کو مکرر ذکر کیا۔ اس میں یہ خبر ہے کہ وہ لوگ دین سے مرتد ہو گئے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نافرمانوں کی شفاعت کریں گے اور ان کا اہتمام کریں گے اور ان کے لیے ایسا کلام نہیں فرمائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یقال سحیق'' اس کا معنی ہے بعید، یہ امام ابو عبیدہ کی درج ذیل آیت کی تفسیر میں منقول ہے:

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج:۳۱)

ہر باطل سے الگ، صرف اللہ کے ہو کر رہو، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا، پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یا آندھی اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے O

اور اسی سے ماخوذ ہے ''النخلة السحوق'' یہ کھجور کے لمبے اور اونچے درخت کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٨٥۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ الْحَبَطِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنِ الْحَوْضِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى۔

اور احمد بن شبیب بن سعید الحبطی نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میرے پاس میرے اصحاب میں سے ایک جماعت آئے گی، سوان کو حوض سے دور کیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ) میرے اصحاب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک آپ کو (از خود) علم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں، یہ لوگ اپنی پیٹھوں کے بل الٹے پیر دین سے پلٹ گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ٦٥٨٦، صحیح مسلم: ٢٢٩١، سنن ابن ماجہ: ٤٣٠٦، مسند احمد: ١٠٨٣٦)

صحیح البخاری: ٦٥٨٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو ابوعوانہ نے از ابی زرعہ الرازی اور ابوالحسن المیمون نے وصل کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان دونوں نے کہا: ہمیں احمد بن شبیب نے حدیث بیان کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرد علی یوم القیامه رهط من اصحابی''۔ یعنی قیامت کے دن میرے پاس میرے اصحاب میں سے ایک جماعت آئے گی۔ اس حدیث میں ''رهط'' کا لفظ ہے اور کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ ''رهط'' مردوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں دس سے کم افراد ہوں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس میں چالیس تک افراد ہوں اور ان میں عورت نہ ہو اور اس کو ''رهط'' کہتے ہیں۔ اور رهط کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا اور اس کی جمع ''ارهاط، اراهط اور ارهُط'' آتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیحلؤون'' یہ ''تحلئة'' سے ماخوذ ہے اور مجہول کا صیغہ ہے، یعنی دور کیے جائیں گے اور بھگائے جائیں گے۔ جب کسی شخص کو پانی سے دور کیا جائے اور بھگایا جائے تو کہا جاتا ہے ''حلئه حلئه''۔ اور دوسری روایت میں ہے ''فیُجلون'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی ان کو ہٹا دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علیٰ ادبارهم'' اور ایک روایت میں ہے ''علیٰ اعقابهم'' یعنی ان کو ان کی پیٹھوں کے بل لوٹا دیا جائے گا یا ایڑھیوں کے بل لوٹا دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''القهقریٰ'' اس کا معنی ہے: الٹے پیر لوٹنا۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٢١٧۔٢١٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٥٨٦۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنْهُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَيُجْلَوْنَ وَقَالَ عُقَيْلٌ فَيُحَلَّئُونَ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از ابن المسیب، بے شک وہ نبی ﷺ کے اصحاب سے حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حوض پر میرے اصحاب میں سے کچھ مرد آئیں گے، پس ان کو حوض سے دور کیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ) میرے اصحاب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک آپ کو (از خود) علم نہیں ہے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں، بے شک یہ اپنی پیٹھوں کے بل الٹے پیر لوٹ گئے تھے۔

اور شعیب نے کہا از الزہری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فیجلون'' اور عقیل نے کہا: ''فیحلؤون'' (دونوں لفظوں کا معنی ہے: انہیں پانی سے دور کیا جائے گا)۔

اور الزبیدی نے کہا از الزہری از محمد بن علی از عبید اللہ بن ابی رافع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ٦٥٨٥، صحیح مسلم: ٢٢٩١، سنن ابن ماجہ: ٤٣٠٦، مسند احمد: ١٠٨٣٦)

صحیح البخاری: ٦٥٨٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، وہ ابوجعفر المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، وہ عبد اللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ یونس بن یزید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی ﷺ کے اصحاب سے۔

یہ وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے مگر وہاں پر کہا تھا کہ سعید بن المسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہاں پر کہا ہے کہ سعید بن المسیب نبی ﷺ کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں، اور یہ اختلاف مضر نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان اصحاب میں داخل ہیں۔ اور یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ یہ مجہول سے روایت ہے، کیونکہ تمام صحابہ روایت میں

عدول ہیں یعنی نیک اور راست گو ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا قَائِمٌ إِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ فَقَالَ هَلُمَّ فَقُلْتُ أَيْنَ قَالَ إِلَى النَّارِ وَاللهِ قُلْتُ وَمَا شَأْنُهُمْ قَالَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى ثُمَّ إِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ فَقَالَ هَلُمَّ قُلْتُ أَيْنَ قَالَ إِلَى النَّارِ وَاللهِ قُلْتُ مَا شَأْنُهُمْ قَالَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى فَلَا أُرَاهُ يَخْلُصُ مِنْهُمْ إِلَّا مِثْلُ هَمَلِ النَّعَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر الحزامی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جس وقت میں حوض پر کھڑا ہوں گا، پس ایک گروہ میرے سامنے آئے گا حتیٰ کہ جب میں انہیں پہچان لوں گا تو اس گروہ میں سے ایک شخص (فرشتہ) میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا، پس (فرشتہ) کہے گا: آؤ، میں نے پوچھا: کہاں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! دوزخ کی طرف۔ میں کہوں گا: ان کا کیا جرم ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے بعد اپنی پیٹھوں کے بل مرتد ہو کر الٹے پیر دین سے لوٹ گئے تھے۔ پھر ایک اور گروہ کو میں دیکھوں گا حتیٰ کہ جب میں ان کو پہچانوں گا تو ایک شخص (فرشتہ) میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا، پس (فرشتہ) کہے گا: ادھر آؤ، میں پوچھوں گا کہ کہاں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! دوزخ کی طرف۔ میں پوچھوں گا: ان کا کیا جرم ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے بعد اپنی پیٹھوں کے بل دین سے واپس لوٹ گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک مرد بھی نہیں بچے گا مگر بے کار اونٹوں کی طرح۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس سے پہلی حدیث کے مطابق ہے اور مطابق کا مطابق بھی مطابق ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، یہ اپنے والد فلیح بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں از ہلال بن علی از عطاء بن

یسار۔اور اس سند کے تمام راوی مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"بینما انا قائم" اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت میں حوض پر کھڑا ہوا ہوں گا۔گویا کہ آپ نے خواب میں دیکھا جو آخرت میں واقع ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"زمرة" الزمرة کا معنی ہے: الجماعت۔

اس حدیث میں مذکور ہے"خرج رجل" یعنی ایک مرد نکلے گا، اس سے مراد ہے کہ وہ فرشتہ ہوگا جو انسان کی صورت پر ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"هلم" یہ اس جماعت کو خطاب ہے اور اس کا معنی ہے: آؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے"فقلت این؟" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ تم اس کو کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ فرشتہ کہے گا: میں اس کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہوں۔میں پوچھوں گا کہ کس جرم کی وجہ سے اس کو دوزخ میں لے جا رہے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ یہ لوگ دین سے مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"فلا اراه یخلص منهم الا مثل همل النعم" یعنی میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے جن کو بلایا ہے کوئی بھی دوزخ سے نجات نہیں پائے گا مگر بہت تھوڑے۔اور اس میں یہ خبر ہے کہ ان لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی، بعض کفار ہوں گے اور بعض نافرمان ہوں گے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے"الّا مثل همل النعم" همل کا اطلاق اس اونٹ پر کیا جاتا ہے جو راستہ گم کر چکا ہو۔اور"الهمل" اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ چرواہا نہ ہو۔سدی نے کہا ہے: جب تم اونٹوں کو چھوڑ دو وہ رات بھر چرتے رہیں اور ان کے ساتھ چرواہا نہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۸۔حَدَّثَنِی إِبْرَاهِیمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِیَاضٍ عَنْ عُبَیْدِ اللهِ عَنْ خُبَیْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا بَیْنَ بَیْتِی وَمِنْبَرِی رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِی عَلَى حَوْضِی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از خبیب بن عبد الرحمٰن از حفص بن عاصم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۶، ۱۸۸۸، ۶۵۸۸، ۷۳۳۵، صحیح مسلم: ۱۳۹۱، مسند احمد: ۷۱۸۲، موطا امام مالک: ۴۶۲)

صحیح البخاری: ۶۵۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خبیب، یہ ابن عبد الرحمٰن ابوالحارث الانصاری ہیں جو عبید اللہ مذکور کے ماموں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، اور وہ عبید اللہ مذکور کے دادا ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میرا منبر میرے حوض پر ہے"۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اس منبر سے مراد وہی منبر ہے جو دنیا میں آپ کا منبر تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے لیے حوض پر بھی ایک منبر ہے، آپ اس منبر سے لوگوں کو حوض کی طرف بلائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میرے حجرہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔

اس حدیث میں "روضة" کا معنی ہے کہ بعینہ وہی جگہ جنت کی طرف حقیقتاً منتقل ہو جائے گی، یا مراد یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کرنا جنت کے باغوں تک پہنچاتا ہے، پس وہ اس اعتبار سے مآل کے اعتبار سے مجاز ہے یعنی عبادت کا مآل جنت میں ہے یا اس میں تشبیہ ہے یعنی میرا حجرہ اور میرا منبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی مثل ہے۔ اس مبارک جگہ کو روضہ فرمایا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے والے فرشتے اور انسان اور جنات مسلسل وہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی فضیلت بیان کی جائے اور وہاں ٹھہرنے کی ترغیب دی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بکثرت کیا جائے۔ اور جس نے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم رکھا تو وہ جنت کے باغ تک پہنچ جائے گا اور جس نے آپ کے منبر کے قریب عبادت کو لازم رکھا اسے قیامت کے دن حوض سے پلایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں بیت سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۱۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از عبد الملک، انہوں نے کہا: میں نے جندب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۷، ۶۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے جو اپنے والد عثمان بن جبلہ بن ابوداؤد بن ابی رواد سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام ثابت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبہ، یہ ابن الحجاج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، یہ ابن عمیر الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جندب، یہ ابن عبداللہ البجلی ہیں۔

اس حدیث میں ''فرط'' کا لفظ ہے، اس کا معنی پیش رو ہے اور اس کی تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید از ابی الخیر از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے باہر نکلے، سو آپ نے شہداء احد پر ایسی نماز پڑھی جو جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر کی طرف لوٹ گئے، آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں، اور میں تمہارے متعلق گواہی دوں گا اور بے شک میں اللہ کی قسم! اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا فرمایا: روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں۔ اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴۴، ۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰، صحیح مسلم: ۲۲۹۶، سنن نسائی: ۱۹۵۴، مسند احمد: ۱۶۸۹۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن خالد، یہ الجزری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن ابی حبیب ابو رجاء المصری ہیں۔ اور ابو حبیب کا نام سوید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، یہ مرثد بن عبداللہ الیزنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقبہ، یہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سو آپ نے شہداء احد کے اوپر ایسی نماز پڑھی جو جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے"۔
علامہ کرمانی شافعی نے لکھا ہے: یعنی آپ نے ان کے لیے ایسی دعا کی جو میت پر دعا کی جاتی ہے یا جنازہ پر دعا پڑھی جاتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جیسا کہ فوت شدہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور یہی معنی حدیث کا ظاہر ہے۔ اور یہ واقعہ اہلِ احد کی شہادت کے آٹھ سال بعد ہوا تھا۔

شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا ثبوت اور صالحین کے عرس کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ایک تو یہ دلیل ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے جب کہ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور زندہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہم کہتے ہیں: زندہ کو دفن بھی نہیں کیا جاتا اور جب شہداء کو دفن کیا جاتا ہے تو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں کون سا استبعاد ہے۔ نیز زندہ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور شہید کی بیوہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ نیز زندہ کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور شہید کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ سو جب ان تمام معاملات میں شہید فوت شدہ مسلمان کے حکم میں ہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں کون سا استبعاد ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ شہداء احد کے آٹھ سال کے بعد نبی ﷺ نے ان کی قبروں پر جا کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اس میں اولیاء اللہ اور شہداء کی قبروں کی زیارت کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت بھی ہے کہ شہداء کے اجسام محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ جب انسان کا جسم مرنے کے بعد مٹی ہو جائے تو پھر اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔

امام محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے اور جب آپ گھاٹی میں داخل ہوتے تو بآواز بلند فرماتے: السلام علیکم! کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔

(کتاب المغازی ج ۱ ص ۳۱۳، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۰۸، بیروت، شرح الصدور ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۵۶۸، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۳ (طبع قدیم)، رقم الحدیث: ۶۷۴۵ (طبع جدید)

اس سے معلوم ہوا کہ سال کے سال صالحین کا جو عرس منعقد کیا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے تاہم ہمارے زمانہ میں جو عرس کی تقریب میں بعض خرافات اور بدعات جاری ہو گئی ہیں کہ مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے، ناچ گانے ہوتے ہیں، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور جہلاء مزارات پر سجدہ کرتے ہیں اور ایصالِ ثواب کے نام پر کھانے کی بے ادبی کی جاتی ہے اور رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے، ظاہرین میں اٹھا اٹھا کر کھانے کی تھیلیوں کو پھینکا جاتا ہے، چرسی اور موالی وہاں پر ڈیرے جماتے ہیں۔ نماز کے وقت میں بھی شور شرابا جاری رہتا ہے، عورت اور مرد ڈھولک کی تھاپ پر دھمال ڈالتے ہیں، سو عرس کو ان تمام بدعات اور خرافات سے پاک کرنا چاہیے، وہاں پر صرف علمائے اسلام کے مواعظِ حسنہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، رسول اللہ ﷺ کی نعتیں پڑھی جائیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے، قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور اخیر میں دعا کی جائے اور دعا میں اللہ تعالیٰ کی جناب

میں صاحب مزار کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی براری کے لیے دعا کی جائے اور دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور صاحب مزار کا صرف وسیلہ پیش کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے تم پر یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بعض اعراب مرتد ہو گئے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے، پس اگر بعض مرتد ہو گئے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا"۔ "تنافسوا" کا معنی ہے: تم اس میں رغبت کرو گے اور جھگڑو گے۔ یعنی مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم سب دنیا میں رغبت کرو گے اور آپس میں جھگڑو گے۔

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات ہیں۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ آپ نے یہ فرمایا: بے شک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی وسعتِ نظر عطا فرمائی ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی نظر میدانِ محشر میں اپنے حوض کی طرف تھی۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں۔ اور زمین کے جن خزانوں کی چابیاں آپ کو دی گئی تھیں وہاں آپ کی امت فتوحات کے جھنڈے گاڑتے ہوئے اور اسلام کی اشاعت کرتے ہوئے پہنچی۔

تیسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے غیب کی خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی پوری امت مشرک نہیں ہوگی۔

چوتھا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے یہ غیب کی خبر دی کہ مسلمان دنیا میں رغبت کریں گے اور دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں"۔ ہو سکتا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطاب فرما رہے ہوں اور خطبہ دے رہے ہوں تو آپ کے سامنے حوض کو منکشف کر دیا جائے، اور یہی ظاہر ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میں اپنے دل میں دیکھ رہا ہوں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا کہ حوض سے کچھ لوگوں کو دور کر دیا جائے گا۔ اس میں یہ تنبیہ کرنا تھی کہ امت کو چاہیے کہ ایسے کام نہ کریں جن کاموں کی وجہ سے ان کو حوض سے دور کر دیا جائے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد غیب کی خبریں دی ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۹۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ الْحَوْضَ فَقَالَ كَمَا بَيْنَ الْمَدِينَةِ وَصَنْعَاءَ۔

(صحیح مسلم:۲۲۹۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی بن عمارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے حارثہ بن وہب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے حوض کا ذکر فرمایا، پس فرمایا: (حوض کی مقدار ایسی ہے) جیسے مدینہ اور صنعاء کا فاصلہ۔

۶۵۹۲۔ وَزَادَ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ حَارِثَةَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَوْلَهُ حَوْضُهُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَالْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ الْمُسْتَوْرِدُ أَلَمْ تَسْمَعْهُ قَالَ الْأَوَانِي قَالَ لَا قَالَ الْمُسْتَوْرِدُ تُرَى فِيهِ الْآنِيَةُ مِثْلَ الْكَوَاكِبِ۔

(صحیح البخاری:۶۵۹۱، صحیح مسلم:۲۲۹۸)

اور ابن ابی عدی نے اضافہ کیا از شعبہ از معبد بن خالد از حارثہ، انہوں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ آپ کا حوض (اتنا بڑا ہے) جتنا صنعاء اور مدینہ کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس ان سے المستورد نے کہا: کیا تم نے آپ سے یہ نہیں سنا کہ آپ نے برتنوں کے متعلق فرمایا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ المستورد نے کہا: اس حوض میں برتن اس طرح دکھائی دیں گے جیسے آسمان کے ستارے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حرمیؒ کا ذکر ہے، یہ ابن عمارہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معبد بن خالد کا ذکر ہے، یہ القاضی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حارثہ بن وہب القضاعی کا ذکر ہے، یہ کوفہ میں رہتے تھے اور ان کی احادیث ہیں اور یہ حضرت عبیداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے نبی ﷺ کے فضائل میں از محمد بن عبداللہ وغیرہ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابن ابی عدی نے اضافہ کیا'' یہ محمد بن ابراہیم ہیں اور ابی عدی ان کے دادا ہیں، ان کا نام معروف نہیں ہے اور یہ بصری ہیں اور ثقہ ہیں اور آپ نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ان سے المستورد نے کہا'' یہ ابن شداد بن عمرو القرشی الفہری الصحابی بن الصحابی ہیں، یہ مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے اور انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کی اور ۴۵ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ امام بخاری کی ان سے صرف اسی جگہ ایک روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ اس حوض میں اتنے اور اتنے برتن ہوں گے، حارثہ نے کہا: نہیں، تو حضرت مستورد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس میں ستاروں کی مثل برتن دکھائی دیں گے"۔ یعنی وہ ستاروں کی طرح بہت زیادہ ہوں گے اور بہت روشن ہوں گے، یعنی حضرت المستورد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، سو یہ حدیث بھی مرفوع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتَّى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ وَسَيُؤْخَذُ نَاسٌ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي فَيُقَالُ هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ وَاللهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ فَكَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِينِنَا أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ تَرْجِعُونَ عَلَى الْعَقِبِ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۸، صحیح مسلم: ۲۲۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی از نافع بن عمر، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک میں حوض کے اوپر ہوں حتیٰ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے اور عنقریب کچھ لوگوں کو میرے پاس سے پکڑ لیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میری امت سے ہیں!، پس کہا جائے گا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا عمل کیا؟ اللہ کی قسم! وہ ہمیشہ اپنی ایڑھیوں پر لوٹتے رہے ہیں، پس ابن ابی ملیکہ یہ کہتے تھے اے اللہ! ہم اس سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں کہ ہم اپنی ایڑھیوں پر لوٹیں یا ہم اپنے دین میں آزمائش میں مبتلاء کیے جائیں۔ (سورۂ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے) "اعقابکم تنکصون" (تو تم اپنی ایڑھیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے)۔

صحیح البخاری: ۶۵۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ ہے اور عنقریب اس سند کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ومن امتی" اس ارشاد سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جنہوں نے کہا کہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے دور کیا جائے گا وہ اس امت کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو معین طور پر نہیں جانتے تھے اگر چہ یہ جانتے تھے کہ یہ لوگ آپ کی امت میں سے ہیں۔(فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر وہ اعتراض ہے جو مخفی نہیں ہے۔

علامہ عینی نے اعتراض تو بیان نہیں کیا۔ علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ شاید وہ اعتراض یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ مجھے پہچانتے ہوں گے اور میں انہیں پہچانتا ہوں گا۔ اور عنقریب یہ حدیث گزری ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ہوگا حتیٰ کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو ایک مرد میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا۔(صحیح البخاری: ۶۵۸۷)

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ میرے حوض پر میرے پاس میرے صحابہ میں سے چند مرد آئیں گے حتیٰ کہ جب میں ان کو دیکھوں گا تو ان لوگوں کو میرے پاس سے نکال دیا جائے گا۔

ان احادیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو صراحۃً پہچانتے ہوں گے جن کو آپ کے حوض سے دور کیا جائے گا، لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ ان کو معین طور پر نہیں پہچانتے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الرقاق میں احادیثِ مرفوعہ کی تعداد ایک سو ترانوے (۱۹۳) ہے، ان میں سے تینتیس (۳۳) تعلیقات ہیں اور باقی احادیثِ موصولہ ہیں اور ان میں مکرر احادیث کی تعداد ایک سو چونتیس (۱۳۴) ہے۔ اور خالص احادیث کی تعداد ترپن (۵۳) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب الرقاق کی تکمیل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ عزوجل کتاب القدر کی ابتداء ہوگی۔ کتاب الرقاق میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہ دلوں کو نرم کرنے والی ہیں۔ اے بار الٰہ! ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے، ہمیں اپنی محبت اور اپنا خوف عطا فرما اور اس کتاب کی شرح میں، میں نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان پر مجھے اور قارئین کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں آخرت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرما۔ اور اپنے فضل سے جنت میں ہم کو اپنا دیدار عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۲۔ کِتَابُ الْقَدَرِ

تقدیر کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب قدر یعنی تقدیر کے بیان میں ہے۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے بیان کیا ہے کہ کتاب القدر کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم، اور علماء نے کہا ہے: ازل میں جو اللہ تعالیٰ کا حکمِ کلی اجمالی ہے اس کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کی تفاصیل جو واقع ہوں گی اور اس کی جزئیات کو قدر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر:۲۱) اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

اور اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ تمام امور خواہ ایمان ہو یا کفر ہو، خیر ہو یا شر ہو، نفع ہو یا ضرر ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی قدر سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں صرف اس کی تقدیر ہی جاری ہوتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: قدر کا معنی ہے جو چیز قدرت پر دلالت کرے اور مقدور پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے علم سے واقع ہونے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو عقلاً اور اس کے قول کو نقلاً متضمن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مسئلہ تقدیر کے متعلق مصنف کی تحقیق

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا ﴿۲﴾ (الفرقان:۲) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا O

وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ۙ﴿۳۸﴾ (الاحزاب:۳۸) اور اللہ کا کام مقرر شدہ اندازہ پر ہے O

اِنَّا كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ (القمر:۴۹) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے O

تقدیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

تقدیر اور قدر کا معنی ہے: اندازہ۔ انسان کسی چیز کو بنانے سے پہلے اس کا اندازہ لگاتا ہے کہ وہ چیز کتنی مدت تک باقی رہے گی، اس سے کیا فوائد حاصل ہوں گے اور اس پر کیا نقصانات مرتب ہوں گے لیکن چونکہ انسان ناقص ہے، لہٰذا اس کا اندازہ بھی ناقص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کامل ہے، لہٰذا اس کا اندازہ کامل ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو حکمت کے تقاضا سے مخصوص مقدار، مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لیے بنانا اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی چیز کو دفعتاً اور ابتداءً کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی، کمی یا تبدیلی نہ ہو جیسے سات آسمان۔

(۲) جس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوۃ ہوں اور اس کو اس اندازہ سے بنایا جائے کہ اس سے وہی چیز موجود ہو نہ کہ کوئی اور چیز، جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس اندازہ سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی سیب پیدا نہیں ہوگا، اور انسان کی مٹی کو اس اندازہ سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہوگا۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس کا حکم دے دیا۔

(النہایہ ج ۴ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: دراصل یہاں دو لفظ ہیں: قضاء اور قدر۔ علامہ ابن الاثیر الجزری نے جو معنی لکھا ہے وہ قضاء کا ہے اور قدر یعنی تقدیر کا وہی معنی ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں: (۱) کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور وفکر کرنا (۲) کسی چیز کو ختم کرنے کے لیے علامات مقرر کرنا (۳) دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کا نام ہے، انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا، اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا، اس نے اپنے اس علمِ سابق کو لکھ دیا اور جس کے لیے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کر دیا۔ امام ابو منصور ماتریدی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ہوگا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۷۳، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

تقدیر کی وضاحت اور اس کا کھوج لگانے کی ممانعت

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانا فرضِ لازم ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

پس ایمان اور کفر، اطاعت اور معصیت سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور اس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے، البتہ وہ ایمان سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے (دراصل بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا

کر دیتا ہے، بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں اور بندہ جو برے کاموں پر سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اچھے کاموں پر اس کو جو جزا دی جاتی ہے وہ اس کے کسب کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور طاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا، اور اس نے کفر اور معصیت پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے جس پر اس نے کسی مقرب فرشتے کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔

(ہماری تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں تقدیر کی حقیقت معلوم ہے اور عام مومنوں کو آخرت میں تقدیر کی حقیقت پر مطلع کیا جائے گا۔ سعیدی غفرلہٗ)

تقدیر میں غور و فکر کرنا اور عقل سے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، پھر اس کے دو فرقے بنا دیے۔ دائیں جانب والوں کو اپنے فضل سے جنت کے لیے پیدا فرمایا اور بائیں جانب والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے لیے پیدا فرمایا۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے امیر المومنین! مجھے تقدیر کے متعلق بتایئے، آپ نے فرمایا: یہ اندھیرا راستہ ہے تم اس پر مت چلو، اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے جو تم سے مخفی ہے تم اس کی تفتیش مت کرو۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۲۱۵، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۵۷، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

خلق اور تقدیر کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيرًا ۝ (الفرقان: ۲) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا ۝

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا''، اس کا معنی ہے کہ انسان کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا: ''اور اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا'' یعنی وہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور اس میں وہ خاصیت مہیا کی جس میں اس کی صلاحیت اور استعداد تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس مقدار اور شکل پر پیدا کیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر دین اور دنیا کی کامیابی موقوف ہے۔ اسی طرح ہر حیوان میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر اس کی دنیاوی مصلحت موقوف ہے اور ہر حیوان کو اس کے حال کے مناسب مقدار اور شکل و صورت پر پیدا فرمایا، اسی طرح تمام جمادات اور نباتات کو ان کے حسب حال، مقدار اور صورت پر پیدا فرمایا۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے، جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اس چیز کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا محال ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کسی چیز کے متعلق خبر دی کہ فلاں چیز ہوگی تو اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے کلام کا صدق، کذب سے بدل جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳۱-۴۳۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو لفظ ہیں، پہلے فرمایا: ''خلق'' پھر فرمایا: ''فقدر'' بہ ظاہر دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ تکرار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ''خلق'' کا معنی ہے: اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور ''فقدر'' کا معنی ہے: اس میں وہ چیزیں مہیا کیں جو اس کی حکمت کا تقاضا ہیں، جیسے انسان کو مخصوص مادے سے مخصوص صورت پر پیدا کیا اور اس میں وہ خصائص اور وہ افعال مہیا کیے جو اس کے لائق ہیں مثلاً اس میں فہم، ادراک، دنیا اور آخرت کے کاموں میں نظر اور تدبر کو پیدا کیا اور مختلف افعال پیدا کیے۔

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ (الرعد:۳۹) اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے ○

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے، پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا، اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف ''یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ'' (الرعد:۳۹) میں اشارہ ہے۔

اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف ''وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾'' (الرعد:۳۹) سے اشارہ ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے، اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

جبر کی تحقیق

تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان کو جب اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا گناہ کرے گا، پھر وہ جس کام کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور شقی یا سعید ہونے کے متعلق اپنے حکم کو نافذ کر دیتا ہے اور یہی قضاء و قدر ہے، اس کا علم سابق قدر اور تقدیر ہے اور اس کے مطابق حکم کو نافذ کرنا قضاء ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ایک شخص کی مدت حیات بیس سال ہے، یہ تقدیر ہے اور بیس سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کی موت کا حکم نافذ فرما دیتا

ہے یہ اس کی قضاء ہے۔

جبر کی تقویت میں امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

انسان کے اختیار کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی خالق نہیں ہے تو پھر یہ دہریوں کا مذہب ہے اور اگر اس اختیار کا خالق انسان ہے تو یہ اس لیے باطل ہے کہ خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو، ممکن اور حادث کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ اور اگر انسان کے اختیار کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ہمارا مقصود ثابت ہو گیا کہ انسان کو نیک یا بد اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اسی کو جبر کہتے ہیں۔ صاحبِ عقل اپنا تجربہ کر کے دیکھ لے، کیونکہ انسان بعض اوقات کسی چیز سے بالکل غافل ہوتا ہے، پھر اچانک اس کے دل میں کسی کام کی صورت آتی ہے، پھر اس کام کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے، پھر اس کام کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں اور پھر انسان اس فعل کو حاصل کر لیتا ہے، پس انسان کا کسی فعل کو کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس تحریک اور شوق کے بعد ہوتا ہے جو اس کے دل میں اچانک پیدا ہوتا ہے اور اس تحریک اور شوق میں اس کا کوئی اختیار اور دخل نہیں ہوتا اور یہی جبر ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ ھ)

امام رازی کے دلائل کے عقلی جوابات

جبر کی تائید میں امام رازی کی یہ دلیل بہت قوی ہے، میں آج صبح نمازِ فجر کے بعد اس پر غور کرتا رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے دل میں القاء کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اختیار کی دو قسمیں ہیں: ایک تو مطلق اور کلی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمایا ہے، بلاشبہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے جبر لازم نہیں آتا۔ اور ایک کسی مخصوص اور جزوی کام کو کرنے کا اختیار ہے مثلاً آج ظہر کی نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا، اس اختیار کو انسان صادر کرتا ہے اور اس سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل سے غور و فکر اور سوچ و بچار کرتا ہے اور اس کے بعد نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں سے کسی ایک جانب کو اختیار کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل کا ثمرہ ہے اس لیے اس اختیار کے صدور سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا۔

امام رازی نے فرمایا ہے: ''انسان بالکل غافل ہوتا ہے، پھر اچانک اس کے دل میں کسی اچھے یا برے کام کی صورت آتی ہے اور اس صورت کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے حصول کے لیے انسان کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس صورت کو حاصل کر لیتا ہے اور اسی کو جبر کہتے ہیں''۔

امام رازی نے جبر کے ثبوت کی اس تقریر میں ایک اہم مقدمہ کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کو مثلاً کسی گناہ کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے تو فوراً ہی اس گناہ کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں نہیں آتے بلکہ اس سے پہلے ایک مرتبہ عقل کے غور اور فکر کا ہے، انسان اس برائی کی دنیاوی خرابی اور اخروی عذاب پر غور کرتا ہے اور اس کی عقل اس کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے، اگر انسان اپنی عقلِ سلیم کے منع کرنے اور ضمیر کی ملامت سے باز آ جاتا ہے تو یہ اس کا تقویٰ ہے اور اگر وہ اپنی عقل اور ضمیر کی آواز کو نہیں مانتا اور اپنی نفسانی خواہش کے آگے سر جھکا دیتا ہے تو یہ اس کا فجور ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس

کو برائی سے روکنے کے لیے عقل دی تھی اس لیے عقل کے روکنے کے باوجود اس کا معصیت اور گناہ کا ارتکاب کر لینا، کسی طرح بھی جبر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس تہمت سے پاک اور بری ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور بھی کرے، پھر اس گناہ پر اس کو سزا بھی دے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس کی عقل اس کو اس گناہ سے روکتی ہے، اس کے ثبوت میں قرآن وسنت سے حسب ذیل دلائل ہیں:

امام رازی کے دلائل کے قرآن مجید کی آیات سے جوابات

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِۙ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِۙ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِۚ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (البلد: ۸۔۱۱)

کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں O اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے O اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دو راستے دکھا دیے O پھر وہ (گناہ کو ترک کرنے اور نیکی کرنے کی) دشوار گھاٹی پر نہیں چڑھا O

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌۙ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ (القیامۃ: ۱۴۔۱۵)

بلکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے O خواہ وہ اپنے کتنے ہی عذر پیش کرے O

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جب متقی لوگوں کو شیطان گناہ کی صورت دکھاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O

یعنی وہ گناہ کی صورت کی ترغیب پر فوراً اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتے بلکہ اس گناہ کے عواقب اور نتائج پر غور کرتے ہیں، پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (الاعراف: ۲۰۰)

(اے مخاطب!) جب شیطان تم کو کوئی وسوسہ ڈالے (تمہارے دل میں گناہ کی صورت القاء کر کے اس کی طرف مائل اور راغب کرے) تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو ("اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھو)، بے شک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے O

اس آیت میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جب تمہارے دل میں گناہ کرنے کا شوق پیدا ہو اور اس کی تحریک ہو تو فوراً اس کے حصول کے درپے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے کام لو، غور وفکر کرو اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے اور گناہ کی صورت کو دل سے نکالنے کے لیے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" پڑھو۔ اس طرح گناہ کی طرف سے تمہاری توجہ ہٹے گی اور تم گناہ سے باز آ جاؤ گے۔

امام رازی کے دلائل کے جوابات میں احادیث

احادیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں جیسے ہی گناہ کی صورت آتی ہے اور اس کا شوق اور اس کی تحریک ہوتی ہے تو وہ فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ غور وفکر کر کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا اس کو ترک کر دیتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی مرتبہ ہمارے دل میں برے وسوسے آتے ہیں اور ہم ان پر عمل نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سینوں میں جو وسوسے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمالیا ہے بشرطیکہ وہ اس وسوسے کے موافق عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری:۲۵۲۸، صحیح مسلم:۱۲۷، سنن ابوداؤد:۲۲۰۹، سنن ترمذی:۱۱۸۳، سنن نسائی:۳۴۳۳، سنن ابن ماجہ:۲۰۴۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۹۳)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے دل میں اچانک جن کاموں کی صورتیں آتی ہیں اگر وہ رذائل اور معاصی کی طرف راغب کریں تو وہ وسوسہ ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب کریں تو وہ الہام ہیں۔

واضح رہے کہ ایک وسوسہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور دوسرا اختیاری ہوتا ہے۔ غیر اختیاری وہ ہے جو انسان کے دل میں ابتداءً اور اچانک آئے اور انسان اس کو دفع کرنے پر قادر نہ ہو، اس قسم کا وسوسہ تمام امتوں سے معاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

اور وسوسہ اختیاری وہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی ناجائز کام کی صورت آئے اور وہ اس کو اپنے دل میں جمالے اور اس کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس کام کے تصور سے لذت حاصل کرے، جیسے انسان کے دل میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز خواہش پوری کرنے کی صورت آئے اور وہ اس کو دل میں جمالے اور وہ اس ناجائز کام کو کرنے کا منصوبہ بنائے، اسی طرح اور گناہوں کی صورتیں ہیں، تو جب تک وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے تو یہ وسوسہ خصوصاً اس امت کے لیے معاف ہے۔

علامہ نووی نے کہا: جب کوئی انسان اپنے دل میں گناہ کا عزم کرے اور اس کے ارتکاب کا پکا ارادہ کرے تو وہ اپنے اعتقاد میں اور عزم میں گناہگار ہوگا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کا ''ھم'' (غیر پختہ ارادہ) کرے تو اس کے گناہ کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھو۔ (صحیح مسلم:۱۲۸)

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث اور اس کی شرح سے واضح ہوگیا کہ انسان وسوسہ آتے ہی فوراً گناہ نہیں کرتا بلکہ کبھی اس پر عمل کرتا ہے اور کبھی اس پر عمل نہیں کرتا، حدیث میں ہے:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا: آپ نے فرمایا: نیکی عمدہ خُلق (وصف) ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ لوگ اس کام پر مطلع ہوں۔ (صحیح مسلم:۲۵۵۳، سنن ترمذی:۲۳۸۹)

دل میں کھٹکنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کے متعلق متردد ہو اور اس کام کے درست ہونے کے متعلق اس کو شرح صدر نہ ہو اور اس کے دل میں شک ہو اور اس کو یہ خوف ہو کہ یہ کام گناہ ہوگا۔

اس حدیث سے آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ دل میں کسی برے کام کی صورت آتے ہی انسان فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ اس پر غور و فکر کرتا ہے، اگر اس پر منکشف ہو جائے کہ یہ کام گناہ ہے اور اس پر خوف خدا کا غلبہ ہو تو وہ اس کام کو ترک کر دیتا ہے، اور

اگر وہ شہوت میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ اس گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ○ (الشمس:۸) پس انسان کے نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا ○

الحمد للہ! ہماری اس تقریر سے وہ دلیل ساقط ہو گئی جس سے امام رازی نے یہ ثابت کیا تھا کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ میں مجبور ہے اور اس کا معاذ اللہ یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو گناہ پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی اس کو سزا دیتا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اس ظلم سے پاک اور مبرا و منزہ ہے۔

انسان کا اپنے افعال کا خالق نہ ہونا

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے، خواہ بندہ کا فعل کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا معصیت، اس کے برعکس معتزلہ کا یہ فاسد گمان ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، ان میں سے متقدمین تو بندہ کو خالق کہنے سے اجتناب کرتے تھے اور بندہ کو موجد اور مخترع کہتے تھے، لیکن جبائی اور اس کے متبعین نے یہ دیکھا کہ ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا تو انہوں نے دلیری سے بندہ پر خالق کا اطلاق کر دیا، اور اہل حق جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہو تو وہ اپنے افعال کی تفاصیل کا ضرور عالم ہوگا، کیونکہ جب تک کسی چیز کی تفاصیل کا علم نہ ہو انسان اس کو وجود میں نہیں لا سکتا، اور انسان کو اپنے افعال کی تفاصیل کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ جب انسان ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے چلنے میں معین تعداد میں قدم اٹھتے ہیں کبھی تیز اور کبھی آہستہ، اور اس کو بالکل شعور نہیں ہوتا کہ اس کے چلنے میں کتنے قدم اٹھے اور اس میں کتنا وقت صرف ہوا، کتنے قدم تیز تھے اور کتنے آہستہ، اور اس سے اس کے متعلق اگر سوال بھی کیا جائے تو وہ جواب نہیں دے سکتا، یہ تو ان افعال کا حال ہے جو بالکل ظاہر ہیں اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ کسی چیز کو پکڑنے اور چھوڑنے میں اس کے کتنے اعضاء نے حرکت کی اور اس کے اعصاب سکڑنے اور پھیلنے کا عمل کتنی بار ہوا تو اس کی بے شعوری اور لاعلمی اور بھی زیادہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۹۶) اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو ○

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ (المومن:۶۲) یہی ہے اللہ! جو تمہارا رب ہے، جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

اور ہر چیز میں بندے کے اعمال بھی داخل ہیں، سو وہ ان اعمال کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ (النحل:۱۷) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مثل ہے جو کچھ پیدا نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کو اپنی مدح میں اور اپنی عبادت کے استحقاق کو بیان فرمایا، یعنی عبادت کا مستحق وہی ہے جو

خالق ہو۔

معتزلہ نے یہ کہا کہ ہم خود سے چلنے والے کی حرکت کو اور رعشہ والے کی حرکت میں فرق کو دیکھتے ہیں، خود سے چلنے والا اپنے اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ والا بغیر اختیار کے حرکت کرتا ہے، نیز اگر بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو نیک افعال پر مدح اور برے افعال پر مذمت اور نیک افعال پر ثواب اور برے افعال پر عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ نیک اور برے افعال سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جبریہ پر وارد ہوتا ہے، وہ کسب اور اختیار کی بالکل نفی کرتے ہیں، رہے ہم تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ جس فعل کا کسب کرتا ہے اور اس کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۶۰۔ ۶۲ ملخصاً مطبوعہ کراچی)

تقدیر میں بحث کرنے کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا گویا کہ آپ کے رخساروں میں انار کے دانے کھل گئے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم کو اس میں بحث کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا میں اس میں بحث کرنے کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تم سے پہلی امتیں اس وقت ہلاک کر دی گئی تھیں جب وہ اس میں بحث کر رہی تھیں، میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اس میں بحث مت کرو۔ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۳۳، مسند ابویعلیٰ: ۶۰۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال ہوگا، اور جس نے بحث نہیں کی اس سے اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ: ۸۴)

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو رہا ہے، مجھے تقدیر کے متعلق کوئی حدیث بیان فرمائیے، شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے، اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کا رحم لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک تم سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک تم یہ یقین نہ رکھو کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی اور جو مصیبت تم سے ٹل چکی ہے وہ تم کو پہنچ نہیں سکتی، اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مرے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے، پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جو اس کی مثل تھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۶۹۹، سنن ابن ماجہ: ۷۷، مسند احمد: ۲۱۶۶۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے ذنب (اجتہادی خطا) کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور

ان کو بدنصیب بنایا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! تم ہی وہ شخص ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے شرف فرمایا، تم مجھے اس چیز پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مجھ پر لکھ دیا تھا، یا کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پالیا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۱۴، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۱، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۹۸، صحیح ابن حبان: ۶۱۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۰۰، شرح السنہ: ۶۸)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان یہ مباحثہ عالم برزخ میں ہوا، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر گئے اور وہاں ان سے یہ بحث کی۔

رہا یہ سوال کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اجتہادی خطاء پر تقدیر کا عذر پیش کیا، کیا اس طرح ہم بھی اپنے گناہوں پر تقدیر میں لکھے ہوئے کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ عذر برزخ میں پیش کیا تھا اور جب تک وہ اس دنیا میں رہے تو وہ اپنی اجتہادی خطاء پر توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ اور رہا یہ سوال کہ جب تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے تقدیر کے مسئلہ پر کیوں بحث کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث دنیا میں ممنوع ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مباحثہ برزخ میں کیا تھا۔ نیز یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تقدیر پر بحث کرنا ممنوع نہ ہو۔

تقدیر کے ثبوت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم: ۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۵، سنن ترمذی: ۲۶۱۰، سنن نسائی: ۴۹۹۰، سنن ابن ماجہ: ۶۳)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں:

اہلِ حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ سبحانہٗ کو علم تھا کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی، سو اسی علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں، اور قدریہ اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے، ابن قتیبہ اور امام نے کہا: اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا:

اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لیے بندوں کو مجبور کر دیا، لیکن قضاء و قدر کا یہ معنی نہیں ہے، قدر کا معنی اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم۔ اور قضاء کا معنی ہے: اپنے علم کے

موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج۱ ص ۴۴۷۔۴۴۹ ملخصا، مکتبہ نزار مصطفی، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

جبر کے معنی کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ ان معترضین نے جبر کا معنی نہیں سمجھا، ''جبر'' یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے کوئی کام کرایا جائے، جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اس سے کہے کہ اپنی جیب سے رقم نکالو، تو یہ جبر ہے۔ اور جب آدمی اپنی خواہش سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جیب سے رقم نکالے تو یہ جبر نہیں ہے۔ سو ہم اچھے یا برے کام جو بھی کرتے ہیں تو وہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں، اور ہم جس کام کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اندر وہی کام پیدا کر دیتا ہے، پھر جبر کہاں سے ہو گیا، سو ہم اپنے افعال میں مختار ہیں مجبور نہیں ہیں۔

تقدیر کے ثبوت میں مزید احادیث اور ان کی شرح

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو لوگ عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں، آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۞ نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی ○ پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اس سے بچنے کی ○ (الشمس: ۷۔۸)

(صحیح مسلم: ۲۶۵۰)

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی، اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کر سکے، اور جس نے کتاب و سنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا، وہ ناکام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھا دی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں، سو اسی علم کے موافق اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۞ (القمر: ۵۲) انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے ○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں ہے جس سے میں عورتوں سے شادی کروں، گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے، آپ خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا، آپ پھر خاموش رہے، میں نے سہ بارہ عرض کیا، آپ خاموش رہے، میں نے چوتھی بار عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے، سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۷۶)

یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم نے اپنے اختیار سے زنا کرنا ہے یا نہیں کرنا، اور اسی کے موافق لکھ دیا گیا، سو اب خصی ہونے کا کیا فائدہ۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ۔ اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۵۵)

آیا اسباب کا حصول تقدیر کے خلاف ہے یا نہیں؟

حضرت ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعے حملوں سے بچتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۷)

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماری کو مقدر کیا ہے، اسی طرح بیماری کے ازالہ کے لیے دوا کو مقدر کیا ہے، پس جو آدمی دوا کو استعمال کرے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شفاء کو مقدر نہیں کیا، لیکن وہ صرف ایک بار دوا کو استعمال کر کے مایوس نہ ہو، بلکہ مختلف معالجوں سے علاج کرائے اور شفاء کا ہر طریقہ اختیار کرے اور تاحیات حصولِ شفاعت کی کوشش کرتا رہے۔ بعض احادیث میں دم کرانے کی ترغیب ہے اور بعض احادیث میں اس کو توکل کے خلاف فرمایا ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آیاتِ قرآن اور احادیث میں بیان کئے گئے کلمات سے دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے تو یہ جائز ہے اور اگر شرکیہ کلمات سے دم کیا جائے یا کرایا جائے تو وہ ناجائز ہے اور توکل کے خلاف ہے۔

منکرین تقدیر کا فرقہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: المرجئہ اور القدریہ۔ (سنن ترمذی: ۲۱۴۹، سنن ابن ماجہ: ۶۲)

المرجئہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مومن کو گناہوں پر کوئی ضرر نہیں ہوگا اور القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مومن مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القدریہ اس امت کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد: ۴۶۹۱، سنن ابن ماجہ: ۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۸۶۔۱۲۵، المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے امور کا ذکر کر رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

بہادری اور بزدلی، سخاوت اور بخل، اسی طرح حلیم اور بدمزاج یا غصہ ور، یہ فطری اور جبلی صفات ہیں، اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص جو بہادر تھا اب بزدل ہو گیا ہے، یا جو سخی تھا وہ بخیل ہو گیا، یا جو حلیم اور بردبار تھا وہ جلد غصہ میں آنے والا بن گیا ہے، تو اس خبر کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ ان صفات کا تعلق قضاء وقدر سے ہے، اور کسبی صفات بدل سکتی ہیں جیسے کوئی جاہل عالم بن جائے، یا جیسے کوئی بدکار متقی بن جائے۔

تقدیر کے متعلق پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحقیق

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ ''وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا'' (الفرقان: ۲) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی حکمت وعلم کا یہ عالم ہے کہ اس جہان میں ان گنت قسموں کی بے شمار چیزیں ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنے اندازے سے کم یا زیادہ ہو، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ریت کے ذروں سے لے کر پہاڑوں تک ہر چیز اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ بنانے والے نے ہر چیز کو پورے اندازے سے بنایا، انسان اپنے آپ میں ہی غور کرے، اگر آنکھیں آگے کے بجائے سر کے پیچھے ہوتیں، آنکھوں پر پپوٹوں کا غلاف نہ ہوتا یا اس پر پلکیں نہ ہوتیں تو کیا اس نازک ترین چیز کی حفاظت ممکن تھی! اگر دل جہاں ہے وہاں سے ایک انچ اوپر یا نیچے ہوتا، یا بائیں طرف کی بجائے دائیں طرف ہوتا تو یہ انا ولا غیری کا دم بھرنے والا انسان لحہ بھر بھی زندہ رہ سکتا! غرض یہ کہ سازِ نظامِ عالم اس دانائی اور کمال مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر چیز کی وضع قطع اور محل ومکان ایسی عمدگی سے مقرر کیا گیا ہے کہ اگر اس میں بال برابر بھی ردوبدل کیا جائے تو ہر چیز پاش پاش ہو جائے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۵۰، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، کراچی، ۲۰۱۱ء)

الحمد للہ رب العالمین! ہم نے مسئلہ تقدیر کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کر لیا اور اس سے متعلق تمام ضروری ابحاث کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں منضبط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ میری اس ذہنی کاوش کو قبول فرمائے اور منکرین کو اس سے ہدایت عطا فرمائے اور موافقین کو اس پر استقامت عطا فرمائے۔ تاہم میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تقدیر کی تمام ابحاث کو منضبط کر لیا ہے، یقیناً اب بھی بہت ساری ابحاث باقی ہیں اور کچھ ابحاث صحیح البخاری کے کتاب القدر اور اس کے ابواب میں ان شاء اللہ العزیز آ جائیں گی۔ فالحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وذریتہ وازواجہ وامتہ اجمعین۔

١ - بَابٌ: فِي الْقَدَرِ

تقدیر کے بیان میں

۶۵۹۴ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنِي سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید ہشام بن عبد الملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان الاعمش نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں، آپ نے فرمایا: بے شک تم

فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ بِرِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَوَاللّٰهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوِ الرَّجُلَ يَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ بَاعٍ أَوْ ذِرَاعٍ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذِرَاعٍ أَوْ ذِرَاعَيْنِ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا قَالَ آدَمُ إِلَّا ذِرَاعٌ۔

میں سے کوئی ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر وہ اس کی مثل (چالیس دن تک) جما ہوا خون رہتا ہے، پھر وہ اس کی مثل (چالیس دن تک) گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے، پس اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس کا رزق، اس کی مدتِ حیات، اس کا بدبخت ہونا یا اس کا نیک بخت ہونا۔ پس اللہ کی قسم! بے شک تم میں سے کوئی ایک یا فرمایا: کوئی ایک مرد ضرور اہلِ دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے درمیان اور دوزخ کے درمیان صرف ایک باع (دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ کا فاصلہ) یا ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر کتاب (وہ لکھا ہوا) سبقت کرتی ہے، پس وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے، سو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک ایک مرد ضرور اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے یا دو ہاتھوں کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب سبقت کرتی ہے۔ پس وہ اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔
اور آدم نے کہا: ''الا ذراع'' یعنی صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۸، ۳۳۳۲، ۶۵۹۴، ۷۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۶۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۸، سنن ابن ماجہ: ۷۶، مسند احمد: ۳۶۱۷)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب یعنی تقدیر غالب آجاتی ہے، پھر وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن وہب، یہ ابو سلیمان الہمدانی الکوفی ہیں ان کا تعلق بنو قضاعہ سے ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف روانہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں تھے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے سماع کیا ہے۔

یہ حدیث اس سند کے ساتھ جو یہاں ذکر کی گئی ہے اعمش کی روایات میں مشہور ہے، علی بن مدینی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اعمش اس روایت کے ساتھ متفرد ہیں حتیٰ کہ ہم نے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل از زید بن وہب کی روایت سے پایا۔ اس حدیث کی روایت امام احمد اور امام نسائی نے بھی کی ہے اور وہ زید بن وہب از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ اس حدیث کو ابو عبید اللہ بن مسعود نے امام احمد سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن مسعود بھی اس روایت کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کو طوالت اور اختصار سے روایت کیا ہے، ان میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ اس حدیث کے بعد آئے گی۔ اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ بن اُسید سے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے کتاب القدر میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

''انبانا'' اور ''حدثنا'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انبانی سلیمان الاعمش'' اور کتاب التوحید میں امام بخاری نے لکھا ہے ''حدثنا سلیمان الاعمش'' اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شعبہ کے نزدیک ''حدثنا'' اور ''انبانا'' دونوں برابر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند سے ان لوگوں پر رد کیا جاتا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ شعبہ ''انبانا'' کو اجازت میں استعمال کرتے ہیں۔

صادق اور مصدوق کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اور آپ الصادق اور المصدوق ہیں''۔

صادق کا معنی ہے: جو فی نفسہٖ صادق ہو اور المصدوق کا معنی ہے: جس کی دوسروں نے تصدیق کی ہو۔

حدیث مذکور سے اطباء کے قول کا ابطال

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب کہ اس حدیث کا مضمون اطباء کے قول کے مخالف تھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے صدق کی طرف اور اطباء کے قول کے بطلان کی طرف اشارہ کیا۔ یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صادق اور مصدوق کا ذکر حصولِ لذت کے لیے کیا یا حصولِ برکت کے لیے کیا یا حصولِ افتخار کے لیے کیا۔

اطباء نے کہا ہے کہ پیٹ کا بچہ تیس دن سے لے کر چالیس دن تک متصور ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کے بچہ کی تخلیق چار ماہ کے بعد ہوتی ہے (علامہ کرمانی کی عبارت یہاں ختم ہوئی۔)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ علامہ کرمانی کی عبارت سے خوش نہیں ہوئے، کیونکہ یہ عبارت بعینہٖ دوسری حدیث میں بھی مذکور ہے اور اس میں کسی چیز کے بطلان کی

طرف اشارہ نہیں ہے۔ اور یہ علامہ کرمانی کی عبارت کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے جس کا امام ابوداؤد نے حضرت المغیرہ بن شعبہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ رحمت صرف شقی کے دل سے نکالی جاتی ہے اور علاماتِ نبوت کے باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے کہ میں نے الصادق المصدوق سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔ انتہیٰ

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۷۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس عبارت میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے محض علامہ کرمانی کی مخالفت پر اکسایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کو غور سے پڑھو اور اس پر تعجب کرو۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۰، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے جو علامہ کرمانی کی عبارت نقل کی ہے اس سے ان کا مقصود علامہ کرمانی کی عبارت کو باطل قرار دینا نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ علامہ کرمانی کی عبارت کی تقویت کے لیے ذکر کی ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی عبارت سے علامہ کرمانی کی مخالفت پر نہیں اکسایا۔

منی کو رحم میں جمع کرنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک تم میں سے کوئی ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے"۔

ابوالاحوص کی روایت میں ہے: "تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو اپنی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے" اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے "تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے" اور جمع کرنے سے مراد ہے بعض اجزاء کو دوسرے اجزاء کے ساتھ ملانا جب کہ پہلے وہ منتشر ہوں، اور اس حدیث میں خلق بمعنی مخلوق ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منی رحم میں شہوت کی قوت سے واقع ہوتی ہے اور وہ متفرق ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کو محلِ ولادت یعنی رحم میں جمع فرما دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اسی کی مثل وہ علقۃ ہوتا ہے" یعنی چالیس دن کی مدت میں وہ جما ہوا خون ہو جاتا ہے اور "علقۃ" کے معنی ہیں جمع ہوا خون جو گاڑھا ہو۔ اس کو علقۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی رطوبت کا رحم کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یکون مضغۃ مثل ذالک" یعنی پھر چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے"۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: "پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے"۔ یہ فرشتہ ان فرشتوں میں سے ہوتا ہے جو ارحام کے ساتھ معلق کیے گئے ہیں۔

حدیث میں جن چار کلمات کے لکھنے کا ذکر ہے ان کی تشریح

اس حدیث میں مذکور ہے "اس فرشتے کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، ان میں سے ایک رزق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رزق سے مراد غذا ہے خواہ حلال ہو یا حرام ہو۔ اور یہ ہر وہ غذا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف پہنچاتا ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے۔ اور رزق کا لفظ اپنے عموم کے اعتبار سے علم وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی اجل لکھ دی جاتی ہے یعنی اس کی عمر کی مدت لکھ دی جاتی ہے اول سے لے کر آخر تک۔ اور جس جزو اخیر میں اس کی موت ہوتی ہے اس جزو کو بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث میں صرف تین کلمات لکھنے کا ذکر ہے

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں تو صرف تین کلمات کا ذکر ہے چار کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ مذکر ہوگا یا مونث ہوگا جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اور یہاں اس کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ یہ بہت مشہور ہے تو شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو حذف کر دیا۔

بندہ کے متعلق جو چار چیزیں لکھی جاتی ہیں وہ ازل میں مقدر ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چار چیزیں ماں کے پیٹ میں لکھی جاتی ہیں

نیز اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس وقت لکھے جاتے ہیں جب وہ نطفہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے اور اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ امور ازلی ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ فرشتے کے اعتبار سے ہے کہ یہ حکم ازل میں لکھا گیا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی پیشانی پر مثلاً لکھ دے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس وہ بندہ اہلِ دوزخ کے عمل کرتا ہے"۔ اس حدیث میں دوزخ کو جنت پر مقدم کیا گیا ہے اور آدم کی روایت میں اس کے برعکس ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غیر باع او ذراع"۔ الکشمیھنی کی روایت میں اسی طرح سے ہے اور دوسروں کی روایت میں ہے "غیر باع او ذراع" اور ابوالاحوص کی روایت میں ہے "اِلَّا ذراع" بغیر شک کے ہے۔ اور ذراع یعنی ایک ہاتھ کے ساتھ اس لیے مثال دی ہے کہ اس کی وہ حالت موت کے قریب ہوتی ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جب انسان غرغرۂ موت میں ہوتا ہے یعنی جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر حلق تک پہنچ جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فیسبق علیہ الکتاب" اس میں فاء تعقیب علی الفور کے لیے ہے، یعنی فوراً لکھا ہوا اس پر غالب آجاتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے وہ بغیر کسی مہلت کے جاری ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ اہلِ جنت کے سے عمل کرے گا یا اہلِ دوزخ کے سے عمل کرے گا۔ اور کتاب سے مراد مکتوب ہے یعنی جو اللہ نے لکھا ہوا ہے اور جو ازل میں اس کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں یہ تعلیق ہے "اور آدم نے کہا: "اِلَّا ذِراع" یعنی جب وہ صرف ایک ہاتھ رہ جاتا ہے۔ اس تعلیق کو امام بخاری

نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۳۔۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صادق اور مصدوق کا معنی

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صادق ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے۔ اور اس حدیث میں آپ کی صفت مصدوق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ اس وعدہ کو پورا فرمائے گا اور یہ تاکید ہے۔

''علقة'' اور ''مضغة'' کا معنی اور وجہ تسمیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''العلقة'' اس کا واحد علق ہے اور یہ جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''المضغة'' اس کا معنی ہے: گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا۔ اس کو ''مضغة'' اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ٹکڑا اتنی مقدار کا ہوتا ہے جتنی مقدار میں گوشت کے ٹکڑے کو چبایا جاتا ہے اور ''مضغ'' کا معنی ہے: چبانا۔

رحم میں بندہ کے متعلق پانچ چیزوں کا لکھا جانا

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر فرشتہ، اس کا رزق اور اس کی مدتِ حیات اور اس کا اثر اور اس کی شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے''۔

اس میں زیادہ وضاحت ہے اور یہ ہر شخص کے اوپر لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزیں لکھ کر فارغ ہو گیا: (۱) اس کا رزق (۲) اس کی مدتِ حیات (۳) اس کا عمل (۴) اس کا اثر (۵) اور اس کا ٹھکانا (یعنی اس کی قبر، کیونکہ وہی اس کا قیامت تک ٹھکانا ہے)۔ (صحیح ابن حبان ج ۱۴ ص ۱۸، ۶۱۵۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ (لقمان: ۳۴) اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے ''کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں مرے گا'' حالانکہ فرشتوں کو تو علم ہو جاتا ہے کہ بندہ کہاں مرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے: ان کو یہ علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے از خود نہیں ہوتا۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ کسی بندہ کو از خود علم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں مرے گا۔

امام رزین نے ''تجرید الصحاح'' میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نطفہ رحم میں ڈال دیا جاتا ہے۔۔۔ الحدیث، اور اس میں مذکور ہے ''پس فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مونث، یہ شقی ہے یا سعید، اس کی عمر کتنی ہے، اس کا رزق کتنا ہے، اور اس کا اثر کتنا ہے، اور اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے۔ پھر جب جسم پر موت آجاتی ہے اور اس کو وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کی (پیدائش کے وقت) مٹی لی گئی تھی''۔ اس حدیث کو

رزین نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کا پتا نہیں چل سکا لیکن علامہ ابن الاثیر نے اس کو صرف رزین کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے اور غیر مشہور ہے۔

ماں کے رحم میں نطفہ کے جمع ہونے کی کیفیت

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اس نطفہ کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے''۔

اعمش نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ نطفہ جب رحم میں واقع ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اس سے بشر کی تخلیق کرے، تو عورت کی کھال میں ہر بال اور ناخن کے نیچے سے وہ اڑتا ہے۔ پھر وہ چالیس راتوں تک ٹھہرا رہتا ہے، پھر رحم میں خون بن جاتا ہے اور اس طرح وہ عورت کے رحم میں جمع ہوتا ہے۔

انسان کے عمل پر تقدیر کا غالب آنا

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایک مرد اہلِ دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے''۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی موت کے قریب تک نیک عمل کرتا رہتا ہے اور فرشتے اس کا معائنہ کرتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں، پھر وہ ایسے برے کام کرتا ہے جو دوزخ کو واجب کرتے ہیں اور وہ نیک اعمال ساقط ہو جاتے ہیں اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور ایمان کو صرف کفر ہی ساقط کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا درج ذیل آیت میں ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (الزمر:٦٥)

بے شک آپ کی طرف (توحید کی) وحی کی گئی ہے، اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

قدریہ (منکرین تقدیر) کا حدیث مذکور پر تبصرہ

عمرو بن عبید جو قدریہ کا امام اور ان کا زاہد اور ان کا پیش رو تھا اس سے منقول ہے، اس نے کہا: اگر تم نے یہ حدیث ابوعثمان سے لکھی ہوتی تو میں اس کو لکھ لیتا اور اگر تم نے اس کو زید بن وہب سے سنا ہے تو میں اس کو رد کرتا ہوں اور اگر تم نے اس کو ابن مسعود سے سنا ہے تو میں اس کو قبول نہیں کروں گا۔ اور اگر تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں اس کو پھینک دوں گا، اور اگر تم نے اس کو اللہ تعالیٰ سے سنا ہے تو میں یہ کہوں گا: پھر اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد و میثاق کیوں لیے تھے؟

عمرو بن عبید کا یہ کلام بہت سنگین ہے، ہم اس کی گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سوال کرتے ہیں۔

حدیث مذکور سے قدریہ کے عقائد کا رد

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں قدریہ کے قول کا رد ہے اور ان کے اعتقاد کو باطل قرار دینا ہے۔

کہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ طاعات ہوں یا معاصی ہوں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ گناہوں کو پیدا کرے اور زنا کو پیدا کرے اور کفر کو اور گمراہی کو پیدا کرے۔ پس اس حدیث سے ان کے قول کی تکذیب ظاہر ہوگئی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ماں کے پیٹ میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نطفہ سے جو بندہ پیدا ہوگا وہ شقی یعنی بد بخت ہوگا یا سعید یعنی نیک بخت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ بندہ کی بدبختی اس کے گناہ کرنے سے اور کفر کرنے سے ہوتی ہے۔

پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندہ وہ عمل کرے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بتادیا ہے کہ اس عمل پر اللہ بندہ کو عذاب دے گا، اور بندہ ان افعال کی تخلیق کرے۔

پھر قدریہ کا مذہب اس سے باطل ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کے عمل کے اوپر تقدیر غالب آجاتی ہے، پس وہ اخیر عمر میں اہلِ دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوجاتا ہے۔ اگر یہ معاملہ بندہ کے اختیار میں ہوتا تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بندہ ایسا عمل کرتا جس سے اس کی ساری عمر کی کی ہوئی نیکیاں ضائع ہوجاتیں، پھر وہ اپنے لیے ایسا عمل پیدا کرتا جو شر اور کفر ہوتا اور اس کے نتیجہ میں وہ دوزخ میں داخل ہوجاتا۔

اور قدریہ کی حجت اس سے ساقط ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس کے متعلق لکھ دیا ہے اور بندہ انجام کار اعتراف کرے گا کہ اس نے برے کاموں کا کسب کیا نفس اور شیطان کے بہکانے سے، اسی وجہ سے شر کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ شیطان اس کے لیے شر کو مزین کرتا ہے اور خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ خیر کو اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے پیدا کرتا ہے اور اس کو خیر پر قدرت عطا فرماتا ہے اور فرشتہ اس کی مدد کرتا ہے۔

یہ قدریہ کے مذہب کو باطل کرنے میں اصل دلیل ہے، پھر قدریہ پر یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اعمال کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہوجائے بایں طور کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (الرعد:١٦) آپ کہیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے ۝

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (فاطر:٣) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو ۝

پس قدریہ نے قرآنِ مجید کی نصِ صریح کی مخالفت کی اور بندہ کے لیے یہ قدرت ثابت کی کہ وہ اپنے افعال کی تخلیق کرسکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تنہا تخلیق کرنے والا ہے، اسی وجہ سے قدریہ کو متعدد احادیث میں اس امت کا مجوس فرمایا ہے کیونکہ وہ دو خالق مانتے ہیں جیسا کہ مجوس دو خالق مانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قدریہ کے مذہب کو باطل فرمایا ہے اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے افعال کا خالق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:٩٦) حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے ۝

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۲۵۔۱۲۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت

تقدیر کا معاملہ بہت عظیم ہے اور مومن پر واجب ہے کہ تقدیر کے متعلق اہتمام سے ایمان لائے، کیونکہ اس پر ایمان لانا چھ ارکان میں سے ہے اور اس لیے کہ اس میں ایسے مسائل ہیں جو بعض لوگوں کے اوپر باعث اشکال ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں تقدیر کے متعلق بحث کی اور اس میں مناقشہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے تقدیر کو بیان فرمایا۔ اور تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کے متعلق ایک اندازہ قائم کیا ہے لیکن یہ تقدیر ایک پوشیدہ چیز ہے اور اس کا علم سوائے وحی کے نہیں ہو سکتا۔

تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد

تقدیر پر ایمان لانے کے بہت عظیم فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے، کیونکہ وہ تقدیر کو تسلیم کرتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا اور جو کچھ اس کے لیے کیا اس پر راضی رہتا ہے، پس جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اس کے معاملہ کو وہ تسلیم کرے گا تو وہ جان لے گا کہ کوئی عمل اس کو متغیر نہیں کر سکتا اور جو چیز واقع ہو گئی ہے اس کا اٹھنا ممکن نہیں ہے لیکن اس کے لیے دعا کرنا ممکن ہے۔

پھر تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے کیونکہ جب تم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہر چیز تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے تو تم اتنی مقدار پر اعتماد کرو گے۔

اور تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان صرف اپنے رب سے مدد طلب کرے گا اور کسی اور سے مدد نہیں طلب کرے گا بلکہ اس کا مدد طلب کرنا صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہوگا۔ لیکن جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے غیر کی مدد کرنے کو مشروع کر دیا ہے ان چیزوں میں غیر سے مدد طلب کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، لیکن جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہیں اور فوت ہو گئے ہیں ان سے اپنی قضاء حاجت کے لیے مدد طلب کرنا یہ شرک ہے اور اگر وہ کسی زندہ شخص سے اپنے کام میں مدد طلب کرے اور وہ اس کی مدد کرنے پر قادر ہو تو یہ جائز ہے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جو ہم سے مدد طلب کرے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اولیاء اللہ سے بعد از وصال مدد طلب کرنے کا ثبوت

میں کہتا ہوں: فوت شدہ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا اس وقت شرک ہوگا جب کوئی شخص ان کو تصرف میں مستقل بالذات سمجھے، لیکن اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھے تو پھر یہ شرک نہیں ہے، لیکن مستحسن بھی نہیں ہے۔ مستحسن یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔

حافظ ابوبکر بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ مالک الدار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو، اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲۔۹۱، مطبوعہ دارالفکر، بیروت)

حافظ ابوعمرو بن عبدالبر اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۹، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا، ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیک وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ ہلاک ہو رہی ہے، پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔۔۔ الحدیث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

سیف نے "فتوح" میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶۔۴۹۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سنداً صحیح قرار دیا اور دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار لائق التفات ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر آپ سے بارش کے حصول کے لیے مدد طلب کی۔ سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر سے اپنی حاجت میں مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر حاجت میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تقدیر کو لکھنے کے مراحل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، لکھتے ہیں:

تقدیر کو لکھنے کا پہلا مرتبہ لوحِ محفوظ میں ہے اور پھر ہر سال لیلۃ القدر میں تقدیر لکھی جاتی ہے۔ اور پھر جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو پھر تقدیر لکھی جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

پھر یہ تقدیر اس پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، پھر اس نے اشیاء کو مقدر کیا اور ان اشیاء کو لوحِ محفوظ میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لکھ دیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: لکھ، اس نے کہا: میں کیا لکھوں؟ تو فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھو، تو قلم نے اسی ساعت میں جو کچھ

قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھ دیا۔

تقدیرِ ثانی:

تقدیرِ ثانی انسان کی عمر کی تقدیر ہے، یعنی اس میں انسان کی عمر کی ابتداء کو لکھا جائے اور یہ وہ ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر فرمایا ہے۔

تقدیرِ ثالث:

تقدیرِ ثالث وہ ہے جو لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہے اور یہ ہر سال لکھی جاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۝ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۝ (الدخان: ۳۔۴)

بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا، بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O

یعنی اس رات میں تفصیل کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے، اسی لیے اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اس سال کے معاملات کی تقدیر لکھی جاتی ہے۔

اور یہاں پر ایک تقدیرِ یومی ہے اور یہ وہی ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر قلموں کی آواز سنی اور اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ ۝ (الرحمٰن: ۲۹)

اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، وہ ہر آن نئی شان میں ہے O

اور ان تمام تقدیرات کو ہم بغیر وحی کے نہیں جان سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبان پر ان کا بیان فرمایا ہے۔

اور اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں:

تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب

(۱) تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اجمالاً اور تفصیلاً جاننے والا ہے اور یہ اس کا علمِ ازلی ابدی ہے۔

(۲) تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس کے علم کے اعتبار سے کیا ہونے والا ہے، اور ان دونوں مرتبوں کی دلیل درج ذیل آیت میں ہے:

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِىۡ كِتٰبٍ‌ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۝ (الحج: ۷۰)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے، بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے O

حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ

میں دو کتابیں تھیں، آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں، یارسول اللہ! سوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں، جو کتاب آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق آپ نے فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں جنت والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں۔ اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے اور اس میں نہ کبھی اضافہ کیا جائے گا اور نہ کبھی کمی کی جائے گی۔ پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں دوزخ والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا، نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی۔ آپ کے اصحاب نے کہا: یارسول اللہ! جب سب کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو عمل کس چیز میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب کام کرتے رہو، کیونکہ جو شخص جنتی ہے اس کا خاتمہ جنت والوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کتابوں کو گرا دیا، پھر فرمایا: تمہارا رب اپنے بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۴۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳)

اس آیت میں فرمایا ہے ''یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ'' اس سے پہلے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ''اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ'' جو فرمایا ہے، اس سے دوسرے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) رہا تیسرا مرتبہ تو وہ مشیئت کا مرتبہ ہے یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت ہے۔ نہ وہ اللہ کا فعل ہے اور نہ وہ مخلوق کا فعل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۚ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۲۵۳﴾ (البقرہ: ۲۵۳)

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن انہوں نے اختلاف کیا، سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O

یہ مشیئت بندوں کے فعل کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے اعتبار سے مشیئت کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۱۸﴾ (الحج: ۱۸)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے O

پس تقدیر کے ایمان کے مراتب میں سے مشیئت تیسرا مرتبہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کائنات میں حادث ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے حادث ہوتی ہے۔

(۴) رہا چوتھا مرتبہ وہ یہ ہے کہ جو چیز بھی کائنات میں حادث ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں

ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور اس کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ عام ازیں کہ وہ جماد ہو یا جاندار ہو، سو وہ مخلوق ہے حتیٰ کہ بندوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الصفت: ۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں اور اہل سنت و جماعت ان چاروں مرتبوں پر ایمان لاتے ہیں۔ رہے معتزلہ تو وہ مؤخر الذکر دو مرتبوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہ مشیت اور خلق کا مرتبہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں عموم نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں عموم ہے، کیونکہ انسان مستقل ہے، وہ خود کوئی کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فکر دی ہے اور اس کو آزاد بنایا ہے، پس وہ اپنی مشیت سے فعل کرتا ہے اور افعال کو اپنی مشیت سے حادث کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی تعلق نہیں۔ اور اس وجہ سے ان کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے کائنات میں حادث ہونے والی چیزوں کے دو خالق مانے اور ہر ایک دوسرے سے مستقل ہے، پس آدمی اپنے افعال کا خالق ہے اور ان میں مستقل ہے اور رہے اللہ تعالیٰ کے افعال تو وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جیسے بارش کو نازل کرنا اور دن اور رات کو پیدا کرنا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۰۰۔ ۵۰۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۵۹۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَكَّلَ اللّٰهُ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهَا قَالَ أَيْ رَبِّ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى أَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی بکر بن انس از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کیا ہے، سو وہ کہتا ہے: اے رب نطفہ! اے رب علقہ! (جما ہوا خون)، اے رب مضغہ! (گوشت کا ٹکڑا۔ پس جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اپنی تخلیق کو مکمل کرے، تو فرشتہ پوچھتا ہے: اے رب! مذکر بناؤں یا مؤنث بناؤں؟ بدبخت بناؤں یا نیک بخت بناؤں؟ اس کا رزق کتنا ہے، پس اس کی مدتِ حیات کتنی ہے؟ پس وہ اسی طرح لکھ دیتا ہے اس کی ماں کے پیٹ میں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۸، ۳۳۳۳، ۶۵۹۵، صحیح مسلم: ۲۶۴۶، مسند احمد: ۷ ۱۱۷۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، وہ ابن ابی بکر بن انس بن مالک ہیں جو اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح البخاری کی کتاب الطہارۃ کے ''باب الحیض'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ای رب'' اس کا معنی ہے یارب! اے میرے رب۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نطفۃ'' اگر یہ منصوب ہے تو اس پر فعل محذوف کے اعتبار سے نصب ہے اور اگر یہ مرفوع ہے تو یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یقضی خلقھا'' یعنی جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کی تکمیل کا ارادہ فرماتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی بطن امہ'' یہ لکھنے کا ظرف نہیں ہے بلکہ یہ کلمات اس کی پیشانی پر لکھے جاتے ہیں یا اس کے سر پر مثلاً اور وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے'' اور اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا ''اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے''۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں تصرف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللهِ

قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا

وَقَوْلُهُ: وَأَضَلَّهُ اللهُ عَلَى عِلْمٍ۔ (الجاثیہ: ۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: قلم اس چیز کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَهَا سَابِقُونَ: سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لھا سابقون'' (وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں)، اس کا معنی ہے کہ ان کے لیے سعادت نے سبقت کر لی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ وہ باب ہے جس میں اس کا بیان کیا جائے گا کہ قلم خشک ہو گیا ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس عنوان میں باب کے لفظ پر تنوین ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۱، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اس شخص کا قول ہے جس نے علم الاعراب میں سے کسی چیز کو مس نہ کیا ہو۔ اور تنوین معرب میں ہوتی ہے اور لفظِ باب یہاں پر مفرد ہے، پس اس پر کیسے تنوین آئے گی اور اصل عبارت وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ تنوین کے ساتھ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ''ھذا بابٌ''۔

اور علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ جب بھی باب کا لفظ مضاف نہ ہو تو اس پر تنوین ہوتی ہے یعنی ''ھذا بابٌ'' اور جزم اس وقت ہوتی ہے جب سکوت کا قصد کیا جائے کیونکہ یہ تعداد اور گنتی کے وقت ہوتا ہے اور اکثر مصنفین نے جو فقہاء اور علماء میں سے ہیں حتیٰ کہ نحوی علماء بھی اور دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے کہ جب باب کا ذکر بغیر اضافت کے ہو تو اس پر تنوین ہوتی ہے، اسی طرح جب ''فرعٌ'' کا ذکر ہو یا ''فصلٌ'' کا ذکر ہو یا ''تنبیہٌ'' کا لفظ ہو تو جب ان کا ذکر بغیر اضافت کے ہو تو ان پر تنوین ہوتی ہے۔ اور یہ تمام الفاظ تقدیرِ عبارت کے محتاج ہوتے ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ اس پر تنوین ہے تو یہ تقدیر کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، اور علامہ عینی نے بھی اس مقدار کو باب المحاربین میں تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں اس باب پر تنوین ہے کیونکہ معرب وہ ہوتا ہے جو مرکب کا جزء ہو اور مفرد جب تنہا ہو تو اس پر تنوین نہیں آتی۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۵، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قلم کا خشک ہونا اس سے عبارت ہے کہ اس حکم میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، کیونکہ کاتب کے قلم کی جب سیاہی خشک ہو جائے تو پھر اس کی کتابت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوحِ محفوظ) ہے O

(الرعد: ۳۹)

پس اگر علامہ کرمانی کی مراد یہ ہے کہ ازل میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تو یہ تسلیم کیا جائے گا اور اگر علامہ کرمانی کی مراد یہ ہو کہ لوحِ محفوظ میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا تو پھر اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور زیادہ واضح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''جف القلم'' کا معنی ہے: قلم اس چیز کو لکھنے سے فارغ ہو گیا جس چیز کو لکھنے کا اسے اس وقت حکم دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تھا اور اس کو یہ حکم دیا تھا کہ قلم ان تمام چیزوں کو لکھے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کسی چیز کو متغیر کرنے کا ارادہ فرمایا جس کو پہلے قلم لکھ چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے''۔
اس باب کے عنوان میں لکھا ہے ''قلم خشک ہوگیا اللہ کے علم پر''۔ اللہ کے علم پر، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر، کیونکہ اللہ کے معلوم کا وقوع میں آنا ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا، پس اللہ تعالیٰ کو معلوم کا جو علم ہے وہ اس کے وقوع کے حکم کو مستلزم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
قلم خشک ہوگیا کا معنی ہے کہ لکھنے سے فراغت ہوگئی اور اس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو قلم نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے اس کا حکم متغیر نہیں ہوتا، پس وہ اس سے کنایہ ہے کہ کتابت یعنی لکھنے سے فراغت ہوگئی کیونکہ صحیفہ پر جس وقت لکھا جاتا ہے تو وہ صحیفہ یا صحیفہ کا بعض حصہ تر ہوتا ہے اور اسی طرح قلم بھی، پس جب لکھنا ختم ہو جاتا ہے تو لکھائی خشک ہو جاتی ہے اور قلم بھی خشک ہو جاتا ہے۔
علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں:
اس حدیث میں لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے، کیونکہ لکھنے سے فارغ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ قلم سیاہی سے خشک ہوگیا۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
میں کہتا ہوں: اس میں اشارہ ہے کہ اس کی لکھائی ختم ہوگئی۔
قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ قلم خشک ہوگیا، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں لکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا لکھنا اور لوحِ محفوظ اور قلم یہ سب امورِ غیب سے ہیں اور ان کا تعلق اس علم کے ساتھ ہے جس پر ایمان لانا ہمیں لازم ہے اور ہم پر اس کی صفت کی معرفت لازم نہیں ہے۔ اور ہمیں اس چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جو ہم کو معلوم ہے۔
اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''علی علم اللہ'' یعنی قلم اللہ تعالیٰ کے حکم پر خشک ہوگیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے معلوم کا وقوع ضروری ہے، پس اللہ تعالیٰ کا معلوم کے ساتھ جو علم ہے وہ اس کے وقوع کے حکم کو مستلزم ہے۔ اور یہ وہ عبارت ہے جو امام احمد کی حدیث میں ہے اور اس کی امام ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔
عبداللہ بن الدیلمی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر ان کے اوپر اپنے نور سے ڈالا، پس جس کو اس دن اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جس کو اس نور سے نہیں پہنچ سکا وہ گمراہ ہوگیا، پس اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہوگیا۔
اس حدیث کی امام احمد اور امام ابن حبان نے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کی ہے از ابی الدیلمی اور اسی کی مثل ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک کہنے والے نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پوچھا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ قلم خشک ہو چکا ہے، پھر اس حدیث کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے: پس اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونے والا تھا اسے لکھ کر قلم خشک ہوگیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: قلم اس کے ساتھ خشک ہو چکا

ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو"۔

یہ حدیث اس مکمل حدیث کا ایک قطعہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب النکاح کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایک جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس کے سبب سے میں عورتوں سے نکاح کر سکوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا سو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قلم اس چیز کے ساتھ خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو، پس تم خصی ہو اس بناء پر یا چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری:۵۰۷۶، سنن نسائی:۳۲۱۵)

اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو پس اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو، اور جان لو کہ اگر امت اس پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز سے نفع پہنچائے تو تم کو صرف اسی چیز کے ساتھ نفع دے سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، اور اگر وہ اس پر مجتمع ہوں کہ تمہیں کسی چیز کے ساتھ ضرر پہنچائیں تو وہ نہیں ضرر دے سکیں گے مگر اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔

(سنن ترمذی:۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَهَا سَابِقُونَ: سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "لھا سابقون" (وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں)، اس کا معنی ہے کہ ان کے لیے سعادت نے سبقت کر لی۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ سعادت سابقہ ہے اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خیرات یعنی سعادت مسبوق ہیں اور یہ تعارض ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے سبقت کر گئے سعادت کی بناء پر اور یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے سعادت پر سبقت کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ الرِّشْكُ قَالَ سَمِعْتُ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُعْرَفُ أَهْلُ الْجَنَّةِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید الرشک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر سے سنا وہ حدیث

نَعَمْ قَالَ فَلِمَ يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ قَالَ كُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَوْ لِمَا يُسِّرَ لَهُ۔

بیان کرتے ہیں از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اہلِ جنت اہلِ نار سے پہچانے جا چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس مرد نے کہا: پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کریں؟ آپ نے فرمایا: ہر شخص وہ عمل کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یا جو عمل اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۵۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۴۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۹، مسند احمد: ۱۹۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید الرشک، اس کا معنی ہے القسام اور الغسانی نے کہا: اس کا معنی فارسی میں ہے غیور۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جس کی ڈاڑھی لمبی ہو، کہا جاتا ہے کہ ان کی ڈاڑھی اتنی لمبی تھی کہ ان کی ڈاڑھی میں ایک بچھو داخل ہو گیا اور تین دن کی ان کی ڈاڑھی میں رہا اور اس کا پتا نہیں چل سکا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: رشک کا معنی ہے فارسی میں چھوٹی جوں جو بالوں کی جڑوں کے ساتھ چپک جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال رجل" یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایعرف اهل الجنة من اهل النار" یعنی کیا اہلِ جنت اور اہلِ نار میں تمیز دی جائے گی؟

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ معرفت تو عمل کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ عمل علامت ہے، پھر سوال کی کیا وجہ ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہماری معرفت عمل کے ساتھ ہوتی ہے اور فرشتوں کی معرفت تو وہ عمل سے پہلے ہوتی ہے۔ اور اس لفظ سے غرض یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے تحت ان میں تفریق کی جائے گی؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلم یعمل العاملون؟" یہ سوال ہے اور معنی یہ ہے کہ جب قلم پہلے ہی سب کچھ لکھ چکا ہے، پھر عمل کرنے والے کے عمل کی کیا ضرورت ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بندہ یہ نہیں جانتا کہ انجام کار اس کا کیا معاملہ ہوگا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کا علمِ سابق اس کے متعلق کیا ہے، پس اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اس کا عمل اس کے انجام کی علامت ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور سے امام بخاری کی غرض

اس باب کو قائم کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی نصوصِ صریحہ سے اور احادیث صحیحہ سے قدریہ کی دلیل کو باطل کریں جیسا کہ اس کے اوپر علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے تصریح کی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ہر نفس کے اوپر حکم لگا کر فارغ ہو گیا ہے اور قلم نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بندہ انجامِ کار خیر اور شر میں سے کیا کرے گا، اور قلم کی سیاہی اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قدریہ کو ان کے علم کے باوجود گمراہی میں برقرار رکھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ (النجم: ۳۲)

(اور) وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے، جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں، پیٹ کے بچے تھے، سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ متقین کو خوب جانتا ہے O

النجم: ۳۲ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں مومنین کے لیے رہنمائی ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ تمہاری پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام احوال سے واقف ہے، سو تم ریا اور فخر سے یہ نہ کہو کہ میں فلاں سے بہتر ہوں اور میں فلاں سے زیادہ مخلص اور متقی ہوں، کیونکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ تم حتمی اور قطعی طور پر یہ نہ کہو کہ میں نجات یافتہ ہوں، کیونکہ تمہارے انجام کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: اپنے آپ کو خامیوں اور عیوب سے بری نہ کرو۔

علامہ ابن ملقن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی مختلف مٹیوں سے پیدا کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ ہمارے حال کو جانتا تھا اور اس کا علم اس چیز کو محیط تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے لے کر قیامت تک جو نسل اس مٹی سے پیدا ہو گی، ایک پشت سے دوسری پشت تک منتقل ہو گی ان کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس مٹی میں کون سی مٹی پاک تھی اور کون سی مٹی ناپاک تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان میں سے ہر ایک کے متعلق علم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا یا اس کی نافرمانی کرے گا تا کہ وہ شخص خود اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے اور اس کی اپنی شہادت اپنے متعلق کافی ہے، اور اس کے متعلق فرشتے بھی گواہی دیں گے اور مخلوق میں سے جو اس کے احوال کا معائنہ کریں گے وہ بھی شہادت دیں گے، پس اس کی حجت منقطع ہو جائے گی اور نافرمانی کی صورت میں اس کا عذاب متحقق ہو جائے گا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ زنا کے خطرہ سے خصی ہو جائیں، تو آپ نے فرمایا: قلم اس کو لکھ کر

خشک ہو چکا ہے جس کے ساتھ تم ملاقات کرنے والے ہو خواہ تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا کہ قلم خیر یا شر سے جس چیز کو بھی لکھ چکا ہے اس سے تجاوز نہیں ہوگا۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے اور کسب کرے، اس لیے آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں خصی ہونے سے منع فرمایا جس کا ظاہر یہ ہے کہ انہیں اختیار دیا تھا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو تقدیر سے بھاگنے کا ارادہ کرے اس کو آپ نے منع فرمایا۔ اور آپ نے یہ بتایا کہ اگر اس نے تقدیر سے بھاگ کر کوئی عمل کیا تو وہ بھی تقدیر ہی میں اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے، کیونکہ قلم سب کاموں کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

تقدیر کے متعلق اہلِ سنت کا نظریہ

الحسن البصری سے تقدیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو آزمائش کے لیے پیدا فرمایا اور مخلوق جبر سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتی اور نہ کسی کے غلبہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے۔

پس اگر بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس سے روکنے والا نہیں ہے، بلکہ ان کی ہدایت میں مزید اضافہ فرماتا ہے اور ان کے تقویٰ میں بھی مزید اضافہ فرماتا ہے۔ اور اگر بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان کو اس نافرمانی سے روکے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو فعل کریں اور اگر چاہیں تو نہ کریں۔ پس بندے اپنے اختیار سے کسب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جب بندوں کو عذاب سے ڈرا دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حجت کامل ہو گئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ○ (الانبیاء: ۲۳) اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے، اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی O

الانبیاء: ۲۳ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو کچھ تصرف فرماتا ہے، کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو درجنوں بچے دیتا ہے کسی کو لاولد رکھتا ہے، کسی کو مال و دولت عطا کرتا ہے کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلاء کرتا ہے، کسی کو دنیا میں وجاہت اور عزت عطا فرماتا ہے اور اس کو حاکم بناتا ہے اور کسی کو محکوم بنا دیتا ہے، کسی کو صحت اور قوت عطا فرماتا ہے اور کسی کو بیمار اور کمزور رکھتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت میں مبتلاء رکھتا ہے، اس سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، کیونکہ سب اس کی مخلوق، مملوک اور غلام ہیں، سب اس کے زیرِ سلطنت اور زیرِ حکم ہیں، سب پر اس کی قضاء نافذ ہے، اس کے اوپر کوئی ہستی نہیں جو اس سے سوال کر سکے، اور آسمان اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب اس کے بندے ہیں اور ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، کیونکہ وہ سب کا مالک اور معبود ہے۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۰)

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَ مِنْهَا جَآىِٕرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ (النحل: ۹) اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا O

لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے از راہِ کرم سیدھے راستہ کے بیان کو اپنے ذمہ لے لیا ہے، وہ رسولوں اور نبیوں کو بھیج کر اور کتابوں اور صحائف کو نازل فرما کر اور براہین اور دلائل قائم فرما کر سیدھا راستہ بیان فرماتا ہے، اور جو شخص سیدھا راستہ حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور نیک اعمال کا قصد کرے تو اس کے لیے نیک اعمال پیدا فرما دیتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں جن پر چلنے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اور اس ٹیڑھے راستہ کی دو تفسیریں ہیں (۱) کافروں کی مختلف ملتیں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت، (۲) اہل الاہواء اور اہل البدعات، جنہوں نے محض اپنی خواہشات سے نئے نئے مسالک بنا لیے ہیں جن کی قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ایمان کے طریقے آسان کر دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر برقرار رکھنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ایمان لانا اور اس کے طریقوں پر عمل کرنا دشوار فرما دیتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا یہ معنی ہے: جو شخص ایمان کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان لانے کے راستے آسان فرما دیتا ہے اور جو شخص کفر اور گمراہی کو اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے، وہ جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتا اور نہ جبراً کسی کو کافر بناتا ہے، اسی لیے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا'' لیکن لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

جبر کی نفی پر دلائل

میں کہتا ہوں: جبر اس صورت میں ہوتا کہ انسان اپنے قصد اور ارادہ سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا چاہتا لیکن کوئی ان دیکھی طاقت اس کو جبراً گھسیٹ کر شراب خانے کی طرف لے جاتی اور اس کے ہاتھ میں شراب کا جام پکڑا دیتی، وہ شراب پینا نہیں چاہتا تھا وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہتا تھا لیکن کسی غیر مرئی قوت نے اس کو بجائے مسجد کے شراب خانہ کی طرف دھکیل دیا۔

رہا یہ اشکال کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو بندہ اس لکھے ہوئے کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ کو کچھ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے وہی لکھا ہے جو کچھ اس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں اختیار اور ارادہ سے نیک کام کرنے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے وہ نیک کام لکھ دیئے، اور اگر اس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے زندگی میں برے کام کرنے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ان برے کاموں کو لکھ دیا، اس کو اس مثال سے سمجھ لیں کہ انسان کراچی سے اسلام آباد جانے کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدتا ہے اور اس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ کو یہ جہاز اتنے بج کر اتنے منٹ پر کراچی سے پرواز کرے گا، ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاز کی پرواز ہمارے علم کی وجہ سے ہو رہی ہے اور جہاز اپنی اڑان میں ہمارے اس علم کے مطابق مجبور ہے بلکہ جہاز تو اپنے شیڈول کے مطابق پرواز کرتا ہے ہمیں کسی ذریعہ سے اس کا علم ہو گیا اور ہمارا یہ علم اس کو واجب نہیں کرتا کہ جہاز ہمارے علم کے مطابق پرواز کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے جہاز کی پرواز میں گھنٹہ دو گھنٹہ تاخیر ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے متعلق لکھ دیا ہے ہمیں اس کے متعلق علم نہیں ہے اس لیے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے

کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب المالکی نے بھی کہا ہے: اس باب کی حدیث میں جبریہ کے خلاف اہل سنت کی دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم عمل کرو ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان کر دیا جائے گا جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص کو اس عمل کے لیے مجبور کیا جائے گا جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے بلکہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اس کے عمل میں خیر یا شر جو بھی ارادہ کیا گیا ہے اس کے مطابق وہ عمل کرے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو جنت یا دوزخ جس کے لیے بھی پیدا کیا گیا ہے اس کے عمل اس کے لیے آسان کر دیئے گئے ہیں اور وہ اس میں مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ اور جبر اختیار سے نہیں ہوتا وہ اکراہ سے ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۳۰۰)

قلمِ تقدیر کے لکھنے کا بیان

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح اور قلم اور دوات کو پیدا کیا اور قلم سے فرمایا: لکھو جو کچھ ہونا ہے، سو اس نے لکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، پس ارشاد فرمایا: لکھو، اس نے پوچھا کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھو، سو اس نے لکھا۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۱۷۶)

پس یہ اس آیت کی تفسیر ہے ''نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝'' (القلم:۱)۔ ''نون، قلم کی قسم! اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں'' ۝

القلم:۱ کی تفسیر از مصنف

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ القلم:۱ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ قلم ہے، پھر جو کچھ ہونے والا تھا اس کو قلم نے لکھا، پھر پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان کو پیدا کیا اور پھر مچھلی کو پیدا فرمایا، (نون کا معنی مچھلی ہے) اور زمین کو مچھلی کی پشت پر پھیلایا گیا تو زمین ہلنے لگی تو اس کو پہاڑوں سے ٹھہرایا، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝''۔ (القلم:۱)

(جامع البیان: ۲۶۷۴۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام عبدالرزاق، امام فریابی، امام سعید بن منصور، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابوالشیخ نے ''العظمۃ'' میں، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ المستدرک میں، امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں اور امام خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اور امام الضیاء نے ''المختارۃ'' میں روایت کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۲۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے القلم کو پیدا کیا، پھر اس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ لکھ دیا۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے ''قلم نے تمام ''ماکان ومایکون'' لکھ دیا''۔ (سنن ترمذی: ۲۱۵۵، ۳۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا: نون کے متعلق یہ روایت کہ وہ مچھلی ہے اور اس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے، یہ ضعیف روایت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ نون اس سورت کا اسم ہے یا یہ حرفِ تہجی ہے اور اس سے یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم کلام مرکب کرتے ہو اور اگر تمہاری رائے میں یہ کلام کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابن الملقن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے دوات کو پیدا کیا، اور نون سے یہی مراد ہے۔ اور قلم کو پیدا فرمایا، پس قلم نے لکھا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ (الجاثیہ: ۲۳)

پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا، اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا، اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے، تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر عمل کرنا، اپنی خواہشوں کی عبادت کرنا ہے

الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔ الآیہ

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل کسی کام کرنے کو چاہتا ہے اور ہم کو علم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اس کام سے منع کیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اس کام کو کرتے ہیں اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کرتے، سو بتائیں کہ ان مواقع پر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی خواہش کی اتباع اور اپنے نفس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں؟ اگر ہم اپنے دن اور رات کے تمام کاموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے دن اور رات میں کم سر جھکاتے ہیں اور اپنی خواہش کے سامنے زیادہ سر جھکاتے ہیں۔

اسی طرح کوئی شخص اپنی خواہش سے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر کی عبادت کرتا ہے، کوئی رام اور کرشن کی عبادت کرتا ہے، کوئی لات اور منات کی عبادت کرتا ہے، کوئی ستاروں کی عبادت کرتا ہے، کوئی آگ اور پیپل کی عبادت کرتا ہے، یہ سب اپنی خواہش کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں، اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

بعض بندوں کو رسول بنانے اور بعض کو گمراہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی

اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا حالانکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی نہیں ہے اور اس نے ان کاموں سے منع فرمایا، اس کے باوجود اس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اس نے علم کے باوجود گمراہی کو اختیار کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر گمراہی کو پیدا کر دیا، اور اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی اور پرہیز گاری کو قبول نہیں کرے گا، اور جب اس کو اختیار دیا جائے گا تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور جس کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ اس کی روح کا جوہر نیکی کو اور تقویٰ اور طہارت کو قبول کرے گا وہ نہ صرف نیک ہوگا بلکہ دوسروں کو نیک بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت کے راستہ میں ہر قسم کی مشقت اور صعوبت کو برداشت کرے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو مقدر کر دیا، لہٰذا فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام: ۱۲۴) اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

علامہ ابن ملقن ''وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ'' (الجاثیہ: ۲۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ کس کو گمراہی پر برقرار رکھے گا اور کس کو ہدایت دے گا، اور اسی معنی کی طرف امام بخاری اس باب کے عنوان میں گئے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس کو ہدایت کا علم دینے کے بعد اور بیان کرنے کے بعد گمراہی پر برقرار رکھا کیونکہ اس نے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۲۹۔۱۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر پر دہریوں کے ایک اشکال کا جواب

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اہلِ جنت، اہلِ نار سے ممتاز ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: پھر عمل کرنے والے عمل کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا: ہر شخص وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے یا جو اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۹۶، صحیح مسلم: ۲۶۷۹، سنن ابو داؤد: ۴۷۰۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مکلفین سے ان کا مآل اور ان کا انجام محجوب ہے، یعنی ان کو معلوم نہیں ہے۔ پس مکلفین پر لازم ہے کہ ان کو جن کاموں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ان کا عمل ان کے مآل اور انجام کی علامت ہے۔ اگرچہ بعض کا خاتمہ اس عمل کے خلاف ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہے۔ پس بندہ پر لازم ہے کہ اپنی پوری کوشش بجا لائے اور اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور اس میں کوتاہی نہ کرے اور اس تشویش میں نہ رہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، پس اس کو اللہ کے احکام کی بجا آوری نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی اور وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

اور امام ابن حبان نے اس باب کی حدیث میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مرد پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں سرگرمی سے کوشش کرے خواہ اس سے پہلے اس نے کچھ نافرمانیاں کی ہوں۔

اور امام مسلم نے از ابوالاسود از حضرت عمران یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یہ بتایئے کہ آج جو لوگ عمل کرتے ہیں یہ وہی ہے جس کو ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے اور تقدیر میں پہلے یہ عمل لکھا جا چکا ہے یا وہ از سرِنو یہ عمل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ وہ چیز ہے جو ان کے اوپر لکھ دی گئی ہے اور اس سے پہلے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی اس آیت میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۷۔۸)

اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا O پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا O

اور اس حدیث میں ابوالاسود الدؤلی کا حضرت عمران کے ساتھ قصہ ہے اور اس میں مذکور ہے کہ ابوالاسود نے حضرت عمران سے کہا کہ کیا یہ ظلم ہوگا؟ (یعنی جب انسان وہی کرتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو کیا اس پر مواخذہ کرنا ظلم ہوگا؟) تو حضرت عمران نے جواب دیا: نہیں! ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ملک میں پیدا کیا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: حضرت عمران نے ابوالاسود پر منکرین تقدیر کا شبہ پیش کیا کہ وہ اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ کے متعلق حکم لگاتے ہیں، پس جب انہوں نے یہ جواب دیا جو دین کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے تو اس کو اس آیت کے ساتھ مؤکد کیا اور یہ اہلسنت کی حد ہے اور اس میں انہوں نے یہ کہا: ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو مالک اعلیٰ ہے خالق اور آمر ہے اس پر اس وقت اعتراض نہیں کیا جائے گا جب وہ اپنی ملک میں اپنی مشیت کے مطابق تصرف کرے۔ اعتراض تو صرف مخلوق پر کیا جاتا ہے جو مامور ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ

اللہ تعالیٰ ہی اس کو جاننے والا ہے کہ مشرکین کے بچے کیا عمل کرنے والے تھے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ مشرکین کے بچے کیا عمل کرنے والے تھے'' اور لفظ ''کانوا'' میں جو ضمیر ہے وہ مشرکین کی اولاد کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ حدیث کے شروع میں مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال ہے اور یہ حدیث کتاب الجنائز کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس باب کا عنوان تھا ''ما قیل فی اولاد المشرکین'' یعنی مشرکین کی اولاد کے متعلق جو کہا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۷ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان

ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۸۳، ۶۵۹۷، صحیح مسلم: ۲۶۶۰، سنن نسائی: ۱۹۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۱، مسند احمد: ۳۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۵۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوبشر کا ذکر ہے، یہ جعفر بن ابی وحشیہ ایاس الیشکری الواسطی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ مشرکین کی اولاد کیا کرنے والی تھی"۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: مشرکین کی اولاد کے متعلق تین مذاہب ہیں:

اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ ان میں توقف کیا جائے گا اور تیسرا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح ہے کہ مشرکین کی اولاد اہلِ جنت میں سے ہوگی۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

ثواب اور عقاب اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتا ورنہ لازم آئے گا کہ نابالغ بچے نہ جنت میں ہوں اور نہ دوزخ میں ہوں، بلکہ ثواب اور عقاب کو واجب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر ہے جو ازل میں ہی ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، پس اولیٰ اس میں توقف کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: اور مجھے عطاء بن یزید نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۸۴، ۶۵۹۸، ۶۶۰۰، صحیح مسلم: ۲۶۵۹، سنن نسائی: ۱۹۵۲، مسند احمد: ۱۸۴۸)

صحیح البخاری: ۶۵۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابنِ شہاب، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے اواخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی روایت تھی از ابوالیمان از شعیب از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید اللیثی نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا الیٰ آخرہ۔ اور یہاں پر روایت ہے کہ مجھے خبر دی عطاء بن یزید نے جیسا کہ تم نے پڑھا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عن ذراری المشرکین'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے متعلق سوال کیا گیا؟ اس میں ''ذراری'' کا لفظ ہے اور یہ ذریت کی جمع ہے اور مرد کی ذریۃ اس کی اولاد ہوتی ہے اور اس کا واحد اور جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ اعلم بما کانوا عاملین'' امام بخاری کی اس سے غرض جہمیہ کے اس قول کا رد کرنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا حتیٰ کہ بندے عمل کرلیں۔ اللہ تعالیٰ اس قول سے بلند و برتر ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے جو ابھی نہیں ہوئی، تو اس کو کیسے نہیں جانے گا جو ہوگی، وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہونے کے متعلق قضاء اور قدر مقرر فرمادی ہیں اور اس سے اہلِ سنت کا تقدیر کے متعلق مذہب قوی ہوتا ہے۔ اور تقدیر اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس کا غیب ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مختص ہے، اس نے اس پر نہ کسی مقرب فرشتے کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: میں اس حدیث کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمادیا ہے کہ وہ کیا کرے گا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ کو علم ہے کہ جو لوگ اپنی مدتوں سے متاخر ہیں اور انہوں نے کوئی کام نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہو چکے ہیں یعنی اسلام پر اور ان کے باپ دادا ان کو یہودی بناتے ہیں اور نصرانی بناتے ہیں، جیسا کہ بکری کا بچہ سالم الاعضاء پیدا ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کے بچے بھی صحیح فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٩٩۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ كَمَا تُنْتِجُونَ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مولود بھی پیدا ہوتا ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس کے اعضاء کٹے ہوئے دیکھتے ہو حتیٰ کہ تم خود اس کے اعضاء کاٹتے ہو۔

(صحیح البخاری: ١٣٥٨، ١٣٥٩، ١٣٨٥، ٤٧٧٥، ٦٥٩٩، صحیح مسلم: ٢٦٥٨، مسند احمد: ٧٦٥٥، سنن ابوداؤد: ٤٧١٤)

٦٦٠٠۔ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ قَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

(صحیح مسلم: ٢٦٥٨، سنن ابوداؤد: ٤٧١٤، مسند احمد: ٧٤٣٩٦)

صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! جو شخص فوت ہوجائے اور وہ بچہ ہو؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

صحیح البخاری: ٦٥٩٩۔٦٦٠٠، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق۔ بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم ہیں اور وہ ابن راہو یہ الحنظلی ہیں (فتح الباری ج ٧ ص ٦٨٣، دارالمعرفہ، بیروت ١٤٢٦ھ)

اور الکلاباذی نے کہا ہے: امام بخاری اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی سے روایت کرتے ہیں اور اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، اور اسحاق بن ابراہیم الکوسج از عبدالرزاق۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر کی عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسحاق سے مراد یہاں پر ان تین مذکور میں سے کوئی ایک ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک امام عبدالرزاق بن ہمام سے روایت کرتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ اسحاق بن راہو یہ ہیں۔ یہ وثوق انہوں نے کہاں سے نکالا؟

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں اور ہمام سے مراد ابن منبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی الفطرۃ" یعنی "علی الاسلام" اور دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد ہے خلقت، اور یہاں اس سے مراد ہے دینِ حق کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت، کیونکہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور ان کی طبیعت کے تقاضوں پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار نہ کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یھودانہ" یعنی اگر اس کے ماں باپ یہود ہوں تو وہ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وینصرانہ" یعنی اگر اس کے ماں باپ نصرانی ہوں تو وہ اس کو نصاریٰ بنا دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ماں باپ اس کے دین بدلنے کا سبب ہوتے ہیں۔ اور معنی یہ ہے کہ بچہ جو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس جانور کے مشابہ ہوتا ہے جس کے اعضاء کو فطرت پر پیدا ہونے کے بعد کاٹ دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جدعاء" اس کا معنی ہے: جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں اور یہ "الجدع" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: ناک اور کان کو کاٹنا، اور ہاتھوں اور ہونٹوں کو کاٹنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۰۔۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر کے متعلق تفتیش کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو تم رک جاؤ۔

(مخرج نے کہا ہے: میں اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت پر مطلع نہیں ہوا، اور امام طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۸ میں روایت کیا ہے۔ اور امام ابن عدی نے "کامل فی الضعفاء" ج ۸ ص ۲۶۴ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے: اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی ہے مسہر بن عبد الملک، اس کی امام ابن حبان وغیرہ نے توثیق کی ہے اور اس میں اختلاف ہے اور اس کے باقی رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔)

اور بلال بن ابی بردہ نے محمد بن واسع سے کہا: آپ قضاء اور قدر کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اے امیر! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قیامت کے دن قضاء اور قدر کے متعلق سوال نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ (التمہید ج ۳ ص ۱۴۱، الاستذکار ج ۲۶ ص ۸۷)

اور عمر بن عبد العزیز نے حسن بصری کی طرف مکتوب لکھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے یہ مطالبہ نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کیا قضاء کی تھی، اللہ تعالیٰ ان سے یہ مطالبہ کرے گا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا ہے اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے، ان کے متعلق مخلوق نے کیا عمل کیا ہے، تو تم ابھی اپنے نفس سے مطالبہ کرو جو تم سے تمہارا رب قیامت کے دن مطالبہ کرے گا۔ (الاستذکار ج ۲۶ ص ۸۸۔۸۷)

ایک اعرابی سے تقدیر کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نظر کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص عین

سورج کو دیکھے تو وہ اس سورج کی روشنی کو تو پہچانے گا لیکن اس سورج کی حدود بیان کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۳۲-۱۳۵ ملخصاً وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔

تین کا عدد کثرت کی حیز میں داخل ہے اور کبھی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، پس اس کے ایمان میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ اس مصیبت پر صبر کرتا ہو۔ اسی وجہ سے جس شخص کے اوپر لگاتار مصائب آئیں، اس کو زیادہ ثواب کا اجر ملتا ہے۔ اور انسان اپنے بچے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے بچے پر فداء کرے۔ اور یہ چیز انسانوں میں بھی معروف ہے اور جانوروں میں بھی، اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے مصائب پر صبر کرنے کے مرتبہ کو بلند فرمایا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس شخص کے بھی تین بچے فوت ہوئے ہوں اور اس نے ان پر صبر کیا ہو تو وہ بچے اس کے لیے دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جاتے ہیں۔

(موطا امام مالک ص ۱۶۲، کتاب الجنائز، باب الحسبۃ بالمصیبۃ بالولد وغیرہ، کتاب الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم ج ۴ ص ۱۸۵)

اور اس حدیث میں ''یحتسبھم'' کا لفظ ہے اور ''حسبۃ'' کا معنی ہے: مصیبت پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء کے سامنے سر جھکانا، پس جب اس کا نفس اللہ کی رضا پر خوش ہو تو اس کا اجر کامل ہوگا۔

اور یہ وارد ہے کہ اعمال میں سے رضا کے مرتبہ کا کوئی عمل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ'' (المائدہ: ۱۱۹) اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہے اور اس کے بندے ان اعمال پر جو اجر دیا گیا، اس پر راضی ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، یعنی اس حد پر نہ پہنچے ہوں کہ ان کے اوپر قلم تکلیف جاری ہو اور ''حنث'' کا معنی ہے بڑا گناہ۔ اور اس حدیث میں یہ قطعی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی اولاد جنت میں ہوگی۔

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن ملقن شافعی کی تحقیق

(۱) ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے اہلِ جنت میں سے ہیں، کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ۔ (النساء: ۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اور جس حدیث میں ہے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کوئی عمل نہیں کریں گے اور وہ اس وقت کی طرف نہیں لوٹیں گے جس میں وہ عمل کریں۔ اور یہی مختار ہے، یعنی مفسرین، فقہاء، متکلمین اور صوفیاء کی ایک جماعت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور ابنِ حزم ظاہری کا بھی یہی مختار ہے۔

(۲) مشرکین کی نابالغ اولاد اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

یزید بن ابان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اہلِ جنت کے خدام ہیں اور یہ سفیان کا مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں پانچ اقوال اور ہیں:

(الف:) اس مسئلہ میں نہ ان کے جنتی ہونے کی نفی کرنی چاہیے اور نہ ان کا اثبات کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو اپنے علم کے ساتھ مختص فرمالیا ہے۔

(ب:) مشرکین کی نابالغ اولاد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے اوپر موقوف ہے اور یہ قول توقف کے قول کے علاوہ ہے، یعنی نہ ان کے جنتی ہونے کا حکم لگایا جائے اور نہ ان کے دوزخی ہونے کا حکم لگایا جائے۔

(ج) مشرکین کی نابالغ اولاد جنت اور دوزخ کے درمیان ایک درجہ میں ہوگی۔ ان کے پاس ایمان نہیں جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوں، اور نہ ان کے اعمال ہیں جس کی وجہ سے ان کا دوزخ میں داخل ہونا واجب ہو۔

(د) اگر ان کی موت کے بعد ان کے ماں باپ اسلام قبول کرلیں تب بھی وہ دوزخ میں ہوں گے۔

(ہ) ان کو مرنے کے بعد مٹی بنادیا جائے گا۔

(۳) کفار کی نابالغ اولاد دوزخ میں ہوگی، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم الابواء یا ودان میں گذرے تو آپ سے ان گھر والوں کے متعلق سوال کیا گیا جن میں مشرکین پر شب خون مارا گیا، پس ان کی عورتوں کو اور ان کے بچوں کو قتل کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ انہی میں سے ہیں۔ (یعنی مشرکین میں سے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۳۰۱۲، صحیح مسلم: ۱۷۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۷۲، سنن ابن ماجہ: ۲۸۳۹، مسند احمد: ۱۶۲۴۴)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دنیاوی معاملات پر محمول ہے یعنی اگر کفار کے بچے اور ان کی عورتیں شب خون اور حملہ میں مارے جائیں تو ان کے لیے قصاص بھی نہیں ہوگا اور نہ دیت ہوگی۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ مشرکین کی نابالغ اولاد کو اور جو لوگ فترت کے زمانہ میں مرگئے ان کو زندہ فرمائے گا اور بہروں اور گونگوں اور دیوانوں کو اور ان کے لیے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی، پھر ان کے پاس ایک رسول کو بھیجا جائے گا جو ان کو حکم دے گا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عقل دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا، تو وہ اس آگ میں داخل ہو جائے گا اور وہ آگ اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عقل عطا فرماتا اور وہ اللہ کی اطاعت نہ کرتا، تو وہ اس آگ میں داخل ہو جائے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس قول کے متعلق جو آثار وارد ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ ان سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۳۷۴)

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ حدیث عقلاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿التوبہ: ۱۱۳﴾ نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں O

پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو دوزخی قرار دیا ہے۔ اور اگر ان کے لیے کوئی ایسا مقام ہوتا جس میں ان کی مغفرت کی توقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ فرماتا۔

یہ استدلال صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن التین نے کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن ابی اور اس جیسے منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے اور مشرکین کی نابالغ اولاد کے لیے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

(۵) مشرکین کی نابالغ اولاد کے اخروی انجام کے متعلق توقف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

التوضیح کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے:

بعض اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ ان کے متعلق اللہ سبحانہٗ کا علم قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور ان کی آزمائش کی جائے گی جیسا کہ اہلِ فترت وغیرہ کی آزمائش کی جائے گی۔ پس اگر انہوں نے اس کا جواب دے دیا جو ان سے مطالبہ کیا گیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو دوزخ میں داخل ہوں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اہلِ فترت کی قیامت کے دن آزمائش کی جائے گی اور یہ وہ لوگ ہیں جن تک رسولوں کا پیغام نہیں پہنچا اور جو ان کے حکم میں ہیں جیسے مشرکین کی نابالغ اولاد، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿بنی اسرائیل: ۱۵﴾ اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O

اور یہ قول اہلِ فترت اور ان کی مثل کے متعلق سب سے صحیح قول ہے جن لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی دعوت نہیں پہنچی۔

اور شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد شیخ ابن قیم اور سلف اور خلف کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۱۶۹۔ ۱۷۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی تحقیق

مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ ان کا انجام اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اور انہوں نے درج ذیل آیت میں تاویل کی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ (المدثر: ۳۸۔۳۹) ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O

''اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ'' کے متعلق اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ وہ مومنین کے نابالغ بچے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اصحب الملائکہ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: نابالغ بچوں کا حکم وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں ان کے آباء کا حکم ہے۔ اگر ان کے آباء مومن ہوں تو آباء

کے ایمان کی وجہ سے ان کو مومن قرار دیا جائے گا، اور اگر ان کے آباء کافر ہوں تو ان کو کافر قرار دیا جائے گا۔ اور انہوں نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جو جہاد میں مارے جائیں، ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی اپنے آباء کے طریقہ پر ہوں گے۔

اور دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ کفار کی اولاد کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد مسلمانوں کی اولاد کے ساتھ جنت میں ہوگی۔ اور ان کا استدلال حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جس کو امام بخاری نے کتاب التعبیر میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے:

رہا وہ طویل القامت مرد جو باغ میں ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور جو بچے اس کے گرد، پس یہ ہر وہ مولود ہیں جو فطرت پر فوت ہوئے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! پس اولادِ مشرکین کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد بھی۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۷)

یہ حدیث مشرکین کی نابالغ اولاد کے جنتی ہونے کے متعلق قطعی حجت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق یہ قول صحیح ہے تو اس حدیث کی کیا توجیہ ہوگی جس میں یہ ارشاد ہے کہ "اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیثِ مذکور کے معارض ہے جس میں مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق بیان فرمادیا ہے کہ وہ جنت میں مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے ساتھ ہوں گے۔

نیز اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ اطفالِ مشرکین کیا عمل کرنے والے تھے، یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا کہ وہ مسلمانوں کی اولاد کے ساتھ جنت میں ہوں گے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، آپ وحی سے کلام فرماتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ ان کو کس دین پر مارے گا۔ اگر وہ زندہ رہتے اور بالغ ہو جاتے، لیکن جب وہ زندہ نہیں رہے اور عمل کرنے کی عمر کو نہیں پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو شامل ہوگی جن کا کوئی گناہ نہ ہو۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے، یہ ارشاد مجمل ہے اور اس کی تفصیل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ۝

سو یہ عام اقرار ہے، اس میں مشرکین اور مسلمین کی وہ اولاد بھی داخل ہے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگئی۔ اوران سب نے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف اور اقرار کرلیا، لہٰذا ان میں سے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگیا وہ اس آیت کے عموم سے خارج نہیں ہوگا۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ مشرکین کے اطفال کا حکم وہ ہے جو ان کے آباء کا حکم ہے، یہ حسب ذیل آیت سے مردود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے ماں باپ کے حکم میں ہیں نہ کہ آخرت میں، یعنی اگر وہ شب خون میں اور حملہ میں مارے جائیں تو نہ ان کے لیے قصاص ہوگا اور نہ دیت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ اطفالِ مشرکین کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں وہ ضعیف ہیں، ان سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی، اور آخرت دارِ جزاء ہے دار العمل نہیں ہے، لہٰذا وہاں پر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۶۷۔۳۶۸، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) کفار کی نابالغ اولاد کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ قول ابن المبارک اور اسحاق سے منقول ہے، امام بیہقی نے الاعتقاد میں اس قول کو امام شافعی سے نقل کیا ہے، علامہ ابن عبد البر المالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے طریقہ کا بھی یہی مقتضیٰ ہے اور ان کے اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اور اس کی دلیل بابِ مذکور کی یہ حدیث ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا تو اس کو علم تھا کہ وہ کیا عمل کرنے والے ہیں (صحیح البخاری: ۱۳۸۳)

(۲) نابالغ اولاد اپنے آباء کے تابع ہے، پس مسلمانوں کی اولاد جنت میں اور کفار کی اولاد دوزخ میں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ہیں، اور مشرکین کے بچوں کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انہوں نے تو اعمال کا زمانہ نہیں پایا! آپ نے فرمایا: تمہارا رب خوب جاننے والا ہے وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اگر تم چاہو تو میں دوزخ میں ان کے رونے کی آواز سنا دوں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(۳) وہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہیں، کیونکہ انہوں نے نیک کام نہیں کیے کہ وہ جنت میں داخل ہوں، نہ برے کام کیے ہیں کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں۔

(۴) وہ اہلِ جنت کے خدام ہیں، اس کے ثبوت میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی اولاد اہل جنت کے خدام ہیں۔
(مسند ابویعلیٰ: ۴۰۹۰، مسند البزار: ۲۱۷۰، تمہید ج ۷ ص ۲۵۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

یزید رقاشی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوحمزہ! آپ کے نزدیک مشرکین کے نابالغ بچوں کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے گناہ نہیں ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے، اور نہ ان کی نیکیاں ہیں کہ ان کو ثواب دیا جائے، پس وہ اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۸۲۴، حلیۃ الاولیاء: ج ۷ ص ۳۰۸)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: وہ اہلِ جنت کے خدام ہیں۔ (المعجم الکبیر: ۶۹۹۳، مسند البزار: ۲۱۷۲)

(۵) ان کو قیامت کے دن مٹی بنا دیا جائے گا۔

(۶) وہ دوزخ میں ہیں، یہ امام احمد کے بعض اصحاب کا قول ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸ (تاہم اس حدیث کی سند ضعیف ہے))

(۷) ان کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی، ان کے سامنے آگ پیش کی جائے گی، پس جو اس آگ میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، اس کے ثبوت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن چار آدمیوں کو لایا جائے گا، نابالغ بچہ، کم عقل، جو فترت پر مر گیا اور شیخِ فانی۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ، تو جن کے اوپر بدبختی لکھ دی گئی ہے، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہم کو اس آگ میں داخل کر رہا ہے حالانکہ ہم اس سے ڈرتے تھے اور جن کے لیے نیک بختی لکھ دی گئی ہے وہ اس میں دوڑتے ہوئے داخل ہو جائیں گے، پس یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور پہلا فریق دوزخ میں داخل ہوگا۔ (مسند البزار: ۲۱۷۷، مسند ابویعلیٰ: ۴۲۲۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ان کو لایا جائے گا جو زمانہ فترت میں مر گئے اور کم عقل کو، اور نابالغ بچہ کو، جو اس زمانہ فترت میں مر گیا وہ کہے گا: میرے پاس کتاب آئی تھی اور نہ رسول آیا تھا، اور کم عقل کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے ایسی عقل نہیں دی جس سے میں خیر اور شر کا ادراک کرتا، اور نابالغ بچہ کہے گا: میں نے عمل کرنے کا زمانہ نہیں پایا، آپ نے فرمایا: پھر ان کے لیے آگ پیش کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس میں داخل ہو جاؤ، پس ان میں سے جو لوگ اللہ کے علم میں نیک بخت ہوں گے، وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بدبخت ہوں گے وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے میرے سامنے میری نافرمانی کی ہے، پس تم میرے غیاب میں میرے رسولوں کی نافرمانی بھی کرتے۔ (مسند البزار: ۲۱۷۶)

یہ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۸۳۔ ۸۴، ج ۲۰، المعجم الاوسط: ۷۹۵۱، مسند الشامیین: ۲۲۰۵، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۷)

یہ حدیث الاسود بن سریع سے بھی مروی ہے۔ (صحیح ابن حبان ۷۳۵۷، المعجم الکبیر: ۸۴۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴، مسند البزار: ۲۱۷۴)

(۸) وہ جنت میں ہیں، علامہ نووی نے کہا کہ یہی مذہب صحیح اور مختار ہے، جس پر محققین ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۞ اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور نابالغ بچوں کے حق میں رسالت متحقق نہیں ہے، کیونکہ جب عاقل کو اس لیے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس کے پاس رسول نہیں آیا تو غیر عاقل کو بدرجہ اولیٰ عذاب نہیں دیا جائے گا، اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا جس کی آپ کو یہ تعبیر بتائی گئی:

جو باغ میں طویل القامت شخص تھے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو ان کے گرد بچے تھے، وہ ہر پیدا ہونے والا بچہ تھا جو فطرت پر پیدا ہوا، پس بعض صحابہ نے پوچھا: اور مشرکین کی اولاد؟ آپ نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۵)

(۹) بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

(۱۰) بعض دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امساک کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۸۰۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

توقف سے مراد یہ ہے کہ چونکہ دلائل متعارض ہیں، اس لیے کسی قول کو ترجیح نہ دی جائے اور امساک سے مراد یہ ہے کہ اس بحث میں پڑنے سے گریز کیا جائے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے چھ اقوال ذکر کیے ہیں اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ذکر کردہ دس اقوال ذکر کیے ہیں اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جنت میں ہوں گے۔ (شرح الزرقانی علی موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۲۸، دار احیاء التراث العربی)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ کورانی حنفی کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: مشرکین کی اولاد کے متعلق تین فرقے ہیں، اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ وہ اہل دوزخ ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اپنے آباء سے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۰۱۳، صحیح مسلم: ۱۷۴۵)

اور دوسرا مذہب اس میں توقف ہے، اور حق مذہب تیسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب اہل جنت میں سے ہیں، کیونکہ عنقریب حدیث معراج میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے گرد لوگوں کی اولاد تھی، عرض کیا: گیا یا رسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد؟ آپ نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد بھی۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۷)

جس حدیث میں مذکور ہے کہ مشرکین کے بچے ان کے آباء سے ہیں، یہ دنیا کے احکام پر محمول ہے، کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز

ہے اور ان کی نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے۔

اور یہ تیسرا مذہب ہی برحق ہے جو دلائل کے ساتھ مؤید ہے، پہلی دلیل تو اس باب کی حدیث ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' تو سب نے کہا ''کیوں نہیں''۔ (الاعراف: ۱۷۲) تو مشرکین کی اولاد بھی اپنے اقرار پر باقی ہے۔

اس مذہب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مذہب درجِ ذیل حدیث کے خلاف ہے:

امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق سوال کیا جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا: وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (مسند احمد: ۱۱۳۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان دلائل کی ٹکر کی نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہ آپ نے اپنے ظن اور اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا، پھر آپ پر اس کا خلاف ظاہر ہوا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۳ ص ۳۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق شیخ محمد علی صابونی کی تحقیق

الشیخ محمد علی صابونی لکھتے ہیں:

مذہب صحیح اور مختار یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد جنت میں ہوگی اور یہی محققین کا موقف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور جب عقل والے کو اس وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی تو جو بچہ غیر عاقل ہے اس کو بطریقِ اولیٰ عذاب نہیں ہونا چاہیے۔ پھر جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ''اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے''۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہیں۔ (الشرح المیسر علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۳۴۴، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۱ھ)

نابالغ بچوں کی آخرت میں آزمائش پر ایک اشکال کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے ذکر کردہ اقوال میں ساتواں قول یہ ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین کے نابالغ بچوں، کم عقل شخص اور زمانۂ فترت میں مرنے والوں کی آزمائش کی جائے گی اور ان کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو داخل نہیں ہوگا، اس کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کا دن اور میدانِ حشر دارِ تکلیف تو نہیں ہے، دارِ تکلیف تو صرف دنیا ہے، پھر حشر کے دن ان کا امتحان کیوں لیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت یا دوزخ میں استقرار کے بعد ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے میدانِ حشر میں ان کا

امتحان لینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں وہاں بھی امتحان لینے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ (القلم:۴۲) جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O

اس آیت میں پنڈلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے، اس وقت ہر مومن مرد اور عورت اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے، ماسوا ریاکاروں کے، وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس آیت میں حشر کے دن لوگوں کو مکلف کرنے کا ذکر ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایسا خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جَو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ ہرگز ان میں گرہ نہیں لگا سکے گا۔ اور جو تصویر بنائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس میں روح پھونکنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۲، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۴، سنن ترمذی: ۱۷۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۶، مسند احمد: ج ۱ ص ۳۵۹)

مصنف کی گزارش

میں کہتا ہوں: ہماری لائبریری میں جو کتابیں میسر تھیں ان میں چھان بین اور تتبع کرنے کے بعد ہم نے مشرکین کے نابالغ بچوں کے اخروی انجام کے متعلق فقہاءِ اسلام کے مذاہب لکھ دیئے ہیں اور بہرحال صحیح مذہب یہی ہے کہ آخرت میں مشرکین کے نابالغ بچے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں ہوں گے جیسا کہ صحیح البخاری کی حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باغ کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور دنیا اور آخرت میں ہمیں مصائب اور عذاب سے امان میں رکھے اور اپنے فضل وکرم سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۔ بَابٌ: وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (الاحزاب:۳۸)

اور اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بیان میں ہے:

وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ (الاحزاب:۳۸) اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں O

"قدر" کے لفظ پر زبر بھی ہے اور جزم بھی ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ جس قضاء کو مقدر فرماتا ہے یعنی جس حکم کو تقدیر میں لکھ دیتا ہے۔ اور اگر قدر پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے: قادر کا فعل یعنی جو مقدور ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو بیان فرمانا۔ اور "قدرا مقدورا" کا معنی ہے: یعنی جس چیز کے وقوع کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم لگا دیا۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے:

اس باب سے غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ اللہ عزوجل کی تمام مخلوقات اس کے ارشاد لفظِ ''کُن'' سے وجود میں آئی ہے خواہ وہ حیوان ہوں یا غیر حیوان ہوں۔اسی طرح بندوں کی حرکات اور ان کے ارادوں اور ان کے اعمال جو معاصی یا اطاعات پر مشتمل ہیں، یہ سب اپنے اپنے زمانہ اور اوقات میں مقدر کیے گئے ہیں، نہ ان میں سے کسی چیز میں کوئی اضافہ ہوسکتا ہے نہ کوئی کمی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی چیز اپنے وقت سے مقدم ہوسکتی ہے اور نہ کوئی چیز اپنے وقت سے موخر ہوسکتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ازل میں اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے تمام کاموں کا علم اور اس کا تقدیر میں لکھا ہوا ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح میں لکھا ہے:

بے شک اللہ عزوجل کو ہمیشہ سے یہ علم ہے کہ کون اس کی اطاعت کرے گا، سو وہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کون اس کی نافرمانی کرے گا، سو وہ اس کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔اور جو شخص جنت کا مستحق ہوا تو وہ اپنے استحقاق کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ابتداء سے علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔اور نہ جو شخص دوزخ کا مستحق ہوا سو وہ بھی اپنے استحقاق کی وجہ سے دوزخ کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جن کا انجام اس کا دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اپنے علمِ سابق کی وجہ سے نہ اپنی اطاعت پر مجبور کیا ہے اور نہ اپنی نافرمانی پر مجبور کیا ہے لیکن اللہ عزوجل نے ان کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کو علم تھا وہ ان میں نافذ فرمادیا، اور جو کچھ وہ اپنے اختیار سے عمل کرنے والے تھے اور جو کچھ اس کے نتیجہ میں ان کا ٹھکانا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اور مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ان کے متعلق کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کی صفت میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَحُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (الواقعہ: ۱۳۔۲۴)

بڑا گروہ پہلے لوگوں سے ہے O اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں O وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے O ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O ملکوں اور جگوں اور شراب کے لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O یہ ان (نیک)

کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (السجدہ:۱۷)

سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے، اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کے متعلق ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ (حم السجدہ:۲۸)

یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے، اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان آیات میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت کرنے والوں کو ان کی اطاعت کی وجہ سے جنت کا ثواب عطا فرمائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر نہیں دی کہ وہ اپنے علمِ ازلی کی وجہ سے کن کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کن کو جنت عطا فرمائے گا، لیکن اس کے علمِ ازلی میں یہ چیز مقرر ہے کہ یہ لوگ اہلِ سعادت میں سے ہیں اور اہلِ جنت میں سے ہیں جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اہلِ شقاوت میں سے ہیں اور اہلِ دوزخ میں سے ہیں جو اہلِ دوزخ کا عمل کرتے ہیں، سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ پس اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیک کاموں کا حکم دیا تا کہ ان کاموں پر عمل کیا جائے۔ اور عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے، سو وہ اپنی طاعت کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے اس کے عذاب کے مستحق ہوں گے، سو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل فرما دے گا اور تا کہ اللہ تعالیٰ کی حجت اپنی مخلوق کے اوپر پوری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور تقدیر پر ایک اشکال کا جواب

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا معنی ہے "تم عمل کرو ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کیا جائے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے"۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت، ان میں سے کوئی فریق بھی اس عمل کی طرف مجبور نہیں ہے جس کو وہ کرتا ہے اور جس کو وہ دنیا میں اپنے لیے اختیار کرتا ہے اور اس کو اس پر مجبور نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کو وہ اپنے نفس کے لیے اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے اس عمل کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ

اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے، لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (الحجرات: ۷۔۸)

کو ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے، اور اللہ بے حد جاننے والا حکمت والا ہے O

اور رہے اہلِ شقاوت تو ان کے لیے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ ان بُرے اعمال کو اللہ کی اطاعت کے مطابق عمل پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ۝ (النمل: ۴)

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنادیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ (فاطر: ۸)

تو کیا جس شخص کے لیے اس کے برے عمل کو خوش نما بنادیا گیا، سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا، (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے) سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو، بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے O

اور ان آیتوں سے ہماری بیان کی ہوئی تقریر کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی مخلوق میں نافذ ہے اور وہ اس کے موافق عمل کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے جو لوحِ محفوظ میں ان کے اعمال کو لکھ دیا ہے اس کا یہ لکھنا ان میں سے کسی ایک کو اس کے عمل کی طرف مجبور نہیں کرتا، کیونکہ جو شخص کسی کام کو مجبوراً کرے اس میں کوئی شک نہیں وہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس کو اس کام سے محبت نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے مکروہ جانتا ہے اور اس سے بھاگتا ہے اور کافر اپنے کفر کی حفاظت میں اہلِ ایمان سے لڑتے ہیں اور فاسق اپنے فسق کی مدافعت میں نیک لوگوں سے جنگ کرتے ہیں اور کفار اپنے کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور فُساق اپنے فسق کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں اور اسی طرح مومن اپنی جان کو اپنے ایمان کی حفاظت میں خرچ کرتا ہے اور ایمان کی حفاظت میں مصائب اور تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے اور اپنی لذیذ چیزوں کو اور شہوات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی محبت میں ترک کرتا ہے، اور ان میں سے کوئی فریق بھی اپنے عمل کی طرف کیسے مجبور ہوگا جب کہ وہ جو عمل بھی کرتے ہیں وہ اس عمل کی محبت میں کرتے ہیں اور اس عمل سے نفرت نہیں کرتے اور اس عمل کے حصول کے لیے مخالفوں سے جنگ کرتے ہیں۔ سو اس سے واضح ہوگیا کہ تقدیر میں پہلے لکھے ہوئے ہونے سے اور مخلوق میں قضاء کے نافذ ہونے سے نہ مومن اپنے نیک کاموں میں مجبور ہوتا ہے اور نہ کافر اور فاسق اپنے برے کاموں میں مجبور ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے کہ تم عمل کرو، پس ہر فریق کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور بے شک اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت میں سے ہر فریق کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے اس عمل کو خوش نما بنادیا گیا ہے اور وہ اس عمل سے محبت کرتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۳۸۔۱۴۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

٦٦٠١ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے تا کہ اس کا حصہ اپنے برتن میں انڈیل لے، اور چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ اس کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۰، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۷، ۵۱۴۴، ۵۱۵۲، ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ترمذی: ۱۲۲۲، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابوداؤد: ۳۴۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۴، مسند احمد: ۷۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۱۱، سنن دارمی: ۲۱۷۵)

صحیح البخاری: ۶۶۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عورت کے لیے وہی حصہ ہے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کے لیے جتنا رزق مقدر کر دیا گیا ہے، اتنا ہی رزق اس کو ملے گا خواہ اس کے شوہر کی دوسری بیوی ہو یا نہ ہو، اور اس عورت کو وہی حاصل ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تقدیر میں لکھ دیا ہے خواہ اس کا شوہر اس کے سوال کو پورا کرے یا نہ کرے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے اس باب میں گزر چکی ہے "باب الشروط التی لا تحل فی النکاح" وہاں اس حدیث کو امام بخاری نے از ابوسلمہ از ابوہریرہ از نبی ﷺ روایت کیا ہے۔ اور یہاں اس حدیث کو از عبداللہ بن یوسف التنیسی از امام مالک از ابی الزناد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اختها" یعنی کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے۔ اور بہن کا لفظ عام ہے، عام ازیں کہ وہ رشتہ کے اعتبار سے اس کی بہن ہو یا ایمان کے اعتبار سے اس کی بہن ہو، کیونکہ تمام مومنات دین میں بہنیں ہیں۔ اور نبی ﷺ نے عورت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ مرد سے اس کی بیوی کی طلاق کا سوال کرے تا کہ وہ مرد اس سے نکاح کر لے اور مطلقہ کے لیے جو اس کا خرچ اور اس کی معاشرت تھی وہ اس عورت کو مل جائے، تو اس کو نبی ﷺ نے مجازاً اس سے تعبیر فرمایا کہ وہ اپنے پیالہ میں اس عورت کا حصہ ڈال لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:٦٦٠١، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ٥٤٣ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث تقدیر کے احکام جاری ہونے کے متعلق اصولِ دین سے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں پیشگی لکھا ہوا اطاعات میں عمل کرنے کے خلاف نہیں ہے اور نہ انسان کو اکتساب اور کل کے لیے روزی حاصل کرنے سے منع کرتا ہے۔

امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ٤٦٣ھ، لکھتے ہیں:

یہ حدیث تقدیر کی احادیث میں اہلِ علم کے نزدیک بہت حسین حدیث ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اگر خاوند اس عورت کی بات مان لے اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے جس کے متعلق وہ عورت یہ گمان کرتی تھی کہ وہ رزق کے حصول میں اس کی مزاحم ہوگی تو اس کو یہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہی حاصل ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے پہلے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے خواہ اس کا خاوند اس کے سوال کو پورا کرے یا نہ کرے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ (التوبہ:٥١)

آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔

(فتح الباری ج ٧ ص ٦٨٤، دار المعرفہ، بیروت ١٤٢٦ھ)

٦٦٠٢۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدَى بَنَاتِهِ وَعِنْدَهُ سَعْدٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذٌ أَنَّ ابْنَهَا يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهَا لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا أَعْطَى كُلٌّ بِأَجَلٍ فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از عاصم از ابن عثمان از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس تھا اس وقت آپ کی صاحبزادیوں میں سے کسی ایک کی طرف سے آپ کے پاس بلانے والا آیا، اور اس وقت آپ کے پاس حضرت سعد اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم تھے، اور بے شک آپ کی صاحبزادی کا بیٹا اپنے نفس کی سخاوت کر رہا تھا (یعنی وہ مرض الموت میں تھے) تو آپ نے اپنی صاحبزادی کی طرف یہ پیغام بھیجا: اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے عطا فرمایا، ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، پس ان کو چاہیے کہ وہ صبر کریں اور ثواب کی نیت کریں۔

(صحیح البخاری: ١٢٨٤، ٥٦٥٥، ٦٦٠٢، ٦٦٥٥، ٧٣٧٧، ٧٤٤٨، صحیح مسلم: ٩٢٣، سنن نسائی: ١٨٦٨، سنن ابوداؤد: ٣١٢٥، مسند احمد: ٢١٢٦٩)

صحیح البخاری: ۶۶۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان تقدیر سے متعلق ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے "ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے"۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، اور وہ ابن یونس بن ابی اسحاق ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم، وہ ابن سلیمان الاحول ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عثمان، وہ عبدالرحمٰن النہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسامہ، وہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں از عبدان گزر چکی ہے اور اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور آپ کے پاس سعد تھے" وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "آپ کے پاس معاذ تھے" وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ کی صاحبزادی کا بیٹا" اور اسی طرح کتاب الجنائز میں مذکور ہے۔ اور کتاب المرضیٰ میں مذکور ہے "آپ کی صاحبزادی کی بیٹی"۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کو راوی منضبط نہیں کر سکا، کبھی اس نے یہ خبر دی کہ وہ بچہ تھا اور کبھی اس نے یہ خبر دی کہ وہ بچی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یجود بنفسہ" جو شخص موت کے قریب ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی سخاوت کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے"۔ یہ نہیں فرمایا کہ پس تمہیں صبر کرنا چاہیے، کیونکہ آپ کی صاحبزادی غائب تھیں اور غائب کے لیے مخاطب کے صیغہ کو استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے بلانے والے سے خطاب کیا اور اگر اپنی صاحبزادی سے خطاب فرماتے تو فرماتے "پس تم صبر کرو اور تم ثواب کی نیت کرو"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۰۳۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَيْرِيزٍ الْجُمَحِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ رَجُلٌ مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محیریز الجمحی نے خبر دی کہ حضرت ابو سعید خدری

الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نُصِيبُ سَبْيًا وَنُحِبُّ الْمَالَ كَيْفَ تَرَى فِي الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَوَإِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ ذَلِكَ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ.

رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ جس وقت وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انصار میں سے ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! ہم قیدی عورتوں کو حاصل کرتے ہیں اور ہم مال سے محبت کرتے ہیں، تو عزل کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس طرح کرتے ہو؟ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم یہ نہ کرو، کیونکہ جس روح کے نکلنے کا اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲۹، ۲۵۴۲، ۴۱۳۸، ۵۲۱۰، ۶۶۰۳، ۷۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۶، مسند احمد: ۱۱۴۲۹، موطا امام مالک: ۱۲۶۲، سنن دارمی: ۲۲۲۳)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیوں کہ اس حدیث کے آخر میں تقدیر کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حبان بن موسیٰ کا ذکر ہے، وہ المروزی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں جو محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں از ابی الیمان، اور کتاب النکاح میں از عبداللہ بن محمد، اور کتاب المغازی میں از قتیبہ، اور کتاب العتق میں از عبداللہ بن یوسف، اور کتاب التوحید میں از اسحاق بن عفان مذکور ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کو کتاب النکاح میں از عبداللہ بن محمد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل من الانصار" یعنی انصار کے ایک مرد نے سوال کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابوصرمہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام مجدی الضمری ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سبیا" یعنی ہمیں قیدی عورتوں میں سے باندیاں ملتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "العزل" اس کا معنی ہے: انزال کے وقت اپنے آلہ کو عورت کی اندامِ نہانی سے کھینچ کر نکال لینا اور منی کو فرج سے باہر گرا دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا علیکم ان لا تفعلوا" ایک قول یہ ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے عزل سے ممانعت فرمائی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں عزل کی اباحت ہے، یعنی تم عزل کرو اور یہ فعل زندہ درگور کرنا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غزوۃ المریسیع میں اور کتاب النکاح کے باب عشرۃ النساء میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسعید اور ابوصرمہ رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے خبر دی ہے کہ ان کو قیدی عورتوں سے کچھ باندیاں ملیں، پس ہم ایک دوسرے سے عزل کے متعلق مشورہ کرتے تھے، پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا سوال کیا اور شاید کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اور جن لوگوں نے مشورہ کیا تھا وہ ایک جماعت تھی۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں مجدی الضمری سے روایت کی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۃ المریسیع میں گئے تو ہم کو کچھ قیدی عورتیں ملیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا، اور ابوصرمہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے جو اس کے آخر میں مذکور ہے کہ جس روح کے نکلنے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں نکلنا لکھ دیا ہے تو وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باندیوں سے عزل کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیدی عورتوں یعنی باندیوں سے عزل کرنے کے متعلق پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کرو''۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں عزل کی اباحت ہے، یعنی تمہارے لیے جائز ہے کہ تم عزل کرو۔ اور یہ فعل کسی لڑکی کو زندہ درگور کرنا نہیں ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو اس سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تمام شہروں کے فقہاء نے اس حدیث سے داؤد ظاہری کے خلاف استدلال کیا ہے جس نے کہا ہے کہ ام ولد کی بیع مباح ہے، کیونکہ اگر حمل بیع سے مانع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرماتے کہ تمہیں عزل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور باندیوں کی بیع کرنا جائز ہے خواہ وہ حاملہ ہو جائیں، کیونکہ حمل ثمن کو باطل کرتا ہے اور صحابہ نے کہا: ہم مال سے محبت کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو اس اعتقاد پر برقرار نہ رکھتے۔

اور جن فقہاء نے داؤد ظاہری کی تائید کی ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں حاملہ باندیوں کی بیع کی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ باندیاں حاملہ ہو جاتیں تو ان کو فروخت کرنا مشکل ہو جاتا حتیٰ کہ ان کے ہاں بچہ ہو جاتا ورنہ مسلمانوں کی اولاد کفار کے ہاتھوں میں چلی جاتی۔ اور شاید کہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی قیدی مسلمان سے حاملہ ہو جاتی تو وہ اس کو نہیں چھڑاتے تھے، پس اگر وہ چھڑاتے تو بہت تھوڑے مال سے چھڑاتے تھے، کیونکہ حمل کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو جاتی تھی، اس وجہ سے انہوں نے یہ سوال کیا۔

نیز اس میں ایک اور وجہ سے فساد ہے، وہ یہ ہے کہ قیدی عورت سے وطی کرنا اور اس سے لذت حاصل کرنا حرام ہے حتیٰ کہ ان عورتوں کو تقسیم کر دیا جائے اور ملکیت کے بعد ان کے رحم کا استبراء کر دیا جائے یعنی ایک حیض گزر جائے۔ سو صحابہ نے ان قیدی عورتوں کے ساتھ وطی کرنے کا ارادہ کس طرح کیا۔ اور شاید کہ صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان سے صرف جسمانی لذت حاصل کریں کیونکہ اپنی بیویوں سے دور ہوئے انہیں کافی عرصہ گزر چکا تھا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اگر ان کی فرج میں وطی کے بغیر ان سے جسمانی لذت حاصل کی جائے تو یہ مباح ہے جب کہ وہ فرج میں دخول نہ کریں۔ تو شارع علیہ السلام نے ان کو یہ خبر دی کہ اگر انہوں نے عزل کیا تب بھی منی فرج کی طرف سبقت کر جائے گی اور عزل کے باوجود بچہ ہو جائے گا اور صحابہ کے پاس اس کی تحریم کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۰۔۱۴۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۶۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ خُطْبَةً مَا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الشَّيْءَ قَدْ نَسِيتُ فَأَعْرِفُ مَا يَعْرِفُ الرَّجُلُ إِذَا غَابَ عَنْهُ فَرَآهُ فَعَرَفَهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن مسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو وائل از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس خطبہ میں قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کا ذکر فرما دیا، جس نے اس کو جان لیا اس نے جان لیا اور جو اس سے جاہل رہا وہ اس سے جاہل رہا، بے شک میں کسی چیز کو دیکھتا جس کو میں بھول چکا تھا، پھر میں اس کو اس طرح پہچان لیتا جس طرح کوئی مرد اس چیز کو پہچان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو چکی ہو، پھر اس کو دیکھ کر اس کو پہچان لیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی تقدیر کا بیان ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کائنات میں جو بھی امور مقدر کیے گئے ہیں ان سب کا بیان فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم "ماکان و مایکون" اور علم کلی پر دلیل

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماکان و مایکون کا علم عطا فرما دیا، اور آپ کو علم کلی عطا فرما دیا اور تمام مغیبات کا علم عطا فرما دیا۔ غیر مقلد مترجمین نے اس حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ آپ کو تمام دینی چیزوں کا علم دے دیا، لیکن یہ قید اس حدیث کے سیاق و سباق کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے اس کو جان لیا اور جو اس

سے جاہل رہا وہ جاہل رہا، اور صحابہ کرام دینی احکام سے ناواقف نہیں تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں کسی چیز کو دیکھتا ہوں جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اس کو اس طرح پہچان لیتا ہوں جس طرح کسی مرد سے کوئی چیز غائب ہوگئی ہو تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں عموم مراد ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کا بیان فرمادیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن مسعود کا ذکر ہے، وہ ابوحذیفہ النہدی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابووائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حذیفہ کا ذکر ہے، وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الفتن میں از عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے بھی اس کو عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علمه من علمه وجهله من جهله" اور جریر کی روایت میں ہے "حفظه من حفظه ونسيه من نسيه" جس نے اس کو یاد رکھا، اس نے اس کو یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا، اس نے اس کو بھلا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاعرف مايعرف الرجل" یعنی جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور پھر اسے اچانک وہ چیز مل جائے تو اسے یاد آتا ہے کہ وہی چیز ہے جو گم ہو چکی تھی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات بتائے تھے تو جو صحابی ان میں سے کسی واقعہ کو بھول جاتا، پھر جب اس واقعہ کو رونما ہوتے دیکھتا تو اسے یاد آتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں مذکور ہے "حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک میں ضرور جانتا ہوں ہر وہ فتنہ جو میرے زمانہ سے لے کر قیامت تک واقع ہونے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں بیان فرمایا"۔

نیز امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ جو روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ "اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فتنہ کے قائد کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ دنیا ختم ہو جائے اور ان کے ساتھ تین سو صحابہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا نام بتایا"۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴۔۶۸۵، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

٦٦٠٥ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ وَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از سعد بن عبیدہ از ابی عبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی ہے اس کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے کہ وہ دوزخ میں ہوگا یا جنت میں ہوگا، پس صحابہ میں سے ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اسی لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تم عمل کرتے رہو، پس ہر ایک کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا گیا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:
پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ۝ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ۝ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ۝ (اللیل:۵۔۷)

(صحیح البخاری: ۱۳۶۲، ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۴۹۴۹، ۶۲۱۷، ۶۶۰۵، ۷۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۳۳۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۴، مسند احمد: ۱۰۷۰)

صحیح البخاری: ۶۶۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے ان الفاظ سے اخذ کی جاسکتی ہے کہ ''صحابہ کرام نے پوچھا: کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں؟'' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہمارے لیے جو کام مقدر کر دیے ہیں کیا ہم اسی تقدیر پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کرنے کو ترک کردیں!

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے اور ان کا ذکر کئی بار ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمزہ، ان کا نام محمد بن میمون السکری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن عبیدہ، یہ اسلمی الکوفی ہیں۔ یہ ابوعبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور وہ اس حدیث میں امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعبدالرحمٰن، یہ عبداللہ بن حبیب ہیں جو کبار تابعین میں سے ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے اس باب میں گزر چکی ہے "باب موعظة الرجل عند القبر" اور وہ حدیث اس سے زیادہ طویل ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے" یعنی "بقیع الغرقد" میں اور یہ اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ومعه عود" اور دوسری حدیث میں ہے "آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے زمین کرید رہے تھے"۔ اور منصور کی روایت میں ہے "معه مخصرة" اس کا معنی ہے: وہ عصا تھا یا لاٹھی تھی جس کو رئیس اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے تاکہ اس سے ٹیک لگائے۔
اس حدیث میں ہے "فقال رجل" امام مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ یہ مرد حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ تھے۔

تقدیر پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کرنے کی تلقین

اس حدیث میں مذکور ہے "الا نتکل؟" یعنی کیا ہم ان کاموں پر اعتماد نہ کرلیں جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہمارے لیے مقدر کر دیئے ہیں اور عمل کو ترک کر دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں! کیونکہ ہر ایک کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔
اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم پر واجب ہے شریعت کی متابعت کرنا اور حقیقت کی تحقیق کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ اور باطنی امر کی وجہ سے ظاہری امر کو ترک نہیں کیا جاتا۔ (عمدة القاری ج ۲۳ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: الْعَمَلُ بِالْخَوَاتِيمِ — عمل کا دار و مدار خاتمہ پر ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ انسان کے خاتمہ کے وقت جو عمل ہوتا ہے اسی پر اس کا اخروی انجام موقوف ہوتا ہے۔ "خواتیم" خاتمة کی جمع ہے، یعنی موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے کسی شخص کے اخروی حال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۳ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کا عنوان ہے "اعمال کا مدار خواتیم پر ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے متعلق جو خیر اور شر کا حکم لگایا ہے، پس وہ بندہ کے کسی کلمہ حق کی وجہ سے جو بندہ موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے کہتا ہے، اس کے کفر کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے برے کاموں کو بھی۔ اسی طرح مومن کے عمل ضائع کر دیئے جاتے ہیں جب اس کا خاتمہ کفر پر ہو۔ اسی طرح پوری شریعت کے اندر حکم موجود ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت کو پایا اس نے نماز کو پالیا۔ (صحیح البخاری

۵۸۰)اسی طرح فرمایا: جس نے صبح کی ایک رکعت کو پایا، اسی طرح جس نے عصر کی ایک رکعت کو پایا اس نے نماز کو پالیا۔
(صحیح البخاری:۵۷۹)

پس اللہ تعالیٰ نے نماز کے خاتمہ کے سبب سے پوری نماز کو مکمل فرما دیا۔ اسی طرح جس نے فجر سے پہلے عرفہ کی رات کو پالیا اور اس نے وقوف کرلیا تو اس نے حج کو پالیا۔ اور جو عمل اس سے فوت ہوگیا ہے وہ اس کو پالے گا۔ اسی طرح وہ بندہ جس نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس کو جلا دیا جائے یا اس کی راکھ کو فضاء میں منتشر کر دیا جائے تو وہ اپنے برے عمل کے خاتمہ سے ڈرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے برے عمل کی وجہ سے اس کو عذاب دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔ سو خاتمہ کا وقت ایسا وقت ہے جس میں گناہوں سے ضرر نہیں ہوتا اور نہ عبادت سے نفع ہوتا ہے، عبادت سے نفع اور برے کاموں سے ضرر اس وقت ہوتا ہے جب ان پر بندہ دوام کرے یہاں تک کہ اسی حال میں اس کے اوپر موت آئے۔ اس چیز پر علامہ المہلب مالکی نے متنبہ کیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۳۰۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۳۔ ۱۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

فجر اور عصر کی نماز کے سلسلہ میں فقہاء احناف کے مذہب کی وضاحت

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے اس شرح میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان کی ظاہر کے مطابق شرح کی ہے اور اس میں شافعی مذہب کو بیان کیا ہے، فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے فجر کی نماز کی ایک رکعت کو پایا اور پھر سورج طلوع ہوگیا تو اس کی وہ نماز باطل ہوگئی، کیونکہ فجر کی نماز کا پورا وقت کامل ہے، اس نے اس نماز کو شروع تو کامل وقت میں کیا اور ختم ناقص وقت میں کیا لہٰذا ادیٰ کما وجب نہیں ہوا، یعنی جس طرح وہ نماز اس پر واجب ہوئی تھی اس طریقہ سے وہ نماز ادا نہیں کی گئی۔ اور جس نے عصر کی نماز اس وقت شروع کی جب سورج پیلا پڑ چکا تھا اور اس کی نماز ختم ہونے سے پہلے سورج غروب ہوگیا تو اس کی نماز مکمل ہوجائے گی، کیونکہ جب اس نے عصر کی نماز شروع کی تو سورج پیلا پڑ چکا تھا اور وہ ناقص وقت ہے اور جب اس نے وہ نماز ختم کی تو اب سورج غروب ہو چکا تھا اور یہ بھی ناقص وقت ہے، لہٰذا ادیٰ کما وجب ہوگیا، یعنی جس طرح نماز اس پر واجب ہوئی تھی اسی طرح اس نے مکمل کر دی۔ رہا یہ کہ پھر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لڑکا اس وقت بالغ ہوا جب فجر کی نماز میں صرف ایک رکعت کا وقت تھا تو اس کے ذمہ اس نماز کی فرضیت ہوگئی، اسی طرح جو لڑکی اس وقت بالغہ ہوئی جب فجر کی نماز میں صرف ایک رکعت کا وقت باقی تھی اور سورج طلوع ہوگیا تو اس لڑکی پر بھی فجر کی نماز فرض ہوگئی اور یہ لوگ بعد میں اس نماز کی قضاء کریں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۶۰۶۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس مرد

حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَأَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ الَّذِي تَحَدَّثْتَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلَى ذَلِكَ إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ صَدَّقَ اللهُ حَدِيثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَإِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

کے متعلق فرمایا جو آپ کے ساتھ تھا اور اسلام کا دعویٰ کرتا تھا، آپ نے فرمایا: یہ اہلِ دوزخ سے ہے، پس جب جنگ شروع ہوئی تو اس مرد نے بہت شدید قتال کیا اور اس کو بہت زیادہ زخم آ گئے پھر بھی وہ ثابت قدم رہا۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نے آ کر آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ آپ نے جس مرد کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہے، اس نے تو اللہ کی راہ میں بہت زبردست قتال کیا ہے اور وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لیکن وہ اہلِ دوزخ سے ہے، پس قریب تھا کہ بعض صحابہ (آپ کی نبوت کے متعلق) شک میں پڑ جاتے، پس جس وقت وہ مرد اسی حال پر تھا اچانک اس مرد نے زخم کا بہت درد محسوس کیا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے ترکش کی طرف بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکالا اور اس تیر سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا، پھر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ارشاد کو سچ کر دکھایا، اس شخص نے ابھی اپنے اندر تیر کو گھونپ لیا اور اپنے آپ کو قتل کر لیا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ جنت میں صرف مومن داخل ہو گا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی کسی فاسق مرد سے بھی تائید فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۶۲، ۴۲۰۳، ۴۲۰۴، ۶۶۰۶، صحیح مسلم: ۱۱۱، مسند احمد: ۸۰۲۹، سنن دارمی: ۲۵۱۷)

صحیح البخاری: ۶۶۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جس مرد کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوا، اور اسی وجہ سے اس کو آپ نے اہلِ دوزخ میں شمار فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان بن موسیٰ، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک

المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد کے اس باب میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر مرد سے بھی فرماتا ہے اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خیبر" اس سے مراد ہے غزوۂ خیبر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کے متعلق فرمایا جو اسلام کا مدعی تھا"۔ اس مرد کا نام قزمان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جو اسلام کا مدعی تھا" یعنی زبان سے اسلام کے کلمات پڑھتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکثرت الجراح" یہ جراحۃ کی جمع ہے، یعنی اس مرد کو بہت زیادہ زخم لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاثبتته" یعنی اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ صابر و ساکت کھڑا ہوا تھا ثابت قدم تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان زخموں نے اس کو زمین پر گرا دیا تھا اور وہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکاد بعض المسلمین یرتاب" پس قریب تھا کہ بعض مسلمان شک میں پڑ جاتے۔ یعنی وہ اس وجہ سے شک میں پڑ جاتے کیونکہ انہوں نے اس وعید کو بہت سخت اور سنگین سمجھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاھوی بیدہ الی کنانۃ" یعنی اس مرد نے ترکش سے تیر نکال کر اپنے آپ کو کاٹ ڈالا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۰۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَجَعَلَ ذُبَابَةَ سَيْفِهِ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مُسْرِعًا فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ قُلْتَ لِفُلَانٍ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَيْهِ وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِنَا غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَا يَمُوتُ عَلَى ذَلِكَ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تھے، اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے ایک مرد سب سے زیادہ سخت لڑائی کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو شخص اہلِ دوزخ میں سے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہو تو وہ اس کو دیکھ لے، تو اسی حال میں صحابہ میں سے ایک شخص نے اس مرد کا پیچھا کیا، اور وہ مرد مشرکین پر بہت سختی سے حملے کر رہا تھا حتیٰ کہ زخمی ہو گیا، پھر اس نے اپنی موت کو جلد طلب کیا، پس اس نے اپنی تلوار کی نوک کو اپنے دو پستانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ وہ تلوار اس کے شانوں کے پاس سے نکل گئی، پھر وہ مرد دوڑتا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ

جُرِحَ اسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔

کے رسول ہیں، آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا: آپ نے فلاں شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ جو شخص اہل دوزخ میں سے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس کو دیکھ لے، حالانکہ وہ مرد مسلمانوں کی طرف سے بڑی بہادری سے جم کر لڑ رہا تھا، میں یہ سمجھا تھا کہ وہ اس حالت میں نہیں مرے گا، لیکن جب وہ زیادہ زخمی ہو گیا تو اس نے جلد مرنے کی خواہش سے اپنے نفس کو قتل کر لیا یعنی خودکشی کر لی۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک بندہ اہلِ دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ اہلِ جنت سے ہوتا ہے، اور ایک بندہ اہلِ جنت کے کام کرتا رہتا ہے اور وہ اہلِ دوزخ سے ہوتا ہے، اور اعمال کا دار و مدار صرف خاتمہ پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۸، ۴۲۰۲، ۴۲۰۷، ۶۴۹۳، ۶۶۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۲، مسند احمد: ۲۲۳۰۶)

صحیح البخاری: ۶۶۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری جملہ میں ہے جس میں ارشاد ہے کہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو غسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا من اعظم المسلمین غناء من المسلمین" یعنی ایک مرد مسلمانوں کی طرف سے اس طرح لڑ رہا تھا کہ وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے لڑنے میں کافی تھا۔ اس کا خلاصہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سختی سے لڑ رہا تھا۔

مذکورہ دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا کہ اس مرد نے ترکش سے تیر نکال کر اس تیر سے اپنے آپ کو نحر کر لیا یا کاٹ ڈالا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے اس نے تلوار کی نوک اپنے سینہ پر رکھی اور اپنے آپ کو اس تلوار پر گرا دیا حتیٰ کہ وہ تلوار آر پار ہو گئی۔ سو ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ترکش سے اپنے آپ کو کاٹنے کی کوشش بھی کی ہو اور تلوار کی نوک بھی اپنے سینہ پر رکھی ہو۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب دونوں حدیثوں میں ایک ہی قصہ کا بیان ہو۔ اور اگر یہ دو الگ الگ قصے ہیں تو پھر کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

خودکشی کرنے والے پر دوزخ کے عذاب کی وعید کی توجیہ

ان دونوں حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ اس شخص نے خودکشی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اہلِ دوزخ میں سے قرار دیا۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ خودکشی کرنا تو ایک گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کی وجہ سے انسان نہ ایمان سے نکلتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب اگر اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض اور شفاعت سے بخشا نہ گیا تو وہ اپنے گناہ کی سزا پا کر بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے، کیونکہ جو بندہ ایمان لایا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ایمان کی جزاء ضرور عطا فرمائے گا۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ جنت میں جانے کے بعد پھر دوزخ میں جائے۔ اس لیے لامحالہ وہ دوزخ میں اپنے اعمال کی سزا پانے کے بعد پھر جنت میں جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ○ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ○

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس مرد نے خودکشی کو جائز اور حلال سمجھ کر خودکشی کی ہو اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے، سو وہ اپنے کفر کی وجہ سے اہلِ دوزخ میں سے ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مرد منافق ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے نفاق کا وحی کے ذریعہ علم ہو، اس لیے آپ نے فرمایا کہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے۔

۶۔ بَابٌ: إِلْقَاءِ الْعَبْدَ النَّذْرِ إِلَى الْقَدَرِ — نذر کا بندہ کو تقدیر کی طرف راجع کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان الکشمیھنی کی روایت کے مطابق ہے، اور دوسروں کی روایت میں اس باب کا عنوان اس طرح سے ہے ''القاء العبد النذر'' یعنی بندہ کا نذر ماننا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ جب کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے نذر مانے یا کسی خیر کے حصول کے لیے نذر مانے تو اس کی نذر اس بندہ کو اس تقدیر کی طرف راجع کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محکم کر دیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کو بندہ اختیار کرتا ہے، پس جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہی چیز واقع ہوگی۔ اسی وجہ سے اس باب کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی۔ اور نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ اور جب کسی شخص نے اس کے خلاف اعتقاد رکھا تو اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں شریک بنایا اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہیں کیا وہ اس کو نافذ کرنے والا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی متوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: یہ تقدیر کے معاملہ میں سب سے واضح چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے تقدیر کو محکم بنا دیا ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ تقدیر ایسی چیز ہے کہ جس کو بندہ اپنے لیے اختیار کرتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ بخیل سے کسی ایسی چیز کو نکالے جو اس کو اس کی آخرت میں نفع دے یا اس کو دنیا میں نفع دے تو اس کے لیے ایک مخفی چیز کو سبب بنا دیتا ہے، یا اس کے لیے طمع بنا دیتا ہے، پس اس کو اس کا خوف یا اس کی طمع اس پر برانگیختہ کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی نذر مانے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے اس خوف کو دور کر دیا یا جس چیز کی اس کو طمع ہے وہ چیز اس کو عطا کر دی تو وہ غلام آزاد کرے گا یا صدقہ دے گا یا روزے رکھے گا۔ پس وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے اور اس کی مانی ہوئی نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو متغیر نہیں کرتی۔ اور اس سے اس مال کو نکالا جاتا ہے جس کی وہ سخاوت کرنے والا نہیں تھا۔ اگر وہ خوف نہ ہوتا جس سے وہ بھاگا ہے یا وہ طمع نہ ہوتی جس کی اس نے حرص کی ہے حتیٰ کہ وہ خوشی سے اس مال کو خرچ کرتا ہے جس کو اس سے پہلے وہ خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

نذر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی حکمت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے حالانکہ نذر نیک اعمال سے ہے، اور آپ نے شدت کے ساتھ جھڑکا ہے کہ بندہ یہ وہم کرے کہ وہ اپنے نفس سے نذر کی وجہ سے کسی ضرر کو دور کرتا ہے یا کسی نفع کو حاصل کرتا ہے یا نذر مان کر جو چاہے وہ اپنے لیے حاصل کر لیتا ہے، اور جب اس نے یہ اعتقاد کیا تو اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اللہ کا شریک قرار دیا اور یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر نہیں کیا ہے وہ اس کو اپنے اوپر نافذ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے بلند و برتر ہے۔
اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ دل کا ایسا اعتقاد رکھنا جس کا اعتقاد جائز نہیں ہے وہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا صدقہ سے، نماز سے اور روزہ سے اور حج سے اور باقی نیک کاموں سے کفارہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی نذر سے منع فرمایا ہے۔ ہر چند کہ نذر ماننا خیر ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے باہر نکل سکتا ہے۔ ہاں اگر اس قسم کا وہم نہ ہو اور نذر کے متعلق یہ عقیدہ نہ ہو اور بندہ کا یہ اعتراف ہو کہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو رد نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو خرچ کرنے کا ایک سبب بنا دیا ہے کہ وہ کسی چیز کے خوف سے نذر مان کر صدقہ کو نکالتا ہے، حالانکہ وہ صدقہ کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ پس اگر اس کا اعتقاد اس طرح نہ ہو تو اس کو نذر ماننے سے اجر ملے گا اور اس وقت نذر کا ماننا ممنوع نہیں ہو گا۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ آپ اپنی امت کو بتائیں کہ ان کو نذر کے متعلق کیا اعتقاد رکھنا چاہیے تاکہ ان کے اعمال ضائع نہ ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نذر کی تعریف اور نذر کے شرعی احکام

تنبیہ: واضح رہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ۔ (الحج:٢٩) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

نذر کی تعریف یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کر لو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی، اور تم یہ کہو: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ٢ ص ٦٣٠)

سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔ (صحیح البخاری:٦٦٩٧)

نذر صرف عبادتِ مقصودہ کی مانی جاتی ہے مثلاً آدمی نماز کی نذر مانے، کیونکہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے اور وضو کی نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ وضو کرنا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے بلکہ وضو کرنا تو نماز کی عبادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لیے وضو کرنے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔ نماز کی، روزہ کی، حج کی، صدقہ کی اور جہاد کی نذر ماننا صحیح ہے۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اولیاء اللہ کی نذر ماننے کا عدم جواز

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ١٠٨٨ھ لکھتے ہیں:

اکثر عوام فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر روپے، پیسے، موم بتیاں اور تیل لے جاتے ہیں، یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک ان پیسوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار ج ٢ ص ١٧٦، مطبع عثمانیہ استنبول، ١٣٢٧ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانتا ہے: ”اے سیدی! اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آیا یا میرا بیمار تندرست ہو گیا، یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں آپ کو اتنا سونا، چاندی، کھانا، موم بتیاں یا تیل دوں گا“۔ یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ میت کا تصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

اس نذر کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ نذر ماننے والا اللہ کی نذر مانے اور یوں کہے: ”اے اللہ! اگر میرا مریض شفایاب ہو گیا یا میرا گم شدہ شخص واپس آ گیا، یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں تیری نذر مانتا ہوں کہ میں (مثلاً سیدہ نفیسہ، یا امام شافعی، یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لیے چٹائیاں لے جاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لیے تیل یا

روپے پیسے لے جاؤں گا) نذر اللہ عزوجل کی ہو اور اولیاء کرام کا ذکر صرف نذر کا مصرف متعین کرنے کے لیے ہو، اور جو فقراء اولیاء اللہ کے مزارات یا مساجد پر اس امید سے بیٹھے ہوتے ہیں ان پر کچھ نذر کو خرچ کیا جائے، اس نذر کو غنی، عہدہ دار اور سادات کرام پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شریعت میں نذر کو اغنیاء پر صرف کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور منعقد نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی مزارات کے خادموں کے لیے اس نذر کا لینا جائز ہے الّا یہ کہ وہ فقراء ہوں اور ان کے اہل وعیال کسب سے عاجز ہوں۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۷۵، مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی کے قریب قریب عبارت ہے:

اکثر عوام اس طرح نذر مانتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان کے مزار کی چادر اٹھا کر کہتے ہیں: ''اے سیدی فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو مثلاً میں آپ کو اتنا سونا دوں گا''۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔ ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر مثلاً میرا بیٹا شفایاب ہوگیا تو میں مثلاً سیدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مسجد کے لیے چٹائیاں اور روشنی کے لیے موم بتیاں دوں گا، یا مسجد کے منتظم کو خرچ کے لیے پیسے دوں گا، یہ نذر صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کے مستحقین کے محل کو متعین کرنے کے لیے ہو تو پھر جائز ہے۔ لیکن اس نذر کو غیر فقراء پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ کسی ذی علم عالم پر، نہ شیخ کے خدام اور حاضرین پر، الا یہ کہ وہ فقراء ہوں۔ پس اولیاء اللہ کے مزارات پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو پیسے چڑھائے جاتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک ان پیسوں کو زندہ فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اکثر لوگ اس غلط کام میں مبتلاء ہیں۔ (النہر الفائق اور البحر الرائق میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے)۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۶، مطبع امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

۶۶۰۸ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از عبداللہ بن مرۃ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی، نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے (عبادت کو) نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان تھا کہ ''نذر بندہ کو تقدیر کی طرف لوٹاتی

ہے' اور کسی چیز کو رد نہیں کرتی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، وہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن مرہ، وہ الہمدانی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب النذور میں بھی روایت کی ہے از خلاد بن یحییٰ اور امام مسلم نے بھی اس کی کتاب النذور میں از اسحاق بن ابراہیم روایت کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اس کی کتاب النذور میں از عثمان بن ابی شیبہ روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب النذور میں از عمر بن منصور روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی الکفارات میں از علی بن محمد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی''۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نذر کا معنی ہے کسی عبادت کا التزام کرنا، پس یہ ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عبادت ممنوع نہیں ہے لیکن اس کا التزام کرنا ممنوع ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان اس نظر کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صدقہ بلاء کو ٹال دیتا ہے اور اس میں صدقہ کا التزام ہے تو پھر اس کو ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صدقہ بلاء کو ٹال دیتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صدقہ کا التزام کرنا چاہیے۔

التوضیح میں مذکور ہے کہ نذر ابتداءً جائز ہے اور اس کی تعلیق ممنوع ہے۔ گویا کہ بندہ یہ کہتا ہے کہ میں کوئی نیک کام نہیں کروں گا اے میرے رب! حتیٰ کہ تو میرے ساتھ کوئی نیک کام کرے۔ پس جب وہ یہ نذر منعقد کرلے گا تو اس کے اوپر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نذر ماننے کی ممانعت کے محامل اور توجیہات

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں نذر سے ممانعت کا ذکر بہت آیا ہے اور یہ نذر کی تاکید اور اس میں نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانا ہے، اور اگر اس سے مقصود نذر سے جھڑکنا ہوتا حتیٰ کہ نذر نہ مانی جائے تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا ہوتا اور اس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا، کیونکہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اور اس کا پورا کرنا لازم نہ ہوتا۔ اور ممانعت کی احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نذر ان کے مقصود کو جلد کھینچ کر نہیں لاتی اور نہ ان سے جلد کسی ضرر کو دور کرتی ہے اور نہ ان سے قضاء اور تقدیر کو ٹالتی ہے، تو گویا آپ نے فرمایا: تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر اس چیز کو حاصل

کرلو گے جو تمہارے لیے مقدر نہیں کی گئی۔ یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دور کر دو گے جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے، پس جب تم اس قسم کے اعتقاد سے نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اس نذر کو پورا کرو گے، کیونکہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، معالم السنن للخطابی مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۰)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

اس کا محل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی یا میرے گم شدہ آدمی کو لوٹا دیا تو میں ایک غلام آزاد کروں گا یا اتنی چیز صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اس نذر سے ممانعت کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے اس عبادت کو اپنی کسی غرض کے جلد پورا ہونے پر موقوف کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی نیت اس عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنی غرض پوری کرنے کے عوض میں اس عبادت کی نیت کی تھی۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اس کی وہ غرض پوری نہیں ہوئی تو پھر وہ اس عبادت کو نہیں کرے گا اور یہی حال بخیل کا ہوتا ہے، اس کے مال سے کوئی چیز اس وقت تک نہیں نکالی جا سکتی جب تک اسے اس چیز کا جلد معاوضہ حاصل نہ ہو جائے۔ اور اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: ''نذر کے سبب سے بخیل سے اس عبادت کو نکالا جاتا ہے جس کو بخیل نہیں نکالتا''۔ پھر اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد مل جاتا ہے کہ نذر اس کی غرض کے حصول کو واجب کر دیتی ہے، یا اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کی غرض کو پورا کر دیتا ہے۔ اور انہی دو علتوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں یہ اشارہ فرمایا ہے بے شک نذر اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی، اور یہ دونوں جہالتیں ہیں۔ البتہ پہلی جہالت کہ اللہ تعالیٰ پر غرض پورا کرنا واجب کر دیتی ہے کفر کے قریب ہے۔ اور دوسری جہالت یعنی اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کی غرض پوری کرتا ہے، اس کے اعتقاد میں خطاء صریح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو علماء کا معروف مذہب یہ ہے کہ نذر ماننا مکروہ ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جس کے حق میں اس فاسد اعتقاد کا خطرہ ہو، اس کا نذر ماننا حرام ہے۔ اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کا نذر ماننا مکروہ ہے۔ بہر حال جب بھی نذر مانی جائے خواہ وہ کسی طرح ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر کی وہ اس کی اطاعت کرے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۹۶) (المفہم ج ۴ ص ۶۰۶۔ ۶۰۷، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نذر ماننے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک اگر نذر اس فاسد اعتقاد کے ساتھ مانی ہے جس کی علامہ قرطبی نے تفسیر کی ہے تو پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے اور اگر اس نے اپنی عبادت کو کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس کی بیماری دور ہو جائے، لیکن اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اس نذر کی وجہ سے اس کا کام ضرور ہو جائے گا یا اس کی تقدیر بدل جائے گی تو پھر اس نذر کا ماننا مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہے، کیونکہ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر اس نے بغیر کسی شرط کے محض اللہ کی محبت میں اور اس کی عبادت کے شوق میں نذر مانی ہے مثلاً میں فلاں دن کا روزہ رکھوں گا، یا فلاں دن اتنے نفل پڑھوں گا یا اس سال حج کروں گا تو ایسی نذر کا ماننا مستحب ہے اور ایسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نذر کی تعریف و تحسین فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا۝ (الدہر:۷) جولوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اوراس دن سے ڈرتے ہیں جب اس دن کی گرفت یاعذاب چاروں طرف پھیل جائے گا○

قتادہ نے کہا: جولوگ نماز، روزہ، حج، عمرہ اور دیگر عبادات کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نذر مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ابرار رکھا ہے۔(جامع البیان جز۲۹ ص۲۵۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۶۶۰۹۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَأْتِ ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ قَدْ قَدَّرْتُهُ وَلَكِنْ يُلْقِيهِ الْقَدَرُ وَقَدْ قَدَّرْتُهُ لَهُ أَسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: نذر انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں مہیا کرتی جس کو میں نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو، لیکن تقدیر اس کو وہ چیز دیتی ہے جو میں (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کے لیے مقدر کر چکا ہوں، میں اس کے ذریعے بخیل سے مال نکالتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۴، سنن نسائی: ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۳، مسند احمد: ۷۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۶۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کیوں کہ حقیقت میں تقدیر پہنچاتی ہے اور بظاہر نذر پہنچاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن محمد، یہ ابومحمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام بن منبہ۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یکن قدرتہ" یہ صفت ہے، یعنی جس چیز کو میں نے بندہ کے لیے مقدر نہیں کیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ہے "قُدِّرَ بہ" لفظ مجہول غائب کے ساتھ، یعنی جو چیز اس کے لیے مقدر کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ
گناہوں سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کا معنی ذکر کیا جائے گا۔ اور "لَا حَوْلَ" کا معنی یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پھرنا اور باز آنا صرف اللہ تعالیٰ کی عصمت سے ممکن ہے اور "لَا قُوَّةَ" کا معنی ہے کہ نیکی کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتی ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے معاملات میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، اس کے پاس نہ برائی کو دور کرنے کا کوئی حیلہ ہے اور نہ نیکی کو حاصل کرنے کی کوئی قوت ہے سوائے اللہ عزوجل کے ارادہ کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقدور کے اوپر بندہ کی قوت کا خالق ہے اور جب وہ قدرت کا خالق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس مقدور چیز کا بھی خالق ہے، پس مقدور چیز بندہ کا کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ" (الانعام: ۱۰۲) (وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ (القمر: ۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے O

اور محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ یہ آیت اخیرہ اہلِ قدر کے رد میں نازل ہوئی ہے۔

بندہ کے خالقِ افعال نہ ہونے پر دلیل

مخلوق کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ قدریہ کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ سرکشی، ظلم اور فروج کے متعلق جو افعال ہیں وہ بندوں کی طاقت میں ہیں۔ اس کا ابطال یہ ہے کہ کبھی یہ افعال معطل ہو جاتے ہیں اور فعل کے صدور سے عاجز ہو جاتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ جو زنا کا ارادہ کرتے ہیں اور اپنے عضو کے ساتھ اس کی خواہش کرتے ہیں اور عضو میں کوئی آفت بھی نہیں ہوتی پھر بھی وہ زنا کے ارادہ کے وقت اپنا ارادہ پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اور اگر بندہ اپنے اعمال کا خالق ہوتا تو اس کے اعضاء اس کے ارادہ کے وقت عاجز نہ ہوتے اور اس کی شہوت کو پورا کرتے، پس اس سے ثابت ہوا کہ بندہ کی افعال پر قدرت نہیں ہوتی بلکہ قدرت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جب چاہتا ہے ان کے لیے افعال پیدا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے معطل کر دیتا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۶۱۰ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَجَعَلْنَا لَا نَصْعَدُ شَرَفًا وَلَا نَعْلُو شَرَفًا وَلَا نَهْبِطُ فِي وَادٍ إِلَّا رَفَعْنَا أَصْوَاتَنَا بِالتَّكْبِيرِ قَالَ فَدَنَا مِنَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ثُمَّ قَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد الحذاء نے خبر دی از ابوعثمان النہدی از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، پس ہم جب بھی کسی بلندی پر چڑھتے اور کسی بلندی پر بلند ہوتے اور جب بھی ہم کسی وادی میں نیچے اترتے تو ہم اپنی آوازوں کو بلند کر کے اللہ اکبر کہتے، انہوں نے بیان کیا: پس رسول اللہ ﷺ ہمارے قریب آئے پس فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کے اوپر نرمی کرو، تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے اور نہ کسی غائب کو پکار رہے ہو، تم اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا ہے بہت دیکھنے والا ہے، پھر آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تم کو ایک ایسے کلمہ کی تعلیم نہ دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے اور وہ ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(صحیح البخاری: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، مسند احمد: ۱۹۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان بعینہٖ حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان النہدی، یہ عبدالرحمن بن مل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، یہ حضرت عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الدعوات میں "باب الدعاء اذا علا عقبة" میں گزر چکی ہے، نیز یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی گزر چکی ہے "باب مایکرہ برفع الصوت بالتکبیر" میں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی غزاۃ" یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، اس سے مراد غزوۂ خیبر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "لا نصعد شرفا" شرف کے معنی بلند جگہ کے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھی من کنوز الجنة" یعنی ان کلمات کے پڑھنے کا ثواب بہت نفیس ہے اور اس کو خزانہ میں ذخیرہ کیا ہوا ہے جیسا کہ خزانہ میں نفیس چیزوں کو ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ "لاحول ولا قوة الا باللہ" پڑھنے سے بہت نفیس ثواب حاصل ہوتا ہے جو پڑھنے والے کے لیے جنت میں ذخیرہ کیا ہوا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸۔۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے آہستہ دعا کرنے کا استحباب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنے نفسوں پر نرمی کرنے کا حکم بطورِ شفقت دیا۔ اور صحابہ جو بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے اور جہاد میں جو کوشش کرتے تھے تو ان کا یہ تکبیر پڑھنا اور جہاد میں کوشش کرنا محض ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، کیونکہ معصیت سے پھرنا اور نیکی کی قوت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر قادر کر دے اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دے۔ اور بے شک جہاد میں اپنے نفسوں کو تلف کرنا اور بلند آواز سے تکبیرات پڑھنا اس لیے ہے تا کہ ان کو عظیم ثواب حاصل ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی دعا کہا جاتا ہے، کیونکہ جب صحابہ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: تم کسی بہرے سے دعا نہیں کر رہے اور نہ کسی غائب کو پکار رہے ہو، پس انہوں نے جو اللہ اکبر کہا اسے اللہ تعالیٰ سے دعا قرار دیا، کیونکہ وہ اس سے یہ ارادہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو حق کی شہادت سنائیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لاحول ولا قوة الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت میں مزید احادیث

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے معلم تھے، سو آپ جب بھی انہیں کسی نیکی کے حال میں دیکھتے تو آپ اس میں اضافہ کو پسند فرماتے، پس جب آپ نے یہ دیکھا کہ صحابہ نے کلمۂ اخلاص اور اللہ اکبر کے پڑھنے میں اپنی آوازوں کو بلند کیا تو آپ نے یہ چاہا کہ وہ اس کے ساتھ یہ ملا لیں کہ وہ از خود برائی سے باز رہنے اور نیکی کو حاصل کرنے سے بری ہیں۔ پس وہ توحید اور تقدیر پر ایمان کو جمع کر لیں اور حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب بندہ کہتا ہے "لاحول ولا قوة الا باللہ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ اسلام لایا اور اس نے میری اطاعت کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس حدیث کی امام حاکم نے از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سندِ قوی کے ساتھ روایت کی ہے اور ایک روایت میں مذکور ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابوہریرہ! کیا میں تم کو جنت کے خزانوں

میں سے کسی خزانہ کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم کہو "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرا بندہ اسلام لایا اور اس نے میری اطاعت کی"۔ اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے "ولا منجا ولاملجا من اللہ الا الیہ" یعنی اللہ سے نجات کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے اور اللہ سے پناہ کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے۔

امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج ہوئی تو آپ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ بہ کثرت جنت میں پودے اگائیں۔ انہوں نے پوچھا: جنت کے پودے کیا ہیں؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔ یعنی برے کاموں سے باز رہنا اور نیک کاموں کو کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابٌ: اَلْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ

معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے رکھے

عَاصِمٌ: مَانِعٌ

عاصم: کا معنی ہے: روکنے والا اور منع کرنے والا۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: سَدًّا عَنِ الْحَقِّ: يَتَرَدَّدُوْنَ فِي الضَّلَالَةِ

مجاہد نے کہا: حق سے رکاوٹ کا معنی ہے: وہ لوگ گمراہی میں بھٹکتے ہیں اور متردد رہتے ہیں۔

دَسّٰهَا: أَغْوَاهَا۔

دساھا کا معنی ہے: اس کو گمراہ کر دیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا "المعصوم من عصم اللہ" یعنی معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے رکھے بایں طور کہ اس کو ہلاکت میں واقع ہونے سے محفوظ رکھے۔ کہا جاتا ہے "عصمہ اللہ من المکروہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ سے بچایا اور محفوظ رکھا۔ اور مومنین کی عصمت اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت بطور وجوب ہے اور دیگر یعنی صحابہ اور اولیاء کرام کی عصمت بطور جواز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

عصمت کی تحقیق

عصمت کا لغوی معنی

علامہ محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عصمت کا معنی ہے: روک لینا، محفوظ رکھنا۔ عاصم کا معنی ہے: محفوظ رکھنے والا، حمایت کرنے والا۔ اعتصام کا معنی ہے: کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا، باز رکھنا۔ (النہایہ ج ۳ ص ۲۴۹، موسسہ مطبوعات، ایران، ۱۳۶۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کلامِ عرب میں عصمت کا معنی ہے روکنا، محفوظ رکھنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنی ہے: بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۴۰۳، نشر ادب الحوزۃ، ایران، ۱۴۰۵ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عصمتِ انبیاء کا معنی یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنا، پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا، پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔ (المفردات ص ۳۳۷، المکتبۃ الرضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

علماء اہل سنت کے نزدیک عصمت کا اصطلاحی معنی

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے، اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا وہ لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے باز رکھتا ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تا کہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔ اسی لیے امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔

ان تعریفات سے شیعہ اور بعض معتزلہ کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفسِ انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہو گا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کی مہارت کو عصمت کہتے ہیں۔ (حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶، مطبع یوسفی، لکھنو)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور نے بیان کیا کہ عصمت سے مکلف ہونا زائل نہیں ہوتا، یہ بات نہیں ہے کہ عصمت سے کسی کے نفسِ شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان میں کوئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی شخص سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا جس طرح اندھے کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا اور رعشہ والے کو سکون سے منع نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۴۷، مطبع مصطفی البابی و اولادہ، مصر، ۱۳۷۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے برخلاف حسین نجار معتزلی نے یہ کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(الشفاء ج ۲ ص ۱۲۵، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

علماء شیعہ کے نزدیک عصمت کا اصطلاحی معنی

شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی برا کام کرنا ممکن نہیں ہے، نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد، صغیرہ نہ کبیرہ۔

(التبیان ج ۱ ص ۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ نصیر الدین ابوجعفر محمد بن محمد الطوسی متوفی ۶۷۲ھ لکھتے ہیں:

اشاعرہ کے نزدیک عصمت عبادت پر قدرت اور معصیت پر عدمِ قدرت ہے۔ (شرح تجرید ص ۱۰۸)

دراصل یہ نظریہ بعض شیعہ کا ہے جس کو شیخ طوسی نے تلبیس کر کے اشاعرہ کی طرف منسوب کر دیا۔

عصمت انبیاء کے متعلق فقہائے اسلام کے نظریات اور مذاہب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے متعلق فقہاء اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں:

(۱) حشویہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہِ کبیرہ کا صدور جائز نہیں، البتہ عمداً گناہِ صغیرہ کا صدور جائز ہے، البتہ ان صغائر کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(۳) جبائی معتزلی کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً کبائر اور صغائر دونوں کا صدور جائز نہیں، البتہ تاویلاً جائز ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطاء کے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا لیکن ان سے سہو اور خطاء پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ یہ بعض شوافع کا مذہب ہے۔

(۵) رافضیوں کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی گناہ کا صدور جائز نہیں ہوتا، صغیرہ نہ کبیرہ، سہواً نہ عمداً، تاویلاً نہ خطاءً۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

عصمتِ انبیاء کے متعلق محققین کا مذہب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلانِ نبوت کے بعد گناہِ کبیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صغائر عمداً نہیں کرتے، البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۹۳، دار المعارف النعمانیہ، ۱۴۰۱ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:۔

ان شاء اللہ صحیح مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر عیب سے منزہ ہیں اور ہر اس چیز سے معصوم ہیں جس سے گناہ کا شک پیدا ہو۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۲۸، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

معصوم اور محفوظ میں فرق

دوسری اہم بحث یہ ہے کہ صحابہ کرام اور اولیاء اللہ ہمارے نزدیک معصوم نہیں ہیں بلکہ محفوظ ہیں، تو یہ جاننا ضروری ہے کہ معصوم اور محفوظ میں فرق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت کا ثبوت واجب ہے یا اس کا ثبوت قطعی ہے اور خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کے لیے عصمت کا ثبوت واجب نہیں ہے، یا ظنی الثبوت ہے اس لیے اس کو عصمت کی بجائے حفاظت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی عصمت یہ ہے کہ وہ نقائص سے محفوظ ہوں اور کمالاتِ نفیسہ، نصرتِ الٰہی، ثابت قدمی اور انزالِ سکینہ کے ساتھ مخصوص ہوں، انبیاء اور غیر انبیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت کا ثبوت واجب ہے (کیونکہ یہ قطعی الثبوت ہے) اور غیر انبیاء کے حق میں جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۰۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ملائکہ کی عصمت کا بیان

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور مشکل کاموں کی طاقت رکھتے ہیں، وہ عبادٌ مکرمون ہیں، ہمیشہ اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور تذکیر و تانیث کے ساتھ متصف نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان ان کی عصمت میں اختلاف ہے۔ جو علماء عصمتِ ملائکہ کے قائل ہیں ان کا استدلال ان آیات سے ہے:

وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (النحل: ۴۹۔۵۰)

وہ فرشتے تکبر نہیں کرتے O وہ اپنے اوپر اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں اور جس کام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں O

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ (الانبیاء: ۱۹۔۲۰)

وہ اس کی عبادت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں O رات اور دن اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، (اور ذرا) سستی نہیں کرتے O

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر انبیاء علیہم السلام سے العیاذ باللہ گناہ صادر ہوں تو ان کی اتباع حرام ہے حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا

ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (آل عمران:۳۱)

آپ کہیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۲) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو العیاذ باللہ ملامت کرنا جائز ہوگا، اور اس سے نبی کو ایذاء پہنچے گی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الاحزاب:۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلَص بندے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۞ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص:۴۵-۴۶)

ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو قوت اور نگاہِ بصیرت والے ہیں ○ ہم نے ان کو مخلَص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلَصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۞ (ص:۸۲-۸۳)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلَص ہیں ○

(۴) گناہ گار لائق مذمت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عزت افزائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۞ (ص:۴۷)

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ بندوں میں سے ہیں ○

(۵) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، اگر بالفرض وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ (صف:۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ○

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:۲۶-۲۷)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب کو کسی پر (بذریعہ وحی) ظاہر نہیں فرماتا ○ سوا ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔

(۶) انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریقِ اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوتے، فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت عطا فرمائی

ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران: ۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ○

(۷) اگر انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا واجب ہوگا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنا واجب ہے اور دوسرے دلائل سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا حرام ہے، سو لازم آئے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں بھی اور نہ بھی کریں، اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو ہمارے اعمال کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور بہترین نمونہ تبھی ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نیک اعمال پر مشتمل ہو، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱)

بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا اجمالی جواب

قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بعض ایسے افعال صادر ہوئے جو بہ ظاہر گناہ تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ سے کھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو گھونسا مار کر مار ڈالنا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین ظاہری جھوٹ بولنا، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی اعتراضات ہیں۔

ان سب کا جواب یہ ہے کہ یہ امور انبیاء علیہم السلام سے بطور اجتہاد صادر ہوئے یا انہوں نے بھول کر ایسے کام کیے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد نہیں کیا۔ اور یہ امور حقیقتاً گناہ اور معصیت نہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کا بیان

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ آپ سے مطلقاً گناہوں کا صدور نہیں ہوا، کبیرہ نہ صغیرہ، بعثت سے پہلے نہ بعثت کے بعد، سہواً نہ عمداً، صورتاً نہ حقیقتاً۔ البتہ حکمتِ تبلیغ اور احکام کی مشروعیت بیان کرنے کے لیے آپ سے بہ ظاہر بعض ایسے کاموں کا صدور ہوا جو فی نفسہٖ خلافِ اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی ہیں۔ مثلاً آپ نے زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پیا اور بعض کاموں سے آپ نے منع فرمایا اور پھر ان کاموں کو کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ کام فی نفسہٖ جائز ہیں حرام یا مکروہِ تحریمی نہیں ہیں، مثلاً آپ نے فصد لگانے کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور آپ نے خود فصد لگوا کر اس کی اجرت عطا فرمائی۔ ہر چند کہ اگر آپ خود عمل نہ کرتے اور ان کاموں کا صرف جائز ہونا بتا دیتے تب بھی مسئلہ معلوم ہو جاتا لیکن آپ نے اس لیے ان کاموں کو کیا تاکہ امت کو آپ کی اقتداء کا شرف حاصل ہو جائے اور ہر کام کے لیے آپ کا نمونہ مہیا ہو جائے۔ لیکن ان کاموں کا کرنا کسی قسم کا گناہ نہیں ہے صورتاً نہ حقیقتاً، کیونکہ مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کا ارتکاب نہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے نہ صغیرہ۔ اور چونکہ احکام شرعیہ کی تعلیم اور مسائل کا جواز یا عدمِ جواز بیان کرنا فرائضِ نبوت سے ہے، اس لیے ان کاموں پر بھی آپ کو وہی اجر و ثواب ملے گا جو فرض پر عمل کرنے کا اجر و ثواب ہوتا ہے۔ اور یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن کاموں کو خلافِ اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی کہا جاتا ہے، ان کا خلافِ

اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی ہونا امت کے اعتبار سے ہے، یعنی اگر امت ان کاموں کو کرے تو وہ کام مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کہلائیں گے اور آپ نے جو ان کاموں کو کیا تو آپ کے اعتبار سے وہ کام مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ نہیں ہیں بلکہ ان کاموں کو کر کے ان کا جواز بیان کرنا اور امت کو شرف بالاقتداء کا موقع فراہم کرنا اور ہر عمل کے لیے اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا فرائضِ نبوت ورسالت سے ہے اور آپ کو ان کاموں کے کرنے پر فرض کا اجر وثواب ملے گا۔

یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کام صورتاً بھی گناہ نہیں ہے، کیونکہ گناہ کی تعریف یہ ہے کہ قصد اور ارادہ سے حرام یا مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کیا جائے یا قصداً فرض یا واجب کو ترک کیا جائے۔ آپ نے کسی فرض یا واجب کو ترک کیا نہ حرام یا مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کیا قصداً نہ سہواً، اس لیے آپ کا کوئی فعل حقیقتاً گناہ ہے نہ صورتاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات اجتہادی خطا بھی ہوئی لیکن اس اجتہادی خطاء کے نتیجہ میں بھی زیادہ سے زیادہ بہ ظاہر خلافِ اولیٰ یا خلافِ افضل کام کا صدور ہوا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (التوبہ: ۴۳)

اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ (عذر پیش کرنے میں) سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے ۝

غزوۂ تبوک بہت مشکل اور دشوار تھا، تبوک کا سفر بہت دور تھا اور مسلمانوں کے پاس خوراک کی کمی اور جنگ کے ساز وسامان کی بہت قلت تھی۔ اس غزوہ میں منافقین آپ کے ساتھ نہیں گئے، بعض منافقین نے تو بعد میں جھوٹے حیلے بہانے کر لیے اور قسمیں کھائیں کہ وہ اس سفر میں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور بعض نے آپ سے اس غزوہ میں نہ جانے کی پیشگی اجازت حاصل کر لی تھی۔

منکرین عصمت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے ان منافقین کو اجازت دے دی تھی اور آپ کا یہ فعل گناہ تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی گرفت کی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل گناہ اس وقت ہوتا جب پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اجازت دینے سے منع کیا ہوتا، اور آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود ان کو اجازت دے دیتے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اس سے منع نہیں کیا تھا تو یہ گناہ کیسے ہو گیا؟ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کوئی نص نہ ہو اس کا کرنا یا نہ کرنا آپ کی صوابدید اور اجتہاد پر موقوف ہوتا ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آپ کے اجتہاد کی تائید فرما دیتا ہے یا اجتہادی خطاء پر تنبیہ فرما دیتا ہے، اس لیے آپ کا غزوۂ تبوک میں منافقین کو نہ جانے کی اجازت دینا یہ اجتہادی خطاء ہے اور زیادہ سے زیادہ ترکِ اولیٰ ہے۔ اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ سے کمالِ محبت یہ ہے کہ ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' پہلے فرمایا اور اجتہادی خطاء پر تنبیہ بعد میں فرمائی۔ نیز محاوراتِ عرب میں ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' ایک محبت آمیز کلمہ ہے، اس کا محلِ استعمال یہ نہیں ہے کہ کسی نے کوئی جرم کیا ہو اور اس کی معافی کے اظہار کے لیے ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' کہا جائے۔

امام رازی، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجازت دینے کو اجتہادی خطاء اور ترکِ افضل پر

محمول کیا ہے اور ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ کلمہ ثنا ہے۔

تنبیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات آپ سے اجتہادی خطاء واقع ہو جاتی تھی، اس کے صرف دو واقعات ہیں:

ایک تو غزوۂ تبوک میں منافقین کو تبوک میں نہ جانے کی اجازت دینے کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ سب آپ کے قبیلہ کے لوگ اور آپ کے رشتہ دار ہیں، ہوسکتا ہے یہ اسلام لے آئیں یا ان کے بعد ان کی نسل سے ان کی اولاد اسلام لے آئے تو آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ یارسول اللہ! یہ اسلام کے دشمن ہیں ان کو آپ قتل کر دیں۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایک آیت نازل فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ان سے فدیہ لے کر انہیں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، وہ آیت درج ذیل ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ۶۷-۶۸)

کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح کافروں کا خون بہا دیں، تم لوگ (اپنے لیے) دنیا کا مال چاہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بڑا غالب بہت حکم والا ہے ○ اگر پہلے سے اللہ کی طرف سے (معافی کا حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے (کافروں سے) جو (فدیہ کا مال) لیا تھا اس میں تمہیں ضرور بڑا عذاب پہنچتا ○

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو قید کرنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے ان کا خون بہا دیا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگِ بدر کے دن صحابہ نے ستر کافروں کو قتل کیا تھا اور اب خون بہانے کو یہ لازم نہیں ہے کہ تمام کافروں کو قتل کر دیا جائے، سو کفار کو قتل کرنے کے بعد ان کو قید کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے ہوسکتی ہے جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً۔ (محمد: ۴)

پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو (ان کی) گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم اچھی طرح ان کا خون بہا چکو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو، پھر ان کو محض احسان کر کے رہا کر دو یا فدیہ لے کر۔

اگر یہ سوال ہو کہ جب صحابہ نے جائز کام کیا تھا تو پھر اس آیت میں یہ کیوں فرمایا: ''اگر پہلے سے ان کی معافی کا حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان کے فدیہ لینے پر ان کو عذاب پہنچتا؟''

امام رازی اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ زمین میں اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کیا جا سکتا ہے اور کفار کو قتل کرنے کی کوئی مقدار نہیں بتائی گئی اس لیے یہ مسئلہ اجتہادی کی طرف راجع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظنِ غالب یہ تھا کہ ستر افراد کو قتل کر دیا گیا ہے اس سے زمین میں خون بہانے کا منشا پورا ہو گیا، جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی اس قدر خون ریزی نہیں ہوئی تھی، سو جس معاملہ میں کوئی صریح نص نہیں تھی اس میں آپ نے اجتہاد کیا اور اجتہاد میں خطاء واقع ہوئی اور اجتہادی خطاء گناہ یا معصیت نہیں ہے، اس میں آپ معذور ہیں بلکہ ماجور ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۸۷۔۳۸۸، دارالفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نیز الانفال: ۶۷ میں ارشاد ہے: ''تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ'' (یعنی تم لوگ اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے)۔ اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع کی وجہ سے فدیہ کی رائے دی تھی اور فدیہ لینے پر جو عذاب دینے کا ذکر ہے وہ بھی ان ہی سے متعلق ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں جو مذکور ہے کہ جب صحابہ نے فدیہ لے لیا تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے رونے کا سبب بتایئے تاکہ میں بھی روؤں، ورنہ رونے کی شکل بنالوں، آپ نے فرمایا: مجھ پر ان لوگوں کا (فدیہ لینے والوں کا) عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت کے قریب ہی ایک درخت تھا کہ قریب پہنچ گیا، اگر آسمان سے یہ عذاب آتا تو عمر اور سعد بن معاذ (انہوں نے بھی قتل کا مشورہ دیا تھا) کے سوا فدیہ لینے والوں میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ (مسند احمد: ج ۱ ص ۳۱، دارالفکر، بیروت)

سو مسند احمد کی یہ روایت بھی ان ہی لوگوں سے متعلق ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طلب کی وجہ سے فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا وہ دنیا کی وجہ سے نہیں بلکہ آخرت کی وجہ سے دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اس مشورہ کو قبول کیا تھا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور دوسرے آخرت کا ارادہ کرنے والے صحابہ کا اس عذاب کی وعید سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس وعید کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے مالِ دنیاوی کی طمع سے فدیہ کی رائے دی ہے اور شاید یہ وہ لوگ ہوں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

الحمد للہ رب العالمین! ہم نے عصمت کی تحقیق میں، عصمت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیا، اور عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات بیان کئے اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر جو اعتراض ہو سکتے ہیں ان کے جوابات دیئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کا معنی بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر جو ظاہری اجتہادی خطاء سے اعتراض ہو سکتے تھے ان کے جوابات لکھے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے موافقین کے لیے اسلام پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے: ''عاصم'' کا معنی ہے: ''مانع''۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ (ہود: ۴۳) آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس

پر (خود) اللہ رحم فرمائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس آیت میں ''عاصم'' کا معنی ہے: اللہ کے عذاب کو روکنے والا اور اس کے عذاب کو منع کرنے والا۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ مجاہد نے کہا: ''سدا عن الحق'' اس کا معنی ہے: وہ گمراہی میں متردد رہتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ⑯ (القیامۃ:۳۶) کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟O

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ یہ لفظ ''سُدًا'' ہے (یعنی دال پر تشدید اور اس کے بعد الف ہے) اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو از ورقاء از ابن نجیح درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ⑨ (یٰس:۹) ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی، سو ہم نے ان کو ڈھانپ لیا، پس وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حق کے سامنے ان کے لیے ایک دیوار کھڑی کر دی۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اور میں نے صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں دیکھا یہ لفظ ''سُدًی'' ہے (یعنی دال مخفف اور الف مقصور ہے)۔ علامہ کرمانی کی شرح بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اور میں نے صحیح البخاری کے کسی نسخہ میں صرف اسی کو دیکھا ہے جس کو میں نے وارد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کا آخر، اول کے خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ میں نے صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں ''سُدًی'' دال کی تخفیف کے ساتھ دیکھا ہے، پھر یہ بھی کہا ہے کہ میں نے صحیح البخاری کے نسخہ میں صرف اسی کو دیکھا ہے جس کو میں نے وارد کیا ہے یعنی ''سُدًّا'' دال کی تشدید کے ساتھ۔ اس کے باوجود حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری کے تمام نسخوں پر مطلع نہیں ہیں اور ان کا کلام بھی اسی صورت پر متصور ہے کہ انہوں نے اپنے شہر کے نسخوں کو دیکھا، لیکن صحیح البخاری کے وہ نسخے جو کرمان میں، بلخ میں اور خراسان میں ہے، پس کیسے متصور کیا جائے گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کو ان نسخوں پر بھی اطلاع ہو گئی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے یہ کہا تھا کہ علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا ''اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ؀'' (القیامۃ: ۳۶)، یعنی انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور وہ گمراہی میں متردد رہے گا۔ لیکن جس کے متعلق انہوں نے ذکر کیا ہے، اس کو انہوں نے بعض نسخوں میں دیکھا ہے وہ صرف لفظ ''سدی'' ہے جس میں یاء پر تخفیف ہے اور آخر میں یاء ہے، پس تناقض کہاں ہے؟ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۳، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے تیسری تعلیق میں لکھا ہے: ''دساها'' کا معنی ہے: ''اغواها'' یعنی اس کو گمراہ کر دیا۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ؀ (الشمس: ۱۰) اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا O

امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ از مجاہد اور سعید بن جبیر ''دَسّٰهَا'' کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ''دَسّٰهَا'' کا معنی ہے ''اغواها'' (یعنی اس کو غوی کر دیا)۔ اور دوسرے نے کہا: اس کا معنی ہے ''اضلها''۔ (یعنی اس کو گمراہ کر دیا۔)

علامہ کرمانی نے کہا: ان دونوں آیتوں کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں اور برے کاموں سے نہ بچائے، یا تو وہ لغو اور بے فائدہ ہو گا اور یا گمراہ ہو گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ''دَسّٰهَا'' کے فاعل سے اخذ کی جائے گی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ''دَسّٰهَا'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، یعنی وہ صاحبِ نفس کامیاب ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کر دیا اور وہ صاحبِ نفس ناکام ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے بے راہ کر دیا۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا فاعل صاحب النفس ہے، یعنی جب صاحبِ نفس نے اطاعت کے فعل کیے تو اس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر دیا اور جب اس نے نافرمانیوں کے فعل کیے تو اس نے اپنے نفس کو بے راہ کر دیا اور پہلی تفسیر باب کے عنوان کے مناسب ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: دونوں تفسیروں کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ برائیوں اور گناہوں سے نہ بچائے تو وہ لغو اور بے کار ہو گا اور وہ بے راہ ہو گا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۶۱۱ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا اسْتُخْلِفَ خَلِيفَةٌ إِلَّا لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از

عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ۔

(صحیح البخاری: ۷۱۹۸، سنن نسائی: ۴۲۰۲، مسند احمد: ۱۰۹۴۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص کو بھی خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو مشورہ دینے والے ہوتے ہیں، ایک مشیر اس کو نیکی کا مشورہ دیتا ہے اور نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور دوسرا مشیر اس کو برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی پر برانگیختہ کرتا ہے اور معصوم وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ برائی سے بچائے رکھے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری حصہ میں ہے، کیونکہ آخری حصہ میں مذکور ہے ''معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ برائی سے بچائے رکھے'' اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بطانتان'' یہ ''بطانة'' کا تثنیہ ہے اور بطانة کا لغوی معنی ہے: داخلی معاملات کو جاننے والے اور یہاں مراد ہے مشاور، اور یہ اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یحضه'' اس کا معنی ہے ''یحصه'' یعنی اس کو برانگیختہ کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وبطانة تامره بالشر'' علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ تامرہٗ کے لفظ میں یہ دلیل ہے کہ امر اور حکم دینے میں علو کی اور استعلاء کی شرط نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۹۵)

اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا حق کو قبول کرنا محال ہے O

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: ۳۶)

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں O

وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: ۲۷)

اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے۔

وَقَالَ مَنْصُورُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَحِرْمٌ بِالْحَبَشِيَّةِ وَجَبَ۔

اور منصور بن نعمان نے کہا از عکرمہ از ابن عباس کہ ''حِرْمٌ'' کا حبشی زبان میں معنی ہے ''واجب ہے''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے جو ان آیات کو عنوان کے بعد ذکر کیا ہے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ ایمان اور کفر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں اور ابوذر کی روایت میں ہے ''حَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ...... الآیۃ'' اور دوسروں کی روایت میں ہے ''وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ...... الآیۃ'' اور یہ دونوں قراءتیں مشہور ہیں۔ پس اہل حجاز، بصرہ اور شام نے پڑھا ''حرام'' اور اہل کوفہ نے پڑھا ''حُرْم''۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ منصور بن نعمان نے کہا از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ''حِرْمٌ'' کا معنی حبشی زبان میں ہے ''وجب''۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیق میں منصور بن نعمان الیشکری البصری کا ذکر ہے، یہ مرو میں رہے اور پھر بخارا میں رہے۔ اور صحیح البخاری میں ان کی صرف اسی جگہ روایت ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: منصور بن نعمان تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن علماء نے بیان کیا کہ ان کا صحیح نام منصور بن المعتمر السلمی الکوفی ہے اور اس تعلیق کو امام ابوجعفر نے از ابن قہزاد از ابی عوانہ روایت کیا ہے، اسی طرح صاحب التلویح یعنی علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے اور ان کی اتباع صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، نے کی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: میں ابوجعفر طبری کی تفسیر میں اس تعلیق پر واقف نہیں ہوا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری میں اصل اور مکمل عبارت

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

میں اس تعلیق پر موصولاً واقف نہیں ہوا۔ اور میں نے علامہ مغلطائی کی عبارت میں پڑھا اور اس کی اتباع ہمارے شیخ ابن ملقن اور دیگر شارحین نے کی ہے، پس انہوں نے کہا کہ امام ابوجعفر نے از ابن قہزاد از ابی عوانہ ان سے روایت کی ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: میں امام ابوجعفر طبری کی تفسیر میں اس پر واقف نہیں ہوا اور یہ تعلیق ابوجعفر طبری کی تفسیر میں ہے اور عبد بن حمید کی تفسیر میں ہے اور ابن ابی حاتم کی تفسیر میں ہے اور ان سب نے از داؤد بن ابی ہند از عکرمہ از حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں اس تعلیق کی روایت کی ہے: ''وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝'' (الانبیاء: ۹۵)، حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے "وجب"۔

اور از طریق سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، انہوں نے کہا کہ "حرام" کا معنی ہے "عزم"۔

اور از عطاء از عکرمہ روایت ہے "حرام" کا معنی حبشی زبان میں ہے "وجب"۔ اور پہلی سند کے ساتھ یہ قول ہے "انهم لایرجعون" یعنی ان میں سے کوئی توبہ کرنے والا توبہ نہیں کرے گا۔ امام طبری نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان سب کو ہلاک کر دیا گیا کیونکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، پس وہ کفر سے رجوع نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ یہ کفار جو ہلاک ہو گئے ان پر محال ہے بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں لوٹیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ جگہ ان سب کا احاطہ کرنے کی نہیں ہے۔ اور پہلا قول زیادہ قوی ہے اور امام بخاری کی اس باب کے عنوان میں وہی مراد ہے۔ اور اسی کے مطابق امام بخاری نے آثار اور حدیث کی روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یہ محض طعن اور تشنیع ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس پر واقف نہ ہونا (کہ یہ تعلیق تفسیر طبری میں مذکور ہے) اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے اس پر واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور تفسیر طبری کے نسخے بہت زیادہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے کہ تفسیر طبری کے نسخے بہت زیادہ ہیں، کیونکہ دیارِ مصریہ میں بعد بحث اور تتبع کے ہمارے علم میں تفسیر طبری کا صرف ایک کامل نسخہ ہے اور ان دیار میں دو نسخے ناقص ہیں اور بعض لوگوں کے ہاتھوں میں اس کے اجزائے متفرقہ ہیں اور علامہ عینی کا یہ دعویٰ کرنا بھی باطل ہے کہ اس میں زیادتی اور کمی کا اختلاف ہے۔ واللہ المستعان

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: "حِرْمٌ" کا معنی حبشی زبان میں ہے "وجب"۔

یعنی لغتِ حبشیہ میں "حِرْمٌ" کا معنی "وَجَبَ" ہے۔ اور عکرمہ کے علاوہ دوسروں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان کفار پر واجب ہے کہ وہ توبہ نہیں کریں گے۔ اور یہ اللہ عزوجل کی اس آیت کی تفسیر میں ہے:

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝ اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا حق کو قبول کرنا محال ہے ۝ (الانبیاء: ۹۵)

اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں "لا" زائد ہے اور وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہاں پر "حرام" اپنے معنی میں ہے۔ اور بصریوں نے اس آیت میں "لا" کے زائد ہونے کا انکار کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ان کے کسی عمل کا مقبول ہونا حرام ہے، کیونکہ وہ رجوع نہیں کریں گے یعنی توبہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح الزجاج نے کہا ہے۔ اور ایک اور قول

یہ ہے کہ "الحرام" کا معنی ہے "الممتنع"۔ پس اس آیت کا معنی ہے: ان پر دنیا میں لوٹنے کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اور المہلب نے کہا: ان پر واجب ہے کہ وہ توبہ نہ کریں۔ "حِرْمٌ اور حَرَامٌ" کا ایک معنی ہے۔ اور اصل میں اس کا معنی یوں ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا اس کا کفر سے توبہ کرنا اور رجوع کرنا حرام ہے اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ہود:۳۶)

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

یعنی قوم نوح کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز مقدم ہے کہ ان میں سے کوئی اور ہرگز ایمان نہیں لائے گا سوا ان کے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ (نوح:۲۷۔۲۶)

اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے O

اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ایمان کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۰۔۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۲۔ حَدَّثَنِی مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِیهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَی ابْنِ آدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰی وَتَشْتَهِی وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ یُكَذِّبُهٗ وَقَالَ شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِیهِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود بن غیلان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں جو "لمم" (چھوٹے چھوٹے گناہ) کا لفظ ہے، تو میں "لمم" کے مشابہ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں جانتا جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اس کے زنا کا حصہ لکھا دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا۔ پس آنکھ کا زنا (اجنبی عورت) کو دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا (اجنبی عورت سے) باتیں کرنا ہے، اور نفس تمنا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔ شبابہ نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۳، ۶۶۱۲، صحیح مسلم: ۲۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۲، مسند احمد: ۷۶۶۲)

صحیح البخاری: ۶۶۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ان آیات سے ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ازل میں لکھی ہوئی تقدیر سے خارج نہیں ہے۔ اسی طرح اس باب کی حدیث ہے کہ زنا اور اس کے محرکات یہ سب بندہ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں اور ازل میں جو تقدیر لکھی ہوئی ہے اس سے یہ خارج نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن غیلان، (غَیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء پر جزم ہے)۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرزاق، یہ ابن ہمام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، اور وہ عبداللہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے کسی چیز کو "لَمَم" سے زیادہ مشابہ نہیں پایا۔

"لَمَم" میں لام اور میم دونوں پر زبر ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو نفس کی شہوات واقع ہوتی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا اور اجنبی عورتوں سے باتیں کرنا یہ بھی "لمم" ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ یہ معاف ہیں۔ اور اللہ کی کتاب میں ان کے استثناء کا ذکر ہے اور وہ یہ آیت ہے:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ (النجم: ۳۲) جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، ماسوا چھوٹے چھوٹے گناہوں کے۔

اجنبی عورتوں سے گفتگو اور ان کے دیکھنے کو زنا قرار دیا، کیونکہ ان سے باتیں کرنا اور ان کو دیکھنا زنا کے محرکات سے ہے۔ اور اس کی حقیقت فرج میں دخول ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ "لمم" کا معنی ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرے اور دوبارہ ان گناہوں کو نہ کرے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ "جو بھی زنا سے کم درجہ کا گناہ ہو وہ "لمم" ہے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے"۔ یعنی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں آنکھیں نظر سے زنا کرتی ہیں اور دونوں ہونٹ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا اجنبی عورت کو بوسا دینا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (اجنبی عورت کو) چھونا ہے اور دونوں پیر زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (اجنبی عورت کی طرف) چل کر جانا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان چیزوں کو زنا فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں زنا کرنے کی محرکات ہیں۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے''۔یعنی جب انسان نے کسی اجنبی عورت کو دیکھا اور اس سے زنا کرنے کی تمنا کی اور وہ زنا کرنے پر قادر ہوا تو اس کی شرمگاہ اس کے زنا کرنے کی تصدیق کر دیتی ہے اور اگر وہ اس سے باز آیا اور اپنے رب سے ڈرا تو اس کی شرمگاہ اس زنا کی تکذیب کر دیتی ہے اور اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔
اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ تصدیق اور تکذیب کرنا تو خبر کی صفت ہے؟
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تصدیق اور تکذیب کا یہاں پر اطلاق بر بناء تشبیہ ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''شبابہ نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از ابن عباس از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم''۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: ''شَبَابه'' میں شین پر زبر ہے اور پہلی باء مشدد نہیں ہے اور یہ ابن سوار الفزاری ہیں، ان سے محمود نے روایت کی ہے اور ورقاء ''الاورق'' کی تانیث ہے، یہ ابن عمر الخوارزمی ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے۔
امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ طاؤس نے یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی سنا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی سنا ہے۔اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سننے کے بعد اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔اس تعلیق کی صاحب تلویح (علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ ھ) نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، پس انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کی روایت امام طبرانی کی المعجم الاوسط میں دیکھی ہے، پس انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المنادی نے حدیث بیان کی، پھر اس تعلیق کا ذکر کیا۔اور علامہ مغلطائی کی اتباع صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ) نے بھی کی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: میں نے المعجم الاوسط کا مطالعہ کیا اور اس میں اس تعلیق کو نہیں پایا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل عبارت اس طرح ہے:
میں نے اس کی طرف کتاب الاستئذان کے اوائل میں اشارہ کیا ہے اور اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کا اختلاف بیان کیا ہے اور میں شبابہ کی اس روایت کے موصول ہونے پر واقف نہیں ہوا اور میں نے اس کو علامہ مغلطائی کی عبارت میں دیکھا اور ہمارے شیخ ابن الملقن نے ان کی اتباع کی ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو سند موصول کے ساتھ المعجم الاوسط میں از عمرو بن عثمان از ابن المنادی روایت کیا ہے، پھر میں نے المعجم الاوسط کو دیکھا تو اس میں اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ نہیں پایا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت پر رد

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ صاحب التلویح نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی امام طبرانی سے روایت کی ہے اور صاحب التوضیح نے ان کی اتباع کی ہے جو کہ اس قائل کے استاذ ہیں اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر (یعنی جس نے کسی حدیث کا اثبات کیا ہو وہ اس پر مقدم ہے جس نے اس کی نفی کی ہے) لیکن تعصب کی رگ پھڑکتی ہے اور اپنے صاحب کو اس شخص کی تنقیص کی طرف پہنچاتی ہے جو علم، عمر اور شرف میں اس سے بڑا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۱-۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا ذکر کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا جواب نہیں لکھا۔

علامہ البوصیری نے کہا ہے: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا حسنِ ادب ہے اور ان کا کلامِ لطیف ہے اور انہوں نے جو کہا کہ انہوں نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ المعجم الطبرانی میں نہیں پایا، یہ ان کی انتہائی تواضع ہے ورنہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ علامہ مغلطائی کو یہاں پر وہم ہوا ہے اور علامہ عینی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد کے درپے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ وہ بتاتے کہ امام طبرانی نے اپنی المعجم میں کس جگہ اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر، یہ قاعدہ مسلمہ ہے لیکن اس کا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اس قاعدہ کا تعلق وہاں ہے جہاں ایک حدیث میں کسی چیز کا ثبوت ہو اور دوسری حدیث میں اس کی نفی ہو تو جس حدیث میں ثبوت ہے وہ اس پر مقدم ہے جس میں اس کی نفی ہے۔

(حاشیہ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۱۰- بَابٌ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ- (الاسراء: ۶۰)

اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں بنی اسرائیل: ۶۰ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

شبِ معراج کے واقعہ میں مسلمانوں کی آزمائش

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ اس دیکھنے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جو عجائب اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھی تھیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور یہ واقعہ لوگوں کے لیے آزمائش ہو گیا۔ پس بعض لوگوں نے اس

واقعہ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہ صرف آزمائش ہے یعنی لوگوں کو اس سے آزمائش میں مبتلاء کیا گیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بنو امیہ آپ کے منبر پر اس طرح اچھل کود کر رہے ہیں جس طرح بندر اچھلتے اور کودتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت رنج ہوا، پھر کبھی آپ کھل کر نہیں ہنسے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا''۔

''شجرۃ الزقوم'' (تھوہر کا درخت) کی آیت میں مسلمانوں کی آزمائش

دوسرا قول یہ ہے کہ لوگوں کو اس دیکھنے سے فتنہ میں مبتلاء کیا گیا اور درخت کی وجہ سے بھی فتنہ میں مبتلاء کیا گیا، کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک رات میں کس طرح بیت المقدس تک لے جایا گیا اور پھر واپس مکہ لایا گیا اور انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ بے شک تھوہر کا درخت O گناہ گاروں کا کھانا ہے O

(الدخان: ۴۳-۴۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ (الصافات: ۶۴-۶۶)

بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں O (دوزخی) ضرور اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

سو جب یہ آیات نازل ہوئیں تو کفار نے اعتراض کیا دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے، دوزخ (کی آگ) تو لکڑی کو جلا دیتی ہے؟ سو اس درخت کے متعلق آیات لوگوں کے لیے آزمائش بن گئیں۔ اور بعض لوگوں کے لیے معراج کا واقعہ بصیرت کا سبب بن گیا، ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے معراج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق کی، اسی وجہ سے ان کا نام اس دن صدیق رکھا گیا۔

فتنہ کے متعدد معانی اور محامل

فتنہ کا معنی اصل میں ہے آزمائش، پھر فتنہ کا لفظ کفر میں بھی استعمال کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۹۱)

اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ، اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت میں شرک اور کفر پر فتنہ کا اطلاق فرمایا ہے۔

اور فتنہ کا اطلاق اثم اور گناہ پر بھی فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ (التوبہ:۴۹)

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے، سنو! یہ فتنہ میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور محیط ہے O

یعنی ان منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جہاد کے لیے جانے سے انکار کرنا یہ بہت بڑا فتنہ اور گناہ ہے بلکہ یہ بھی کفر ہے۔

اور فتنہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے احراق اور جلانے پر بھی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ (البروج:۱۰)

بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے فتنہ کا اطلاق ایک چیز سے کسی چیز کے زائل کرنے پر بھی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ (بنی اسرائیل:۷۳)

اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تا کہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے O

یعنی مشرکین یہ چاہتے تھے کہ آپ سے یہ صفت زائل ہو جائے جس صفت کی وجہ سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

باب مذکور میں جو آیت ہے اس میں فتنہ سے مراد ہے آزمائش۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ قَالَ هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے ''وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'' (بنی اسرائیل:۶۰) ''اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا'' کی تفسیر میں بتایا: یہ آنکھ سے دیکھنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب دکھایا گیا تھا جس رات آپ کو بیت المقدس میں لے جایا گیا تھا اور انہوں نے کہا: وہ درخت جس پر لعنت کی گئی ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے، انہوں نے بتایا: یہ ''شجرۃ الزقوم'' ہے (یعنی تھوہر کا درخت جو زہریلا اور مہلک

ہوتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۳۸۸۸، ۴۷۱۶، ۶۶۱۳، سنن ترمذی: ۳۱۳۴، مسند احمد: ۳۴۹۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ ابن التین نے لکھا ہے: اس حدیث کو کتاب القدر میں داخل کرنے کی وجہ یہ اشارہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے یہ مقدر کر دیا تھا کہ وہ اس کے سچے نبی کے دیکھنے کی تکذیب کریں اور یہ ان کی سرکشی میں زیادتی کا سبب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن زبیر، یہ ان کے اجداد میں سے ایک حُمید کی طرف نسبت ہے اور یہ حَمد کی تصغیر ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔

یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور اس کو امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤیا عین" یعنی آپ نے بیداری میں شب معراج کے عجائب وغرائب کو دیکھا اور یہ نیند میں دیکھنا نہیں تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "والشجرة الملعونة" اس سے مراد ہے "شجرة الزقوم" جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور "الشجرة" مبتدا ہے اور "الشجرة الزقوم" اس کی خبر ہے، اس سے مراد ہے تھوہر کا درخت جو بہت زہریلا اور مہلک ہوتا ہے، اس کا ذکر "الشجرة الملعونة" کے ساتھ فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی اس دیکھنے کی مثل ہے جو آزمائش ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آزمائش کس طرح ہے۔ اور "زقوم" جہنم میں ایک درخت ہے جو اہلِ دوزخ کا طعام ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید میں اس درخت پر لعنت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس درخت سے کھانے والوں پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی ہے اور وہ کفار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ؕ بے شک تھوہر کا درخت O گناہ گاروں کا کھانا ہے O

(الدخان: ۴۳-۴۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۞ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں O (دوزخی) ضرور

مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۝ (الصافات: ۶۴۔۶۶)۔ اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے ○

تو چونکہ ان کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اس لیے اس درخت پر بھی لعنت کی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طعام مکروہ اور ملعون ہے، پھر یہ درخت آگ میں پیدا ہوتا ہے اور ایسے جوہر سے پیدا کیا گیا ہے جس کو آگ نہیں کھاتی جیسے دوزخ کی زنجیریں اور دوزخ کے طوق اور دوزخ کے بچھو اور دوزخ کے سانپ وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو کتاب القدر میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مہر لگا دی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کی تکذیب کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اس دیکھنے کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ وہ سچے نبی کی تکذیب کریں اور یہ ان کی سرکشی میں زیادتی کا سبب ہو۔ اسی طرح "الشجرة الملعونة" بھی قرآن میں آزمائش ہے، کیونکہ مشرکین نے کہا: کس طرح دوزخ میں درخت ہوگا جب کہ آگ درخت کو اور سوکھی اور سرسبز چیزوں کو جلا دیتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو آزمائش بنایا تا کہ ان کی گمراہی میں اضافہ ہو، پس وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق ایمان نہ لائیں۔

اور مہلب کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء: ۶۰) اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دیکھنے کو اس لیے پیدا کیا تا کہ مشرکین اس کا انکار کریں اور کفر کے محرکات فتنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت درجِ ذیل آیت کی مثل ہے:

وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیۡنَ ۙ۟ وَیَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

اور یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کا عموم ہے کہ وہ کافروں میں کفر کو پیدا کرتا ہے اور مومنین میں ایمان کو پیدا کرتا ہے، اور ایمان اور کفر کے محرکات اور اسباب کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف قدریہ کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: "والشجرة الملعونة" یعنی اس درخت کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ کفار ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۙ۝ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ۝ (الدخان: ۴۳۔۴۴) بے شک تھوہر کا درخت ○ گناہ گاروں کا کھانا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِیۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِیۡمِ ۙ۝ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّیٰطِیۡنِ ۝ فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـُٔوۡنَ بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے ○ اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں ○ (دوزخی) ضرور

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ (الصافات: ۶۴-۶۶) اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ درخت آگ میں پیدا ہوتا ہے اور رہا کفار کا یہ کہنا کہ آگ میں درخت کیسے ہوگا اور آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے، پس یہ درخت جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی جڑیں دوزخ میں ایسے جوہر سے پیدا کی گئی ہیں جن کو آگ نہیں جلاتی جیسے دوزخ کی زنجیریں اور دوزخ کے طوق اور دوزخ کے بچھو اور دوزخ کے سانپ وغیرہ۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی دنیا کی جنس سے نہیں ہے جو آگ میں باقی نہیں رہتی۔ یہ چیزیں صرف اس جنس سے پیدا کی گئی ہیں جن کو آگ نہیں کھاتی جیسے اللہ تعالیٰ نے سمندروں اور دریاؤں میں ایسے حیوان پیدا کیے ہیں جو پانی میں ہلاک نہیں ہوتے اور سرکہ میں ایسا کیڑا پیدا کیا ہے جو سرکہ میں ہی زندہ رہتا ہے اور سرکہ اس کو ہلاک نہیں کرتا، حالانکہ سرکہ پتھر کو توڑ دیتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ کیڑا سرکہ کی جنس سے ہے اور سمندری حیوان پانی کی جنس سے ہیں، پس اسی طرح سے دوزخ میں جس درخت کو پیدا کیا وہ دوزخ کی جنس کے موافق ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ دوزخ کو ٹھنڈک اور سلامتی بنا دے اور اس پر قادر ہے کہ پانی کو آگ بنا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس کفار نے جو دوزخ میں درخت کی تخلیق پر اعتراض کیا یہ ان کا واضح عناد ہے اور ان کی صریح گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ایسی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱- بَابٌ: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ اللّٰهِ

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے مباحثہ کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے باہمی مباحثہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے ''اللہ تعالیٰ کے سامنے''۔ ایک قول یہ ہے کہ یعنی قیامت کے دن اور دوسرا قول ہے دنیا میں، اور حدیث کے الفاظ عام ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۳-۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۴- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ لَهُ مُوسَى يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ لَهُ آدَمُ يَا مُوسَى اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو عمرو سے یاد رکھا از طاؤس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ ہوا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہم کو محروم

فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى ثَلَاثًا قَالَ سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ۔

کر دیا اور ہم کو جنت سے نکال دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام سے فضیلت دی اور اپنے ہاتھ سے آپ کے لیے آپ کی کتاب لکھی، کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر فرما دیا تھا، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے، یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

سفیان نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۹، ۴۷۳۶، ۴۷۳۸، ۶۶۱۴، ۷۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰، مسند احمد: ۷۵۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان بعینہٖ اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، اور وہ ابن دینار ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی کتاب القدر میں روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب السنۃ میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب السنۃ میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "احتجّ" یعنی حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ اور مناظرہ ہوا۔ اور امام بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہما السلام پر غالب ہو گئے۔

علامہ طیبی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دلیل سے غلبہ پالیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت ابونا'' یعنی آپ ہمارے باپ ہیں۔ اور ابن ابی کثیر کی روایت میں ہے ''آپ لوگوں کے باپ ہیں''۔ اور الشعبی کی روایت میں ہے ''آپ آدم ابوالبشر ہیں''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خیّبتنا'' یعنی آپ نے ہمیں ناکامی میں واقع کر دیا اور اس سے مراد محرومی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واخرجتنا من الجنة'' جنت سے مراد ہے آخرت میں دارالجزاء اور یہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کی گئی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چالیس سال پہلے ان کی تقدیر لکھنے کی متعدد توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے ''وخط لك بیدہ'' یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، یا تو اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا جائے یا تقدیر سے اس کی تاویل کی جائے۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کی الواح کو لکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علیٰ امر قدّرہ اللہ'' اور تقدیر سے یہاں مراد ہے لوحِ محفوظ میں لکھنا، یا تورات کے صحیفوں میں لکھنا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ازلی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''چالیس سال پہلے''۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں'' (البقرہ: ۳۰) اس وقت سے لے کر اس وقت تک کی مدت جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس مدت کی ابتداء اس وقت سے ہے جب الواح میں لکھا گیا اور اس کی انتہاء حضرت آدم کی تخلیق کی ابتداء کے وقت پر ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: تمام معلومات کو اللہ تعالیٰ کا علمِ قدیم محیط ہے اور تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم تھا لیکن ان کے لکھنے کے اوقات مختلف ہیں۔ اور صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام تقدیروں کو لکھا، پس ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ خصوصیت کے ساتھ چالیس سال پہلے لکھا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ مدت ہو جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی کے پتلے میں رہے یہاں تک کہ ان میں روح پھونکی گئی۔ اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت جو مٹی میں بنائی گئی اور ان میں روح پھونکی گئی اس کی مدت چالیس سال تھی اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ عمومی تقادیر آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئیں۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ چالیس سال کی مدت کا تعلق لکھنے کے ساتھ ہو اور دوسری مدت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی توجیہ

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ملامت کو اٹھانے میں غالب ہوگئے، کیونکہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ تقدیر میں لکھے

ہوئے امر کے سبب سے دوسرے پر ملامت کرے۔

اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ نے لکھا ہے:

اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ امر تقدیری تھا، سو آپ اس امر پر مجھے ملامت نہ کریں۔ نیز ملامت شرعی ہوتی ہے عقلی نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی ظاہری خطاء کی مغفرت فرمادی تو ان سے ملامت زائل ہوگئی، پس جو اب ان کو ملامت کرے گا اس کی حجت مغلوب ہوگی۔

دنیا میں اپنی خطاؤں پر تقدیر کا عذر پیش کرنے کا عدم جواز

میں کہتا ہوں: کیا ہم میں سے کوئی اپنی خطاء یا گناہ کے سرزد ہونے پر تقدیر سے استدلال کرسکتا ہے کہ میں نے فلاں ناجائز کام اس لیے کیا کہ یہ پہلے سے میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے استدلال کیا کہ ان کے شجرِ ممنوع کھانے کی وجہ سے جنت سے باہر آنا پہلے سے ہی مقدر تھا، لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر کیوں ملامت کررہے ہیں، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام اس دلیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل پر غالب آ گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اپنی ظاہری خطاء پر تقدیر سے استدلال نہیں کیا بلکہ اپنی ظاہری خطاء پر نادم رہے اور روتے رہے اور توبہ اور استغفار کرتے رہے اور جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر انہوں نے اپنی اس ظاہری خطاء کے صدور کے اوپر تقدیر سے استدلال کیا۔ لہٰذا ہمارے لیے بھی دنیا میں اپنی خطاؤں پر اور گناہوں پر تقدیر سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، دنیا میں ہم پر یہی لازم ہے کہ اگر ہم سے کوئی خطا یا گناہ ہوگیا ہے تو ہم اس پر توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور تقدیر کا معاملہ تو آخرت میں ہم پر منکشف ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کا وقت

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کب ہوئی؟

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو بطورِ معجزہ زندہ فرمادیا ہو، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کلام کیا ہو۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منکشف کردی گئی ہو، پس دونوں نے ایک دوسرے سے بات کی ہو، یا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی روح دکھائی ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج انبیاء علیہم السلام کی ارواح دکھائی گئیں، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں حضرت آدم علیہ السلام کو دکھایا گیا ہو اور انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان دونوں کی ملاقات عالمِ برزخ میں ہوئی ہو، پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی، پھر ان کی روحیں آسمان میں ایک دوسرے سے ملیں۔ علامہ ابن عبد البر اور علامہ قابسی نے اسی کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یا دنیا میں یہ ملاقات نہیں ہوئی اور یہ ملاقات آخرت میں ہوگی۔ اور اس کو ماضی کے ساتھ اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اس کا واقع ہونا محقق اور یقینی ہے، پس گویا کہ وہ واقع ہو چکا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جن کو شدید تکالیف کے ساتھ بھیجا گیا۔
پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی کیا توجیہ ہے؟
میں کہتا ہوں: کسی مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسری مخلوق کو ان کاموں پر ملامت کرے جو انہوں نے تقدیر کے موافق اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیے۔ پس شارع علیہ السلام ہی ملامت کرنے والے ہیں۔ پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر اللہ تعالیٰ اذن کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تو آدم علیہ السلام نے ان سے تقدیر کے ساتھ معارضہ کیا اور ان کو لا جواب کر دیا۔
یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس میں تقدیر اور ان کا کسب جمع ہو گئے تھے اور توبہ کسب کے اثر کو مٹا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما چکا تھا، پس اب سوا تقدیر کے اور کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی اور تقدیر کے اوپر ملامت نہیں کی جاتی کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا جو فعل وہ کرتا ہے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے: بے شک آدم علیہ السلام باپ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام بیٹے ہیں اور بیٹے کے لیے باپ کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے؟
میں کہتا ہوں: ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام دارِ تکلیف میں باقی ہیں اور ان کو ملامت کرنے میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بھی زجر و توبیخ ہے اور دوسروں کے لیے بھی ہے۔ اور رہے حضرت آدم، تو وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس دارِ تکلیف سے نکل گئے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں سوائے ان کو شرمندہ کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۵۔۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ کا بیان

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ پا گئے۔
اللیث بن سعد نے کہا: اس قصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ کا بیان یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری خطاء کو معاف فرما دیا تھا اور ان کی توبہ قبول فرمالی تھی، پس اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس ظاہری خطاء پر عار دلاتے جس کو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں معاف فرما چکا تھا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی اور اس تورات میں ہر چیز کا علم ہے، کیا آپ نے اس تورات میں یہ لکھا ہوا پایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ظاہری خطاء کو مقدر فرما دیا تھا اور یہ بھی مقدر فرما دیا تھا کہ میں اس پر توبہ کروں گا اور اس لکھے ہوئے کی وجہ سے مجھ سے وہ ملامت ساقط ہو گئی جو آپ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں۔ آپ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ملامت نہیں کی''۔
اور اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے خلاف استدلال کیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ حضرت عثمان غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے تھے تو اس سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی گناہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف

فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۚ (آل عمران: ۱۵۵) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔

اور رہا وہ جس نے گناہ کیے ہوں اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو تو علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حق میں اس طرح استدلال کرے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے استدلال کیا تھا، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ کیا تم مجھے اس پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے قتل کیا یا میں نے زنا کیا یا میں نے چوری کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ تمام کام مقدر کر دیے تھے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی نے نیک کام کیے ہوں اس کی تحسین کی جائے اور جس نے برے کام کیے ہوں اس کی مذمت کی جائے اور اس کے گناہوں کو اس کے سامنے گنا جائے۔

قدریہ کے ایک اعتراض کا جواب

قدریہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ حضرت آدم ہیں، آپ نے ہمیں محروم کیا اور ہم کو جنت سے نکالا، پس انہوں نے محرومی اور جنت سے نکالے جانے کا اسناد حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیا، انہوں نے کہا: یہ اس پر دلیل ہے کہ بندے اپنے افعال کی خود تخلیق کرتے ہیں، ان کی اطاعت اور ان کی معصیت دونوں ان کی تخلیق سے ہیں اور اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہوتا تو پھر یہ کس طرح صحیح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حکم بھی دے اور ان کو منع بھی کرے جب کہ ان کاموں کو اس نے خود پیدا کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں اس پر قطعی دلیل نہیں ہے جیسا کہ قدریہ کا زعم ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے نہ کہ اس کا رب۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا کہ آپ آدم ہیں جس نے ہم کو محروم کیا اور ناکام کیا اور ہم کو جنت سے نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ان افعال کی نسبت کی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان افعال کے خالق ہیں، کیونکہ لغت کے اعتبار سے جن افعال کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور جن افعال کا بندہ نے کسب کیا ہے ان سب کی طرف ان افعال کی نسبت جائز ہے اور ہماری قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ'' (الانعام: ۱۰۲)، (یعنی وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ افعال کا خالق ہے اور بندہ ان افعال کا کسب کرنے والا ہے۔

پس افعال کی نسبت بندوں کی طرف کسب کے اعتبار سے ہے اور افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کے اعتبار سے ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جبریہ کا ایک شبہ اور اس شبہ کے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے متعدد جوابات

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی دلیل سے صرف اس وجہ سے غالب ہو گئے کیونکہ ان کو تورات سے یہ معلوم تھا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری خطاء پر توبہ قبول فرمالی ہے، پھر اس ظاہری خطاء پر ان کو ملامت کرنا یہ ایک قسم کی جفاء ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے حصولِ صفاء کے بعد جفاء کا ذکر کرنا بھی جفاء ہے، اس لیے کہ درگزر کرنے کے بعد مخالفت کا اثر مٹ جاتا ہے گویا کہ مخالفت ہوئی ہی نہیں، لہٰذا ملامت کرنے والے کی ملامت اپنے محل میں نہیں ہے۔

علامہ المازری اور دیگر محققین نے جو اس کا معتمد جواب لکھا ہے وہ یہ ہے کہ قدریہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، کیونکہ یہ حدیث تقدیرِ سابق کو ثابت کرنے میں بالکل صریح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کے استدلال کی تقریر کی ہے اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے، پس انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ صحیح نہیں تھا کہ وہ ایسے کام پر حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرتے جس کام کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما چکا ہے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، پھر انہوں نے کہا: اے میرے رب! میری مغفرت فرما، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی، سو وہ کیسے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کام پر ملامت کریں گے جس کام کو وہ خود کر چکے ہیں۔

ثانیاً: اگر بندہ کو اس کی خطاء پر تقدیر میں پہلے سے لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے ملامت کرنا جائز نہ ہو تو جس بندہ کو کسی گناہ پر عتاب کیا جائے تو وہ بھی پہلے لکھی ہوئی تقدیر کا عذر پیش کر سکتا ہے۔ اور اگر یہ جائز ہو تو پھر قصاص اور حدود کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ہر وہ شخص جو بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب کرے گا وہ کہے گا: یہ تو میرے لیے پہلے سے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان لوازم سے یہ لازم آتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس شبہ کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام نے جو اپنی ظاہری خطاء پر تقدیر سے استدلال کیا اس میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ملامت کی تھی وہ جنت سے نکالنے پر ملامت کی تھی تو گویا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: میں نے تم کو جنت سے نہیں نکالا، تم کو جنت سے صرف اس نے نکالا ہے جس نے نکالنے کو شجرِ ممنوع سے کھانے پر مرتب فرمایا ہے اور جس نے اس کو مرتب کیا ہے اس نے اس کو میرے پیدا ہونے سے پہلے مقدر کر دیا تھا، پس آپ مجھے اس کام پر کیسے ملامت کرتے ہیں جس کام کی میری طرف کوئی نسبت نہیں ہے سوا اس کے کہ میں نے شجرِ ممنوع سے کھایا اور اس پر جو جنت سے نکالنے کا فعل مرتب ہوا ہے وہ میرا فعل نہیں ہے۔

اس جواب سے جبریہ کا شبہ دور نہیں ہوتا۔

(۲) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دلیل سے غالب ہونے کا بیان فرمایا، اس کا ایک خاص معنی ہے، کیونکہ اگر اس کا عام معنی ہوتا تو اس پر پہلے اللہ تعالیٰ کی ملامت نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ (الاعراف: ۲۲)

اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے اس شجرِ ممنوع سے کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام سے مواخذہ فرمایا حتیٰ کہ ان کو جنت سے نکال دیا اور زمین کی طرف اتار دیا۔

لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملامت کرنی شروع کی اور یہ کہا کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں تو آپ نے ایسا کام کیوں کیا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے معارضہ میں فرمایا: آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کہ آپ اس مرتبہ کے ہیں تو آپ پر یہ بات کیسے مخفی رہی کہ بندہ کے لیے تقدیر سے کوئی جائے فرار نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو دو وجہوں سے غلبہ حاصل ہوا، ایک وجہ یہ تھی کہ کسی مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسری مخلوق کو اس چیز پر ملامت کرے جو اس کے متعلق اللہ کے اذن سے مقدر ہو چکی ہے، پس شارع علیہ السلام ہی ملامت کرنے والے ہیں۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملامت کرنی شروع کی اور ان کو اس ملامت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر سے معارضہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساکت کر دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو فعل کیا اس میں تقدیر اور کسب دونوں جمع ہو گئے اور توبہ کسب کے اثر کو مٹا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرما چکا ہے، اب سوائے تقدیر کے اور کوئی چیز باقی نہیں بچی اور تقدیر پر ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا جو اس کا فعل ہے۔

(۳) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ، لکھتے ہیں:

میرے نزدیک یہ مناظرہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ یہ مناظرہ ان دونوں کے درمیان اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطعی طور پر توبہ قبول فرما چکا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (البقرہ: ۳۷)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شجرِ ممنوع سے کھانے پر جو حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ مستحسن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس ملامت کا انکار کریں، کیونکہ شجرِ ممنوع سے کھانے پر اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما چکا تھا اور نہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ اس شخص کو ملامت کرے جس نے کوئی گناہ کیا ہو، قتل کیا ہو، یا زنا کیا ہو، یا چوری کی ہو تو وہ یہ کہے کہ یہ کام تو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے ان کاموں کو مقدر کر دیا ہے، پس تمہارے لیے ان کاموں پر مجھ کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس قسم کی ملامت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جو کوئی شخص نیک کام کرے اور دائماً اطاعت اور عبادت کرے تو اس کی مدح کی جائے۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے شجرِ ممنوع سے کھانے کی ظاہری خطاء کو معاف کر چکا ہے اور ان کی توبہ قبول فرما چکا ہے اور عام لوگوں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کی خطاء معاف ہو چکی ہے اور ان کی توبہ قبول ہو چکی ہے یا نہیں، اس لیے آدم علیہ السلام کے لیے تقدیر کا عذر پیش کرنا صحیح تھا اور عام لوگوں کے لیے اپنے گناہوں پر تقدیر کا عذر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلیل اس لیے غالب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی وفات کے بعد ملامت کی اور ملامت صرف مکلف پر متوجہ ہوتی ہے جب تک کہ وہ دار التکلیف میں ہو، کیونکہ اس وقت اس کے اوپر احکام جاری ہوتے

ہیں، پس گناہگار کو ملامت کی جائے گی اور اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس سے قصاص وغیرہ لیا جائے گا لیکن اس کی وفات کے بعد، تو شریعت میں ثابت ہے کہ وفات یافتہ لوگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث شریف میں ہے: ''تم اپنے مردوں کا خیر کے سوا ذکر نہ کرو کیونکہ ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں'' اور یہ ثابت ہے کہ جس پر حد قائم کر دی گئی اس کو دوبارہ سزا نہیں دی جاتی، بلکہ حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب کوئی باندی زنا کرے اور اس پر حد قائم کر دی جائے تو اس کو ملامت نہ کی جائے اور جب یہ معاملہ اس طرح سے ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرنا اس وقت واقع ہوا جب وہ دنیا اور دار التکلیف سے منتقل ہو چکے تھے، اور یہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، پس ان سے ملامت ساقط ہو گئی۔ پس اس وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر سابق کی طرف استدلال سے رجوع کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام دلیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ کے متعلق دیگر فقہائے اسلام کی تقاریر

علامہ القرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور بیٹے کے لیے باپ کو ملامت کرنا جائز نہیں، لیکن یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ بیٹے کے لیے متعدد مقامات پر باپ کو ملامت کرنا جائز ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس لیے غالب ہو گئے کہ ان دونوں کی شریعتیں متغایر تھیں لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ تقدیر ازلی سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ کہاں لکھا تھا کہ تقدیر ازلی سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ صحیح دوسرا جواب ہے اور تیسرا جواب ہے اور ان میں منافات نہیں ہے، پس یہ ممکن ہے کہ ان کو ملا کر ایک جواب بنا دیا جائے اور وہ یہ کہ جو توبہ کر چکا ہو اس کو اس کام پر ملامت نہیں کی جاتی جس سے وہ توبہ کر چکا ہے خاص طور پر اس وقت کہ جب وہ دار التکلیف سے دار الجزاء کی طرف منتقل ہو چکا ہو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ ھ، نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے، پس انہوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کا معنی یہ ہے کہ اے موسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ اس چیز کو میرے پیدا ہونے سے پہلے میرے متعلق لکھ دیا گیا تھا، لہٰذا اس کا واقع ہونا ضروری تھا، اور اگر میں حریص ہوں اور تمام مخلوق اس بات پر حریص ہو کہ لکھے ہوئے سے ایک ذرہ برابر چیز کو رد کر دیا جائے تو وہ اس پر قادر نہیں ہو گا، سو آپ مجھے اس پر ملامت نہ کریں، کیونکہ مخالفت پر ملامت شرعی ہوتی ہے عقلی نہیں ہوتی، اور جب اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمالی اور میری مغفرت فرما دی تو مجھ سے ملامت زائل ہو گئی، سو جس نے مجھے ملامت کی تو وہ شرعاً دلیل سے مغلوب ہو گا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اگر کوئی گناہ گار آج یہ کہے کہ یہ گناہ مجھ پر مقدر کر دیا گیا تھا، لہٰذا مجھ سے ملامت ساقط ہونی چاہیے تو ہم کہیں گے: یہاں پر فرق ہے، کیونکہ یہ گناہ گار دار التکلیف میں باقی ہے اور اس پر سزا کے اور ملامت کے احکام جاری ہیں، اسی وجہ سے اس کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور وعظ و نصیحت کی جائے گی۔ رہے حضرت آدم علیہ السلام سو وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس دار التکلیف سے نکل چکے ہیں اور وہ زجر و توبیخ سے مستغنی ہیں، سو ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ ان کو ملامت کر کے انہیں ایذاء پہنچانی ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے غلبہ ہوا۔

علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی ٦٦١ ھ نے ''کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ'' میں لکھا ہے:
حضرت آدم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق اس کام کو پہلے ہی لکھ دیا تھا، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کام کو لازم کر دیا تھا، اس کا صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو لوحِ محفوظ میں تخلیقِ آدم سے پہلے ثابت کر دیا تھا اور یہ حکم لگا دیا تھا کہ یہ ضرور ہونے والا ہے۔
پھر حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا یہ مناظرہ ''العالم العلوی'' میں واقع ہوا جہاں پر روحوں کی ملاقات ہوتی ہے اور عالمِ اسباب میں واقع نہیں ہوا، اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عالم الاسباب میں وسائط اور اکتساب سے قطع نظر کرنا جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف عالم علوی موجب کسب کے انقطاع کے بعد ہوتا ہے اور اس میں احکامِ تکلیفیہ اٹھ جاتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام تقدیر سابق کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

حدیث مذکور کے فوائد

حضرت آدم علیہ السلام پر اپنا عذر واضح تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت آدم علیہ السلام کا عذر واضح نہیں تھا، اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملامت کی

(۱) اس حدیث میں مدح کے صیغہ کے ساتھ تعریض کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ فضیلت دی۔ الیٰ آخرہ۔ اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام نے یہ اشارہ کیا کہ وہ اپنے عذر پر مطلع ہیں اور انہوں نے وحی کے ذریعہ اپنے عذر کو جان لیا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ مستحضر ہو جاتا تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت نہ کرتے جب کہ ان کا عذر واضح تھا۔

اگر حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں نہ آتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے فضائل حاصل نہ ہوتے

(۲) نیز اس میں ایک اور چیز کی طرف اشارہ ہے جو اس سے زیادہ عام ہے، گویا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اگر مجھے جنت سے نکلنے کا وقوع نہ ہوتا جو میرے شجرۂ ممنوعہ سے کھانے پر مرتب ہوا ہے تو آپ کو یہ فضائل حاصل نہ ہوتے، کیونکہ اگر میں جنت میں باقی رہتا اور میری نسل وہیں پر مستمر ہوتی تو دنیا میں فرعون ایسا کافر وجود میں نہ آتا جس کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ کو وہ معجزات دیے گئے جو دیے گئے۔ پس جب آپ کو ملنے والے ان فضائل کا سبب میں ہوں تو پھر آپ کے لیے کیسے جائز ہے کہ آپ مجھے ملامت کریں۔

جبریہ اور معتزلہ کا مذہب افراط اور تفریط پر مشتمل ہے، ان دونوں کے مذہب اور المرجئہ کے مذہب کا رد

(۳) علامہ طیبی نے کہا: جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ قدرت صرف اللہ کے لیے ثابت ہو اور بندہ سے قدرت کی اصلاً نفی ہو، اور معتزلہ کا مذہب اس کے برخلاف ہے اور یہ دونوں افراط اور تفریط میں مبتلاء ہیں۔ اور یہ دونوں اس آیت کا مصداق ہیں:

اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے، تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر

(التوبہ:۱۰۹) پڑا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

اور صراطِ مستقیم میانہ روی ہے، پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام بظاہر معتزلہ کے مذہب کی طرف راجع تھا، کیونکہ انہوں نے اپنے کلام کو حرفِ انکار اور تعجب سے شروع کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے نام کی تصریح کی اور ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا کہ ان صفات میں سے ہر صفت اس بات کی علت ہے کہ انہوں نے یہ اقدام شریعت کی مخالفت کی وجہ سے نہیں کیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف زمین پر اتارنے کی نسبت کی گویا کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مناصب اور مراتب عالیہ دیے ہیں ان سے یہ زمین کی طرف آنا کتنا بعید ہے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس کے مقابل کلام کو زیادہ بلاغت سے پیش کیا اور انہوں نے بھی اپنے کلام کو ہمزہ انکار سے شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کی تصریح کی اور ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جن میں سے ہر صفت اس چیز کی علت ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کا انکار کرتے ہیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کو اس پر مرتب کیا، پھر وہ استبعاد کے کلمہ کے بجائے ہمزہ انکار کو لائے گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ آپ تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں پھر مجھ کو ملامت کرتے ہیں۔ علامہ طیبی نے کہا: اس تقریر میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ متوسط امور کو تلاش کرنا چاہیے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث کو اس پر ختم کیا کہ پس حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے، اس ارشاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ آپ کی امت کے بعض افراد معتزلہ کی طرح ہیں جو تقدیر کا انکار کریں گے تو آپ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے اہتمام کیا اور ہدایت میں مبالغہ فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اسی کے قریب وہ مقام ہے جو کتاب الایمان میں مرجعہ کے رد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے، پس جب کہ مقام مرجعہ پر رد کا مقام تھا تو انہوں نے اس پر تعریض سے اکتفاء کی۔ پس اسی طرح جب یہاں پر مقام قدریہ اور معتزلہ پر رد کرنے کا تھا جو کہ تقدیرِ ازلی کا انکار کرتے ہیں تو حدیث میں اس پر اکتفاء کی جو بہ ظاہر جبریہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے۔

جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا وہی جنت الخلد ہے اور زمین کا کوئی باغ نہیں ہے

(۴) قاضی عیاض مالکی نے کہا: اس حدیث میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا یہ وہی جنت الخلد ہے جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اور جس میں وہ آخرت میں داخل ہوں گے، اس کے برخلاف معتزلہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جس جنت میں رہے تھے وہ اور جنت تھی اور ان میں سے بعض کا یہ زعم ہے کہ وہ زمین پر ایک باغ تھا۔

لفظِ عام سے خاص کے ارادہ کا بیان

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی لفظِ عام کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم عطا کیا اور اس سے مراد ان کی وہ کتاب تورات ہے جو ان پر نازل کی گئی تھی اور ہر چیز کا اس میں ذکر ہے اور اس سے مراد عموم نہیں ہے، کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: مجھے

اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا ہے جو آپ کو عطا نہیں کیا۔

حق کی طلب کے لیے مباحثہ اور مناظرہ کے انعقاد کا جواز

(۶) اس حدیث میں مباحثہ اور مناظرہ کے مشروع ہونے کی دلیل ہے کہ حق کی طلب کے لیے مناظرہ اور مباحثہ کرنا چاہیے اور یہ کہ مباحثہ کے دوران زجر و توبیخ بھی کرنی چاہیے اور تعریض بھی کرنی چاہیے اور یہ کہ جس آدمی کو علم ہو اس پر ملامت زیادہ شدید ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو علم نہ ہو۔

عالم کا اپنے سے بڑے عالم کے ساتھ مناظرہ کا جواز

(۷) اس حدیث میں دلیل ہے کہ عالم کا اپنے سے بڑے عالم کے ساتھ اور بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ مناظرہ کرنا جائز ہے اور اس کی مشروعیت کا محل یہ ہے کہ جب یہ حق کے اظہار کے لیے ہو یا علم کے اضافہ کے لیے ہو اور حقائقِ امور پر واقفیت کے لیے ہو۔

تقدیر کے ازلی ہونے کا ثبوت

(۸) اور اس حدیث میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ تقدیر ازلی ثابت ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔

حالتِ غضب میں بعض امور کے معاف کرنے کا جواز

(۹) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بعض احوال میں کسی شخص کے لیے ان کاموں کو معاف کر دیا جاتا ہے جو دوسرے احوال میں معاف نہیں کیا جاتا مثلاً غضب اور افسوس کی حالت میں خصوصاً جس شخص کے مزاج اور طبیعت میں تیزی ہو اور شدتِ غضب ہو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب مناظرہ میں حالتِ انکار غالب تھی تو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے نام کے ساتھ مخاطب کیا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ان کے والد ہیں اور ان کو ان چیزوں کے ساتھ خطاب کیا کہ جن کے ساتھ باپ کو خطاب نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ حالتِ غضب میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم کا جبر کو مستلزم نہ ہونا

(۱۰) ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے: بہت سے لوگ اس حدیث سے یہ سمجھتے ہیں کہ قضاء اور قدر کا معنی جبر کو مستلزم ہے اور بندہ پر قہر کو مستلزم ہے اور یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پایا حالانکہ اس طرح نہیں ہے، اس حدیث کا صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ہونے والے افعال کا پیشگی علم ہے اور بندوں کے افعال کے صدور سے پہلے اللہ تعالیٰ کو تقدیر ازلی میں اس کا علم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کو لوحِ محفوظ میں ثابت کر دیا ہے، کیونکہ قدر اس چیز کا نام ہے جو قادر کے فعل سے صادر ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں اور ایک چیز دوسری چیز کا بدل نہیں ہے، ایک چیز بمنزلہ بنیاد ہے اور دوسری چیز بمنزلہ عمارت ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آدم علیہ السلام درخت سے کھائیں گے، پس آدم علیہ السلام کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کرتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں خلیفہ بنانے کے لیے پیدا کیا تھا اور یہ کہ ان کو جنت میں نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ ان کو جنت سے زمین کی طرف منتقل کیا جائے گا، پس ان کا درخت سے کھانا زمین پر اترنے کا سبب تھا اور زمین میں خلیفہ ہونے کا سبب تھا جس کے

لیے انہیں پیدا کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'' (البقرہ: ۳۰) پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ آپ اس چیز پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پہلے سے مقدر کر دیا ہے، کیونکہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو کسی گناہ کی وجہ سے ملامت کرے، کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں برابر ہیں اور ملامت صرف اللہ سبحانہٗ کی طرف سے متوجہ ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۹۶۔ ۶۹۸، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مناظرہ پر مشتمل حدیث کی ایسی بے نظیر شرح کی ہے جس کے ضمن میں اہلِ سنت و جماعت کے تمام مشہور نظریات پر دلائل آگئے ہیں اور مخالفین اہلِ سنت کے نظریات کا رد اور ابطال آگیا ہے، ہم نے اس سے پہلے علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کی اس حدیث کی شرح ذکر کی ہے جو بہت مختصر اور جامع ہے اور اس کے بعد علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح نقل کی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ معتزلہ کا رد کیا گیا ہے اور اس کے بعد ہم نے یہاں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ کی شرح کو ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی شرح وہی ہے جو علامہ ابن بطال کی شرح ہے، اور بالعموم علامہ ابن الملقن، علامہ ابن بطال کی شرح کی ہی نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اخیر میں ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو ذکر کیا ہے جو بہت مفصل، جامع اور تمام اہم مضامین کو محیط ہے۔

۱۲۔ بَابٌ: لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَى اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ جو چیز عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان اس باب کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں ''لا مانع لما اعطیت'' جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ فَأَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ بن ابی لبابہ نے حدیث بیان کی از وراد مولیٰ حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہے کہ آپ نماز کے بعد کیا کلمات پڑھتے تھے وہ میری طرف لکھ کر بھیج دو، تو وراد نے

الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ أَنَّ وَرَّادًا أَخْبَرَهُ بِهٰذَا ثُمَّ وَفَدْتُ بَعْدُ إِلَى مُعَاوِيَةَ فَسَمِعْتُهُ يَأْمُرُ النَّاسَ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ۔

کہا: پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کلمات لکھوائے کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے: (ترجمہ:) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اے اللہ! تو جس چیز کو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے، اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے مقابلہ میں نفع نہیں دے گی۔
اور ابن جریج نے کہا: مجھے عبدہ نے خبر دی کہ بے شک وراد نے ان کو اس حدیث کی خبر دی، پھر اس کے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان سے سنا، وہ لوگوں کو ان کلمات کے پڑھنے کا حکم دے رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۶۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان حدیث کے ایک جملہ کا جزو ہے، اگرچہ اس میں تھوڑا سا تغیر بھی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن سنان کا ذکر ہے اور لفظ سِنان میں سین پر زیر ہے اور اس میں دو نون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں فُلیح کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ہیں اور ان کا نام عبدالملک ہے اور فلیح ان کا لقب ہے، سو یہ لقب ان کے اسم پر غالب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدہ کا ذکر ہے، یہ لفظ "الحرۃ" کی ضد ہے، یہ ابن ابی لبابہ ہیں جو الاسدی الکوفی ہیں اور دمشق میں رہائش پذیر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں وراد کا ذکر ہے، یہ حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب اور ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے "باب الذکر بعد الصلوٰۃ" میں گزر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کی متعدد جگہ روایت کی ہے، کتاب الاعتصام میں، کتاب الرقاق میں اور کتاب الدعوات وغیرہ میں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الجد" اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو دنیا کے حصے مقدر فرما دیئے۔ اور اس حدیث میں "مِن" کا لفظ ہے یہ بدل کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (التوبہ:۳۸) کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا ہے؟

یعنی اس آیت میں "مِن" بدلہ کے معنی میں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: جد سے مراد ہے دادا، یعنی کسی شخص کو اس کا نسب فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ "جد" میں جیم پر زیر ہے اور اس کا معنی ہے: اجتہاد اور کوشش، یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہاری کوشش تمہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں فائدہ پہنچائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خالقِ افعال ہونے کا بیان

اس حدیث سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے تمام افعال کو پیدا فرمایا ہے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے "جس چیز کو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے" اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام روکنے والوں کی نفی کی جائے، اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے "جس سے تو کوئی چیز روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے" اس کا تقاضا ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا تمام دینے والوں کی نفی کرنا، اور یہ کہ حقیقت میں نہ کوئی دینے والا ہے اور نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے فعل سے روک سکتا ہے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے فعل سے دے سکتا ہے، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مخلوق میں سے جس نے عطا کیا یا روکا تو اس کا عطا کرنا یا روکنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کی تخلیق ہے اور بندہ نے صرف کسب کیا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے۔ وہی دینے اور روکنے کو پیدا کرنے والا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی قدرت سے دینے اور روکنے کا کسب کرنے والا ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اللہ ہی روکنے والا ہے اور وہی دینے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۷۰۔ ۱۷۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی رائے

امام طبری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس فعل کی صحت پر دلیل ہے جو امراء اور حکام فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے جماعت میں اللہ اکبر کہتے ہیں اور ان کے پیچھے ان کے نمازی بھی نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ حدیث درج ذیل ہے:
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے خبر دی کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں معمول تھا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب میں اللہ اکبر کی آواز سنتا تھا تو میں یہ جان لیتا تھا کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۸۴۱، صحیح مسلم: ۵۸۳، سنن نسائی: ۱۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۱۰۰۳، مسند احمد: ۳۴۶۸)
نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو تکبیر کی آواز سے پہچانتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۸۴۲)
علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:
میں نے فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا جو اس حدیث کے متعلق کچھ بھی کہتے ہوں سوا اس کے جو ابن حبیب نے ''الواضحۃ'' میں لکھا ہے کہ لشکروں میں اور سرحدوں پر صبح کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اکبر کہنا مستحب ہے اور یہ ان کا قدیم طریقہ ہے۔
ابن القاسم نے امام مالک سے ''العتبیۃ'' میں روایت کی ہے کہ دشمن کی سرزمین میں پانچوں نمازوں کے بعد اللہ اکبر کہنا بدعت ہے، اس کا المسودہ نے احداث کیا ہے۔ اسی طرح بعض شہروں میں صبح اور مغرب کی نماز کے بعد بھی۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ ''جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول تھا'' یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام یہ ذکر نہیں کرتے تھے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو بیان کیا، کیونکہ اگر صحابہ کرام یہ کرتے ہوتے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا کوئی معنی نہیں تھا کہ یہ ذکر بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول تھا۔ پس نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا ایسا فعل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات میں دائماً عمل نہیں کیا اور آپ کے اصحاب نے یہ سمجھا کہ یہ بلند آواز سے ذکر کرنا لازم نہیں ہے، سو انہوں نے اس کو ترک کر دیا تاکہ جس کا علم کوتاہ ہے وہ یہ گمان نہ کرے کہ اس ذکر کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ پس اسی وجہ سے فقہاء میں سے جس نے بھی ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیا، اس نے مکروہ قرار دیا۔ اور اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اور عبیدہ سے مروی ہے کہ یہ ذکر بالجہر کرنا بدعت ہے۔
اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز کے بعد ذکر کی فضیلت پر دلیل ہے اور یہ رغائب خیر میں سے ہے اور صالحین کا طریقہ ہے اور عنقریب میں اس کی زیادہ شرح کروں گا اور یہ بیان کروں گا کہ نماز کے بعد ذکر کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ اس کی شرح میں کتاب الدعاء میں ''باب الدعاء بعد الصلوٰۃ'' میں ان شاء اللہ کروں گا۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۷۔۴۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)
کتاب الدعوات کے باب ''الدعاء بعد الصلوٰۃ'' کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: نمازوں کو بہترین اوقات میں رکھا گیا ہے، پس تم نمازوں کے بعد دعاء کرنے میں کوشش کرو۔

امام طبری نے کہا ہے کہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول کی جاتی ہے۔

اور امام طبری نے از جعفر بن محمد روایت کی ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے اس طرح افضل ہے جیسے فرض نماز کی نفل نماز پر فضیلت ہے۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ عبد الرحمٰن بن اسود نے اپنے والد عبد الرحمٰن سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قلوب ظروف ہیں، پس ان قلوب کو قرآن مجید سے بھرو اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ پس عبد الرحمٰن نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک ان دو امروں میں سے کون سا امر زیادہ فضیلت والا ہے یعنی نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن سلمہ نے اوزاعی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ان سے کہا: سعید سے سوال کرو، انہوں نے سعید سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ پس اوزاعی نے سعید سے کہا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے برابر کوئی چیز نہیں لیکن سلف صالحین کی یہ سیرت ہے کہ وہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

امام طبری نے کہا: امام اوزاعی نے جو کہا ہے وہ صحت کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: اگر میں اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو فجر کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر میں اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ کا صبح ذکر کرنا اور شام کو ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواروں سے جہاد کرنے سے زیادہ افضل ہے اور مال کی سخاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

اور باب "مایقول اذا اصبح" میں یہ حدیث گزر چکی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم میرا صبح کے وقت ایک ساعت میں ذکر کرے اور دن کے آخر میں ایک ساعت میرا ذکر کرے تو اس کے درمیان کے اوقات میں میں اس کے لیے کافی ہوں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۹۶، ملخصا و ملتقطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

صحیح البخاری میں صریح حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں معمول تھا۔ اس حدیث کو علامہ ابن بطال نے اپنی رائے سے مقید کیا ہے کہ یہ ذکر صرف تھوڑے عرصہ کے لیے تھا اور صحابہ دائماً یہ ذکر نہیں کرتے تھے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر پڑھنا فرض لازم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نہیں بتایا کہ نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے کا جو معمول تھا وہ فرض یا لازم

تھا اور انہوں نے جو لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے بعد میں اس کو ترک کر دیا، اس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور صحیح یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا افضل اور مستحب ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔

اور کتاب الدعوات میں جو علامہ ابن بطال نے شرح کی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ نماز کے بعد ذکر کرنے کی بہ نسبت تلاوت قرآن پڑھنا افضل ہے اور تلاوتِ قرآن کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تلاوتِ قرآن کے برابر کوئی چیز نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر وقت تلاوتِ قرآن کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے، جب کہ خود قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی ترغیب دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الاحزاب: ۴۱-۴۲)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو ○ اور صبح اور شام کو اس کی تسبیح کیا کرو ○

اور علامہ ابن بطال نے متعدد احادیث بیان کی ہیں جن میں تصریح ہے کہ جو لوگ صبح کی نماز کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یہ ان کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جو لوگ عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یہ ان کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ سو قرآن مجید کی تلاوت بھی افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی افضل ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت کے افضل ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے، یا کوئی اور عبادت نہ کی جائے۔

اس بحث میں درج ذیل عبارت نص صریح ہے:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہا میں جماعت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے سوا اس صورت کے کہ ان کی بلند آواز سے کسی سونے والے کی نیند میں حرج ہو، یا کسی نمازی کی نماز میں خلل ہو یا کسی قاری کی تلاوت قرآن میں حرج ہو۔ (اس صورت میں ذکر بالجہر مستحب نہیں ہوگا تاہم جواز پھر بھی ہوگا، کیونکہ یہ استثناء استحباب سے ہے)۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الشیخ احمد طحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور اللہ اکبر پڑھنا جائز ہے بلکہ سلف صالحین میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ مستحب ہے اور متاخرین میں سے ابن حزم نے اس پر وثوق کیا ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۲۴، المکتبۃ الغوثیہ، کراچی)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر بالجہر کے متعلق فقہاء کے نظریات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے وراد کو لکھوایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:

اس قسم کی حدیث دراصل حدیثِ مرفوع ہوتی ہے یعنی یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔اس میں بعض لوگوں کا اختلاف بھی ہے لیکن امام مسلم اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کی حدیث، حدیثِ مرفوع ہوتی ہے۔

اور اس حدیث میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کے جواز اور اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

امام طبری نے کہا ہے: اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض امراء جو نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں تو یہ جائز ہے۔ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے اس پر رد کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس پر مطلع نہیں ہوئے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کہا ہو سوا اس کے جو ابن حبیب نے ''الواضحہ'' میں لکھا ہے کہ وہ لوگ اپنے لشکروں میں صبح کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اور انہوں نے کہا: یہ لوگوں کا قدیم طریقہ ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا: ''العتبیۃ'' میں امام مالک سے منقول ہے کہ یہ چیز بدعت ہے، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا سیاق اس کی خبر دیتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی وقت میں بھی بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے، اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے جو کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عبارت میں صحابہ کی تقیید پر اعتراض ہے بلکہ اس وقت صحابہ بہت کم تھے۔ علامہ النووی شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ صحابہ نے تھوڑے وقت کے لیے ذکر بالجہر کیا تھا تاکہ ذکر کی صفت کی تعلیم ہو جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دائماً بلند آواز سے ذکر کرتے تھے اور مختار یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کریں سوا اس کے کہ اگر تعلیم کی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز سے ذکر کریں۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

ذکر بالجہر کے جواز کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے اس حدیث کو اپنے نظریہ کے مطابق ڈھالا ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کا نظریہ حدیث کے مطابق ہو نہ کہ حدیث کو ان کے نظریہ کے تابع کیا جائے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے۔ اور اس ذکر کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر روایت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے یہ ذکر فرماتے تھے۔ اب اس میں یہ قید لگانا کہ تھوڑے عرصہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذکر بلند آواز سے کیا تھا، محض اپنی طرف سے حدیث کے عموم کو مقید کرنا ہے۔ اس حدیث میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ذکر تھوڑے عرصہ کے لیے بلند آواز سے کیا تھا اور پھر بعد میں آپ پست آواز سے ذکر کرنے لگے تھے۔ اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''کان یقول'' اور یہ ماضی استمراری ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائماً فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ اور بلند آواز سے ذکر کرنا صرف ذکر کی تعلیم کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ نووی وغیرہ نے سمجھا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جلالت اور اس کی شان کو بلند کرنے کے لیے ہے۔ تاہم آہستہ ذکر کرنے کی اپنی فضیلت ہے اور اس کا اپنا مقام ہے لیکن اس حدیث میں جو مذکور ہے وہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۳۔ بَابٌ: مَنْ تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ

سختیوں اور مشکلات اور بری قسمت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ (الفلق:۱۔۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دو چیزوں سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے، ان میں سے ایک ہے سختیوں اور مشکلات کو پانا اور یہ دینی اور دنیاوی دونوں مشکلات کو شامل ہے اور دوسری چیز ہے بری قسمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے اس آیت کریمہ کے ذکر سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ بندہ اپنے فعل کو خود پیدا کرتا ہے، کیونکہ اگر یہ افعال بندہ کے پیدا کیے ہوئے ہوتے تو ان سے پناہ طلب کرنے کا کوئی معنی نہ تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سمی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مصیبت کی سختی، مشکل کاموں کے حدوث اور بری قسمت اور دشمنوں کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۷، ۶۶۱۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۷، سنن نسائی: ۵۴۹۲، مسند احمد: ۷۳۰۸)

صحیح البخاری: ۶۶۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان حدیث کی عبارت کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور سمی کا ذکر ہے، یہ ابو بکر مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابو صالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہد البلاء اور درک الشقاء وغیرہ سے پناہ طلب کرو''۔

اس حدیث میں ہے'' تعوذوا'' یعنی تم مصیبت کی مشقت وغیرہ سے پناہ طلب کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے'' اور آپ نے'' درك الشقا'' سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا''۔'' درك'' کا معنی ہے ادراک اور لحوق، یعنی کسی چیز کو پانا اور اس کا حصول۔ اور'' شقاء'' کا معنی ہے: شدت اور تنگی اور یہ سعادت کی ضد ہے یعنی بدبختی۔ اور اس کا اطلاق اس سبب پر کیا جاتا ہے جو ہلاکت کی طرف پہنچائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ'' درك الشقاء'' کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

اسی طرح'' سوٓء القضاء'' یعنی بری تقدیر، یہ بھی عام ہے نفس میں اور مال میں اور اہل میں اور خاتمہ میں اور آخرت میں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ'' سوٓء القضاء'' سے پناہ طلب کرتے تھے۔ قضاء سے مراد ہے المقضی، یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے، اس کے کسی حکم میں برائی نہیں ہے۔ علماء نے قضاء اور قدر کی تعریف میں بیان کیا ہے کہ قضاء کا معنی ہے: ازل میں کلیات کا بطورِ اجمال حکم کرنا۔ اور قدر کا معنی ہے: ان کلیات کی جزئیات کے وقوع پر بطورِ تفصیل کے حکم لگانا۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر:۲۱)

اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

اس آیت میں'' خَزَآئِنُهٗ'' کا لفظ ہے، یہ خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا اس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں، عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے'' وشماتة الاعداء'' اس کا معنی ہے کہ دشمنوں کی خوشی پر غم ناک ہونا اور جب دشمن اس کے غم پر خوش ہوں تو اس سے دل میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور بہت زیادہ قلق ہوتا ہے۔

اور تعوذ کے یہ کلمات جامعہ ہیں، کیونکہ مصیبت یا تو مبدأ کی جہت سے ہوگی اور وہ بری تقدیر ہے۔ یا معاد کی جہت سے ہوگی اور وہ بدبختی کا حصول ہے، کیونکہ حقیقی بدبختی وہی ہے جو آخرت میں بدبختی ہو یا دنیا کی زندگی کے اعتبار سے مصیبت ہوگی یا دوسروں کی وجہ سے ہوگی یا اس کے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی۔ اگر دوسروں کی وجہ سے ہو تو وہ دشمنوں کا خوش ہونا ہے۔ اور اگر اپنے نفس کی وجہ سے ہو تو وہ جہد البلاء ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔

صحیح البخاری: ٦٦١٦، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جهد البلاء'' اور ''درك الشقاء'' سے پناہ طلب کرنے کی حکمت

ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں سے ہم پر کوئی ایسا فعل نازل فرمائے جو ہم پر دشوار ہو کیونکہ اس کا تقاضا شدت اور مشقت ہے اور یہ بلاء اور شقاء ہے اور سوء قضاء ہے اور شماتتِ اعداء ہے۔ پس شقاء دین اور دنیا دونوں میں ہوتی ہے، اور جب شقاء دنیا میں ہو تو یہ زندگی میں تنگی ہوتی ہے اور رزق میں کمی ہوتی ہے۔

''جهد البلاء'' کا معنی ہے: جب اولاد زیادہ ہو اور سامانِ معیشت کم ہو اور اس میں شدید مصیبت ہے۔

اور ''درك الشقاء'' سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان معیشت کی تنگی کو پائے اور اس کی مشقت سے اس کو ضرر ہو۔

اور ''سؤ القضاء'' سے مراد ہے ایسی تقدیر جو انسان کو ناگوار ہو اور اس کو غم میں ڈالے۔

اور ''شماتة الاعداء'' کا معنی ہے: کہ جب انسان پر کوئی تکلیف یا مصیبت آئے تو اس سے اس کے دشمن خوش ہوں، اور کہا گیا ہے کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿ (الاعراف: ۱۵۰) پس آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے ○

اور ''سوء القضاء'' یعنی بری تقدیر، یہ اللہ تعالیٰ کی تمام قضاؤں کے متعلق عام ہے خواہ اس قضاء کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو۔ اور جس قضاء کا تعلق دنیا سے ہو اس سے مراد ہے زندگی میں تنگی اور رزق میں کمی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور اگر دین میں ہو تو یہ کفر اور معصیت ہے یعنی کفر اور معصیت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ پس جن تمام چیزوں سے ہمیں پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد: ۱۶) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۷۳۔ ۱۷۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ٦٦١٦، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے سورۂ فلق کی جو دو آیتیں ذکر کی ہیں اس سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے، کیونکہ وہ بری تقدیر جس سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر اس کا فاعل بندہ ہوتا تو اس سے پناہ طلب کرنے کا کوئی معنی نہیں تھا، کیونکہ اسی سے پناہ طلب کرنے کا معنی صحیح ہے جو اس پر قادر ہو کہ وہ اس چیز کو زائل کر دے جس سے پناہ طلب کی گئی ہے اور یہ حدیث اس کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا فاعل ہے اور سوءِ قضاء سے مراد سوءِ المقضی ہے کیونکہ قضاء کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم اور مقضی کا معنی ہے جس چیز کا حکم دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابٌ: يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (الانفال:۲۴)

انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں پوری آیت ذکر نہیں کی گئی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (الانفال:۲۴) اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے O

سعید بن جبیر نے اس آیت کا معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان لانے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مومن کے کفر کرنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس کی اطاعت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسی طرح ضحاک سے مروی ہے۔

اور مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پس اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا عمل کرے۔

اور اس عنوان سے غرض یہ اشارہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ہر کسب کا خالق ہے خواہ وہ کسب خیر ہو یا شر ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو اور اس کے لیے صرف اس کی ضد یعنی کفر کو مقدر فرمایا اور مومن اور کفر کے درمیان حائل ہو، اور مومن کو کفر کی ضد پر قادر کرے اور وہ ایمان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن کو گمراہی پر برقرار رکھا یہ بھی اس کا عدل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نہیں روکا جو ان پر حق واجب تھا اور اپنے ارادہ کے مطابق ان کو پیدا کیا نہ کہ ان کے ارادہ کے مطابق اور ان میں ہدایت کی طاقت پیدا کی اور اس کی توفیق عطا فرمائی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَثِيرًا مِمَّا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از سالم از حضرت عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما)، انہوں نے بیان کیا: بہت مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم اٹھاتے وقت فرماتے: دلوں کو پلٹنے والے کی قسم!

(صحیح البخاری: ۶۶۲۸، ۷۳۹۱، سنن ترمذی: ۱۵۴۰، سنن نسائی: ۳۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۳، مسند احمد: ۴۷۸۳، سنن دارمی: ۲۳۵۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بندہ اور اس کے قلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حائل ہونا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے "دلوں کو پلٹنے والے کی قسم"۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے اور وہ کفر کے اوپر ایمان کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فعل عدل ہے، اس کا کوئی فعل غلط یا ظلم نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں پر مطلع نہ ہوسکیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور یہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عقبہ، عُقبہ میں عین پر پیش ہے اور قاف ساکن ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، اور یہ ابن عبداللہ ہیں اور یہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کثیرا" یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اصل عبارت یوں ہے "یحلف حلفا کثیرا" یعنی آپ حلف کے الفاظ میں سے جس لفظ سے حلف اٹھانا چاہتے تو زیادہ تر یوں حلف اٹھاتے تھے "لا ومقلب القلوب"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا"، یہاں پر بھی عبارت محذوف ہے یعنی "لا افعل" یا "لا اترك" یعنی مقلب القلوب کے حق کی قسم اور وہ اللہ عزوجل ہے، میں اس کام کو ترک نہیں کروں گا یا یہ کام نہیں کروں گا۔ اور واؤ اس میں قسم کے لیے ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مقلب القلوب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی اغراض کو پلٹ دیتا ہے اور ان کے ارادہ کے احوال کو پلٹ دیتا ہے، کیونکہ حقیقت میں دل کو نہیں پلٹا جاتا بلکہ دل میں آئے ہوئے ارادوں کو پلٹ دیا جاتا ہے۔

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دل کے جو اعمال ہیں اس میں جو ارادے ہوتے ہیں اور کسی کام کے لیے جو محرکات ہوتے ہیں اور باقی اغراض جو ہوتی ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہیں جیسا کہ ظاہری اعضاء کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸۔ ۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ وَبِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِابْنِ صَيَّادٍ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا قَالَ الدُّخُّ قَالَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ قَالَ دَعْهُ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَا تُطِيقُهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن حفص اور بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا: میں نے تیرے لیے ایک چیز چھپائی ہے، اس نے کہا: وہ دُخ ہے، آپ نے فرمایا: دفع ہو، تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کرسکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت

دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، اگر یہ وہی ہے تو تم اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۴۹، مسند احمد: ۶۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۶۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اگر یہ ابن صیاد وہی ہے (یعنی دجال) جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ ہے کہ اس نے نکلنا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے تو تمہارا خالق تمہیں اس کے قتل پر ہرگز قادر نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ثابت ہے کہ وہ نکلے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، کیونکہ اگر اس نے تم کو اس کے قتل پر قادر کر دیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا علم جہل کے ساتھ منقلب ہو جائے گا یعنی بدل جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور برتر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن حفص، یہ المروزی ہیں، یہ عسقلان میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن محمد، بشر میں باء کے نیچے زیر ہے اور سین ساکن ہے، یہ ابو محمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں اس باب میں گزر چکی ہے "اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه" وہاں اس حدیث کو بہت طول کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابن صیاد، اس کا نام "صاف" تھا، یہ یہودی لڑکا تھا اور اس کی باتوں سے لوگوں کو اس کے اوپر دجال کے ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خبیئا" یہ "خبأ" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: چھپی ہوئی چیز۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الدُّخ" اس سے مراد ہے الدُّخان، ایک قول یہ ہے کہ ابن صیاد نے "الدخان" کہنے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے وہ دخان کہنے پر قادر نہ ہو سکا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ڈانٹا تو وہ پورا کلمہ دخان نہیں کہہ سکا۔

میں کہتا ہوں: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن صیاد کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ دل میں چھپی ہوئی باتوں کو جان لیتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا

امتحان لینے کے لیے فرمایا: میں نے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے، اب تم بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت چھپائی تھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O

(الدخان: ۱۰)

ابن صیاد پر یہ پوری آیت تو منکشف نہیں ہو سکی تو اس نے ''دخان'' کی جگہ ''الدُّخ'' کہا۔

اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ ابن صیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں چھپی ہوئی چیز کے کچھ حصہ پر بھی کیسے مطلع ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تھا کہ میں نے اپنے دل میں یہ آیت چھپائی ہے تا کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ ابن صیاد اس چیز پر مطلع نہیں ہو سکا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں چھپایا تھا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ بتا رہے تھے تو شیاطینِ جن نے سن لیا اور وہ ''دُخ'' کا لفظ سمجھ سکے اور یہ لفظ انہوں نے ابنِ صیاد کو القاء کر دیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دفع ہو، تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اخسأ'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کتا بھاگ جائے یا دور چلا جائے اور ''اخسأ'' اسی سے امر ہے اور یہ کسی کی اہانت کے لیے کہا جاتا ہے یعنی تم دفع ہو جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر یہ وہی ہے تو تم اس کی طاقت نہیں رکھتے'' یعنی تم اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ تقدیر میں یہ مقرر ہے کہ دجال آخر زمانہ میں نکلے گا اور زمین میں فساد کرے گا، پھر اس کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قتل کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلا خیر لک'' یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ابن صیاد نبوت کا دعویٰ کرتا تھا۔ پس اس کے قتل میں خیر کیوں نہیں ہوگی؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس وقت ابن صیاد نابالغ تھا یا وہ ایام یہود کے ساتھ صلح کے ایام تھے اور اس دوران یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو چھپا کر ابن صیاد کا امتحان لینا، تو وہ اس لیے تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کے دعویٰ کا بطلان ظاہر ہو جائے۔ اور اس کا مرتبہ کاہنوں سے متجاوز نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۹۔ ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الانفال: ۲۴ کی تفسیر از مصنف

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (الانفال: ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O

انسان اوراس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حائل ہونے کے محامل

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ، کافر اوراس کے ایمان لانے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور مومن اوراس کے کفر کرنے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کافر اوراس کے ایمان اور اللہ کی اطاعت کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہوجاتا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ کافر اوراس کی اطاعت اور مومن اوراس کی معصیت کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہوجاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: انسان اوراس کی عقل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہوجاتا ہے۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ ان کے دلوں کا مالک ہے، اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ارادوں کے درمیان حائل ہوجاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لاسکتا ہے نہ کفر کرسکتا ہے، نیک کام کرسکتا ہے نہ گناہ کرسکتا ہے۔ (جامع البیان جز ۹ ص ۲۸۳۔۲۸۷)

تقدیر پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے تو نیک کاموں پر انسان مدح اور ثواب کا اور برے کاموں پر مذمت اور سزا کا کیوں مستحق ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مشیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے، اللہ عزوجل اپنے اس علمِ ازل کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مصرف القلوب! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۴، السنن الکبریٰ: ۷۸۶۱)

قاضی بیضاوی نے کہا: دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے اوراس نے یہ تصرف اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے مقلب القلوب! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے یہ تصرف اس کے تمام بندوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے۔ اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اس تصرف سے مستثنیٰ ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً اپنے دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا فرمائی ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ ترین دل بھی اللہ سبحانہٗ کی پناہ لینے کا محتاج ہے تو دوسرے لوگ جو آپ سے کہیں کم مرتبہ کے ہیں وہ اس دعا کو کرنے کے کس قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔

رہا یہ کہ رحمٰن کی دو انگلیوں سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

اول یہ ہے کہ دو انگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اوراس کا تصرف ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پر بغیر کسی تاویل اور توجیہ کے ایمان لانا چاہیے اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ حق ہے اوراس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ''(الشوریٰ:۱۱)،(اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔

صحیح البخاری:۶۶۱۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الانفال: ۲۴ کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کو پیدا کیا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس کے ایمان جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پس کافر ایمان کا کسب نہیں کرتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں ایمان نہ لکھا ہو بلکہ کافر کو ایمان کی ضد پر قادر کرتا ہے اور وہ کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مومن اور کفر جس سے اللہ تعالیٰ نے مومن کو روکا ہے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے بایں طور کہ اس کو کفر پر قادر نہیں کرتا بلکہ اس کو ایمان پر قادر کرتا ہے اور وہ ایمان کے ساتھ متصف ہوتا ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کفر اور ایمان دونوں کا خالق ہے، پس اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر کسب کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو اور حدیث میں جو ہے ''لا ومقلب القلوب'' یعنی دلوں کو پلٹنے والے کی قسم! کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے کہ وہ کفر کی بجائے ایمان کو اختیار کرے یا ایمان کے بجائے کفر کو اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل اس کا عدل ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر برقرار رکھے یا جس کے اندر ایمان پیدا کر دے یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے، کیونکہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔

امام آجری نے حبیب بن شہید کی حدیث سے روایت کی ہے کہ چند لوگ تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے ایاس بن معاویہ کے پاس آئے، پس ایاس نے ان سے پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی چیز کا حکم بھی دیا ہے اور کسی چیز سے ان کو منع بھی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر بالکل ظلم نہیں کرتا تو ایاس نے ان سے پوچھا: مجھے بتاؤ کہ ظلم کی تعریف تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے ظلم کی تعریف معلوم ہے، کہا: اچھا بتاؤ ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: ظلم یہ ہے کہ مرد اس چیز کو لے جو اس کی نہیں ہے، تو ایاس نے کہا: جس نے اس چیز کو لیا ہو جو اس کی ہے تو کیا یہ بھی ظلم ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تو ایاس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہر چیز ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرے گا وہ ظلم نہیں ہے۔ (الشریعۃ للآجری:۴۸۷)

حضرت عمران بن حصین نے ابوالاسود الدیلی سے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے وسیع ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا بھی صدقہ کرو تو تم سے وہ قبول نہیں ہوگا حتیٰ کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ ہر خیر اور شر تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی مثل حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۹، سنن ابن ماجہ: ۷۷)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر یہ وہی ہے تو تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ الحدیث۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں دجال کا نکلنا ہے اور اس کا لوگوں کے لیے گمراہ کرنا ہے تو ہرگز اس کا خالق تمہیں اس کے قتل کرنے پر قادر نہیں کرے گا جس کے متعلق اللہ کو علم ہے کہ وہ نکلے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر قادر

کردے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۵۔ بَابٌ: قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا (التوبہ: ۵۱) قَضَی

آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔

''قضی'' کا معنی ہے: اس نے مقدر کر دیا۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: (بِفَاتِنِيْنَ) بِمُضِلِّيْنَ- إِلَّا مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ أَنَّهُ يَصْلَى الْجَحِيْمَ

مجاہد نے کہا: ''فتنین'' کا معنی ہے: ''مضلین'' یعنی گمراہ کرنے والے۔ سوا اس کے جس کے لیے اللہ نے مقدر کر دیا کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

''قَدَّرَ فَهَدٰى ۝'' (الاعلیٰ: ۳)

قَدَّرَ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ، وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا-

''قَدَّرَ فَهَدٰی'' کا معنی ہے: اللہ نے سختی یا بدبختی کو مقدر کیا اور نیک بختی کو مقدر کیا۔ اور مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی طرف ہدایت دی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے التوبہ: ۵۱ لکھنے کے بعد لکھا ہے ''قضی'' یہ ''کَتَبَ'' کی تفسیر ہے اور اس آیت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا علم ہے کہ ان کو دنیا میں کیا سختیاں اور تکلیفیں اور تنگی اور فراخی اور کشادگی پہنچے گی، کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں، وہ اپنے بندوں کے لیے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کو خیر اور شر میں مبتلاء کرتا ہے اور یہ سب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

مجاہد نے کہا کہ ''فاتنین'' کی تفسیر ہے ''مضلین''، یہ دراصل اس آیت کی تفسیر ہے:

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝ (الصافات: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

تم اللہ (کی مشیت) کے خلاف (زبردستی) کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے ○ سوا اس کے جو (اپنے کفر کے سبب خود ہی) دوزخ میں جا گرنے والا ہے ○

یعنی تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مقدر کر دیا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

اس تعلیق کو عبد بن حُمید نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے سوا اس کے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو لکھ دیا ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق سے الاعلیٰ: ۳ کی جو مجاہد نے تفسیر کی ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (الاعلیٰ:۳)
اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا، پھر ہدایت دی O

مجاہد نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدبختی اور نیک بختی کو مقدر کیا ہے۔ اس تفسیر کو فریابی نے سندِ موصول کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے اور یہ جو آگے لکھا ہے کہ مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی طرف ہدایت دی اس کا تعلق اس کے ماقبل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ بھی تفسیر ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ (طٰہٰ:۵۰)
موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی، پھر ہدایت دی O

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۹ ۔ حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِیُّ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِی الْفُرَاتِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الطَّاعُونِ فَقَالَ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ فَجَعَلَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَكُونُ فِی بَلَدٍ يَكُونُ فِيهِ وَيَمْكُثُ فِيهِ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْبَلَدِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۴، ۵۷۳۴، ۶۶۱۹، مسند احمد: ۲۳۸۴۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں داؤد بن ابی الفرات نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن بریدہ از یحییٰ بن یعمر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب تھا جس کو اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا تھا بھیجتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا، جو بندہ کسی شہر میں ہو اور اس میں طاعون ہو تو وہ اسی شہر میں رہے اور اس شہر سے نہ نکلے صبر کرتا رہے اور ثواب کی نیت کرتا رہے اور یہ یقین رکھے کہ اس پر وہی مصیبت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے، سو جو شخص ایسا کرے گا اس کو شہید کے اجر کی مثل ملے گا۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''ہمیں وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے'' اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ جو شخص طاعون کی بیماری پر صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کی مثل اجر عطا فرمائے گا جب کہ اس کا یہ یقین ہو کہ اس کو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، اور وہ ابن راہویہ ہیں اور ان کی نسبت حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بنی تمیم کی طرف ہے اور اس قبیلہ کے عام لوگ بصرہ میں تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر، یہ ابن شمیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے داؤد بن ابی الفرات، یہ المروزی ہیں، یہ بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن بریدہ، یہ بردہ کی تصغیر ہے، یہ اسلمی ہیں اور مرو کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یعمر، یہ بھی مرو کے قاضی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال مروزیون ہیں اور یہ عجیب وغریب بات ہے۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں اور ذکر بنی اسرائیل میں اور کتاب الطب میں از اسحاق از حبان گزر چکی ہے۔ امام نسائی نے اس کو کتاب الطب میں از عباس بن محمد روایت کیا ہے۔ اور اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "طاعون"۔ اہل اللغت نے کہا ہے کہ یہ ایک وباء ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک پھوڑا ہے جس سے بہت سخت درد ہوتا ہے اور عموماً یہ بغلوں میں نکلتا ہے اور اس کے اردگرد کی جگہ سیاہ ہو جاتی ہے اور دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنادیا ہے"۔ اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ عذاب کے رحمت ہونے کی کیا توجیہ ہے؟۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ صورت میں تکلیف اور آزمائش ہے لیکن یہ اس اعتبار سے رحمت ہے کہ یہ آخرت میں شہید کے اجر کی مثل کو متضمن ہے، لہٰذا طاعون اس امت کے لیے رحمت کا سبب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۰۔۲۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

طاعون کے متعلق جدید تحقیق

جدید سائنس کے مطابق طاعون کی بیماری جس کو پلیگ کہتے ہیں، ایک زہریلے جرثومہ کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ جنگلی چوہوں سے گھریلو چوہوں میں منتقل ہوتا ہے، جب ان چوہوں کی تعداد کم ہونے لگتی ہے تو ان کو کاٹنے والی مکھیاں انسانوں کو کاٹ کر بیماری پھیلانے کا باعث بنتی ہیں، کبھی کبھار یہ متاثرہ شخص کا پاخانہ جلد کے ساتھ لگ جانے اور سانس کے بخارات کے ذریعہ سے بھی پھیلتی ہے۔

طاعون کی سب سے عام قسم جو نوے فیصد متاثرہ لوگوں میں ہوتی ہے اس میں اس انفیکشن کے ایک ہفتہ کے بعد شدت ہوتی ہے اور شدید بخار ہوتا ہے، سردی لگتی ہے، سر میں درد اور جسم میں درد اور متلی ہوتی ہے اور الٹی بھی آتی ہے، شدید کمزوری اور نقاہت ہوتی ہے، اس کے بعد بغل میں درد ہوتا ہے خاص طور پر رانوں کے جوڑوں میں سخت گلٹیاں بن جاتی ہیں، ایک سے دو ہفتہ میں ان سے پیپ نکلنی شروع ہو جاتی ہے اور آنتوں میں یا پھیپھڑوں میں یا پیشاب کے راستہ میں خون بھی آسکتا ہے، قوتِ شنید کم ہو جاتی ہے، آواز بھرا جاتی ہے، زبان سوج جاتی ہے اور سفید اور خشک ہو جاتی ہے، زہر پھیلنے پر مریض گھبرایا ہوا نظر آتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب مذکور کے ساتھ مناسبت

اس باب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بتایا ہے کہ دنیا میں ان کو جو مصائب اور تکلیفیں اور تنگیاں اور آسانیاں اور رزق کی فراوانی پہنچتی ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کو خیر اور شر میں مبتلاء فرماتا ہے۔ اور یہ سب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ وہ قدری ہو یا سنی ہو، اختلاف اس بات میں ہے کہ بندوں کے جو افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ آیا ان کا فعل ہیں یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ اور اس باب میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کے ایسے افعال ہوتے ہیں جن کا صدور صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ مخلوق اپنے کسب سے ان کو اختیار کرتی ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طاعون کے متعلق احادیث

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک طائفہ کے اوپر بھیجا گیا تھا یا فرمایا: تم سے (پہلے کے) لوگوں پر بھیجا گیا تھا، پس جب کسی زمین کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون ہے تو تم اس زمین میں نہ جاؤ، اور جب کسی زمین میں طاعون واقع ہو اور تم اسی زمین پر ہو تو وہاں سے نہ نکلو طاعون سے بھاگتے ہوئے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے میدانِ جہاد سے کوئی پیٹھ موڑ کر بھاگے اور طاعون کی وبا میں ثابت قدم رہنا ایسا ہے جیسے کوئی آدمی میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ اور ایک روایت میں ہے: جس نے طاعون پر صبر کیا اس کو شہید کا اجر ملے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳، ج ۳ ص ۳۶۰)

علامہ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند احمد اور بزار اور طبرانی کی المعجم الاوسط میں رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۲)

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جو شخص وبا کی سرزمین میں نہ ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وبا کی سرزمین میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اور جو شخص وبا کی سرزمین میں ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ وبا سے بھاگنا لازم نہ آئے۔ اور یہ معنی اس حدیث کے مطابق ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم

صبر کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۹۶۶، کتاب الجہاد)

طاعون زدہ علاقہ میں دخول کی ممانعت اور طاعون زدہ علاقہ سے فرار کی ممانعت کی توجیہ

حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں سے نہ نکلو، اس کا محمل یہ ہے کہ طاعون سے بھاگنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو، لیکن اگر انسان کسی اور غرض سے اس علاقہ سے نکلے مثلاً تجارت کے لیے یا کسی ضروری کام کے لیے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں سے نکلنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس آدمی کا یہ گمان ہوگا کہ اس جگہ سے بھاگنے سے اسے تقدیر سے نجات مل جائے گی اور یہ تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں پر نہ جاؤ، اس لیے کہ اگر تم ایسی جگہ ٹھہرو گے جہاں طاعون نہیں ہے تو اس سے تمہارا دل پر سکون رہے گا۔

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ جس شہر میں بہ کثرت اموات ہو رہی ہوں یا بیماریاں ہوں تو کیا اس کی طرف نکلنا مکروہ ہے؟ تو امام مالک نے کہا: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اس جگہ سے نکلے یا وہاں ٹھہرے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کے مشابہ ہے جو طاعون کے متعلق حدیث ہے۔ (المفہم للقرطبی ج ۵ ص ۶۱۴)

طاعون زدہ علاقہ سے فرار کے متعلق سلف صالحین کے مختلف اقوال

امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ وباء سے بھاگنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو اس جگہ بھیجتے تھے جہاں طاعون ہو اور اسود بن ہلال اور مسروق سے مروی ہے کہ وہ اس جگہ سے بھاگتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اس عذاب سے گھاٹیوں اور وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک ان کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا: بلکہ وہ شہادت ہے اور رحمت ہے اور تمہارے نبی کی دعا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸، کشف الاستار ج ۳ ص ۳۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۶۱، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۳۰۶، صحیح ابن حبان: ۲۹۵۱)

کوفہ میں طاعون تھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل گئے، پھر جب وہ حصاص بن عوف (ایک مقام کا نام) میں پہنچے تو ان کو طاعون ہو گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

اور رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تو وہ مقام سرغ سے لوٹ آئے اور اس جگہ نہیں گئے جہاں پر طاعون تھا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۲۹) اور یہ اس لیے تھا تاکہ عام لوگوں کے وہموں میں تشویش نہ ہو اور وہ اپنے لوٹ آنے پر نادم ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب از عبداللہ بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے حتیٰ کہ جب مقام سرغ پر پہنچے تو ان سے

اجناد کے امراء نے ملاقات کی، ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے اصحاب تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے لیے مہاجرین اولین کو بلاؤ، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بلایا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ وبا شام میں پھیل چکی ہے، پس بعض نے کہا: آپ ایک کام کے لئے نکلے ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ وہ کام کیے بغیر واپس جائیں۔ اور بعض نے کہا: آپ کے پاس باقی لوگ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اس وباء والے علاقہ میں جائیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے انصار کو بلاؤ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس میں نے انصار کو بلایا، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا تو وہ بھی مہاجرین کے طریقہ پر چلے اور ان میں بھی انہی کی طرح اختلاف تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے ان کو بلاؤ جو یہاں پر قریش کے بزرگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت مہاجر تھے، پس میں نے ان کو بلایا، تو ان میں سے دو مردوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واپس لے جائیں اور اس وبا والے علاقہ میں نہ جائیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں ندا کر دی کہ میں صبح کو یہاں سے سوار ہو جاؤں گا، پس لوگ صبح کو تیار ہو گئے، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! آپ کے سوا کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی اے ابوعبیدہ! ہاں، ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں دو چراگاہیں ہوں، ایک سرسبز و شاداب ہو اور دوسری بنجر ہو، کیا آپ ایسی چراگاہ میں اتریں جو سرسبز و شاداب ہو تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر آپ ایسی چراگاہ میں اتریں جو بنجر ہو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے، اتنے میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور وہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے، پس انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس مسئلہ کا علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اس میں طاعون ہے تو وہاں پر مت جاؤ، اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں طاعون آ چکا ہو تو وہاں سے تم نہ نکلو طاعون سے بھاگنے کے سبب سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور واپس چلے گئے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۶۹، ۱۶۸۵، موطا امام مالک: ۱۶۵۵، ۱۶۵۷)

''جو اس علاقہ سے بھاگے جہاں طاعون تھا'' انہوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون کے علاقہ میں دخول یا طاعون کے علاقہ سے خروج سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ کو فتنہ کا خوف تھا کہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ جو شخص طاعون کے علاقہ میں گیا تو وہ وہاں جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اور جو شخص وہاں سے بھاگ گیا وہ یہ گمان کرے گا کہ وہ اپنے بھاگنے کی وجہ سے سلامت رہا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے بدشگونی سے منع فرمایا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اس کے لیے فتنہ ہے جو اس علاقہ سے بھاگا، وہ کہے گا: میں بھاگا تو میں نجات پا گیا اور جو اس جگہ ٹھہرا رہا اس کے لیے بھی فتنہ ہے، وہ کہے گا: چونکہ میں یہاں ٹھہرا رہا اس لیے اس وبا میں مبتلا ہوا، اور جو بھاگا تو اس کی ابھی موت نہیں آئی تھی اور جو ٹھہرا رہا تو اس کی موت آ گئی تھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے میدانِ جنگ سے بھاگنا۔

اور کہا جاتا ہے: بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی وبا سے بھاگا ہو اور سلامت رہا ہو اور اس میں نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ (البقرہ: ۲۴۳)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے، سو اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چالیس ہزار لوگ تھے جو طاعون سے بھاگے تھے، سو وہ مر گئے، پس انبیاء میں سے اللہ کے ایک نبی نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر دے حتیٰ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ نبی حضرت حزقیل علیہ السلام تھے۔ اس کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں بیان کیا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۵۱)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا موجب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۶۴۶۔ ۶۴۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابٌ: وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف: ۴۳)

اور اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (الزمر: ۵۷)

یا یہ کہے کہ اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ان دو آیتوں کو ذکر کیا ہے اور اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنے میں منفرد ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایمان اور کفر کے کسب پر قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ بندوں کی تخلیق نہیں ہے جیسا کہ قدریہ کا زعم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ هُوَ ابْنُ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ وَهُوَ يَقُوْلُ

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا صُمْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی اور وہ ابن حازم ہیں از ابی اسحاق، از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے دن دیکھا، آپ ہمارے ساتھ مٹی کو منتقل فرما رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے: اللہ کی قسم! اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا — اور نہ ہم روزہ رکھتے اور نہ نماز پڑھتے۔
وَثَبِّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا — پس تو ہم پر سکینہ نازل فرما
وَالْمُشْرِكُونَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا — اگر دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا — اور مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے
جب وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۳۰۳۴، ۴۱۰۴، ۴۱۰۶، ۶۶۲۰، ۷۲۳۶، صحیح مسلم: ۱۸۰۳، مسند احمد: ۱۸۰۹۸، سنن دارمی: ۲۴۵۵)

صحیح البخاری: ۶۶۲۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے ''اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر بن حازم، اس میں حاء اور زاء ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسحاق، یہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب ''حفر الخندق'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے'' اس کا معنی ہے: انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جب وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے''۔ یعنی ہم فتنہ سے دور رہیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۱۔۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کتاب القدر کا اختتام

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت سے کتاب القدر کی تکمیل ہو گئی۔

کتاب القدر میں انتیس (۲۹) احادیثِ مرفوعہ ہیں اور ان میں سے تین (۳) تعلیقات ہیں اور باقی احادیثِ موصولہ ہیں۔ ان میں سے بائیس (۲۲) احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث سات (۷) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ صحیح البخاری کی کتاب القدر کی تکمیل ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہمیں تقدیر کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد کے اوپر قائم رکھے اور بد مذہبوں اور گمراہوں کی بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھے اور جو صحیح البخاری کی کتب اور ابواب باقی رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی تکمیل بھی کرا دے۔ کتاب القدر کے بعد اب ان شاء اللہ ''کتاب الایمان والنذور'' شروع ہو گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۸۳۔ كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب قسموں اور نذروں کی اقسام کے بیان میں ہے۔ ''ایمان'' کا لفظ ''یمین'' کی جمع ہے، یمین کا لغوی معنی ہے: قوت۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ (الحاقۃ: ۴۴۔۴۵) اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ○ تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ○

اور ''یمین'' کے لفظ کا معنی دایاں ہاتھ بھی ہے۔ اور اس کا شرعی معنی ہے: خبر کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو اس کے ساتھ قوت دینا جس کی قسم کھائی گئی ہے۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

''یمین'' کا معنی ہے: جس چیز کا وجود ضروری ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محقق کرنا یا ثابت کرنا، اور مکلف کا کسی عبادت کا التزام کرنا۔

اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ ''نذر'' کا معنی ہے: عبادت یا صدقہ یا ان کی مثل کسی چیز کو اپنے اوپر تبرعاً واجب کرنا، کہا جاتا ہے ''نذرت الشیء نذرا'' میں نے کسی چیز کی نذر مانی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' میں الف پر زبر ہے اور یہ ''یمین'' کی جمع ہے، اور نذور کا لفظ ذال کے ساتھ ہے، یہ نذر کی جمع ہے۔ اس باب کا امام ابن بطال نے کتاب البیوع سے پہلے اور کتاب الاشربہ کے بعد ذکر کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۸۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' کا لفظ یمین کی جمع ہے اور لغت میں یمین کا اصل معنی ہے: ہاتھ، اور اس کا حلف پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے، کیونکہ عرب جب کسی چیز پر حلف اٹھاتے تھے تو ہر ایک اپنے صاحب کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے ''الید الیمنیٰ'' یعنی سیدھا ہاتھ، اس کی شان کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے، اس لیے حلف کو بھی یمین کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ جس پر حلف اٹھایا جائے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور یمین کی جمع ''ایمن'' بھی آتی ہے جیسے رغیف کی جمع ارغف آتی ہے۔

اور یمین کا عرفی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے اسم یا اس کی کسی صفت کو ذکر کر کے کسی چیز کی تاکید کو ذکر کرنا، اور یہ سب سے مختصر اور

سب سے فہم کے قریب ترین تعریف ہے۔ اور ''نذور'' نذر کی جمع ہے اور اس کی اصل ہے ''انذار'' جس کا معنی ہے: خوف دلانا اور ڈرانا۔

اور علامہ راغب اصفہانی نے نذر کی تعریف کی ہے کہ ''کسی نئے کام کے حادث ہونے کی بناء پر اس چیز کو واجب کرنا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب نہ کیا ہو''۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' کا لفظ یمین کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: حلف یعنی قسم اٹھانا۔ اور ''نذور'' کا لفظ نذر کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا التزام کرنا اور انسان اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرلے تو اس کو نذر کہتے ہیں۔

یمین کی اقسام

قسم یا تو اس چیز پر کھائی جائے گی جس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہوگا، یا اس چیز کی قسم کھائی جائے گی جس کا تعلق زمانہ مستقبل کے ساتھ ہو۔ اگر اس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہے تو اس میں کفارہ نہیں ہے خواہ اس کی قسم سچی ہو یا جھوٹی ہو، لیکن اگر اس کی قسم سچی ہے یا اس کا گمان ہے کہ وہ بات اسی طرح ہے تو اس قسم میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور اگر اس نے جھوٹی قسم کھائی یا اس کا گمان تھا کہ وہ جھوٹی بات پر قسم کھا رہا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ پھر اگر وہ اس قسم سے کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر کھانا چاہتا ہو تو پھر یہ یمینِ غموس ہے۔

اور جس یمین کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہو اس کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔ پس اگر انسان نے کسی ایسی چیز پر قسم کھائی جو مستقبل میں ہو تو اگر اس نے اس قسم کو پورا کر دیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر اس نے اس کو پورا نہیں کیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ کفارۂ قسم دے۔

قسم توڑنے کے احکام

کبھی قسم کا توڑنا واجب ہوتا ہے جب وہ کسی حرام کام کو کرنے کی قسم کھائے اور کبھی قسم کا توڑنا مستحب ہوتا ہے جب وہ کسی مکروہ کام کو کرنے کی قسم کھائے۔ اور کبھی قسم کو توڑنا مکروہ ہوتا ہے جب وہ کسی مستحب کام کو کرنے کی قسم کھائے۔ اور کبھی قسم کا توڑنا مباح ہوتا ہے جب وہ کسی مباح کام کو کرنے کی قسم کھائے اور کبھی قسم کو توڑنا حرام ہوتا ہے جب وہ کسی فرض کام کے کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا حرام ہے۔

نذر کی تعریف

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا کسی چیز کا التزام کرنا نذر ہے مثلاً وہ یہ کہے کہ اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں روزے رکھوں یا میں صدقہ کروں یا میں نماز پڑھوں'' اور اس کا حکم احادیث کی شرح کے ضمن میں آئے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۰۶۔۵۰۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ، ''ایمان'' کی بحث میں لکھتے ہیں:

یمین کی اقسام

یمین کی دو قسمیں ہیں۔ایک اللہ سبحانہٗ کی قسم ہے اور اسی کو لغت اور شرع کے عرف میں قسم کہتے ہیں۔اور دوسری اللہ سبحانہٗ کے غیر کے نام کی قسم ہے اور یہ عامۃ العلماء کا قول ہے۔

اصحاب الظاہر (اہلِ حدیث) نے کہا ہے: یمین کی ایک ہی قسم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے۔

رہا وہ حلف جو اللہ عزوجل کے نام کے بغیر ہو، پس وہ حقیقت میں یمین نہیں ہے، اس کو یمین مجازاً کہا جاتا ہے۔حتیٰ کہ جس نے حلف اٹھایا اس سے حلف نہیں لیا جائے گا، پس جس نے طلاق یا عتاق کی قسم کھائی تو وہ حانث ہو جائے گا اور عامۃ العلماء کے نزدیک وہ حانث نہیں ہوگا۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ یمین سے اس کی تعظیم کا قصد کیا جاتا ہے جس کی تعظیم کی قسم کھائی جائے، اسی وجہ سے عرب کی عادت ہے کہ وہ اس کی قسم کھاتے ہیں جس کی قدر ومنزلت بزرگ ہو اور مخلوق پر اس کا نفع بہت زیادہ ہو۔آسمان اور زمین پر اور سورج اور چاند پر اور دن اور رات پر۔اور اس قسم کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اس قسم کی تعظیم عبادت ہے اور اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی عبادت جائز نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: جس نے طلاق کی قسم کھائی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔(نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۴)

اور اس کے معنی میں یہ حدیث ہے کہ جس نے کسی یمین پر حلف اٹھایا اور ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یمین کو حلف فرمایا ہے اور حلف اور یمین اسماءِ مترادفہ میں سے ہیں جو ایک مسمّٰی پر واقع ہوتے ہیں اور کسی اسم کے اطلاق کرنے میں اصل حقیقت ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ جس نے طلاق کا حلف اٹھایا یا غلام آزاد کرنے کا حلف اٹھایا وہ بھی حقیقتاً قسم ہے۔اسی طرح اس اسم کا ماخذ بھی اس پر دلیل ہے، کیونکہ یمین کا معنی ہے قوت، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقۃ: ۴۴۔۴۵) اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ○ تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ○

یعنی ہم اس کو قوت سے پکڑ لیتے، اور اسی وجہ سے سیدھے ہاتھ کو بھی یمین کہا جاتا ہے، کیونکہ سیدھا ہاتھ عادتاً بائیں ہاتھ کے اوپر قوی ہوتا ہے۔

اللہ کے نام کی قسم! اس لیے کھائی جاتی ہے کہ عرف میں یہ مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی حرمت کی ہتک بہت قبیح ہے تو اس لیے وہ اللہ کی قسم کھانے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ اپنے مطلوب کو حاصل کرنے پر اسے قوت حاصل ہو، اور یہ معنی طلاق اور غلام آزاد کرنے کے حلف میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ حلف اٹھانے والا شرط کے امتناع پر قوت حاصل کرتا ہے کہ اگر وہ شرط پائی گئی تو اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی یا اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی قسم کی شرع کے عرف میں تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین لغو اور یمین منعقدہ۔

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی المتوفی ۱۸۹ھ نے المبسوط کی کتاب الایمان کے شروع میں لکھا ہے کہ ''ایمان'' کی تین قسمیں ہیں:

ایک یمین وہ ہے جس کو توڑنے پر کفارہ ہوتا ہے، اور دوسری یمین وہ ہے کہ جس کے توڑنے پر کفارہ نہیں ہوتا، اور تیسری یمین وہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کھانے والے سے مواخذہ نہیں فرمائے گا، اور اس تیسری قسم کا نام انہوں نے یمینِ لغو رکھا ہے۔ اور امام محمد نے جو کہا ہے کہ ''ایمان'' کی تین قسمیں ہیں اس سے ان کی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانے کی تین قسمیں ہیں نہ کہ جنسِ ایمان کی تین قسمیں ہیں، کیونکہ وہ تو بہت ہیں۔

چونکہ کفارہ ہر یمین میں واجب نہیں ہوتا، کیونکہ ایمان سے بعض وہ ہیں جو یمین بالطلاق ہیں یا یمین بالعتاق ہیں اور بعض وہ ہیں جو یمین باللہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو قسم کھائی جاتی ہے وہی مشروعہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے نام کی قسمیں کھاؤ، پس جس شخص نے قسم کھانی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور جس پر قسم کھائی ہے اس کے غیر کو بہتر سمجھو تو اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دو، پھر وہ کام کرو جو بہتر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ جس یمین میں کفارہ مشروع ہے وہ یمین باللہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس یمین کو معتبر قرار دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ صرف یمینِ مشروعہ میں ہوتا ہے اور یہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جائے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم نہ کھائی جائے مثلاً طلاق کی قسم کھائے کہ اگر میں نے فلانہ کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا عتاق کی قسم کھائے مثلاً اگر میں نے فلانہ کام نہیں کیا تو میرا غلام آزاد ہو جائے گا، تو اس میں کفارہ نہیں ہے لیکن اگر اس نے اس قسم کے خلاف کیا تو اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی یا اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام محمد نے یہ کیسے خبر دی ہے کہ ہمیں امید ہے کہ یمینِ لغو میں مواخذہ نہیں ہوگا، حالانکہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ یمینِ لغو میں یقیناً مواخذہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ (البقرہ:۲۲۵) اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

اس سوال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے جو جھوٹی قسم ہے لیکن وہ قصداً جھوٹی قسم نہ کھائے بلکہ خطأً اس کی زبان سے جھوٹی قسم نکل جائے یا غلطی سے اس کی زبان سے جھوٹی قسم نکل جائے جیسا کہ عنقریب ہم اس کی تفسیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے، اور اس کے فعل سے بچنا فی الجملہ ممکن ہے۔ اس وجہ سے اس پر مواخذہ کرنا جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے گرفت کو اٹھا لیا ہے، یہ اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے، اسی لیے جب کوئی آدمی خطأً کوئی فعل کرے یا بھول کر کوئی فعل کرے تو اس پر بھی توبہ اور استغفار کرنا واجب ہے، اس لیے امام محمد نے امید کا لفظ ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو اس طرح قسم پر گرفت نہیں فرماتا جب کہ اس پر گرفت کرنا جائز ہے تو یہ محض اس کا فضل ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس نوع کی یمین یعنی یمینِ لغو پر گرفت کا نہ کرنا قطعی ہے لیکن یمینِ لغو سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی

ہے اس پر یقین نہیں ہے بلکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

یمینِ غموس کی تعریف اور اس میں مذاہب

رہی یمینِ غموس، تو یہ وہ ہے جس میں ماضی یا حال پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے خواہ نفی کی یا اثبات کی۔ اور یہ وہ خبر ہے جو ماضی یا حال کے فعل یا اس کے ترک سے دی جائے اور اس میں عمداً جھوٹ بولا گیا ہو اور وہ اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ مقرون ہو، جیسے کوئی شخص کہے ''اللہ کی قسم! میں نے یہ کام نہیں کیا'' اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس نے یہ کام کیا ہے یا کہے ''اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے'' اور اس کو معلوم ہو کہ اس نے یہ کام نہیں کیا، یا وہ کہے: ''اللہ کی قسم! اس کا مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے'' اور اس کو معلوم ہو کہ اس کا اس پر قرض ہے، سو یہ یمینِ غموس ہے۔

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ یمینِ غموس میں کفارہ نہیں ہے خواہ اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پانچ کبیرہ گناہ ایسے ہیں جن میں کفارہ نہیں ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا (۳) مومن پر بہتان باندھنا (۴) مسلمان کو ناحق قتل کرنا (۵) جھوٹی قسم پر حلف اٹھانا تا کہ اس سے کسی مسلمان مرد کا مال کھائے۔

اور مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر یمینِ غموس کا تعلق حال کے ساتھ ہو یا استقبال کے ساتھ ہو تو پھر اس میں کفارہ ہے۔ اور شاید ان کی توجیہ یہ ہے کہ جب یمین کا تعلق ماضی کے ساتھ ہوگا تو اس میں جھوٹ محقق ہوگا اور اس کا گناہ بہت بڑا ہے، سو یہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ اس کو کفارہ سے مٹایا جائے، لیکن جب یمینِ غموس کا تعلق حال یا استقبال کے ساتھ ہو تو پھر یہ اس طرح نہیں ہے اور یہ یمینِ منعقدہ کے قریب ہوگی اور اس کا حکم لے گی اور اس میں پھر کفارہ ہوگا۔

یمینِ لغو کی تعریف اور اس میں مذاہب

رہی یمینِ لغو تو اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، ہمارے اصحابِ احناف نے یہ کہا ہے کہ یہ وہ جھوٹی قسم ہے جو خطأً کھائی جائے یا غلطی سے کھائی جائے اور اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ، اور وہ یہ ہے کہ وہ ماضی یا حال کے واقعہ کی خبر اپنے ظن سے دے اور اس کا ظن واقع کے خلاف ہو مثلاً وہ کہے: اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام نہیں کیا اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام نہیں کیا یا وہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام کیا ہے اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام کیا ہے۔

اور اسی طرح ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کی قسم کھائے اور اس کو گمان یہ ہو کہ یہ حق ہے حالانکہ وہ حق نہ ہو۔

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کی قسم کھانے والا قصداً قسم نہیں کھاتا اور یہ وہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر ان کے کلام میں بغیر قسم کے ارادہ کے جاری ہوتی ہے جیسے لوگ کہتے ہیں ''لا واللہ'' (یعنی نہیں اللہ کی قسم)، ''بلیٰ واللہ'' (کیوں نہیں، اللہ کی قسم!) خواہ اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ ہو یا مستقبل کے ساتھ ہو۔

اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مستقبل میں یمینِ لغو نہیں ہوتی بلکہ مستقبل کے متعلق جو قسم کھائی جائے وہ یمینِ منعقدہ ہوتی ہے اور جب اس قسم کے خلاف کرے تو اس پر کفارہ ہوتا ہے خواہ وہ قسم کھانے کا قصد کرے یا قسم کھانے کا قصد نہ کرے۔ اور

یمینِ لغو صرف ماضی اور حال میں ہوتی ہے۔

پس ہمارے اور امام شافعی کے نزدیک اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم میں قسم کھانے والا قسم کا قصد نہ کرے اور وہ قسم مستقبل کے متعلق کھائے تو ہمارے نزدیک وہ یمینِ لغو نہیں ہے یمینِ منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک جو قسم مستقبل کے متعلق کھائی اور اس میں قسم کھانے کا اس نے ارادہ نہیں کیا تھا تو وہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان سے یمینِ لغو کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ جو شخص اپنے کلام میں کہتا ہے "لا واللہ وبلی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔

(صحیح البخاری: ۶۶۶۳، موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۷۷، مسند الشافعی ج ۲ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۴۸، شرح السنہ للبغوی ج ۵ ص ۲۷۷)

اور عطاء سے یمینِ لغو سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک مرد اپنے کلام میں نیت سے کہے: "لا واللہ وبلی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴، موارد الظمآن: ۱۱۸۷)

یمینِ لغو کی تعریف پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی کہتے ہیں: پس حدیثِ موقوف اور حدیثِ مرفوع دونوں سے یمینِ لغو کی یہ تفسیر ثابت ہوگئی کہ کوئی شخص اپنے کلام میں قسم کے قصد کے بغیر کہے "لا واللہ وبلی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم! اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔ اور اس میں ماضی اور مستقبل کا فرق نہیں ہے، تو یہ قسم ہر حال میں یمینِ لغو ہے جب کہ قسم کھانے والا اس قسم کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو کے مقابلہ میں اس یمین کا ذکر فرمایا ہے جس کو دل کے کسب کے ساتھ کھایا جائے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ (البقرہ: ۲۲۵)

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں۔

اس آیت میں یمینِ لغو کے مقابلہ میں یمینِ مکسوبہ کا ذکر کیا ہے اور یہ وہ قسم ہے جو قسم کے قصد سے کھائی جائے، پس یمینِ لغو وہ ہوگی جو غیر مقصودہ ہو، اور اس آیت میں دونوں قسموں کے یعنی یمینِ لغو اور یمینِ مکسوبہ کے تقابل کا یہی تقاضا ہے کہ یمینِ لغو میں قسم کا قصد نہیں ہوتا اور یمینِ مکسوبہ میں قسم کا قصد ہوتا ہے۔

یمینِ لغو کی تعریف کے ثبوت میں فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے کہا ہے: ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ (المائدہ:۸۹)

جوان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوتو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم شکر ادا کروO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو کا مقابلہ یمینِ منعقدہ کے ساتھ فرمایا ہے اور ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ یمینِ لغو میں گرفت نہیں ہوگی اور یمینِ منعقدہ میں گرفت ہوگی۔ پس اس سے واجب ہوا کہ یمینِ لغو اس کے علاوہ ہو جو یمینِ منعقدہ ہے تا کہ دونوں میں مقابلہ محقق ہو۔ اور جو قسم مستقبل میں ہوتی ہے وہ یمینِ منعقدہ ہوتی ہے خواہ اس میں قصد ہو یا نہ ہو۔ اور اس لیے کہ لغو کا معنی ہے وہ چیز جس کی کوئی حقیقت نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ (الواقعہ:۲۵) وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی باتO

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ (حم سجدہ:۲٦)

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قراءت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤO

اور یہ اس وجہ سے ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ قسم کھانے والے کا یہ گمان ہو کہ بات اس طرح ہے جس طرح اس نے قسم کھائی ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہے۔

اور اس لیے کہ لغو وہ چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو، سو وہ باطل ہے جس کا کوئی حکم نہیں ہے۔ پس وہ یمینِ منعقدہ نہیں ہوگی، کیونکہ یمینِ منعقدہ کا حکم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ یمینِ منعقدہ میں مواخذہ ثابت ہے اور اس میں قرآن مجید کی نص صریح سے کفارہ ثابت ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ یمینِ لغو سے مراد وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے یمینِ لغو کی یہ تفسیر کی کہ یہ وہ قسم ہے کہ ایک مرد جھوٹی قسم کھائے اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ صادق ہے، اس حدیث کی عبد بن حمید نے از ابراہیم النخعی روایت کی ہے اور اسی طرح الدر المنثور ج ۱ ص ۴۸۲ میں مذکور ہے۔

اور مطر نے ایک مرد سے روایت کی ہے کہ میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یمینِ لغو کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ کوئی مرد یہ کہے: اللہ کی قسم! ہم نے اس طرح کیا ہے اور اللہ کی قسم! ہم نے اس طرح بنایا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یمینِ لغو کا یمینِ مکسوبہ یعنی یمینِ مقصودہ سے بھی تقابل کیا ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ وہی آیت ہے کہ جس آیت میں یمینِ لغو کا یمینِ مکسوبہ سے تقابل کیا ہے اور اس آیت میں اس کا تقابل یمینِ منعقدہ کے ساتھ کیا ہے اور جب ان دونوں آیتوں کو موافقت پر محمول کرنا ممکن ہے تو یہ اس سے اولیٰ ہے کہ ان کو تعارض پر محمول کیا جائے، پس ہم ان دونوں آیتوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ یمینِ لغو ہی یمینِ مقصودہ ہے اور غیر منعقدہ ہے اور ہمارا مخالف

ان دو آیتوں میں سے ایک آیت کو معطل کر دیتا ہے، پس ہمارا حال اس سے بہتر ہے۔

یمینِ منعقدہ کی تعریف اور اس کے احکام

رہی یمینِ منعقدہ تو یہ قسم مستقبل میں کسی کام کے متعلق ہے خواہ مستقبل میں کسی کام کی نفی ہو یا اثبات ہو، جیسے ایک آدمی قسم کھائے اللہ کی قسم! میں ضرور یہ کام کروں گا، یا قسم کھائے کہ اللہ کی قسم! میں ضرور یہ کام نہیں کروں گا۔

یمین باللہ کا رکن وہ لفظ ہے جو یمین میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی لفظِ اللہ۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کے اسم کی قسم کھائی جائے گی اور کبھی اللہ تعالیٰ کی صفت کی قسم کھائی جائے گی اور اسم کبھی مذکور ہوگا اور کبھی محذوف ہوگا۔ اور مذکور کبھی صراحۃً ہوگا اور کبھی کنایۃً ہوگا۔

رہا وہ اسم جو صریح ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کا ذکر کرے خواہ کوئی اسم ہو، عام ازیں وہ اسم خاص ہو جس کا صرف اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوتا ہو جیسے لفظِ اللہ اور لفظِ رحمٰن، یا ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہوتا ہو جیسے العلیم، الحکیم، الکریم، الحلیم اور ایسے دیگر اسماء۔ کیونکہ یہ اسماء ہر چند کہ ان کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے لیکن قسم میں جب ان اسماء کا ذکر کیا جائے گا تو قسم کی دلالت سے یہاں پر خالق متعین ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ قسم کھانے والے نے اس سے اللہ تعالیٰ کے اسم کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس کے کلام کو صحت پر محمول کیا جائے۔ سوا اس صورت کے کہ وہ غیر اللہ کی نیت کرے، پھر یہ قسم نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اس چیز کی نیت کی ہے جس کی اس کے کلام میں گنجائش ہے، پس اس کے اور اس کے رب کے درمیان اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے کا بیان

بشر المریسی سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس نے رحمٰن کی قسم کھائی تو اگر اس نے اس سے اللہ تعالیٰ کے نام کا قصد کیا ہے تو یہ قسم ہے، اور اگر اس نے سورۃ الرحمٰن کا قصد کیا ہے تو پھر یہ قسم نہیں ہے، گویا اس نے قرآن کے ساتھ حلف اٹھایا ہے، خواہ قسم حرفِ باء کے ساتھ کھائی جائے یا واؤ کے ساتھ یا تاء کے ساتھ، مثلاً وہ کہے باللہ، واللہ، تاللہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر قسم کا عرب میں رواج ہے اور شریعت میں بھی وارد ہے۔

مختلف حروفِ قسم کے ساتھ قسم کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے O

اس آیت میں واؤ قسمیہ ہے۔ اور تاء قسمیہ کی مثال درج ذیل ہے:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۵۷) (ابراہیم نے کہا:) اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا O

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد

كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ (یوسف:۷۳) کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں O

ان دونوں آیتوں میں تاءِ قسمیہ کی مثال ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ (التوبہ:۵۶) اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ تقیہ کرتے ہیں (کہ تم ان سے مشرکوں جیسا سلوک نہ کرو) O

اس آیت میں حرف باء کے ساتھ قسم کھانے کی مثال ہے۔

احادیث میں بھی لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھانے کا حکم ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تم اپنے باپ دادا کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ، پس تم میں سے جو شخص قسم کھانے والا ہو، سو وہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر چھوڑ دے۔

(صحیح البخاری:۶۶۴۶، صحیح مسلم:۱۶۴۶، سنن ترمذی:۱۵۳۴، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۸۵، صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۲۰۱-۲۰۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱، ۱۷، ۱۴۲، موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۸۰، باب جامع الایمان: ۱۴، مسند الحمیدی ج ۲ ص ۳۰۱، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۹ ص ۱۶۰)

صفات کے ساتھ قسم کھانے کی تفصیل

اگر کسی شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قوت کی قسم! یا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت کی قسم! یا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت اور اس کے کلام کی قسم! تو وہ حلف اٹھانے والا ہوگا، کیونکہ یہ صفات اگرچہ غیر صفت میں بھی استعمال کی جاتی ہیں، اسی طرح سے صفات میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ اور قسم کی دلالت سے اس کی مراد متعین ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم اور اس کی صفت کے بغیر قسم کھانا جائز نہیں ہے، پس قسم کے قرینہ سے ظاہر ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت کا ارادہ کیا ہے۔

لفظِ نذر کے ساتھ قسم کا بیان

اگر کسی شخص نے کہا: مجھ پر نذر ہے یا کہا: مجھ پر اللہ کی نذر ہے تو یہ قسم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے نذر مانی اور نذر کا ذکر کیا تو اس پر اس کو پورا کرنا لازم ہے جو اس نے ذکر کیا ہے اور جس نے نذر مانی اور اس کا نام نہیں لیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے''۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نذر یمین ہے اور اس کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۴، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۳، سنن ترمذی: ۱۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۷)

قسم کی شرائط

قسم کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا عاقل بالغ ہو، پس بچہ اور مجنون کی قسم معتبر نہیں ہے اور صحیح نہیں ہے خواہ وہ عاقل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا مسلمان ہو، پس ہمارے نزدیک کافر کی قسم صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کافر نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے قسم کے خلاف کیا تو ہمارے نزدیک اس پر کفارہ

نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس پر کفارہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کرنے کا اہل نہیں ہے۔

رہا قسم کھانے والے کا آزاد ہونا، سو یہ شرط نہیں ہے، سو غلام کا قسم کھانا بھی صحیح ہے مگر اس پر فی الحال مال کے ساتھ کفارہ ادا کرنا واجب نہیں ہوگا کیونکہ مال اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔

یمینِ منعقدہ کا حکم

یمینِ منعقدہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اور یمینِ غموس کے اندر صرف توبہ اور استغفار ہے۔ اور کفارہ کا بیان وہی ہے جو المائدہ: ۸۹ میں گزر چکا ہے۔

اور یمینِ لغو میں توبہ کے ساتھ بھی کفارہ نہیں ہوتا اور نہ مال کے ساتھ ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۴ ص ۳۔ ۴۴ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نذر کی تعریف اور رکن

نذر ایسا صیغہ ہے جو نذر پر دلالت کرتا ہو جیسے کوئی شخص کہے "اللہ عز شانہ کے لیے مجھ پر فلاں عبادت لازم ہے" یا کہے "یہ قربانی یا یہ صدقہ یا میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے" یا کہے "میں جس چیز کا بھی مالک ہوں وہ صدقہ ہے" اور اس قسم کے الفاظ وہ نذر کے الفاظ ہیں۔

نذر کے رکن کی شرائط

نذر کے رکن کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نذر ماننے والا عاقل ہو، بالغ ہو۔ پس دیوانہ اور پاگل کا نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور وہ بچہ جو سمجھ دار نہ ہو اس کی نذر ماننا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ نذر کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص عقل والا نہ ہو یا بالغ نہ ہو تو وہ کسی واجب کو ادا کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اسی طرح جو بچہ عقل والا ہو وہ بھی شرعاً کسی واجب کو ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور اس کی شرائط میں سے اسلام ہے، لہٰذا کافر کا نذر ماننا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے نذر مانی پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، کیونکہ جس چیز کی نذر مانی وہ عبادت ہے اور کافر کا فعل عبادت کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

رہا نذر ماننے والے کا آزاد ہونا تو یہ نذر کی صحت کی شرائط میں سے نہیں ہے، پس غلام کا نذر ماننا صحیح ہے، پھر جس چیز کی نذر مانی ہے اگر وہ دینی عبادات میں سے ہو جیسے نماز اور روزہ وغیرہ تو اس پر اس کا ادا کرنا فوراً واجب ہے اور جس چیز کی نذر مانی ہے اگر وہ عباداتِ مالیہ میں سے ہو جیسے غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا وغیرہ تو اس پر واجب ہے کہ جب وہ آزاد کر دیا جائے تب اس نذر کو پورا کرے، کیونکہ جس حال میں اس نے نذر مانی ہے اس حال میں اس کے پاس مال نہیں ہے جس سے وہ مالی عبادات کو ادا کر سکے۔

منذور بہ کے اعتبار سے شرائط

(۱) جس چیز کی نذر مانی ہے وہ ایسی ہونی چاہیے کہ جس کا وجود فی نفسہ شرعاً متصور ہو، پس ایسی چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جس کا وجود شرعاً متصور نہ ہو، مثلاً کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں پوری رات کا روزہ رکھوں گا یا رات اور دن کا روزہ رکھوں گا، کیونکہ پوری رات کا روزہ رکھنا یا رات اور دن کا روزہ رکھنا شرعاً متصور نہیں ہے۔ اسی طرح عورت نے یہ نذر مانی کہ مجھ پر یہ نذر ہے کہ میں ایامِ حیض میں روزے رکھوں گی تو اس کی یہ نذر بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایامِ حیض میں روزے رکھنا شرعاً متصور نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح نذر میں یہ شرط ہے کہ وہ عبادت ہو، لہٰذا ایسی چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جو بالکل عبادت نہ ہو، جیسے کوئی آدمی گناہ کی نذر مانے بایں طور کہ وہ کہے کہ اللہ ہی کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں خمر پیوں گا یا فلاں شخص کو قتل کروں گا یا فلاں شخص کو ماروں گا یا فلاں شخص کو گالی دوں گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حدیث میں ہے:

''اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کوئی نذر منعقد نہیں ہوتی''۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۲، ۶۱۱، ۶۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۶۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۷۵)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی تو وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے''۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۷۶، باب مالا یجوز من النذور فی معصیۃ اللہ: ۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱، ۳۶، صحیح البخاری: ۶۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ترمذی: ۱۵۶۴، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۲۶، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۸۴، مسند الشافعی ج ۱ ص ۷۵۔ ۷۴، رقم: ۲۴۶، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۳۳، مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۷۰، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۱، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۴۶، شرح السنۃ للبغوی ج ۵ ص ۲۸۴، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۳۴، مسند ابویعلیٰ ج ۸ ص ۲۷۷، رقم: ۴۸۶۳)

نیز اس لیے کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کا پورا کرنا واجب ہو اور معصیت کے فعل کا وجوب محال ہے۔

(۳) اسی طرح مباحات کی نذر بھی نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص کھانے پینے کی یا جماع کرنے کی نذر مانے، کیونکہ یہ عبادت نہیں ہے اور ان کا فعل اور ترک دونوں جائز ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ مجھ پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دوں تو اس کی نذر بھی منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق دینا عبادت نہیں ہے، سو وہ نذر سے لازم نہیں ہوگی۔

(۴) اور اسی طرح یہ شرط ہے کہ وہ عبادتِ مقصودہ ہو، لہٰذا مریضوں کی عیادت کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح نمازِ جنازہ کے ساتھ جانے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور وضو کی نذر ماننا اور غسل کی نذر ماننا اور مسجد میں داخل ہونے کی نذر ماننا اور قرآن مجید کو چھونے کی نذر ماننا اور اذان دینے کی نذر ماننا اور سرائے بنانے کی اور مسجد بنانے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے، اگرچہ یہ امور عبادات ہیں لیکن عباداتِ مقصودہ نہیں ہیں، اور نماز، روزہ، حج اور عمرے کا احرام باندھنے کی نذر ماننا صحیح ہے اور غلام آزاد کرنے کی اور حجِ تمتع کے لیے بدنہ بھیجنے کی اور قربانی بھیجنے کی اور اعتکاف کرنے کی نذر ماننا صحیح ہے کیونکہ یہ سب عباداتِ مقصودہ ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نذر مانی اور نام لیا کہ وہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو پورا کرے جس کا اس نے نام لیا ہے''۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۰۰)

(۵) اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائے گا یا کعبہ تک یا مکہ تک تو اس پر لازم ہے کہ وہ حج کرے یا عمرہ کرے پیدل چل کر، اور اگر چاہے تو وہ سوار ہو سکتا ہے اور اس پر ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہے کیونکہ اس نے سواری کی ہے۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے پیدل حج کیا اس کو ہر قدم کے بدلہ میں حرم کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ملے گی، آپ سے پوچھا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: حرم کی ایک نیکی سات سو نیکیوں کے برابر ہے''۔
(صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۰۵، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۶۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۳۱، ج ۱۰ ص ۷۸)
روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل حج کرے گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے کہ تمہاری بہن کو عذاب میں مبتلاء کرے، اسے کہو کہ وہ سوار ہو اور ایک قربانی کرے۔
اس حدیث کا شاہد حسب ذیل ہے:
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائے گی، اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں تو میں نے آپ سے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: وہ پیدل جائے اور سوار ہو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۶۶، صحیح مسلم: ۱۶۴۴، سنن نسائی: ۳۸۱۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۹۹)
(ایک روایت میں ہے کہ اسے چاہیے کہ وہ سوار ہو اور ایک قربانی کرے)۔

(۶) اور ان شرائط میں سے یہ ہے کہ اگر اس نے مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو اس وقت وہ اس مال کا مالک ہے حتیٰ کہ اگر اس نے نذر مانی اور اس وقت وہ اس مال کا مالک نہیں تھا تو اس نذر کا پورا کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کا اس چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو''۔
یا اگر اس نے ایسی نذر مانی کہ جس کی ملکیت کی اس نے کسی وقت کی طرف اضافت کی تھی یا سبب ملکیت کی طرف اضافت کی تھی مثلاً اس نے کہا: ہر وہ مال جس کا میں مستقبل میں مالک ہوں گا تو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا، یا اس نے کہا: ہر وہ چیز جس کو میں خریدوں گا، یا ہر وہ چیز جس کا میں وارث ہوں گا تو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا، تو ہمارے نزدیک یہ شرط صحیح ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ شرط صحیح نہیں ہے۔
ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ۝ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا

کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے O

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی مذمت کی ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اگر ان کو مال عطا کیا تو وہ اس کو ضرور اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو مال عطا فرما دیا تو انہوں نے اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ نہیں کیا اور اپنی نذر پوری نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح نذر ماننا صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرمایا تو میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کروں گا۔

(۷) اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ جس عبادت کی نذر مانی ہے وہ فرض یا واجب نہ ہو، لہٰذا کسی فرض کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے خواہ وہ فرضِ عین ہو جیسے پانچ نمازیں ہیں اور رمضان کے روزے ہیں یا فرضِ کفایہ ہو جیسے جہاد ہے اور نمازِ جنازہ ہے، اور نہ کسی واجب کی نذر ماننا صحیح ہے خواہ وہ واجب عین ہو جیسے وتر اور صدقہ فطر اور عمرہ اور قربانی یا وہ واجب کفائی ہو جیسے مردوں کی تجہیز و تکفین اور ان کو غسل دینا اور سلام کا جواب دینا، اس لیے کہ جو چیز خود واجب ہو اس کو واجب کرنا متصور نہیں ہے اور نذر کے ذریعہ اس عبادت کو واجب کیا جاتا ہے جو پہلے سے واجب نہ ہو۔

نذر کا حکم

نذر یا معین ہوگی اور یا غیر معین ہوگی، پس اگر نذر معین ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے اور یہ حکم قرآن مجید، سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔

نذر پوری کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

نذر کو پورا کرنے کے وجوب میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾ (الحج:۲۹)

پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O

نذر یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کر لو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی اور تم یہ کہو: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۰)۔ سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجدِ حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۶۹۷)

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٤﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ۔ (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

اور نذر بھی ناذر کی طرف سے ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد ہے، لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کا پورا کرنا

لازم ہے۔

نیز جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس کو پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر وعید فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۷)

سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

سورۃ التوبہ: ۷۷ کا مصداق

کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ ثعلبہ بن ابی حاطب تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا شام میں مال تھا، ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے، پھر جب اس کے پاس اس کا مال آ گیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا: اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا، امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے، امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ نبتل بن حارث، جد بن قیس، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلبہ بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے کیونکہ ثعلبہ بن حاطب تو بدری صحابی ہیں، یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)

(زاد المسیر ج ۳ ص ۴۷۷، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نذر پوری کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(سنن ترمذی: ۱۵۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، سنن نسائی: ۳۸۱۵، ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، صحیح البخاری: ۶۶۹۶، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک نذر مانی، پس میں نے اسلام لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نذر کو پورا کروں۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۹، صحیح البخاری: ۲۰۳۲، صحیح مسلم: ۱۶۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۵، سنن ترمذی: ۱۵۴۴، سنن نسائی: ۳۸۲۵، مسند احمد: ۲۵۵)

حضرت میمونہ بنت کردم الیسار یہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور وہ اس وقت سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں، ان کے والد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ میں بوانہ میں نحر کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہاں پر کوئی بت ہے، میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۱۴)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی ماں نے ایک نذر مانی تھی، وہ فوت ہو گئیں اور انہوں نے اس نذر کو پورا نہیں کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی طرف سے نذر پوری کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، صحیح البخاری: ۲۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن نسائی: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۸۹۳)

نذر پورا کرنے کے متعلق عقلی دلیل

مسلمان کو کسی قسم کی عبادتِ مقصودہ ادا کر کے اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ایسی عبادتِ مقصودہ جس کو ترک کرنے کی بھی رخصت ہو اور اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے تا کہ وہ بلند درجات کو پائے اور دارِ کرامت میں سعادتِ عظمیٰ کو پائے اور اس کی طبیعت اس عبادت کو حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی بلکہ اس کو روکتی ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے، پس ضرورت ہے کہ وہ ایسا کسب کرے جس وجہ سے وہ عبادت کرنے کی رخصت نہ رہے اور وہ فرائض کے ساتھ مل جائے اور یہ چیز نذر سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نذر پوری کرنے کا وجوب اس کو اس کی تحصیل کے اوپر برانگیختہ کرتا ہے، کیونکہ اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس کو ترک کیا تو نذر پوری نہ کرنے کا اسے گناہ ہوگا۔ عام ازیں کہ نذر مطلق ہو یا مقید ہو یا کسی شرط پر معلق ہو، مثلاً اس نے کہا: اگر میں نے اس طرح کیا تو مجھ پر اللہ کے لیے حج کرنا لازم ہے یا عمرہ کرنا لازم ہے یا روزہ رکھنا لازم ہے یا نماز پڑھنا لازم ہے اور اس کے مشابہ دیگر اطاعات۔ اور اس میں کفارہ اس نذر کا بدل نہیں ہوگا اور یہ ہمارے اصحاب احناف رحمہم اللہ کا قول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۳۵۱۔ ۳۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

(المائدہ: ۸۹)

۱۔ باب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ

ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی
حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں
بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

المائدہ:۸۹ کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ المائدہ:۸۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں لغو کا ذکر ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس سے مراد مرد کا وہ کلام ہے جو وہ بغیر قصد کے کرے جیسے نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں خدا کی قسم۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو کلام وہ مذاق میں کرے اور ایک قول ہے کہ جو کلام وہ معصیت میں کرے اور ایک قول ہے کہ جو کلام وہ اپنے غلبہ ظن کے اعتبار سے کرے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: اس سے مراد ہے جو قسم غضب میں کھائے۔ اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے جو بھولے سے قسم کھائے۔

اس آیت میں فرمایا: ''بما عقدتم الایمان'' یعنی جس قسم کو تم نے تاکید کے ساتھ کہا۔

نیز اس آیت میں ''مساکن'' کا لفظ ہے، اس سے مراد محتاج لوگ ہیں اور فقراء میں سے وہ لوگ ہیں جن کو قدرِ کفایت روزی میسر نہ ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''من اوسط ما تطعمون اھلیکم'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کو جو درمیانی کھانا کھلاتے ہو۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ روٹی، دودھ اور گھی ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ روٹی، گوشت اور گھی ہے اور روٹی اور دودھ ہے، اور روٹی اور زیتون ہے، اور روٹی اور سرکہ ہے۔

پھر کتنی مقدار میں کھلایا جائے اس میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو صبح اور شام کھلایا جائے۔ اور حسن اور محمد بن سیرین نے کہا: اس کے لیے کافی ہے کہ وہ دس مسکینوں کو ایک ہی بار روٹی اور گوشت کھلائے۔ اور حسن نے اضافہ کیا: اگر اس کو نہ ملے تو وہ روٹی اور گھی اور دودھ کھلائے اور پلائے۔ اور اگر یہ نہ ملے تو روٹی، زیتون اور سرکہ کھلائے حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ اور ایک قوم نے کہا: ان دس میں سے ہر ایک کو نصف صاع گندم یا کھجور یا اس کی مثل کھلائے اور یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد اور شعبی اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی، منصور بن مہران، امام مالک، الضحاک، الحکم، المکحول، ابی قلابہ اور مقاتل بن حیان کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نصف صاع گندم کھلائے یا ایک صاع کھجور اور کشمش کھلائے۔ یہ مجاہد کا اور محمد بن سیرین کا اور شعبی کا، الثوری کا، النخعی کا، اور امام احمد کا قول ہے۔ اور یہ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ قسم کے کفارہ میں ایک کلو طعام کھلائے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اَوْ كِسْوَتُهُمْ'' امام شافعی نے کہا: اگر دس میں سے ہر ایک کو اتنے کپڑے دیے کہ ان پر کپڑے کا اطلاق آجائے یعنی قمیص یا شلوار یا تہبند یا عمامہ تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ اور ٹوپی میں ان کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ اور امام

مالک اور امام احمد نے کہا کہ ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اتنے کپڑے دے جن کو پہن کر اس کا نماز پڑھنا صحیح ہو اگر مرد ہو تو اس کے اعتبار سے اور اگر عورت ہو تو اس کے اعتبار سے۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ'' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں مطلقاً غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اس نے کافر عورت کو آزاد کر دیا تب بھی صحیح ہے، اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ قسم کے کفارہ میں سوائے مومنہ باندی کے اور کسی کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ'' اس میں اختلاف ہے کہ کیا مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے یا مسلسل تین روزے رکھنا مستحب ہے، امام شافعی سے منصوص یہ ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے کہا ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی الله عنه لَمْ يَكُنْ يَحْنَثُ فِي يَمِينٍ قَطُّ حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ وَقَالَ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتُ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا اٰتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۴، ۶۶۲۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنی قسم میں حانث نہیں ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ نازل فرمایا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاتا پھر یہ دیکھوں کہ اس چیز کا غیر زیادہ بہتر ہے تو میں اس زیادہ بہتر کام کو کرتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۶۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں قسم کے کفارہ کا بیان ہے، اور حدیث میں بھی قسم کے کفارہ کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل ابوالحسن، اور ان کے شیخ مروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن عروہ، جو اپنے والد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابوبکر'' اور عبداللہ بن نمیر نے جو ہشام سے روایت کی ہے اس میں ''ابوبکر صدیق'' مذکور ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان ابوقحافہ ہے اور صدیق ان کا لقب ہے۔ یہ لقب ان کو اس وقت دیا گیا جب کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رات میں مکہ سے شام تک جانے اور آنے کی تکذیب کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدیق کا لقب دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنی قسم کا کفارہ دینا

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قسم میں کبھی حانث نہیں ہوئے''۔ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنی قسم کے خلاف کام نہیں کیا۔ اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفت اور ان کی شان یہ تھی کہ وہ کبھی اپنی قسم کے خلاف نہیں کرتے تھے، لیکن اگر ان پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس قسم کا خلاف کرنا زیادہ بہتر ہے تو وہ اس قسم کا خلاف کرتے تھے، چنانچہ حضرت مسطح بن اثاثہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت ظاہر فرمادی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح پر کچھ خرچ نہیں کریں گے، اور حضرت مسطح، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان کی تنگدستی کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر خرچ کرتے تھے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَا عَبْدَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان محمد بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسن نے حدیث

الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم امارت (یعنی منصب) کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو سوال کی وجہ سے امارت یا منصب دیا گیا تو تمہیں اس کی طرف سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تم کو بغیر سوال کے منصب دیا گیا تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی، اور جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور اس قسم کے خلاف کو قسم سے بہتر سمجھو تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲۲، ۶۱۴۶، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵، سنن دارمی: ۲۳۴۶)

صحیح البخاری: ۶۶۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پس تم اپنی قسم کا کفارہ دو"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن، یہ حسن بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، یہ ابن حبیب ہیں، ان کے ہاتھوں پر بہت فتوحات ہوئی تھیں، یہ عراق کی جنگ میں حاضر تھے اور سجستان ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ ان کو بصرہ کے امیر عبداللہ بن عامر نے بھیجا تھا۔ امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی صرف یہی حدیث ذکر کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تم امارت کا سوال نہ کرنا"۔ یعنی تم یہ سوال نہ کرنا کہ تم کو امیر بنایا جائے، اس کا معنی ہے: تم کو حاکم بنایا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا تعلق حکومت کے ساتھ ہو مثلاً قضاء اور محاسبہ، اس کا سوال کرنا مکروہ ہے۔ اور جس نے اس کا سوال کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اعانت نہیں ہوگی۔ اور اس کے لیے اس عمل میں کفایت نہیں ہوگا، پس مناسب یہ ہے کہ وہ حاکم بننے کا سوال نہ کرے۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ سوال ہے کہ جب صرف حکومت کا سوال کرنا ممنوع ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو رشوت دے کر یہ حکومت کا منصب حاصل کرتے ہیں اور اس میں کوشش کرتے ہیں، خصوصاً مصر کے غالب قاضی ایسے ہی ہیں وہ منصبِ قضاء

پر رشوت دے کر ہی فائز ہوتے ہیں اور اس سے نہیں ڈرتے کہ جو رشوت دے کر کوئی منصب حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرماتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے کسی کام کے کرنے پر قسم کھائی یا کسی کام کے ترک پر قسم کھائی اور قسم کے خلاف کرنا اس قسم کے مطابق کرنے سے بہتر ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے بلکہ واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک نے ایک روایت میں اسی پر عمل کیا ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کفارہ کسی جرم کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا، لہٰذا اس سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ہوگا۔

صحیح البخاری کی یہ حدیث صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض ہے جس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس نے کسی چیز پر قسم کھائی، پھر اس کے غیر کو اس قسم سے بہتر جانا تو اسے چاہیے کہ وہ اس خیر کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔ اور اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث میں ہے، سوا اس کے کہ امام بخاری قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی روایت میں منفرد ہیں، اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ہے اور قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم رکھنے کی حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ کفارہ کو مقدم کیا جائے جب کہ معاملہ اس طرح ہو، یعنی جب کفارہ کو مقدم کرنے اور موخر کرنے میں تعارض ہے، پس قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم کرنے کی روایت زیادہ اولیٰ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۵۔۲۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور تم اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے'' اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے دیا جائے گا۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے کسی نیک کام کے کرنے پر قسم کھائی ہو تو اس میں چار اقوال ہیں:

پس المدونہ میں مذکور ہے، علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: ہمارا ''الایلاء'' (ایلاء یہ ہے کہ کسی آدمی نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک مقاربت نہیں کرے گا) میں اختلاف ہوا، تو ہم نے امام مالک سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ قسم توڑنے کے بعد کفارہ دے، یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر اس نے اس سے پہلے کفارہ دے دیا تو بھی اس کو کفایت کرے گا۔ (المدونہ ج ۲ ص ۳۸)

اور انہوں نے کتاب محمد میں حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: جس نے کسی کام پر قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانا، سو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے، اور قاضی عبدالوہاب نے ذکر کیا کہ امام مالک نے اس کی ابتداءً اجازت دی ہے

یعنی ابتداء کفارہ دینا جائز ہے۔(المعونۃ ج ۱ ص ۴۱۲)

اور ابن الجلاب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ یہ کفایت نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تھی تو پہلے کفارہ دینا کفایت کرے گا۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں کھائی بلکہ طلاق کی قسم کھائی ہے یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہے یا صدقہ دینے کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ جب تک یہ قسم نہیں پائی جائے گی تو اس کا معین غلام آزاد ہوگا یا اس کی بیوی پر طلاق نافذ ہو جائے گی۔

اور امام مالک نے اس صورت میں اجازت دی ہے کہ جب اس نے اپنی قسم میں ان شاء اللہ کہا ہے اور کسی مدت کا بیان نہیں کیا تو وہ کفارہ کو مقدم کر سکتا ہے۔

اور ابن الماجیشون نے ''ثمانیۃ ابی زید'' میں کہا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تو وہ ایک دینار صدقہ دے گا، پھر اس نے قسم کے خلاف کرنے کا اپنے دل میں ارادہ کیا تو وہ قسم کا کفارہ دے اور صدقہ نہ کرے۔ اور انہوں نے کہا کہ اس صورت میں اس کی موت تک اس کا حانث ہونا ظاہر نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ قسم توڑنے سے پہلے اس کا کفارہ دینا احسن ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ''اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس کام کو کرے جو بہتر ہے''۔(صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ اس نیک کام کو کرے اور قسم کا کفارہ دے اور یہ دونوں حدیثیں جواز کو متضمن ہیں، کیونکہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ اور اس سے پہلے یہ اختلاف بیان ہو چکا ہے کہ کون سی چیز مستحب ہے کفارہ دینا یا قسم توڑنا۔ اور اگر کفارہ کی تقدیم ناجائز ہوتی تو آپ اس کو بیان فرمادیتے حالانکہ آپ نے فرمایا ہے وہ نیک کام کرے پھر کفارہ دے، کیونکہ ضرورت کے وقت سے تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ''فلیأت الذی ھو خیر'' میں فاء ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے۔(صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

اور آپ نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ قسم کے بعد کیا کرے، اور یہ دونوں کام برابر ہیں کفارہ دینا اور قسم توڑنا۔ جیسے کوئی شخص کہے: جب تم گھر میں داخل ہو تو کھاؤ اور پیو، اور ایک کو دوسرے پر مقدم نہیں کیا، جیسا درج ذیل آیت میں ہے:

اِذَاقُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ۔ (المائدہ:٦) جب تم نماز کا ارادہ کر چکو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۹۰۔۱۹۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ أُتِيَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللّٰهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابن زید از غیلان بن جریر از ابی بردہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں حاضر ہوا، میں آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، انہوں نے بیان کیا: پھر جب تک

نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ٹھہرانا چاہا ہم ٹھہرے رہے، پھر تین سفید کوہان والے اونٹ لائے گئے، سو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ان پر سوار کیا، جب ہم چل پڑے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے بعض نے کہا: بخدا! ہمارے لیے برکت نہیں ہوگی۔ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، پس ہم کو نبی ﷺ کے پاس لوٹاؤ، ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں، سو ہم آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا اور بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ، میں کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا، پس یہ دیکھوں کہ اس کے خلاف زیادہ بہتر ہے مگر میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو زیادہ بہتر ہے یا فرمایا: میں اس کام کو کروں گا جو زیادہ بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، ان کا نام محمد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غیلان بن جریر، غیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے، یہ الازدی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بردہ، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام عامر ہے، یہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری سے روایت کرتے ہیں اور وہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی رهط" ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ "رهط" کا اطلاق دس سے کم مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے

جن میں کوئی عورت نہ ہو اور ''رھط'' کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الاشعریین'' یہ لفظ اشعری کی جمع ہے اور اس کی نسبت اشعر کی طرف ہے، اور ان کا نام نبت بن ادد بن یشخب بن عریب بن زید بن کہلان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''استحمله'' یعنی میں آپ سے ایسے اونٹ کو طلب کرتا تھا جس پر ہم سوار ہوں اور اس اونٹ پر ہمارا سامان لادا جا سکے اور یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؀ (التوبہ: ۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انہیں جہاد کے لیے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے O

التوبہ: ۹۲ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ جہاد میں جائیں، آپ کے پاس آپ کے اصحاب کی ایک جماعت آئی، جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بھی تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کوئی سواری عطا کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ جہاد سے رہ جانا ان پر بہت شاق تھا، اور ان کے پاس نہ زادِ راہ تھا نہ سواری تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور جہاد پر حرص کی وجہ سے ان کے عذر میں یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ۱۸۶۴)

اس آیت اور اس کے شانِ نزول میں جو حدیث ذکر کی گئی اس میں مذکور ہے کہ جہاد میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے صحابہ شدتِ غم کی وجہ سے رو رہے تھے، ہم لوگ جان، مال اور اولاد کے نقصان کے غم میں روتے ہیں، کبھی ایسا ہوا ہے کہ نماز قضاء ہونے پر ہم روئے ہوں، یا حج یا جہاد سے محروم ہونے پر ہم روئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مشہور یہ ہے کہ آپ کبھی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے تھے، اب یہاں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ اور صحیح البخاری کی اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ہو اور پھر آپ سائل کو نہ دیں ایسا نہیں ہوتا تھا، اور اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری نہیں تھی، پھر بعد میں جب آپ کے پاس سفید کوہان والے اونٹ آئے تو آپ نے ان کو وہ اونٹ عطا فرما دیے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وقت ہر چیز کو عطا کرنا یہ صرف اللہ عزوجل کا خاصہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بہت محبوب

اور مکرم بندے ہیں، اس کے باوجود آپ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ آپ ہر وقت ہر چیز کو عطا فرما دیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے "بثلاث ذود" تین سے لے کر دس اونٹوں تک کے لیے "ذود" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ مونث ہے اور اس کا اس لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اور کثیر کے لیے "اذواد" کا لفظ آتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "الذود" ایک اونٹ کو کہتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ ذود سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ القزاز نے کہا ہے کہ عرب کہتے ہیں "الذود" کا معنی ہے تین سے لے کر نو تک، اور ابوعبید نے کہا کہ یہ اونٹنیاں ہیں، اس لیے فرمایا "ثلاث ذود" اور "ثلاثة ذود" نہیں کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غر الذری" (غین پر پیش ہے اور راء مشدد ہے) اور یہ "اغر" کی جمع ہے اور وہ سفید رنگ کے خوبصورت اونٹ کو کہتے ہیں۔ اور "الذری" "ذروة" کی جمع ہے، اور "ذروة" ہر چیز کی بلندی کو کہتے ہیں اور مراد یہاں پر کوہان ہے اور کتاب الجہاد کے باب الخمس میں غزوہ تبوک کے بیان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ یہ چھ اونٹنیاں تھیں اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین کا ذکر ہے اور چھ کی نفی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فحملنا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سوار کر دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بل الله حملكم" یعنی میں نے تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے: میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کے مال سے عطا کیا ہے، یا میں نے تم کو اللہ کے حکم سے عطا کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے مطلع ہو کر عطا فرماتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۶۔ ۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٢٤۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، انہوں نے کہا: یہ وہ حدیث ہے جو ہم کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸، ۸۷۶، ۸۹۶، ۲۹۵۶، ۳۴۸۶، ۶۶۲۴، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، صحیح مسلم: ۸۵۵، سنن نسائی: ۱۳۶۷، مسند احمد: ۱۰۱۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کا ممتنع بالذات ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہم دنیا میں مبعوث ہونے کے اعتبار سے آخر ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ اور فرمایا: اور قیامت کے دن ہم سابق ہوں گے، یعنی سب سے پہلے آپ اور آپ کی امت قبر سے نکلے گی اور سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا آپ آخر بھی ہیں اور سابق بھی

ہیں۔ دنیا میں آخر ہیں اور آخرت میں سابق ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا ثبوت ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر فرض کی جائے تو وہ آخر الانبیاء ہوگی یا نہیں، اگر وہ آخر الانبیاء ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء نہیں رہیں گے، اور اگر وہ نظیر آخر الانبیاء نہیں ہے تو پھر وہ آپ کی نظیر نہیں ہے، فرض کیا تھا کہ وہ آپ کی نظیر ہے اور لازم آیا کہ وہ آپ کی نظیر نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا آخر الانبیاء ہونا اور خاتم النبیین ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نظیر ممتنع بالذات اور محال بالذات ہے۔

اہل سنت مکتبہ فکر بریلی کے علماء اور ان سے پیش رو علماء کا یہی مسلک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے، اس کے برخلاف مکتبہ فکر دیوبند کے علماء کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالغیر ہے، یعنی آپ کی نظیر ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کی نظیر بنائے گا نہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس موضوع پر ''امتناع النظیر'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں بہت مفصل دلائل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ممتنع النظیر ہونا ثابت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر اس پر یہ سوال کیا جائے کہ ایک انسان مثلاً زید کے پانچ بیٹے ہیں اور اس کا پانچواں بیٹا عمرو اس کا آخر الولد ہے، تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ عمرو کی نظیر بھی ممتنع بالذات ہے، کیونکہ اگر اس کی کوئی نظیر ہو تو وہ آخر الولد ہوگی یا نہیں، اگر وہ آخر الولد نہیں ہے تو عمرو کی نظیر نہیں ہے اور اگر وہ آخر الولد ہے تو پھر عمرو آخر الولد نہیں رہے گا۔ تو پھر عمرو کی نظیر بھی ممتنع بالذات ہوگئی، تو خاتم النبیین اور آخر الانبیاء ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہ رہا۔

اس کا جواب یہ ہے: ہم جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے یعنی اوصاف کمالیہ میں کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثیل اور نظیر نہیں ہو سکتا اور آخر الانبیاء اور خاتم النبیین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف کمال ہے اور کسی شخص کا آخر ولد ہونا اس کے لیے وصف کمال نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کا جو آخری بیٹا ہو وہ آخر الولد ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا وصف کمال ہے اور کسی شخص کا آخر الولد ہونا وصف کمال نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۲۵۔ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاللهِ لَأَنْ يَلِجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنْ أَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی ایک شخص کا اپنے گھر والوں کے معاملہ میں اپنی قسم پر اصرار کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے کہ (قسم توڑ کر) اس کا وہ کفارہ ادا کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۴، مسند احمد: ۷۷۴۲)

صحیح البخاری: ۶۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس سے پہلی حدیث میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ ارشاد ہے ''ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے''، یعنی ہم سے پہلے حساب لیا جائے گا اور جنت میں ہم پہلے داخل ہوں گے۔ سو اس حدیث میں بعد والی حدیث کو داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صحیفۂ ہمام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے مذکور تھی۔ اور ہمام جب صحیفہ کی روایت کرتے تو پہلی حدیث کو پہلے ذکر کرتے، پھر بعد میں بقیہ احادیث کو ذکر کرتے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس کی توجیہ یہ ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسقِ واحد میں سنا تو انہوں نے ان دونوں حدیثوں کو اسی طرح روایت کر دیا جس طرح انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے یہ اس لیے کیا ہو کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث کو سنا تھا، پس انہوں نے ان احادیث کو اس ترتیب کے مطابق ذکر کیا جو صحیفہ ابن ہمام میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث (صحیح البخاری: ۶۶۲۴) میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ ابنِ راہویہ ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اسحاق بن نصر ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک امام عبدالرزاق سے روایت کرتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے دونوں میموں پر زبر ہے، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لان یلج'' اس میں دو جیم ہیں اور اس کا معنی ہے: جو شخص اپنی قسم پر جما رہا اور اس نے اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ نہیں دیا، تاکہ وہ اس قسم کو حلال کر لیتا، اور وہ یہ زعم کرتا ہے کہ وہ صادق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کا خلاف اس قسم سے بہتر ہے، پھر بھی وہ کفارہ کو نہ دینے پر قائم رہتا ہے اور قسم نہیں توڑتا اور یہ اس کا گناہ ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی متوفی ۳۹۸ھ نے ''الصحاح'' میں لکھا ہے کہ ''لَجِجْتُ لَجاجا ولجاجة'' دونوں کا لغت میں ایک معنی ہے یعنی کسی بات پر جمے رہنا اور ڈٹے رہنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بیمینه فی اھله'' یعنی جب ایک مرد نے اپنے گھر والوں کے متعلق کوئی قسم کھائی اور اس کے قسم نہ توڑنے سے ان کو ضرر ہو اور قسم توڑنے میں کوئی گناہ نہ ہو تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ دے۔ پس اگر اس نے کہا کہ میں قسم نہیں توڑوں گا اور گناہ سے ڈرایا تو وہ گناہگار ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''آثم له'' اس میں الف پر زبر ہے اور یہ اسمِ تفضیل ہے یعنی وہ زیادہ گناہ گار ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لمن یلج'' اصل عبارت یوں ہے کہ اس کا اپنی قسم میں دائم اور مستمر رہنا اور ڈٹے رہنا یہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ وہ کفارہ دے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کو توڑ کر کفارہ دینے میں بھی گناہ ہے، کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ اشتراک کو چاہتا ہے۔ پھر اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ صرف قسم توڑنے میں گناہ ہے، کیونکہ قسم کو توڑنا اس کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم نہیں کرتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"لان یلج احدکم بیمینہ"اور دوسری حدیث میں مذکور ہے"ومن استلج فی اھلہ بیمین"۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے:اس سے مراد ہے دھوکا،جس پر وہ قسم کھاتا ہے۔اور علامہ خطابی نے لکھا ہے:"استلج" کا لفظ "لجاج" سے ماخوذ ہے،یعنی وہ اپنی قسم پر قائم رہتا ہے اور اس کا کفارہ دے کر قسم کو حلال نہیں کرتا۔(اعلام الحدیث ج ۴ ص ۲۲۷۹)

اور شمر نے کہا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ وہ صادق ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قسم کھاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ قسم کا خلاف کرنا قسم سے بہتر ہے،پھر بھی وہ کفارہ نہ دینے پر قائم رہتا ہے اس وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا۔

اور النضر نے کہا:"استلج فلان متاع فلان" اس کا معنی یہ ہے:جب ایک آدمی کسی کے سامان پر اپنا دعویٰ کرے۔

اور علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ"لَجِجْتُ اور لَجَجْتُ" کا ایک معنی ہے۔(الصحاح ج ا ص ۳۳۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۹۳ ملخصاً وملتقطاً،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر،۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۶۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنِ اسْتَلَجَّ فِي أَهْلِهِ بِيَمِينٍ فَهُوَ أَعْظَمُ إِثْمًا لِيَبَرَّ يَعْنِي الْكَفَّارَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی یعنی ابن ابراہیم نے،انہوں نے کہا:ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں معاویہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عکرمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جو شخص اپنے گھر والوں کے متعلق قسم کے اوپر ڈٹا رہا تو وہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ وہ قسم سے بری ہو یعنی کفارہ ادا کرے۔

(صحیح البخاری:۶۶۲۵،۶۶۲۶،صحیح مسلم:۱۶۵۵،سنن ابن ماجہ:۲۱۱۴،مسند احمد:۷۷۴۲)

صحیح البخاری:۶۶۲۶،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سابق کی ایک اور سند ہے جو از اسحاق مروی ہے،پھر اس کا بیان کیا کہ وہ ابن ابراہیم ہیں۔اور الغسانی نے کہا ہے کہ اسحاق کے متعلق مشابہ یہ ہے کہ وہ ابن منصور ہیں۔پس ظاہر یہ ہے کہ یہی صحیح ہے،اس لیے کہ صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں اسحاق کا لفظ مجرد ذکر کیا گیا ہے یعنی بغیر نسبت کے،حتیٰ کہ"رجال الصحیحین" کے جامع نے یحییٰ بن صالح الحمصی کے ترجمہ میں لکھا ہے:ان سے اسحاق نے روایت کی اور اس کو بغیر نسبت کے ذکر کیا حالانکہ وہ ابن منصور ہیں۔اور جس نسخہ میں مذکور ہے ابن ابراہیم،تو اس سے ابہام زائل نہیں ہوتا،کیونکہ امام بخاری کے مشائخ میں اسحاق بن ابراہیم بن نصر ہیں اور

اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم الصواف ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم، ابن راہویہ کے ساتھ معروف ہیں اور یحییٰ بن صالح ان سے بھی امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں بلا واسطہ روایت کی ہے۔ اور معاویہ وہ ابن سلّام ہیں، یہ حبشی الاسود ہیں اور یحییٰ بن کثیر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من استلجّ" یہ باب استفعال ہے اور سین اس میں تاکید کے لیے ہے، اور ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ ایک روایت میں مذکور ہے "من استلجج" یہ بغیر ادغام کے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیبرّ" یہ امرِ غائب کا صیغہ ہے اور بر سے یا ابرار سے ماخوذ ہے، یعنی اس نے قسم کو اس لیے توڑا تا کہ نیک کام کرے یعنی خیر کرے اور قسم پر ڈٹے رہنے کو ترک کر دے اور کفارہ ادا کر دے، اور یہ تفصیل اس لیے کی ہے تا کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ بِر اور نیکی سے مراد قسم پر برقرار رہنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم پر جمے رہنے کی بہ نسبت قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قسم کا کفارہ دینے پر برانگیختہ کیا ہے جب کہ قسم توڑ کر کفارہ دینا قسم پر ڈٹے رہنے سے بہتر ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپ بھی اس طرح کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ اشعریین کو اونٹوں پر سوار نہیں کریں گے جس وقت آپ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی جس پر ان کو سوار کر سکیں، پھر جب آپ کے پاس اونٹ لائے گئے تو آپ نے اشعریین کو اونٹوں پر سوار کیا اور آپ نے یہ قسم بھی کھائی کہ قسم پر ڈٹے رہنا اور اس پر برقرار رہنا اس میں زیادہ گناہ ہے بہ نسبت اس کے کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دیا جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے متعلق قسم پر ڈٹے رہنا، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق قسم کھائی کہ وہ اس کو کوئی خیر نہیں پہنچائے گا یا اس سے جماع نہیں کرے گا یا اپنی بیوی کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا یا اس کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے گا تو اس قسم پر جمے رہنا اور ڈٹے رہنا اس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ نہ دے، کیونکہ جس نے ایسا کیا وہ اس حدیث میں داخل ہو جائے گا کہ اس نے خیر کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھائی، اور یہ چیز ممنوع ہے۔ اور ان احادیث کا مصداق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O (البقرہ: ۲۲۴)

اہل التفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ نیک کام نہیں کرے گا اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم نہیں کرے گا اور دو لڑے ہوئے مردوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ صلہ رحم کریں

اور نیک کام کریں اور لوگوں کے درمیان صلح کریں۔

اور "العُرضة" کا معنی کلامِ عرب میں ہے: قوت اور شدت، کہا جاتا ہے "هذا الامر عارضة لك" یعنی یہ کام تمہارے لیے بہت قوت والا اور بہت شدت والا ہے، پس اب معنی یہ ہوگا کہ تم اپنی قسموں کو نیک کام کے ترک کرنے پر قوت نہ بناؤ۔

ان احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی آدمی کا نیک کام کے ترک کرنے کی قسم کھانے پر برقرار رہنا گناہ کا باعث ہے، اسے چاہیے کہ ایسی قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اور یہ حدیث مسروق اور عکرمہ اور سعید بن جبیر کے قول کو رد کرتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ نیک کام کو کرے اور اس پر کفارہ نہیں ہے اور ان کا یہ قول احادیث کے خلاف ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھالی کہ وہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نیکی نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی چیز کے اوپر قسم کھاؤں اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس کا خلاف کرتا ہوں جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۸۳)

اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: جب میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور اس کام کو کرتا ہوں جو بہتر ہے، اس کا معنی ہے: کفارہ دینے سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۸۳)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم قسم اٹھاؤ اور پھر تم یہ دیکھو کہ اس قسم کا خلاف افضل ہے، تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو افضل ہے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۰۱)

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۸۴۔۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَايْمُ اللَّهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور اللہ کی قسم"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قسم میں کوئی شخص کہے "ایم اللہ" یعنی اور اللہ کی قسم۔ اس میں ہمزہ وصل کے لیے ہے اور یہ وہ اسم ہے جس کو قسم کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یا یہ یمین کی جمع ہے اور اس سے نون کو حذف کیا گیا ہے۔ اور الفراء اور ابن کیسان کے نزدیک اس کا الف قطعی ہے۔ الجوہری نے کہا: بعض اوقات یاء کو حذف کردیتے ہیں پس کہتے ہیں ام

اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمْرَتِهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن جعفر از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر (حضرت) اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کو امیر بنا دیا، پس بعض لوگوں نے ان کی امارت میں طعن کیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، سو آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی امارت میں طعن کرتے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے والد کی امارت میں طعن کرتے تھے اور اللہ کی قسم! یہ ضرور امارت کے لائق ہیں، اور بے شک یہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں اور بے شک یہ میرے نزدیک ان کے بعد ضرور ان لوگوں میں سے ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۳۰، ۴۲۵۰، ۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۷۱۸۷، ۶۶۲۷، صحیح مسلم: ۲۴۲۶، سنن ترمذی: ۳۸۱۶، مسند احمد: ۴۶۸۷)

صحیح البخاری: ۶۶۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ایم اللہ" کہنا، اور اس حدیث میں بھی "ایم اللہ" کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بعثا" اس کا معنی ہے سریہ، یعنی جہاد کے لیے ایسا لشکر جس میں رسول اللہ ﷺ خود تشریف فرما نہ ہوں۔ اور جس میں آپ خود تشریف فرما ہوں اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی امرته" یعنی تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا امیر مقرر کرنے کے اوپر نکتہ چینی کرتے ہو کہ لشکر میں معمر اور بڑی عمر کے صحابہ موجود ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو ان کے اوپر حاکم بنا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایم اللہ" یعنی اللہ کی قسم۔ لیکن اس کا معنی ہے اللہ کے نام کا حلف اٹھانے والے کی قسم۔ کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی یمین کا حلف اٹھاتا ہے، یہ صرف مخلوقین کی صفات میں سے ہے۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ وہ "ایم اللہ" کے ساتھ قسم کھاتے تھے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم النخعی نے "ایم اللہ"

کے ساتھ حلف اٹھانے کا انکار کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک یہ یمین ہے، اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے: اگر اس سے قسم کا ارادہ نہ کیا جائے تو یہ یمین نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "ایم اللہ" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، پس اگر یہ صحیح ہو تو یہ اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لخلیقا بالامارۃ" یعنی یہ امارت اور حاکمیت کے لائق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لمن احب الناس" علامہ کرمانی نے کہا: احب بمعنی محبوب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹۔ ۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی امارت پر اعتراض کرنے والے کا نام

قاضی بدرالدین محمود بن ابی بکر الدامینی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا، امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس قصہ سے متعلق ایک حدیث لکھی ہے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص حضرت عیاش بن ابی ربیعہ تھے اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ سخت مزاج تھے، انہوں نے کہا: اس غلام کو مہاجرین پر سپہ سالار بنایا جائے گا، پھر اس موقع پر یہ بات بہت زیادہ کہی گئی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو انہوں نے اس کا رد کیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ بتایا کہ فلاں شخص یہ اعتراض کر رہا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوئے اور آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی امارت میں طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت میں طعن کرتے تھے اور اللہ کی قسم وہ امارت کے ضرور لائق ہیں۔

(تاریخ دمشق ج ۲ ص ۵۵، مصابیح الجامع ج ۷ ص ۲۹۹، دارالنوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ہمارے پاس موجود تاریخ دمشق میں درج ذیل مقام پر موجود ہے:

(تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ۔ سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے یہ کہا ہے کہ "ایم اللہ" کا معنی ہے "اسم اللہ" اور سین کو یاء سے بدل دیا اور یہ غلط فاحش ہے، کیونکہ سین کو یاء سے نہیں تبدیل کیا جاتا۔ اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ یہ واؤ قسم کے عوض میں ہے اور "ایم اللہ" کا معنی ہے "واللہ لافعلن" یعنی اللہ کی قسم! میں ایسا ضرور کروں گا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "یمین اللہ" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ نے کہا ہے: اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ "تاللہ" کی مثل ہے، دوسرا یہ ہے کہ یہ "احلف باللہ" کی مثل ہے اور یہی راجح ہے۔ اور بعض علماء نے "ایم اللہ" کو اور "لامر اللہ" کو مساوی قرار دیا۔ اور الماوردی نے یہ فرق کیا ہے کہ "لامر اللہ" ان کے استعمال میں بہت عام ہے اس کے برخلاف "ایم اللہ" اتنا عام نہیں ہے۔ اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی نے "التہذیب" میں وثوق سے کہا ہے کہ "ایم اللہ" حق اللہ کی مثل ہے اور اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جہاں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وایم الذی

نفس محمد بیدہ'' یعنی اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے، اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہتے تو وہ سب بچے جہاد کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۷۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: كَيْفَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کس طرح ہوتی تھی؟

وَقَالَ سَعْدٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے!

وَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ: لَاهَا اللهِ إِذًا

اور حضرت ابو قتادہ نے کہا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہا: ''لاھا اللہ اذا''۔

يُقَالُ وَاللهِ وَبِاللهِ وَتَاللهِ.

کہا جاتا ہے: واللہ، باللہ اور تاللہ۔ (ان سب کا معنی ہے اللہ کی قسم)

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں کہا ہے کہ سعد نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ یعنی یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور امام بخاری نے اس تعلیق کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ طویل روایت ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ابو قتادہ نے کہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہا ''لاھا اللہ اذا''۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابو قتادہ، وہ الحارث بن ربعی الانصاری الخزرجی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سوار تھے اور ان کی حدیث کتاب الخمس میں باب ''من لم یخمس الاسلاب'' میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کے دن نکلے، پس جب ہمارا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں میں لغزش آگئی، پس میں نے مشرکین میں سے ایک مرد کو دیکھا جو مسلمانوں میں سے ایک مرد کے اوپر غالب تھا، پس میں پیچھے آیا حتیٰ کہ میں نے اس کو پیچھے سے آکر اس کی گردن پر تلوار ماری تو وہ میری طرف پلٹا اور اس نے مجھ کو اتنے زور سے دبایا کہ اس کے دبانے سے مجھے موت کی خوشبو آرہی تھی، پھر وہ مر گیا تو اس نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ پس میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جاکر ملا اور میں نے کہا: یہ لوگوں کو کیا ہوا ہے، انہوں نے کہا: یہ اللہ کی تقدیر ہے، پھر لوگ لوٹے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا: جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کے متعلق گواہ بھی ہو تو اس کا چھینا ہوا مال اس کو ملے گا۔ تو میں نے دل میں کہا: میری گواہی کون دے گا؟، پھر میں بیٹھ گیا، آپ نے پھر فرمایا: جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس گواہ ہو تو اس کا چھینا ہوا مال اس کو ملے گا، پھر میں کھڑا ہوا، پھر میں نے دل میں کہا: میرے حق میں کون گواہی دے گا، پھر میں بیٹھ

گیا، پھر آپ نے تیسری مرتبہ اسی طرح فرمایا، پس میں کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوقتادہ! کیا ہوا، تو میں نے آپ کے سامنے قصہ بیان کیا، تو پھر ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! اس نے سچ کہا ہے اور اس شخص سے چھینا ہوا مال میرے پاس ہے، آپ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''لا ھا اللہ'' (اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا) اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قتال کرتا ہے، وہ تم کو اس سے چھینا ہوا مال نہیں دے گا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر نے سچ کہا، پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو اس مرد نے وہ زِرہ دے دی تو میں نے اس زرہ کے بدلہ میں بنو سلمہ میں ایک باغ خرید لیا اور یہ وہ پہلا مال ہے جس کو میں نے اسلام میں حاصل کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۴۲)

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حدیث میں اسی طرح آیا ہے ''لا ھا اللہ اذا'' اور صحیح یہ ہے ''لا ھا اللہ'' اور اس کا معنی ہے: لا واللہ، یعنی نہیں، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا۔

مازری سے روایت ہے کہ یہ روایت خطا ہے، اور صحیح ہے ''لا ھا اللہ ذا'' اور ''ذا'' کلام میں صلہ ہے، انہوں نے کہا کہ عرب کے کلام میں ''لا ھا اللہ اذا'' نہیں ہے۔ اور ابوحاتم نے کہا: قسم میں کہا جاتا ہے ''لا ھا اللہ ذا'' اور عرب کہتے ہیں ''لا ھا اللہ ذا'' اور اس کا معنی ہے: ''لا واللہ'' ۔ یہ وہ ہے جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے۔ پس اللہ کا اسم ''ھذا'' اور ''ذا'' کے درمیان داخل کیا گیا ہے۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ''اذا'' جواب اور جزاء ہے یعنی ''لا واللہ اذا'' اور روایت ہے کہ ''ذا'' اسمِ اشارہ ہے یعنی ''واللہ لا یکون ھذا'' یعنی اللہ کی قسم! اس طرح نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: کہا جاتا ہے واللہ، باللہ، تاللہ۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق میں یہ اشارہ کیا ہے کہ حروف قسم میں تین ہیں، اول واللہ، واؤ کے ساتھ۔ ثانی باللہ، باء کے ساتھ۔ ثالث تاللہ، تاء کے ساتھ۔ اور واؤ اور باء ہر اس لفظ پر داخل ہوتے ہیں جس کی قسم کھائی جائے اور تاء صرف لفظِ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۰۔ ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی از سفیان از موسیٰ بن عقبہ از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم تھی ''نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم''۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۸، ۷۳۹۱، سنن ترمذی: ۱۵۴۰، سنن نسائی: ۳۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۳، مسند احمد: ۴۷۸۸، سنن دارمی: ۲۳۵۰)

صحیح البخاری: ۶۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کس طرح تھی'' اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم تھی ''نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم''۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب "یحول بین المرء وقلبه" کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں اس حدیث کی امام بخاری نے از محمد بن مقاتل از عبداللہ از موسیٰ بن عقبہ الخ روایت کی تھی۔ اور یہاں اس حدیث کی روایت از محمد بن یوسف الفریابی از سفیان ثوری کی ہے۔ اور محمد بن یوسف سے البیکندی مراد نہیں ہیں۔ اور سفیان سے سفیان بن عیینہ مراد نہیں ہیں۔ اور ثوری نے اس حدیث کی روایت از موسیٰ بن عقبہ از سالم بن عبداللہ بن عمر از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے، اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۷ میں مذکور ہے کہ بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے "دلوں کو پلٹنے والے کی قسم"۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے اور وہ کفر کے اوپر ایمان کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فعل عدل ہے، اس کا کوئی فعل غلط یا ظلم نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں پر مطلع نہ ہو سکیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر قسموں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم تھی "نہیں، اور دلوں کو پھیرنے والے کی قسم" یہ علی الاطلاق نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ سے بھی قسم کھاتے تھے اور ان الفاظ کے بغیر سے بھی قسم کھاتے تھے اور اس سے پہلے باب میں یہ گذر چکا ہے کہ آپ "وایم اللہ" کہہ کر قسم کھاتے تھے اور کتنی مرتبہ آپ اس طرح قسم کھاتے تھے "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے"۔ یا اس طرح قسم کھاتے "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے"۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قسم کھانے کے متعلق یہ حکم دیا ہے:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ (التغابن: ۷)

آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے O

نیز آپ کو اس طرح بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے:

قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (یونس: ۵۳)

آپ کہیے کہ ہاں! میرے رب کی قسم! وہ عذاب برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو O

اس سوال کا جواب کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے "لا ومقلب القلوب" کا خصوصیت سے ذکر کیوں کیا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد طریقوں سے قسم کھائی ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کیسے فرمایا کہ آپ کی قسم یہ ہوتی تھی "لا، ومقلب القلوب" (نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم)؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح قسم کھاتے ہوئے سنا تھا۔ یا دوسرا جواب یہ ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی حال کی مناسبت کی وجہ سے "لا و مقلب القلوب" کہہ کر قسم کھاتے تھے۔ اور علی الاطلاق آپ اس طرح قسم نہیں کھاتے تھے۔

قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں دلوں کے پھیرنے کا ذکر

اور "مقلب القلوب" کا معنی ہے: دلوں کو پھیرنے والا اور دلوں کو پلٹنے والا، یعنی ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف دلوں کے عزائم کو بدلنے والا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۠ (الانعام:۱۱۰)

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کرتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک و طاعتک۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ اور اپنی طاعت پر برقرار رکھ۔

آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں: "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک و طاعتک" آپ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز امن مہیا کرے گی، تمام بندوں کے دل صرف رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، بے شک جب وہ کسی بندہ کے دل کو پھیرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پھیر دیتا ہے۔ اور عثمان نے کہا کہ تمام بندوں کے دل اللہ عزوجل کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱، رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۲۲۴، ۲۳۳، مسند ابو یعلیٰ: ۴۶۶۹، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۲۵۹، الشریعۃ للآجری: ۳۱۷)
(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک از حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۲۱، ۳۶۱۹، ۶۶۲۹، صحیح مسلم: ۲۹۱۸، مسند احمد: ۲۰۳۸۵)

صحیح البخاری: ۶۶۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قسم کھاتے تھے اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''، اور یہ آپ کی قسم کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ، وہ ابن اسماعیل ابوسلمہ تبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے اور اس حدیث کی سند میں عبدالملک کا ذکر ہے، وہ ابن عمیر الکوفی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الخمس میں از اسحاق بن ابراہیم اور کتاب علامات النبوۃ میں از قبیصہ بن عقبہ گذر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں قیصر کا ذکر ہے، قیصر روم کے بادشاہ کا نام ہے۔

اور اس حدیث میں کسریٰ کا ذکر ہے، یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، کیونکہ جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا اسی طرح واقع ہوا۔ اور قیصر کی ہلاکت کے بعد کوئی قیصر نام کا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور کسریٰ کی ہلاکت کے بعد ایران کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

بہ ظاہر اس حدیث میں عموم ہے کہ فارس کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوگی جس میں فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو، اور روم کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوگی جس میں روم کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو، لیکن جب ہم نے واقع کی طرف نظر کی تو معاملہ اس کے خلاف پایا۔ یعنی بعد میں فارس اور روم میں ان کے بادشاہ آتے رہے، اس لیے اس حدیث کو اس حال پر محمول کیا جائے گا جس حال میں مسلمانوں کا غلبہ ہو، کیونکہ جب مسلمانوں کا غلبہ تھا تو فارسیوں یا رومیوں کے لیے اپنے اپنے ملکوں میں اپنے بادشاہ کا تقرر ممکن نہیں تھا کیونکہ اسلام کے غلبہ سے وہ مقہور تھے لیکن جب مسلمان شکست کھا گئے اور مغلوب ہو گئے اور کمزور ہو گئے تو اب یہ ممکن ہوا کہ فارس اپنے ملکوں میں کوئی فارسی بادشاہ مقرر کر لے اور رومی اپنے ملکوں میں کوئی رومی بادشاہ مقرر کر لے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیصر کے ملک کے باقی رہنے اور کسریٰ کے ملک کے برباد ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا''۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو دعا دی تھی جب اس نے آپ کا مکتوب پڑھا تو آپ نے اس کے لیے دعا کی کہ تمہارا ملک سلامت رہے، پھر شام سے اس کی حکومت ختم نہیں ہوئی۔ اور رہا کسریٰ، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی کہ تمہارا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، تو اب تک کسریٰ کی حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ اور اس حدیث میں نبوت کی علامت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے، پس واقع میں اسی طرح ہوا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر ایک اعتراض کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی آپ پر ظلم کرتا تو آپ درگزر فرماتے اور اس کو معاف فرما دیتے اور جب کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو بہ ظاہر آپ کی سیرت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے اور اس کے خلاف دعا نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر ظلم کرتا تو آپ اس کو معاف فرما دیتے لیکن دین کے معاملہ میں اگر کوئی ظلم کرتا تو آپ اس کو معاف نہیں کرتے تھے۔ کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور امورِ تبلیغ میں مداخلت کی اور اس موقع پر درگزر کرنا مداہنت تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مداہنت نہیں کرتے تھے، اس لیے آپ نے اس کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

قیصر و کسریٰ اور ان کے ملکوں کا مختصر تعارف

حافظ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

رہا کسریٰ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ کاٹ دی اور اس کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین پر اس کے ملک کا مسلمانوں کو وارث بنا دیا۔

اور رہا قیصر تو وہ شام کا بادشاہ تھا اور وہیں پر بیت المقدس ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پر عیسائیوں کی تمام عبادات مکمل ہوتی ہیں اور شام قریش کی تجارت کی جگہ تھا اور ان کے آنے جانے کی جگہ تھا اور مسلمانوں نے جو شام پر حملہ کیا تھا اس سے ان کا مقصود اس مملکت پر قبضہ کرنا تھا اور اس پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کے خزانوں کو اور اس کے اموال کو لوٹ لیا گیا اور بعد میں کوئی قیصر اس ملک کا حکمران نہیں ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ میں قسطنطنیہ کی فتح سے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

اس اشکال کا جواب کہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکتوں کے بعد بھی ان کی حکومتیں باقی رہی ہیں

علامہ محمد التفصیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المغربی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

کسریٰ فارس کا بادشاہ تھا اور قیصر روم (شام) کا بادشاہ تھا، اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کسریٰ کی ہلاکت کے بعد فارس کی مملکت باقی رہی ہے کیونکہ ان کا آخری بادشاہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل ہوا تھا اور روم کی مملکت بھی باقی رہی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کسریٰ عراق میں باقی نہیں رہے گا اور قیصر روم شام میں باقی نہیں رہے گا، یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیصر کے بعد کسی قیصر کی ایسی حکومت نہیں ہوگی جیسی اس قیصر کی تھی، کیونکہ شام میں بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کی کوئی عبادت بیت المقدس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اور جو بھی روم کا بادشاہ ہوا وہ بیت المقدس میں داخل ہوتا تھا خواہ خفیہ، خواہ اعلانیہ۔ پس جب قیصر ہلاک ہو گیا اور اس کے خزانے فتح کر لیے گئے تو اس کے بعد کوئی قیصر اس کے ساتھ لاحق نہیں ہوا۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۸ ص ۳۷۶۔۳۷۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ فارس کی مملکت بعد میں باقی رہی ہے کیونکہ آخری فارس کا بادشاہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل ہوا اور یہ اشکال بھی ہے کہ روم کی مملکت بھی باقی رہی اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ عراق میں کسریٰ کی حکومت باقی نہیں رہے گی اور نہ قیصر کی حکومت شام میں باقی رہے گی۔ یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے، انہوں نے بتایا: اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ قریش شام میں اور عراق میں تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، پس جب قریش مسلمان ہو گئے تو ان کو خوف ہوا کہ اب ان کا سفر منقطع ہو جائے گا کیونکہ وہ لوگ اب مسلمان ہو گئے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل خوش کرنے کے لیے فرمایا اور ان کو بشارت دی کہ قیصر و کسریٰ کا ملک عنقریب زائل ہو جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ قیصر کا ملک باقی رہا اور صرف شام سے اور اس کے مضافات سے اس کی حکومت جاتی رہی اور کسریٰ کا ملک جڑ سے اکھڑ گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیصر کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب آیا تو قیصر نے اس مکتوب کو قبول کیا اور قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا جیسا کہ صحیح البخاری کے شروع میں ہرقل کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اور کسریٰ کے پاس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا تو اس نے اس کو پھاڑ ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی کہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے پورے پورے ٹکڑے، سو اسی طرح ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کسریٰ بن ہرمز ہلاک ہو گیا جیسا کہ عنقریب کتاب الاحکام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے اوپر ایک عورت کو حکمران بنا دیا ہے، اس وقت آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے کسی عورت کو اپنا حکمران بنا دیا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب شیرویہ بن کسریٰ مر گیا تو لوگوں نے اس کی بیٹی بوران کو اپنا حکمران بنا دیا۔ اور رہا قیصر تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک بیس سال زندہ رہا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مر گیا تھا جب مسلمانوں سے شام میں اس کے بیٹے نے جنگ کی اور اس کا لقب بھی قیصر تھا۔ اور ہر تقدیر پر حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کی حکومتیں اس طرح باقی نہیں رہیں گی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں باقی تھیں۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۷۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اجراء نبوت پر مرزائیہ کے ایک استدلال کا جواب

جب مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے ابطال پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۲۲۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

مرزائیہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ میرے بعد کوئی کامل رسول نہیں ہوگا یا تشریعی رسول نہیں ہوگا اور نہ کوئی کامل نبی ہوگا۔ اس میں مطلقاً آپ کے بعد نبی کے آنے کی نفی نہیں ہے لہٰذا آپ کے بعد امتی نبی آ سکتا ہے۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''لا'' نفی جنس کا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنسِ نبوت کی نفی کر دی گئی ہے، لہٰذا آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا نہ حقیقی نبی ہوگا نہ ظلی اور نہ بروزی نبی ہوگا اور نہ امتی نبی ہوگا۔

مرزائیہ اس جواب پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے ''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو پھر کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو کوئی قیصر نہیں ہوگا'' حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعد میں فارس اور عراق کے بادشاہ آتے رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد کسریٰ نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا اور قیصر کے ہلاک ہونے کے بعد قیصر نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا، لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

٦٦٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ قدرت میں ہے! ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۲۱، ۳۶۱۹، ۶۶۲۹، صحیح مسلم: ۲۹۱۸، مسند احمد: ۲۰۳۸۵)

صحیح البخاری: ۶۶۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور یہ حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مساوی ہے سوا اس کے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قیصر کا ذکر کسریٰ کے ذکر پر مقدم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ان شاء اللہ کہے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے خرچ کرنے کی خبر دی، اس پر ایک اعتراض کا جواب

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ (الکہف: ۲۳۔۲۴)

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں ○ مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا ○

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان شاء اللہ کہے بغیر کل کے متعلق کسی کام کی خبر نہ دیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ تم ضرور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اور ان شاء اللہ نہیں کہا۔ تو کیا آپ کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے کہ آپ نے جو کام کل کرنا ہے وہ ان شاء اللہ کے بغیر نہ کریں اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کے متعلق نہیں بتایا بلکہ غیب کی خبر دی ہے جو آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئی۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ کوئی مرد یہ نہ کہے کہ میں فلاں کام کل کروں گا بلکہ یوں کہے کہ میں ان شاء اللہ فلاں کام کل کروں گا۔

لہٰذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۲۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۳۱۔ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِیهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ یَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم بہت زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن

ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۳۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واؤ قسمیہ کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدہ، جو حرہ کی ضد ہے، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی مثل حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے کتاب الرقاق میں اس باب کے تحت گزر چکی ہے ''لو تعلمون ما اعلم۔۔ الحدیث''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لیتے جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے''۔

اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ بعض لوگ کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں اور گانے بجانے اور رقص و موسیقی کے دلدادہ ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ موسیقی کو حلال کرنے پر مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۵۹۰)

(شرح ابن بطال ج ۳ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم ان چیزوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں''۔ یعنی وہ خوفناک چیزیں اور وہ احوال جو ہمارے سامنے ہیں اور جو موت کے وقت ہم پر حالات پیش آئیں گے اور برزخ میں اور قیامت کے دن جو امور ہم پر مترتب ہوں گے۔

یعنی سکرات موت کی جو تکلیفیں ہیں اور قبر میں جو آزمائشیں ہیں اور قیامت کی ہولناکیاں ہیں اور میدانِ حشر کی سختیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہم سے حساب و کتاب لینا ہے، اگر ہم ان تمام امور کو اپنے پیشِ نظر رکھیں تو ہم دنیا میں دل لگانا اور ہنسنا اور دنیا میں رغبت کرنا چھوڑ دیں اور خوفِ خدا سے ہر وقت روتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہیں کہ الٰہ العالمین! ہمیں ان تمام تکالیف سے محفوظ رکھنا۔

کم ہنسنے اور زیادہ رونے کے متعلق آثار اور اقوالِ علماء

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہاں پر لوگ باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم موت کا زیادہ ذکر کرو، سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف بندہ کے دل میں اس کے علم کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ   اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک

غَفُوْرٌ ⑳ (فاطر: ۲۸)　　اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے O

اور جب کسی شخص کو بھی ایسا علم نہیں ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا تو کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو منور کر دیا اور اس کی بصیرت سے پردہ کو اٹھا دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کیا کیا اطاعت واجب ہے اور اس کا شکر واجب ہے اور اس نے مستقبل میں پیش آنے والی قیامت کی خوفناک چیزوں کو یاد کیا اور اللہ کے بندوں کو ان مواقف میں جن سختیوں کا سامنا ہوگا ان کو یاد کیا اور اس کا معائنہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے جو سوال کرے گا چھوٹی سی چھوٹی چیز کے بارے میں تو پھر وہ شخص یقیناً بہت زیادہ غمگین ہوگا اور بہت زیادہ روئے گا، اسی لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جائے تو تمہارے حلق کے نیچے سے نہ کوئی کھانے کا نوالہ اترے گا اور نہ پانی کا کوئی گھونٹ اترے گا اور نہ تم بستروں پر سو سکو گے اور نہ تم عورتوں سے محبت رکھو گے، اور تم جنگلوں کی طرف نکل جاؤ گے اور زور سے پکار رہے ہو گے اور رو رہے ہو گے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۶۶۳۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْآنَ يَا عُمَرُ۔

(صحیح البخاری: ۳۶۹۴، ۶۲۶۴، ۶۶۳۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو عقیل زہرہ بن معبد نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے دادا عبد اللہ بن ہشام سے سنا، انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، پس آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ضرور ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری اپنی جان کے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں، پس آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس بے شک اب اللہ کی قسم! آپ ضرور مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اے عمر۔

صحیح البخاری: ۶۶۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے قسم کھائی ہے ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، یہ الجعفی ہیں اور یہ عبداللہ بن وہب سے روایت کرتے ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں حیوۃ کا ذکر ہے، یہ ابن شریح ہیں۔اور ابوعُقیل کا ذکر ہے، (عین پر زبر ہے) اور زہرہ کا ذکر ہے (زاء پر پیش ہے) یہ ابن معبد ہیں (میم پر زبر ہے)، یہ ابن عبداللہ بن ہشام بن زہرہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تمیم بن مرہ ہیں، ان کی والدہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور وہ اس وقت کم عمر تھے، سو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو دعا دی اور یہ مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے اور صحیح البخاری میں ان کی دو حدیثیں ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس سند کے تمام رجال مصری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یحییٰ بن سلیمان کوفی ہیں اور مصر میں رہائش رکھی ہے اور عبداللہ بن وہاب مصری ہیں اور اسی طرح زہرہ۔

اور یہ حدیث بعینہٖ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ اکون'' یعنی تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوگا حتیٰ کہ تمہارے نزدیک میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الآن'' یعنی اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلے یہ کہنا کہ میں اپنے علاوہ سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، پھر بلا استثنیٰ کہنا کہ میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دو قولوں کی توجیہ

ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر واقف نہیں تھے کہ کمالِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو، اسی لیے انہوں نے اپنے نفس کا استثنیٰ کیا۔اور اگر وہ اس وقت یہ کہتے کہ میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ تو یہ جھوٹ ہوتا۔پھر جب ان پر یہ منکشف ہو گیا اور ان کے دل میں یہ مقرر ہو گیا کہ وہ اپنے نفس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں تو پھر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب وہ آپ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

محبتِ طبعی اور محبتِ عقلی کا فرق

حافظ ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنے نفس سے محبت کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا ہے اور دوسروں کی محبت اسباب کے واسطہ سے اختیار ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ اختیاری محبت تمہارے دل میں اپنے آپ سے بھی زیادہ مجھ سے ہونی چاہیے، کیونکہ طبیعت کے

تقاضا کو بدلنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور جو چیز ان کی فطرت میں ہے اس کو متغیر کرنا آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے، سو میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلے جواب جو تھا تو طبیعت کے تقاضا کے اعتبار سے تھا، پھر انہوں نے غور کیا، پس انہوں نے دلیل سے جان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف ان کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا دنیا کی مہلکات سے نجات کا سبب ہے اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارے کا سبب ہے، سو انہوں نے اختیار کے تقاضا سے خبر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا "اب اے عمر" یعنی اے عمر! اب تم نے پہچان لیا اور تم نے وہ بات کہی جو واجب ہے۔

اور بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ اب تمہارا ایمان قابلِ شمار ہے کیونکہ مرد کا ایمان اس وقت تک قابلِ شمار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کو ترجیح نہ دے، سو اس شرح کی عبارت میں بے ادبی ہے اور اکثر اکابرین کے کلام میں اس جگہ تامل کی کمی ہے اور فکر میں استغراق نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اختیاری ہونا

محبتِ طبعی میں انسان کو اختیار نہیں ہوتا جیسے ماں کو بچہ سے محبت ہوتی ہے اور اس میں ماں کا اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے یہ بھی غیر اختیاری ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان اچھی اور مرغوب چیزوں سے محبت کرتا ہے اور ان کو پسند کرتا ہے، عمدہ کپڑے پہننا پسند کرتا ہے، لذیذ خوراک کھانا پسند کرتا ہے لیکن اگر اس کو مثلاً شوگر ہو جائے اور شوگر میں میٹھی چیزیں اور نشاستہ والی چیزیں نقصان دہ ہوتی ہیں، اس لیے شوگر کا مریض میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں کے اوپر پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتا ہے، کیونکہ اس کی عقل اسے بتاتی ہے کہ اگر اس نے میٹھی اور مرغن اشیاء کھائیں تو اس کی شوگر بڑھ جائے گی اور اس کے نتیجہ میں اس کے جسم میں پھوڑے اور پھنسیاں ہو جائیں گی جن کی اگر بروقت تدبیر نہ کی جائے تو وہ ناسور بن جاتی ہیں اور بعض اوقات جسم کے کسی عضو کو کاٹنا پڑتا ہے، کسی کا پیر کاٹ دیا جاتا ہے، کسی کی ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے اور شوگر کے نتیجہ میں فالج بھی ہو جاتا ہے اور بہت ساری مہلک بیماریاں ہو جاتی ہیں، تو جب انسان ان تکالیف اور مہلک بیماریوں کا خیال کرتا ہے تو اس کے سامنے میٹھی، لذیذ، ذائقہ دار اور مرغن اشیاء رکھی ہوں تو وہ ان کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور ان کے بجائے پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتا ہے، تو اس کی طبیعت اگرچہ میٹھی اور ذائقہ دار چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن اس کی عقل اس کو پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کی طرف ترجیح دیتی ہے اور یہی محبتِ عقلی ہے۔ اسی طرح ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں نمکیات اور مرچ مصالحے اور تیل والی اشیاء نقصان دہ ہوتی ہیں اور جس کے گردے میں پتھری ہو جائے اس کے لیے چاول، ٹماٹر اور دودھ نقصان دہ ہوتا ہے تو ایسے مریض اپنی پسند کی چٹ پٹی چیزیں نہیں کھاتے اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں اور چاول، ٹماٹر اور دودھ اور مرچ مصالحوں کو ترک کر دیتے ہیں اور یہی محبتِ عقلی ہے۔

صحابہ کرام کو اپنے ماں باپ، اولاد اور مال و دولت سے طبعی محبت تھی لیکن وہ ماں باپ، اولاد اور مال و دولت کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ترجیح دیتے تھے اور ان کی عقل انہیں یہ رہنمائی کرتی تھی کہ دنیا کی مشکلات اور آخرت کے عذاب سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ان کو نجات حاصل ہوگی، اس لیے وہ ماں باپ کے حکم اور مال و دولت کے تقاضوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو ترجیح دیتے تھے اور یہی محبتِ عقلی ہے۔ سو صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی وہ محبتِ عقلی تھی۔ اور یہ محبت

اختیاری ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۶۳۳، ۶۶۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحَدُهُمَا اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَقَالَ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا قَالَ مَالِكٌ وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ زَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَجَلَدَ ابْنَهُ مِائَةً وَغَرَّبَهُ عَامًا وَأُمِرَ أُنَيْسٌ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الْآخَرِ فَإِنِ اعْتَرَفَتْ رَجَمَهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ، ان دونوں نے عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کو خبر دی کہ دو مردوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے تنازعہ کا مقدمہ پیش کیا، پس ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے، اور دوسرے نے کہا جو ان دونوں میں زیادہ سمجھدار تھا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: تم بات کرو، اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، راوی مالک نے کہا: العسیف کا معنی مزدور ہے، سو میرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، پھر مجھے لوگوں نے خبر دی کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ میں دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر بھی حد ہے کہ اس کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ رہی تمہاری بکریاں اور باندی تو وہ تم کو واپس ہوں گی اور اس کے بیٹے پر سو کوڑے لگائے اور اس کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور حضرت اُنیس الاسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو، سو اس عورت نے اعتراف کر لیا، پس انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۶۹۵، ۲۷۲۴، ۶۶۳۳، ۶۸۲۷، ۶۸۳۳، ۶۸۳۵، ۶۸۴۲، ۶۸۵۹، ۷۱۹۳، ۷۲۵۸، ۷۲۶۰، ۷۲۷۸، صحیح مسلم:

۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۳، ۶۶۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے ان الفاظ کا بیان ہے ''سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن خالد الجہنی، یہ ابوعبدالرحمن المدنی ہیں از جہینہ ابن زید بن لیث بن سعد بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ، یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات کوفہ میں ۷۸ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۸۵ سال تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اجل یا رسول اللہ'' اجل کا معنی ہے ''نعم'' یعنی ہاں۔ الاخفش نے کہا ہے: ''اجل'' نعم کی مثل جواب ہے مگر تصدیق میں یہ زیادہ احسن ہے اور ''نعم'' کا لفظ استفہام کے جواب میں زیادہ احسن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی''۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے عالم کے ہوتے ہوئے کسی اور عالم سے سوال کرنا جائز ہے۔ ابوالقاسم العذری نے کہا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خلفاء اربعہ اور تین انصار فتویٰ دیا کرتے تھے، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بکتاب اللہ'' اس سے مراد درج ذیل آیت ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۸)

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ۝

اور اس شخص کے مالک کی بیوی سے جس عذاب کو دور کیا جائے گا وہ رجم ہے یعنی سنگسار کرنا۔

اور اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ رجم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب اللہ میں رجم کا ذکر نہیں ہے، رجم کا ذکر سنت میں ہے اور سنت نے قرآن کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے، پس انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی وحی سے فیصلہ کروں گا اور اس سے مراد وحی متلو (یعنی

قرآن مجید) نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رہی تمہاری بکریاں اور باندی تو وہ تم پر واپس ہوں گی''۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی صلح فاسد ہو تو صحیح فیصلہ آنے کے بعد وہ صلح ٹوٹ جاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور اُنیس اسلمی کو حکم دیا گیا''۔

اُنیس کا لفظ انس کی تصغیر ہے، یہ اُنیس بن الضحاک الاسلمی ہیں، ان کی نسبت اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو کی طرف کی گئی ہے۔ اور اسلمی نیز اسلم بن جمح کی طرف نسبت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب وقت تنگ ہو تو حدود کو موخر کرنا جائز ہے اور بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ تم اس مرد کی بیوی کی طرف جاؤ اور ایک روایت میں ہے: اے اُنیس! اس عورت کے پاس صبح کو جانا۔

رجم کے لیے چار مرتبہ اقرار کرنے میں مذاہب

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مطلق اعتراف حد کو واجب کرتا ہے اور اس کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے اور یہی امام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، کا مذہب ہے۔

اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے کہا: رجم اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک کہ چار مرتبہ ایک مجلس میں یا چار مجالس میں اعتراف نہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس وقت تک رجم واجب نہیں ہوتا جب تک کہ چار مجالس میں اعتراف نہ کیا جائے۔ پس اگر اس نے ایک مجلس میں ہزار مرتبہ بھی اعتراف کیا تو وہ ایک اعتراف ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت ماعز نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ شہادت دی تو ان کو رجم کیا گیا، اس حدیث کی امام بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ حضرت ماعز نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ گواہی دی۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

اور اس باب میں جو مزدور کی حدیث ہے جس میں چار مرتبہ اس عورت کے اعتراف کا ذکر نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے اُنیس! اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کر لے جو اعتراف معروف ہے اور اس میں چار مرتبہ اقرار کیا جاتا ہے تو پھر اس کو رجم کر دینا۔

اور بعض سندوں کے ساتھ غامدیہ کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چار مرتبہ رد فرما دیا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم نے یہ مان لیا کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے تو اختلاف مجالس کی شرط کہاں سے لگائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو

آپ نے ان کو رد کر دیا، پھر دوسری مرتبہ اگلے دن آئے تو پھر آپ نے واپس کر دیا، پھر تیسری مرتبہ آئے یہاں تک کہ حدیث میں ہے: پھر جب وہ چوتھی مرتبہ آئے تو ان کے لیے گڑھا کھودا گیا اور اس گڑھے میں انہیں کھڑا کر کے رجم کر دیا گیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غامدیہ کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس غامد سے ایک عورت آئی، اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم واپس جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، اس عورت نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ مجھے واپس کر رہے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کیا تھا، آپ نے فرمایا: ہوا کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ زنا سے حاملہ ہے، آپ نے فرمایا: تم؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے اس عورت سے فرمایا حتیٰ کہ جو کچھ تمہارے پیٹ میں ہے اس کو تم نکال دو یعنی وضع حمل ہو جائے۔ تو انصار کا ایک مرد ضامن ہوا اور اس نے وضع حمل تک اس عورت کی کفالت کی، پھر وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ غامدیہ کا وضع حمل ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: ہم اب بھی اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچہ کو چھوٹا چھوڑیں گے جس کو کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو، تو انصار میں سے ایک مرد کھڑا ہوا اور اس نے کہا: میں اس کے دودھ پلانے کا بندوبست کروں گا یا رسول اللہ! تب آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۳)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو اور غامدیہ کو چوتھی مرتبہ اعتراف کے بعد رجم کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۳۴)

۶۶۳۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرًا مِنْ تَمِيمٍ وَعَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ وَغَطَفَانَ وَأَسَدٍ خَابُوا وَخَسِرُوا قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن ابی یعقوب از عبدالرحمن بن ابی بکرہ از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر اسلم اور غفار اور مزینہ اور جہینہ (یہ قبائل) تمیم اور عامر بن صعصعہ اور غطفان اور اسد سے بہتر ہوں تو پھر تمیم (وغیرہ) ناکام ہو گئے اور نقصان میں مبتلاء ہو گئے، صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ ان سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، ۶۶۳۵، صحیح مسلم: ۲۵۲۲، سنن ترمذی: ۳۹۵۲، مسند احمد: ۱۹۸۷۱، سنن دارمی: ۲۵۲۳)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول الذکر قبائل، ثانی الذکر قبائل سے بہتر ہیں۔

۶۶۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از

أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَاءَهُ الْعَامِلُ حِينَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي فَقَالَ لَهُ أَفَلَا قَعَدْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ فَنَظَرْتَ أَيُهْدَى لَكَ أَمْ لَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ فَيَأْتِينَا فَيَقُولُ هَذَا مِنْ عَمَلِكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدَى لَهُ أَمْ لَا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى عُنُقِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا جَاءَ بِهِ لَهُ رُغَاءٌ وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ وَإِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ فَقَدْ بَلَّغْتُ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ ثُمَّ رَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ حَتَّى إِنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى عُفْرَةِ إِبْطَيْهِ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ وَقَدْ سَمِعَ ذَلِكَ مَعِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلُوهُ.

الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از ابوحمید الساعدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد کو عامل بنایا، سو وہ عامل جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو اس نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ (مال) آپ کے لیے ہے اور یہ (مال) مجھے ہدیہ میں دیا گیا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے، پھر تم دیکھتے کہ کیا تمہیں کچھ ہدیہ میں پیش کیا جاتا ہے یا نہیں؟ پھر رسول اللہ ﷺ دوپہر کو نماز کے بعد کھڑے ہوئے، پس آپ نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر اللہ عزوجل کی ایسی حمد وثنا کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر فرمایا: اما بعد! (حمد وصلوٰۃ کے بعد) اس عامل کا کیا حال ہے جس کے سپرد ہم کوئی عمل کرتے ہیں، پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے سو کہتا ہے: یہ آپ کے عمل کا حصہ ہے اور یہ وہ ہے جو مجھے ہدیہ دیا گیا ہے؟ پس وہ کیوں نہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھتا پھر دیکھتا کہ کیا اس کو کچھ ہدیہ میں دیا جاتا ہے یا نہیں؟ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس مال میں سے کسی چیز کی خیانت نہیں کرے گا مگر وہ اس چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا، اگر وہ اونٹ ہو تو وہ اونٹ بڑبڑاتا ہوا آئے گا، اور اگر وہ گائے ہو تو وہ گائے ڈکراتی ہوئی آئے گی، اور اگر وہ بکری ہو تو وہ بکری ممیاتی ہوئی آئے گی۔ پس میں نے تبلیغ کر دی۔

پس ابوحمید نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ بلند کیا حتیٰ کہ ہم ضرور رسول اللہ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھ رہے تھے۔

ابوحمید نے کہا: اس حدیث کو میرے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سنا، پس لوگوں نے ان سے سوال کیا۔

(صحیح البخاری: ۹۲۵، ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۶، مسند احمد: ۲۳۰۸۷، سنن دارمی: ۱۶۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے ان الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے ''اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ حکم بن نافع ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں عروہ کا ذکر ہے یہ ابن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔اور ابوحمید کا ذکر ہے، یہ الساعدی الانصاری ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمن ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام المنذر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے عم محترم ہیں۔

یہ حدیث کتاب الہبہ کے باب ''من لم یقبل الھدیة بعلة'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو عامل بنایا''۔اس مرد کا نام تھا عبداللہ بن اللتبیة۔(اس میں لام پر پیش ہے، تاء ساکن ہے، باء کے نیچے زیر ہے اور یاء مشدد ہے)۔

یہ حدیث باب الہبہ میں گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک مرد کو صدقات کے وصول کرنے پر عامل بنایا اور ان کو ''ابن اللتبیة'' کہا جاتا تھا۔

اس حدیث میں ''رغاء'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: اونٹ کی آواز، اور ''خوار'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گائے کی آواز، اور اس میں ''تیعر'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بکری کی آواز۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عفرة ابطیه'' عفرة کا معنی ہے وہ سفیدی جس میں کچھ سرمئی رنگ کی یا زمین کے رنگ کی آمیزش ہو۔الجوہری نے کہا ہے ''العافر'' کا معنی ہے: سفید جو بہت سخت سفید نہ ہو۔اور ''شاة افرع'' کہا جاتا ہے جس کی سفیدی سرخی پر غالب نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عامل کو کوئی ہدیہ دیا جائے تو وہ بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔اور صاحب التوضیح نے کہا ہے: ''الحاوی الصغیر'' کا قول کتنا عمدہ ہے کہ اس کا ہدیہ حرام ہے اور وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٣٧ ۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ هُوَ ابْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی اور وہ ابن یوسف ہیں از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان

لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح قسم کھائی ہے ''اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ، یہ ابن یزید الفراء ابو اسحاق الرازی ہیں اور یہ صغیر کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن یوسف کا ذکر ہے، یہ ابو عبدالرحمٰن الصنعانی الیمانی ہیں جو یمن کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے جو ابن راشد ہیں، اور ہمام کا ذکر ہے یہ ابن منبہ ہیں۔

یہ حدیث عنقریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے گزر چکی ہے اور اس کی مثل بھی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے گزر چکی ہے۔

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر تم کو قیامت کی ہولناکیوں اور حشر کی سختیوں کا علم ہو جائے تو تم زیادہ وقت رونے میں گزارو گے اور کم ہنسو گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۳۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ يَقُولُ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قُلْتُ مَا شَأْنِي أَيُرَى فِيَّ شَيْءٌ مَا شَأْنِي فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ فَمَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَسْكُتَ وَتَغَشَّانِي مَا شَاءَ اللَّهُ فَقُلْتُ مَنْ هُمْ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از المعرور، از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ کعبہ کے سائے میں فرما رہے تھے: ''رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں!، رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں!'' (حضرت ابو ہریرہ نے کہا) میں نے دل میں کہا کہ میرا حال کیا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق کوئی چیز دکھائی جا رہی ہے؟ میرا کیا حال ہے؟ پس میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ وہی

فرمارہے تھے، پس مجھ میں خاموش رہنے کی طاقت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا مجھ پر یہ حالت چھائی رہی پھر میں نے عرض کیا: وہ کون ہیں یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہے سوا ان کے جنہوں نے اس مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح خرچ کیا۔

(صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد: ۲۰۸۴۴)

صحیح البخاری: ۶۶۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قسم کے الفاظ ہیں ''رب کعبہ کی قسم''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے عمر بن حفص، وہ اپنے والد حفص بن غیاث النخعی الکوفی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المعرور، یہ ابن سوید الاسدی ہیں، ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام جندب بن جنادہ الغفاری ہے۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے باب ''زکوٰۃ البقر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قلت ما شانی'' یعنی میں نے دل میں کہا میرا کیا حال ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو میرے زیادہ نقصان زدہ ہونے کو واجب کرتی ہے، اور یہ بھی روایت ہے: کیا میرے متعلق قرآن مجید میں کوئی حکم یا خبر نازل ہوئی ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ما شانی'' یعنی میرا کیا حال ہے اور میرا کیا معاملہ ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا من قال ھکذا وھکذا وھکذا'' یعنی جس شخص نے اپنے مال کو بے دریغ مستحقین میں دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے خرچ کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ سُلَيْمَانُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَمْ يَقُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ جَمِيعًا فَلَمْ يَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمن الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس جاؤں گا (یعنی ان سے جماع کروں گا) اور ان میں سے ہر عورت سے ایک گھوڑے سوار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا پیدا ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے کہا: آپ ان شاء اللہ کہیے! پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ پھر ان سب عورتوں کے ساتھ جماع کیا تو ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے ایک مرد کی ایک جانب پیدا ہوئی یعنی ناقص بچہ ہوا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب پیدا ہونے والے اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر سوار ہوکر جہاد کرتے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن نسائی: ۳۸۳۱، مسند احمد: ۷۰۹۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی قسم اس طرح سے ہے کہ "اور اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان اس کے قبضہ وقدرت میں ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمن بن ہرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے "باب من طلب الولد للجهاد" اور کتاب الانبیاء میں بھی گزری ہے "باب قول الله تعالٰی وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ (ص: ۳۰)" اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس رات نوے عورتوں پر طواف کروں گا''۔اس جملہ میں طواف کا لفظ جماع سے کنایہ ہے۔
اس حدیث میں نوے عورتوں کا ذکر ہے اور کتاب الانبیاء میں اور بعض روایات میں ستر عورتوں کا ذکر ہے۔
شعیب اور ابوالزناد نے نوے کہا اور یہی زیادہ صحیح ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ یہ عدد کا مفہوم ہے اور صحیح مسلم میں ساٹھ کا عدد ہے اور ایک روایت میں سو کا عدد ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت سلیمان کے صاحب نے کہا'' اس سے مراد فرشتہ ہے یا ان کا وزیر ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''بشق رجل'' یعنی آدھا بچہ پیدا ہوا اور اس پر رجل کا اطلاق مستقبل کے اعتبار سے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے''۔ یہ حضور ﷺ نے وحی سے مطلع ہو کر فرمایا کیونکہ اس میں علمِ غیب کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو پھر وہ سب کے سب گھوڑے سوار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے پیدا ہوتے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

اس حدیث میں نوے بیویوں کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں ستر بیویوں کا ذکر ہے، تورات میں بھی سات سو بیویوں کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں کے متعلق تورات کی شہادت

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگے O یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی O سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا O اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا O
(پرانا عہد نامہ یعنی تورات، سلاطین، باب: ۱۱، آیت ۱ تا ۴، کتاب مقدس ص ۳۴۰)
صحیح البخاری میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نوے اور ستر بیویوں کا ذکر ہے اور تورات میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں اور تین سو حرمیں یعنی کنیزوں کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوتِ مردمی کا عام مردوں سے بہت زیادہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت مردمی بہت قوی تھی، کیونکہ انہوں نے ایک رات میں سات سو بیویوں سے جماع کیا یا سات سو بیویوں اور تین سو کنیزوں سے جماع کیا اور ان پر ضعف طاری نہیں ہوا جب کہ وہ عبادات اور ریاضات میں بہت کوشش کرتے تھے حالانکہ عام آدمی ایسا کرنے پر عادۃً قادر نہیں ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے متعلق ایسا منقول نہیں ہے، ہاں! ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ منقول ہے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کے

جماع کی قوت عطا کی گئی تھی اور مجاہد نے کہا: آپ کو چالیس (جنتی) مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سے بہت زیادہ ہے۔ اور ایک جنتی مرد سو بیویوں کے ساتھ جماع کرے گا، سو اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار ہزار ازواج سے جماع کی طاقت عطا کی گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوتِ مردمی کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سے بہت زیادہ ہونا

اور صحیح البخاری کی ایک حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات اور دن کی ایک ساعت میں اپنی تمام ازواج سے جماع کرتے اور آپ کی ازواج اس وقت گیارہ تھیں۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طاقت رکھتے تھے، انہوں نے کہا: ہم یہ بیان کرتے تھے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے، (اور ابونعیم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ سعید نے کہا از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری: ۲۶۸، مسند احمد: ۱۳۶۹۵)

مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج کا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کثیر الشہوت تھے

بعض مستشرقین یعنی یہودی اور عیسائی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر طعن کرتے ہیں کہ آپ نے عورتوں سے عقدِ ازدواج کیا اور بیک وقت آپ کے حبالہ عقد میں نو ازواج تھیں اور آپ ایک رات میں نو ازواج سے جماع کرتے تھے اور یہ کہتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ کثیر الشہوت تھے اور یہ یہودی علماء تورات کو مانتے ہیں اور تورات میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حبالہ عقد میں سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں تو ایک ہزار عورتوں کے ساتھ جماع کرنا ان کے نزدیک کثرتِ شہوت کو مستلزم نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں صرف بیک وقت نو ازواج رہیں تو اس پر یہ لوگ طعن کرتے ہیں۔

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس (۲۵) سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور وہ بیوہ خاتون تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقدِ نکاح میں وہ پچیس سال تک رہیں اور ان کی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی اور نکاح نہیں کیا گویا پچاس سال کی عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقدِ نکاح میں صرف ایک بیوہ خاتون رہیں اور آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی سوا حضرت ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ انسان میں غلبہ شہوت کا زمانہ زیادہ سے زیادہ پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقدِ نکاح میں صرف ایک خاتون تھیں، ان کے بعد آپ نے پہلے حضرت سودہ سے نکاح کیا وہ بھی بیوہ خاتون تھیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ واحد کنواری خاتون آپ کے نکاح میں تھیں جن کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی، اس کے بعد آپ نے اور ازواج سے نکاح کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ ازواج کی حکمتیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس سال کی عمر کے بعد جو دس نکاح کیے وہ شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ تھے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ نے جن خواتین سے نکاح کیا وہ سب یا بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں، سو آپ کا ان سے نکاح کرنا دیگر مقاصد کے لیے تھا، ان میں سے ایک مقصد تبلیغ کی راہ ہموار کرنا ہے، کیونکہ جن خواتین سے آپ نے نکاح کیا ان سے خاندانی تعلقات قائم ہو گئے اور تبلیغ کی راہ میں آسانی ہو گئی، نیز مردوں میں آپ کی احادیث کو یاد کرنے والے بہت زیادہ افراد تھے اور آپ عورتوں کے مسائل کی بھی تعلیم دیتے تھے اور خانگی معاملات میں بھی ہدایت دیتے تھے، سو ان احادیث کو یاد کرنے والی بھی زیادہ عورتیں ہونی چاہئیں تاکہ اگر ایک عورت کو حدیث یاد نہ رہے تو دوسری عورت اس حدیث کو یاد کر لے، نیز آپ نے جن خواتین سے نکاح کیا وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں اور ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ اس کی کوئی عورت آپ کے نکاح میں ہو اور آپ کے نکاح کی وجہ سے اس کو شرف اور فضیلت حاصل ہو، نیز بعض عورتوں کے خاوند کسی جہاد میں شہید ہو گئے تو آپ نے اس کی تلافی اور ان کی دل جوئی کے لیے ان سے نکاح کر لیا۔ لہٰذا آپ نے جو گیارہ عورتوں سے نکاح کیا اور ایک وقت میں نو عورتیں آپ کے نکاح میں رہیں، یہ کسی وجہ سے بھی اس اعتراض کا موجب نہیں ہے کہ آپ میں العیاذ باللہ شہوت کا تقاضا زیادہ تھا جس کو پورا کرنے کے لیے آپ نے کثیر نکاح کیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج کی مزید حکمتیں

(۱) آپ کے زیادہ نکاح پچاس سال کی عمر سے انسٹھ سال کی عمر کے درمیان ہوئے، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے شہوانی تسکین کی وجہ سے زیادہ نکاح کیے۔

(۲) جس خاندان میں نکاح کیا جائے، اس خاندان سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور ملنے جلنے کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں اور ربط وضبط بڑھتا ہے، سو جن خاندانوں میں آپ نے نکاح کیے ان میں تبلیغ اسلام کے اسباب اور مواقع پیدا ہو گئے، ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ سیرت اور اسلام کی حقانیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور وہ لوگ مائل بہ اسلام ہو گئے۔

(۳) آپ کی خارجی زندگی دیکھ کر آپ کے معمولات کی روایت کرنے والے مردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی تو چاہیے تھا کہ آپ کی خانگی اور نجی زندگی دیکھنے والی خواتین کی بھی زیادہ تعداد ہوتی، تاکہ وہ آپ کے گھریلو معمولات کی روایت کر سکیں۔

(۴) آپ نے زیادہ نکاح تعلیمی مقاصد سے کیے، کیونکہ عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امور زوجیت کو خواتین ہی بیان کر سکتی تھیں۔

(۵) آپ نے تشریعی مقاصد سے بھی نکاح کیے، عربوں میں مشہور تھا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو آپ نے ۳ھ یا ۵ھ میں حضرت زینب سے نکاح کر کے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۶) آپ نے بعض نکاح اپنے وفادار احباب کو ان کی وفاداری کا صلہ دینے کے لیے کیے، جیسے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے نکاح کئے۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت سے ۳ سال پہلے نکاح کیا۔ الاصابہ ج ۸ ص ۲۳۲، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ الاصابہ ج ۸ ص ۸۷)

(۷) حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے آپ کا نکاح آپ کی اجازت سے ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا، اس نکاح سے آپ نے عملاً یہ مسئلہ بتادیا کہ کسی شخص کا وکیل بھی اس کا نکاح کرسکتا ہے، اس وقت آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ میں سکونت پذیر تھیں، آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ اجازت دی تھی۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت) سو اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر لڑکا مثلاً انگلینڈ میں ہو اور لڑکی پاکستان میں ہو اور لڑکا خط یا ٹیلیفون کے ذریعہ کسی کو پاکستان میں اپنا وکیل بنادے تو وہ وکیل اس کا نکاح کردے گا اور لڑکی رخصت ہو کر انگلینڈ چلی جائے گی۔

(۸) بعض نکاح آپ نے کسی فتنہ کو زائل کرنے کے لیے کئے، ۷ھ میں خیبر کے مالِ غنیمت کے متعلق حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ میں ایک کنیز لے لوں؟ آپ نے اجازت دے دی، انہوں نے حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا کو لے لیا جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار تھیں، اس سے صحابہ میں اشتعال پیدا ہوا کہ یہ خاتون تو اپنی خاندانی عظمت کی بناء پر صرف آپ کے لائق تھیں، آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم کوئی اور باندی لے لو اور فتنہ کو زائل کرنے کے لیے آپ نے ان سے نکاح کرلیا، یہ مطلقہ خاتون تھیں۔ (صحیح البخاری: ۳۷۱ ملخصاً، الاصابہ ج ۸ ص ۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۹) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کی خاطر اور ان کی درخواست پر ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا معمر بیوہ تھیں، ان کا کوئی سہارا نہیں تھا، اس لیے آپ نے ان سے نکاح کرلیا، یہ آخری خاتون ہیں جن سے آپ نے نکاح کیا۔ (اسد الغابہ ج ۷ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۰) ۵ یا ۶ھ میں بنو المصطلق کے لوگ جہاد میں شکست کھا کر اسیر اور غلام ہو گئے تھے، یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے اور جہاد میں شکست کھا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا زرِ مکاتبت ادا کر کے ان سے نکاح کرلیا، اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ اس نکاح کی برکت سے آپ نے بنو المصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۷۲۔ ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گئے، انہوں نے ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے تھے، ان کا کوئی کفیل نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کفالت کرنے کے لیے ۳ یا ۴ھ میں ان سے نکاح کرلیا۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۲) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت طفیل رضی اللہ عنہ تھے، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہوا جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ بھی غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے پے در پے صدمات کی دادرسی کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔ ۳ھ میں جب آپ نے ان سے نکاح کیا اس وقت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی اور وہ

آپ کی حیات میں ہی ۲ یا ۳ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۷، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۹۲)

(۱۳) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے فوت ہونے کے بعد بے سہارا ہو گئیں اور وہ اس وقت کافی معمر تھیں، اس عمر میں ان سے کون نکاح کرتا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا سہارا بنے اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ کثرت نکاح کیے تا کہ ازواجِ مطہرات آپ کے احوالِ باطنہ کا مشاہدہ کریں اور مشرکین کے اس زعم کی نفی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ ساحر یا کاہن ہیں۔

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا، ان کی زندگی میں اپنی امت کے لیے شوہر کا نمونہ نہیں ہے، باپ کا نمونہ نہیں ہے، بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا نمونہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بیوہ، مطلقہ اور ایک کنواری خاتون کے ساتھ نکاح کیا، ان کے درمیان عدل و انصاف کیا، ان کے حقوق ادا کیے، اس میں امت کے لیے شوہر کا نمونہ ہے، آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں، آپ نے ان کی پرورش کی، تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں آپ کی زندگی میں رحلت فرما گئے، آپ نے ان پر صبر کیا، دو بیویوں کی وفات پر صبر کیا، ان کی تجہیز و تکفین کی، چار صاحبزادیوں کے نکاح کیے، ان سب کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لیے عظیم اور ہمہ گیر نمونہ ہے۔

(۱۶) عام طور پر لوگ غیر خاندان اور غیر کفو میں نکاح کو باعثِ عار سمجھتے ہیں، آپ نے اپنی دو ہاشمی صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ سے کر کے انسانیت کا پرچم بلند کیا اور امت کے لیے غیر کفو میں نکاح کرنے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔

(۱۷) جن خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیے ان کو دنیا میں عزت ملی، وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آخرت میں وہ ازواجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں آپ کے درجہ میں ہوں گی، سو تعددِ ازواج سے متعدد خواتین کو دنیا اور آخرت میں عزت ملی اور شرف حاصل ہوا۔

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ باطنہ پر صرف آپ کی ازواجِ مطہرات ہی مطلع ہو سکتی تھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب ان کے والد ابو سفیان (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) آپ سے سخت عداوت رکھتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب غزوۂ خیبر میں ان کے والد اور ان کے چچا اور ان کے خاوند قتل کیے جا چکے تھے، پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ کامل اخلاق کے مالک نہ ہوتے تو یہ ازواجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متنفر ہوتیں، اس کے برعکس ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے نزدیک ان کے تمام خاندان والوں سے زیادہ محبوب تھے۔

(۱۹) کثرتِ نکاح کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار زیادہ ہوئے، جس کی وجہ سے وہ رشتہ دار بھی جہاد میں شامل ہوئے۔

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر معاملہ میں عمل کا پہلو قول سے آگے ہوتا ہے، امت کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے اور چاشت اور اشراق پڑھتے تھے اور بہت نوافل پڑھتے تھے۔ امت کو مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ امت کے لیے یہ مقرر کیا کہ ان کا ترکہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگا اور آپ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو بھی ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ امت کو چار ازواج میں عدل کرنے کا حکم دیا اور رسول

اللہ ﷺ نے خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا، پس کروڑوں صلوٰۃ وسلام ہوں اس عظیم رسول پر جس نے گیارہ نکاح کر کے امت کے لیے ہدایت اور فوز وفلاح کی راہیں روشن کردیں!

بعض صحابہ کا زیادہ خواتین سے اسلام میں نکاح کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الحکم انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از رقبہ از طلحہ الیمامی از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے نکاح کرلیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم نکاح کرو، کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۹)

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قید لگائی ہے کہ اس امت میں سب سے افضل وہ ہوگا جس کی سب سے زیادہ بیویاں ہوں گی اور اس امت کی قید اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبی ﷺ سے زیادہ ازواج تھیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کی ایک ہزار بیویاں تھیں جن میں سے تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صرف دو نکاح کیے پس بعد میں جنہوں نے زیادہ نکاح کیے تو وہ حضرت ابوبکر سے افضل ہو جائیں گے، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام میں تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا۔ لیکن اس سے ان کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر افضلیت لازم نہیں آتی، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مطلقاً افضل ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت جزوی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علی الاطلاق فضیلت کے منافی نہیں ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے لکھا ہے:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کی بہت ازواج تھیں تاکہ وہ اپنے نفسوں کو پاک باز رکھیں اور کثرتِ اولاد کو حاصل کریں یا زیادہ خواتین کو شرفِ زوجیت عطا کریں، ان کا مقصد عیاشی اور محض قضاء شہوت نہیں تھا۔

(شرح صحیح البخاری لابن العثیمین ج ۴ ص ۴۲۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سَرَقَةٌ مِنْ حَرِيرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَدَاوَلُونَهَا بَيْنَهُمْ وَيَعْجَبُونَ مِنْ حُسْنِهَا وَلِينِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَتَعْجَبُونَ مِنْهَا قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از ابواسحاق از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ریشم کا ایک کپڑا ہدیہ کیا گیا، لوگ باری باری اس کپڑے کو اپنے ہاتھ میں لیتے تھے اور اس کی خوبصورتی اور

قَالَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْهَا لَمْ يَقُلْ شُعْبَةُ وَإِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ۔

ملائمت پر تعجب کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو، صحابہ نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! سعد کے رومال جنت میں اس سے زیادہ اچھے ہیں۔
شعبہ اور اسرائیل نے یہ نہیں کہا از ابی اسحاق اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۹، ۳۸۰۲، ۵۸۳۶، ۶۶۴۰، صحیح مسلم: ۲۴۶۸، سنن ترمذی: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷، مسند احمد: ۱۸۰۷۳)

صحیح البخاری: ۶۶۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سلام ہیں، یہ الغسانی کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالاحوص کا ذکر ہے وہ سلاّم ہیں، ابن سلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''سَرَقَة'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ریشم کا ٹکڑا۔

اس حدیث میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جو انصار کے سردار تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال بھی اس ریشم کی جنس سے تھے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ریشم کے ٹکڑے کو چھونے والے اور خوش ہونے والے سردار تھے تو آپ نے فرمایا: تمہارے سردار کے رومال جنت میں اس سے بہتر ہیں، یا اس وجہ سے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کپڑے کی اس جنس کو پسند کرتے تھے یا اس رنگ کو پسند کرتے تھے۔

اور اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت ہے کہ جنت کا ادنیٰ کپڑا بھی دنیا کے بہترین کپڑے سے افضل ہوگا۔ کیونکہ رومال کو اس لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ اس سے میل کچیل صاف کیا جائے اور منادیل کا لفظ ''مندیل'' کی جمع ہے مندیل اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ کو صاف کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کے جنت میں رومال اس سے بہتر ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صفت میں بہتر ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ رومال فنا نہیں ہوں گے اور دنیا کے رومال تو فنا ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ إِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا كَانَ مِمَّا عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ شَكَّ يَحْيَى ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ قَالَ لَا إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ۔

(صحیح مسلم: ۱۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ نے کہا: یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ والے نہیں تھے یا کہا: کوئی خیمہ نہیں تھا جن کا ذلیل ہونا میرے نزدیک آپ کے خیمہ والوں سے یا آپ کے خیمہ سے زیادہ محبوب ہے، اس میں یحییٰ کو شک ہے، پھر آج جو اہلِ خیمہ نے صبح کی یا خیمہ نے صبح کی تو میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ آپ کے خیمہ والے یا آپ کا خیمہ سب سے زیادہ عزت والے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور نیز اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے۔۔۔انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان ایک بخیل مرد ہے کیا مجھ پر کوئی حرج ہے کہ میں ان کے مال سے ان کو کھلاؤں (جو ان کے زیر پرورش ہیں؟) آپ نے فرمایا: نہیں! مگر رواج اور دستور کے مطابق۔

صحیح البخاری: ۶۶۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے''۔

اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ہند کا ذکر ہے، اس میں دو قول ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ یہ منصرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ہند بنت عتبہ بن ربیعہ'' یہ قرشیہ ہیں اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں، یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اهل اخبائك او خبائك'' خباء، عرب کے گھروں میں سے ایک گھر ہے جو ریشم یا اون کا خیمہ ہوتا

ہے اور وہ بالوں سے بنا ہوا نہیں ہوتا۔ اس میں دو یا تین ستون ہوتے ہیں۔ اس کی جمع ''اخبیۃ'' آتی ہے اور ''اخباء'' بھی اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ خباء کی جمع ''اخبیۃ'' ہے۔ کیونکہ فعال کی جمع بہت کم ''افعلۃ'' کے وزن پر آتی ہے جیسے سقاء کی جمع اسقیۃ ہے اور مثال کی جمع امثلۃ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وایضا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہاری مجھ سے محبت زیادہ ہوگی جب تمہارے دل میں ایمان جگہ پکڑ لے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے اصحاب سے تمہاری محبت زیادہ ہو جائے گی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل سے اور اس کے مال سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو اور ایمان کے اعلیٰ درجات کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مسیک'' اس کا معنی ہے: بخیل اور اس کو مسیک اس لیے فرمایا کہ اس کے ہاتھوں میں جو مال ہے اس کو وہ روک کر رکھتا ہے اور اس کو کسی کے لیے نکالتا نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لا'' یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے سوا اس کے کہ تم دستور کے مطابق خرچ کرو۔ یعنی تم ابوسفیان کے مال سے رواج اور دستور کے مطابق ان کی اولاد کو کھلاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۸۔ ۲۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۲۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُضِيفٌ ظَهْرَهُ إِلَى قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ يَمَانٍ إِذْ قَالَ لِأَصْحَابِهِ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا بَلَى قَالَ أَفَلَمْ تَرْضَوْا أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا بَلَى قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شریح بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن یوسف نے حدیث بیان کی از والد خود از ابواسحاق، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عمرو بن میمون سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی چمڑہ کے ایک خیمہ کی طرف اپنی ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کے چوتھائی ہو جاؤ، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کے تہائی ہو جاؤ، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پس اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کے نصف ہو گے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۲۸، ۶۶۴۲، صحیح مسلم: ۲۲۱، سنن ترمذی: ۲۵۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۸۳، مسند احمد: ۳۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۶۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح قسم کھائی ''پس اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن عثمان، یہ ابن حکیم الاودی الکوفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شریح بن مسلمہ، (میم اور لام دونوں پر زبر) یہ الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ ابن یوسف ہیں وہ اپنے والد یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔ اور یوسف اپنے دادا ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور عمرو بن میمون وہ ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اسلام کو پایا اور یہ تابعی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الرقاق باب ''کیف الحشر'' میں گزر چکی ہے۔ وہاں اس حدیث کی روایت از محمد بن بشار از غندر از شعبہ از ابی اسحاق از عمرو بن میمون کی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مضیف'' اس کا معنی ہے کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یمان'' اس کی اصل ہے یمنی، دو یاؤں میں سے ایک یاء کو نون پر مقدم کیا اور یاء کو الف سے بدل دیا تو یہ قاض کی مثل ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن از والد خود از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے دوسرے مرد سے سنا جو ''قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ۝'' (الاخلاص: ۱) کو بار بار دہرا رہا تھا، پس جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے اس بات کا ذکر کیا، اور گویا کہ وہ مرد اس کو کم درجہ کا شمار کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۳، ۶۶۴۳، ۷۳۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۱، سنن نسائی: ۹۹۵، مسند احمد: ۱۰۹۱۳، موطا امام مالک: ۴۸۳)

صحیح البخاری: ۶۶۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، یہ ابن صعصعہ الانصاری ہیں۔

یہ حدیث فضائل قرآن میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یرددھا" اس کا معنی ہے: وہ اس کی تکرار کر رہے تھے یعنی بار بار پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یتقالھا" یعنی وہ اس کی تکرار کو کم شمار کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یہ تہائی قرآن کے برابر ہے" کیونکہ پورا قرآن یا مبدأ سے متعلق ہے یا معاش کے ساتھ متعلق ہے یا معاد کے ساتھ متعلق ہے۔ تو گویا "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" اس کا تیسرا حصہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں، اس میں قصص اور احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور سورۃ الاخلاص میں خالص اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو یہ گویا قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سورت کا پڑھنا تہائی قرآن کے کیسے برابر ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تہائی قرآن کے پڑھنے کی مشقت اس سورت کے پڑھنے سے بہت زیادہ ہے اور مسلمان کو اجر اس کی مشقت کے اعتبار سے ملتا ہے۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس سورت کے پڑھنے سے تہائی قرآن کا ثواب ہوگا لیکن تہائی قرآن کا اجر دس گنا زیادہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ اجر مشقت کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ اجر اللہ تعالیٰ کے فضل کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور اس سورت کے پڑھنے کا اجر جو تہائی قرآن کے برابر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہے اور نیز اس میں اس سورت کی فضیلت کے اوپر بھی تنبیہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ سورہ اخلاص پڑھنے کا اجر تہائی قرآن کی تلاوت کے اجر کے برابر ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورہ اخلاص بذاتہا باقی قرآن سے افضل ہے۔

بعض اصولیین نے کہا ہے کہ سورۂ اخلاص کی فضیلت ہے اور قرآن کی بعض سورتیں دوسری بعض سورتوں سے زیادہ بلیغ ہیں اور بعض سورتوں میں ایسی بلاغت ہے اور ایسی براعت ہے اور حسنِ نظم ہے اور عمدہ ترتیب ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ اور بعض سورتوں کی تلاوت کا ثواب دوسری بعض سورتوں کی تلاوت سے زیادہ افضل ہے جیسا کہ ان سورتوں کے ثواب کے متعلق شریعت میں وارد ہوا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت یعنی سورہ اخلاص اس لیے افضل ہے کہ یہ صرف توحید پر مشتمل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تہائی قرآن کے برابر اس لیے ہے کہ قرآن مجید اخلاص، استقامت اور قصص پر مشتمل ہے اور یہ سورت اخلاص پر مشتمل ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید، قصص، احکام اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف پر مشتمل ہے اور یہ سورت اللہ تعالیٰ کے اوصاف پر مشتمل ہے اس لیے یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم لوگ پورا پورا رکوع اور سجدہ کرو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! بے شک میں ضرور تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں جب تم رکوع کرتے ہو اور جب تم سجدہ کرتے ہو''۔

(صحیح البخاری: ۴۱۹، ۷۴۲، ۶۶۴۴، صحیح مسلم: ۴۲۵، سنن نسائی: ۸۱۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کی اس قسم کا ذکر ہے ''پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے اسحاق، امام نسائی نے کہا: شاید یہ ابن منصور ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان، (حاء پر زبر ہے اور باء پر تشدید ہے) یہ ابن ہلال الباہلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن یحییٰ ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں اور یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک میں تم کو ضرور دیکھتا ہوں"۔

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ آپ پیٹھ کے پیچھے سے کس طرح دیکھتے تھے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ رویت یعنی دیکھنا ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اس میں عقلاً یہ شرط نہیں ہے کہ وہی چیز دکھائی دے جو بالمقابل ہو اور سامنے ہو حتیٰ کہ اشاعرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ اندھا آدمی چین کی سرزمین کو دیکھ لے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء دیو بند کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا نہیں ہوتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔

اور اس پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ بعض اوقات آپ کو کسی بات کا پتا نہیں چلتا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دیکھنا اور تمام چیزوں کا علم ہونا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے ہے، جب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے تو آپ کو علم ہو جاتا ہے، آپ دیکھیں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کا علم نہیں ہوا، اور جب ان کے بھائی مصر سے ان کا کرتا لے کر چلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ تو دراصل انبیاء علیہم السلام کے تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی عطاء کے تابع ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۴۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ مَعَهَا أَوْلَادٌ لَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ہشام بن زید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان کے ساتھ ان کی اولاد بھی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸۶، ۵۲۳۴، ۶۶۴۵، صحیح مسلم: ۲۵۰۹، مسند احمد: ۱۱۸۹۶)

صحیح البخاری: ۶۶۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت بھی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، یہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔ اور ہشام بن زید کا ذکر ہے جو ابن انس بن مالک الانصاری البصری ہیں، وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث انصار کی فضیلت میں یعقوب بن ابراہیم کی روایت سے گزر چکی ہے اور کتاب النکاح میں از بندار از غندر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "بے شک تم لوگ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو"۔ اس حدیث میں اس خاتون کی جنس سے خطاب ہے اور اس کی اولاد سے خطاب ہے یعنی انصار سے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ انصار مہاجرین سے بالعموم افضل ہیں اور مہاجرین کے عموم میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی داخل ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عام مخصوص ہے، اس کی تخصیص ان دلائل سے کی گئی ہے جو اس حدیث سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر عام میں کوئی نہ کوئی تخصیص ہوتی ہے، تو اس حدیث کے عموم سے مہاجرین اور خصوصاً حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما خارج ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ — اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ"۔ مثلاً کوئی شخص یہ قسم نہ کھائے کہ میرے باپ کی قسم! میں ایسا کام کروں گا یا میرے باپ کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا۔

۶۶۴۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَسِيرُ فِي رَكْبٍ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ سواروں کے ساتھ جارہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھارہے تھے تو آپ

لَيَصْمُتْ۔ نے فرمایا: سنو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے آباء کی قسم کھاؤ، جو شخص بھی قسم کھانے والا ہو، سو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱۰۸، ۶۶۴۶ صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۴، مسند احمد: ۴۵۰۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

صحیح البخاری: ۶۶۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان بعینہٖ اس حدیث کا جزو ہے۔

اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں کہ "جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں جارہا تھا تو میں نے کہا: "لا وابی" یعنی نہیں میرے باپ کی قسم! تو ایک شخص نے مجھے پیچھے سے آواز دی اور کہا: اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

اور امام ابن شیبہ نے از عکرمہ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: پس میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پس آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک مسیح کی قسم کھاتا اور مسیح تمہارے آباء سے بہتر تھے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔

اور سعید بن عبیدہ کی روایت میں ہے کہ آباء کی قسم کھانا شرک ہے۔

اور امام ابن المنذر کی روایت میں ہے "نہ تم اپنی ماؤں کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی قسم صرف اس وقت کھاؤ جب تم سچے ہو"۔

اور امام ابن ابی عاصم نے کتاب الایمان والنذور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا یا کفر کیا"۔

اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانے کی ممانعت کی حکمت

باپ دادا کی قسم کھانے سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ قسم کا تقاضا ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم ہو اور حقیقت میں ہر قسم کی تعظیم اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، پس اس تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے کوئی مشابہ نہیں ہے، اسی طرح باپ دادا کے غیر کی قسم کھانے کی ممانعت کی بھی یہی حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس کی توجیہ

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ (الصافات: ۱) صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو صف

باندھتی ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالطُّوۡرِ ۙ (الطور:۱) اور (پہاڑ) طور کی قسم O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ (الطارق:۱) آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ (التین:۱) انجیر اور زیتون کی قسم O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ (العادیات:۱۔۲) ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل مالک ہے اور وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھائے، تاکہ جس کی قسم کھائی ہے اس کی فضیلت کے اوپر متنبہ فرمائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''وَالطُّوۡرِ'' فرمایا اور اس کی تقدیر یہ ہے ''ورب الطور'' یعنی پہاڑ طور کے رب کی قسم، یا ''رب السماء'' آسمان کے رب کی قسم۔ تو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم نہیں کھائی بلکہ خود اپنی ذات کی قسم کھائی۔

اگر کسی شخص نے ''رب النجم'' یا ''رب السماء'' کی تاویل سے ستارہ یا آسمان کی قسم کھائی تو وہ شرعاً قسم نہیں ہوگی

امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ، لکھتے ہیں:

کسی شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، نہ ان اقسام کے ساتھ نہ ان کے علاوہ دوسری اقسام کے ساتھ، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کے اوپر دوسرے شخص کے حق کے لیے قسم واجب ہوگئی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل کی قسم کھائے اور اگر اس نے ''نجم'' اور ''السماء'' کی قسم کھائی اور یہ کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے ''رب النجم'' کا یا ''رب السماء'' کا تو علماء کے نزدیک یہ شرعاً قسم نہیں ہوگی۔

اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے از ابن ابی ملیکہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سنا کہ میں کعبہ کی قسم کھا رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر تم نے پھر کعبہ کی قسم کھائی تو میں تم کو سزا دوں گا۔

مصحف کی قسم کھانے اور بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اور قتادہ نے کہا: مصحف کی قسم کھانا اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھانا اور بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھانا مکروہ ہے۔

اور امام ابوعمر بن عبدالبر نے کہا کہ اگر کسی نے بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی بایں طور کہ اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میرا غلام آزاد یا میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کو طلاق، تو یہ محققین علماء کے نزدیک قسم نہیں ہے۔ اور یہ صرف طلاقِ معلق ہے یا غلام کے آزاد کرنے کو معلق کیا ہے۔ اور یہ کلام بر بناء وسعت اور مجاز ہے اور حقیقت میں قسم نہیں ہے، حقیقت میں قسم صرف اللہ عزوجل کے نام سے ہے۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے:

اگر کسی شخص نے قرآن عظیم کی قسم کھائی تو اس میں اختلاف ہے اور وہ حانث ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے: ہر آیت کے بدلہ میں قسم ہے اور یہی حسن بصری کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس قسم کو توڑنے سے اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا ہے: جس نے رحمٰن کی قسم کھائی، سو وہ حانث ہو جائے گا۔ اگر اس نے رحمٰن سے اللہ عزوجل کی ذات کا ارادہ کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ اور اگر اس نے الرحمٰن سے سورۃ الرحمٰن کا ارادہ کیا ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔

اور امام اوزاعی اور ربیعہ نے کہا کہ جب کسی شخص نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو یہ قسم ہے۔ پس اگر اس نے کہا: میں نے قسم کھائی اور واقع میں قسم نہیں کھائی تو حسن بصری اور نخعی نے کہا: اس پر قسم لازم ہے۔ اور حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور ابوثور نے کہا کہ جب کسی شخص نے کہا: مجھ پر قسم ہے اور اس نے قسم نہیں کھائی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اصحاب الرائے (فقہاء احناف) نے کہا: یہ قسم ہے۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہے، اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے، تو امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوعبید اور ابوثور نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اور طاؤس اور حسن بصری اور شعبی اور نخعی، الثوری، الاوزاعی اور فقہاء احناف نے کہا: اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے جب اس نے ان الفاظ سے قسم کا ارادہ کیا۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ ایک مرد نے اپنے اوپر بددعا دی کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ رسوا ہو جائے یا ہلاک ہو جائے یا اس کے ہاتھ کٹ جائیں۔ عطاء نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اور یہی ثور اور ابوعبید کا قول ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔ اور طاؤس نے کہا: اس پر قسم کا کفارہ ہے اور یہی اللیث کا قول ہے۔ اور امام اوزاعی نے کہا: جب کسی شخص نے کہا کہ اگر اس نے فلاں کام نہیں کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، پھر اس نے وہ کام نہیں کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۱۔۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیر اللہ کی قسم کھانے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قسم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، لیکن فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات اور اس کی بلند صفات کے ساتھ منعقد ہوتی ہے اور بعض دوسری صفات کے ساتھ قسم کے منعقد ہونے میں اختلاف ہے اور یہ جو کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ قسم منعقد ہوتی ہے اس سے مراد یہ خاص الفاظ نہیں ہیں بلکہ اللہ عزوجل کی ذات ہے اور اللہ عزوجل کی ذات کے بغیر قسم کھانے کی ممانعت ثابت ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے؟ فقہاء مالکیہ کے اس کے متعلق دو قول ہیں، اسی طرح ابن دقیق العید کا قول ہے اور مشہور فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات کے بغیر قسم کھانا مکروہ ہے۔ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک بھی اس میں اختلاف ہے لیکن ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا حرام ہے۔ ظاہر یہ یعنی غیر مقلدین نے بھی اسی کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا بالاجماع جائز نہیں ہے اور نفی جواز سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، عام ازیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہو یا مکروہِ تنزیہی ہو، کیونکہ علامہ ابن عبد البر نے دوسرے مقام پر یہ کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے اور ممنوع ہے اور کسی شخص کے لیے اس کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک بھی اس میں اختلاف موجود ہے۔ امام شافعی نے کہا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا نافرمانی اور گناہ ہے، سو انہوں نے تردد کی خبر دی اور ان کے جمہور اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اور امام الحرمین نے کہا کہ قطعی مذہب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ اور دوسروں نے اس کی تفصیل کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر قسم کھانے والے نے جس غیر اللہ کی قسم کھائی ہے اس کی تعظیم کا اعتقاد کیا تو یہ قسم کھانا مکروہ ہے اور وہ اس تعظیم کے اعتقاد سے کافر ہو جائے گا اور اسی کے مطابق حدیثِ مذکور ہے، لیکن جس غیر اللہ کی قسم کھائی ہے اگر اس کی تعظیم کا اعتقاد نہیں کیا جیسا کہ لفظ اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے تو وہ اس قسم کھانے سے کافر نہیں ہوگا اور اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھائے نہ بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائے اور نہ غلام آزاد کرنے کی قسم کھائے اور نہ نذر مانے۔ اور اگر حاکم نے کسی شخص سے یہ کہا کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھائے خواہ طلاق کی یا عتاق کی یا نذر کی تو اس حاکم کو معزول کرنا واجب ہے کیونکہ وہ احکامِ شرعیہ سے جاہل ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۱۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۶۴۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ سَالِمٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ قَالَ عُمَرُ فَوَاللَّهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا قَالَ مُجَاهِدٌ أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ يَأْثُرُ عِلْمًا تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: سالم نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! جب سے میں

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ سَمِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عُمَرَ۔

(سنن ترمذی: ۱۵۳۳، سنن نسائی: ۳۷۶۶)

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے میں نے کبھی اپنے آباء کی قسم کھائی ہے نہ از خود قسم کھائی اور نہ کسی کی قسم کو نقل کیا۔

مجاہد نے کہا: ''اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ'' (الاحقاف: ۴) اس کا معنی ہے: ''یاثر علما'' یعنی پہلوں کی خبر دینا۔

عقیل اور زبیدی اور اسحاق کلبی نے یونس کی متابعت کی ہے از الزہری۔

اور ابن عیینہ اور معمر نے از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے سنا۔

صحیح البخاری: ۶۶۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ''۔ اور اس حدیث میں بھی آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عُفَیر (عین پر پیش ہے اور فاء پر زبر) اور وہ سعید بن کثیر بن عُفَیر ہیں جو مولی الانصاری المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں بھی روایت کی ہے از ابی الطاہر۔ اور امام ابوداؤد نے بھی کتاب الایمان میں روایت کی ہے از امام احمد بن حنبل۔ اور امام نسائی نے اس کی روایت کی ہے کتاب الایمان میں از عمرو بن عثمان۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی روایت کی ہے الکفارات میں از محمد بن یحییٰ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذاکرا'' یعنی از خود اپنی طرف سے کہتے ہوئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا آثرا'' یعنی میں نے اپنے غیر سے نقل کرتے ہوئے بھی نہیں کہا۔

امام الطبری نے کہا ہے: اسی سے ماخوذ ہے کہ یہ حدیث فلاں سے ماثور ہے یعنی فلاں سے منقول ہے۔ اور ''الاثر'' کا معنی ہے: روایت اور دوسرے کے کلام کو نقل کرنا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

مجاہد کا یہ قول قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی تفسیر میں ہے:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (الاحقاف: ۴)

آپ کہیے: تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، ذرا مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو O

مجاہد نے تفسیر کی ہے: یعنی اس سے پہلے کی کوئی خبر نقل کرو اور مقاتل نے کہا: یعنی انبیاء علیہم السلام سے کوئی روایت نقل کرو اور ''الاثر'' کا معنی ہے ''الروایۃ'' اور اسی وجہ سے حدیث کو اثر کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۴۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ قسم کا منعقد ہونا

علامہ ابن ھبیرہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ اللہ کی قسم اس کے تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ منعقد ہوتی ہے مثلاً رحمٰن، رحیم، حی اور دیگر اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ ذاتیہ کے ساتھ بھی قسم منعقد ہوتی ہے جیسے اللہ کی عزت کی قسم اور اللہ کے جلال کی قسم۔ مگر امام ابوحنیفہ نے اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا استثنیٰ کیا ہے اور اس کو قسم استحساناً شمار نہیں کیا۔ پس اگر کسی نے کہا ''اور اللہ کے حق کی قسم'' تو فقہاء نے کہا ہے کہ یہ قسم ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ قسم نہیں ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی، امام احمد نے کہا: یہ قسم منعقد ہو جائے گی اور دیگر فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

کافر کی قسم کا حکم

کافر کی قسم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا: یہ قسم منعقد نہیں ہوگی خواہ وہ کفر کے زمانہ میں قسم کو توڑے یا اسلام لانے کے بعد قسم کو توڑے اور اس سے کفارہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اور امام احمد نے کہا کہ اس کی قسم منعقد ہو جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں جب وہ قسم توڑے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اللہ کی ناراضگی کی قسم کھائی یا اللہ کے غضب کی قسم کھائی یا اللہ کی رحمت کی قسم کھائی مثلاً اس نے کہا: اگر میں نے یہ کام کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو یا اس کی ناراضگی ہو یا میں نے ایسا کام کیا تو میں زانی ہوں یا چور ہوں یا سود خور ہوں یا خمر پینے والا ہوں تو یہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور نہ اس کا کفارہ ہے۔

قسم اور اس کے احکام کے متعلق ظاہریہ کا مذہب

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، لکھتے ہیں:

قسم صرف اللہ تعالیٰ کی منعقد ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم سے منعقد ہوتی ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کی اس لفظ سے خبر دے اور اس لفظ سے اللہ کے غیر کا ارادہ نہ کرے مثلاً کہے "مقلب القلوب کی قسم" یا کہے "زمین اور زمین کے رہنے والوں کے وارث کی قسم" اور یہ تمام لغات میں قسم ہوگی۔ یا اللہ کے علم کی قسم کھائے یا اس کی قدرت کی یا اس کی عزت کی یا اس کی قوت کی یا اس کے جلال کی۔

اور جس نے ان کے علاوہ قسم کھائی تو اس پر کفارہ نہیں ہے اور وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہے اور استغفار کرنا لازم ہے۔

اور جس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ارادہ اور اس کے کرم اور اس کے حکم اور اس کی حکمت کی قسم کھائی اور باقی ان چیزوں کی قسم کھائی جن کے متعلق صریح نص وارد نہیں ہے تو ان میں سے کوئی چیز بھی قسم نہیں ہے، کیونکہ ان کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہے، لہٰذا ان کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کی امانت اور اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کے میثاق کی قسم کھائی یا اس کی قسم کھائی جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے عہد لیا تھا یا حق النبی کی قسم کھائی اور مصحف کی قسم کھائی اور اسلام کی اور کعبہ کی قسم کھائی اور اپنی زندگی کی قسم کھائی یا تمہاری زندگی کی قسم کھائی۔ اور اس نے قسم کھائی اور حلف اٹھایا اور کہا: میں حلف اٹھاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں اور مجھ پر قسم ہے یا مجھ پر ہزار قسمیں ہیں یا تمام قسمیں مجھ پر لازم ہیں، پس ان میں سے کوئی بھی قسم نہیں ہے۔ اور ان کے ساتھ قسم اٹھانا معصیت ہے اور اس میں صرف توبہ اور استغفار ہے۔

اور جس نے قرآن کی قسم کھائی یا کلام اللہ کی قسم کھائی تو اگر اس نے مصحف کی نیت کی یا اس آواز کی نیت کی جو سنائی دیتی ہے یا جو کلام سینوں میں محفوظ ہے اس کی نیت کی تو یہ قسم نہیں ہے۔ اور اگر اس نے اس کی نیت نہ کی ہو بلکہ علی الاطلاق قسم کھائی ہو تو وہ قسم ہے اور اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ہے۔ (المحلی ج ۸ ص ۳۳۔۳۰)

قسم اور اس کے احکام کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کی عادت تھی کہ اپنے آباء کی اور اپنے خداؤں کی قسم کھاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے دلوں سے اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا ذکر مٹا دے اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رکھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے، پس سنت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی قسم کھائی جائے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اور دیگر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اور مخلوقات کی قسم اپنے باپ دادا کی قسم کھانے کے حکم میں ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک ان میں سے کوئی قسم جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۹۷۔۹۶ ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی قسم جائز نہیں ہے خواہ جو بھی ہو اور جس نے کہا: رب کعبہ کی قسم یا رب جبریل کی قسم یا رب آدم اور حوا کی قسم، یا اس نے کہا: عذاب اللہ کی قسم

اور اس کے ثواب کی قسم، تو اس نے ایک لغو بات کہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات سے منع کیا ہے اس کا ارتکاب کیا اور اس پر ایسی صورت میں استغفار لازم ہے اور کفارہ نہیں ہے۔

اور الشعبی نے کہا ہے: اللہ عزوجل مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھائے، اور مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خالق کے سوا کسی اور کی قسم کھائے۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر اس نے اللہ کی قسم کھائی، پھر اس نے قسم توڑ دی تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھا کر اس قسم کو پورا کرے۔

اور علامہ ابن القصار نے بھی اس کی مثل ذکر کی ہے اور اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور مطرف نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھائی تا کہ مخلوق ان پر خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی ان میں قدرت کو پہچانے، کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان بہت عظیم ہے۔ اور چونکہ یہ چیزیں اپنے خالق پر دلالت کرتی ہیں۔

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص پر کسی شخص کے حق کے لیے قسم واجب ہے تو وہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم نہ کھائے۔ پس اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھائی اور کہا: میں نے ان چیزوں کے رب کی نیت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ قسم نہیں ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اور وہ جانتا تھا کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ اور انہوں نے کہا: اہلِ علم کا غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کے معنی میں اختلاف ہے۔ کیا یہ حکم تمام قسموں میں عام ہے یا بعض قسم کی قسموں کے ساتھ خاص ہے؟ پس ایک جماعت نے کہا کہ غیر اللہ کی جو قسم کھانا ممنوع ہے یہ وہ ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ غیر اللہ کی تعظیم کے لیے قسم کھاتے تھے جیسے کوئی شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھاتا، یا اپنے باپ دادا کی قسم کھاتا، یا کعبہ کی قسم کھاتا، یا مسیح کی قسم کھاتا، یا ہر شریک کی قسم کھاتا۔ پس یہ قسمیں ممنوع ہیں اور ان میں کفارہ نہیں ہے۔

رہیں وہ قسمیں جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی طرف رجوع کرتی ہیں تو وہ ان کے علاوہ ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے حق النبی کی قسم اور اسلام کی قسم، یا کوئی شخص حج، عمرہ اور صدقہ کی قسم کھائے یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائے اور اس کے مشابہ چیزیں۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہیں اور اس کی تعظیم سے ہیں۔ امام ابوعبید نے کہا کہ قسم کے الفاظ میں سے وہ ہیں جن کی اصل یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ارادہ کیا جائے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے میں غلام آزاد کرنے کی قسم بھی داخل ہے اور کعبہ تک پیدل چلنے کی قسم اور قربانی کی قسم اور صدقہ کی قسم بھی داخل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۵۶۔۲۵۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۳۶، صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، مسند احمد: ۵۲۳۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

صحیح البخاری: ۶۶۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ باب کے عنوان میں بھی آباء کی قسم کھانے کی ممانعت ہے اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن مسلم، یہ القسملی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن دینار، یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے باپ دادا کی اور اپنے معبودوں کی قسم کھاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے دلوں سے اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے ذکر کو مٹا دے اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رہے جو معبودِ برحق ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی قسم کھائی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اعرابی کے متعلق فرمایا "افلح وابیه ان صدق" (اس کے باپ کی قسم! اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا) آپ کے اس ارشاد کی توجیہات

اس حدیث کی صحت کے متعلق طعن کیا گیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے کہا: یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں، کیونکہ اس حدیث کے راوی اسماعیل بن جعفر نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے "افلح واللہ ان صدق" (اللہ کی قسم یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ بولا)۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا: اس روایت کے یہ الفاظ اس روایت سے اولیٰ ہیں جس میں مذکور ہے "افلح وابیه" کیونکہ یہ الفاظ منکر ہیں اور آثارِ صحاح ان کو رد کرتے ہیں اور امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ بالکل نہیں ہیں۔

اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ علامہ سہیلی نے بیان کیا ہے کہ ایک اور حدیثِ مرفوع میں یہ الفاظ ثابت ہیں، آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے پوچھا تھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا "وابیك لتنبئن" (تمہارے باپ کی قسم تمہیں ضرور خبر دی جائے گی) اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔ پس اگر یہ ثابت ہو کہ آپ نے "وابیه یا وابیك" کہہ کر اس

کے باپ کی یا تمہارے باپ کی قسم کھائی ہے تو پھر اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ''وابیہ یا وابیك'' کے الفاظ عربوں کی زبانوں پر قسم کے ارادہ اور قصد کے بغیر جاری ہوتے ہیں۔ اور ممانعت اس شخص کے متعلق وارد ہے جو قسم کی حقیقت کا قصد کرے۔ امام بیہقی نے بھی اسی جواب کی طرف میلان کیا ہے اور علامہ نووی نے کہا: یہی پسندیدہ جواب ہے۔

(۲) کلامِ عرب میں اس قسم کے الفاظ دو طریقوں سے صادر ہوتے ہیں، ایک طریقہ تعظیم کا ہے اور دوسرا طریقہ تاکید کا ہے اور ممانعت اس صورت میں ہے جب کوئی تعظیم کے قصد سے ''وابیہ یا وابیك'' کہے اور تاکید کے قصد سے وابیہ وابیك کہنا جائز ہے۔ اور اس کی مثال شاعر کے اس شعر میں ہے:

لعمر ابی الواشین انی احبها

ضرور میرے باپ کی قسم! جو چغلی کرنے والا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں

پس یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس شعر کے قائل نے اپنے والد کے دشمنوں کی تعظیم کا قصد کیا ہے، جیسا کہ دوسرا شخص چغل خور کے والد کی تعظیم نہیں کرتا۔

اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے: ان الفاظ کا کلام میں صرف تقریر اور تاکید کے لیے اضافہ کیا جاتا ہے اور ان الفاظ سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا، جیسا کہ صیغۂ ندا سے محض اختصاص کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اس سے نداء کا قصد نہیں کیا جاتا۔

(۳) اس حدیث کے ظاہر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے ''لا وابی، لا وابی'' (نہیں، میرے باپ کی قسم) پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آباء کی قسم نہ کھاؤ۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ''وابی یا وابیك'' پہلے کہنا جائز تھا پھر بعد میں منسوخ ہوگیا، اس کی الماوردی نے حکایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کی حکایت کی ہے اور علامہ سبکی نے کہا ہے کہ اکثر شراح کا یہی مختار ہے حتیٰ کہ علامہ ابن العربی نے کہا کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تھے ''بابیہ'' حتیٰ کہ آپ کو اس سے منع کیا گیا اور امام ابوداؤد نے جو ایک حدیث کے باب کا عنوان قائم کیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے، انہوں نے باب کا عنوان قائم کیا ''باب الحلف بالآباء'' پھر اس کے بعد یہ حدیث مرفوع ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''افلح وابیہ ان صدق''۔ علامہ سہیلی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھاتے تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بعید ہے۔

اور علامہ المنذری نے کہا: اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ضعیف ہے کیونکہ ان میں تطبیق ممکن ہے اور تاریخ کا قطعی طور پر علم نہیں ہے۔

(۴) ''وابیہ'' میں ایک لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''افلح و رب ابیہ'' (اس کے رب کی قسم! وہ کامیاب ہوگیا)۔

(۵) یہ لفظ تعجب کے لیے ہے، علامہ سہیلی نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ''وابی'' کا لفظ وارد نہیں ہے بلکہ مخاطب یا غائب کی طرف اضافت کے ساتھ وارد ہے ''وابیہ وابیك''۔

(۶) "افلح وابیہ" کہنا شارع علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، آپ کی امت کے لیے جائز نہیں ہے۔
اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ خصائص احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہوتے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۱۶-۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۶۴۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي فَدَعَاهُ إِلَى الطَّعَامِ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهُ فَقَالَ قُمْ فَلَأُحَدِّثَنَّكَ عَنْ ذَاكَ إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا مَا صَنَعْنَا حَلَفَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَمِينَهُ وَاللهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّا أَتَيْنَاكَ لِتَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا وَمَا عِنْدَكَ مَا تَحْمِلُنَا فَقَالَ إِنِّي لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلَكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ وَاللهِ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابوقلابہ اور القاسم التیمی از زہدم بن الحارث، وہ بیان کرتے ہیں: یہ قبیلہ جو جرم سے ہے اور اشعریین کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا، پس ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ان کے پاس ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا، اور ان کے پاس بنوتیم اللہ کا ایک مرد تھا جو سرخ رنگ کا تھا گویا کہ وہ الموالی میں سے تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی طرف بلایا تو اس نے کہا: میں نے اس مرغی کو دیکھا یہ کوئی چیز کھا رہی تھی، سو مجھے اس سے گھن آئی، پس میں نے قسم کھائی کہ میں اس کو نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کھڑے ہو میں تمہیں ضرور اس کے متعلق حدیث سناؤں گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں حاضر ہوا، ہم آپ سے سواری طلب کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مالِ غنیمت کے اونٹ لائے گئے، تو آپ نے ہمارے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: وہ اشعریین کی جماعت کہاں ہے؟ پس آپ نے ہمیں سفید کوہان والے پانچ اونٹوں کا حکم دیا، پس جب ہم چلے گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے اور آپ کے پاس کوئی سواری بھی نہیں تھی جس پر آپ ہمیں سوار کرتے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قسم سے غافل کر دیا، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے، پھر ہم

آپ کی طرف لوٹے، پس ہم نے آپ سے عرض کیا: بے شک ہم آپ کے پاس آئے تھے تا کہ آپ ہم کو سوار کریں پس آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے اور نہ آپ کے پاس کوئی سواری ہے جس پر آپ ہمیں سوار کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو سوار نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم! میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاؤں گا پس میں دیکھوں کہ اس قسم کا خلاف اس قسم سے بہتر ہے تو میں وہ کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے باب کے حاشیہ میں تھی اور لکھنے والے نے اس حدیث کو اس باب میں لکھ دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ علامہ کرمانی کی یہ عبارت بہت بعید ہے حالانکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث بابِ سابق کے حاشیہ میں تھی پھر بھی مطابقت تو نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے یہ بھی کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں دو مرتبہ قسم کھائی، پہلی مرتبہ ناراضگی سے قسم کھائی اور دوسری مرتبہ رضامندی سے قسم کھائی، اور ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالتِ ناراضگی ہو یا حالتِ رضامندی ہو، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھانی چاہیے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: علامہ کرمانی نے جو یہ ذکر کیا ہے اس میں بھی اس حدیث اور اس باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی اور بابِ سابق میں جس مطابقت کا ذکر کیا ہے وہاں اس باب کا عنوان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کس طرح ہوتی تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو قسم کھاتے تھے تو اللہ کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ اور باب کے عنوان میں یہ نہیں ہے کہ حلف کی دو قسمیں ہیں: غضب کے وقت اور رضا کے وقت، اور دونوں حالتوں میں اللہ کے نام کے ساتھ قسم کھائی جائے۔ اور ممکن ہے کہ حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت کی جائے اگرچہ اس میں بعض تاویل ہے۔

امام بخاری نے باب کا عنوان قائم کیا کہ "باپ دادا کے نام کی قسم نہ کھائی جائے" پھر اس کے بعد اس باب میں دو حدیثیں ذکر کیں جو باب کے عنوان کے مطابق تھیں اس کے بعد اس حدیث کو ذکر کیا، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جب باپ دادا کے نام کی قسم نہ ہو تب بھی وہ قسم اللہ کے نام کے ساتھ ہونی چاہیے۔ پھر اس حدیث کو ذکر کیا، کیونکہ اس میں اللہ کی قسم دو جگہ کھائی ہے۔ جو آپ نے حالتِ غضب میں قسم کھائی تھی وہ یہ تھی کہ اللہ کی قسم! میں تم کو سواری پر سوار نہیں کروں گا اور جو حالتِ رضا میں قسم کھائی وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں جب کسی چیز کی قسم کھاؤں اور قسم کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس قسم کا خلاف کرتا ہوں جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، یہ ابن عبدالمجید الثقفی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے القاسم التمیمی، یہ ابن عاصم التیمی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زَہدم، (اس میں زاء پر زبر ہے ہاء ساکن ہے اور دال پر بھی زبر ہے) یہ ابن مُضرِّب ہیں، یہ تضریب سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور یہ الجرمی الازدی البصری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے شروع میں گزر چکی ہے لیکن وہاں پر یہ ذکر نہیں تھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں آیا۔۔۔ آخر حدیث تک۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من جَرْم" (جیم پر زبر اور راء ساکن) اور عرب کے دو قبیلے ہیں، ایک قضاعہ ہے اور وہ جرم بن زبان ہے اور دوسرا طی ء ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وُدٌّ واخاء" "وُدٌّ" کا معنی ہے محبت اور "اخاء" کا معنی ہے بھائی چارہ، یعنی ان دونوں کے درمیان محبت اور بھائی چارہ اور یگانگت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دجاج" یہ دجاجۃ کی جمع ہے جو مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من تیم اللہ" یہ بکر کا ایک قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقذرته" یعنی میں نے اس کو مکروہ جانا، یعنی مجھے اس سے گھن آئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رهط" رهط سے مراد ہے انسان اور اس کے رشتہ دار اور یہ اسمِ جمع ہے جس کا اطلاق خصوصاً مردوں کی جماعت پر کیا جاتا ہے۔ یہ تین سے لے کر دس افراد پر بولا جاتا ہے اور اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق چالیس افراد پر ہوتا ہے جن میں عورت نہ ہو اور اس کا بھی اس لفظ سے واحد نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنهب" یعنی مالِ غنیمت۔ اس پر اعتراض ہے کہ اس سے پہلے غزوہ تبوک میں گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے خرید اتھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں سے جو اونٹوں کا حصہ ملا تھا، آپ نے ان کے حصہ سے ان اونٹوں کو خریدا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغفلنا" یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت سے ان اونٹوں کو طلب کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتحللتها" یعنی میں اس قسم کا کفارہ دوں گا، اور "تحلل" کا معنی ہے: قسم کی ذمہ داری سے باہر آنا اور اس کی حرمت سے نکلنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۴۔ ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: لَا يُحْلَفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ

لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ بتوں کی قسم کھائی جائے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لا یحلف" مجہول کا صیغہ ہے یعنی لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ بتوں کی قسم کھائی جائے۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے "لاتحلف باللات" یہ جمع نہی حاضر کا صیغہ ہے یعنی تم "اللات" کی قسم نہ کھاؤ۔

"اللات" کی تعریف

علامہ الثعلبی نے کہا ہے کہ "اللات" کا لفظ، لفظِ اللہ سے بنایا گیا ہے اور اس کے آخر میں تاء تانیث لگادی گئی ہے جیسے مذکر کے لیے عمرو کہا جاتا ہے اور مونث کے لیے عمرۃ کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کفارِ قریش نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بتوں کا نام لفظ اللہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو "اللات" کی طرف پھیر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ شریف بتوں پر بولے جانے سے محفوظ رہے۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ اللات طائف کے اندر ایک چٹان تھی یا بڑا پتھر تھا۔ اور ابو زید سے منقول ہے کہ یہ مقامِ نخلہ میں ایک گھر تھا، اس گھر کی قریش عبادت کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایک مرد حجاج کے لیے ستو کو پانی میں لت پت کرتا تھا، اس کے لیے عربی میں "یلت" کا لفظ ہے، جب وہ شخص مر گیا تو مشرکین اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ اور الکلبی سے منقول ہے کہ ثقیف کا ایک مرد جس کا نام حرمۃ بن تمیم تھا وہ گھی کو جبلی میں ملاتا تھا پھر اس کو لے کر ایک چٹان پر چڑھتا تھا پھر عرب اس کے پاس آتے اور اپنے ستوؤں کو اس میں لت پت کرتے، جب وہ مرد مر گیا تو ثقیف اس کو اپنے گھروں کی طرف لے گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

"العزیٰ" کی تعریف

اور "العزیٰ" میں اختلاف ہے۔ مجاہد سے منقول ہے کہ یہ غطفان کا ایک درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور یہی وہ درخت ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا انہوں نے اس درخت کو کاٹ ڈالا۔ اس درخت سے ایک جنیہ نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ چلا رہی تھی: ہائے افسوس! اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا ہوا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس جنیہ کو قتل کر دیا۔

اور الضحاک سے منقول ہے: یہ غطفان کا ایک بت تھا جو کفارِ قریش کے لیے سعد بن ظالم الغطفانی نے رکھا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مکہ میں آیا اور اس نے دیکھا کہ مکہ والے کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں تو اس نے ایک پتھر صفا سے توڑا اور ایک پتھر مروہ سے توڑا اور ان دونوں کو مقام نخلہ کی طرف منتقل کیا، پھر اس نے تین پتھر لیے اور ان پتھروں کو ایک چٹان کے ساتھ لگا دیا اور کہا: یہ تمہارا رب ہے اس کی عبادت کرو۔ پس لوگ ان دونوں پتھروں کے درمیان طواف کرتے تھے اور ان پتھروں کی عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا تو آپ نے ان پتھروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

اور ابن زید سے منقول ہے کہ العزیٰ طائف میں ایک گھر تھا جس کی ثقیف عبادت کرتے تھے۔

''مناۃ'' کی تعریف

اور ان کے بتوں میں سے ایک بت ''المناۃ'' تھا۔ قتادہ نے کہا: یہ خزاعہ کا بت تھا۔ اور ابن زید سے منقول ہے کہ یہ السلیل میں ایک گھر تھا جس کی بنو کعب عبادت کرتے تھے۔ اور ضحاک نے کہا: ''مناۃ'' ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا اور اہل مکہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اور کہا ''لات، عزیٰ اور مناۃ'' یہ پتھروں سے تراشے ہوئے بت تھے جو کعبہ کے وسط میں رکھے ہوئے تھے اور کفارِ قریش ان کی عبادت کرتے تھے۔

''الطواغیت'' کا معنی

اس حدیث کا معنی ہے: ''طواغیت'' کے ساتھ بھی قسم نہ کھائی جائے، اور ''طواغیت'' طاغوت کی جمع ہے اور یہ بت ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شیطان ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ہر گمراہی کا سر ہے۔ اور حضرت جابر اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ کاہن ہے۔ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: ''طاغوت'' میرے نزدیک ''طغیان'' سے بنا ہے اور یہ فعلوت کے وزن پر ہے جیسا کہ جبروت، جبر سے بنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''طاغوت'' ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے خواہ وہ انسان ہو یا طاغی ہو یا شیطان ہو یا بت ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: طاغوت کی اصل ''طغیوت'' ہے، یاء کو غین پر مقدم کیا گیا تو یہ طیغوت ہو گیا، پھر یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یاء متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے تو طاغوت ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۵۔۲۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از حمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھائی، پس اس نے اپنی قسم میں کہا: ''لات اور عزیٰ کی قسم'' تو اس کو چاہیے کہ وہ ''لا

الٰہ الا اللّٰہ'' کہے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ میں تمہارے
ساتھ جوا کھیلتا ہوں، اس کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۶۰، ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۵۴۵، سنن نسائی: ۳۷۷۵، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶، مسند احمد: ۸۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے ''لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور بتوں کی قسم نہ کھائی جائے'' اور اس حدیث میں بھی لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث کتاب التفسیر کی سورہ ''والنجم'' میں گذر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو وہاں پر اسی سند اور اسی متن کے ساتھ بعینہٖ روایت کیا ہے اور یہ حدیث کتاب الادب میں از اسحاق گزر چکی ہے اور کتاب الاستئذان میں از یحییٰ بن بکیر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا ''جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی وہ پڑھے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، کیونکہ جب اس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس نے صورتاً لات اور عزیٰ کی تعظیم کی، اب اس کا کفارہ اس کے سوا اور نہیں ہوسکتا کہ وہ کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اور جس نے کہا کہ آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ دے تاکہ اس کا گناہ مٹ جائے، کیونکہ جوا کھیلنا معصیت ہے اور صدقہ معصیت کو مٹا دیتا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۶۔۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا معصیت کا کفارہ ہے

آپ نے لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ یہ اس کی معصیت کا کفارہ ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کفارہ اس وقت ہوگا جب اس نے غلطی سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی ہو۔
حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے ملتِ غیر اسلام کی قسم کھائی ہو تو وہ اسی کا مصداق ہوگا۔
(صحیح البخاری: ۱۳۶۳، صحیح مسلم: ۱۱۰)

اس حدیث کا محمل یہ ہے: جس نے عمداً ملتِ غیر اسلام کی قسم کھائی تو وہ اسی ملت کا مصداق ہوگا۔
اس سے معلوم ہوا کہ جس نے غلطی سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے سے اس کا کفارہ ہو جائے گا اور جس نے عمداً لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس کا اس سے کفارہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اس پر نادم ہو اور توبہ کرے اور تجدید ایمان کرے۔

لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کو دوبارہ کلمہ پڑھنے کے حکم کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: زمانۂ جاہلیت میں جاہلوں کی زبان پر لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کا معمول تھا، پس جب وہ مسلمان ہو گئے تو بعض اوقات اپنی سابقہ عادت کے مطابق ان کی زبان سے بغیر قصد اور ارادہ کے لات اور عزیٰ کی قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے، پس جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو گویا کہ وہ شرک کی حالت کی طرف لوٹ گیا اور غیر اللہ کی تعظیم کرنے میں ان کے مشابہ ہو گیا، پس شارع علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ جس کو شیطان نے بھلا دیا ہے وہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر ایمان کی تجدید کرے، پس یہ اس کا کفارہ ہوگا کیونکہ اس کا اس کلمہ کو دوبارہ پڑھنا اللات اور العزیٰ سے براءت کی دلیل ہوگا اور ہر اس چیز سے براءت کی دلیل ہوگا جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس کا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنا واجب ہے اور اس کے ساتھ وہ توبہ کرے اور جو اس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی ہے اس پر نادم ہو اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ لات اور عزیٰ کی قسم نہیں کھائے گا اور غیر اللہ کی تعظیم نہیں کرے گا۔

اور امام ابواسحاق السبیعی نے از مصعب بن سعد از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو میرے اصحاب نے کہا: ہمارا گمان ہے کہ تم نے یہ محض بکواس کی ہے، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہے سو میں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، آپ نے فرمایا: تم تین بار یہ پڑھو: ''لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر'' اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دو اور شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور دوبارہ یہ نہ کہنا۔ (سنن نسائی ج ۷ ص ۸۔۷)

صحیح توبہ کی شرائط

امام طبری نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو اللہ عزوجل کے نزدیک مکروہ ہے، پھر اس کے بعد ایسا عمل کیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس کو محبوب ہے اور وہ اس کے پہلے کام کے خلاف ہے اور وہ اس پر نادم ہوا اور دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کیا تو اس سے اس کے عمل کے گناہ کا بوجھ اتر جائے گا اور اس کی خطا کا گناہ مٹ جائے گا۔
اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا تو اس کے لیے صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اس قول کے اوپر نادم ہو جیسا کہ حضرت سعد اپنی قسم پر نادم ہوئے تھے اور اس کے بعد کوئی قول برحق کہے جو اس کے قولِ باطل کے خلاف ہو، اسی طرح اعضاء کے اعمال ہیں مثلاً کوئی شخص کسی گناہ پر سوار ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا اور جس برے کام کا ارادہ کیا تھا اس سے پھر جائے اور جس جگہ اس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی

اطاعت اور عبادت کا ارادہ کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے وصیت میں فرمایا: جب تم کسی گناہ کا ارادہ کرو تو اس کے بعد نیک کام کرو تا کہ وہ اس گناہ کو مٹا دے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۸، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۳۲۰، رقم: ۵۳۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۵، رقم: ۵۴۸)

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوا کھیلنے کی دعوت دینے والے کے لیے جو صدقہ دینے کا حکم دیا ہے یہ استحباب پر محمول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا ہو اور اس گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو تو اس پر نہ کوئی صدقہ واجب ہے نہ کوئی اور چیز واجب ہے بلکہ اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جعد ابو عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو رجاء العطاردی نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ کر مقدر کر دیا ہے، پھر ان کا بیان فرما دیا ہے، سو جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس سے لے کر سات سو نیکیوں بلکہ اس سے بھی بڑھا کر لکھ دیتا ہے۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۹۱، صحیح مسلم: ۱۳۱، مسند احمد: ۲۸۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس پر عمل کرے، اگر وہ اس پر عمل کر لے تو اس کو اس کی مثل ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ اس گناہ کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کر دے تو پھر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور جب بندہ کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، پس اگر وہ اس پر عمل کر لے تو اس کے لیے اس جیسی دس سے لے کر سات سو نیکیاں تک لکھ دو''۔ (صحیح البخاری: ۷۵۰۱، صحیح مسلم: ۱۲۹، سنن ترمذی: ۳۰۷۳، مسند احمد: ۹۰۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ بندہ ہے جو کسی نافرمانی کا ارادہ کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس نافرمانی کو ترک کر دیتا ہے۔

یہ شرح علامہ ابن بطال کی کتاب شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۱ سے ماخوذ ہے۔

لفظِ طاغوت کی تحقیق

اس حدیث کے باب کے عنوان میں طاغوت کا لفظ ہے، متقدمین کا اس کے معنی میں اختلاف ہے کیا اس سے مراد شیطان ہے

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مجاہد، شعبی، قتادہ اور ایک جماعت کا قول ہے: یا اس سے مراد ساحر ہے جیسا کہ ابوالعالیہ، ابن سیرین ودیگر سے مروی ہے یا اس سے مراد کاہن ہے جیسا کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

(اس کی روایت امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ج ۳ ص ۱۹۔۲۰)

امام طبری نے کہا: اور میرے نزدیک یہ "فعلوت" کا وزن ہے اور "طغیان" سے ماخوذ ہے جیسا کہ جبروت، جبر سے ماخوذ ہے اور خلبوت، خلب سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا مصداق ہر وہ ہے جو اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے سرکشی کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے خواہ وہ سرکشی کرنے والا انسان ہو یا شیطان ہو یا بت ہو۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۲۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۶۱۔۲۶۴ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

لات، عزیٰ اور مناۃ کی تحقیق از مصنف

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ ان اسماء کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لات، عزیٰ اور مناۃ ان کے بتوں کے نام ہیں اور یہ مونثات ہیں، پس لات قبیلہ ثقیف کی دیوی کا بت ہے، اس کی طائف میں پرستش کی جاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی نخلہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں پرستش کی جاتی تھی۔ ان کا زعم یہ تھا کہ اللات ایک شخص کا نام تھا جو ستو میں گھی ملا کر حجاج کو پلاتا تھا۔ (مگر از روئے قرآن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ لات کسی مرد کا نام نہیں دیوی کا نام ہے)۔

اور "عزیٰ" اعز کی تانیث ہے، یہ ببول کا درخت تھا۔ مقامِ نخلہ میں قبیلہ غطفان کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ طائف کے درمیان مقامِ نخلہ میں ببول کے تین درخت تھے ان پر گنبد بنا ہوا تھا اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں، ان میں ایک جنیہ ظاہر ہوئی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا، حضرت خالد نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور گنبد مسمار کر دیئے اور واپس آ کر آپ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا، دوبارہ جاؤ، حضرت خالد جب دوبارہ گئے تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے بہت شور وغل کیا اور یا عزیٰ، یا عزیٰ کہہ کر اس کے نام کی دہائی دی۔ حضرت خالد نے دیکھا وہاں ایک برہنہ عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے، آپ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا، آپ نے فرمایا: یہی عزیٰ تھی اور اب اس کی کبھی پرستش نہیں ہوگی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۵۴۷، مسند ابویعلیٰ: ۹۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۷)

اور "مناۃ" ایک بت تھا، یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسمار کرنے کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، قبیلہ ہذیل الخزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے، اس کو مناۃ اس لیے کہتے ہیں کہ منیٰ کے معنی قربانی کرنا ہے اور مشرکین اس کے استھان پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور اس سے بارش طلب کرتے تھے اور لات کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (الکشاف، ملخصا وموضحا وتخریجا ج ۴ ص ۴۲۴، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۸۔۲۸۰، ملخصا)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

جمہور فقہاء اسلام نے کہا ہے: جس شخص نے لات اور عزیٰ یا ان کے علاوہ کسی اور بت کی قسم کھائی یا یہ کہا: اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا میں اسلام سے بری ہوں یا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے۔ اور فقہاء احناف سے منقول ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے سوا اس کے کہ وہ کہے: میں مبتدع ہوں یا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مظاہر پر ظہار کی وجہ سے کفارہ واجب ہے (ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تمہاری پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے) جب کہ ظہار برا قول ہے اور جھوٹ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ (المجادلہ: ۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ نے ظہار کو بری اور جھوٹی بات فرمایا ہے اور ''لات، مناۃ اور عزیٰ'' کی قسم کھانا یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے، تو جس طرح ظہار سے کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح لات، مناۃ اور عزیٰ کی قسم کھانے پر بھی کفارہ واجب ہوگا۔

لیکن یہ دلیل حدیثِ مذکور سے مردود ہے، کیونکہ اس حدیث میں لات، مناۃ اور عزیٰ کی قسم کھانے پر صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ کفارہ نہ ہو حتیٰ کہ اس پر دلیل قائم ہو۔ اور اس کا ظہار پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے لات وغیرہ کی قسم کھانے پر ظہار کا کفارہ واجب نہیں کیا اور اس میں کئی چیزوں کا استثنیٰ کیا ہے۔ اور کئی ایسی صورتیں ہیں جس میں برا قول اور جھوٹا قول ہوتا ہے اور اس میں کفارہ بالکل نہیں ہوتا۔ (مثلاً کوئی شخص کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائے تو یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے اور اس میں کفارہ واجب نہیں ہے، اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں کوئی شخص کسی پر بہتان باندھے تو یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے اور اس پر بھی کفارہ نہیں ہے۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)

علامہ نووی، علامہ الماوردی و دیگر فقہاء نے کہا ہے: جو شخص لات، عزیٰ اور مناۃ کی قسم کھائے وہ گناہگار ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کلمہ توحید پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کی سزا اس گناہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے مال پر کسی تاوان کو واجب نہیں کیا اور اس کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ لات اور عزیٰ کی قسم کھانا کفار کے قول کے مشابہ ہے تو آپ نے اس کا حکم دیا کہ وہ اس کا تدارک کلمہ توحید پڑھ کر کرے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۱۸۔ ۷۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦۔ بَابُ: مَنْ حَلَفَ عَلَى الشَّيْءِ وَإِنْ لَمْ يُحَلَّفْ

جس نے کسی چیز کی قسم کھائی اور اس سے یہ قسم طلب نہیں کی گئی تھی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی مرد نے کسی چیز پر قسم کھائی کہ وہ اس کو کرے گا یا نہیں کرے گا "وان لم يحلّف" یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی اس مرد نے قسم کھائی اور اس سے یہ قسم نہیں لی گئی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٥١ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اصْطَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَكَانَ يَلْبَسُهُ فَيَجْعَلُ فَصَّهُ فِي بَاطِنِ كَفِّهِ فَصَنَعَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ ثُمَّ إِنَّهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَلْبَسُ هَذَا الْخَاتَمَ وَأَجْعَلُ فَصَّهُ مِنْ دَاخِلٍ فَرَمَى بِهِ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور آپ اس انگوٹھی کو پہنتے تھے اور اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کے باطن میں رکھتے تھے، سو لوگوں نے بھی انگوٹھیاں بنالیں، پھر بے شک رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے اور آپ نے اس انگوٹھی کو اتار دیا، پس آپ نے فرمایا: بے شک میں اس انگوٹھی کو پہنتا تھا اور اس کے نگینہ کو اس کے اندر رکھتا تھا، پھر آپ نے اس کو پھینک دیا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا، سو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ٦٦٥١، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کسی مرد نے کسی چیز کی قسم کھائی اور اس سے اس چیز پر قسم نہیں لی گئی تھی" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے قسم کھائی کہ آپ سونے کی انگوٹھی نہیں پہنیں گے حالانکہ کسی نے بھی آپ سے اس پر قسم طلب نہیں کی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی قسم کھانے میں حرج نہیں ہے جب انسان کسی چیز کے ترک کرنے کو پسند کرتا ہو یا کسی

کام کے کرنے کو پسند کرتا ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ قسم کھائی تھی اس کی توجیہ میں علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے کلام میں اور اپنے فتاویٰ میں تبرعاً قسم کھاتے تھے تاکہ زمانہ جاہلیت کی یہ عادت منسوخ ہو کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں اپنے باپ دادا کی قسم کھاتے تھے اور اپنے بتوں کی قسم کھاتے تھے تو آپ نے بغیر طلب کے قسم کھائی تاکہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی قسم نہیں کھانی چاہیے اور تاکہ لوگوں کی عادت پڑے اور وہ ان قسموں کو بھول جائیں جو زمانہ جاہلیت میں غیر اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔

یہ حدیث کتاب اللباس میں ''باب خواتیم الذهب'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس کی روایت مسدد اور یحییٰ سے کی ہے از عبید اللہ از نافع از ابن عمر، اور اس حدیث کی روایت ''باب خاتم الفضة'' میں بھی کی ہے از یوسف بن سلمہ از عبید اللہ از نافع از ابن عمر۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کے باطن میں رکھتے تھے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس طرح اس لیے پہنتے تھے تاکہ واضح ہو کہ آپ زینت کے لیے نہیں پہن رہے بلکہ مُہر لگانے کے لیے پہن رہے ہیں اور دیگر مصلحتوں کے لیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فرمی به'' یعنی آپ نے اس انگوٹھی کو استعمال نہیں کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے اس کو ضائع کر دیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''والله لا البسه ابدا'' یعنی اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا۔ آپ نے یہ قسم اس لیے کھائی تاکہ اس کی کراہت کی تاکید ہو یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی کراہت کی تاکید ہو، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ آپ نے کسی اور وجہ سے اس کو ناپسند کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ

جس شخص نے ملتِ اسلام کے غیر کی قسم کھائی (اس کا شرعی حکم)

وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يَنْسُبْهُ إِلَى الْكُفْرِ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللات اور ''العزیٰ'' کی قسم کھائی اس کو چاہیے کہ وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے اور آپ نے اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے دینِ اسلام کے سوا کسی اور دین کی قسم کھائی اور امام بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ایسی قسم کھانے والے پر کیا شرعی حکم مرتب ہوگا۔ اور اس حکم کے لیے باب میں مذکور حدیث پر اکتفاء کر لی۔

امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی ۶۰۶ ھ، نے کہا ہے:

ملت کا معنی ہے: دین جیسے ملت الاسلام، اور یہودیت اور نصرانیت۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: دین کا بڑا حصہ اور رسل کرام جو دین لے کر آئے اس کا مجموعہ۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

تعلیق میں جو حدیث ذکر کی ہے یہ عنقریب سندِ موصول کے ساتھ باب ''لایحلف باللات والعزیٰ'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ''اللات اور العزیٰ'' کی قسم کھانے والا کافر ہو جائے گا اور وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے کا حکم دیا اور اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از مصعب بن سعد از والد خود روایت کی ہے کہ میں نے ''اللات اور العزیٰ'' کی قسم کھائی، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، سو میں نے کہا: میں نے ''اللات اور العزیٰ'' کی قسم کھائی ہے تو آپ نے فرمایا: تم تین مرتبہ پڑھو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوکو اور شیطانِ رجیم کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھو) اور دوبارہ ایسا نہ کہنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۶۵۲ ـ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلیٰ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ، از حضرت ثابت بن الضحاک، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ملتِ اسلام کے غیر کی قسم کھائی سو وہ اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا ہے، اور جس نے اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کیا اسے دوزخ کی آگ میں اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا، اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے، اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۳، ۴۱۷۱، ۴۸۴۳، ۶۰۴۷، ۶۱۰۵، ۶۶۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۴۳، سنن نسائی: ۳۷۷۰، سنن ابوداود: ۳۲۵۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۸، مسند احمد: ۱۵۹۵۷)

صحیح البخاری: ۶۶۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان کو بعینہٖ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے اور وہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوقلابہ کا ذکر ہے وہ عبداللہ بن زید ہیں۔ اور ثابت بن الضحاک کا ذکر ہے وہ انصاری ہیں اور اصحاب شجرہ میں سے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں باب ''ماجاء فی قاتل النفس'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس نے غیر ملتِ اسلام کی قسم کھائی، پس وہ اسی کی مثل ہوگا جو اس نے کہا ہے''۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یعنی وہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا کافر نہیں ہوگا، کیونکہ یا تو اس نے اس ملت کا اعتقاد رکھا ہے جس ملت کی اس نے قسم کھائی ہے تو اس پر اسلام کی طرف رجوع کرنے میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ یا اس نے قسم توڑنے کے بعد بھی اسلام کا عقیدہ رکھا ہوگا تو پھر وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہے، کیونکہ یہ حدیث اس سے پہلے بھی گزر رہی ہے اور اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تہدید اور وعید ہے یعنی دھمکانا اور ڈرانا ہے۔ اور علامہ ابن القصار نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی ہے: ایسے الفاظ کی موافقت سے منع کرنا اور ڈرانا، یہ مراد نہیں ہے کہ اگر اس نے ایسی قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس شخص نے اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کیا اس کو دوزخ کی آگ میں اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا''۔ کیونکہ یہ اس کے عمل کی جنس کی جزاء ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے''۔ یعنی جس طرح مومن کو قتل کرنا حرام ہے اسی طرح مومن پر لعنت کرنا بھی حرام ہے۔ یا اس سے مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا، کیونکہ لعنت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے گناہ میں مبالغہ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے'' یعنی اس کے حرام ہونے میں قتل کی مثل ہے، کیونکہ مومن کو کفر کی طرف منسوب کرنا اسے واجب کرتا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، کیونکہ جو کسی چیز کا سبب بنتا ہے وہ اس کے فاعل کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: لَا يَقُولُ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ وَهَلْ يَقُولُ أَنَا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ؟

کوئی شخص نہ کہے ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں'' اور کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے ''میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں پھر آپ کی مدد کے؟''

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص اپنے اثنائے کلام میں اس طرح نہ کہے ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں''۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ان دونوں لفظوں کو جمع نہ کرے یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ ذکر کرنا جائز ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ ''واؤ'' کا تقاضا ہے دونوں معنی میں اشتراک ہو، یعنی اللہ کا چاہنا اور آپ کا چاہنا مشترک ہو اور یہ ادب کے خلاف ہے۔
اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے جو اللہ چاہے پھر کہے جو فلاں چاہے''۔ اور ''واؤ'' کی جگہ ''ثُمَّ'' کا دخول اس لیے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا مخلوق کے چاہنے پر مقدم ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (الدہر: ۳۰)
اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے، بے شک اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ۝

الدہر: ۳۰ کی تفسیر از علامہ آلوسی

قدریہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور جبریہ یہ کہتے ہیں کہ انسان مجبورِ محض ہے اور افعال کے صدور میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔
تحقیق یہ ہے کہ نہ مطلقاً معتزلہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے، نہ مطلقاً جبریہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ مجبورِ محض ہے بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے، اور بندہ کا چاہنا اور اللہ تعالیٰ کا چاہنا دونوں امر ثابت ہیں۔ علامہ کورانی نے کہا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں غیر مختار ہے، یعنی بندہ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرتا ہے لیکن وہ اپنے چاہنے میں مختار نہیں، وہ اسی فعل کو چاہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اس کو جو ثواب اور عذاب ہوتا ہے وہ اس کی نیک صلاحیت کی وجہ سے ہے یا اس کی بد صلاحیت کی وجہ سے ہے اور ہر شخص اپنی فطرت اور اپنے مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے اور سبحان ہے وہ جس نے ہر چیز کی تخلیق کی، اس کو بھلائی اور برائی کا ادراک کرایا اور پھر اس کو ہدایت دی۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۲۸۷۔ ۲۸۸، ملخصاً وموضحاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:
اس آیت میں ادب کے اسلوب کی تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندوں کی مشیت پر مقدم ہے۔
امام عبد الرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم نخعی روایت کرتے ہیں کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص کہے ''جو اللہ چاہے پھر میں چاہوں'' اور امام بخاری نے جو عنوان میں کہا ہے کہ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے ''میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں جو آپ کا رب ہے؟'' اور اس کو سوالیہ فقرے سے ذکر کیا، کیونکہ امام بخاری کے نزدیک دو امروں میں سے کوئی ایک امر بھی ثابت نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس بات کا کہنا اور نہ کہنا دونوں جائز ہیں لیکن امام عبد الرزاق نے از ابراہیم النخعی یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اور تمہاری'' تو یہ مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ یوں کہے ''میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں پھر تمہاری'' یعنی لفظ ''اور'' کی بجائے ''پھر'' کہے، اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ واؤ کو اشتراک

لازم ہے۔اور جب "ثم" یعنی پھر کا لفظ کہے گا تو اس سے اشتراک لازم نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت مقدم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۹،دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۳۔ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ تَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فَلَا بَلَاغَ لِي إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۶۴، ۶۶۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۴)

اور عمرو بن عاصم نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بنی اسرائیل کے تین شخص تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلاء کرنے کا ارادہ فرمایا، پس اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا، وہ اس کے پاس گیا جس کو برص کی بیماری تھی (برص کی بیماری میں جسم کے اوپر سفید داغ پیدا ہوجاتے ہیں جو بدنما معلوم ہوتے ہیں) اس فرشتے نے اس کے پاس آکر کہا: میرے تمام اسباب منقطع ہوگئے اور میری مشکلات یا اللہ تعالیٰ کی مدد سے دور ہوں گی یا تمہاری مدد سے۔ پھر مفصل حدیث کو ذکر کیا۔

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ "کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں پھر تمہاری مدد کے؟" اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ "مجھے صرف اللہ کی مدد کا سہارا ہے پھر تمہاری مدد کا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند کے شروع میں عمرو بن عاصم کا ذکر ہے، اور یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، امام بخاری نے ان سے کتاب الصلوٰۃ میں متعدد جگہ روایت کی ہے اور یہاں پر ان کی تعلیق کو ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ العوذی البصری ہیں جو اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان کا نام زید الانصاری ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ کا ذکر ہے، ان کا نام عمرو الانصاری ہے جو اہل مدینہ کے قاضی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور تین آدمیوں میں ایک وہ تھا جس کو برص کی بیماری تھی، دوسرا وہ تھا جو گنجا تھا، اور تیسرا وہ تھا جو نابینا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

معبد بن خالد از عبد اللہ بن یسار از قتیلہ (جہینہ کی ایک عورت) وہ روایت کرتی ہیں: ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: آپ لوگ شرک کرتے ہیں اور آپ لوگ اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں، آپ لوگ کہتے ہیں: کعبہ کی قسم! اور آپ لوگ کہتے ہیں "جو اللہ نے چاہا اور جو آپ نے چاہا"، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارادہ کیا کہ جب وہ قسم کھانے کا ارادہ کریں تو کہیں "ربِ کعبہ کی قسم" اور ان کو حکم دیا کہ وہ کہیں "جو اللہ تعالیٰ چاہے، پھر جو آپ چاہیں"۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اس حدیث کا امام بخاری نے اعتبار کیا ہے اور یہ ان کی شرط کے موافق نہیں ہے، پس انہوں نے اس حدیث کے مطابق عنوان قائم کیا اور اس کے معنی کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مستنبط کیا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث میں اس سے ممانعت نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے "اللہ کی مدد سے اور آپ کی مدد سے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا، پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا ○

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے۔

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی کی اس دلیل پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ جو علامہ داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص کہے "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شریک کرتا ہے اور اس معاملہ کو اللہ اور بندے کے درمیان مشیت میں شریک رکھتا ہے اور جن آیات کا علامہ داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انعام میں شریک کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اسلام کا انعام کیا کہ انہیں اسلام

لانے کی توفیق دی اور شارع علیہ السلام نے ان کو آزاد کیا اور ان پر آزادی کا انعام کیا، تو یہ انعام میں شریک کرنا ہے نہ کہ مشیت میں شریک کرنا ہے۔ اور منع صرف یہ ہے کہ تم یوں کہو کہ "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" اور یہ توقع رکھے کہ آپ مشیت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ مشیت میں منفرد ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۷۴۔۲۷۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی تائید میں دیگر روایات

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیا تو نے مجھ کو اور اللہ کو برابر قرار دیا؟ نہیں، بلکہ جو صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے"۔

اور امام احمد اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مرد نے خواب میں ایک اہلِ کتاب کے مرد کو دیکھا، اس نے کہا: تم لوگ اچھے ہو اگر تم شرک نہ کرتے، تم لوگ کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہیں، اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم کہو "جو اللہ چاہے، پھر جو محمد چاہیں"۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۔ باب:

قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: "وَأَقْسَمُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ"

(الانعام: ۱۰۹)

۹۔ باب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں"۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَوَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: لَا تُقْسِمْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتایئے کہ میں نے خواب کی تعبیر میں کیا خطاء کی ہے، آپ نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے ارشاد "وَأَقْسَمُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ" کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یہ پوری آیت درج ذیل ہے:

وَأَقْسَمُوا بِاللهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (الانعام: ۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں

لائیں گے O

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی ۴۲۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو وہ پتھر پر مارتے تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے، اور آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں، اور آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ ثمود کی ایک اونٹنی تھی جو پتھر سے نکل آئی تھی، تو آپ ہمارے پاس بھی ایسے معجزات لائیں حتیٰ کہ ہم آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں۔۔الحدیث بطولہ۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام:۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے O

اور دوسری آیت بھی منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (النور:۵۳)

اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے، آپ کہیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) اطاعت معلوم ہے، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O

منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے: آپ جہاں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ وہیں ہوں گے، اگر آپ مدینہ میں قیام کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ قیام کریں گے، اگر آپ مدینہ سے باہر نکلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکلیں گے، اگر آپ جہاد کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (النور:۵۳)

اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے، آپ کہیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) اطاعت معلوم ہے، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O

یعنی تم زبان سے کہتے ہو اور دل سے اور اعتقاد سے نہیں کہتے اور تمہاری قسمیں معلوم ہیں کہ تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو، یہ مجاہد کی تفسیر ہے۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بغیر معتبر نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتائیے کہ میں نے خواب کی تعبیر میں کیا خطاء کی ہے، آپ نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ''۔

اس تعلیق میں صحیح البخاری کی درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، پس میں نے دیکھا کہ لوگ ہتھیلیاں پھیلا کر وہ شہد اور گھی لے رہے ہیں، بعض زیادہ لے رہے ہیں اور بعض کم لے رہے ہیں اور ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف ملی ہوئی ہے، میں نے دیکھا کہ آپ نے اس رسی کو پکڑا اور اس کے اوپر چڑھ کر بلندی پر چلے گئے، پھر ایک اور مرد نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی بلندی پر چلا گیا، پھر ایک اور مرد نے رسی کو پکڑا وہ بھی اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر چڑھ گیا، پھر ایک اور مرد نے اس رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر وہ رسی جڑ گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ فدا ہوں، آپ ضرور مجھے اجازت دیں کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس کی تعبیر بیان کرو، انہوں نے کہا: رہا سائبان تو وہ دینِ اسلام ہے، اور رہی وہ چیز جو سائبان سے شہد اور گھی کی صورت میں ٹپک رہی تھی تو وہ قرآن ہے اور اس کی مٹھاس ہے جو ٹپک رہی تھی، اور لوگ قرآن سے زیادہ حاصل کر رہے تھے اور کچھ کم قرآن کو حاصل کر رہے تھے، اور وہ رسی جو آسمان سے زمین کی طرف ہے یہ وہ حق ہے جس کے اوپر آپ ہیں، آپ اس حق کو پکڑے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی پر لے جاتا ہے، پھر آپ کے بعد ایک اور مرد اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر جائے گا، پھر اس کے بعد ایک اور مرد اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر جائے گا، پھر ایک اور مرد جائے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، پھر رسی کو ملا دیا جائے گا، پھر وہ اوپر چلا جائے گا، آپ مجھے بتائیے یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ فداء ہوں، میں نے اس خواب کی تعبیر صحیح بیان کی ہے یا اس میں غلطی کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے بعض صحیح بیان کی ہے اور بعض غلطی کی ہے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتائیں کہ میں نے اس میں کیا غلطی کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قسم کھانے سے منع فرمایا، اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم پورا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا تو آپ نے ان کی قسم پوری کیوں نہیں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قسم کا پورا کرنا مستحب ہے جب مانع نہ ہو، اور وہاں کوئی مانع تھا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کے پورا کرنے کا جو حکم دیا ہے یہ استحباب کا حکم ہے وجوب کا حکم نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قسم کھائی تو آپ نے ان کی قسم کو پورا نہیں کیا، اور اگر قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا تو آپ ان کی قسم کو پورا کرتے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کہ قسم کو پورا کرنا اس وقت مستحب ہے جب اس میں اس کو ضرر نہ ہو جس پر قسم کھائی گئی ہے یا اہل دین کی جماعت پر ضرر نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خواب کی تعبیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء کو بیان نہیں فرمایا، یہ

مسلمانوں کی طرف لوٹنے والی تھی اور اس کی وضاحت کتاب التعبیر کے باب مذکور میں ان شاء اللہ آئے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۴۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از اشعث از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ح اور مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اشعث از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم قسم کھانے والے کو سچا کریں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۶۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ "لوگوں نے پکی قسمیں کھائیں" اور اس باب کی حدیث میں بھی قسم کا ذکر ہے۔

بہ ظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں تعارض ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم قسم مت کھاؤ، اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کرو۔ اس تعارض کا جواب ہم اس سے پہلے علامہ ابن المنذر اور علامہ المہلب کے حوالوں سے ذکر کر چکے ہیں جس کا خلاصہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم قسم مت کھاؤ اور ان کو ان کی قسم میں سچا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ قسم کھانے والے کو سچا کرنا واجب نہیں ہے، اگر واجب ہوتا تو حضور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قسم میں سچا کر دیتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دو سندیں ہیں۔

پہلی سند کے رجال: اس سند میں مذکور ہے قبیصہ، یہ ابن عقبہ العامری الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔ اور اس سند میں مذکور ہے اشعث، یہ ابن ابی الشعثاء سلیم بن الاسود الکوفی ہیں۔ اور اس سند میں مذکور ہے معاویہ بن

سوید، یہ ابن مقرن الکوفی ہیں جو حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری سند کے رجال: اس سند میں محمد بن بشار کا ذکر ہے، جو غندر سے روایت کرتے ہیں اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے، وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں از اشعث۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی کو اس کی قسم میں صادق کرنے کی شرائط

یعنی جب تمہارا بھائی تمہارے متعلق کوئی قسم کھائے تو اس کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اس کو اس کی قسم میں سچا کرو، لیکن یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب وہ اپنی قسم میں حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، یا اس کی قسم سے تم کو ضرر نہ ہو۔ پس اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو پھر تم پر یہ لازم نہیں ہے کہ تم اس کو اس کی قسم میں سچا کرو مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم رات اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح گزارتے ہو؟ یا تم کیا کھاتے ہو؟ یا تمہاری کتنی اولاد ہے؟ یا تمہارا کتنا مال ہے؟ اس صورت میں اس قسم کھانے والے کو اس قسم پر زجر و توبیخ کرنی چاہیے اور اس کو اس کی قسم میں سچا کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن جب ایسا نہ ہو اور اس کی قسم میں حد سے تجاوز نہ ہو اور نہ اس کی قسم میں دوسرے کو نقصان ہو تو پھر اس کی قسم کو پورا کرنا چاہیے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۵۰۔ ۵۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۵۵۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أُسَامَةَ أَنَّ بِنْتًا لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ وَمَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَسَعْدٌ وَأُبَيٌّ أَنَّ ابْنِي قَدِ احْتُضِرَ فَاشْهَدْنَا فَأَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ فَقَامَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا قَعَدَ رُفِعَ إِلَيْهِ فَأَقْعَدَهُ فِي حَجْرِهِ وَنَفْسُ الصَّبِيِّ تَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ سَعْدٌ مَا هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ يَضَعُهَا اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم الاحول نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہم تھے، انہوں نے پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے پر موت کا وقت آ گیا ہے، پس آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیغام بھیجا آپ نے ان پر سلام پڑھا اور یہ فرمایا: بے شک اللہ ہی کے ملک میں ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ایک وقتِ معین تک مقرر ہے، پس تم صبر کرو اور ثواب کی نیت کرو، انہوں نے

دوبارہ آپ کو پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی، پس آپ کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے، جب آپ بیٹھ گئے تو وہ بچہ (آپ کا نواسا) آپ کی طرف اٹھا کر لایا گیا پس آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا اور بچہ کا سانس اکھڑ رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن کے دلوں میں چاہتا ہے رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی حدیثِ سابق کی طرح ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما بن الربیع کی جب وفات قریب تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دے کر بلایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو عثمان کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن نہدی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں از عبدان اور کتاب الطب میں از حجاج گزر چکی ہے، عنقریب یہ حدیث کتاب التوحید میں ابوالنعمان کی سند سے آئے گی۔

اس حدیث کی سند میں اسامہ کا ذکر ہے، یہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن عبادہ الخزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اُبی کا ذکر ہے، یہ حضرت اُبی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قد احتضر" یعنی ان پر موت حاضر ہوگئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تقعقع" یہ تقعقع سے فعل مضارع ہے۔ اور یہ نزع روح کی شدت سے سینہ سے نکلنے والی آواز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ماھذا؟" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہا: یہ کیا ہے؟ اور

ان کا یہ کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب نہیں تھا اور شاید کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ کسی کی موت کے وقت رونے اور چلانے سے منع فرماتے تھے، تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ کی یہ ممانعت آنسوؤں سے رونے کو بھی شامل ہے، اس لیے انہوں نے آپ کے آنسوؤں کا سبب جاننے کے لیے دریافت کیا، یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، یعنی بغیر آواز کے جو آنکھوں سے آنسو نکلیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی موت کے وقت اصحابِ فضیلت کو بلانا چاہیے تاکہ ان کی دعا اور ان کی برکت حاصل ہو۔

(۲) افاضل صحابہ آپ کے ساتھ بغیر بلائے چلے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ تعزیت اور عیادت کے لیے بغیر بلائے بھی چلے جانا چاہیے۔ اس کے برخلاف ولیمہ اور شادی کے کھانے میں بلانے کے بعد جانا چاہیے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صبر اور ثواب کی امید رکھنے کی تلقین کی، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مصیبت میں بے قرار ہو، اس کو صبر کی تلقین کرنی چاہیے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار بلانے پر نہیں گئے اور دوسری بار چلے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ فضل کو کسی کی امید نہیں توڑنی چاہیے اور عیادت اور تعزیت کے لیے جانا چاہیے۔

(۵) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو قسم دے کر بلایا، اس میں یہ ثبوت ہے کہ نہایت ادب سے سوال کرنا چاہیے۔

صحیح البخاری: ۶۶۵۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم کھانے والے کو اس کی قسم میں سچا کرنے کی تفصیل

کسی کی قسم کو صادق کرنا واجب نہیں ہے لیکن یہ سنتِ موکدہ ہے اور یہی ظاہر ہے، سوا اس کے کبھی وجوب کی ضرورت پیش آئے مثلاً کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ اس کو ضرور خبر دے گا جو اس کے مال میں یا اس کی عزت میں حد سے تجاوز کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں ہم کہتے ہیں اب اس کی قسم کو صادق کرنا واجب ہے۔

نیز اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے''۔

اس حدیث میں حصر نہیں ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو اللہ کے بندوں پر رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوق کے اوپر رحمت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۵۶ ۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ

الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ۔

بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس مسلمان کے بھی تین بچے فوت ہوئے اس کو دوزخ کی آگ صرف قسم پورا کرنے کے لیے چھوئے گی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۱، ۶۶۵۶، صحیح مسلم: ۲۶۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۳، مسند احمد: ۷۲۲۴)

صحیح البخاری: ۶۶۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ حدیث کے آخری جملہ کے ساتھ مطابقت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ صرف اس مسلمان کو قسم پورا کرنے کے لیے چھوئے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ابن شہاب کا ذکر ہے، اور یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں جو سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں ''باب فضل من مات له ولد فاحتسب'' میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس حدیث کو از علی از سفیان از الزہری روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''إِلَّا تحلة القسم'' یعنی قسم کو پورا کرنے کے لیے، اور اس قسم سے مراد وہ ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ (مریم: ۷۱)

اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ۝

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں تو اس کو صرف اتنی مقدار میں آگ چھوئے گی جتنی مقدار میں اس کا دوزخ میں دخول یا ''وُرُود'' ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مریم: ۷۱ کی تفسیر از مصنف

ابوسمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ''ورود'' کے معنی میں اختلاف ہوا، ہم میں سے بعض نے کہا: دوزخ میں مومنین داخل نہیں ہوں گے اور بعض نے کہا: سب لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔ پھر میری حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے اس اختلاف کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''وُرُود'' دخول ہے، اور ہر نیک اور بد دوزخ میں داخل ہوگا، پھر دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی

والی بن جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر تھی، حتیٰ کہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے دوزخ چیخ وپکار کرے گی، پھر اللہ تعالیٰ دوزخ سے متقین کو نجات دے دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸۔۳۲۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۵۷۴، عالم الکتب، بیروت)(المستدرک ج ۴ ص ۵۸۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اپنے اعمال کی وجہ سے اس سے نکل جائیں گے، بعض پلک جھپکنے کی طرح نکل جائیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض شتر سوار کی طرح اور بعض تیز رفتار چلنے والے شخص کی طرح۔ (سنن ترمذی: ۳۱۵۹، المستدرک: ۳۴۲۱)

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نافع بن ارزق خارجی سے بحث ہوئی، آپ نے فرمایا: میں اور تو دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے، رہا میں تو مجھے اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے دے گا اور رہا تو، تو میں یہ گمان نہیں کرتا کہ تجھے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات دے گا، کیونکہ تو اس آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۵۹)

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، قتادہ اور کعب الاحبار وغیرہم سے یہ بھی منقول ہے کہ ''وُرُوْد'' سے مراد دوزخ میں دخول نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بخار آتا ہے وہی ان کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا ہے اور جن مسلمانوں کو دنیا میں بخار آ گیا وہ آخرت میں دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

(تبیان القرآن ج ۷ ص ۳۰۷۔۳۰۹، ملخصاً وملتقطاً، فرید بک اسٹال، لاہور)

صحیح البخاری: ۶۶۵۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریم: ۷۱ میں ''وُرُوْد'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف

بعض علماء نے کہا ہے: اس آیت میں ''وُرُوْد'' سے مراد ہے: پل صراط کو عبور کرنا۔

اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ دوزخ پر بالفعل وارد ہوں گے اور دوزخ میں واقع ہوں گے، لیکن ان کو اس طرح عذاب نہیں دیا جائے گا جس طرح کفار کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد پل صراط پر عبور ہے لیکن حدیث کا ظاہر دوسرے قول کو ترجیح دیتا ہے یعنی مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن دوزخ کی آگ ان کو جلائے گی نہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو پھر بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

تحقیق یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا خواہ وہ اصحاب کبائر سے ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جنت میں داخل ہونے کا ایک سبب ہے اور سبب کے لیے کبھی کوئی مانع بھی ہوتا ہے جیسے اور جنت میں داخل ہونے کے اسباب ہیں لیکن کبھی جنت میں داخل ہونے

سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٥٥٣، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

میں یہ کہتا ہوں: یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر پھر جنت میں داخل ہو لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ پھر تین نابالغ بچوں پر صبر کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بشارت دی ہے جس نے اپنے تین نابالغ بچوں کے فوت ہونے پر صبر کیا اور یہ کہا ''یہ اللہ ہی کا مال تھا اسی نے لے لیا''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦٦٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ وَأَهْلِ النَّارِ كُلُّ جَوَّاظٍ عُتُلٍّ مُسْتَكْبِرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے کہا: میں نے حارثہ بن وہب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اہل جنت کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ وہ ہر کمزور مسلمان ہے جس کو لوگ حقیر جانتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسم میں سچا کر دے گا، اور اہل دوزخ ہر وہ موٹا آدمی ہے جو اکڑ اکڑ کر چلتا ہو اور فاجر ہے اور متکبر ہے۔

(صحیح البخاری: ٤٩١٨، ٦٠٧١، ٦٦٥٧، صحیح مسلم: ٢٨٥٣، سنن ترمذی: ٢٦٠٥، سنن ابن ماجہ: ٤١١٦، مسند احمد: ١٨٢٥٥)

صحیح البخاری: ٦٦٥٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ سے ظاہر ہوتی ہے ''اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی کام کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معبد بن حارثہ، جو حارثہ بن وہب الخزاعی سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث سورہ ''نٓ وَالْقَلَم'' کی تفسیر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس کو از ابو نعیم از سفیان از معبد بن خالد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "متضعف" (اس میں عین پر زبر ہے اور مشدد ہے) اس کا معنی ہے: جس کو لوگ ضعیف سمجھتے ہوں اور حقیر جانتے ہوں، اور یہ عین پر زیر کے ساتھ بھی منقول ہے یعنی جو تواضع کرنے والا ہو، گمنام ہو اور عاجزی کرنے والا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو اقسم" یعنی اگر متواضع شخص اللہ تعالیٰ کے کرم پر طمع اور امید رکھتے ہوئے قسم کھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسم میں صادق کر دے گا تو اللہ تعالیٰ ایسا کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لابرّہ" ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جواظ" یعنی جو موٹا تازہ آدمی ہو اور اکڑ اکڑ کر چلتا ہو۔ کتاب العین میں لکھا ہے کہ "جواظ" کا معنی ہے: جو بہت زیادہ کھانا کھاتا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: فاجر۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس پر گوشت زیادہ چڑھا ہوا ہو اور اس کی گردن موٹی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مستکبر" یعنی جو شخص حق بات کے تسلیم کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو۔ اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ زیادہ تر اہلِ جنت وہ لوگ ہوں گے جو کمزور ہوں گے اور انہیں لوگ حقیر جانتے ہوں گے جیسا کہ زیادہ تر اہلِ دوزخ ایسے لوگ ہوں گے جو "جواظ" اور متکبر ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳۔ ۲۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ أَوْ شَهِدْتُ بِاللّٰهِ

جس شخص نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، یا کہا: میں نے اللہ کو گواہ بنایا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا یہ عنوان بنایا گیا ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں ضرور ایسا کام کروں گا، یا میں ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا، یا اس نے کہا: میں نے اللہ کو گواہ بنایا، میں ضرور ایسا کام کروں گا۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا اور نہ اس باب کی حدیث میں اس کے حکم کی صراحت ہے، گویا کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جو شخص بحث کا مطالعہ کرے وہ خود تلاش کر لے۔

بابِ مذکور کی شرح میں علماء کے اقوال

(۱) "اشهد، احلف، اعزم" (میں گواہ بناتا ہوں، یا قسم کھاتا ہوں، اور یا میں عزم کرتا ہوں) یہ تمام الفاظ قسم کے الفاظ ہیں اور ان میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ یہ ابراہیم النخعی اور ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے۔ اور ربیعہ اور الاوزاعی نے کہا ہے: جب اس نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، پھر اس نے اپنی قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔

(۲) صرف "اشهد" کہنا قسم نہیں ہے حتیٰ کہ وہ کہے "اشهد بالله" یعنی میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ نہ کرے تو

پھر وہ قسم نہیں ہے۔

(۳) جب اس نے کہا ''اشھد'' یا ''اعزم'' اور ''باللہ'' نہیں کہا تو وہ اس کے قول ''واللہ'' کی مثل ہے یعنی اللہ کی قسم۔اس کی حکایت ربیع نے امام شافعی سے کی ہے۔

(۴) امام ابوعبید نے ''اشھد'' کے قسم ہونے کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ قسم کھانے والا گواہی دینے والے کا غیر ہوتا ہے۔

(۵) جب اس نے کہا ''میں کعبہ کو گواہ بناتا ہوں'' یا ''نبی ﷺ کو گواہ بناتا ہوں'' تو یہ قسم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٥٨۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَكَانَ أَصْحَابُنَا يَنْهَوْنَا وَنَحْنُ غِلْمَانٌ أَنْ نَحْلِفَ بِالشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سے لوگ بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے زمانہ کے لوگ، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر ایک ایسی قوم آئے گی کہ ان میں سے کسی ایک کی شہادت ان کی قسم سے پہلے ہوگی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے پہلے ہوگی، ابراہیم نے کہا: ہمارے اصحاب ہمیں منع کرتے تھے کہ ہم ''شہادت'' اور ''العھد'' کے لفظ سے قسم کھائیں اور اس وقت ہم نوعمر لڑکے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۲، ۳۶۵۱، ۶۴۲۹، ۶۶۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۳۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۲، مسند احمد: ۳۹۵۳)

صحیح البخاری: ٦٦٥٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ابراہیم نخعی کے قول سے متعلق ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ''ہمارے اصحاب ہم کو ''شہادت'' اور ''العھد'' کے الفاظ سے قسم کھانے سے منع کرتے تھے۔یعنی وہ اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں قسم کھائے ''میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں'' یا کوئی شخص یوں قسم کھائے ''میں اللہ سے عہد کر کے کہتا ہوں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن حفص، یہ ابومحمد الطلحی الکوفی ہیں، ان کو ''الضخم'' بھی کہا جاتا ہے۔اور اس حدیث کی

سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبدالرحمٰن نحوی ہیں جو ابومعاویہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیدہ، وہ السلمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی وہ لوگ اس زمانہ کے ہیں جس زمانہ میں، میں ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک قوم کی شہادت اس کی قسم سے پہلے ہوگی اور اس کی قسم اس کی شہادت سے پہلے ہوگی"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دَور ہے (یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اپنے نفس پر موقوف ہونا اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ چیز اپنے نفس پر مقدم ہو اور یہ محال ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی وہ لوگ شہادت دینے سے پہلے قسم کھائیں گے اور کبھی وہ لوگ قسم کھانے سے پہلے شہادت دیں گے، یا یہ شہادت اور قسم میں جلدی کرنے کی مثال ہے اور ایک مرد کی حرص ہے جو وہ شہادت اور قسم پر کرے گا کہ وہ شہادت پہلے دے گا یا قسم پہلے کھائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۴۔ ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قرن" کے معنی کی تحقیق

ہر وہ طبقہ جو کسی ایک وقت میں مقترن ہو یعنی ملا ہوا ہو اس کو قرن کہتے ہیں اور ایک مدت کے لوگوں کو بھی قرن کہا جاتا ہے یا جس طبقہ میں کسی نبی کو مبعوث کیا گیا ہو اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے خواہ ان کے سال کم ہوں یا زیادہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی وہ میرے اصحاب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں یعنی جو ان کی اتباع بالاحسان کرنے والے ہوں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہوں یعنی جو تابعین کے متبع ہوں۔

اور "قرن" کا لفظ "اقتران" سے ماخوذ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اسی سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سو سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔

ابن الاعرابی نے کہا ہے: قرن کا معنی ہے زمانہ کا ایک وقت۔ اور دوسروں نے کہا کہ قرن اس وقت کہا جاتا ہے جب لوگوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ عالم، عالم کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یہ "قرنت" کا مصدر ہے اور اس کو وقت کے لیے یا وقت کے لوگوں کے لیے اسم بنا دیا گیا ہے۔

صحابی کی تعریف اور ان کا مرتبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس امت کے سب سے افضل لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی ہو یا آپ کی کوئی بات سمجھی ہو یا آپ کو دیکھا ہو۔ اور صحابہ میں سب سے کم مرتبہ کا بھی بعد میں آنے والوں سے افضل ہے۔ امام مالک سے سوال کیا

گیا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز میں کون افضل ہے؟ تو امام مالک نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ایک نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ڈالی وہ عمر بن عبد العزیز کی تمام عمر کے اعمال سے بہتر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۸۷۔۲۸۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شہادت کے لفظ سے قسم کے ارادہ میں مذاہب فقہاء

یعنی جب کسی شخص نے کہا ''اشهد بالله'' (میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں) یا ''شهدت بالله'' (میں نے اللہ کو گواہ بنایا) تو آیا وہ قسم کھانے والا ہوگا یا نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ وہ قسم کھانے والا ہوگا اور یہی ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کا قول ہے۔ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ خواہ اس نے ''اشهد'' کے بعد ''بالله'' نہ کہا ہو پھر بھی یہ قسم ہے اور یہ ربیعہ اور الاوزاعی کا قول ہے۔

اور امام شافعی نے یہ کہا کہ وہ اس صورت میں قسم کھانے والا نہیں ہوگا سوا اس کے کہ وہ اشهد کے ساتھ بالله بھی کہے اور اس کے باوجود راجح یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے، لہٰذا اس میں اس کے قصد کو جاننے کی ضرورت ہوگی۔ اور امام شافعی نے ''المختصر'' میں اسی کی تصریح کی ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی یہ مراد ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی شہادت دیتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دیتا ہوں اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور امام مالک سے ان تین روایات کی مثل منقول ہے۔

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کے اس پر دلائل کہ ''اشهد'' کا لفظ بھی قسم میں مستعمل ہے

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ جو کہتے ہیں کہ ''اشهد بالله'' سے قسم مراد ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرف میں اور شرع میں یہ ثابت ہے کہ ''اشهد'' کا لفظ قسموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون: ۱)

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گواہی کو قسم قرار دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون: ۲)

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے شہادت کے لفظ کو قسم میں استعمال کیا۔
اور اسی طرح ''لعان'' میں بھی شہادت کو قسم کے لیے استعمال فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور:۸) اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔

اس آیت میں شہادت کے لفظ کو قسم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کے دلائل کو رد کرنا

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لعان کے ساتھ خاص ہے، اس پر کسی اور مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور پہلی آیت جو ہے جس میں منافقین نے کہا ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں'' وہ قسم کے لیے صریح نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے شہادت دینے کے ساتھ قسم بھی کھائی ہو۔

اور بعض علماء نے اس پر امام ابن ماجہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو رفاعہ بن عوانہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن الفاظ سے قسم کھاتے تھے وہ یہ تھے ''اشهد عند الله'' اور ''والذی نفسی بیدہ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی عبد الملک بن محمد الصنعانی ہے جو ضعیف راوی ہے۔

اور اگر یہ حدیث بالفرض صحیح ہو تو اس کے سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ ''اشهد عند الله'' اور ''والذی نفسی بیدہ'' اس کا مجموعہ قسم ہے نہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک قسم ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے ''ان کی شہادت ان کی قسم پر سابق ہوگی اور ان کی قسم ان کی شہادت پر سابق ہوگی''۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک شہادت اور قسم دونوں باہم مغایر ہیں، کیونکہ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ شہادت میں اور حلف میں تغایر ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے فقہاء احناف پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے اعتراضات کے جوابات

فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ ''اشهد'' کے لفظ کو بھی قسم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس پر انہوں نے قرآن مجید کی دو صریح آیتوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک آیت تو المنافقون ۱۔۲ ہے جس میں منافقین نے یہ کہا:

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱) (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ○

اور منافقین نے جو کہا تھا ''نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

سو اس صریح آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین نے ''اشهد'' کے ساتھ جو قسم کھائی تھی، اس کو قسم قرار دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی

نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ''اشھد'' کے ساتھ قسم بھی کھائی ہو، لیکن یہ صرف دفع الوقتی بات ہے اور محض احتمال ہے اور فقہاء احناف نے جو اس نصِ صریح سے استدلال کیا ہے، اس کے جواب میں یہ عقلی احتمال کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

فقہاء احناف کا دوسرا استدلال بھی قرآن مجید کی صریح آیت سے ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (النور: ۸) اور عورت سے حدِ زنا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ○

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ لعان کے ساتھ خاص ہے، اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ان کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ منافقین نے جو ''نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہا اس کو اللہ تعالیٰ نے قسم قرار دیا اور یہ لعان کا مسئلہ نہیں ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا باطل ہوگیا کہ النور: ۸ میں ''اشھد'' کا قسم کے لیے مستعمل ہونا لعان کے لیے خاص ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے صحیح البخاری: ۶۶۵۸ سے بھی استدلال کیا جس میں یہ مذکور ہے ''پھر ایک قوم آئے گی جن میں سے کسی ایک کی شہادت اس کی قسم پر سابق ہوگی اور اس کی قسم اس کی شہادت پر سابق ہوگی''۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ شہادت اور قسم میں تغایر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مقام پر ایسا ہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی جگہ بھی شہادت قسم کے معنی میں مستعمل نہیں ہوگی، جب کہ فقہاء احناف یہ نہیں کہتے کہ ہر جگہ شہادت قسم کے معنی میں ہوتی ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ شہادت قسم کے معنی میں بھی مستعمل ہوتی ہے اور چونکہ اس حدیث میں شہادت اور قسم میں صریح تغایر کا ذکر ہے اس لیے اس حدیث میں شہادت قسم کے معنی میں نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ کسی جگہ بھی شہادت قسم کے معنی میں نہیں ہوگی۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی پر حیرت ہے کہ انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ تمام بحث پڑھی اور وہ احناف کے بہت بڑے وکیل ہیں لیکن انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں لکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے احناف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان اعتراضات کے جوابات کے لیے اپنے اس بندۂ ناکارہ کو چن لیا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

شیخ ابن عثیمین حنبلی نجدی ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے یہ اعتراضات حنابلہ پر بھی ہیں، انہیں چاہیے تھا کہ وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان اعتراضات کے جوابات لکھتے، لیکن انہوں نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان دلائل سے بالکل تعرض نہیں کیا۔

لفظِ ''اشھد'' سے قسم کے ارادہ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ، لکھتے ہیں:

۱۷۸۹۔ مسئلہ: جب کوئی شخص کہتا ہے ''اقسم باللہ'' یا ''اشھد باللہ'' یا ''اعزم باللہ''۔

یہ عامۃ الفقہاء کا قول ہے اور ہمیں اس میں کسی کے خلاف کا علم نہیں ہے خواہ وہ یمین کا قصد کرے یا مطلقاً کہے، کیونکہ اگر اس نے کہا "باللہ" اور "اقسم" نہیں کہا اور نہ "اشھد" کہا اور نہ کسی فعل کا ذکر کیا، تو یہ قسم ہوگا۔ اور یہ قسم اس وجہ سے ہوگا کہ اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا، کیونکہ باء فعل مقدر کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ پس جب اس نے فعل کو ظاہر کیا اور مقدر کا نطق کیا تو یہ اس کے حکم کو ثابت کرنے میں اولیٰ ہے اور اس کا عرفِ استعمال ثابت ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ۔ (المائدہ:۱۰۶) پس وہ دو گواہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ (النور:۵۳) اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں۔

ان دو آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ لفظِ قسم سے یمین منعقد ہو جاتی ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی قسم یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ۝

اس آیت میں قسم کے اوپر شہادت کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اور لعان کرنے والا اپنے لعان میں یہ کہے "اشھد باللہ انی لمن الصدقین" (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچوں میں سے ہوں) اور عورت کہے "اشھد باللہ انہ لمن الکٰذبین" (میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے)۔

اگر قسم کھانے والا فعل ماضی کے ساتھ ذکر کرے مثلاً "اقسمت باللہ" کہے یا "شھدت باللہ" کہے، تب بھی یہی حکم ہے۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب میں مذکور ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ الی قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۱۔۲) (اے رسولِ مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں ۔۔۔ الی قولہ تعالیٰ: "انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا"۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو قسم فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی شہادت کو قسم فرمایا۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۲۳۱۔ ۲۳۲ ملخصاً وملتقطاً، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نیز علامہ شمس الدین عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ لکھتے ہیں:

۱۱۔ مسئلہ: اور اگر کسی شخص نے کہا "احلف باللہ" یا "اشھد باللہ" یا "اقسم باللہ" یا "اعزم باللہ" تو یہ یمین ہے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہیں کیا تو پھر یہ یمین نہیں ہوگی، سوا اس صورت کے کہ وہ یمین کی نیت کرے، اور امام احمد سے ایک روایت میں ہے کہ یہ یمین ہوگی۔

یہ ہمارے عامۃ الفقہاء کا قول ہے اور ہمیں اس میں کسی خلاف کا علم نہیں ہے، عام ازیں کہ اس نے یمین کی نیت کی ہو یا مطلقاً کہا ہو، اور اگر اس نے کہا: "باللہ" اور "اقسم" نہیں کہا اور نہ "اشھد" کہا اور نہ فعل کا ذکر کیا تب بھی یہ یمین ہوگی، اور یہ یمین

اس لیے ہوگی کہ اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا کیونکہ باء فعل مقدر کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔اور اگر اس نے فعل کو ظاہر کیا یا فعل مقدر کا نطق کیا تو یہ حکم کو ثابت کرنے کے لیے اولیٰ ہے اور اس کے لیے استعمال کا عرف ثابت ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ۔ (المائدہ:۱۰۶) پس وہ دو گواہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ (النور:۵۳) اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی قسم یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

اور لعان کرنے والا اپنے لعان میں یہ کہے ''اشهد بالله انی لمن الصدقین'' (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچوں میں سے ہوں) اور عورت کہے ''اشهد بالله انه لمن الكذبين'' (میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے)۔

اسی طرح اگر وہ فعل ماضی کو ذکر کرے، پس کہے ''اقسمت'' یا کہے ''شهدت'' تب بھی یہی حکم ہے۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب میں مذکور ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ۔۔۔ الی قوله تعالٰی اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۱،۲) (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔۔۔الیٰ قولہ تعالیٰ: ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا''۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو قسم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت کو قسم فرمایا۔

(الشرح الکبیر مع المغنی ج ۱۳ ص ۲۰۵۔۲۰۷، ملخصاً وملتقطا، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

لفظِ شہادت سے قسم کے وقوع کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ، لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا ''اشهد'' یا ''اشهد بالله'' تو وہ حلف اٹھانے والا ہے، کیونکہ یہ الفاظ حلف میں مستعمل ہوتے ہیں اور یہ صیغہ حال کے لیے حقیقۃً ہے اور قرینہ کے ساتھ استقبال میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کو اس حال میں حلف اٹھانے والا قرار دیا جائے گا اور شہادت قسم ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱) (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

(ہدایہ اولین ص ۴۷۸، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

امام برہان الدین ابوالمعالی محمد بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

۷۴۷۶۔ اور اگر کسی نے کہا: ”میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں، یا شہادت دیتا ہوں یا اللہ کی شہادت دیتا ہوں، یا عزم کرتا ہوں یا اللہ کی مدد سے عزم کرتا ہوں“ تو یہ قسم ہے۔ (المحیط البرہانی ج ۶ ص ۶۵، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی شخص نے کہا کہ ”میں شہادت دیتا ہوں“ تو یہ قسم ہے۔ علامہ مرغینانی نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون:۱) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے قول کی خبر دی ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، سو یہ ان کی قسم ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، یہ ان کی قسم ہے۔ اور انہوں نے ان قسموں کو ڈھال بنانے کا ارادہ کیا ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ شہادت قسم کے قائم مقام ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہ اس کو قسم کی جگہ کہتا ہے اور اس سے تاکید کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا ہی شریعت کے اندر معروف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قسم کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چھوڑ دے یعنی اللہ کے غیر کی قسم کھانا حرام اور ممنوع ہے اور مسلمان کے حال سے ظاہر یہ ہے کہ وہ اس چیز کو کرے گا جو مشروع ہوگی۔ اور چونکہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا معروف ہے، اسی لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے، جب کوئی شخص کہے میں حلف اٹھاتا ہوں یا میں گواہی دیتا ہوں یا میں قسم کھاتا ہوں، تو یہ صرف قسم ہوگی جیسا کہ شریعت میں معروف ہے۔ اور صاحب التحفہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۸ ص ۱۶۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان، پاکستان)

۱۱۔ بَابُ: عَهْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اللہ تعالیٰ کے عہد کو قسم کے لیے استعمال کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ میں ضرور فلاں کام کروں گا یا ضرور فلاں کام نہیں کروں گا۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا کہ آیا یہ الفاظ قسم ہیں یا نہیں، اور نہ اس باب کی حدیث میں اس لفظ کا بیان ہے، یہ لفظ صرف آل عمران: ۷۷ میں ہے جس میں ”عهد الله“ کا لفظ قسم کے لیے استعمال کیا ہے، تو گویا امام بخاری نے اس کو

ترک کر دیا، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جو شخص اس حقیقت کا طالب ہوگا وہ خود تلاش کر لے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ يَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَوْ قَالَ أَخِيهِ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (آل عمران: ۷۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان اور منصور از ابی وائل از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی تا کہ وہ اس قسم سے کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کر لے یا فرمایا: اپنے بھائی کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (آل عمران: ۷۷)

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۲، مسند احمد: ۴۲۰۰)

۶۶۶۰۔ قَالَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ فَمَرَّ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَا يُحَدِّثُكُمْ عَبْدُ اللهِ قَالُوا لَهُ فَقَالَ الْأَشْعَثُ نَزَلَتْ فِيَّ وَفِي صَاحِبٍ لِي فِي بِئْرٍ كَانَتْ بَيْنَنَا۔

سلیمان نے اپنی حدیث میں کہا: پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ گزرے تو انہوں نے کہا: تمہیں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے متعلق کیا بتایا ہے؟ تو انہوں نے اس حدیث کو بیان کیا، حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ آیت میرے اور میرے ایک صاحب کے متعلق نازل ہوئی، ہمارے درمیان ایک کنویں کے متعلق تنازع تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۲، مسند احمد: ۴۲۰۰)

صحیح البخاری: ۶۶۵۹۔ ۶۶۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''عھد اللہ'' کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی ''عھد اللہ'' کا ذکر ہے، تو اس طرح حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی عدی، یہ محمد بن ابی عدی ہیں اور ان کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الشرب کے باب ''الخصومۃ فی البئر'' میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو از عبدان از ابی حمزہ از سلیمان الاعمش از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی تعلیق میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ الاعمش ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس حضرت اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ گزرے اور انہوں نے کہا کہ یہ آیت میرے متعلق اور میرے ایک صاحب کے متعلق نازل ہوئی ہے''۔ اور کتاب الشرب کی روایت میں ہے کہ ''میرے چچازاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا''۔

لفظ ''عہد'' کے ساتھ قسم کھانے کے احکام

اگر کسی شخص نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا وعدہ ہے'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ ہوگا۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر اس نے اس سے قسم کا ارادہ کیا ہے تو کفارہ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ اور علامہ الدمیاطی نے کہا ہے کہ جب اس نے کہا: مجھ پر اللہ کا وعدہ ہے، تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ کہے ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' یا کہے ''میں تجھ کو اللہ کا عہد دیتا ہوں''۔ اور اگر اس نے کہا: ''میں اللہ سے معاہدہ کرتا ہوں'' تو ابن ابی حبیب نے کہا کہ اس پر قسم کا کفارہ ہے اور ابن شعبان نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور امام مالک نے کہا: جب کسی شخص نے کہا: مجھ پر اللہ کا عہد ہے اور اس کا میثاق ہے، تو اس پر دو کفارے ہیں، سوا اس صورت کے کہ وہ تاکید کی نیت کرے تو پھر یہ ایک قسم ہوگی اور امام شافعی نے کہا: اس پر ایک کفارہ ہوگا۔ اور مطرف اور ابن الماجشون اور عیسیٰ بن دینار نے بھی یہی کہا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اس نے کہا ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' پھر قسم توڑ دی تو اس پر ایک غلام کو آزاد کرنا لازم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۵۔۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظِ ''عہد'' کے ساتھ قسم منعقد ہونے میں فقہاء اسلام کے مذاہب

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی نے کہا: جس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا خواہ اس نے قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور یہ قول طاؤس، شعبی، النخعی، الحکم، الحسن البصری، قتادہ اور مجاہد سے منقول ہے۔

اور عطاء سے روایت ہے کہ لفظِ ''عہد'' قسم نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ اس لفظ سے قسم کی نیت کرے اور یہی امام شافعی، امام ثور اور امام ابوعبید کا قول ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ جو لفظِ عہد کے ساتھ انعقادِ قسم کے قائل ہیں ان کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

پس لفظِ ''عھد اللہ'' کو تمام قسموں پر مقدم کیا گیا ہے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ لفظِ عہد کے ساتھ تاکید کے لیے قسم کھائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہمیں اکابر لفظِ عہد کے ساتھ قسم کھانے سے منع کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظِ عہد کے ساتھ قسم بہت سخت مؤکد ہوتی ہے اور اس میں یہ خطرہ ہے کہ شاید وہ قسم پوری کرنے میں کوتاہی کرے گا۔ پس اللہ کا عہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لیا ہے یا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عہد عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیرلی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے ○

اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس کو پورا نہیں کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ۔ (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

پس اللہ تعالیٰ نے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا، پھر اس آیت پر عطف کر کے فرمایا:

وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا (النحل: ۹۱)

اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔

اور اس سے پہلے صرف عہد کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد نہ توڑو، تو اس سے معلوم ہوا کہ ''عہد اللہ'' سے مراد ایسی قسم ہے جو مؤکد ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب کسی شخص نے کہا ''علیّ عہد اللہ'' (مجھ پر اللہ کا عہد لازم ہے) تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عہد ہو جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یٰس:٦٠)

اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

اور جب اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ معہود ہوگا تو پھر یہ قسم نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا قسم ہونا بعد میں معروف ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کہا ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' تو یہ اس کا غیر ہے جو اللہ تعالیٰ کا معہود ہے، کیونکہ عرف اور عادت میں یہ جاری نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ''علی معهود الله'' (مجھ پر اللہ کا معہود ہے) اور عرف اور عادت میں صرف یہ جاری ہے کہ آدمی یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا عہد ہے اور اس سے مراد قسم ہوگی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، ج ٦ ص ١٠٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٤ھ)

١٢- بَابُ: الْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلِمَاتِهِ

اللہ تعالیٰ کی عزت، اور اس کی صفات اور اس کے کلمات سے قسم کھانے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دعا کرتے تھے: میں اللہ کی عزت اور اس کے غلبہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مرد جنت اور دوزخ کے درمیان باقی رہے گا، پس وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے چہرہ کو دوزخ سے پھیر دے، اور تیری عزت کی قسم میں اس کے سوا اور کسی چیز کا تجھ سے سوال نہیں کروں گا۔

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اللهُ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: تیرے لیے یہ بھی ہے اور اس جیسی دس مثالیں بھی ہیں۔

وَقَالَ أَيُّوبُ: وَعِزَّتِكَ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: اور تیری عزت کی قسم! مجھے تیری برکت سے استغنا نہیں ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی عزت، اور اس کی صفات اور اس کے کلمات کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھانے کا کیا طریقہ ہے مثلاً بندہ یوں کہے: ''اور اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم! میں ضرور اس طرح کام کروں گا'' یا کہے ''اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا''۔ اور یہ قسم ہے اور اس میں کفارہ لازم ہے۔

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا ہے ''وصفاته'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم کھانا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک نے المدونہ میں کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اس کے تمام اسماء کے ساتھ قسم کھانا لازم ہے جیسے السمیع، البصیر، العلیم، الخبیر، اللطیف، یا اس نے کہا: اور اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اور اس کی کبریائی کی قسم، اور اس کی قدرت کی قسم، اور اس کے موت دینے کی قسم۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ سب قسمیں ہیں اور ان میں کفارہ لازم ہے۔

علامہ ابن المنذر نے اسی کی مثل فقہاء کوفہ سے نقل کی ہے جب کسی شخص نے کہا: ''اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قسم اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی قسم اور اللہ تعالیٰ کے جلال کی قسم اور اللہ تعالیٰ کے موت دینے کی قسم'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ لازم ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم کے ساتھ قسم کھانے کا یہی حکم ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے حق اور اللہ تعالیٰ کے موت دینے کی قسم کھائی، اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کا ارادہ کیا تو یہ قسم ہے ورنہ پھر یہ قسم نہیں ہے۔

اور علامہ ابوبکر رازی حنفی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی مرد کہے ''اور اللہ کے حق کی قسم اور اللہ کے موت دینے کی قسم'' تو یہ قسم نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو شخص قسم اٹھائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے''۔

اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا ہے ''وکلماته''۔ یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلمات کی قسم اٹھائے مثلاً قرآن کی قسم کھائے یا یہ قسم کھائے کہ جو اللہ نے نازل کیا اس کی قسم، اور اس میں اختلاف ہے کہ جس نے قرآن کی قسم کھائی یا مصحف کی قسم کھائی یا جو اللہ نے نازل کیا اس کی قسم کھائی، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے لیے ایک قسم کا کفارہ دے اور یہی حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام تغلیظ پر محمول ہے اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے: جب کسی شخص نے مصحف کی قسم کھائی تو اس پر قسم کا کفارہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے اس شخص کے متعلق جس نے قرآن کی قسم کھائی اور امام ابوعبید کا بھی یہی قول ہے اور عطاء نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: ''میں تیری عزت کی پناہ طلب کرتا ہوں''۔

اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از یحییٰ بن معمر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ایک مرد کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ''تیری عزت کی قسم میں تجھ سے اس کے علاوہ سوال نہیں کروں گا''۔

یہ تعلیق عنقریب تفصیل کے ساتھ ''باب الصراط جسر جھنم'' میں گزر چکی ہے۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اس دعاء کا ذکر ہے انہوں نے عرض کی ''تیری عزت کی قسم! مجھے تیری برکت سے استغناء نہیں ہے''۔

یہ تعلیق کتاب الوضوء میں ''باب من اغتسل عریانا وحدہ'' میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے تو ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گری، پس حضرت ایوب علیہ السلام اس پر اپنا کپڑا ڈالنے لگے تو ان کے رب نے ان کو نداء کی: اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا جس کو تم دیکھ رہے ہو تو حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں! اور تیری عزت کی قسم! لیکن مجھے تیری برکت سے استغناء نہیں ہے۔ اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۶۔ ۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَقُولُ قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ مسلسل یہ کہتی رہے گی: کیا کچھ اور بھی ہیں! حتیٰ کہ رب العزت دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا، پھر دوزخ کہے گی: بس بس اور تیری عزت کی قسم! (میں بھر گئی) اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں گے۔

اس حدیث کی شعبہ نے از قتادہ روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری:۴۸۴۸، صحیح مسلم:۲۸۴۸، سنن ترمذی:۳۲۷۳، مسند احمد:۱۲۹۸۹)

صحیح البخاری:۶۶۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں مذکور ہے "بعزة الله" اور اس حدیث میں مذکور ہے "وعزتك"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے اور ان کی اصل خراسان سے ہے اور یہ عسقلان میں رہے۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبان کا ذکر ہے، ان کا بیان عنقریب کیا جاچکا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے "صفة النار" کے باب میں ذکر کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور جہنم کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہیں!"

علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "هل من مزيد" مجاز ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ استفہام ہو یعنی دوزخ اور زیادہ دوزخیوں کو طلب کرتی ہے۔ اور یہ دونوں وجہیں اس لیے جائز ہیں کہ استفہام میں ایک نوع کا انکار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۞" (ہود:۱۱۹) "میں تمام (کافر) جنات اور انسانوں سے ضرور جہنم کو پُر کردوں گاO" اس لیے اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا: کیا تو پُر ہوگئی؟ اور وہ کہے گی: کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ جہنم میں نُطق پیدا کردے گا جس طرح وہ انسان کے اعضاء میں نُطق پیدا فرمائے گا اس لیے وہ جواب دے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں کفار کو ڈالا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟ یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، پھر دوزخ کے بعض حصے بعض حصوں کی طرف سکڑ جائیں گے اور وہ کہے گی: بس بس! تیری عزت اور کرم کی قسم! (صحیح البخاری:۶۶۶۱)

دوزخ میں رب العزت کے قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ رب العزت دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا"۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

اور علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ "قدم" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ مقرر ہے کہ وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اور النضر بن شمیل نے کہا ہے کہ قدم سے مراد یہاں پر کفار ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم ہے کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہیں۔اور قدم کو متقدم پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ عرب متقدم چیز کو قدم کہتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ قدم سے مراد وہ مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پیدا کرے گا اور اس کا نام قدم رکھے گا اور اس کی اپنی طرف اضافت کرے گا اور فرشتہ اس کو دوزخ میں رکھ دے گا، پس دوزخ اس سے بھر جائے گی۔

اور دوسرا قول ہے کہ قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے کہتے ہیں: ''ضرب الامیر اللص'' (امیر نے چور کو مارا) یعنی امیر نے چور کو مارنے کا حکم دیا۔

اور خلیل سے اس خبر کے معنی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی طرف مقدم کرے گا۔

اور عبداللہ بن المبارک سے منقول ہے کہ قدم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم ہے کہ یہ اہلِ دوزخ سے ہیں اور ہر وہ چیز جو مقدم ہو، اس کو قدم کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ○ (یونس:۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پہ وحی نازل کی ہے کہ آپ (غافل) لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے، (اس پر) کافروں نے کہا: بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے ○

اس آیت میں ''قدم صدق'' سے مراد وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو انہوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجے۔

اور حسان بن عطیہ سے روایت ہے ''حتیٰ کہ جبار اپنا قدم رکھے گا'' اور اسی طرح وہب بن منبہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ایک قوم کو پیدا کیا جن کو قدم کہا جاتا ہے، ان کے سرکتوں کے سروں کی طرح ہیں اور جانوروں کے سروں کی طرح ہیں اور ان کے باقی اعضاء بنو آدم کے اعضاء کی طرح ہیں، انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، اللہ تعالیٰ جہنم کو ان سے بھر دے گا جس وقت کہ جہنم زیادتی کو طلب کرے گی۔

اگر تم سوال کرو کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے ''حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دوزخ میں اپنا پیر رکھ دے گا تو دوزخ کہے گی: بس بس! اور اس وقت دوزخ بھر جائے گی''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پیر سے مراد ہے لوگوں کا عددِ کثیر اور اس میں اضافت بطورِ ملک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قط قط'' اس پر بحث سورہ ق کی تفسیر میں گزر چکی ہے، اس کا معنی ہے: مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے اور میں بھر گئی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جہنم کی آواز سے حکایت ہے۔الجوہری نے کہا: جب کہ حسبی کا معنی اکتفاء ہے تو قط کے لفظ میں قاف پر زبر ہے اور طاء ساکن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویزوی'' یعنی دوزخ کے اجزاء کو باہم جمع کیا جائے گا اور اکٹھا کیا جائے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۲۸۷۔۲۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات پر قسم کھانے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے پر دلیل یہ ہے کہ اہل السنۃ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے اسماء ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے اسماء کے علاوہ اس کی صفات ہوں، پس صفات کی قسم کھانا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء کی قسم کھائی جائے اور اس میں قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ حلف اٹھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" (اس ذات کی قسم جو دلوں کو پلٹنے والی ہے) اور اللہ کے بندوں کے دلوں کو پلٹنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور شارع علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کی قسم کھائیں جو قسم نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حلف اٹھانے والا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے حلف اٹھائے"۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷۹، کتاب الشہادۃ، صحیح مسلم: ۱۶۴۶، کتاب الایمان)

علامہ اشہب نے کہا ہے: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی امانت کی قسم کھائی جو امانت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو یہ قسم ہے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی امانت سے مراد اس کو لیا جو بندوں کے درمیان امانتیں ہیں تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔

اور ابن سحنون نے کہا: قرآن مجید میں ہے:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ (الصافات: ۱۸۰) آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O

اس صفت سے مراد وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں پیدا کیا ہے اور جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے کو منسوب کرتے ہیں۔
اور ابن سحنون نے کہا کہ تفسیر میں وارد ہے کہ عزت سے مراد یہاں پر فرشتے ہیں اور اس قول کی طرف ابن سحنون گئے ہیں۔
اور شاید وہ اس لیے گئے ہیں کہ عزت سے مراد "مربوبة" کو نہ لیا جائے یعنی وہ صفت نہ لی جائے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا محلِ حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور ان کا یہ وہم صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظِ رب کلامِ عرب میں کسی چیز کے مالک اور مستحق کے لیے مستعمل ہے اور یہ حدث اور خلق پر دلالت نہیں کرتا، پس صاحب الدابہ کو کہا جاتا ہے "رب الدابة" اور صاحب الدار کو کہا جاتا ہے "رب الدار"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ (فاطر: ۱۰) جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المنافقون: ۸) حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ فاطر: ۱۰ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت کے ساتھ منفرد ہے اور المنافقون: ۸ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے رسول اور مومنین کو بھی عزت حاصل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں ان دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ جو عزت رسول اور مومنین کے لیے ہے وہ بھی حقیقت میں اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ وہی اس کا حقیقت میں مالک ہے اور اسی نے اس کو پیدا کیا ہے، لہٰذا تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞" یعنی عزت کا مالک اور اس کا مستحق وہ صرف اللہ عزوجل ہے اور وہ ہمیشہ عزت کے ساتھ موصوف ہے اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عزت مخلوق کی عزت کے مشابہ نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منزہ فرمایا ہے "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞" (الصافات: ۱۸۰) "آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں"۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو اسی صفت کے ساتھ منزہ فرمائے گا جو بندوں کی صفات کے مبائن اور ان کے خلاف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مثل ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور مصحف کی قسم کھانے میں مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے قرآن مجید کی قسم کھائی یا مصحف کی قسم کھائی یا جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کی قسم کھائی، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے یہ قسم کھائی اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے بدلہ میں ایک قسم کا کفارہ دے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۴۸۲)

الحسن البصری اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے اور ابن القاسم نے "العتبیة" میں کہا ہے کہ جب اس نے مصحف کی قسم کھائی اور پھر اس قسم کے خلاف کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

امام شافعی نے کہا: "القرآن کلام اللہ" قرآن اللہ کا کلام ہے اور امام ابوعبید کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام ابوعبید نے کہا: جس نے قرآن کی قسم کھائی اس پر کفارہ نہیں ہے اور یہی عطاء کا قول ہے۔ اور علی بن زیاد نے امام مالک سے اسی کی مثل نقل کی ہے، البتہ ان کے مذہب میں معروف اس روایت کے خلاف ہے۔

اسماعیل بن ابی اویس نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام میں سے کوئی چیز مخلوق نہیں ہے۔ پس امام مالک کا یہ قول قطعیت کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ جس نے قرآن کی قسم کھائی اور اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہے جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کی قسم کھائی اور یہ اہل السنة کا مذہب ہے۔

(النوادر والزیادات ج ۴ ص ۱۶)

اور علامہ ابن المنذر نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی عزت اور اس کے جلال اور اس کی کبریائی کی قسم کھائی اور پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہے، پس اللہ کا کلام بھی اس کی صفت ہے تو اس کی قسم کو کھا کر اس کے خلاف کرنے پر کفارہ کا لازم ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

اور یہ علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جس نے وجہ اللہ کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ

ہے، پس اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر بھی کفارہ لازم ہوگا۔

رہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اس پر قرآن مجید کی ہر آیت کے بدلہ میں ایک کفارہ لازم ہوگا تو یہ تغلیظ پر محمول ہے اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر صورت کے لیے کفارہ ہے اور دوسرا یہ کہے کہ اس پر قرآن مجید کے ہر کلمہ کے لیے کفارہ ہے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ بات کافی ہے کہ جس نے قرآن کے ساتھ حلف اٹھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ حلف اٹھایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۹۴۔۲۹۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کے محامل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ پُر نہیں ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پیر رکھ دے گا اور وہ کہے گی: بس بس! اس وقت وہ پر ہو جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے، پس اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا۔ (صحیح البخاری: ۲۸۵۰، صحیح مسلم: ۲۸۴۶، سنن ترمذی: ۲۸۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰)

متقدمین کے نزدیک قدم میں کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور کسی چیز پر اپنا قدم رکھنا اس چیز کی اہانت کو مستلزم ہوتا ہے، تو جب دوزخ مزید بھراؤ کا مطالبہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بہ ظاہر یہ آیت اور حدیث اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے اعضاء کو مستلزم ہیں تو انہوں نے قدم کی مختلف تاویلیں کیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) قدم سے مراد مقدم اعمال ہیں یعنی اہلِ دوزخ جو برے اعمال پہلے کر چکے ہیں ان اعمال کو مجسم کر کے دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔

(۲) اس سے مراد بعض مخلوق کے قدم ہیں۔

(۳) ایک مخلوق کا نام قدم ہے، اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۴) قدم انسان کے اعضاء کے آخر میں ہوتا ہے، پس جو آخری مخلوق دوزخ کی اہل ہوگی، اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۵) جن موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا ان کے بدلہ میں یہود اور نصاریٰ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور کیونکہ وہ موحدین پر مقدم ہیں اس لیے ان کو قدم سے تعبیر فرمایا۔

(۶) ابلیس کفر میں سب پر مقدم ہے، اس لیے قدم سے مراد ابلیس ہے۔

(۷) بعض روایات میں قدم کی جگہ "رِجل" کا لفظ ہے یعنی پیر، اس کی بھی یہی تاویل ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یا کسی مخلوق کا نام رِجل (پیر) ہے، اس سے وہ مخلوق مراد ہے۔

(۸) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور اس سے جنت کو بھر دے گا، اور دوزخ کے ذکر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ

کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔یعنی کوئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بے قصور دوزخ میں داخل نہیں کرے گا، جب کہ بغیر کسی استحقاق کے ایک مخلوق کو جنت میں داخل کر دے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کسی عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت عطا فرمادے گا جنہوں نے کوئی عمل نہیں کیا جیسے کم سن بچے۔اور عذاب دینا کفر اور برے اعمال پر موقوف ہے،سو وہ کسی بے قصور کو عذاب نہیں دے گا۔(فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۳۔۵۷۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

۱۳۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لَعَمْرُ اللهِ

کسی شخص کا یہ کہنا کہ ''اللہ کی عمر کی قسم''
یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات اور اس کی بقا کی قسم

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَعَمْرُكَ: لَعَيْشُكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لعمرك'' کا معنی ہے: آپ کی زندگی کی قسم۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے ''لعمر اللہ''۔امام بخاری نے اس قسم کھانے کا حکم بیان نہیں کیا، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ طالب علم خود اس کے حکم کو تلاش کر لے گا اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی حیات اور اس کی بقاء کی قسم۔

اور الزجاج نے کہا ہے: ''لعمر اللہ'' کا معنی ہے: گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بقاء کی قسم کھائی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ''لعمر اللہ'' کہنا فقہاء کوفہ اور امام مالک کے نزدیک قسم ہے، اور امام شافعی نے کہا: یہ کنایہ ہے، یعنی بغیر نیت کے یہ قسم نہیں ہوگی۔امام اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔اور جب اس نے کہا ''لعمری'' تو الحسن البصری نے کہا: اگر اس نے یہ قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ ہے اور باقی فقہاء نے کہا کہ یہ قسم نہیں ہے، اگر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''لعمرك'' کا معنی ہے آپ کی زندگی کی قسم''۔اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو اس آیت کی تفسیر میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے ''لعمرك'' کا معنی ہے: آپ کی حیات کی قسم! پس حیات اور عیش کا معنی ایک ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۲۔ حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ قَالَ لَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب ح اور ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: میں

أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ وَفِيهِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فَقَالَ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ لَعَمْرُ اللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ۔

نے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ سے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی زوجہ ہیں، جب ان کے متعلق اہل افک (تہمت لگانے والوں نے) جو کہا سو کہا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری کر دیا، اور ہر ایک نے اپنی حدیث میں اس حدیث کا ایک جملہ بیان کیا، اور اس حدیث میں ہے کہ پس نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے عبد اللہ بن ابی سے عذر کو طلب کیا، تو حضرت اُسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی حیات کی قسم! ہم ضرور اس کو قتل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۳، ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۴۰۲۵، ۴۱۴۱، ۴۶۹۰، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۷، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷، سنن احمد: ۲۴۳۳۸، سنن دارمی: ۲۲۰۸)

صحیح البخاری: ۶۶۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''کسی شخص کا لعمر اللہ کہنا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی حیات کی قسم! ہم اس کو ضرور قتل کریں گے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاویسی، اس میں اُویس کی طرف نسبت ہے اور یہ اوس کی تصغیر ہے اور اوس وہ ابن سعد بن ابی سرح ہیں، ان کی طرف ایک جماعت منسوب ہوتی ہے، ان میں سے ابو القاسم عبد العزیز بن عبد اللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اوس ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ مدنی ہیں اور بہت سچے ہیں، یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، اور یہ ابن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، یہ ابن کیسان ہیں جو محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ اس حدیث کی پہلی سند کے رجال ہیں۔

اور اس حدیث کی دوسری سند میں حجاج کا ذکر ہے، یہ فعّال کے وزن پر ہے، یہ ابن منہال ہیں الانماطی البصری ہیں، یہ عبد اللہ بن عمر النمیری سے روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید الایلی از الزہری۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور یہ متعدد مقامات پر گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب الشہادات میں از ابی الربیع گزر چکی ہے۔ اور کتاب المغازی اور کتاب التفسیر اور کتاب الایمان میں از عبد اللہ بن عبد اللہ گزر چکی ہے۔ اور عنقریب یہ کتاب

التوحید اور کتاب الاعتصام میں بھی آئے گی، اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستعذر" یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول کی لگائی ہوئی تہمت سے میرا عذر کون قبول کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ (البقرہ:۲۲۵)

۱۴۔ باب:

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بردبار ہے O

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان سورۂ بقرہ: ۲۲۵ ہے۔ اور سورۃ المائدہ: ۸۹ میں جو آیت ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الایمان کے شروع میں ذکر کیا ہے اور وہاں پر لغو کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے، یعنی جو بلا ارادہ اور بلا قصد قسم کھائی جائے اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو قصد اور ارادہ کے ساتھ قسم کھائی جائے اور پھر اس کو پورا نہ کیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ قَالَ قَالَتْ أُنْزِلَتْ فِي قَوْلِهِ لَا وَاللّٰهِ بَلَى وَاللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ" (البقرہ:۲۲۵) کی تفسیر میں بیان کیا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ آیت کسی شخص کے اس قول کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتا ہے لا واللہ، وبلیٰ واللہ۔ (نہیں اللہ کی قسم، اور کیوں نہیں اللہ کی قسم!)

(صحیح البخاری: ۴۶۱۳، ۶۶۶۳، سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴، موطا امام مالک: ۱۰۳۲)

صحیح البخاری: ۶۶۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان سورۃ البقرہ: ۲۲۵ ہے، اور اس حدیث

میں بھی سورۃ البقرہ: ۲۲۵ کو بیان کیا گیا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں اور ہشام کا ذکر ہے وہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ابو عمر نے کہا: یحییٰ بن سعید اس آیت کریمہ کے نزول کے سبب میں منفرد ہیں اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''لا واللہ، بلیٰ واللہ'' کے یمینِ لغو ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے دلائل

اس عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان میں سورۃ البقرہ: ۲۲۵ مراد ہے، کیونکہ سورۃ المائدہ: ۸۹ کو امام بخاری نے کتاب الایمان کے شروع میں ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور وہاں پر لغو کی تفسیر گزر چکی ہے۔

امام شافعی نے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ مذکور سے استدلال کیا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول کے موقع پر حاضر تھیں، پس وہ دوسروں کی بہ نسبت اس آیت کو زیادہ جاننے والی ہیں اور انہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب کوئی شخص بات بات پر کہے ''لا واللہ، بلیٰ واللہ'' اور یہی یمینِ لغو ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام ابو جعفر طبری التوفی ۳۱۰ھ نے حسن بصری سے تیر اندازوں کے قصہ میں مرفوعاً روایت کی ہے کہ ان میں سے جب کوئی شخص تیر پھینکتا تو قسم کھا کر کہتا کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے، پھر ظاہر ہوتا کہ اس کا تیر نشانے پر نہیں لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیر اندازوں کی قسمیں لغو ہیں، ان میں کوئی کفارہ نہیں ہے اور نہ کوئی سزا ہے، اس حدیث میں یمینِ لغو کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ محدثین حسن بصری کی مراسیل پر اعتماد نہیں کرتے تھے، کیونکہ حسن بصری ہر ایک سے روایت لے لیتے تھے۔

یمینِ لغو کے متعلق دیگر مذاہب

اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور اس کا گمان اسی طرح ہو، پھر اس کے گمان کے خلاف ظاہر ہو، سو یہ ماضی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قسم مستقبل میں بھی داخل ہوتی ہے بایں طور کہ وہ کسی چیز کے متعلق قسم کھائے اور اس کا گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے، پھر جو اس نے قسم کھائی تھی اس کے خلاف ظاہر ہو، اور ربیعہ اور امام مالک اور مکحول اور امام اوزاعی اور اللیث کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

اور علامہ ابن المنذر وغیرہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے اور القاسم سے، عطاء

سے، شعبی سے، طاؤس سے اور حسن بصری سے اس کی مثل روایت کی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔
اور ابی قلابہ سے منقول ہے کہ ''لا واللہ، اور' بلی واللہ'' یہ عرب کی لغات میں سے ایک لغت ہے، اس سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا، یہ کلام کے صلہ سے ہے اور اسماعیل القاضی نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک آدمی غصہ میں کوئی قسم کھائے، اور انہوں نے بعض تابعین سے کئی اقوال ذکر کیے ہیں۔ اور اس کا حاصل آٹھ اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول ابراہیم النخعی کا ہے کہ وہ کسی چیز پر قسم کھائے کہ وہ نہیں کرے گا، پھر وہ بھول جائے اور اس کام کو کر لے، اس کی روایت امام طبری نے کی ہے اور امام عبدالرزاق نے اس کی اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کی ہے اور ان سے روایت ہے: یہ ایسے ہے جیسے کوئی مرد کہے اور اللہ کی قسم یہ بات اس طرح ہے، اور وہ یہ گمان کرتا ہو کہ وہ سچا ہے اور اس طرح سے نہ ہو۔
اور امام طبری نے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ کوئی شخص غصہ میں قسم کھائے۔ اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ اس کو حرام قرار دے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور یہ اس خبر کے معارض ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں کفارۂ قسم واجب ہوتا ہے۔
اور ایک قول یہ ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ ایک شخص اپنے خلاف دعا کرے: اگر اس نے ایسا کیا، پھر وہ ایسا کرے اور یہ معصیت کی قسم ہے اور عنقریب تین ابواب کے بعد اس پر بحث آئے گی۔
علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے: یہ کہنا کہ یمینِ لغو، یمینِ معصیت ہے باطل ہے کیونکہ جو شخص معصیت کے ترک پر قسم کھاتا ہے وہ اپنی قسم کو عبادت قرار دیتا ہے اور جو شخص معصیت کے فعل پر قسم کھاتا ہے تو اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس سے کہا جائے گا کہ تم اس قسم کو پورا نہ کرو اور اپنی قسم کا کفارہ دو اور اگر اس نے اس کے خلاف کیا اور جس پر قسم کھائی ہے وہ کام کیا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔
ابن العربی نے کہا ہے: جس نے یہ کہا کہ یہ یمینِ غضب ہے اس کو یہ چیز رد کرتی ہے جو احادیث سے ثابت ہے یعنی جو اس باب میں مذکور ہے اور جس نے یہ کہا کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ انسان اپنے خلاف دعا کرے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ ہوگا یا اس نے نہیں کیا، پس لغو وہ بطریق کفارہ ہے اور قسم منعقد ہو جائے گی اور تحقیق یہ ہے کہ اس سے مواخذہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ انسان کو اپنے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔
اور جس نے یہ کہا کہ یہ وہ قسم ہے جس میں کفارہ ہوتا ہے اس کا یمینِ لغو سے تعلق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو سے مواخذہ کو مطلقاً اٹھا لیا ہے، پس یمینِ لغو میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کفارہ۔ پس یمینِ لغو کی اس کے ساتھ کیسے تفسیر کی جائے گی جس میں کفارہ ہے، اور کفارہ کا ثبوت مواخذہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۷۲۷۔ ۷۲۸، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

یمینِ لغو کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:
وہ قسم جو انسان کی زبان پر اس کی بات کے دوران بلا قصد جاری ہوتی ہے اس میں کوئی کفارہ نہیں ہوتا، یہ اکثر اہلِ علم کا قول ہے

کیونکہ یہ یمینِ لغو ہے۔ عبد اللہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: لغو میرے نزدیک وہ قسم ہے کہ ایک آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ چیز اسی طرح سے ہے اور ایک مرد قسم کھائے اور اس کے دل میں کسی چیز کا عقد نہ ہو اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے جس قسم کے ساتھ اس کے دل کا عقد نہیں ہوتا وہ حضرت عمر ہیں، حضرت عائشہ ہیں رضی اللہ عنہا۔ اور یہی عطاء، القاسم، عکرمہ، شعبی اور امام شافعی کا قول ہے، کیونکہ عطاء سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی یمینِ لغو مرد کا وہ کلام ہے جو اس کے گھر میں ہو "لا واللہ، وبلی واللہ"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴)

اور عطاء نے کہا: اس حدیث کی روایت زہری نے اور عبد الملک بن ابی سلیمان نے اور مالک بن مغول نے از عطاء از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موقوفاً کی ہے اور زہری نے روایت کی ہے کہ عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو جھگڑے کے دوران ہوں اور مذاق کے دوران ہوں اور وہ بات جس کے ساتھ دل کا عقد نہ ہو۔ اور کفارہ کی قسمیں وہ ہیں ہر وہ قسم جس میں کسی چیز پر قسم کھائے حالتِ غضب میں یا دوسری حالت میں کہ وہ ضرور یہ کام کرے گا یا وہ ضرور یہ کام ترک کرے گا، پس یہ ان قسموں کا عقد ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو فرض کیا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۴۹)

اور اس لیے کہ لغو کلامِ عرب میں اس کلام کو کہتے ہیں جس میں زبان کی بات پر دل کا عقد نہ ہو اور یہ اسی طرح ہے۔ اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ اس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا وہ حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو مالک، حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری، النخعی اور امام مالک ہیں اور یہ ان فقہاء کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ یہ یمینِ لغو ہے، اور اس مسئلہ میں ہمیں کسی کے خلاف کا علم نہیں ہے اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

جس قسم پر مواخذہ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں قسم پوری نہ کرنے کی صورت میں کفارہ لازم کیا ہے اور یمینِ لغو میں مواخذہ کی نفی کفارہ کی نفی کو مستلزم ہے کیونکہ مواخذہ کرنے میں یہ احتمال ہے کہ اس میں کفارہ کو واجب کیا ہے اس دلیل سے کہ کفارہ ان قسموں میں واجب ہوتا ہے جن قسموں میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جب کہ مواخذہ کفارہ کو واجب کرتا ہے اور یمینِ لغو میں اس کی نفی کر دی ہے تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے جن صحابہ کا نام لیا ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مخالف ہو تو گویا اس پر اجماع ہو گیا اور اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو لغو کی تفسیر کی ہے اور ان قسموں کا بیان کیا ہے جن میں کفارہ ہے تو اس سے کلام اللہ کی تفسیر نکل آئی اور صحابی کی تفسیر مقبول ہے۔

۱۷۸۲۔مسئلہ: اور جس نے کسی چیز پر قسم کھائی اور وہ اپنی قسم کے مطابق گمان کرتا تھا اور واقع میں اس طرح نہیں ہے جس طرح اس نے قسم کھائی ہے تو اس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھی یمینِ لغو ہے۔

اور اکثر اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ اس قسم میں کفارہ نہیں ہے، اس کو علامہ ابن المنذر نے بیان کیا ہے اور وہ اس کو حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو مالک اور حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ یمینِ لغو ہے وہ مجاہد ہیں اور سلیمان بن یسار، الاوزاعی، الثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں۔ اور اکثر اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ جس شخص نے کسی چیز پر اس گمان سے قسم کھائی کہ وہ حق ہے، پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو یہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ ہے اور یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور امام احمد سے مروی ہے کہ اس میں کفارہ ہے اور یہ یمینِ لغو نہیں ہے کیونکہ یہ قسم مخالفت کے ساتھ پائی گئی، پس اس میں کفارہ واجب ہے جیسے کوئی مستقبل پر قسم کھائے۔

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ" (المائدہ:۸۹) اور یہ قسم بھی اسی میں سے ہے۔ اور اس لیے کہ یہ وہ قسم ہے جو منعقد نہیں ہے، پس اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا جیسا کہ یمینِ غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ یہ غیر مکسوب ہے کیونکہ اس نے جس چیز پر قسم کھائی تھی اس کا خلاف ظاہر ہوا، پس یہ اس کے مشابہ ہے کہ جس نے بھول کر قسم توڑ دی۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ماضی کی قسم میں کفارہ نہیں ہوتا، کیونکہ قسم کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں قسم کھانے والا صادق ہوتا ہے تو اس میں بالاجماع کفارہ نہیں ہے، ایک وہ قسم ہے جس میں قسم کھانے والا عمداً جھوٹ بولتا ہے تو وہ یمینِ غموس ہے، اس میں بھی کفارہ نہیں ہے اور پھر وہ بہت سنگین جرم ہے کہ اس میں کفارہ ہو۔ اور جس چیز کو وہ حق گمان کرتا تھا، پھر اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو اس میں کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ یمینِ لغو ہے۔ اور رہی وہ قسم جو اس نے مستقبل کے کسی کام پر کھائی اور اس کے دل میں اس قسم کا عقد تھا اور اس نے قسم کا قصد کیا، پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور جس قسم پر اس کے دل میں عقد نہیں تھا اور اس نے قسم کا قصد نہیں کیا اور وہ اس کی زبان پر بلا قصد جاری ہو گیا تو وہ یمینِ لغو ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو جھگڑے پہ کھائی جائیں اور مذاق میں کھائی جائیں اور اس بات میں کھائی جائیں جس میں دل کا عقد نہیں ہے۔ اور قسموں کا کفارہ ہر اس قسم میں ہوتا ہے جس میں اس نے غضب کی صورت میں قسم کھائی یا دوسری حالت میں کہ وہ ضرور ایسا کرے گا یا نہیں کرے گا، پس یہ ان قسموں کا عقد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو فرض کیا ہے۔ الثوری نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ قسمیں چار ہیں، دو قسموں میں کفارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد قسم کھائے اللہ کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا، پھر وہ کام کر لے یا وہ کہے: اللہ کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا، پھر وہ کام نہ کرے تو اس میں کفارہ ہے۔ اور

دو قسموں میں کفارہ نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قسم کھائے اللہ کی قسم! میں نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ اس نے یہ کام کیا ہے، یا قسم کھائے اللہ کی قسم! میں نے یہ کام کیا ہے اور اس نے وہ کام نہیں کیا۔ (المغنی ج ۱۳ ص ۲۰۳۔۲۰۸، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی کی اس مفصل اور مدلل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یمینِ لغو کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جو انسان کی زبان پر بلاقصد جاری ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس قسم پر عقد نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص بات بات پر کہے ''لا واللہ، بلیٰ واللہ'' اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ اور یمینِ لغو کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان اپنی دانست اور اپنے گمان میں کسی چیز پر قسم کھائے کہ یہ کام اس طرح ہے اور واقع میں وہ کام اس طرح نہ ہو، تو یہ یمینِ لغو ہے کیونکہ اس قسم میں کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی دانست اور اپنے گمان کے مطابق واقع کے خلاف قسم کھا رہا ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس نے ماضی کے متعلق قسم کھائی ہے اور کفارہ کا تعلق مستقبل میں کھائی ہوئی قسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سو جب اس قسم میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی کفارہ ہے تو پھر یہ یمینِ لغو ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء کا مذہب ہے۔

یمینِ لغو کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو، اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا نہ گناہ نہ کفارہ، اس میں قسم کھانے والے کی بخشش کی امید کی گئی ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یمینِ لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان پر بلاقصد جاری ہو، جیسے لا واللہ، بلیٰ واللہ ''نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم''۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۷۔۴۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۰ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو کی جو تعریف مصنف نے ذکر کی ہے ''ہدایہ'' اس کی شروحات اور دیگر متون میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ زیلعی نے امام ابوحنیفہ سے امام شافعی کی طرح یمینِ لغو کی تعریف نقل کی ہے، اسی طرح ''بدائع'' میں ہمارے اصحاب کی طرف سے پہلے پہلی تعریف نقل کی ہے، پھر لکھا ہے: امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی زبان پر جو ''نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم'' جاری ہوتا ہے یہ یمینِ لغو ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قسم ماضی اور حال پر موقوف ہے اور ہمارے نزدیک یہ یمینِ لغو ہے اور ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلاقصد مستقبل کے متعلق قسم کھائے تو یہ امام شافعی کے نزدیک یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے، اور ہمارے نزدیک یہ یمینِ منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ یمینِ لغو صرف وہ ہے جو ماضی یا حال کے متعلق بلاقصد کھائی جائے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو وہ ہے جو زبان پر بلاقصد جاری ہوتی ہے جیسے ''نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم'' یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یمینِ لغو میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی بات پر قسم کھائے، پھر اس پر منکشف ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، شعبی، ابن جبیر، مجاہد، قتادہ، امام مالک اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھانے کے قصد کے بغیر کہے "نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم" یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طاؤس، عروہ، نخعی اور امام شافعی کا قول ہے۔ اس قول پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے: "لیکن اللہ ان قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں"، یہ دونوں قول امام احمد سے منقول ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آدمی غصہ میں جو قسم کھائے وہ یمینِ لغو ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کسی گناہ پر قسم کھائے، پھر قسم توڑ کر کفارہ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور وہ یمینِ لغو ہے، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے، پھر اس کو بھول جائے، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ، لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک یمینِ لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہو۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

۱۵- بَابٌ: إِذَا حَنِثَ نَاسِيًا فِي الْأَيْمَانِ — جب قسموں میں کسی شخص نے بھول کر قسم توڑ دی

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ۔ (الاحزاب: ۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے"۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ۔ (الکہف: ۷۳)

اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی قسم کھانے والا بھولے سے قسم توڑ دے۔ امام بخاری نے عنوان میں اس کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ امام بخاری کی گزشتہ ابواب میں عادت ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے"۔

یعنی تم پر اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے جو کام تم نے خطاء سے کیا ہے لیکن گناہ اس کام میں ہے جس کو تم عمداً کرو گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے "زید بن محمد"، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرما دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ان کے آباء کی طرف منسوب کریں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، پھر فرمایا:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ۔ (الاحزاب: ۵) "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت

نہیں ہے''۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کا حکم ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بر سبیل عموم ہے، پس اس میں ہر خطاء کرنے والا داخل ہوگا۔ اور امام بخاری کی غرض وہ ہے جس پر اس باب کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے''۔ (الکہف: ۷۳)

یہ دوسری آیت ہے جو سورۂ کہف میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: ''جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے''۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کشتی توڑنے کا معاملہ ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ نسیان تھا، اور دوسری مرتبہ ان کا معاملہ عذر تھا، اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اس سے زیادہ قصے بیان فرماتا۔ اور اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص بھول جائے اور قسم توڑ بیٹھے تو اس سے اس کی قسم میں گرفت نہیں کی جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ خطاء صحت اور ثواب کی ضد ہے اور نسیان یاد رکھنے کی ضد ہے اور باب کے عنوان میں صرف نسیان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے مطابق تو صرف دوسری آیت ہے۔ اور اسی طرح یہ عنوان صرف باب کی ان احادیث کے مناسب ہے جن میں نسیان کی تصریح ہے، اور پہلی آیت کی یاد رکھنے کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ قتل بالخطاء میں دیت واجب ہوتی ہے اور جس شخص نے کسی دوسرے کا مال خطاءً ضائع کر دیا تو اس سے تاوان لیا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلی آیت کا ذکر کیا اور اس باب کی احادیث کا ذکر کیا کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ہر ایک اپنے مذہب کے موافق حکم کو مستنبط کرلے، اسی وجہ سے امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں باب کا حکم نہیں بیان کیا۔ اور امام بخاری نے ان احادیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ احادیث احکام کی اصول ہیں اور مسائل کے استنباط کا مواد ہیں جن میں یہ صلاحیت ہے کہ ان پر قیاس کیا جائے۔ اور قتلِ خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے اور خطاءً مال کو تلف کرنے سے تاوان واجب ہوتا ہے، یہ خطاب الوضع ہے، پس اس کو غور سے سمجھو کیونکہ یہ دقیق جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۴ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ قَالَ إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا وَسْوَسَتْ أَوْ حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زرارہ بن اوفیٰ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس کے وسوسوں سے درگزر فرمالیا

ہے، یا اس کے دل میں جو بات آتی ہے اس سے درگزر فرمالیا ہے
جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے یا اس پر کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۲۸، ۵۲۶۹، ۶۶۶۴، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ترمذی: ۱۱۸۳، سنن نسائی: ۳۴۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۸۸۶۴)

صحیح البخاری: ۶۶۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ وسوسہ بھی دل کے عمل سے ہے جیسا کہ نسیان بھی دل کا عمل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خَلَّاد، اس میں خاء پر زبر ہے اور لام پر تشدید ہے، یہ سُلَمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مِسعر، (میم پر زیر اور سین پر جزم اور عین پر زبر ہے) یہ ابن کدام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُرارہ (زاء پر پیش ہے) یہ ابن اوفی ہیں جو قاضی بصرہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یرفعُهٗ" یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے "یرفعه الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہا، تا کہ یہ اس سے عام ہو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے یا کسی اور صحابی سے سنا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تجاوز لامتی" اور ہشام کی روایت میں ہے "عن امتی" اور یہ زیادہ مناسب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اس کے دل میں بات آئے تو جب تک وہ اس پر کلام نہ کرے یا وہ کام نہ کرے اس سے گرفت نہیں ہوگی"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وجودِ ذہنی کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور اعتبار صرف وجودِ قولی کا ہے قولیات میں اور وجودِ عملی کا ہے عملیات میں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے معصیت کے عزم کے اوپر اصرار کیا تو اس پر گرفت کی جائے گی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس کو وسوسہ نہیں کہا جاتا اور نہ اس کو حدیثِ نفس کہا جاتا ہے بلکہ یہ دل کے عمل کی ایک قسم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قاضی ابوبکر پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے معصیت کا "ھم" کیا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور رد کی وجہ

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان وسوسوں سے درگزر فرمالیا ہے یا اس کے دل میں جو بات آتی ہے اس سے درگزر فرمالیا ہے جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے" اور "ھم" میں عزم نہیں ہوتا۔ اس لیے "ھم" پر مواخذہ کا قول صحیح نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٦٦٦٥ ـ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَوْ مُحَمَّدٌ عَنْهُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ إِذْ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ كُنْتُ أَحْسِبُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَذَا وَكَذَا قَبْلَ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُنْتُ أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا لِهَؤُلَاءِ الثَّلَاثِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ لَهُنَّ كُلِّهِنَّ يَوْمَئِذٍ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی یا محمد نے انس سے روایت کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: میں نے ابن شہاب سے سناوہ کہتے تھے: مجھے عیسیٰ بن طلحہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ان کو حدیث بیان کی کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم نحر کو خطبہ دے رہے تھے اس وقت ایک مرد آپ کی طرف کھڑا ہوا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اس طرح اور اس طرح گمان کرتا تھا، اس سے اور اس سے پہلے، پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں ان تینوں کے بارے میں گمان کرتا تھا اس طرح اور اس طرح، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے، ان تینوں کے لیے اس دن فرمایا: پس جس چیز کے متعلق بھی آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳، ۱۲۴، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۶۶۶۵، صحیح مسلم: ۱۳۰۶، سنن ترمذی: ۹۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۱۴، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۱، مسند احمد: ۶۴۴۸، موطا امام مالک: ۹۵۹، سنن دارمی: ۱۹۰۷)

صحیح البخاری: ۶۶۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ باب مذکور کا عنوان ہے "نسیان"، اور اس حدیث میں "حسبان" یعنی گمان کا ذکر ہے، سو امام بخاری نے گمان کو نسیان کے ساتھ ملا دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن الہیثم، یہ ابن الجہم ابوعمر الموذن البصری ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "او محمد عنه" یعنی مجھے محمد نے ان سے حدیث بیان کی، یعنی از عثمان بن الہیث از ابن جریج۔ اور یہ محمد ابن یحییٰ الذہلی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک عثمان اور محمد بن یحییٰ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ الاسماعیلی

نے اس حدیث کو از محمد بن یحییٰ از الزہلی از عثمان بن الہیثم روایت کیا ہے۔اور اس کی مثل کتاب اللباس کے اواخر میں باب الذریرۃ میں گزر چکی ہے، اس میں مذکور ہے: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی یا محمد نے ان سے حدیث بیان کی از ابن جریج۔الحدیث۔اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، وہ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن طلحہ، یہ ابن عبید اللہ التیمی القرشی ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم کے ''باب الفتیا'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کنت احسب کذا و کذا قبل کذا و کذا'' یعنی میں گمان کرتا تھا کہ طواف ذبح کرنے سے پہلے ہے یا ذبح کرنا سر منڈانے سے پہلے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم قام آخر'' یعنی پھر دوسرا مرد کھڑا ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بھؤلاء الثلاث'' اس سے مراد ہے ذبح، سر منڈانا اور طواف کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لھن'' یعنی آپ نے ان تینوں کے لیے فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے، یعنی تقدیم اور تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۱۔۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۶۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از عبد العزیز بن رفیع از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں نے طوافِ زیارت رمی کرنے سے پہلے کر لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر دوسرے مرد نے کہا: میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر تیسرے مرد نے کہا: میں نے رمی سے پہلے ذبح کر لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۶۶۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۰۷، سنن نسائی: ۳۰۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۰، مسند احمد: ۱۸۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں اگرچہ قسم کا ذکر نہیں ہے لیکن اس میں یہ بیان ہے کہ جو آدمی بھول کر کوئی کام کرے یا غلطی سے کوئی کام کرے تو اس سے قلمِ تکلیف اٹھالیا جاتا ہے اور اس پر گناہ نہیں ہوگا اور گرفت نہیں ہوگی، یہ علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے، اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث اور اس کے بعد والی جو احادیث ہیں، ان سب کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اسی طریقہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر، اور یہ ابن عیاش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، یہ ابن رُفیع ہیں جو ابوعبداللہ الاسدی المکی ہیں، یہ کوفہ میں رہائش پذیر تھے، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث کا سماع کیا ہے، جریر سے منقول ہے کہ ان کی نوے (۹۰) سے زائد سال کی عمر تھی، یہ نکاح کرتے تھے اور بس نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی بیوی ان کے کثرتِ جماع سے تنگ آ کر کہتی مجھے چھوڑ دو۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''زُرت قبل ان ارمی'' ''زُرت سے مراد ہے: میں نے طواف زیارت کرلیا اور یہ طواف رکن ہے، یعنی وہ طواف ہے جو حج کا رکن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں سے یہ ظاہر ہے کہ جس نے بھولے سے حج کے افعال میں سے کسی کام کو مقدم یا موخر کر دیا تو آپ نے اس سے گناہ کی اور فدیہ کی نفی فرمائی۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور ابن الماجیشون نے قربانی کے مسئلہ میں اس کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ (البقرہ:۱۹۶) اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈاؤ۔

اس آیت میں قربانی کرنے سے پہلے سر منڈانے کو منع فرمایا ہے، سو اگر کسی نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا تو اس پر فدیہ واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس نے ممنوع کام کو کیا ہے۔

اور ابن الماجیشون کا یہ قول اس لیے غلط ہے کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے: ایک شخص نے کہا: میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا تو آپ نے فرمایا: ''اب رمی کرو اور کوئی حرج نہیں ہے''۔ اور امام مالک نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا تو اس کو گناہ نہیں ہوگا اور اس پر فدیہ لازم ہوگا اور دوسرے فقہاء نے کہا: اس صورت میں گناہ بھی ہوگا اور فدیہ بھی دینا ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۶۷۔ حَدَّثَنِي إِسۡحَاقُ بۡنُ مَنۡصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا عُبَيۡدُ اللهِ بۡنُ عُمَرَ عَنۡ سَعِيدِ بۡنِ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے

سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ سَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ فَأَعْلِمْنِي قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا، پس اس نے نماز پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں تھے، سو وہ آیا، پس اس نے آپ کو سلام کیا، آپ نے اس سے فرمایا: واپس جاؤ، پس تم نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص واپس گیا، پس اس نے نماز پڑھی، پھر سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''وعلیک!'' واپس جاؤ، پس تم نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس مرد نے تیسری مرتبہ کہا کہ آپ مجھے نماز کا طریقہ سکھائیں، آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے قیام کا ارادہ کرو تو تم مکمل وضو کرو، پھر تم قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو، پس اللہ اکبر کہو، اور تمہیں قرآن میں سے جو آسانی سے یاد ہو وہ پڑھو، پھر تم رکوع کرو حتیٰ کہ تم اطمینان سے رکوع کرو، پھر تم اپنا سر اوپر اٹھاؤ، حتیٰ کہ تم اعتدال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، پھر تم سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرلو، پھر سجدہ سے اٹھو حتیٰ کہ سیدھے ہو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ، پھر اپنی پوری نماز کو اسی طریقہ سے پڑھو۔

(صحیح البخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۶۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس میں قسم کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے ''باب وجوب القرآن للامام والماموم'' میں گزر چکی ہے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اس شخص نے کہا ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا''۔ تو اس

حیثیت سے یہ حدیث اس باب میں داخل ہوگئی۔یعنی چونکہ اس میں قسم کا ذکر ہے اس لیے اس کا کتاب الایمان میں ذکر کرنا صحیح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، وہ حماد بن اسامہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمرو العمری، وہ سعید المقبری ہیں۔

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ دلیل قطعی ہے کہ نماز میں اتنی قراءت جائز ہے جو آسانی سے پڑھی جاسکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں وہ واجب نہیں ہے، سو اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو جلسۂ استراحت کو واجب نہیں قرار دیتے۔

امام مالک کے نزدیک تعدیلِ ارکان فرض ہے اور ہمارا یعنی فقہاء شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے، ہاں روایاتِ مشہورہ میں تعدیلِ ارکان کا ذکر نہیں ہے، البتہ دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہے جو سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں آپ نے فرمایا: "تم جو آسانی سے قرآن پڑھ سکو وہ پڑھو" اس حدیث کے ظاہر سے امام ابوحنیفہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: "جو تم آسانی سے قرآن پڑھ سکو وہ پڑھو"۔اور جمہور فقہاء اس حدیث کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو قرآن تم کو آسانی سے یاد ہو اس کو پڑھو۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ واقعہ سورہ فاتحہ کو پڑھنے کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔اور بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ نے اس کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵۔۳۱۶ ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی تاویلات پر مصنف کا مواخذہ

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے عدمِ فرضیت سے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے اس اعرابی کو یہ حکم دیا کہ "جو تم قرآن میں سے آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو"۔اور علامہ ابن ملقن نے جو جوابات دیئے ہیں وہ ضعیف ہیں، کیونکہ سورۃ المزمل قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں یہ حکم ہے "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (المزمل: ۲۰) "پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو"۔اس سے ظاہر ہوگیا کہ جب نماز ابتداءً فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں تھا۔(سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۶۸۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ هَزِيمَةً تُعْرَفُ فِيهِمْ فَصَرَخَ إِبْلِيسُ أَيْ عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: غزوہ احد میں مشرکین کو شکست ہوگئی جو

فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ فَقَالَ أَبِي أَبِي قَالَتْ فَوَاللهِ مَا انْحَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ غَفَرَ اللهُ لَكُمْ قَالَ عُرْوَةُ فَوَاللهِ مَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهَا بَقِيَّةٌ حَتَّى لَقِيَ اللهَ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۰، ۳۸۲۴، ۴۰۶۵، ۶۶۶۸، ۶۸۸۳، ۶۸۹۰)

ان کے اندر معروف ہوگئی، پس ابلیس چلایا اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے لوٹو، پس لشکر کا پہلا گروہ پیچھے والوں پر حملہ کرنے کے لیے لوٹا، پھر لشکر کا اگلا حصہ اور پچھلا حصہ آپس میں لڑ پڑے، پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو اچانک وہ ان کے والد تھے (جن کو مسلمان، مشرک سمجھ کر مار رہے تھے) انہوں نے کہا: یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس اللہ کی قسم! وہ ان سے نہیں رکے حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ عروہ نے بتایا: پس اللہ کی قسم! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ اس کا قلق رہا حتیٰ کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگئی۔

صحیح البخاری: ۶۶۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے والد کو خطا یا جہالت سے قتل کر دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کوئی ناراضگی نہیں فرمائی، کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، پس آپ نے ان کی جہالت کو نسیان کے منزلہ میں قرار دیا اور اس باب میں بھولے سے قسم توڑنے کا عنوان ہے۔ پس اس وجہ سے یہ حدیث اس باب میں داخل ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اندر قسم کا بھی ذکر ہے، کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! وہ نہیں رکے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں فروہ بن ابی المغراء کا ذکر ہے، وہ ابوالقاسم الکندی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں علی بن مُسہر کا ذکر ہے، وہ ابوالحسن القرشی الکوفی ہیں جو موصل کے مضافات میں قضاء کے منصب پر تھے اور ایک سو نواسی (۱۸۹) ہجری میں ان کی وفات ہوگئی۔

یہ حدیث کتاب المناقب کے آخر میں ''باب ذکر حذیفہ بن الیمان'' میں اور غزوہ احد میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ای عباد اللہ اخراکم'' یعنی ابلیس نے چلا کر کہا: اے اللہ کے بندو! ان سے ہوشیار رہو جو تمہارے پیچھے ہیں اور ان کو قتل کر دو، اور یہ خطاب مسلمانوں سے تھا۔ ابلیس کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کریں، پس

مسلمانوں کے لشکر کا اگلا حصہ لشکر کے پچھلے حصے سے قتال کرنے کی طرف لوٹا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ مشرک ہیں۔پس لشکر کے دونوں حصے ایک دوسرے پر حملہ کرنے لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ابی، ابی''یعنی اے میری قوم! یہ میرے باپ ہیں ان کو قتل نہ کرو، پس انہوں نے ان کے باپ کو مشرکین میں سے گمان کرتے ہوئے قتل کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ماانحجزوا''یعنی وہ باز نہیں آئے اور نہ رکے حتیٰ کہ انہوں نے ان کے والد کو قتل کر دیا''حجز یحجز''کا معنی ہے: منع کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''مازالت فی حذیفة منها بقیة''یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اس کا غم باقی رہا اور ان کے والد کو جو قتل کیا گیا تھا اس پر افسوس باقی رہا۔

یہ علامہ کرمانی کی تفسیر ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پر ہمیشہ خیر باقی رہی، کیونکہ جن مسلمانوں نے ان کے والد کو غلطی سے قتل کر دیا تھا انہوں نے ان کے حق میں دعا کی اور کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور ان میں یہ خیر ہمیشہ رہی۔اور علامہ کرمانی کی شرح کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس پر ہمیشہ افسوس رہا کہ ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۳۔۲۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ پر رد نہیں فرمایا اور نہ انکار فرمایا جنہوں نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کو غلطی سے قتل کر دیا تھا، یعنی شارع علیہ السلام نے ان کی جہالت کو عذر قرار دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۶۹۔حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَوْفٌ عَنْ خِلَاسٍ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عوف نے حدیث بیان کی از خلاس اور محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے روزہ کی حالت میں بھولے سے کھالیا وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو صرف اللہ نے کھلایا ہے اور اسی نے پلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۳، ۶۶۶۹، صحیح مسلم: ۱۱۵۵، سنن ترمذی: ۷۲۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۳، مسند احمد: ۱۰۲۸۷، سنن دارمی: ۱۷۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی حالت میں بھولے سے کھانے پینے کا ذکر ہے، اگر چہ اس حدیث میں قسم کا ذکر نہیں ہے جس کی کتاب الایمان کے ساتھ مناسبت ہوتی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں، یہ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور عوف کا ذکر ہے، یہ اعرابی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خلاس کا ذکر ہے، یہ ابن عمرو الہجری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سیرین ہیں اور اس کا عطف خلاس پر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم میں ''باب الصائم اذا اکل او شرب'' میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جب کوئی روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے تو حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے عطاء، طاؤس، ابراہیم نخعی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوری، الاوزاعی، امام شافعی، ابوثور اور امام احمد اور امام اسحاق نے کہا ہے کہ اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ہم نے اجتہاد کیا ہے اور ایک روزہ کی قضاء کرنا معمولی بات ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۴ ص ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جو بھول کر روزہ میں کھالے یا پی لے اس پر اس روزہ کی نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۷۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ انْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ فَكَبَّرَ وَسَجَدَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَسَلَّمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از الاعرج از عبداللہ بن بحینہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پس آپ پہلی دو رکعتیں پڑھا کر بیٹھنے سے پہلے کھڑے ہو گئے، پھر اپنی نماز جاری رکھی، پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو لوگ آپ کے سلام کرنے کے منتظر تھے، پس آپ نے اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ (سہو) کیا، پھر آپ نے سر اٹھایا، پھر اللہ

اکبر کہا اور سجدہ کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور سلام پھیر دیا۔

(صحیح البخاری: ۸۲۹، ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۶۶۷۰ صحیح مسلم: ۵۷۰ سنن ترمذی: ۳۹۱ سنن نسائی: ۱۱۷۷ سنن ابوداؤد: ۱۰۳۴ سنن ابن ماجہ: ۱۲۰۷، مسند احمد: ۲۲۴۲۱، موطا امام مالک: ۲۱۸، سنن دارمی: ۱۴۹۹)

صحیح البخاری: ۶۶۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اولیٰ کو بھولے سے ترک کر دیا، سو یہ حدیث اس حیثیت سے اس باب میں داخل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ابی ذئب ہیں اور ان کا نام ہشام بن سعد ہے اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن بحسینہ کا ذکر ہے، بحسینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے والد کا نام مالک الہاشمی ہے۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں ''ابواب سجود السھو'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد کھڑے ہو گئے اور واپس لوٹ کر نہیں بیٹھے لیکن آپ نے سجدہ سہو کیا، اس سے معلوم ہوا کہ دو رکعت نماز کے بعد بیٹھنا فرض نہیں ہے، البتہ واجب ہے کیونکہ آپ نے اس کو ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو کیا۔ اور واجب کو ترک کرنے کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے، البتہ اگر فرض کا ترک ہو جائے تو پھر نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۶۶۷۱ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضى الله عنه أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ الظُّهْرِ فَزَادَ أَوْ نَقَصَ مِنْهَا قَالَ مَنْصُورٌ لَا أَدْرِي إِبْرَاهِيمُ وَهِمَ أَمْ عَلْقَمَةُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَسَجَدَ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَاتَانِ السَّجْدَتَانِ لِمَنْ لَا يَدْرِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدالعزیز بن عبدالصمد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، پس اس میں آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی۔ (راوی) منصور نے کہا: میں نہیں جانتا ابراہیم کو وہم ہوا ہے یا علقمہ کو (اضافہ میں یا کمی میں)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کیا نماز کم

زَادَ فِي صَلَاتِهِ أَمْ نَقَصَ فَيَتَحَرَّى الصَّوَابَ فَيُتِمُّ مَا بَقِيَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔

ہوگئی یا آپ بھول گئے؟ آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ صحابہ نے بتایا آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس آپ نے دو سجدے کیے، پھر آپ نے فرمایا: یہ دو سجدے اس شخص کے لیے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اس نے نماز میں اضافہ کیا ہے یا کمی کی ہے، پس وہ صحیح بات کو تلاش کرے، پھر جو نماز باقی رہ گئی ہو اس کو پورا کرے اور پھر سہو کے دو سجدے کرے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۱، ۴۰۴، ۱۲۲۶، ۶۶۷۱، ۷۲۴۹، صحیح مسلم: ۵۷۲، سنن نسائی: ۱۲۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۰۲۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۱، مسند احمد: ۳۵۹۱، سنن داری: ۱۴۹۸، سنن ترمذی: ۳۹۲)

صحیح البخاری: ۶۶۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس قول سے اخذ کی جاسکتی ہے "یا آپ بھول گئے" کیونکہ اس باب کے عنوان میں نسیان کا ذکر ہے، لیکن اس تطبیق میں "تعسف" ہے، کیونکہ اس معنی پر دلالت واضح نہیں ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو حدیثِ سابق کی موافقت میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے انہوں نے عبدالعزیز سے سنا، اور عبدالعزیز، وہ ابن عبدالصمد العمی البصری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: العمی کی دو قسمیں ہیں، اول وہ ہے جو بنوتمیم کے عم کے قبیلہ کی طرف منسوب ہے، اور ثانی وہ ہے جو زید بن الحواری کا لقب ہے، اور اس کو یہ لقب اس لیے دیا گیا جب بھی اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ کہتا: حتیٰ کہ میں عمی سے سوال کرلوں یعنی میں اپنے عم سے سوال کرلوں۔ اور رہے عبدالعزیز جن کا اس سند میں ذکر ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ یہ قبیلہ کے عم کی طرف منسوب ہے اور ابن ماکولا نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت عم کی طرف منسوب ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، وہ ابن قیس ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے باب "التوجه نحو القبلة" میں از عثمان از جریر از منصور از ابراہیم از علقمہ گزر چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فزاد او نقص" یعنی آپ نے نماز میں اضافہ کیا یا نماز میں کمی کی، اس میں راوی کو شک ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے راوی منصور نے کہا: "میں نہیں جانتا کہ نماز میں اضافہ کرنے یا نماز میں کمی کرنے میں ابراہیم کو وہم ہوا ہے یا علقمہ کو وہم ہوا ہے"۔
امام لغت الجوہری نے کہا ہے کہ جب کہا جائے "وھمت فی الحساب" تو اس کا معنی ہے: مجھ سے حساب میں غلطی ہوئی یا سہو ہوا۔ اور جب کہا جائے "وھمت فی الشیء" تو اس کا معنی ہے کہ تمہارا وہم کسی معنی کی طرف جائے اور تم اس کے غیر کا ارادہ کرتے ہو۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ حدیث میں یہ لفظ ہے "کیا آپ نے نماز کم پڑھی ہے؟" اس سوال میں یہ صراحت ہے کہ آپ نے نماز میں کمی کی تھی۔ پھر علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا: اس میں راوی نے اختلاط کر کے دو حدیثوں کو جمع کر دیا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں صحت کے ساتھ فرق کیا گیا ہے، کتاب الصلوٰۃ کے باب "استقبال القبلة" میں از منصور از ابراہیم از علقمہ از عبد اللہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو صحابہ نے بتایا کہ آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے۔ الخ۔ اور کتاب الصلوٰۃ کے باب "سجود السھو" میں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت نماز پڑھا کر مڑ گئے تو آپ سے حضرت ذوالیدین نے کہا: کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جائے کہ کمی سے مراد اس کا لازم ہے یعنی تغیر، پس گویا کہ حضرت ذوالیدین نے یوں کہا: کیا نماز کو اس کی وضع سے متغیر کر دیا گیا ہے؟ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی)۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: جریر نے جو منصور سے روایت کی ہے اس میں مذکور ہے: ابراہیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی، پس اس روایت میں انہوں نے وثوق سے بیان کیا کہ ابراہیم ہی کو تردد ہوا تھا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ منصور نے جب عبد العزیز کو حدیث بیان کی تو ان کو تردد تھا کہ کیا علقمہ نے یہ کہا ہے یا ابراہیم نے، اور جب انہوں نے جریر کو حدیث بیان کی تو ان کو وثوق تھا کہ ابراہیم نے یہ کہا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یتحری" یعنی وہ حق بات کی تحقیق میں اجتہاد کرے اور اس پر عمل کرے جس میں کم کا ذکر ہو۔

حدیث مذکور کی شرح از مصنف

امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث میں بہت اختصار کیا اور صحیح البخاری: ۴۰۱ میں اس کی پوری اور مفصل روایت ہے، اس میں مذکور ہے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم نے کہا: مجھے پتا نہیں اس نماز میں آپ نے کچھ زیادتی کی یا کچھ کمی کی، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ صحابہ نے کہا: آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی، آپ نے اپنے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے اور ہماری طرف منہ کیا اور فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا، لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو تم

مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو اسے غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے، پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہییں۔

نسیان کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو"۔ لغت میں "نسیان" حفظ اور یاد رکھنے کی ضد ہے اور اصطلاح میں "نسیان" کا معنی ہے: دل کا کسی چیز سے غافل ہونا یعنی دل کا ایک چیز سے غافل ہو کر دوسری چیز میں مشغول ہونا بلکہ ایک چیز میں شدت اشتغال کی وجہ سے دوسری چیز سے غافل ہو جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ نے فرمایا: پس تم مجھے یاد دلایا کرو" یعنی میں جب سلام پھیرنے کے قریب پہنچ جاؤں تو تم مجھے "سبحان اللہ" کہہ کر یاد دلایا کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے آپ نے فرمایا: "اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تم کو اس کی ضرور خبر دیتا" آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ اسلام میں احکام منسوخ بھی ہوتے رہتے تھے

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ کے بعض افعال میں سہو اور نسیان ہو جاتا تھا لیکن آپ اس پر برقرار نہیں رہتے تھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۵۱۴، دارالوفاء، ۱۴۱۹ھ)

۶۶۷۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ قَالَ كَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۲۸، ۶۶۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۸۰، مسند احمد: ۲۰۶۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: (قرآن مجید میں مذکور ہے): (موسیٰ نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے O (الکہف: ۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوئی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۶۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ''نسیان'' یعنی بھول کا ذکر ہے، اور باب کا عنوان بھی نسیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن الزبیر ہیں جن کو ان کے اجداد میں سے ایک ''حُمید'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا'' یہاں پر کچھ عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے اس آیت کا معنی بتایئے یا مطلقاً کہا: مجھے حدیث بیان کیجئے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے الخ۔

امام بخاری نے یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ قصہ کے اکثر حصہ کو حذف کر دیا اور یہ قصہ اسی سند کے ساتھ سورۃ الکہف کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور نیز یہ کتاب العلم کے باب ''الخروج فی طلب العلم'' میں بھی گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۶۔۲۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل علمیہ میں بحث کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حُر بن قیس الفزاری میں بحث ہوئی، اور جب دو علماء میں اختلاف ہو تو کسی تیسرے بڑے عالم سے فیصلہ کرا لینا چاہیے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرایا، اور کسی عالم کو اپنے موقف پر ضد نہیں کرنی چاہیے۔

انسان کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو، اس کو مزید علم کی جستجو میں رہنا چاہیے اور کسی سے علم حاصل کرنے میں تکلف اور جھجک سے کام نہیں لینا چاہیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے حصول علم کے لیے روانہ ہو گئے اور سفر میں اپنے ساتھ اپنے شاگرد (حضرت یوشع بن نون علیہ السلام) کو بھی لیا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی ہمراہ لیں اور یہ تمام چیزیں توکل کے عین مطابق ہیں خلاف نہیں ہیں۔

۶۶۷۳۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ كَتَبَ إِلَيَّ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَكَانَ عِنْدَهُمْ ضَيْفٌ لَهُمْ فَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يَذْبَحُوا قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ لِيَأْكُلَ ضَيْفُهُمْ فَذَبَحُوا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الذَّبْحَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عِنْدِي

ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا: کہ مجھے محمد بن بشار نے لکھا کہ ہم سے معاذ بن معاذ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن عون نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ان سے شعبی نے بیان کیا کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ان کے ہاں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ان کے واپس آنے سے پہلے کسی (حلال) جانور کو ذبح کر لیں تا کہ ان کے مہمان

عَنَاقٌ جَذَعٌ عَنَاقُ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَكَانَ ابْنُ عَوْنٍ يَقِفُ فِي هَذَا الْمَكَانِ عَنْ حَدِيثِ الشَّعْبِيِّ وَيُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ بِمِثْلِ هَذَا الْحَدِيثِ وَيَقِفُ فِي هَذَا الْمَكَانِ وَيَقُولُ لَا أَدْرِي أَبَلَغَتْ الرُّخْصَةُ غَيْرَهُ أَمْ لَا رَوَاهُ أَيُّوبُ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ۔

اس میں سے کھائیں، پس گھر والوں نے نمازِ عید (الاضحیٰ) سے پہلے ایک جانور ذبح کرلیا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ نماز کے بعد دوبارہ ذبح کریں، حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا دودھ پیتا بکری کا بچہ ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے۔ ابن عوف شعبی کی حدیث کے اس مقام پر رُک جاتے تھے اور محمد بن سیرین سے اسی حدیث کی طرح حدیث بیان کرتے تھے اور اس مقام پر رُک کر کہتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں یہ رخصت دوسروں کے لیے بھی ہے یا صرف حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے لیے ہے، اس کی روایت ایوب نے ابن سیرین سے کی ہے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ سے۔

(صحیح البخاری: ۹۵۱، ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۶۸، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۶۶۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی روایت مکاتبت کے صیغہ کے ساتھ کی ہے اور اس طرح کی حدیث صحیح البخاری میں صرف اسی جگہ پر ہے۔

اور محدثین نے کہا ہے کہ مکاتبت یہ ہے کہ کسی شخص کی طرف حدیث کا کوئی حصہ لکھا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکاتبت اس مناولہ کی طرح ہے جو مقرونہ بالاجازت ہو، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک یہ سماع کے قائم مقام ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ایسے مکاتبہ میں ''اخبرنا، حدثنا'' مطلقاً کہنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن معاذ، یہ مکتوب لہٗ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عون، یہ محمد بن عون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبی، یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

ایک روایت میں نمازِ عید سے پہلے ذبح کرنے کی نسبت حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور دوسری روایت میں اس کی نسبت حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی طرف ہے، ان روایات کے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''شعبی سے روایت ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا''۔ اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے لیے واقع ہوا لیکن اس سے پہلے کتاب العید میں یہ گزر چکا ہے کہ بقرہ عید کے دن جانور کو ذبح کرنے کا حکم دینے والے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ تھے، اُس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور وہ جانور کو ذبح کر چکے تھے تو انہوں نے کہا: میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے۔ الحدیث۔

اور مُطَرِّف کی سند کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ حضرت براء نے بیان کیا کہ میرے ماموں جن کو ابو بردہ کہا جاتا تھا، انہوں نے بقرہ عید کی نماز سے پہلے جانور کو ذبح کر لیا، اور علامہ کرمانی نے ان دونوں حدیثوں میں یوں موافقت کی ہے کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ جو حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے دونوں کا گھر ایک تھا تو کبھی اس واقعہ کی نسبت حضرت البراء نے اپنی طرف کر دی اور کبھی اس واقعہ کی نسبت انہوں نے اپنے ماموں کی طرف کر دی۔

اور دوسرے شارحین نے کہا: اگر اس حدیث کا مخرج اور سند ایک نہ ہوتا تو اس حدیث کو متعدد واقعات پر محمول کیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ یہ شعبی کے راویوں کی طرف سے اختلاف آیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عندی عَناق'' (عین پر زبر ہے) اور اس سے مراد ہے بکری۔

''الجذع'' کی تعریف میں مختلف اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے ''جذع'' یہ وہ بکرا ہے جس کی عمر دوسرے سال میں پہنچی ہو۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اونٹ میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو پانچویں سال کا ہو اور گائے اور بکرے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گائے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہو اور دنبے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک سال سے کم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ابن عون اس جگہ توقف کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ رخصت حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ثابت ہے یا نہیں''۔ کتاب الاضاحی میں یہ گذر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ سے کہا: تم بکرے کے ''الجذع'' کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی ایک کے لیے بکرے کے ''الجذع'' کی قربانی جائز نہیں ہوگی، اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''تم اس کو ذبح کر دو اور تمہارے علاوہ دوسروں کے لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۷۔۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی بیان کردہ ''الجذع'' کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق ''الجذع'' کا معنی یہ ہو کہ بکرا ایک سال کا پورا ہو کر دوسرے سال میں

شروع ہوتو ایک سال کے بکرے کی قربانی تو بالاتفاق جائز ہے اور صرف دنبہ میں یہ ہے کہ اگر دنبہ چھ ماہ کا ہو اور اتنا فربہ ہو کہ ایک سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔تو اس حدیث کی صحت اسی وقت متحقق ہوگی جب ''الجذع'' کا معنی چھ ماہ کا ہو، کیونکہ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہے اور چونکہ حضرت عبد اللہ بن نیار رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کا بکرا بہت زیادہ فربہ تھا اور اس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت تھا تو اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی اور دوسروں کو اس کی اجازت نہیں دی۔(سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۷۴۔حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم صَلَّى يَوْمَ عِيدٍ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ قَالَ مَنْ ذَبَحَ فَلْيُبَدِّلْ مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے عید کے دن نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے جانور ذبح کرلیا وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے نہیں ذبح کیا تو وہ اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے۔

(صحیح البخاری:۹۸۵،۵۵۰۰،۵۵۶۲،۶۶۷۴،۷۴۰۰،صحیح مسلم:۱۹۶۰،سنن نسائی:۴۳۹۸،سنن ابن ماجہ:۳۱۵۲،مسند احمد:۱۸۳۲۱)

صحیح البخاری:۶۶۷۴،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی حدیثِ سابق کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت البراء اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ اس طرح ہے کہ ذبح کے وقت اگر کسی کو مسئلہ کا علم نہ ہو یا جو شخص بھولے سے نماز سے پہلے ذبح کردے تو ان کا حکم برابر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسود بن قیس کا ذکر ہے، یہ العبدی ابو قیس الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں جندَب کا ذکر ہے، یہ جندَب بن عبد اللہ بن سفیان البجلی ہیں۔

یہ حدیث کتاب العیدین میں از مسلم بن ابراہیم اور کتاب الاضاحی میں از آدم گزر چکی ہے اور عنقریب یہ کتاب التوحید میں از حفص بن عمرو آئے گی۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۸،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث میں آپ نے فرمایا: جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی وہ دوبارہ قربانی کرے، اس حدیث میں آپ نے اس کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو کسی کام کی اجازت دیں اور دوسروں کو اس کام سے منع کر دیں تب اس کام کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دی اور دوسروں کو منع فرما دیا۔ اور محض احتمال سے بغیر دلیل کے کسی کام کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی، جیسے بعض دیوبندی علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درخت کی شاخ کے دو ٹکڑے کر کے دو قبروں پر رکھ دیے تھے یا گاڑ دیے تھے اور ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگئی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور دوسروں کے لیے قبر پر درخت کی شاخ یا گھاس یا پھولوں کو رکھنا جائز نہیں ہے، سو خصوصیت کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں اس آیت کا ذکر کیا ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهٖ۔ (الاحزاب:۵) "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے"۔

الاحزاب: ۵ کا تعلق قصہ مخصوصہ کے ساتھ ہے اور اس کا حکم عام نہیں ہے

یہ آیت ہر چیز میں غلطی کو شامل ہے یعنی کوئی کام بھی غلطی سے کیا تو اس پر گناہ نہیں ہوگا اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت قصہ مخصوصہ میں ہے یعنی کوئی شخص کسی کو کہے: اے میرے باپ حالانکہ وہ اس کا بیٹا نہ ہو یا کوئی شخص اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں جماع کرلے اور اس کو یہ علم نہ ہو کہ اس کی بیوی حائضہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں لاعلمی سے غلطی ہونے پر گناہ نہیں ہوگا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اور اس آیت کا تعلق قصہ مخصوصہ سے ہے (جیسے ممانعت سے پہلے صحابہ زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص خطاءً قتل کرے تو اس پر دیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص خطاءً کسی کا مال ضائع کردے تو اس پر تاوان واجب ہوتا ہے اور عنقریب اس باب میں ایسی احادیث آئیں گی جن سے ہم اس مسئلہ پر واقف ہوں گے۔

اگر کسی شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی تو آیا اس پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی آیا اس پر کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

(۱) جو شخص بھولے سے قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، عطاء اور عمرو بن دینار نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ

وہ فلاں کام نہیں کرے گا اور اگر اس نے وہ کام کیا تو اس کی بیوی پر طلاق، پھر اس نے بھولے سے وہ کام کرلیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) جس شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی اس پر کفارہ واجب ہوگا، اور یہ اس جماعت کا قول ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر چیز میں کفارہ لازم ہے خواہ ظہار ہو یا طلاق ہو یا غلام کو آزاد کرنا ہو، اور یہ سعید بن جبیر، قتادہ، زہری اور ربیعہ کا قول ہے۔ اور یہی امام مالک کا اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ اور امام شافعی کے قول میں اختلاف ہے، ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ وہ شخص حانث نہیں ہوگا اور یہی زیادہ ظاہر ہے، اور دوسری مرتبہ انہوں نے کہا: وہ شخص حانث ہو جائے گا اور ان کا تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خصوصاً طلاق کی قسم میں حانث ہو جائے گا اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

اور علامہ ابن ہبیرہ نے امام شافعی سے تین روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں مذکور ہے کہ وہ مطلقاً حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی)، دوسری روایت میں مذکور ہے وہ مطلقاً حانث نہیں ہوگا، اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تھی یا اس نے ظہار کیا تھا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر طلاق یا عتاق کی قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا۔

جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے قسم توڑ دی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرہ:۲۲۵)

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (المائدہ:۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں یہ آیت مذکور ہے:

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ (الکہف:۷۳)

(موسیٰ نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے ۝

اور سنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء کو اور نسیان کو اور جس کام پر ان کو مجبور کیا گیا ہو اس کے حکم کو اٹھا لیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۴۵)

پس واجب ہے کہ ہر صورت میں جو کام بھولے سے کیا گیا ہو اس پر کفارہ واجب نہ ہو۔

فقہاء نے کہا ہے: ہم نے یہ پایا کہ شریعت میں نسیان پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا مثلاً آدمی نماز میں بھولے سے کلام کرلے تو اس کی نماز نہیں ٹوٹتی، پس واجب ہے کہ جب آدمی بھولے سے قسم کے خلاف کرے تو اس پر کفارہ واجب نہ ہو۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت کفارہ کے وجوب کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس شخص نے قسم توڑ دی ہے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا اور کفارہ واجب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس پر گناہ نہیں ہوگا اور تنگی نہیں ہوگی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ قتل خطاء میں کفارہ واجب ہوتا ہے حالانکہ قتلِ خطاء میں گناہ نہیں ہے تو جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ گناہ ہے۔

بابِ مذکور کی احادیث میں نسیان اور جہالت کی وجہ سے حکم کے ساقط ہونے کی توجیہات

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ احادیث جن کو امام بخاری نے اس باب میں داخل کیا ہے، امام بخاری نے ان احادیث سے یہ ثابت کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ جہالت اور نسیان کفارہ کو ساقط کرنے کا عذر ہے اور ان تمام احادیث کو یہ قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب ایک معنی میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ کے اقوال سے استدلال کیا ہے کہ جہل اور خطاء کا عذر معتبر ہے اور نماز میں نسیان سے بھی استدلال کیا ہے۔

اور اس باب کی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ہیں کہ میری امت سے خطاء اور نسیان اور جس کام پر انہیں مجبور کیا جائے اس کے حکم کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے روزہ میں بھول کر کھا لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے اور آپ نے اس کو دوبارہ روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا۔

اور حضرت ابن بحسینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قعدہ کو بھول گئے اور آپ نے اس نماز کو نہیں دہرایا۔ اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جب کہ انہوں نے پہلے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے اس وقت تک کوئی سوال نہیں کریں گے جب تک کہ وہ خود نہیں بتائیں گے، پس جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول پر درگزر کی حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ بندوں کے بھولے سے کیے ہوئے کاموں پر ان سے مواخذہ نہ فرمائے، سو امام بخاری نے اس کے ساتھ اپنے استدلال کو شروع کیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے کی زیادہ قوی امید رکھتے تھے۔

اور اسی طرح صحابہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے پھر منع فرمایا کہ لوگوں کو ان کے اصل آباء کی طرف منسوب کیا جائے، تو چونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ جس کو کسی کا بیٹا بنایا جائے وہ اسے اس کی طرف منسوب کرتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو معذور قرار دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ۔ اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵)

اسی طرح حج کے احکام میں جن مسلمانوں نے بھولے سے کسی کام کو مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا حرج" کوئی حرج نہیں ہے اور ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے معذور فرمایا۔ اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حج کی فرضیت کے مفصل احکام نہیں بیان فرمائے تھے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود عمل کر کے حج کے احکام ظاہر فرماتے تھے تو آپ نے کسی کام کو مقدم کرنے یا مؤخر کرنے پر اس لیے کوئی فدیہ واجب نہیں کیا کہ انہوں نے غلبہ جہالت سے مقدم یا مؤخر کیا تھا اور اس میں ان کو خطاء

واقع ہوئی تھی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس باب کی احادیث تو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص غلبہ جہالت کی وجہ سے کوئی غلط کام کرے تو اس کو اس کام کے دہرانے کا حکم نہیں دیا جاتا حالانکہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے نماز پڑھی اور اس نے تعدیلِ ارکان نہیں کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے شارع علیہ السلام نماز کی حدود بیان فرما چکے تھے اس لیے جس نے ناقص نماز پڑھی تو آپ نے اس کو معذور نہیں قرار دیا اور اس کو نماز دہرانے کا حکم دیا۔ پھر جب اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ اس کو اس سے اچھے نماز پڑھنے کے طریقہ کا علم نہیں ہے تو آپ نے اس کو اس کی پچھلی نمازیں دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح یہ سوال ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ اگر کسی شخص سے نماز میں کوئی کمی ہوگئی یا زیادتی ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ غور کر کے صحیح طریقہ کو تلاش کرے، یہاں بھی اس کی غلطی کی وجہ سے اس کی نماز سے درگزر نہیں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سنتوں میں سے اگر کوئی شخص کسی سنت کو ترک کردے تو دوسری سنت سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے جیسے اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ کو ترک کردے تو سہو کے دو سجدے کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کو ترک کردے گا تو پھر وہ نماز دہرانی ہوگی۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن نیار کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، اور چونکہ ان کا عذر یہ تھا کہ انہوں نے سمجھا تھا کہ مہمانوں کو کھلانے کی وجہ سے اور پڑوسیوں کو کھلانے کی وجہ سے پہلے قربانی کرنا جائز ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حکم میں یہ نرمی کی کہ وہ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں اور دوبارہ انہیں قربانی کرنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ یہ ذریعہ ختم ہو جائے کہ کوئی شخص کھانے پینے کے عذر کی وجہ سے وقت سے پہلے قربانی کر دے۔

اور رہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کے قاتل سے دیت کو ساقط کر دیا اور چونکہ ان کو پتا نہیں تھا کہ یہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں تو ان کو اس جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا، کیونکہ دیت ان کے اوپر نصِ قرآن سے فرض ہے اور ان پر کفارہ دینا لازم تھا۔

امام بخاری نے ان احادیث کے محامل کو نہیں بیان کیا تاکہ ہر مجتہد ان احادیث کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق منطبق کر لے۔

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۱۳۰۔۱۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۱۶۔ بَابُ: اَلْيَمِينِ الْغَمُوسِ

عمداً جھوٹی قسم کھانا

وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ۝

دَخَلًا: مَکْرًا وَخِيَانَةً ''دخلا'' کا معنی ہے: سازش اور خیانت۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''الیمین الغموس'' کا حکم بیان کیا گیا ہے، ''غموس'' کے لفظ میں غین پر زبر ہے اور یہ ''فعول'' کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے، کیونکہ ''یمینِ غموس'' کا معنی ہے: عمداً جھوٹی قسم کھانا۔ اور اس قسم کی وجہ سے قسم کھانے والا اپنے آپ کو دنیا میں گناہ میں ڈبو دیتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں ڈبو دیتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

''غموس'' کا لفظ ''فعول'' کے وزن پر ہے اور اس میں مبالغہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب لوگ جھوٹی قسم کھاتے تو وہ ایک ٹب میں خوشبو رکھ دیتے یا راکھ رکھ دیتے یا گلاب کے پھول رکھ دیتے، پھر قسم کھاتے وقت اپنے ہاتھ اس خوشبو میں ڈبوتے تاکہ اس قسم کی تاکید حاصل ہو، تو اس قسم کو غموس اس لیے کہا گیا کہ قسم کھانے والا عہد شکنی کرتا تاکہ عہد کے توڑنے میں مبالغہ ہو۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، نے کہا ہے: گویا کہ غموس ''مفعول'' کے وزن پر ہے، کیونکہ یہ ''الید المغموسة'' (ڈبوئے ہوئے ہاتھ) سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارتِ مذکورہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اس شخص کا تصرف ہے جس کو عربیہ سے بالکل ذوق نہ ہو اور اس بناء پر یمینِ غموس ''غمس الید'' سے ماخوذ ہے نہ کہ ''الید'' سے اور یہ اس معنی کی بناء پر فاعل کے معنی میں ہوگا جیسا کہ کسی ذہین آدمی پر مخفی نہیں ہے۔

یمینِ غموس کی تعریف

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اور فقہاء کے نزدیک ''الیمین الغموس'' کی تعریف یہ ہے کہ ایک مرد کسی چیز کی قسم کھائے اور اس کو معلوم ہو کہ وہ اس قسم میں جھوٹا ہے، وہ قسم اس لیے کھائے کہ وہ اس جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کو راضی کرے یا اس جھوٹی قسم سے کسی جرم کا عذر پیش کرے یا اس جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر قبضہ میں کرے۔

اور ہمارے اصحابِ احناف نے کہا ہے کہ مرد کا کسی گزشتہ واقعہ پر عمداً جھوٹی قسم کھانا غموس ہے اور اگر اس کا یہ گمان ہو کہ واقعہ اسی طرح سے ہے تو پھر یہ یمینِ لغو ہے۔

یمینِ غموس کا حکم

علامہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہلِ علم کے نزدیک یمینِ غموس میں کفارہ نہیں ہے، علامہ ابن بطال مالکی نے بھی اس کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ ابراہیم نخعی، الحسن البصری، امام مالک اور اہلِ مدینہ میں سے ان کے موافقین اور اہلِ شام میں سے امام اوزاعی اور ثوری، اور تمام فقہاء احناف، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابوعبید اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے: اس میں کفارہ ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔ (النحل: ۹۴)

اس آیت کو یمینِ غموس کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص عمداً جھوٹی قسم کھائے، اس پر اس آیت میں وعید ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ لوگ اپنی قسموں کو مکر اور سازش کا ذریعہ بنائیں۔

النحل: ۹۴ کی تفسیر از مصنف

اس آیت کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا، اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا، کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسلام برحق دین ہوتا تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے، تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کی بیعت کر کے اور اس پر مؤکد قسمیں کھا کر توڑ دینا لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روک دینے کا سبب بنا اور ان کے آخرت میں بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا کیونکہ مطلقاً قسم توڑ دینا اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے ہو جاتی ہے۔

نیز علامہ عینی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

''دَخَلًا'' کا معنی ہے: مکر اور خیانت۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے خیانت اور عہد شکنی۔ اور ابوعبید نے کہا: ''دخل'' سے مراد ہر وہ کام ہے جو فساد پر مبنی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا فِرَاسٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں فراس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الشعبی سے سنا از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کبیرہ گناہ (یہ ہے): اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور یمینِ غموس (عمداً

جھوٹی قسم کھانا)۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۰، ۶۹۲۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۱، سنن نسائی: ۴۰۱۱، مسند احمد: ۶۸۴۵، سنن دارمی: ۲۳۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''یمینِ غموس'' اور اس حدیث میں یمینِ غموس کا حکم بیان فرمایا ہے کہ وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر، یہ ابن شمیل ہیں، یہ شمل کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فراس، یہ ابن یحییٰ المکتب ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبی، یہ عامر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الکبائر'' یہ کبیرۃ کی جمع ہے اور یہاں چار کبائر کا شمار کیا ہے اور اس کو غندر نے شعبہ سے روایت کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ ''الکبائر الاشراك بالله وعقوق الوالدين، یا اس نے کہا: ''الیمین الغموس''۔ اور اس حدیث میں ''قتل النفس'' کا شمار نہیں کیا اور عنقریب کتاب الحدود میں کبائر کا شمار آئے گا۔

گناہِ کبیرہ کی تعریف

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جو حد کو واجب کرتا ہو اور اس کی کوئی حد نہیں ہے یعنی تعریف نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جمہور کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے خصوصیت سے وعید بیان فرمائی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک گناہ کبیرہ کی صحیح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک یا حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے، اور واجب کا ترک یا مکروہِ تحریمی کا ارتکاب گناہِ صغیرہ ہے۔

۱۷۔ بَابٌ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

باب

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾ (البقرہ:۲۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ (النحل:۹۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿﴾ (النحل:۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ان آیات کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یمینِ غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ ان آیات میں کفارہ کا ذکر نہیں کیا گیا، اسی وجہ سے ان آیات کے ذکر کے بعد اس باب کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں بھی جھوٹی قسم کھانے پر وعید ہے اور کفارہ کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور فقہاء نے ان آیات اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یمینِ غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھوٹی قسم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ قسم کے خلاف کرنا نافرمانی اور گناہ ہے اور اس پر آخرت میں سزا ہوگی، اور اس میں کفارہ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر اس یمینِ غموس میں بھی اگر قسم کے خلاف کرنے پر کفارہ فرض ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا جیسا کہ یمینِ منعقدہ میں قسم توڑنے پر کفارہ کو فرض کیا گیا ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہمارے علم میں کوئی ایسی سنت نہیں ہے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کرتی ہو، بلکہ حدیث ان فقہاء کے قول پر دلالت کرتی ہے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب نہیں کرتے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ تمام دلائل ائمہ شافعیہ پر حجت ہیں۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا گیا ہے: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (آل عمران:۷۷)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت الاشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا بعض یہودیوں سے ایک زمین میں جھگڑا ہوا، پس یہودی نے اس زمین پر حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کی ملکیت کا انکار کیا، پس یہودی حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے یہودی سے پوچھا: کیا تم قسم کھاؤ گے؟ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شخص تو (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرے مال پر قبضہ کرلے گا۔ اور عنقریب یہ حدیث آئے گی۔

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی اور یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور اس فانی دنیا کی چیزوں کے عوض اپنی قسموں کو فروخت کریں گے تو ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔ مفسرین نے کہا: اگر وہ کفار ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بالکل کلام نہیں کرے گا اور اگر وہ مسلمان نافرمان ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے خوشی سے کلام نہیں کرے گا اور ان کو نفع نہیں پہنچائے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا یعنی ان پر رحم نہیں فرمائے گا اور ان پر مہربانی نہیں کرے گا اور فرمایا: ''ولا یزکیھم'' یعنی ان کی تحسین نہیں کرے گا۔

اور بعض فقہاء مالکیہ نے اس آیت سے اس پر بھی استدلال کیا ہے کہ عہد کا لفظ بھی قسم ہوتا ہے اور اسی طرح میثاق کا لفظ بھی قسم ہوتا ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O'' (البقرہ: ۲۲۴)

علامہ نسفی نے کہا ہے: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے یہ حلف اٹھایا کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمن کے ساتھ اس وقت تک صلہ رحم نہیں کریں گے جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کرلیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے داماد کے پاس یا سسر کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ان سے بات کریں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''عرضۃ'' اس کا معنی ہے: تم اللہ تعالیٰ کی قسموں کو نیکی اور تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے علتِ مانعہ نہ بناؤ۔ پس اگر تم قسم کھاؤ کہ تم نیک کام نہیں کرو گے اور تم ان قسموں کو نیک کاموں کے نہ کرنے کی علت بنالو یا تم یہ کہو کہ ہم نے قسم کھائی ہے اور حالانکہ تم نے قسم نہ کھائی ہو۔ اور ''عرضۃ'' کا لفظ ''فعلۃ'' کے وزن پر ہے اور یہ لفظ اعتراض سے ماخوذ ہے اور جو چیز دو چیزوں کے درمیان معترض ہو وہ مانع ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''عرضۃ'' کا معنی ہے: حجت، یعنی تم نیکی کے کام نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسموں کو علتِ مانعہ نہ بناؤ یا حجت نہ بناؤ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ان تبروا'' اس سے پہلے حرف ''لا'' محذوف ہے یعنی ''ان لا تبروا'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی

قسموں کو اس لیے حجت نہ بناؤ کہ تم نیک کام نہیں کرو گے۔

اس آیت میں حرف ''لا'' اس طرح محذوف ہے جیسا کہ اس آیت میں محذوف ہے:

یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ (النساء:١٧٦) اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسموں کو اس لیے نہ کھاؤ کہ تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو ناپسند کرتے ہو۔

اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ مرد ہے جو قسم کھاتا تھا کہ نہ وہ نیک کام کرے گا نہ نماز پڑھے گا اور نہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے گا، اس سے کہا جاتا کہ تم نیک کام کیوں نہیں کرتے، تو وہ کہتا کہ میں نیک کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر ہے: ''اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O'' (النحل:٩٥)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر ہے: ''اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو'' O (النحل:٩١)

اس آیت میں بھی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا گیا ہے اس کا پورا کرنا لازم ہے اور ''کفیل'' کا معنی شہید ہے، یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس عہد پر گواہ بنا چکے ہو۔ اس کی سعید بن جبیر نے بھی روایت کی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفیل کا معنی وکیل ہے، اس کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٠٠۔٣٠١، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٦٧٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله عنهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر لازمی جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

اَلِیْمٌ﴿۷۷﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (آل عمران:۷۷)

(صحیح البخاری:۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۳، صحیح مسلم:۱۳۸، سنن ترمذی:۱۲۶۹، سنن ابوداؤد:۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ:۲۳۵۶، مسند احمد:۴۲۰۰)

۶۶۷۷- فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَا حَدَّثَكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالُوا كَذَا وَكَذَا قَالَ فِيَّ أُنْزِلَتْ كَانَتْ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ قُلْتُ إِذًا يَحْلِفُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔

پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے، سو انہوں نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ لوگوں نے کہا: اس طرح اور اس طرح، تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی، میرے چچازاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: یا تو تم گواہ پیش کرو یا پھر یہ قسم کھائے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو جھوٹی قسم کھالے گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کے اوپر لازمی قسم کھائی اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تاکہ وہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔

(صحیح البخاری:۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۳، صحیح مسلم:۱۳۸، سنن ترمذی:۱۲۶۹، سنن ابوداؤد:۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ:۲۳۵۶، مسند احمد:۴۲۰۰)

صحیح البخاری:۶۶۷۶-۶۶۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں جو پہلی آیت ذکر کی گئی ہے اس کے اعتبار سے اس حدیث کی مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان

ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یمینِ صبر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من حلف علی یمین صبر''۔

یمینِ صبر اس قسم کو کہتے ہیں جو قسم لازم کرتی ہو اور جس کے متعلق قسم کھائی جائے اس کو مجبور کرتی ہو۔اور اس کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ قسم ہے کہ حاکم کسی مرد کو قید کر لے حتیٰ کہ وہ مرد قسم کھائے۔کہا جاتا ہے ''صبرت یمینا'' یعنی میں نے اللہ کی قسم کھائی۔اور ''حبس'' کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو قسم کھانے پر مجبور کیا جائے۔اور علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو کھڑا کیا جائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے قسم کھائے۔

حضرت امامہ بن ثعلبہ سے امام مسلم اور امام نسائی نے اس قسم کی حدیث میں یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جھوٹی قسم کھانے والے کو دوزخ میں داخل کر دے گا اور اس پر جنت کو حرام فرما دے گا۔اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی تفسیر میں یہ حدیث گذری ہے کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے عصر کے بعد اپنا سودا فروخت کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔

علامہ بدرالدین عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یہ آیت ان دونوں واقعوں کے متعلق وقتِ واحد میں نازل ہوئی ہو اور آیت کے الفاظ عام ہیں جو ان دونوں واقعات کو شامل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟''۔ یہ (ابوعبدالرحمٰن) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اس جگہ دوسرا سوال یہ ہے کہ صحیح البخاری کی کتاب الرہن میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ ''پھر حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور انہوں نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟''۔اور یہاں اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟''۔سوان میں تعارض ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ان دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ ''حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے ایک مکان سے نکلے جس مکان میں وہ پہلے تھے، پھر اس مکان میں داخل ہوئے جس میں لوگ موجود تھے''۔

اور اس جگہ تیسرا سوال یہ ہے کہ عنقریب کتاب الاحکام میں الاعمش اور منصور دونوں سے ثوری کی یہ روایت ہے: ''پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے اور اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے''۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہاں پر موافقت اس طرح ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ ''حضرت اشعث رضی اللہ عنہ اس

مکان سے اس دوسرے مکان کی طرف نکلے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، اور اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کررہے تھے اور شاید حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے پس ان کو پتا نہیں چلا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے، تو حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے پوچھا کہ تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: اس طرح اور اس طرح"۔

پھر اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب الاشخاص میں گزر چکا ہے کہ "انہوں نے کہا: مجھ سے اشعث بن قیس کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا: تمہیں آج حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: اس طرح اور اس طرح"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اور امام بخاری نے اس روایت کو الگ اس لیے بیان کیا ہے کہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میرا اور میرے عم زاد کا ایک کنویں کے متعلق جھگڑا تھا" اور ابومعاویہ کی روایت میں ہے "ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا"۔ اور الاسماعیلی نے کتاب الشرب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ راوی ابوحمزہ کنویں کے ذکر میں متفرد ہے، لیکن اسماعیلی کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ ابوعوانہ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ اور اکثرین کی روایت یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ جھگڑا ایک کنویں میں تھا، حضرت اشعث رضی اللہ عنہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ کنواں ان کا ہے اور یہ ان کے خصم کی زمین میں ہے یعنی ان کے چچازاد کی زمین میں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ابومعاویہ کی روایت میں یہ ہے کہ میرے اور یہودیوں میں سے ایک مرد کے درمیان ایک زمین کا جھگڑا تھا سو اس نے میرے دعویٰ کا انکار کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس زمین سے مراد کنویں کی زمین ہے اور تمام زمین مراد نہیں ہے اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ میرا میرے چچازاد سے جھگڑا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہود سے جھگڑا تھا، ان میں بھی کوئی منافات نہیں ہے، اس لیے کہ اہلِ یمن کی ایک جماعت یہودی تھی، پھر جب یوسف ذونواس نے یمن پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں سے حبشیوں کو نکال دیا تو وہاں اسلام آ گیا اور وہ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے۔

اور امام طبرانی نے از شعبی از حضرت الاشعث رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مخضرمین میں سے ایک مرد نے ہمارے ایک مرد سے جھگڑا کیا جس کو خفشیش کہا جاتا تھا، اور یہ جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جو اس کی زمین میں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخضرم سے فرمایا: تم اس زمین پر اپنے حق کے متعلق گواہ پیش کرو ورنہ تمہارا خصم انکار پر قسم کھائے گا۔۔۔الحدیث

اور یہ روایت صحیح البخاری کی اس حدیث کے مخالف ہے اور اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

اور ابومعاویہ کی روایت میں ہے "آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ میں نے کہا: نہیں! پھر آپ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم کھاؤ"۔ اور ابوحمزہ کی روایت میں ہے "کیا تمہارے پاس گواہ ہیں تو میں نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا: پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا"۔۔۔الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۲۔۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۷۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یمینِ غموس میں کفارہ نہ ہونے کے مزید دلائل

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: جس شخص نے کسی کام کے نہ کرنے پر قسم کھائی، پھر اس نے دیکھا کہ اس کام کے کرنے میں خیر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی اس کا انکار کرے تو ان دونوں پر قسم پیش کی جاتی ہے اور وہ قسم کھا کر بار بار ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا: "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے"۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۱، کتاب الطلاق، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، کتاب اللعان)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے پر لعان کرنے والوں سے توبہ کو طلب کیا کہ تم میں سے ضرور کوئی جھوٹا ہے تو وہ توبہ کرلے اور آپ نے ان پر کفارہ واجب نہیں کیا۔ اگر ان پر کفارہ واجب ہوتا تو آپ کفارہ کا ذکر فرماتے جس طرح آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کیا تم دونوں میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس قسم کے سبب سے کوئی مرد کسی مالِ حرام پر قبضہ کرتا ہے تو وہ اس سے بہت سنگین ہے کہ اس قسم کا کفارہ دیا جائے۔ اور ہمیں کسی ایسی حدیث کا علم نہیں ہے جس میں یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کیا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: الْيَمِينِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي الْمَعْصِيَةِ وَفِي الْغَضَبِ

جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کے متعلق قسم کھانا اور گناہ کے متعلق قسم کھانا اور حالتِ غضب میں قسم کھانا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس چیز کے متعلق قسم کھائے جس کا وہ مالک نہیں ہے تو اس کا کیا حکم ہے، اور جو شخص گناہ کرنے کے متعلق قسم کھائے اس کا کیا حکم ہے، اور جو شخص حالتِ غضب میں قسم کھائے اس کا کیا حکم ہے۔ امام بخاری نے ان تینوں میں سے ہر عنوان کے متعلق ترتیب سے حدیث ذکر کی ہے جس سے ان تینوں حدیثوں میں سے ہر ایک کا حکم سمجھ میں آجاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَسْأَلُهُ الْحُمْلَانَ فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید از حضرت ابو بردہ از حضرت ابو موسیٰ

وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ وَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَلَمَّا أَتَيْتُهُ قَالَ انْطَلِقْ إِلَى أَصْحَابِكَ فَقُلْ إِنَّ اللهَ أَوْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْمِلُكُمْ۔

اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تا کہ میں آپ سے سواریوں کا سوال کروں، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا، اور میں آپ کے پاس اس وقت گیا تھا جب آپ حالتِ غضب میں تھے۔ پس جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے اصحاب کے پاس جاؤ، پس کہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے یا کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سواریوں پر سوار کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جز واول کے ساتھ مطابقت ہے جس میں مذکور ہے ''اس چیز کے متعلق قسم کھانا جس کا انسان مالک نہ ہو''۔

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ باب ''غزوہ تبوک'' کے اول میں گزر چکی ہے۔ وہاں اس حدیث کو از محمد بن العلاء از ابی اسامہ از بُرید بن عبداللہ بن ابی بُردہ روایت کیا تھا جن کا نام عامر ہے اور ایک قول ہے کہ اس حدیث کو حارث نے از ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری روایت کیا ہے۔ اور یہ بُرید اپنے دادا ابی بردہ سے روایت کرتے ہیں اور ابو بُردہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہاں پر اس حدیث کا اختصار کیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ وہ ان کو سواریوں پر سوار نہیں کریں گے اور جس وقت انہوں نے سواریوں کا سوال کیا تھا اس وقت آپ ان سواریوں کے مالک نہیں تھے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا اور ان کو چھ اونٹ دیئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس قسم میں احتیاط کی، پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کی قسم منعقد ہو گئی تھی۔

جو شخص کسی ایسی چیز پر قسم کھائے جس کا وہ مالک نہ ہو تو قسم توڑنے پر کفارہ کے لزوم میں مذاہبِ فقہاء

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث میں اس کی مثال ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھاتا ہے کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا یا غلام آزاد نہیں کرے گا اور اس حالت میں وہ ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، پھر اس کے بعد اس کو مال حاصل ہو جاتا ہے، پھر وہ ہبہ کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا غلام آزاد کرتا ہے، تو فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس صورت میں اس پر کفارہ

لازم ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے اشعریین کے ساتھ کیا۔ آپ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اس کام کو کیا جو بہتر تھا۔

اور اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے پاس مال معدوم ہو اور اس نے مال کے معدوم ہونے کو ان چیزوں سے رکنے کی علت قرار دیا ہو، پھر بعد میں اس کو مال حاصل ہو گیا تو فقہاء کے نزدیک اگر اس نے ہبہ کیا یا صدقہ کیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی قسم مال کے معدوم ہونے کی صورت میں واقع ہوئی تھی نہ کہ مال کے وجوب کی صورت میں۔

جو شخص کسی غلام کا مالک نہ ہو اور اس کو آزاد کرنے کی قسم کھائے، یا جو عورت اس کے نکاح میں نہ ہو اس کو طلاق دینے کی قسم کھائے، اس کے متعلق اختلافِ فقہاء

التوضیح میں علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے: جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ اس غلام کو آزاد کرے گا جس کا وہ مالک نہیں ہے بشرطیکہ وہ مستقبل میں اگر اس کا مالک ہو گیا تو اس کو آزاد کر دے گا۔ پس امام مالک نے کہا: اگر اس نے اس غلام کے شخص کو معین کیا تھا یا قبیلہ کو یا جنس کو تو اس پر آزاد کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: میں جس غلام کا کبھی بھی مالک ہوں تو وہ آزاد ہے تو اس پر آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی مرد نے اس عورت کے متعلق کہا جو اس کے نکاح میں نہیں ہے کہ اگر وہ میرے نکاح میں آئی تو اس کو طلاق، تو اگر اس نے اس عورت کا قبیلہ معین کر دیا یا شہر معین کر دیا یا صفت کو معین کر دیا تو اگر وہ عورت اس کے نکاح میں آ گئی تو اس کو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اس عورت کا قبیلہ یا شہر یا صفت کو معین نہیں کیا تو پھر اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: اس پر طلاق دینا بھی لازم ہوگا اور غلام کو آزاد کرنا بھی لازم ہوگا خواہ اس نے یہ بات بالعموم کہی ہو یا بالخصوص کہی ہو۔

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس پر آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا خواہ وہ اس کو معین کرے یا بطورِ عموم کہے۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے منع کیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کی ہیں وہ ان کو حرام کرے۔

اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، پس اس پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کو پورا کرے اگر وہ اس پر قادر ہو تو۔

اور امام شافعی کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معصیت کی نذر لازم نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر لازم ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو۔ اور جب اس پر اس چیز کی نذر لازم نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو تو جس چیز کا وہ مالک نہیں ہے اس کے قسم کا وہ بطریقِ اولیٰ مالک نہیں ہوگا، لہٰذا اس پر اس قسم کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

رہی طلاق تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر قبل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا ہے کہ جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو، اور "پھر" کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ طلاق نکاح کے بعد متحقق ہوگی اور نکاح کے بغیر یا نکاح سے پہلے طلاق متحقق نہیں ہوگی۔ لہٰذا جس مرد نے کسی ایسی عورت کے متعلق کہا جو اس کے نکاح میں نہیں ہے کہ جب میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو طلاق، یا اس نے بالعموم کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق، تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ از مصنف

میں کہتا ہوں: یہ پوری عبارت علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی ہے جیسا کہ شرح ابن بطال ج ۶ ص ۱۲۲۔۱۲۱ میں مذکور ہے۔ علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس پوری عبارت کو من وعن اور حرف بہ حرف شرح ابن بطال سے نقل کیا ہے اور ابن بطال کا حوالہ نہیں دیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۳۰۔۳۲۹) اور علامہ عینی نے اس عبارت کے پہلے حصہ کو تو علامہ ابن بطال کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ واقع میں یہ علامہ ابن بطال ہی کی تحریر ہے، اور "وفی التوضیح" سے کہہ کر علامہ ابن ملقن سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ پوری عبارت بھی شرح ابن بطال میں مذکور ہے۔ علامہ عینی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کو میں نہیں سمجھ سکا۔

امام ابوحنیفہ کے خلاف امام شافعی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

یہ درست ہے کہ طلاق کا وقوع نکاح منعقد ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن جس شخص نے یہ کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق، تو فی الفور اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق نکاح کے بعد ہوتی ہے، لیکن اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ طلاق نکاح کے بعد ہی ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تنجیزاً طلاق نکاح کے بعد ہوتی ہے اور تعلیقاً طلاق کو نکاح سے پہلے بھی معلق کرنا جائز ہے لیکن یہ طلاق نکاح کے بعد ہی واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کہا کہ میں نے جب بھی جس عورت سے بھی نکاح کیا تو اس پر تین طلاق واقع ہوں گی اور وہ مجھ سے بائنہ ہو جائے گی تو اب وہ مرد کسی عورت سے بھی تا حیات نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اس سے چھٹکارے کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ شخص مذہب احناف کو چھوڑ کر امام شافعی کے مذہب کو اختیار کر لے، کیونکہ امام شافعی کے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی قسم اور حالتِ غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اختلاف فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی کہ میں تمہیں کسی سواری پر سوار نہیں کروں گا اور اس وقت آپ حالتِ غضب میں تھے"۔

جمہور فقہاء اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب کرتے ہیں جو حالتِ غضب میں قسم کھائے اور اس کے غضب کو اس کی قسم کے لیے تاکید قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص غصہ اور غضب میں ہو تو اس کی قسم لغو ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔

اور مسروق اور شعبی اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ جو شخص غصہ میں ہو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے نہ طلاق اور نہ غلام کو آزاد کرنا۔ اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اغلاق میں طلاق نہیں ہوتی۔ (اغلاق کا مطلب ہے: مشکل اور دشوار فہم کلام) اور نیز آپ نے فرمایا: ملکیت سے پہلے غلام کو آزاد کرنا واقع نہیں ہوگا۔

اور اشعریین کی اس حدیث میں ان اقوال کا رد ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے حالتِ غضب میں قسم کھائی اور پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا پھر میں دیکھوں کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو میں اس قسم کا خلاف کروں گا اور اس قسم کا کفارہ دوں گا۔ الحدیث

اور رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ اغلاق میں طلاق نہیں ہے، سو وہ ثابت نہیں ہے اور نہ اس میں اتنی قوت ہے کہ وہ اشعریین کی اس حدیث کے معارض ہو سکے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے بھی اس کا المستدرک میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ ان ائمہ نے اس حدیث کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے کہا: میرا گمان ہے کہ اغلاق سے مراد غضب ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ اغلاق سے مراد ہے اکراہ یعنی کسی کو مجبور کرنا۔ اور اس روایت میں جو محفوظ لفظ ہے وہ لفظِ اغلاق ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی اور حاکم کی روایت ہے اور امام ابوداؤد کی روایت میں لفظِ ''غلاق'' ہے۔

اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ ملکیت سے پہلے غلام کو آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا تو یہ عمرو بن شعیب کی از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت ہے۔ اور امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ جس عورت کا انسان مالک نہ ہو، اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور علماء مدینہ اور فقہاء کوفہ نے کہا: اس حدیث میں اغلاق کا معنی ہے ''اکراہ'' یعنی اگر کوئی جبراً طلاق دلوائے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴۔۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۷۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق تحقیق

غضب کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: یہ ہے کہ جس میں معمولی غصہ ہو جس کو ضبط کرنے کی انسان طاقت رکھتا ہو۔

دوسرا درجہ: اور وہ انتہائی غضب ہے جس میں غضب ناک شخص کو یہ پتا نہ چلے کہ اس کے ساتھ کھڑا ہوا انسان آسمان پر ہے یا زمین پر ہے یا وہ مرد ہے یا عورت ہے۔

تیسرا درجہ: یہ متوسط غضب ہے، یعنی وہ اپنی عقل سے یہ جان سکتا ہو کہ وہ کہاں پر ہے لیکن اپنے آپ کو اس غصہ اور غضب سے روک نہ سکتا ہو۔

پس غضب کا جو پہلا درجہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کو ضبط کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور غصہ کرنا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔

اور رہا دوسرا درجہ جس میں انتہائے غضب ہو، اس غضب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی حالت میں جو اس نے بات کہی ہے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ پس تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اتنی حالت میں کی ہوئی بات کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مجنون کی حالت میں ہے، نہ اس نے لفظ کا ارادہ کیا ہے اور نہ اس نے معنی کا ارادہ کیا ہے۔

اور رہا تیسرا درجہ، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس حال میں اس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی جس طرح کسی شخص سے کوئی جبری بات کہلوائی جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح اس حالت غضب میں کہی ہوئی بات کا بھی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ ان فقہاء کے نزدیک وہ شخص جبر کیا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس مذہب کی بناء پر اگر اس نے غضب کے دوسرے درجہ میں طلاق کی حلف کھائی ہے تو اس کو طلاق واقع نہیں ہوگی، صحیح قول یہی ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۸۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۷۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا فِي بَرَاءَتِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ لِقَرَابَتِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب ح اور ہمیں الحجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید الایلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے سنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے متعلق جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق کہا جو کہا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی تہمت سے بری قرار دے دیا، ہر ایک نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا مجھے بیان کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مِنْهُ وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ ؕ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ الْآيَةَ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ بَلَى وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لِي فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَقَالَ وَاللهِ لَا أَنْزِعُهَا عَنْهُ أَبَدًا

بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے، تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ وہ (مآل کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O (النور:۱۱-۲۰)

یہ دس آیات ہیں جو میری براءت میں (اللہ تعالیٰ نے) نازل فرمائی ہیں۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اور وہ حضرت مسطح پر اپنی قرابت کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اب مسطح پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا جب کہ انہوں نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق یہ تہمت لگائی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (النور:۲۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور اس کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے۔ پھر انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچ دینے کی طرف رجوع کر لیا جس طرح وہ پہلے ان پر خرچ کرتے تھے اور کہا: اللہ کی قسم! میں یہ خرچ ان پر کبھی بھی بند نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۳، ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۴۰۲۵، ۴۱۴۱، ۴۶۹۰، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۷، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷، مسند احمد: ۲۴۳۳۸، سنن داری: ۲۲۰۸)

صحیح البخاری: ۶۶۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قسم کھانے کا ذکر ہے کہ اللہ کی قسم! میں مسطح پر کوئی چیز کبھی بھی خرچ نہیں کروں گا۔ اور یہ باب کے اس جزو کے مطابق ہے کہ اگر معصیت میں کوئی قسم کھائی ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے کیونکہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ چونکہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے اس لیے میں کبھی بھی ان کے اوپر خرچ نہیں کروں گا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے النور: ۲۲ نازل فرمائی تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے، اور پھر انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر جو خرچ کرتے تھے اس کو بحال کر دیا۔

پھر امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث پر مفصل کلام کتاب المغازی کی ''حدیث الافک'' میں گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۵۔۳۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۷۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی طلاق کے متعلق مباحثِ فقہیہ

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک قسم کے متعلق ہے، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترک کرنے کے متعلق تھی اور حالتِ غضب میں فضیلت کو ترک کرنے کے متعلق تھی۔ اور علماء مدینہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ کسی نیکی کا فعل نہیں کرے گا، پھر اس نے اس کے خلاف کو بہتر جانا اور قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور جمہور فقہاء غضب ناک شخص کے اوپر کفارہ کو واجب کرتے ہیں اور اس کے غضب کو اس کی قسم کے لیے تاکید قرار دیتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص حالتِ غضب میں ہو اس کی قسم لغو ہے اور اس پر کفارہ نہیں ہے، اور مسروق اور الشعبی اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ جو شخص حالتِ غضب میں ہو اس پر نہ قسم لازم آتی ہے، نہ طلاق لازم آتی ہے اور نہ غلام کو آزاد کرنا لازم آتا ہے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا: ''اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ملکیت سے پہلے غلام آزاد ہوگا''۔ اور اشعریین کی حدیث میں اس مقالہ کا رد ہے اور اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے حالتِ غضب میں قسم کھائی، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں جس چیز پر قسم کھاؤں، پھر اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا اور یہ حدیث ان فقہاء کے رد پر حجتِ قاطعہ ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا، یہ بھی ان فقہاء کے خلاف حجتِ قطعیہ ہے۔

رہی یہ حدیث کہ اغلاق میں طلاق نہیں ہے، سو یہ ثابت نہیں ہے اور نہ یہ حدیث صحیح البخاری کی ان احادیث کے خلاف معارضہ

کی صلاحیت رکھتی ہے۔اسی طرح علامہ ابن بطال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔
(شرح ابن بطال ج ٦ ص ١٣٧، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

اور اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ان ائمہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کا متابع بھی ہے، پھر اس کو ذکر کیا ہے۔امام ابوداؤد نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حالتِ غضب پر محمول ہے۔اور دوسرے ائمہ نے کہا: ''اغلاق'' کا معنی ہے: اکراہ۔اور جو محفوظ لفظ ہے وہ ''اغلاق'' ہے۔اور امام ابوداؤد کی روایت میں ''غلاق'' کا لفظ ہے۔(سنن ابوداؤد: ٢١٩٣، سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٦، المستدرک ج ٢ ص ١٩٨)

رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ ملکیت سے پہلے غلام آزاد نہیں ہوگا، تو یہ عمرو بن شعیب کی از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت ہے جس کے تم مالک نہ ہو اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا، سوا اس کے کہ تم مالک ہو۔اور نہ بیع نافذ ہوگی سوا اس کے جس کے تم مالک ہو۔اس حدیث کی امام ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے بھی روایت کی ہے، اور حاکم کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''طلاق صرف اس صورت میں ہوگی جس کے تم مالک ہو'' اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔اور اس باب میں مروی تمام احادیث میں یہ سب سے بہتر ہے۔نیز امام ترمذی نے کہا: میں نے امام بخاری سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ طلاق قبل النکاح سے پہلے کون سی حدیث زیادہ صحیح ہے تو انہوں نے کہا: عمرو بن شعیب کی یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔(سنن ابوداؤد: ٢١٩٠، سنن ترمذی: ١١٨١، سنن نسائی: ج ٧ ص ٢٨٨)

ان احادیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے، البتہ سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٧ میں طلاق کا ذکر ہے، اور الحاکم نے المستدرک ج ٤ ص ٣٠٠ میں بھی طلاق کا ذکر کیا ہے۔

اور علماء مدینہ اور علماء احناف نے اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ اغلاق سے مراد ہے ''اکراہ'' یعنی جبر کرنا اور ان کے نزدیک یہ قسم اسی پر محمول ہے۔رہی وہ قسم جو معصیت میں کھائی جائے تو وہ اس باب سے نہیں ہے اور عنقریب اس کی تحقیق اس حدیث میں آئے گی ''جس نے اللہ کی معصیت میں نذر مانی تو وہ اللہ کی معصیت نہ کرے''۔(صحیح البخاری: ٦٦٩٦)

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی قسم کے متعلق ظاہریہ کا موقف

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ٤٥٦ھ لکھتے ہیں:
ہر صورت میں قسم کا حکم برابر ہے خواہ حالتِ رضا میں قسم کھائی جائے یا حالتِ غضب میں قسم کھائی جائے یا اس پر قسم کھائی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا یا اس پر قسم کھائی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کرے گا، یا اس چیز پر قسم کھائی جائے جس میں نہ اطاعت ہے اور نہ معصیت ہے۔

سوا ان تمام قسموں کا حکم واحد ہے، اگر اس نے عمداً قسم کو توڑ دیا تو ہر قسم توڑنے پر اس کے اوپر کفارہ لازم ہوگا۔اور اگر اس نے عمداً قسم کو نہیں توڑا یا اس نے دل سے قسم منعقد نہیں کی تھی تو اس صورت میں اس پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ (المائدہ:۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کروO

پس کفارہ ہر اس قسم میں واجب ہے جس میں مرد عمداً قسم توڑتا ہے۔

اور متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ قسم لغو ہے یعنی جو قسم غضب میں کھائی جائے وہ لغو ہے اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔

شیخ ابن حزم کہتے ہیں: یہ ایسا قول ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل اور برہان اس قول کے خلاف قائم ہے جیسا کہ ہم نے امام بخاری کی سند سے روایت کی ہے۔ پھر شیخ ابن حزم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حال میں ملا کہ آپ غضب میں تھے، پس ہم نے آپ سے سواریوں کا سوال کیا، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے۔ الحدیث۔ پس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جو قسم حالتِ غضب میں کھائی جائے اس کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ۔۔۔ الآیہ۔ (المائدہ:۸۹)

لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ۔

معصیت کی قسم کی تحقیق

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قسم کھانے کی ممانعت ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ ابوالبختری نے روایت کی ہے کہ ایک مرد کی دوسرے مرد نے دعوت کی، اس نے قسم کھائی کہ وہ نہیں کھائے گا، پس مہمان نے بھی قسم کھائی کہ وہ نہیں کھائے گا، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کھاؤ اور بے شک میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے لیے اس قسم کا کفارہ دینا مستحب ہے۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس صورت میں کفارہ کو صرف مستحب سمجھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا، پھر اس نے اس کو کوڑے نہیں مارے، ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے کیا کیا ہے؟ میں نے اس غلام کو چھوڑ دیا اور اس کے بدلہ میں یہ کفارہ ہے۔

اور سلیمان الاحول بیان کرتے ہیں: جس نے اپنے غلام کو مارنے کی قسم کھائی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو نہ مارے اور کفارہ

کے ساتھ اس قسم کو توڑنا مستحسن ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳۹۲)
اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے غلام کو مارے گا تو انہوں نے کہا: اگر وہ اپنی قسم کو توڑ دے تو یہ اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ قسم کو پورا کر کے اس کو مارے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۴۱)
المعتمر نے کہا: میں نے قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو ماروں گا تو مجھے میرے والد نے منع کیا اور مجھے کفارہ دینے کا حکم نہیں دیا۔
اور طاؤس سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ حلف اٹھایا کہ وہ اپنے غلام کو آزاد نہیں کرے گا، پھر اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا، پھر اس شخص نے کہا: تمہارا کیا ارادہ ہے کہ کیا اس کا کفارہ دینا اس سے زیادہ ہوگا۔
اور الشعبی سے روایت ہے کہ یمینِ لغو ہر وہ قسم ہے جو کسی معصیت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے اور اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے جیسے کوئی شخص شیطان کا کفارہ دیتا ہے۔
اور عکرمہ نے کہا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا تو اسے چاہیے کہ وہ بہتر کام کرے اور پھر یہ آیت پڑھی "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ" (المائدہ: ۸۹)"۔ انہوں نے کہا کہ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
اور مسروق سے روایت ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ اور ماں کے ساتھ نیکی نہیں کرے گا تو انہوں نے کہا: اس قسم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو ترک کر دے، جب یہ خبر ابن جبیر کو پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ کچھ نہ کرے، وہ اس کام کو کرے جو خیر اور بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔
اس حدیث کی امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (ج ۵ ص ۱۶)
جو فقہاء معصیت کی قسم کے پورا کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:
از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی معصیت پر قسم کھائی تو اس کی قسم نہیں ہے، اور جس نے رحم منقطع کرنے پر قسم کھائی اس کی بھی قسم نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۱۹۱)
اور امام ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس چیز کا ابنِ آدم مالک نہ ہو، اس میں نہ اس کی نذر منعقد ہوتی ہے اور نہ اس کی قسم منعقد ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی قسم منعقد ہوتی ہے اور نہ رحم منقطع کرنے میں اس کی قسم منعقد ہوتی ہے، اور جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانا، تو اسے چاہیے کہ وہ اس قسم کو چھوڑ دے اور اس کام کو کرے جو اس کے لیے بہتر ہو، پس اس قسم کو چھوڑنا ہی اس کے لیے کفارہ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۷۴)
اور ابن المسیب کی حدیث ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ تمہاری کوئی قسم ہے اور نہ کوئی نذر، اور نہ رحم منقطع کرنے میں اور نہ اس چیز میں جس کے تم مالک نہ ہو۔
(سنن ابوداؤد: ۳۲۷۲، صحیح ابن حبان: ۴۳۵۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۰۰)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں از حجاج بن منہال، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانا، پس چاہیے کہ وہ اس کام کو کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ (سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۳۴)

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی ۳۲۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے غلام کے متعلق قسم کھائی کہ وہ اس کو ضرور مارے گا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو چھوڑ دے، یہ اس کے کفارہ سے بہتر ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۸۳)

شیخ سعید بن حزم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ میں نے حسن بصری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر کے مال میں ابن آدم کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ معصیت میں قسم منعقد ہوتی ہے۔

شیخ ابن حزم نے کہا: یہ تمام روایات صحیح نہیں ہیں۔ عمرو بن شعیب کی حدیث غلط ہے اور عمر کی حدیث منقطع ہے کیونکہ ابن المسیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ (المحلی لابن حزم ج ۸ ص ۴۳-۴۰)

شیخ ابن حزم نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت منقطع ہے، اس کی سند میں یحییٰ بن عبد اللہ ہے اور وہ ساقط ہے یعنی متروک ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی ابن حزم کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق الجوزجانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث متقارب ہیں اور وہ اہل الصدق ہیں۔ اور یعقوب بن سفیان الفسوی نے کہا: اس حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں ثقہ راویوں سے نقل ہے۔ اور الساجی نے کہا: ان کی روایات زہد میں اور رقاق میں جائز ہیں۔

اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یحییٰ بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن موہب ثقہ راوی ہیں۔ یحییٰ نے اس سے روایت کی ہے اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی بعض روایات ایسی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص شکار کو عمداً قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ کو مشروع کیا ہے اور سنت سے ثابت ہے کہ جس نے قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا تو وہ اس قسم کو توڑ دے پھر اس کا کفارہ دے۔ اور جس نے عمداً قسم کو توڑا تو آپ نے اسے کفارہ کا حکم دیا۔

اور جن تابعین نے کہا ہے: جو عمداً اپنی قسم میں جھوٹ بولے وہ کفارہ دے، وہ حکم بن عتیبہ ہیں اور عطاء بن ابی رباح ہیں اور شعبہ نے کہا: میں نے حکم سے اور حماد سے اس کے متعلق سوال کیا تو ان دونوں نے کہا: اس میں کفارہ نہیں ہے اور حکم نے کہا کہ کفارہ دینا بہتر ہے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از حفص بن غیاث از الحجاج از عطاء یہ روایت کی ہے کہ وہ اس میں کفارہ دے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳۱۷)

اور کتاب ابن ابی ہبیرہ میں مذکور ہے: امام شافعی اور امام احمد نے روایت اخیرہ میں کہا ہے کہ کفارہ دے گا۔ اور ''المحلی'' میں از معمر مروی ہے کہ جس شخص نے کسی کام پر عمداً جھوٹی قسم کھائی اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ کام کیا ہے اور اس نے وہ کام نہیں کیا اور اللہ کی قسم! میں نے کام نہیں کیا، حالانکہ اس نے وہ کام کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ وہ کفارہ دے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم جس گناہ کو یہ شمار کرتے تھے کہ اس میں کفارہ نہیں ہے وہ ''الیمین الغموس''

یعنی جھوٹی قسم ہے۔اور ابراہیم، حماد بن ابی سلیمان اور حسن نے کہا ہے کہ یمینِ غموس اس سے زیادہ عظیم ہے کہ اس میں کفارہ دیا جائے۔اور انہوں نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور ان مردوں میں سے ذکر کیا جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچتا ہے۔ (صحیح مسلم:۱۰۶، کتاب الایمان)

اور عبداللہ بن ابی عوامہ از والد خود از عبداللہ بن اُنیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی قسم کھائی جو لازمی قسم تھی، پھر اس قسم کے موافق مچھر کے برابر بھی کام کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لیے ایک نکتہ گڑ جائے گا۔

(الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم:۲۰۳۶)

یمینِ غموس پر کفارہ لازم کرنے کے متعلق شیخ ابنِ حزم کے دلائل

شیخ ابن حزم نے کہا ہے: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لازمی جھوٹی قسم کھائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ کی آگ میں بنالے۔ (سنن ابوداؤد:۳۲۴۲، مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۶)

ابن حزم نے کہا: ان تمام احادیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں نہ تو کفارہ کو ساقط کرنے کا حکم ہے اور نہ کفارہ کو واجب کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس میں توبہ کا ذکر بالکل نہیں ہے اور اس میں عذاب کی وعید شدید ہے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ دوسری نصوص میں توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ہم کہیں گے کہ دوسری نصوص میں کفارہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

ابنِ حزم نے کہا ہے: جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جھوٹی قسم اس سے زیادہ سنگین ہے کہ اس میں کفارہ کو واجب کیا جائے تو ان کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی اور انہوں نے اس کو کہاں لکھا ہوا پایا۔ یہ صرف ان کی رائے سے ان کا حکم ہے اور اس کے معارضہ میں یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ گناہ جو سنگین ہوتا ہے اور اس کا مرتکب کفارہ کا محتاج ہوتا ہے جیسا کہ جو شخص رمضان کا عمداً روزہ توڑ دے تو ہم اور وہ متفق ہیں کہ اس میں کفارہ واجب ہے اور شاید کہ اس کا گناہ جھوٹی قسم سے زیادہ سنگین ہے اور وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ جو عمداً حج کو فاسد کردے اور جو عمداً قربانی کو فاسد کردے اس پر کفارہ ہے حالانکہ اس کا گناہ یمینِ غموس سے زیادہ سنگین ہے۔

جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی مومن کو عمداً قتل نہیں کرے گا اور وہ آج فرض نماز نہیں پڑھے گا اور آج وہ سودی کام نہیں کرے گا اور وہ آج زنا نہیں کرے گا، پھر اس نے اس دن نماز نہیں پڑھی اور زنا کیا اور کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا اور سودی کام کیا، تو ان تمام قسموں کا اس پر کفارہ واجب ہے، پس اللہ سے اور تمام مسلمانوں سے فریاد ہے کہ کونسا گناہ زیادہ سنگین ہے یعنی جھوٹی قسم کھانا زیادہ سنگین ہے یا ان قسموں کو کھانا زیادہ سنگین ہے۔اور ان قسموں میں کفارہ ہے، تو جھوٹی قسم میں کفارہ کیوں نہیں ہے۔اور اگر یہ لوگ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جھوٹی قسم میں کفارہ نہیں ہے اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ روایت منقطع ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ابوالعالیہ ہے جس کی حضرت ابن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ان کی عمر کے دیگر صحابہ سے ملاقات ہوئی، ان کی ملاقات اصاغر صحابہ سے ہوئی ہے جیسے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

اور ان لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی مخالفت کی ہے کہ جس نے قرآن کا حلف اٹھایا یا کسی سورت کا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے بدلہ میں کفارہ دے اور اس مسئلہ میں بھی صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

شیخ ابن حزم کے اقوال کا مصنف کی طرف سے رد اور ابطال

میں کہتا ہوں: جو شخص ماضی کی کسی بات پر جھوٹی قسم کھائے وہ یمینِ غموس ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں جھوٹی قسم کھانے پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ وہ آیات درج ذیل ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹی قسم کھانے پر وعید شدید کو بیان فرمایا ہے اور کفارہ کو واجب نہیں کیا۔ اور شیخ ابن حزم نے اپنی رائے سے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا انکار کیا ہے وہ لائقِ التفات نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۸۰ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از القاسم از زہدم، انہوں نے کہا: ہم حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشعریین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوا، میں اس حال میں آپ سے ملا کہ آپ حالتِ غضب میں تھے، ہم نے آپ سے سواریوں کو طلب کیا، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواریوں پر سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ان شاء اللہ! میں جس چیز پر قسم کھاؤں پھر میں دیکھوں کہ اس کا خلاف بہتر ہے

تو میں اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس باب کے تیسرے جزو میں مطابقت ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں آپ سے اس حال میں ملا کہ آپ اس وقت حالتِ غضب میں تھے تو ہم نے آپ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے۔ اور عنقریب اس پر مفصل گفتگو آ چکی ہے کہ حالتِ غضب میں قسم کھائی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو معمر، یہ عبداللہ بن عمرو ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے القاسم، یہ ابنِ عاصم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ ابن مضرب الجرمی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَتَكَلَّمُ الْيَوْمَ فَصَلَّى أَوْ قَرَأَ أَوْ سَبَّحَ أَوْ كَبَّرَ أَوْ حَمِدَ أَوْ هَلَّلَ فَهُوَ عَلَى نِيَّتِهِ

جب کسی شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج کلام نہیں کروں گا، پھر اس نے نماز پڑھی، یا قرآن مجید پڑھا یا سبحان اللہ پڑھا، یا اللہ اکبر پڑھا، یا الحمد للہ پڑھا، یا لا الٰہ الا اللہ پڑھا تو یہ اس کی نیت پر محمول ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

اور نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل کلام چار ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر۔

قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى هِرَقْلَ: تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اور ابو سفیان نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا: آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: كَلِمَةُ التَّقْوَى لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

اور مجاہد نے کہا: تقویٰ کا کلمہ ہے "لا الٰہ الا اللہ"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے یہ کہا "اور اللہ کی قسم! میں آج کلام نہیں کروں گا" پھر اس نے نماز پڑھی یا قرآن مجید پڑھا۔الخ۔

امام بخاری نے کہا: سو یہ اس کی نیت پر محمول ہے، یعنی اگر اس نے کلام سے اس کلام کا قصد کیا جو عرفاً کلام ہے تو وہ ان اذکار کے پڑھنے اور قرآن مجید پڑھنے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔اور اگر اس نے کلام سے عام کلام کا ارادہ کیا تو پھر وہ حانث ہو جائے گا، یہ علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: یعنی جب اس کی نیت یہ ہوگی کہ وہ دنیاوی معاملات میں سے کسی چیز میں کلام نہیں کرے گا تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا جب اس نے سبحان اللہ کہا یا قرآن مجید پڑھا۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ وہ آج کلام نہیں کرے گا تو یہ اس پر محمول ہے کہ جس طرح لوگ کلام کرتے ہیں وہ اس طرح کلام نہیں کرے گا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن مجید کی وہ تلاوت نہیں کرے گا اور سبحان اللہ نہیں پڑھے گا۔

اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے: جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے نماز میں قرآن مجید پڑھا یا سبحان اللہ پڑھا، تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔اور اگر اس نے نماز کے علاوہ قرآن مجید پڑھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔اور قیاس یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور الفقیہ ابواللیث نے کہا ہے: اگر اس نے قسم عربی زبان میں منعقد کی ہے تو اسی طرح ہے اور اگر اس نے قسم فارسی زبان میں منعقد کی ہے تو وہ اس وقت حانث نہیں ہوگا جب اس نے قرآن مجید پڑھا یا نماز کے علاوہ اس نے سبحان اللہ پڑھا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر ہے کہ "افضل الکلام چار ہیں: سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر"۔

اس تعلیق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اذکار وغیرہ کلام اور کلمہ ہیں، پس ان اذکار کے پڑھنے سے قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے کہ امام بخاری نے ان کو دوسری جگہ پر سندِ موصول کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔اور امام نسائی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ از ابوسعید اور از ابوہریرہ رضی اللہ عنہما انہی لفظوں کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔اور امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: سب سے پسندیدہ کلام چار ہیں۔

اور اس کلام کی افضلیت کی توجیہ یہ ہے کہ اس کلام میں اللہ عزوجل کی تمام صفات کی طرف اجمالاً اشارہ ہے خواہ وہ صفات عدمی ہوں اور وجودی ہوں، کیونکہ تسبیح میں اللہ تعالیٰ کی تمام نقائص اور عیوب سے تنزیہ کی طرف اشارہ ہے اور تحمید میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔پس پہلے کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی نقائص سے براءت ہے اور دوسرے کلمہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے کمالات کا اثبات ہے اور تیسرا کلمہ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ہے اور ایمان کی بنیاد ہے یعنی توحید، اور چوتھا کلمہ یعنی اللہ اکبر، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے جن کو ہم

پہچانتے ہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے، ہم تیری ایسی معرفت حاصل نہیں کر سکے جیسی معرفت کو حاصل کرنا تیرا حق ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ابوسفیان کے اس قول کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف لکھا:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (آل عمران: ۶۴) آپ کہیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے۔

یہ تعلیق ابوسفیان سے منقول ہے، ابوسفیان کا پورا نام ہے صخر بن حرب بن امیہ ابومعاویہ، اور یہ تعلیق ایک طویل حدیث کی ایک طرف ہے جو صحیح البخاری: ۷ میں مذکور ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے یہاں یہ اشارہ کیا ہے کہ لفظِ کلمہ کا کبھی کلام پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ جزو کا اطلاق کل پر ہوتا ہے جیسے سبحان اللہ اور الحمد للہ پر لفظِ کلمہ کا اطلاق کیا جائے، تو یہاں اس سے مراد کلام ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کلمۃ التوحید، حالانکہ یہ کلمہ چند کلمات پر مشتمل ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

تیسری تعلیق میں امام بخاری نے مجاہد کے اس قول کا ذکر کیا ہے کہ کلمۃ التقویٰ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (الفتح: ۲۶) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

اس آیت میں کلمۃ التقویٰ سے مراد ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے، کیونکہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کلام ہے اور اس کے اوپر کلمہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۶۔۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے اس باب کے عنوان کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن الملقن شافعی کی پوری عبارات نقل نہیں کیں بلکہ ایک ایک فقرہ نقل کیا ہے، ہم سطور ذیل میں ان کی پوری عبارات ذکر کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو مکمل بصیرت حاصل ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بابِ مذکور کے عنوان میں علامہ ابن بطال مالکی کی مکمل عبارت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

رہا امام بخاری کا یہ کہنا، سو کلام کا معنی قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہے۔ پس علماء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ آج کے دن وہ کلام نہیں کرے گا تو یہ لوگوں کے کلام پر محمول ہے نہ کہ تلاوت پر اور تسبیح پر اور اس پر اجماع ہے کہ نماز میں کلام کرنا حرام ہے اور نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اللہ تعالیٰ کی قربات اور عبادات میں سے ہے۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرہ: ۲۳۸) اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے قیام کرو۔

تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہم کو کلام کرنے سے منع کر دیا گیا، پس کیا تم یہ دیکھتے ہو کہ لوگوں کو نماز میں قرآن پڑھنے

سے منع کیا گیا تھا؟ کیونکہ حدیث میں ہے:

نماز میں دنیاوی کلام کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اس وقت لوگوں میں سے کسی مرد کو چھینک آئی تو میں نے کہا: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے)، تو لوگ مجھے اپنی آنکھوں سے گھورنے لگے، میں نے کہا: تمہاری ماں تم پر روئے، کیا وجہ ہے کہ تم مجھے اس طرح گھور رہے ہو؟ پس نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے، پھر جب میں نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ مجھے چپ کرا رہے ہیں تو میں چپ ہو گیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی، سو آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، میں نے اس سے پہلے آپ سے اچھا کوئی معلم دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا جو آپ سے اچھی تعلیم دیتا ہو، پس اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا، اور نہ مجھے برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ بے شک ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے، یہ نماز تو صرف سبحان اللہ پڑھنا ہے اور اللہ اکبر پڑھنا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔۔الحدیث

(صحیح مسلم: ۵۳۷، الرقم المسلسل: ۱۰۸۶، سنن ابوداؤد: ۹۳۰، ۳۲۸۲، ۳۹۰۹، سنن نسائی: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۲۳۸۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کرتے تھے، سو آپ ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے، پس جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹ کر آئے تو ہم نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ہم کو جواب نہیں دیا، پس ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے تو آپ ہم کو جواب دیتے تھے، تو آپ نے فرمایا: نماز میں صرف نماز (کی ہی) مشغولیت ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۷۵، صحیح مسلم: ۵۳۸، سنن ابوداؤد: ۹۲۳، مسند احمد: ۳۵۶۳، ۳۸۸۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے، ایک مرد اپنے ساتھی سے کلام کرتا اور وہ نماز میں اس کے پہلو میں کھڑا ہوتا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: ''وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝'' (البقرہ: ۲۳۸)، سو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور ہم کو کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۰۰، ۴۵۳۴، صحیح مسلم: ۵۳۹، سنن ابوداؤد: ۹۴۵، سنن ترمذی: ۴۰۵، ۲۹۹۷، سنن نسائی: ۱۲۱۵، مسند احمد: ۱۹۲۹۸)

فارسی زبان میں کلام کرنا، کسی کی طرف مکتوب لکھنا یا کسی کو اشارہ سے سلام کرنا آیا یہ سلام کے معنی میں ہے یا نہیں، اس کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ کلام نہیں کرے گا اور اس نے فارسی زبان سے کلام کیا یا کسی اور لغت سے کلام کیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس باب کے معنی کے مشابہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی مرد سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے اس کی طرف مکتوب لکھا یا اس کی طرف کسی قاصد کو بھیجا تو امام مالک نے کہا: وہ ان دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی سوا اس صورت کے کہ اس مرد کی یہ نیت ہو کہ وہ اس شخص سے بالمشافہ کلام کرے گا، پھر ذکر کیا گیا ہے کہ بعد میں امام مالک نے اس قول سے رجوع کر لیا ہے، پس کہا: وہ مکتوب میں نیت نہ کرے اور میری رائے یہ

ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا سوا اس صورت کے کہ مکتوب، مکتوب الیہ تک پہنچنے سے پہلے اس کے پاس واپس آ جائے تو اب وہ حانث نہیں ہوگا اور ابن ابی اویس نے یہ حکایت کی ہے، انہوں نے کہا: قاصد کا معاملہ مکتوب سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ مکتوب ایک راز ہے جس کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا جس کی طرف اس نے مکتوب لکھا ہے، اور جب اس نے قاصد کو بھیجا تو قاصد کو بھی اس بات کا پتا چل جائے گا۔

فقہاء احناف اور لیث اور امام شافعی نے کہا ہے: دونوں صورتوں میں وہ حانث نہیں ہوگا اور یہی ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے، اور ابوثور نے کہا کہ مکتوب لکھنے کی صورت میں وہ حانث نہیں ہوگا۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے اشارہ سے سلام کیا تو امام مالک نے کہا کہ وہ حانث ہو جائے گا۔

اور ابن حبیب مالکی نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اشارہ سے سلام کرنا بھی کلام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ (آل عمران:۴۱)

فرمایا: تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے۔

اس آیت میں ''رمز'' کا لفظ ہے اور ''رمز'' کا معنی ہے: آنکھ سے اشارہ کرنا اور بھنووں سے اشارہ کرنا۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝ (مریم:۱۱)

(حضرت زکریا علیہ السلام نے) ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو O

اس آیت میں ''وحی'' کا لفظ ہے، وحی کا معنی ہے: کتابت یعنی لکھنا اور اشارہ کرنا۔ کہا جاتا ہے ''کتب الیھم'' اس کا معنی ہے: ان کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں قرآن مجید میں مذکور ہے:

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ (مریم:۲۶۔۲۹)

بے شک میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے O اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکردار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی O سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں O

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تھا کہ میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، پھر انہوں نے گود کے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام قرار دیا۔

اگر کسی شخص نے ایسی قوم پر سلام کیا جس میں وہ خود بھی موجود ہے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ پس امام مالک اور فقہاء

احناف نے کہا ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اس کو یہ علم ہو کہ وہ ان میں ہے یا یہ علم نہ ہو، ہر صورت میں حانث ہو جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا: وہ حانث نہیں ہوگا سوا اس کے کہ وہ سلام کی نیت کرے۔

اور امام ابوعبید نے امام مالک اور فقہاء احناف کی طرف سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس چیز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلام، کلام ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام نے دو رکعتوں کے درمیان عمداً کسی کو سلام کیا تو وہ نماز کو توڑنے والا ہو جائے گا جیسا کہ نماز بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے سے ناراض رہیں اور ایک دوسرے سے ملیں تو سلام نہ کریں اور آپ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ لوگوں کے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔ پس آپ نے سلام کو پھیلانے کا جو حکم دیا ہے اور دو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تعلق منقطع کرنے سے منع فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے ساتھی کو سلام کرے وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۲۳۔ ۱۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: ہم نے لکھا تھا کہ ہم اس باب کی شرح میں علامہ ابن الملقن کی شرح کو بھی نقل کریں گے لیکن ہم نے دیکھا کہ علامہ ابن الملقن نے بعینہٖ علامہ ابن بطال کی عبارت نقل کر دی ہے، سو اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن الملقن کی عبارت کا حوالہ درج ذیل ہے: (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۴۶۔ ۳۴۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ جب ابوطالب پر وفات کا وقت آیا تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، آپ نے ان سے فرمایا: آپ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیے، یہ وہ کلمہ ہے کہ میں اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے سفارش کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۶۷۵، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱، صحیح مسلم: ۲۴، سنن نسائی: ۲۰۳۵، مسند احمد: ۲۳۱۶۲)

صحیح البخاری: ۶۶۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں اسی کی مثل کلام ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پر کلمہ کا اطلاق فرمایا۔ امام بخاری نے یہاں پر اختصار کیا ہے اور یہ مکمل حدیث فضائل صحابہ کے آخر میں ابوطالب کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ تم ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھو تو ابوطالب کے پاس جو کفار قریش بیٹھے ہوئے

تھے انہوں نے ابوطالب سے کہا: کیا تم عبدالمطلب کے دین سے اعراض کرتے ہو؟ سو ابوطالب نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسیّب، اس میں یاء پر زبر بھی ہے اور یاء کے نیچے زیر بھی ہے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علماء نے کہا ہے: اس حدیث کی سند سے یہ قاعدہ باطل ہو جاتا ہے کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی شخص سے اس وقت تک حدیث کی روایت نہیں کرتے حتیٰ کہ اس حدیث کے دو راوی نہ ہوں اور یہاں پر المسیب کا فقط ایک راوی ہے اور وہ ان کا بیٹا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کلمۃ'' اس پر زبر ہے، کیونکہ یہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے محل میں ہے، اور اس پر پیش بھی جائز ہے بایں طور کہ اصل عبارت یوں ہے کہ ''یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اُحاج'' اس میں ہمزہ پر پیش ہے اور اس کی اصل ہے ''احاجج'' یعنی میں آپ کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس حجت پیش کروں گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کلام کے اوپر کلمہ کا اطلاق

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو یہ حکم دیا کہ وہ پڑھیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان کو نفع پہنچائے، لیکن اس چچا کے اوپر بدبختی سبقت کر چکی تھی العیاذ باللہ، تو اس نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے انکار کیا، کیونکہ اس وقت ابوطالب کے پاس قریش کے دو مرد تھے اور جب ان دونوں نے یہ دیکھا کہ ابوطالب ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو انہوں نے ابوطالب سے کہا: کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کرتے ہو؟ اور یہ ان کے نزدیک ملتِ شرک تھی العیاذ باللہ۔ پس آخر بات جو ابوطالب نے کہی وہ یہ تھی کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے۔ پس اسی کلمہ کے اوپر ابوطالب فوت ہو گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے پاس ابوطالب کی شفاعت کی تو وہ ٹخنوں تک آگ میں غرق تھا اور اس کے اوپر دو جوتیاں تھیں جن سے اس کا دماغ جوش میں آ کر کھول رہا تھا اور وہ واقع میں سب سے کم دوزخ کے عذاب میں تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس پر سب سے زیادہ سخت عذاب ہو رہا ہے۔ اس حدیث سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو ایک کلمہ فرمایا، حالانکہ یہ ایک کلام اور جملہ ہے۔ دراصل یہ نحوی اعتبار سے کلام ہے اور لغوی اعتبار سے کلمہ ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۸۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ بن القعقاع نے حدیث بیان کی از ابی زرعہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں، رحمٰن کی طرف محبوب ہیں (وہ دو کلمے یہ ہیں:) ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم''۔

(صحیح البخاری: ۶۶۸۲، ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۰۶، مسند احمد: ۷۱۶۷)

صحیح البخاری: ۶۶۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں اسی طرح کلام ہے جس طرح اس سے پہلی حدیث میں تھا۔ یعنی اس حدیث میں بھی ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کو کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ کلام ہے۔ اسی طرح ''سبحان اللہ العظیم'' کو بھی کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ کلام ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوزرعہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہرم البجلی ہے۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الدعوات کے باب ''فضل التسبیح'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو زہیر بن حرب سے روایت کیا تھا۔ اور یہ حدیث صحیح البخاری کے اختتام پر بھی آئے گی اور وہاں ان شاء اللہ اس کی مزید شرح کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرَى مَنْ مَاتَ يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ النَّارَ وَقُلْتُ أُخْرَى مَنْ مَاتَ لَا يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ فرمایا، اور میں نے دوسرا کلمہ کہا، آپ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک بناتا تھا تو اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اور میں نے دوسرا کلمہ کہا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہیں بناتا تھا تو وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۸، ۴۴۹۷، ۶۶۸۳، صحیح مسلم: ۹۲، مسند احمد: ۴۲۱۹)

صحیح البخاری: ۶۶۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث بھی گزشتہ دو حدیثوں کی طرح ہے اور اس میں بھی کلمہ کا اطلاق کلام پر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالواحد، وہ ابن زیاد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شقیق، وہ ابن سلمہ ابووائل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

اس حدیث میں ''ند'' کا لفظ مذکور ہے، اس کا معنی مثل اور نظیر ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الجنائز کے اول میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو امام بخاری نے عمر بن حفص سے روایت کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابٌ: مَنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَى أَهْلِهِ شَهْرًا وَكَانَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ

جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے اہل کے اوپر ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا، اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے اہل کے اوپر ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا اور اتفاق سے وہ مہینہ انتیس دن کا تھا یعنی ناقص تھا، پھر وہ شخص اپنے اہل پر داخل ہو گیا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔
اگر اس شخص نے مہینہ کے پہلے جزو میں قسم کھائی ہے تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن جب اس نے مہینہ کے درمیان میں قسم کھائی تو پھر جمہور کے نزدیک وہ تیس دن پورے کرے گا۔ اور فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے عبدالحکم بھی ہیں کہ اب بھی اس کے لیے انتیس دن کے بعد گھر میں داخل ہونا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ آلَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک ماہ تک) اپنی ازواج کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی اور آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے ہٹ گئی تھی، تو آپ اپنے بالا خانے میں انتیس راتوں تک رہے، پھر آپ اتر آئے، پس لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے تو

ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، تو آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، ۶۸۹، ۷۳۲، ۷۳۳، ۸۰۵، ۱۱۱۴، ۱۹۱۱، ۲۴۶۹، ۵۲۰۱، ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۶۳۱، سنن نسائی: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۶۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۸، مسند احمد: ۱۲۶۵۸، موطا امام مالک: ۳۰۶، سنن دارمی: ۱۲۵۶)

صحیح البخاری: ۶۶۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''جس شخص نے اپنے اہل کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی'' اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم میں از عبد العزیز گزر چکی ہے، اور کتاب النکاح میں از خالد بن مخلد گزر چکی ہے اور کتاب الطلاق میں از اسماعیل بن ابی اویس گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''آلی'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی۔ اور اس سے مراد ایلاء فقہی نہیں ہے۔

ایلاء فقہی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک مقاربت نہیں کرے گا۔ پھر اگر وہ چار ماہ کے اندر اپنی بیوی کے پاس چلا گیا اور مقاربت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کو اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر چار ماہ تک وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاقِ بائنہ واقع ہو جائے گی اور وہ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اور ایلاء لغوی یہ ہے کہ آدمی چار ماہ سے کم مدت تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے۔ اگر اس مدت کے دوران وہ چلا گیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر اس مدت تک نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی مشربة'' اس کا معنی ہے ''الغرفة'' یعنی بالا خانہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ دوسرے مرد سے ایک مہینہ تک کلام نہیں کرے گا پھر اس نے انتیس دن کے بعد اس سے کلام کر لیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا۔

اور دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے چاند دیکھ کر قسم کھائی تھی تو اس کا اعتبار اس مہینہ کے دنوں کے اعتبار سے ہوگا خواہ اس مہینہ میں تیس دن ہوں یا انتیس دن ہوں۔ اور اگر اس نے مہینہ کے کچھ دن گزرنے کے بعد قسم کھائی تھی تو اس کی قسم تیس دنوں پر محمول ہوگی اور یہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی کا قول ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، اگر آسمان پر گرد و غبار ہو تو تم تیس دن پورے کرو، پس کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے ان پر تیس دنوں کو واجب کیا اور مہینہ کے مکمل ہونے کو تیس دنوں پر قرار دیا حتیٰ کہ وہ اس سے پہلے چاند دیکھ لیں۔ اور آپ نے یہ بتایا کہ مہینہ چاند دیکھنے کے بعد انتیس دن کا بھی ہوتا ہے تیس دنوں سے پہلے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بالا خانے سے انتیس دن کے بعد اتر آئے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے جب یہ قسم کھائی تو چاند کی پہلی تاریخ تھی، یہ اس حدیث کی توجیہ ہے۔

اور اس حدیث سے امام مالک نے اور امام ابوحنیفہ نے اور امام شافعی نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس نے ایک مہینہ کے روزوں کی نذر مانی تو اگر اس نے چاند دیکھ کر روزوں کی نذر مانی تھی اور اس نے انتیس دن کے روزے رکھے تو یہ اس کے لیے کافی ہوں گے۔ اور اگر اس نے چاند کی پہلی تاریخ کے بغیر نذر مانی تو پھر اس کو تیس دن کے پورے روزے رکھنے ہوں گے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جس نے پورے رمضان میں سفر کے دوران روزے نہیں رکھے یا بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے اور وہ رمضان انتیس دن کا تھا تو جب وہ قضاء کرے گا تو تیس دن کے روزے قضاء کرے گا خواہ وہ رمضان انتیس دنوں کا ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۲۵۔۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کا سبب

میں کہتا ہوں: کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ بعض ازواج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے کپڑوں، اچھے زیورات اور زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنج ہوا اور آپ ایک ماہ یا انتیس دن تک ازواج مطہرات کے پاس نہیں گئے جیسا کہ درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے:

(صحیح البخاری: ۴۸۶۷، صحیح مسلم: ۱۴۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۰۸، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن النسائی: ۲۱۳۱، مسند احمد: ۲۲۶۳)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ آپ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں سے کسی کو اجازت نہیں دی گئی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی تو آپ داخل ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے اجازت طلب کی اور ان کو اجازت دی گئی، انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، تو انہوں نے کہا: میں ضرور ایسی بات کروں گا جس سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ بنت خارجہ کو دیکھتے کہ وہ مجھ سے سوال کرتیں تو میں ان کی طرف کھڑا ہوتا اور ان کی گردن مروڑ دیتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے، اور آپ نے فرمایا: یہ جو میرے ارد گرد بیٹھی ہوئی ہیں یہ اسی طرح ہیں جیسے تم دیکھ رہے ہو، یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے اور ان کی گردن مروڑی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت حفصہ کے پاس گئے اوران کی گردن مروڑی، اوران دونوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو، پھر آپ ازواج سے ایک مہینہ یا انتیس دن تک علیحدہ ہو گئے اوراس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ'' (الاحزاب: ۲۸)۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۸، الرقم المسلسل: ۳۵۸۱)

ایک ماہ تک بالا خانہ میں رہنے کے متعلق مختلف احادیث کا باہمی ارتباط

اس باب کی حدیث (صحیح البخاری: ۶۶۸۴) میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ یا انتیس دن تک ازواجِ مطہرات سے الگ رہے اور یہ ذکر ہے کہ آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے الگ ہو گئی تھی اور صحیح البخاری: ۳۷۸ میں یہ حدیث ہے کہ آپ گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ کی دائیں پنڈلی چھل گئی تھی یا آپ کا کندھا چھل گیا تھا اور آپ نے اپنی ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ پھر آپ اپنے بالا خانہ میں بیٹھے رہے جس کی سیڑھیاں کھجور کے تنوں کی تھیں، سو آپ کے اصحاب آتے اور آپ کی عیادت کرتے، پس آپ ان کو بیٹھ کر نماز پڑھاتے تھے اور صحابہ کھڑے ہوتے تھے اور جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتیس دنوں کے بعد بالا خانہ سے اتر آئے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ تک کی قسم کھائی تھی، آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔

یہ مختلف حدیثیں ہیں صحیح البخاری: ۳۷۸، صحیح البخاری: ۸۰۵، صحیح البخاری: ۶۶۸۴۔ اور واقعہ ایک ہی ہے سو ان کے درمیان ربط کو بیان کرنا ضروری ہے۔

پس میں کہتا ہوں: اگرچہ شارحین میں سے کسی نے ان تینوں حدیثوں میں ربط کو بیان نہیں کیا تاہم ہو سکتا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کے خرچ میں زیادتی کے مطالبہ سے آپ نے ان کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی اس موقع پر آپ یا تو گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ کا کندھا یا آپ کی پنڈلی چھل گئی تھی یا آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے ہٹ گئی تھی، اوراس عذر کی وجہ سے آپ ایک ماہ تک بالا خانے میں بیٹھ کر صحابہ کو نماز پڑھاتے رہے۔ پھر انتیس دن کے بعد آپ بالا خانے سے اتر آئے۔ میں نے ان احادیث کے باہمی ارتباط کو اسی طرح سمجھا ہے۔ اگر یہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ یہ میری فکر کی غلطی ہے اور سمجھ کی کمی ہے، تاہم کسی شرح کے اندر ان مختلف احادیث کے باہمی ارتباط اور تطبیق کا ذکر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۱۔ بَابٌ: إِنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَشْرَبَ نَبِيذًا فَشَرِبَ طِلَاءً أَوْ سَكَرًا أَوْ عَصِيرًا لَمْ يَحْنَثْ فِي قَوْلِ بَعْضِ النَّاسِ وَلَيْسَتْ هٰذِهِ بِأَنْبِذَةٍ عِنْدَهُ

جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ نبیذ نہیں پیئے گا، پھر اس نے طلاء (کھجور کو پانی میں بھگویا جائے اور وہ پانی ایک تہائی جل جائے) کو پی لیا، یا اس نے سکر (تازہ کھجوروں کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر جب وہ پانی

گاڑھا ہو جائے اور دھات چھوڑ دے تو وہ سکر ہے) کو
پی لیا، یا عصیر (انگور کا کچا شیرہ جو نشہ آور ہو) کو پی لیا تو
بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) کے نزدیک وہ حانث نہیں
ہوگا اور ان کے نزدیک یہ مشروبات نبیذ نہیں ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبیذ کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، کھجور، انگور، شہد، گندم، جَو، جوار اور چاولوں کو کسی برتن کے اندر پانی میں ڈال دیا جائے۔ کہا جاتا ہے "نبذت التمير" جب کھجوروں کے اوپر پانی کو ڈالا جائے تا کہ پانی کے اندر کھجور کی مٹھاس آجائے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ اور انگوروں کو نچوڑ کر جو شیرہ حاصل کیا جائے اس کو بھی نبیذ کہتے ہیں۔

ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک "طلاء" اس نبیذ کو کہتے ہیں جس کو آگ پر پکایا جائے اور اس کا ایک تہائی جل جائے تو وہ "طلاء" ہے اور اگر اس کا آدھا جل جائے تو وہ "المنصف" ہے اور اگر معمولی جوش دیا جائے تو وہ "باذق" ہے اور ان میں سے جو مشروب بھی گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ حرام ہے۔

کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور شدید ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو اس کو "سکر" کہتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: "بعض الناس" سے امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "طلاء" اور "العصير" "نبیذ نہیں ہیں، کیونکہ نبیذ حقیقت میں اس کو کہتے ہیں کہ جن کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے، تو امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر رد کا ارادہ کیا ہے، لیکن دوسرے شارحین نے یہ کہا ہے کہ امام بخاری کا مقصود امام ابوحنیفہ کا رد کرنا نہیں ہے بلکہ امام بخاری کے قول کی تصحیح اور تائید کرنا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک "طلاء" اور "سکر" اور "عصیر" مخصوص مشروبات کے نام ہیں اور ان کو مطلقاً نبیذ نہیں کہتے، اس لیے جس نے ان مشروبات مخصوصہ کو پیا تو وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس نے نبیذ کو نہیں پیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹۔ ۳۱۰، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۵۔ حَدَّثَنِي عَلِيٌّ سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ أَبِي حَازِمٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ أَعْرَسَ فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِعُرْسِهِ فَكَانَتِ الْعَرُوسُ خَادِمَهُمْ فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ هَلْ تَدْرُونَ مَا سَقَتْهُ قَالَ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمْرًا فِي تَوْرٍ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَيْهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدالعزیز بن ابی حازم سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے صحابی تھے ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے نبی ﷺ کو اپنی شادی میں دعوت دی، تو ان کی دلہن مہمانوں کی خادمہ تھی، پس

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پلایا؟ پھر انہوں نے کہا: اس نے رات میں
کھجوروں کو ایک برتن میں بھگویا حتیٰ کہ صبح تک وہ بھیگے رہے پھر
اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا نبیذ پلایا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۶۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ ذہن کی طرف متبادر یہ ہے کہ اس دلہن مذکورہ نے کھجوروں سے بنایا ہوا نبیذ پلایا اور اس میں ''بعض الناس'' یعنی امام ابوحنیفہ پر رد ہے۔

اور صاحب التوضیح نے کہا ہے: اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے، کیونکہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ انہوں نے شارع علیہ السلام کو وہ نبیذ پلایا تھا جو تازہ بنا ہوا تھا اور اس کا پینا جائز تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کہا: میں نے رات میں ایک برتن میں چند کھجوروں کو پانی میں ڈالا حتیٰ کہ صبح تک وہ بھیگی رہیں، پھر صبح میں نے اس کا مشروب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پلایا۔

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو کھجوروں کو پانی میں بھگو دیتے تھے اور صبح پیتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں امام ابوحنیفہ پر ہرگز رد نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے کھجوروں کے بنائے ہوئے پانی سے نبیذ کے نام کی نفی نہیں کی۔ امام بخاری نے صرف یہ کہا ہے کہ طلاء، سَکَر اور العصیر نبیذ نہیں ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص نام ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں اور امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے جو اپنے والد ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں، جو الاعرج (لنگڑے) ہیں اور وہ حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا پہلے نام حزن تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اُسید رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے جو اسد کی تصغیر ہے، ان کا نام مالک الساعدی ہے اور یہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے نام کے ساتھ صحابی کا ذکر کیا، یا تو

لذت حاصل کرنے کے لیے، یا فخر کرنے کے لیے یا ان کی تعظیم کرنے کے لیے، یا جو شخص ان کو نہ جانتا ہو اسے بتلانے کے لیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فکانت العروس" "عروس" کا لفظ فعول کے وزن پر ہے، یہ مذکر اور مونث دونوں میں برابر ہے یعنی دولہا اور دلہن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، اور یہاں پر مراد دلہن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خادمھم" یہ مذکر کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ اور یہاں مراد حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں جو دلہن تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی تور" اس کا معنی ہے: پیتل یا پتھر کا برتن۔ اس برتن سے پانی لے کر وضو بھی کیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسقته ایاہ" یعنی اس مذکورہ دلہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذِ تمر پلایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۰۔ ۳۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَا زِلْنَا نَنْبِذُ فِيهِ حَتَّى صَارَ شَنًّا۔

(سنن نسائی: ۴۲۴۰، مسند احمد: ۲۶۸۷۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابی خالد نے خبر دی از الشعبی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتی ہیں: ہماری ایک بکری مرگئی، ہم نے اس کی کھال کو رنگ لیا، پھر ہم ہمیشہ اس سے بنائی ہوئی مشک میں نبیذ پیتے تھے حتیٰ کہ وہ ہماری مشک پرانی ہوگئی۔

صحیح البخاری: ۶۶۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہم ہمیشہ اس مشک میں نبیذ پیتے تھے" اور انہوں نے بکری کی کھال کو رنگ کر اس کی مشک بنائی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، وہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ حضرت عبداللہ بن مبارک المروزی ہیں، وہ روایت کرتے ہیں اس اسماعیل بن ابی خالد اور ان کا نام سعد ہے اور ان کو ہرمز البجلی کہا جاتا ہے، وہ از عامر الشعبی از عکرمہ از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مسکھا" مسک کا معنی ہے: کھال۔
اس حدیث میں مذکور ہے "شنا" اس کا معنی ہے: پرانی کھال۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۱۔ ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابٌ: إِذَا حَلَفَ أَنْ لَا يَأْتَدِمَ فَأَكَلَ تَمْرًا بِخُبْزٍ وَمَا يَكُونُ مِنَ الْأُدْمِ

جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا، پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی یا کسی اور چیز کے ساتھ جو سالن کے قائم مقام ہو

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی تو آیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے روٹی سالن کے ساتھ کھائی ہے۔ امام بخاری نے اس باب کا حکم نہیں بیان کیا اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ حدیث کی نصوص سے اس کا حکم مستنبط کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا توڑا اور اس کے اوپر کھجور رکھی اور آپ نے فرمایا: یہ سالن ہے، پھر آپ نے اس کو کھا لیا۔

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ گھر میں روٹی کے سوا جو چیز بھی میسر ہو وہ سالن ہے، عام ازیں کہ وہ تر و تازہ ہو یا خشک ہو۔ اور اس قول کی بناء پر جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا، پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی تو وہ شخص حانث ہو جائے گا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ اس زمانہ میں غالب یہ تھا کہ لوگ کھجور کو خوراک بناتے تھے کیونکہ ان کا گزران بہت تنگی کے ساتھ تھا اور کھجور کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ روٹی کھانے پر وہ عام طور پر قادر نہیں ہوتے تھے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے: سالن وہ چیز ہے جس میں رنگ ہو جیسے زیتون کا تیل اور شہد اور سرکہ اور جس چیز میں رنگ نہ ہو جیسے بھنا ہوا گوشت، پنیر اور انڈے تو یہ سالن نہیں ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ یہ سالن ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی یہی روایت ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عابس از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل نے کبھی

ابْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَائِشَةَ بِهَذَا۔

تین دن مسلسل گندم کی روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ اللہ عزوجل سے جاملے۔

ابن کثیر نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح بیان کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۳، ۵۴۳۸، ۵۵۷۰، ۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۱ ۴۳ ۲۳)

صحیح البخاری: ۶۶۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پر بحث

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث باب کے عنوان پر کس طرح دلالت کرتی ہے، پھر کہا: جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اکثر اوقات میں کھجوریں موجود ہوتی تھیں اور وہ کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتے تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ روٹی کو کھجوروں کے ساتھ کھانا سالن کے ساتھ کھانے کے برابر نہیں تھا، یا اس حدیث کو اس باب میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے اور وہ لفظِ مادوم ہے جس کا معنی سالن ہے۔ اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ امام بخاری کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جو ان کی شرط کے مطابق ہو اور اس باب کے عنوان پر دلالت کرتی ہو، یا پھر اس حدیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ ناقلین کے تصرفات میں سے ہے۔ علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ بدرالدین عینی، علامہ کرمانی کی اس توجیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے پہلی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اکثر اوقات کھجوریں رہتی تھیں اور وہ کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ روٹی کو سالن سے نہیں کھاتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی اس توجیہ کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ توجیہ امام بخاری کی مراد کے خلاف ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ امام بخاری کی مراد کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابھی ذکر کی گئی ہے وہ علامہ کرمانی کے رد میں زیادہ قوی ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا پکڑا اور اس کے اوپر کھجور رکھی اور آپ نے فرمایا: یہ سالن ہے، پھر آپ نے اس کو کھالیا''۔

علامہ کرمانی کی دوسری توجیہ کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ رد کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ سالن اسی وقت کہا جاتا ہے جب آدمی ایسی چیز کو کھائے جس سے رنگ حاصل ہو۔

علامہ عینی اس توجیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی، کیونکہ حدیث میں ''مادوم'' کا لفظ ہے جس کا معنی سالن ہے اور وہ اس سے عام ہے کہ وہ سالن ایسا ہو جس سے رنگ حاصل ہو یا اس کا رنگ حاصل نہ ہو۔

علامہ کرمانی نے جو تیسری توجیہ بیان کی ہے کہ یہ ناقلین کا تصرف ہے تو اس وجہ کا بعید ہونا بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ البخاری البیکندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن عابس، وہ اپنے والد عابس بن ربیعہ النخعی سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں از خلاد بن یحییٰ از سفیان کافی طوالت کے ساتھ گزر چکی ہے اور یہاں پر اس حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے تین دن تک گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی'' یعنی آپ کی آل نے مسلسل تین دن تک گندم کی روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی لحق باللہ'' یہ لفظ آپ کی وفات سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں تعلیق ہے کہ ''عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''بھذا'' یعنی عبدالرحمٰن کی جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۳۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٨٨ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَهَبْتُ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِمَنْ مَعَهُ قُومُوا فَانْطَلَقُوا وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسُ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت کمزور سنی ہے اور میں اس میں بھوک کو پہچان رہا تھا، کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں، پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر انہوں نے اپنا دوپٹا پکڑا اور بعض روٹیوں کو دوپٹے کے بعض حصہ کے ساتھ لپیٹ دیا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، میں گیا، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا اور آپ کے ساتھ لوگ تھے، پس میں وہاں پر کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ حَتَّى دَخَلَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ قَالَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذَلِكَ الْخُبْزِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلًا۔

ان لوگوں سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے: اٹھو، پس وہ چل پڑے اور میں بھی ان کے آگے چل پڑا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ام سلیم! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں اور ہمارے پاس تو اتنا کھانا ہے نہیں جو ہم ان کو کھلائیں، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوطلحہ ساتھ آئے حتیٰ کہ وہ دونوں گھر میں داخل ہو گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، پس حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا وہ روٹیاں لے آئیں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان روٹیوں کے ٹکڑے کیے گئے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی شہد کی کپی نچوڑ کر اس کا سالن بنایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دعائیہ کلمات پڑھے، پھر آپ نے فرمایا: دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دی، پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو کر گھر سے نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: (مزید) دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو، پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو کر گھر سے نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: (مزید) دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو، پس سب لوگوں نے کھا لیا اور وہ سیر ہو گئے، اور وہ لوگ اس وقت ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۲، ۳۵۷۸، ۵۳۸۱، ۵۴۵۰، ۶۶۸۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۵)

صحیح البخاری: ۶۶۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہو سکتی ہے جس میں سالن کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث علامات

نبوت میں کافی تفصیل سے گزر چکی ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں اختصار کے ساتھ گزری ہے اور کتاب الاطعمہ میں بھی گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل انصاری ہے جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے خاوند ہیں اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عكة" اس کا معنی ہے: گھی رکھنے کا برتن۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فادمته" یعنی روٹی کے ساتھ سالن لگایا۔

حدیث مذکور کا فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۳۔ ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: النِّيَّةِ فِي الْأَيْمَانِ — قسموں میں نیت کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اَیمان میں نیت کے متعلق ہے، اَیمان میں ہمزہ پر زبر ہے اور یہ یمین کی جمع ہے، اسی طرح تمام روایات میں ہے۔ اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: بعض روایات میں یہ لفظ ایمان ہے اور ہمزہ پر زیر ہے۔ پھر کہا: امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: جب قسم بندہ اور اس کے رب کے درمیان میں ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کہ وہ بندہ نیت کرے گا اور قسم کو اس کی نیت پر محمول کیا جائے گا۔ اور جب قسم بندہ اور کسی آدمی کے درمیان ہو اور قسم کھانے والا اپنی نیت میں غیر ظاہر کی نیت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کے کلام کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔ اس پر اجماع ہے جب وہ اس پر کوئی گواہ پیش کرے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قسم، قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے سوا اس صورت کے کہ اس قسم میں کسی آدمی کا حق متعلق ہو تو پھر جو قسم طلب کر رہا ہے اس کی نیت پر قسم کو محمول کیا جائے گا۔ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ قسم ہمیشہ قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے اور قسم کھانے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ قسم میں توریہ کرے اور انہوں نے اس بابِ مذکور کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اس پر ان کا اجماع ہے کہ جب وہ اپنی قسم سے کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرے تو پھر وہ توریہ نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا، وہ

اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابراہیم نے خبر دی کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص اللیثی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے، اور مرد کے لیے صرف وہی ثمرہ مرتب ہوتا ہے جس کی اس نے نیت کی، پس جس مرد کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف (شمار) ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح البخاری:۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، صحیح مسلم:۱۹۰۷، سنن ترمذی:۱۶۴۷، سنن نسائی:۷۵، سنن ابوداؤد:۲۲۰۱، سنن ابن ماجہ:۴۲۲۷، مسند احمد:۱۶۹)

صحیح البخاری:۶۶۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے "قسموں میں نیت کا بیان" اور اس حدیث میں ذکر ہے "اعمال کا مدار نیت پر ہے"، اور قسم کھانا بھی ایک عمل ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، وہ ابن الحارث التیمی القرشی المدنی ہیں۔

اور یہ حدیث صحیح البخاری کی پہلی حدیث ہے اور اس پر وہاں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۴۔ ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۶۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب قسم کھانے والا اپنی قسم میں کسی خاص زمانہ یا کسی خاص جگہ یا کسی خاص عدد کی نیت کرے تو اس کے متعلق اختلافِ فقہاء

قسم کھانے والا اگر اپنی قسم میں کسی زمانہ یا کسی جگہ کی تخصیص کرے تو وہ کرسکتا ہے خواہ کہ اس تخصیص کا تقاضا اس کے الفاظ سے نہ ہوتا ہو جیسے کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ زید کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اور یہ ارادہ کرے کہ ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا یا ایک سال تک داخل نہیں ہوگا تو اگر وہ ایک ماہ بعد داخل ہو یا ایک سال کے بعد داخل ہو تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا، یا وہ یہ قسم اٹھائے کہ وہ مثلاً زید سے کلام نہیں کرے گا اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے گھر میں زید سے کلام نہیں کرے گا تو اگر وہ کسی اور کے گھر میں زید سے کلام کرے تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا۔

اور امام شافعی اور ان کے موافقین نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق اور اس نے کسی عدد کی نیت کی تو اس عدد کا اعتبار کیا جائے گا اگرچہ اس نے اس کا تلفظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو بائن ہے، تو اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی تو وہ عورت بائنہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اس سے کم کی نیت کی تو جتنی اس نے نیت کی تھی اتنی طلاقیں واقع ہوں گی اور طلاق رجعی ہوگی۔

فقہاء احناف نے ان دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قسم، قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے لیکن آدمیوں کے حقوق کے ماسوا میں اور آدمیوں کے حقوق میں وہ قسم طلب کرنے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے، اور اس میں توریہ سے فائدہ نہیں ہوگا جب کہ وہ اس سے دوسرے کا حق قطع کرے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ دونوں حاکم کے پاس مقدمہ پیش کریں، لیکن جب وہ حاکم کے پاس مقدمہ نہ پیش کریں تو اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ پھر یہ قسم کھانے والے کی نیت پر قسم محمول ہوگی۔

علامہ نووی الشافعی نے کہا ہے: جس شخص نے کسی مرد پر کسی حق کا دعویٰ کیا، پس حاکم نے اس پر قسم پیش کی تو حاکم کی نیت کے اعتبار سے قسم منعقد ہوگی اور اس میں اتفاقاً توریہ مفید نہیں ہے۔ اور اگر اس نے حاکم کے قسم طلب کرنے کے بغیر قسم کھائی تو پھر اس کو توریہ سے فائدہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس سے کسی کا حق باطل ہوتا ہو تو وہ گناہ گار ہوگا خواہ اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ اور ان تمام کا حکم اس صورت میں ہے جب وہ لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھائے اور اگر اس نے طلاق کی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہے تو اس کو توریہ سے فائدہ ہوگا خواہ اس کو حاکم قسم پیش کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم میں لفظ کے عرفی معنی اور شرعی معنی اور لغوی معنی کے اعتبار کے متعلق مسائل فقہیہ

امام بخاری نے اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے اور یہ ایک عظیم حدیث ہے، اس میں عقائد، طہارت، صلوٰۃ، صدقہ، حج، بیع، رہن، نذور وغیرہا تمام ابواب علم داخل ہیں۔ اور تمام ابواب علم کے متعلق اس سے زیادہ وسیع

حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں عادات بھی داخل ہیں اور عبادات بھی داخل ہیں۔
شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: اس حدیث کے عموم میں قسمیں بھی داخل ہیں کیونکہ قسم میں بھی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور کبھی قسم میں عرف کی نیت ہوتی ہے کبھی شرعی معنی کی نیت ہوتی ہے اور کبھی لغوی معنی کی نیت ہوتی ہے۔

قسم میں عرفی معنی کا اعتبار

قسم میں عرفی معنی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب لفظ میں اس کی گنجائش ہو لیکن لفظ میں جب اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور وہ قسم لغو ہوگی، مثلاً کسی شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج رات صرف فراش (بستر) پر سوؤں گا، اور اس نے لفظِ فراش سے زمین کی نیت کی، پھر وہ صحرا میں چلا گیا اور وہاں سو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تم نے تو کہا تھا کہ میں فراش پر سوؤں گا اور اب تم صحرا میں سو گئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ فراش سے میری مراد صحرا ہے، پس لفظ یہاں پر فراش ہے اور وہ اس نیت کا احتمال رکھتا ہے، لیکن لغت میں اس سے مراد زمین ہے لیکن عام لوگ اس کا احتمال نہیں رکھتے، لہٰذا قسم کھانے والے کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج روٹی نہیں بیچوں گا، پس اس نے روٹی بیچی، اس سے کہا گیا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی کہ میں آج روٹی نہیں بیچوں گا؟ تو اس نے کہا: میں نے روٹی سے گوشت کا ارادہ کیا تھا، اب وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ روٹی کے لفظ میں گوشت کے ارادہ کی گنجائش اور احتمال نہیں ہے۔ اب یہاں ہم اس کی نیت کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے مقتضیٰ ظاہر کے خلاف نیت کی، تب بھی اس کی نیت کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اگرچہ لفظ اس کی گنجائش رکھتا ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مرد نے قسم کھائی: اللہ کی قسم! آج میں لوگوں سے کلام نہیں کروں گا، پھر وہ اپنے گھر سے نکلا اور جو شخص اس سے ملا اس نے اس کو سلام کیا، اس سے کہا گیا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی کہ میں آج لوگوں سے کلام نہیں کروں گا تو اس نے کہا: میری مراد یہ تھی کہ میں فاسق لوگوں سے کلام نہیں کروں گا اور میں صرف نیک لوگوں کو سلام کروں گا تو اس کے اس قول کو قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ''لوگوں'' کا لفظ عام ہے اور لغتِ عربیہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ لفظِ انسان سے عموم کا اور خصوص کا ارادہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ۔ (آل عمران: ۱۷۳)

ان لوگوں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے، سو تم ان سے ڈرو۔

آل عمران: ۱۷۳ کی تفسیر از مصنف

ابوسفیان نے جنگ احد سے واپسی پر آئندہ سال بدر صغریٰ کے مقام پر مقابلہ کرنے کے لیے کہا تھا، مسلمان اس جنگ کی تیاری میں مصروف تھے، ابوسفیان نے نعیم بن مسعود کو بھیجا، اس نے مسلمانوں سے کہا: اہل مکہ تمہارے گھروں پر آ کر تم پر حملہ کر چکے ہیں اور اس جنگ میں تم کو نقصان پہنچا چکے ہیں تو جب تم ان کے شہر پر جا کر حملہ کرو گے حالانکہ تم تعداد میں کم ہو گے اور وہ زیادہ ہوں گے تو پھر تم کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا، اسی طرح منافقوں نے بھی مسلمانوں کو ڈرایا کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب ایک بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں، سو تم ان سے ڈرو، مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمیں کافی ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۵۲۲)
اس آیت میں لفظ ''الناس'' عام ہے اور اس سے خصوصاً اہل مکہ کا ارادہ فرمایا ہے، سو معلوم ہوا کہ کسی لفظِ عام سے خاص کا

ارادہ کرنا جائز ہے۔ پس جس شخص نے کہا تھا کہ میں آج لوگوں سے کلام نہیں کروں گا تو یہ لفظِ عام تھا لیکن اس نے ارادہ یہ کیا کہ میں خصوصیت سے بدکار اور فاسق لوگوں سے کلام نہیں کروں گا صرف نیک مسلمانوں سے کلام کروں گا تو اس لفظِ عام سے اس نے خاص لفظ کا ارادہ کیا، سو اس کا یہ ارادہ کرنا بھی جائز ہے۔

اور جب قسم کھانے والے کی نیت نہ ہو تو قسم کے سبب کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا: فلاں آدمی تمہیں گالی دے رہا تھا یا تمہاری غیبت کر رہا تھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے بات نہیں کروں گا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس نے اس کو خبر دی تھی اس نے اپنے گمان سے خبر دی تھی، پھر قسم کھانے والے نے اس شخص سے بات کی تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ جس سبب سے اس نے قسم کھائی تھی، پس معلوم ہوا کہ اس شخص میں اس کا وجود نہیں ہے۔

اور جب اس طرح نہ ہو تو پھر لفظ کے مدلول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور لفظ کا مدلول عرفی بھی ہوتا ہے اور شرعی بھی ہوتا ہے اور لغوی بھی ہوتا ہے، مثلاً ایک مرد نے کہا: "واللہ لاشترین یوما شاۃ" (اللہ کی قسم! میں آج ضرور بکری خریدوں گا) اور اس نے بکری خرید لی تو عرف کے مطابق وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ شاۃ کا اطلاق لغت میں بکرے اور دنبہ پر ہوتا ہے، تو یہاں عرفی معنی کے اعتبار سے وہ حانث نہیں ہوگا۔

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر لغت اور عرف میں اختلاف ہو تو عرف کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ عرف متکلم کے مقصود کے زیادہ قریب ہوتا ہے خاص طور پر عام لوگوں کے نزدیک۔

اور جب کہ لفظ کا مدلول عرفی ہو اور شرع میں اس کے دو معنی ہوں ایک صحیح اور ایک فاسد، تو اس کو صحیح معنی پر محمول کیا جائے گا۔

اور جب وہاں پر لفظ کی حقیقتِ شرعیہ یا حقیقتِ عرفیہ نہ ہو تو پھر اس کو حقیقتِ لغویہ پر محمول کیا جائے گا، پس اگر کسی شخص نے کہا "واللہ لا اصلی الیوم" (اللہ کی قسم! میں آج نماز نہیں پڑھوں گا) پھر اس نے نماز پڑھی تو وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لیکن جب اس نے کہا کہ میں نے نماز سے صرف دعا کا ارادہ کیا تھا تو ہم کہیں گے: اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ جو لفظ اس نے کہا ہے وہ اس معنی کی گنجائش رکھتا ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور یہ قاعدہ قسموں میں مفید ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے: طلاق قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ آزاد کرنا قسم کے قائم مقام ہے مثلاً جب کسی انسان نے کہا کہ اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو میری بیوی کو طلاق، لیکن وہ یہ ارادہ نہیں کرتا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے بلکہ وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، پس جمہور فقہاء کے نزدیک اگر وہ اس گھر میں داخل ہوا جس گھر میں داخل ہونے پر اس نے طلاق کو معلق کیا تھا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس نے یہ نیت کی ہو کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے گا۔ اور شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کی بیوی پر اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک کہ وہ ان الفاظ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے، اس نے تو ان الفاظ سے صرف اپنے نفس کو اس بیوی سے روکنے کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اعمال کا مدار نیات پر ہے" اور اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے نیز ان آثار سے استدلال کیا ہے جو صحابہ سے منقول ہیں کہ انسان نے جب یہ نذر مانی کہ وہ ایک غلام کو آزاد کرے گا تو یہ قسم کے قائم مقام ہے، پس اگر وہ غلام کو آزاد نہ کرے تو اس کے لیے قسم کا کفارہ دینا کافی ہے مثلاً کسی شخص نے کہا: اگر میں نے زید سے کلام کیا تو میرا غلام آزاد ہے، پس صحابہ سے منقول ہے کہ اس کے اوپر غلام کو آزاد کرنا لازم نہیں ہے اور اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ سے طلاق کے متعلق کوئی چیز منقول نہیں ہے، پھر کیا ان سے غلام آزاد کرنے کے متعلق کوئی چیز منقول ہے؟ تو شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ طلاق کی قسم کھانا عہدِ صحابہ میں معروف نہیں تھا، اسی لیے اس سلسلہ میں ان کا کوئی فتویٰ منقول نہیں ہے جیسا کہ غلام آزاد کرنے کی قسم کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معروف نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فتویٰ منقول نہیں ہے۔ اور اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم:۱۔۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے O (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کے حرام کرنے کو قسم قرار دیا ہے خواہ اس شخص نے قسم نہ کھائی ہو۔

جیسے کسی شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل ہونا مجھ پر حرام ہے، پھر وہ اس گھر میں داخل ہو گیا تو ہم کہتے ہیں: اس کے اوپر قسم کا کفارہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو بھی شامل ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر اس نے کہا: اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو مجھ پر میری بیوی حرام ہے، پھر وہ اس گھر میں داخل ہو گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس پر قسم کا کفارہ ہے اس لیے کہ بیوی کو حرام کرنا یا کسی اور حلال چیز کو حرام کرنا برابر ہے، کیونکہ بیوی کو حرام کرنا اور اس کے غیر کو حرام کرنا یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا تھا، پس جب اس نے ان کو اپنے نفس پر حرام قرار دیا اور اس سے قسم کا ارادہ کیا تو اس کے لیے قسم کا حکم ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہد کو پینا حلال تھا آپ نے اس کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم قرار دیا جب کہ آپ کے اوپر شہد حرام نہیں ہوا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کہا: اگر میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کی پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے، تو یہ بھی قسم کے حکم میں ہے بشرطیکہ وہ قسم کا ارادہ کرے۔

اور ہم ان تمام جزئیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے:

''اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے اور ہر مرد کے لیے وہی ثمرہ ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے، سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف (شمار) ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے ہو یا کسی

عورت کو پانے کے لیے ہوتو اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے"۔

ہجرت کی دو قسمیں

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک بدن کے ساتھ ہجرت ہے اور دوسری عمل کے ساتھ ہجرت ہے اور اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا:

''مہاجر وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کر لی''۔ یہ ہجرتِ عمل ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ۔ (الحشر:۸) (یہ اموال) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا۔

اس آیت میں ہجرتِ بدن مراد ہے، کیونکہ آدمی بدن سے ہجرت کر کے شرک کے شہر سے اسلام کے شہر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور شرک کا شہر وہ ہے جس شہر کے حکام اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو نافذ نہیں کرتے۔ لیکن جن شہروں کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ شرک کے شہر ہیں یہ وہ ہیں جن میں شعائرِ اسلام بالکل نہ ہوں، نہ اذان ہو اور نہ جماعت ہو اور نہ جمعہ ہو۔ یہ شرک کے شہر ہیں۔

لیکن وہ شہر جن میں اذان ہو، اور لوگ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوں اور جمعہ پڑھنے کے لیے آئیں وہ اسلام کے شہر ہیں، خواہ ان شہروں کے حکام ان میں وہ احکام نافذ کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیے، سو یہ دار، دارِ اسلام ہوگا۔

اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہر وہ شہر جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام نافذ نہ ہوں وہ بلادِ کفر ہیں تو میں نہیں گمان کرتا کہ اس دور کے اندر کوئی بلادِ اسلام ہوگا مگر بہت کم۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بلادِ کفر وہ ہیں جن میں شعائرِ کفر کا اعلان کیا جائے۔ اور اس میں شعائرِ اسلام بالکل نہ ہوں، نہ اذان ہو، نہ جمعہ ہو، نہ جماعت ہو اور نہ ماہِ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو یہ بلادِ کفر ہیں۔

تو اب ہم کہتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں، ایک ہجرتِ بدن ہے اور دوسری ہجرتِ عمل ہے۔ ہجرتِ عمل یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور حرام کاموں کو ترک کر دے۔

پھر غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فهجرته الی الله و رسوله'' آپ نے اس کو دوبارہ ظاہر فرمایا اور یہ نہیں فرمایا ''فهجرته الی ما هاجر الیه'' یعنی اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی، بلکہ فرمایا: اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے، کیونکہ اس ہجرت کا شرف ہے اور تعظیم اور تکریم ہے، اور اس کی ہجرت ایک امرِ عظیم شریف کی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ پھر اس حدیث کے دوسرے جملہ میں فرمایا ''کہ جس کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی ہے'' اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کی ہجرت دنیا کی طرف ہوگی جس کو وہ پائے یا عورت کی طرف ہوگی جس سے وہ نکاح کرے، کیونکہ اس سے مراد دنیا کی اور عورت کی حقارت ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صراحتاً ذکر سے اعراض فرمایا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ۵۹۲۔ ۵۹۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابٌ إِذَا أَهْدَى مَالَهُ عَلَى وَجْهِ النَّذْرِ وَالتَّوْبَةِ

جب کسی شخص نے اپنے مال کا بطورِ نذر ہدیہ دیا یا بطورِ توبہ ہدیہ دیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے اپنے مال کو مسلمانوں کے لیے بطورِ ہدیہ پیش کیا، یا کسی شخص نے اپنے مال کا بطورِ نذر صدقہ دیا یا بطورِ توبہ صدقہ دیا اور ایک روایت میں ہے بطورِ قربت اور عبادت صدقہ دیا۔ اور اس کا جواب محذوف ہے یعنی جب کسی شخص نے اپنے مال کو اس طرح ہدیہ میں پیش کیا یا اپنے مال کے ہدیہ کو کسی کام پر معلق کیا تو آیا یہ ہدیہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

اور یہ باب ابواب النذور میں سے پہلا باب ہے کیونکہ یہ کتاب ''الایمان'' اور ''النذور'' میں ہے یعنی قسموں اور نذروں کے بیان میں ہے اور امام بخاری ''ایمان'' اور قسموں کے ابواب سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب ''نذور'' کے ابواب شروع ہوئے۔

نذور کا لفظ ''نذر'' کی جمع ہے اور ''نذر'' کا معنی ہے: کسی چیز کو عبادت سے یا صدقہ سے اپنے نفس کے اوپر تبرعاً واجب کرنا یعنی ازخود واجب کرنا۔ اور کہا جاتا ہے کہ لغت میں نذر کا معنی ہے: کسی نیکی یا برائی کو لازم کر لینا اور اس کا شرعی معنی ہے: مکلف کا کسی ایسے کام کا التزام کرنا جو اس پر واجب نہیں تھا خواہ وہ اس کام کو جلدی کرے یا اس کام کو کسی دوسرے کام پر معلق کرے۔

اور نذر کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ''نذرِ تبرّر'' ہے یعنی نیکی اور اچھے کام کی نذر ماننا۔ اور دوسری قسم ''نذرِ لجاج'' ہے یعنی برائی اور گناہ کی نذر ماننا۔

نذر تبرر کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ جس سے ابتداءً تقرب حاصل کرے، جیسے کسی شخص کا مطلقاً یہ کہنا کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر اتنے روزے رکھنا لازم ہے یا مطلقاً کہے: اگر اللہ نے میرے بیمار کو شفاء دے دی تو میں اس کے شکر میں روزے رکھوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ نذرِ تبرر کی دونوں صورتیں صحیح ہیں اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ نذرِ تبرر کی دوسری صورت صحیح نہیں ہے اور وہ منعقد نہیں ہوگی۔ اور نذرِ تبرر کی دوسری قسم یہ ہے جس میں تعلیقاً تقرب حاصل کیا جائے مثلاً وہ کہے ''اگر فلاں شخص سفر سے آیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اتنے دن روزے رکھوں گا''۔ اور یہ قسم بھی اتفاقاً لازم ہے۔

اور اسی طرح نذر لجاج کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ جس میں نذر کو کسی حرام کام پر معلق کرے یا واجب کے ترک پر معلق کرے، سو یہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں نذر کو کسی مباح فعل پر معلق کرے یا مستحب کے ترک پر معلق کرے یا خلافِ اولیٰ پر معلق کرے، سو اس میں فقہاء کے تین اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نذر کو پورا کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ نذر پوری نہ کرے تو قسم کا کفارہ دے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو نذر پورا کرنے یا کفارہ قسم دینے میں اختیار ہے۔ اور فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ قسم اصلاً منعقد نہیں ہوگی۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نذر پوری نہ کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٩٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا فَقَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنِّي أَنْخَلِعُ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی از عبداللہ بن کعب، اور وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ان کے قائد تھے جب وہ نابینا ہو گئے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اپنی حدیث میں (اس آیت کی تفسیر میں) "وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا" (التوبہ:١١٨) (اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا) اور انہوں نے اپنی حدیث کے آخر میں کہا: میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو بطور صدقہ پیش کروں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ٢٧٥٧، ٢٩٤٧، ٢٩٤٨، ٢٩٤٩، ٢٩٥٠، ٣٠٨٨، ٣٥٥٦، ٣٨٨٩، ٣٩٥١، ٤٤١٨، ٤٦٧٣، ٤٦٧٧، ٤٦٧٨، ٦٢٥٥، ٦٦٩٠، ٧٢٢٥، صحیح مسلم: ٢٧٦٩، سنن ترمذی: ٣١٠٢، سنن نسائی: ٣٨٢٦، سنن ابوداؤد: ٣٣١٧، مسند احمد: ١٥٣٤٣)

صحیح البخاری: ٦٦٩٠، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جب کسی شخص نے اپنے مال کو بطور نذر اور توبہ ہدیہ کیا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی توبہ میں اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کے لیے خالی کر دیا۔

اس پر اعتراض ہے کہ اس مال کو خالی کرنا نذر پر دلالت نہیں کرتا اور باب کے عنوان میں نذر کا ذکر ہے۔

اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالی کرنے میں التزام کا معنی ہے یعنی انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خالی کر دیں گے۔ اور التزام میں نذر کا معنی ہے اور یہ جو میں نے جواب دیا ہے یہ شارحین میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن صالح، یہ ابو جعفر المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن وہب کا ذکر ہے جن کا

نام عبداللہ بن وہب المصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کا ذکر ہے۔

اور یہ حدیث کتاب المغازی میں کافی طول کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔ اور آیتِ مذکورہ "الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا" (التوبہ:۱۱۸)، حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ حضرت مرارہ اور حضرت ہلال رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی حدیثه" یعنی جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے کی حدیث بیان کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان انخلع" یہ لفظ انخلاع سے بنا ہے یعنی میں اپنے مال سے خالی ہو جاؤں جیسا کہ انسان جب کپڑے اتارتا ہے تو وہ کپڑوں سے خالی ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "امسك عليك بعض مالك" یعنی تم سارا مال صدقہ نہ کرو بلکہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔ امام ابوداؤد نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ اور سنن ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایک تہائی مال صدقہ کر دو تو وہ تمہارے لیے کافی ہے۔

جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی، اس کے متعلق فقہاء اسلام کے حسب ذیل دس اقوال ہیں:

(۱) امام مالک نے کہا ہے: اس پر لازم ہے کہ وہ تہائی مال کو صدقہ کرے۔

(۲) اللیث اور ابن وہب نے کہا ہے: اگر وہ مال دار ہے تو وہ تہائی مال کو صدقہ کرے اور اگر وہ فقیر ہے تو قسم کا کفارہ دے۔

(۳) ربیعہ نے کہا ہے: اگر وہ متوسط ہے تو تہائی مال سے ایک حصہ نکالے۔

(۴) سحنون مالکی نے کہا ہے: اتنا مال صدقہ کرے جس سے اس کو ضرر نہ ہو۔

(۵) ربیعہ کا دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے۔

(۶) ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ وہ اپنا تمام مال نکالے اور صدقہ کرے۔

(۷) امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: اگر اس نے اس صدقہ کو کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس نے کہا ہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو میں اپنا تمام مال صدقہ کروں گا، یا اس نے کہا: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو اپنا تمام مال صدقہ کروں گا تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اپنا تمام مال نکالے اور صدقہ کرے۔

(۸) امام شافعی نے کہا ہے: اگر اس نے یہ نذر بطور نیکی کے مانی ہے مثلاً کہا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو میں تمام مال صدقہ کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے، اور اگر یہ نذر لجاج اور غضب کے طور پر تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے نفس کو کسی مباح کام سے روکے مثلاً اس نے کہا: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو میرا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں

صدقہ ہے تو اس کو اختیار ہے، اگر چاہے تو نذر پوری کرے اور چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے۔
(۹) ابن ابی لیلیٰ، طاؤس اور شعبی نے کہا ہے: اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔
(۱۰) امام زُفر نے کہا ہے: وہ اپنی ذات کے لیے دو مہینہ کی روزی کے برابر مال رکھ لے، پھر اتنا ہی مال صدقہ کر دے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس باب کی جو شرح کی ہے اس کا اکثر حصہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب میں مذکور ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۴۹۔۷۴۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ ''تم کچھ مال اپنے پاس رکھ لو'' اس کی حکمت

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال میں سے جو عمدہ جزو ہے اس کو صدقہ کر دو اور غالباً یہ تہائی مال سے زیادہ تھا کیونکہ کسی چیز کا بعض اس کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ اور شاید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان کے پاس بہت مال ہے اور بعض مال ان کے پاس رہا تو وہ ان کے لیے کافی ہوگا۔ اور اس حدیث سے علامہ سحنون مالکی کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کرے گا تو وہ اتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکالے جس کو صدقہ کرنے سے اس کو ضرر نہ ہو۔ نیز اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی طرف سے دیا جائے اور ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ (صحیح البخاری: ۱۴۲۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن داری: ۱۶۵۱)

اور امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے۔ (الموطا ص ۲۹۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا کہ ''میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو خالی کر دوں'' کیا انہوں نے اپنے اس قول سے تمام مال کے صدقہ کا التزام کیا تھا یا ان کا صرف یہ ارادہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے اور انہوں نے اس کو واجب نہیں کیا تھا؟ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا التزام کیا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے ''تمہارے لیے اس مال سے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے''۔ اگر آپ کا یہ کلام بطور مشورہ ہوتا تو آپ اس طرح نہ فرماتے۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن نے اس شخص کے متعلق فقہاء کے آٹھ اقوال ذکر کیے ہیں جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی قسم کھائی ہو۔

تنبیہ: علامہ عینی کی شرح میں ہم فقہاء کے دس اقوال نقل کر چکے ہیں اور ان دس اقوال میں علامہ ابن ملقن کے ذکر کیے ہوئے آٹھ اقوال بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے کہ علامہ ابن بطال مالکی نے اس مسئلہ میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تفصیل

اور پانچواں قول یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے تمام مال کو نکالے اور یہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے۔ مگر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اپنے ان تمام اموال کو صدقہ کرے جن میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور امام زفر نے یہ کہا ہے کہ اپنے مال میں سے دو ماہ کی خوراک کو رکھ لے، پھر دو ماہ کی خوراک کے برابر مال کو صدقہ کرے۔

امام شافعی کے قول پر دلیل

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے بطور نیکی کے نذر مانی یا قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیمار کو شفاء دے دی تو وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرے۔ اور اگر اس نے لجاج اور غضب کے طور پر قسم کھائی ہے تو اسے اختیار ہے، اگر چاہے تو اس نذر کو پورا کرے یا چاہے تو قسم کا کفارہ دے۔

اور امام شافعی نے اپنے قول پر حضرت ابوالخیر عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۶۴۵، کتاب النذر، باب فی کفارۃ النذر)

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہر نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے سوا اس کے جو دلیل سے مستثنیٰ ہو۔

امام ابوحنیفہ کے قول پر دلیل

امام ابوحنیفہ کے قول پر دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی در آں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے ○

امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مانی ہوئی نذر کو پورا نہیں کیا تو وہ وعید اور مذمت کے مستحق ہو گئے، لہٰذا ان کے اوپر اپنی قسم اور نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔

ان فقہاء کی دلیل جو کہتے ہیں کہ صورتِ مذکورہ میں صرف تہائی مال کو صدقہ کرنا لازم ہے

اور ابن شہاب زہری نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس صورت میں تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے کچھ مال کو اپنے پاس رکھ لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی صورت میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے''۔

پس حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کر دیا کہ جس شخص نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو یا قسم کھائی ہو تو وہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے اور دیگر اقوال ساقط ہو گئے۔

امام مالک کے قول پر دلیل

اس صورت میں امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ تہائی مال کو صدقہ کرے۔ علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے: امام مالک کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (القصص: ۷۷)

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو، اور اپنے دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو، اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اور ملک میں سرکشی نہ کرو، بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ دنیا کے مال میں سے اپنے حصہ کو نہ بھولو، اور جب کہ مخلوق کو اتنے مال کی ضرورت ہوتی ہے جس مال کے بغیر اس کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس لیے اس پر واجب ہے کہ وہ ایسی صورت میں صرف تہائی مال کو صدقہ کرے اور باقی مال کو اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے رکھ دے۔ اور اس قول کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب بیمار تھے اور وہ اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان کو تمام مال صدقہ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اپنے وارثوں کے لیے بھی کچھ مال چھوڑو ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد تمہارے وارث لوگوں کے آگے اپنی ضروریات کے لیے ہاتھ پھیلاتے رہیں، سو تم تہائی مال کو صدقہ کرو اور تہائی مال بہت ہے۔

فقہاء کے دیگر اقوال پر بحث ونظر

اور رہے وہ فقہاء جنہوں نے اس صورت میں یہ کہا ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں، اس قول کی صحت کی کوئی توجیہ نہیں ہے، کیونکہ انسان کے اوپر اپنے مال کی زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے خواہ اس نے نذر نہ مانی ہو۔

اور رہا امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ وہ صرف اپنے ان اموال کو نکالے جن میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اموال ان پر بھی مشتمل ہیں جن میں زکوٰۃ ہے اور ان پر بھی مشتمل ہیں جن میں زکوٰۃ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○ (الاحزاب: ۲۷)

اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا، اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اموال کا وارث بنا دیا اور اس میں غلاموں اور سامان کا فرق نہیں کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۶۷-۳۶۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن نے امام ابوحنیفہ کے پورے قول کو ذکر نہیں کیا، امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں

اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں نکالے اور سب کو صدقہ دے اور صرف ان اموال کا صدقہ دے جن پر زکوٰۃ واجب ہے تو یہ مستحسن ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کا مفصل قصہ

ان تین صحابہ کا قصہ تاریخ میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے اور قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا۔ (التوبہ:۱۱۸) اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔

یہ تین صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو جو منافقین آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، وہ آ کر جھوٹے عذر پیش کر رہے تھے لیکن ان تینوں کو ان کے ایمان نے اس سے روکا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا عذر پیش کریں جو واقع میں عذر نہ ہو، اور انہوں نے سچی بات بیان کر دی اور کہا کہ ہمارا کوئی عذر نہیں تھا اور سب سے زیادہ صریح بات حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کی جب انہوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں اور اگر وہ دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس بیٹھے ہوتے تو جھوٹا عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے نکل جاتے کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو گفتگو کرنے کی اچھی مشق تھی اور وہ بہت بلاغت سے کلام کرتے تھے، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے، پس وہ خوف زدہ ہوئے کہ اگر آج وہ کوئی جھوٹا عذر پیش کریں گے تو کل اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر آپ کو حق بات سے آگاہ کر دے گا اور پھر ان کو رسوا کر دے گا، جیسا کہ درج ذیل آیات میں اس کا ذکر ہے:

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (التوبہ:۹۵۔۹۶)

جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) ان سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھےO وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتاO

التوبہ: ۹۵۔۹۶ کی تفسیر از مصنف

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے لوٹے تو ملاقات کے لیے بیٹھ گئے،

پھر آپ سے ملنے وہ لوگ آئے جو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک پہ نہیں گئے تھے، وہ آ کر قسمیں کھا کھا کر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے، وہ اسّی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر کے انہیں بیعت کر لیا اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ان منافقین کے ساتھ بات نہ کرو نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! یہ منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، اور اگر تم ان سے راضی ہو گئے اور تم نے ان کی معذرت کو قبول کر لیا، کیونکہ تم کو ان کے سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز نہیں ہے، سو تمہارا راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنوں کو اور ان کے خفیہ امور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، یہ اللہ کے ساتھ کفر پر قائم ہیں اور ایمان سے کفر کی طرف اور اطاعت سے معصیت کی طرف جانے والے ہیں، پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔

سو، ان آیات میں ان منافقین کی رسوائی ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں نہ جانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹے عذر پیش کیے تھے، لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما نے سچ بولا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

(التوبہ: ۱۱۷۔۱۱۸)

بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ان کے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے O اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

التوبہ: ۱۱۷۔۱۱۸ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مہاجرین اور انصار نے تنگی کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، اس تنگی کے وقت سے مراد غزوۂ تبوک ہے، کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں پر بہت سختیاں اور مشکلات آئی تھیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس سفر میں سواری

کے لیے بھی مشکلات تھیں، پانی کے لیے بھی اور زادِ راہ کے لیے بھی، سواری کی مشکلات یہ تھیں کہ دس مسلمان ایک اونٹ پر باری باری سواری کرتے اور زادِ راہ کی یہ مشکلات تھیں کہ بعض اوقات مسلمانوں کی ایک جماعت باری باری کھجور کی ایک گٹھلی چوستی، ان کے پاس سڑے ہوئے جَو تھے، وہ ناک پکڑ کر اس کا لقمہ کھاتے تھے، اور پانی کی مشکلات یہ تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: شدت پیاس کی وجہ سے ہم میں سے ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۷۵، ملخصا)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا، حالانکہ میں اس وقت خوش حال تھا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے رہ جانے کی اصل حقیقت بیان کی اور کوئی جھوٹا عذر نہیں پیش کیا، آپ کی طرح مزید دو صحابہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو ان تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا اور یوں تمام صحابہ ان کے لیے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ زمین بھی ان کے لیے اجنبی ہو گئی، اس حالت میں انہوں نے چالیس راتیں گزاریں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد نے انہیں جا کر خبر دی کہ وہ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کے قریب نہ جائیں، اس حکم کے بعد انہوں نے مزید دس راتیں گزاریں حتیٰ کہ جب اس طرح پچاس دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۷۳-۲۷۹ مجملا، شرح السنۃ: ۱۶۷۶ مجملا وملتقطا)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آیا تو انہوں نے پوچھا: مجھے پتا نہیں چلا میں کیا کروں کہ اپنی بیوی کو طلاق دوں یا کیا کروں؟ تو قاصد نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ اور میں نہیں جانتا کہ تم ان کو طلاق دو یا نہ دو۔ پس حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، رہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے باقی دو ساتھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس رہیں کیونکہ وہ دونوں بوڑھے تھے۔

تمام لوگوں نے ان تینوں کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ ابوقتادہ جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور وہ ان کو بہت زیادہ محبوب تھے، ان کے باغ میں آتے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کو سلام کرتے تو وہ ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان تینوں کو چھوڑ دو تو صحابہ نے ان کو چھوڑ دیا، حتیٰ کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین اخلاق والے تھے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کو سلام کرتا اور اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے ہونٹوں کو سلام کے جواب میں ہلایا ہے یا نہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بہت بڑی آزمائش میں مبتلاء ہوئے حتیٰ کہ غسان کے بادشاہ کا ان کے پاس خط آیا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پیغمبر نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری غم گساری کریں گے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہ خط اٹھا کر تندور میں ڈال کر جلا دیا تا کہ کہیں اور آزمائش میں مبتلاء نہ ہو جائیں۔ پھر اسی طرح پچاس راتیں گزر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس وقت توبہ نازل کی جب ان پر زمین اجنبی ہو گئی تھی اور وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی توبہ کے مقبول ہونے کے متعلق وحی نازل فرمائی اور یہ بہت عظیم بشارت تھی ان کے لیے بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ پھر ایک

گھوڑے سوار حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی قوم کے گھروں کی طرف گیا اور بلند آواز کے ساتھ چلا کر مدینہ کے پہاڑ پر اعلان کیا: اے کعب بن مالک! خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔ اور ان کی آواز گھوڑے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس خوشخبری دینے والا آیا تو انہوں نے اپنے پڑوسی سے دو کپڑے مستعار لیے اور اپنے پہنے ہوئے کپڑے اس خوشخبری دینے والے کو انعام میں دے دیے، اس نے ان کو مبارک باد دی اور بشارت دی، پھر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا اور فرمایا: جب سے تم اپنی ماں سے پیدا ہوئے ہو اس سے زیادہ خوشی کا دن تمہارے پاس اِس سے پہلے نہیں آیا اور لوگ آتے تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دیتے تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ توبہ قبول ہونے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اس نعمت کے شکر میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عمدہ تربیت ہے، کیونکہ انسان ابتداء امر میں اپنی مصلحتوں کو اور اپنی ضروریات کو بھول جاتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو اور یہ عمدہ تربیت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اس پر احسان فرمائے تو وہ اس کے شکر میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اسی طرح جب کوئی انسان یہ نذر مانے کہ وہ اپنا سارا مال صدقہ کرے گا تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سارا مال صدقہ کرے بلکہ فقط تہائی مال صدقہ کرے اور یہ کافی ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ تمام مال کو صدقہ کرنا امورِ واجبہ میں سے نہیں ہے امورِ مستحبہ میں سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کیے ہوئے تمام مال کے صدقہ کو برقرار رکھا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۹۸۔ ۶۰۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابٌ: إِذَا حَرَّمَ طَعَامَهُ

جب کسی شخص نے اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دیا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۞ (التحریم: ۱۔ ۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے O (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

وَقَوْلُهُ: لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ۔ (المائدہ: ۸۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دے بایں طور کہ وہ کہے کہ فلاں طعام یا فلاں مشروب مجھ پر حرام ہے یا وہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی ہے کہ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں چیز نہیں پیوں گا۔ امام بخاری نے اس باب کے عنوان کا جواب ذکر نہیں کیا یعنی جو شخص اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دے گا تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ عنوان ذکر کر دیتے ہیں اور اس کا حکم ذکر نہیں کرتے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کی قسم منعقد ہو جائے گی اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے جب وہ اس طعام کو مباح کر لے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ قسم کھائے اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے، اسی لیے انہوں نے اس باب کی حدیث کو وارد کیا ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے "میں نے قسم کھائی ہے"۔

اگر کوئی شخص طعام کو اپنے اوپر حرام قرار دے یا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ لیکن وہ لفظِ حلف یا قسم کی شرط نہیں لگاتے۔ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز نہیں ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی طعام یا مشروب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ یمین اور قسم نہیں ہے سوا بیوی کے، کیونکہ اگر وہ بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اس پر حرام ہو گی۔ امام شافعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس کو الربیع نے امام شافعی سے روایت کیا ہے اور بعض تابعین سے روایت ہے کہ حرام کرنا کچھ نہیں ہے خواہ اس نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کیا ہو یا کسی اور چیز کو حرام کیا ہو، اس کے اوپر ان میں سے کسی چیز کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ ابوسلمہ، مسروق اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔

باب مذکور کی پہلی دو آیتوں کی تفسیر از علامہ عینی

ان دو آیتوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ مباح کو حرام قرار دینا قسم ہے اور اس میں کفارہ ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک اس میں قسم یا حلف کے لفظ کو ذکر کرنا شرط ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور پہلی آیت کے نزول کا سبب کتاب الطلاق کے اس باب میں گزر چکا ہے "باب لم تحرم ما احل اللہ لک" اور اس باب میں امام بخاری نے دو حدیثیں وارد کی ہیں۔

اور دونوں حدیثیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہیں، جن میں یہ قصہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا جن کو اسکندریہ کے حکمران المقوقس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا تھا۔ اور شہد کو حرام قرار دینے کا قصہ ہے۔ اور ہم نے اس میں اس اختلاف کو ذکر کیا ہے کہ کیا یہ آیت حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے یا شہد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ" یعنی آپ اس تحریم سے اپنی ازواج کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: "قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ" (التحریم: ۲)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ

مقرر فرمادیا ہے۔

باب مذکور کی دوسری آیت کی تفسیر از علامہ عینی

اس باب کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے''۔ (المائدہ:۸۷)

اس آیت میں ان لوگوں پر زجر و توبیخ ہے جو ایسا کرتے ہیں، اس لیے اس کے آخر میں فرمایا ''ولا تعتدوا'' یعنی تم حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو پاک چیزیں حلال فرمائی ہیں ان کے حرام کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حد سے تجاوز قرار دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۶۔۳۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

المائدہ:۸۷ کی تفسیر از مصنف

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں، ان میں سے حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۱۳)

۶۶۹۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَزْعُمُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا لِقَوْلِهِ بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا و قَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ فَلَا تُخْبِرِي بِذٰلِكَ أَحَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء نے زعم کیا کہ انہوں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، ان کا یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ دیر ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو وہ یہ کہے کہ بے شک مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آتی ہے! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس آپ ان میں سے کسی ایک کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اس طرح کہا، آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے'' (التحریم:۱)۔ یہ آیت یہاں تک ہے ''اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ'' (التحریم:۴) (اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو)۔ یہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ہے۔ ''وَاِذْ اَسَرَّ

النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا'' (التحریم:۳)(اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی)۔وہ بات یہ تھی کہ آپ نے فرمایا تھا:''بلکہ میں نے شہد پیا ہے''۔

اور مجھ سے ابراہیم بن موسیٰ نے کہا از ہشام:''اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا اور میں نے قسم کھالی ہے، پس تم اس کی کسی کو خبر نہ دینا''۔

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۲۱۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن نسائی: ۳۷۹۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۶۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے کہ ''جب کوئی شخص اپنے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام قرار دے'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حسن بن محمد، یہ ابن صباح الزعفرانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حجاج، وہ ابن محمد المصیصی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، وہ ابن ابی رباح ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید بن عمیر، یہ دونوں اسم مصغر ہیں یعنی عبد اور عمرو کی تصغیر ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں بعینہٖ اسی سند اور متن کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''زعم عطاء'' اس کا معنی ہے: عطاء نے کہا یا عطاء نے بیان کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مغافیر'' یہ لفظ غین اور فاء کے ساتھ ہے اور یہ لفظ مغفور کی جمع ہے، مغفور گوند کی ایک قسم ہے جو کسی درخت سے نکلتا ہے، یہ گوند شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے اور اس کی بُو ناگوار ہوتی ہے۔اس کو ''مغاثیر'' بھی کہا جاتا ہے یعنی فاء کے بدلہ ثاء سے، یہ مغثور کی جمع ہے۔جیسا کہ ثوم اور فوم ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغفور وہ چیز ہے جو ''العرفط'' نام کے درخت سے نکلتا ہے اس کی بو ناگوار ہوتی ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ میٹھا ہوتا ہے اور اس کو پانی میں گھول کر پیا جاتا ہے۔اور نبی ﷺ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ سے کوئی ناگوار بو پائی جائے، کیونکہ آپ فرشتوں سے مناجات کرتے تھے تو آپ نے ان دونوں کو سچا

گمان کر کے اپنے نفس کے اوپر شہد کو حرام قرار دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناگوار بُو نہیں آ رہی تھی، پھر ازواج نے کیسے غلط بیانی کی کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے؟

علامہ کرمانی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے؟

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ عورتوں میں جو طبعی غیرت ہوتی ہے یہ اس کا تقاضا تھا۔ یا یہ ان کا گناہِ صغیرہ تھا جو ان کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب الطلاق میں یہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا اور آپس میں مشورہ کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم تھیں؟

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: شاید کہ شہد کا پینا دو مرتبہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور میں ہرگز اس کو دوبارہ نہیں پیوں گا یعنی آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں دوبارہ شہد کو نہیں پیوں گا'' اسی لیے آپ نے قسم کا کفارہ دیا۔

امام بخاری نے اس حدیث کی تعلیق میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ ''میں نے قسم کھائی ہے اور تم اس قسم کی کسی کو خبر نہ دینا''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس تعارض کا جواب کہ ایک حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد کو پیا

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۶۷ میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو وہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آتی ہے کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس آپ ان دو میں سے کسی ایک کے پاس آئے تو انہوں نے یہ کہا، آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے (حضرت) زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا، تو یہ آیات نازل ہوئیں: (صحیح البخاری: ۴۹۱۲ میں یہ اضافہ مذکور ہے ''تم اس کی کسی کو خبر نہ دینا'')

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ (التحریم: ۱۔۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۝ (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ

خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (التحریم:۴)

اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں ○

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۲۱۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۳۶۶۳، سنن نسائی: ۳۴۱۲، ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

اور صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور میٹھی چیزوں کو پسند کرتے تھے اور جب آپ عصر کے بعد واپس آتے تو اپنی ازواج مطہرات کے پاس جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے، سو آپ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، پس ان کے پاس معمول سے زیادہ دیر ٹھہرے، سو مجھے اس پر غیرت آئی، پس میں نے اس تاخیر کے متعلق سوال کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے ان کو شہد کی کپی پیش کی تھی، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سے شہد کا گھونٹ پلایا، پس میں نے (دل میں) کہا: سنو! اللہ کی قسم! ہم ضرور کوئی خفیہ تدبیر کریں گے تو میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا: عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے کہنا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس بے شک وہ آپ سے کہیں گے: نہیں! تو تم ان سے کہنا: پھر یہ کیسی ناگوار بو ہے جو آپ سے آرہی ہے؟ تو پھر وہ تم سے کہیں گے: مجھے حفصہ نے شہد کا گھونٹ پلایا تھا تو تم ان سے کہنا: شاید، شہد کی مکھی نے ''عرفط'' درخت کی پتیوں کو چوسا ہوگا اور میں بھی عنقریب ایسا کہوں گی، اور اے صفیہ! تم بھی اس طرح کہنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! اس وقت آپ دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے، پس میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ڈر سے وہی کہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا تھا، پس جب آپ ان کے قریب ہوئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے کہا: پھر یہ کیسی ناگوار بو ہے جو مجھے آپ سے آرہی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے حفصہ نے شہد کا ایک گھونٹ پلایا تھا، تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: شہد کی مکھیوں نے ''عرفط'' درخت کی پتیوں کا رس چوسا ہوگا، پھر جب آپ میرے پاس آئے تو میں نے بھی اس طرح کہا، پھر جب آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کو شہد نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کے اوپر شہد کو حرام کر دیا ہے، تو میں نے ان سے کہا: تم چپ کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۸، ۵۲۱۶، صحیح مسلم: ۳۶۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان دونوں حدیثوں کے تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں تو اسی طرح دو حدیثیں مذکور ہیں۔ عبید بن عمیر کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ شہد پینے کا واقعہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، اور عروہ کی روایت میں ہے کہ شہد پینے کا واقعہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا تھا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما وہی دو ازواج ہیں جنہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا جیسا کہ عبید بن عمیر کی روایت میں ہے۔ اور ان دونوں مختلف حدیثوں میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں اور اگر ترجیح کی طرف میلان کیا جائے تو عبید بن عمیر کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی موافقت ہے کہ جنہوں نے مشورہ کیا وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ اور اگر حضرت حفصہ کے ہاں آپ نے شہد پیا ہوتا تو پھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا مشورہ میں شریک ہونا ممکن نہیں تھا اور قرآن مجید کی آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جن دو ازواج نے ایک دوسرے کی مدد کی وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کا واقعہ مقدم ہوا اور راجح یہی ہے کہ جنہوں نے شہد پلایا تھا وہ حضرت زینب تھیں نہ کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔

نیز کتاب الھبہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں، میں تھی اور حضرت سودہ، حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہم تھیں، اور دوسرے گروہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں۔ اس حدیث سے بھی اسی کو ترجیح ہوتی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی شہد پلانے والی تھیں۔ اور میں نے جو یہ تحقیق کی ہے یہ اس سے اولیٰ ہے جو علامہ داؤدی نے وثوق سے کہا ہے کہ جن روایات میں مذکور ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا تھا وہ روایات غلط ہیں۔ اور قاضی عیاض نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے اور علامہ نووی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: عبید بن عمیر کی روایت اولیٰ ہے کیونکہ وہ ظاہر قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے "وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ" (التحریم: ۴)، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدد کرنے والی دو تھیں نہ کہ زیادہ۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے: جس روایت میں مذکور ہے کہ متظاہرات حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے، قرآن مجید میں تثنیہ کے ساتھ خطاب ہے۔

اور شہد کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اور حفصہ نے باہم مشورہ کیا۔ اور یہ اس کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہم مشورہ کر کے ایک دوسرے کی مدد کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں اور یہ ظاہر آیت کے موافق ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح البخاری کی وہ روایت راجح ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا۔

صحیح البخاری: ۶۶۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام کرنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے نفس کے اوپر کسی ایسے طعام یا مشروب کو حرام کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا تھا تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اوزاعی نے کہا: وہ اس پر حرام نہیں ہوگا اور اس کے اوپر قسم کا کفارہ ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے: اگر کوئی شخص طعام یا مشروب کو حرام قرار دے تو وہ قسم نہیں ہے، قسم صرف عورت کو حرام قرار دینے میں ہے اور اس قول سے اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور امام شافعی نے کہا کہ اگر اس نے اپنے نفس کے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام کیا تو وہ حلال ہی رہے گا اور اس پر کفارہ نہیں ہوگا جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔

جن فقہاء نے اس صورت میں کفارہ کو واجب کیا ہے ان کے دلائل

وہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری اور ان کے گھر میں جماع کیا تھا۔ اور الزجاج نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس سے رنجیدہ ہوئیں اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے میرے ساتھ وہ کام کیا ہے جو آپ نے میری باری میں اپنی دیگر ازواج میں سے کسی کے ساتھ نہیں کیا اور میرے گھر میں اور میرے بستر پر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں، سو اب میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا، سو آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا اور آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اس کا کسی سے بھی ذکر نہیں کرنا، پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ظاہر کر دی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی ہے تو پھر سورۃ التحریم کی یہ آیات نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع کیا اور اپنی قسم کا کفارہ دیا، یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔

اگرچہ یہ بھی روایات میں ہے کہ آپ نے شہد کی ناگوار بُو کی وجہ سے اپنے اوپر شہد کو حرام کیا تھا لیکن حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس قصہ کو محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مرد اپنی باندی کے ساتھ پردہ میں جماع کرتا ہے اور شہد پردہ میں نہیں پیتا اور باندی کو اپنے اوپر حرام کرنا اس میں ازواج کی رضا جوئی ہے اور شہد کو حرام کرنے میں ازواج کی رضا جوئی نہیں ہے یہ تو شہد کی ناگوار بُو کی وجہ سے ہے۔

شہد کی تحریم کا محمل

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کسی چیز کو حرام قرار دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام قرار دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے کی مذمت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ

لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (المائدہ:۸۷)

تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ (النحل:۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے O

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۳۳-۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو شہد کے پینے سے قسم کھا کر روک لیا تھا

میں کہتا ہوں: اس بناء پر علماء نے کہا ہے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے شرعاً حلال قرار دیا ہو اس کو شرعاً حرام قرار دینا کفر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا یا دوسری روایت کی بناء پر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت کو حرام قرار دیا تھا، اس حرام قرار دینے کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا، کیونکہ یہ تو العیاذ باللہ کفر ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہد کو حرام قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے یہ قسم کھائی کہ آپ آئندہ شہد کو نہیں پئیں گے یا آپ نے یہ قسم کھائی کہ آپ آئندہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت نہیں کریں گے اور اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر بعض علماء دیوبند کا اعتراض اور اس کا جواب

نیز میں کہتا ہوں کہ بعض علماء دیوبند یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا ہے کہ آپ شہد کو حرام قرار دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو حرام نہیں قرار دیا تھا بلکہ اپنے آپ کو شہد کے فائدہ سے روک لیا تھا اور ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے کھانے یا پینے سے روک لے، تو کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس چیز کا اختیار تمام امت کو حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی اختیار نہیں ہے کیونکہ تمام امت کو یہ اختیار ہے کہ کسی بھی چیز کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے کھانے پینے سے روک لیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار ہے کہ آپ شہد کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو شہد کے کھانے یا پینے سے روک لیں۔ (سعیدی غفرلہ)

باب مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "جب کوئی شخص اپنے طعام کو حرام قرار دے"۔ یعنی اس کا حکم کیا ہے؟

کسی چیز کو حرام قرار دینے کی تین قسمیں

طعام کو حرام قرار دینا حقیقت میں تین قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے:

القسم الاول: یہ تحریم شرک کی ایک قسم ہے کیونکہ اس شخص نے اس چیز کو حرام قرار دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تھا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:۳۱)

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔

پس عدی بن حاتم نے کہا: یارسول اللہ! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے یعنی اپنے علماء اور پیروں کی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے یہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہی ان کا اپنے علماء اور پیروں کی عبادت کرنا ہے۔

یعنی جب کسی شخص نے یہ قصد کیا کہ اس طعام کو حرام قرار دے اور یہ ایسا ہے جیسے اہل شرک زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے وہ ''السائبہ، الوصیلة، الحام، البحیرة'' کو حرام قرار دیتے تھے اور جب اس سے تحریم کے حکم کا قصد کیا جائے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

القسم الثانی: کوئی شخص کسی چیز کو حرام قرار دے اور اس سے جھوٹ کا ارادہ کرے، مثلاً وہ کہے کہ یہ چیز حرام ہے اور وہ جانتا ہو کہ یہ چیز حلال ہے جیسا کہ لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں، پس اس کو جھوٹ شمار کیا جائے گا اور جھوٹ حرام ہے۔

القسم الثالث: جب کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام حرام ہے تو وہ اس سے اپنے آپ کو روکنے کا ارادہ کرے مثلاً وہ کہتا ہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے یعنی میں اس کو کھانے سے رکا رہوں گا، پس اس تحریم کا حکم قسم کا حکم ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ یہ روٹی حرام ہے یعنی میں اس روٹی کو نہیں چکھوں گا تو اس کا حکم بھی قسم کا حکم ہے، اور یہ قسم تمام امور میں جاری ہوتی ہے جب اس نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے اور ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے اور دلیل اس کی درج ذیل آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ (التحریم:۱۔۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور بہت مہربان ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہد کو حرام قرار دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم فرمایا، کیونکہ اس کے بعد فرمایا ''اے مسلمانو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کی قسم کھائے تو وہ اس چیز کو حرام قرار دینے کے درجہ میں ہے، پس جب وہ حانث ہونے سے پہلے اس کا کفارہ دے دے تو وہ قسم کھل جاتی ہے، لیکن جب وہ قسم توڑ دے تو پھر اس کو کفارہ دینا ہوگا۔ اور اس کو کفارہ کہتے ہیں۔

سورۂ تحریم کی آیت سے شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب ثابت کرنا اور مصنف کا جواب

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: اور اس آیت کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا سا عتاب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو حرام قرار دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا تھا تا کہ آپ اپنی ازواج کی رضامندی کو طلب کریں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۷۰۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کے لفظ کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد صورتاً عتاب ہے حقیقتاً عتاب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا ''آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے'' اس سے آپ کی دلجوئی مراد ہے اور آپ کو آپ کی پسندیدہ چیزوں کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور یہ بتلانا ہے کہ آپ ازواج کی خاطر کیوں اپنی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں، بلکہ ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کو راضی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں، آپ کا مقام یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں، جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (التحریم: ۴)

اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان، اور اس کے بعد سب فرشتے بھی ان کے مددگار ہیں ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما پر واضح کیا کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر نہیں چلیں تو انہیں کیا کمی ہوگی جن کا اللہ محب ہے، جبرائیل ان کا موافق ہے، نیک مسلمان اور سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں، اگر ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہوتا تو اس آیت کا یہ انداز نہ ہوتا۔

دراصل اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب نہیں ہے بلکہ ازواج مطہرات پر عتاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ○ (التحریم: ۵)

اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی ○

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور پر شیخ ابن عثیمین کا سنن ترمذی کی حدیث سے استدلال اور مصنف کا جواب

اور اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے "اور اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے" یعنی بے حد بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا یہ بھی ایک قسم کا گناہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مغفرت اور رحمت پر ختم کیا ہے اور یہاں ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گناہ کرنا ممکن ہے؟

پس ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے:

عن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : کل بنی آدم خطاؤن، وخیر الخطائین التوابون۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر اولادِ آدم کثیر الخطاء ہے، اور خطا کاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن ترمذی:۲۴۹۹، سنن ابن ماجہ:۴۲۵۱، سنن دارمی:۲۷۲۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۸)، (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ)

مصنف کی طرف سے حدیث مذکور سے انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کے اعتراض کا جواب

شارحین حدیث نے جو اس حدیث کا محمل بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں "کل بنی آدم" سے مراد انبیاء علیہم السلام کے ماسوا ہیں اور انبیاء علیہم السلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور دلائل قطعیہ سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ (آل عمران:۱۸۵) ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

اس آیت میں بالعموم فرمایا ہے "ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ذات پر نفس کا اطلاق فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام:۵۴) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

سو جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی نفس کا اطلاق ہے اور نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ "حی لایموت" ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:۲۶-۲۷) جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے O اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہے O

پس واضح ہوگیا کہ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ" میں نفس کے عموم سے اللہ تعالیٰ کی ذات خارج ہے۔ اسی طرح "کل بنی آدم خطاؤن" کے عموم سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ خارج ہیں اور ان کے ماسوا بنو آدم کثیر الخطاء ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بنو آدم میں سے ہر شخص کے لیے خطا کا معنی اس کے حال اور مقام کے اعتبار سے لیا جائے گا، عام بنو آدم کے لیے خطا کا معنی ہوگا کہ وہ گناہ صغیرہ یا گناہ کبیرہ کرتے ہیں اور ان میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔

اور بالفرض اگر انبیاء علیہم السلام اس حدیث کے عموم میں شامل ہوں تو ان کے لیے خطاء کا معنی ان کے حال اور مقام کے اعتبار سے ہوگا یعنی نسیان اور اجتہادی خطاء جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے نسیان اور اجتہادی خطاء سے شجرِ ممنوعہ سے کھایا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجتہادی خطاء سے ایک قبطی کو گھونسا مارا اور وہ قضاءِ الٰہی سے مرگیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محققین کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ رکھا ہے، ہاں آپ سے بعض امور خلاف اولیٰ صادر ہوئے جیسے آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز روشنی پھیلنے کے بعد پڑھنے سے زیادہ اجر ہوتا ہے اور آپ نے منہ اندھیرے بھی نماز پڑھی ہے، سو یہ خلاف اولیٰ ہے اور جیسے آپ نے سواری پر بیٹھ کر کعبہ کا طواف کیا یہ بھی خلاف اولیٰ ہے، اسی طرح آپ سے بعض امور مکروہِ تنزیہی بھی صادر ہوئے جیسے آپ نے کھڑے ہو کر زم زم کا پانی پیا حالانکہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، یا جیسے آپ نے فصد لگانے والے کو اجرت دی حالانکہ آپ نے فصد لگانے کی اجرت دینے سے منع فرمایا ہے، سو یہ امور مکروہِ تنزیہی ہیں اور خلافِ اولیٰ کام ہو یا مکروہِ تنزیہی ہو وہ گناہ نہیں ہوتا، سو اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے عموم میں داخل بھی ہوں جیسا کہ ابن عثیمین نے کہا ہے تو خطاء سے مراد گناہ نہیں ہے بلکہ یا خلافِ اولیٰ ہے یا مکروہِ تنزیہی ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں ہے، لہٰذا یہ ثابت نہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے اس باب میں جو امور صادر ہوئے وہ ترکِ اولیٰ ہیں یا اس قبیل سے ہیں کہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کے نزدیک سیئات ہوتی ہیں، یا یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو زلّات منقولہ ہیں وہ خطاء اور نسیان پر محمول ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد کیا ہو۔

(مرقات شرح مشکوۃ، رقم: ۲۴۴۱، ج ۵ ص ۱۷۲، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

شیخ محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارک پوری المتوفی ۱۳۵۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری حنفی کی عبارت بعینہٖ نقل کی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۷ ص ۲۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سورۃ الفتح کی آیات سے شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہوں کو ثابت کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا ۝ (الفتح: ۱۔۳)

(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی ○ تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے ○ اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے ○

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایسے گناہ سے بالاتفاق معصوم ہیں جو رسالت میں خدشہ پیدا کرے مثلاً جھوٹ، خیانت اور ان کے مشابہ کام، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کے لیے خیانت کرنے والی آنکھ نہیں ہونی چاہیے حتیٰ کہ وہ اشارہ سے خیانت

کرے، پس یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کسی چیز میں خیانت کریں خواہ اشارہ سے ہی۔
لیکن جن چیزوں سے رسالت میں خدشہ پیدا نہیں ہوتا وہ کبھی بشر سے واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ بشر کا نام بشر ہے اور کبھی اس سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور وہ توبہ کرنے سے پہلے حال سے بہتر ہو جاتا ہے، اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فضیلت اور ہدایت اسی وقت ثابت ہوئی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی اور پھر توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾ (طٰہٰ: ۱۲۱۔۱۲۲)

پس ان دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلاء ہو گئے O پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو (بلند درجات) کی ہدایت دی O

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: پس یہی قول صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ واقع ہوتے ہیں لیکن وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ایسا گناہ واقع نہیں ہوتا جو رسالت میں خدشہ پیدا کرے اور ان کو گناہوں پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ضروری ہے کہ ان کو گناہوں پر متنبہ کیا جائے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے رجوع کر لیں، اس کے برخلاف دوسرے انسان کبھی حق سے اندھے ہو جاتے ہیں اور گناہ پر برقرار رہتے ہیں حتیٰ کہ مر جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام گناہوں پر دوام کرنے سے معصوم ہیں بلکہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی چیز مہیا کرے جس کی وجہ سے وہ توبہ کریں۔

رہے وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کو مطلقاً منع کرتے ہیں تو یہ آیات ان پر رد کرتی ہیں، کیونکہ سورۃ الفتح: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ"۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مجاز ہے اور اس کا معنی یہ ہے "تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرمادے" اور یہ بہت بعید بات ہے، یہ جواب کیسے دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ فرمایا ہے "وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾" (الفتح: ۲۔۳)۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۲۔۶۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کے دلائل کے مصنف کی طرف سے جوابات

شیخ ابن عثیمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے "وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾" (طٰہٰ: ۱۲۱)۔

لیکن شیخ ابن عثیمین نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے گناہ ثابت کرنے کی جلدی میں اسی سورت کی اس سے پہلی درج ذیل آیت پر غور نہیں کیا جس سے ان کے شبہات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجرِ ممنوع سے بھول کر کھایا تھا اور ان کا نافرمانی کرنے کا کوئی قصد نہیں تھا اور گناہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد سے کوئی کام کرے، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ کرنا ثابت نہ ہوا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن عثیمین نے سورۃ الفتح کی آیت:۲ کو پیش کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن کریم میں مجازات بھی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیٓ اَرٰىنِیٓ اَعْصِرُ خَمْرًا۔ (یوسف:۳۶) ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

حالانکہ شراب کو نہیں نچوڑا جاتا بلکہ انگوروں کو نچوڑا جاتا ہے، سو اس آیت میں ذکر شراب کا ہے اور اس سے مراد مجازاً انگور ہیں۔ کیونکہ انگور شراب کا سبب ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں ذکر مسبَّب کا ہے اور ارادہ سبب کا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ۔ (البقرہ:۱۹) وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں'' حالانکہ پوری انگلی تو کان میں داخل ہی نہیں ہوسکتی زیادہ سے زیادہ انگلی کی ایک پور کان میں داخل ہوسکتی ہے، سو اس آیت میں بھی ذکر انگلی کا ہے اور مراد پور ہے، یعنی کل کا ذکر کر کے مجازاً اس سے جزو کا ارادہ فرمایا ہے۔

سو ان آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں تو ہم کہتے ہیں ''ذنب'' کا حقیقی معنی اثم ہے اور جرم ہے اور دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں ''ذنب'' سے جرم اور اثم مراد نہیں ہے بلکہ مجازاً بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کا ارتکاب مراد ہے اور وہ گناہ نہیں ہے۔

رہا یہ کہ جب خلافِ اولیٰ گناہ نہیں ہے تو اس آیت میں جو اس کو معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاف فرمانے سے مراد ہے آپ کے درجات کی ترقی اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس آیت میں فرمایا ہے:

وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا (الفتح:۲-۳) اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے O

شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گناہوں سے مغفرت کی دعاؤں سے آپ کے گناہوں پر استدلال

نیز شیخ ابن عثیمین نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے آپ کی اس دعا کو ذکر کیا ہے:

اللهم اغفرلی ذنبی کله دقه وجله، علانیته وسره، واوله وآخره، اللهم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اعلنت۔ اے اللہ! میرے لیے میرے سب گناہوں کو بخش دے، چھوٹے گناہ کو اور بڑے گناہ کو، ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے گناہ کو، اور پہلے گناہ کو اور آخری گناہ کو، اے اللہ! میرے لیے معاف فرمادے جو گناہ میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کیے اور جو ظاہراً کیے۔

اور اس کی مثل دیگر دعائیں۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اور یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ لوگ یہ جواب دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے قصد سے یہ دعائیں کی ہیں، کیونکہ اگر آپ کا مقصد تعلیم تھا تو آپ اپنی طرف گناہ کی نسبت کیے بغیر لوگوں سے یہ فرما دیتے کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں''۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اعتراض مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: جب قوی دلائل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہوں سے معصوم ہونا ثابت ہے تو آپ کی اس دعا کو تعلیم امت پر محمول کیا جائے گا۔ رہا ابن عثیمین کا یہ کہنا کہ اگر ایسا تھا تو آپ امت کو فرما دیتے: تم توبہ کیا کرو اور خود گناہوں سے توبہ نہ کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ایسا کرتے تو گناہوں پر معافی مانگنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نمونہ نہ ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب: ۲۱)

نیز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو گناہوں سے معافی طلب کرنے کی تعلیم دیتے اور خود گناہوں سے معافی طلب نہ کرتے تو پھر امت کو اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا اور گناہوں سے معافی مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جب معصوم کی طرف گناہوں سے مغفرت کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد اس کے درجات کی بلندی ہوتی ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعائیں کرتے تو اس سے آپ کے درجات بلند ہوتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۶۔ بَابُ: الْوَفَاءِ بِالنَّذْرِ نذر کو پورا کرنے کا بیان

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (الدھر: ۷) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہ نذر پوری کرتے ہیں''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ نذر کو پورا کیا جائے اور اس باب میں نذر کو پورا کرنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس باب میں اس آیت کو وارد کیا ہے ''وہ نذر پوری کرتے ہیں'' (الدھر: ۷)۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نذر کو پورا کرنا ایسا کام ہے جس کی وجہ سے نذر پوری کرنے والے کی تحسین کی جاتی ہے لیکن اس سے مراد اطاعت اور عبادت کی نذر ہے نہ کہ

نافرمانی اور معصیت کی نذر، اور اجماع اس پر قائم ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے جب کہ نذر اطاعت کی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ:۱) اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو۔

اور ابتداءً نذر ماننے کے حکم میں اختلاف ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ علامہ نووی نے اسی پر وثوق کیا ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ ممانعت نذر لجاج سے ہے اور نذر تبرر مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنهما يَقُولُ أَوَلَمْ يُنْهَوْا عَنِ النَّذْرِ إِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَلَا يُؤَخِّرُ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِالنَّذْرِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن الحارث نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر نہ کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ کسی چیز کو موخر کرتی ہے، نذر کی وجہ سے مال صرف بخیل سے نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۸، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان نذر پوری کرنے کے بیان میں ہے اور اس حدیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض احادیث میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن صالح، یہ الوُحاظی ہیں، اس میں واؤ پر پیش ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فُلیح، یہ فلاح کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الحارث، یہ الانصاری المدنی قاضی المدینہ ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟"۔ اس حدیث میں کچھ عبارت محذوف ہے جس کو امام حاکم نے المستدرک میں بیان کیا ہے۔

جس مقصد کے لیے نذر مانی ہے وہ مقصد پورا نہ ہو تب بھی نذر کو پورا کیا جائے

اور الاسماعیلی نے از سعید بن الحارث بیان کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، پس ان کے پاس مسعود بن عمرو آئے جو عمرو بن کعب کے بیٹوں میں سے ایک تھے، سوانہوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک میرا بیٹا عمر بن عبید اللہ بن معمر کے ساتھ فارس کی سرزمین میں تھا وہاں پر سخت طاعون کی وباء پھیل گئی تو میں نے اپنے نفس پر یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو طاعون سے سلامت رکھا تو وہ ضرور بیت اللہ تک چل کر جائے گا، پس میرا بیٹا اس حال میں ہمارے پاس لایا گیا کہ وہ بیمار تھا، پھر وہ فوت ہو گیا، اب آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نذر نہ کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ کسی چیز کو موخر کرتی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ اپنی نذر کو پورا کرو۔

اور ابوعامر نے بیان کیا، پس کہا: اے ابوعبداللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ میرا بیٹا بیت اللہ تک پیدل چل کر جائے گا تو انہوں نے کہا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ سعید بن الحارث نے بیان کیا، پس میں نے ان سے کہا: کیا آپ سعید بن المسیب کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں: میں نے ان سے کہا: آپ ان کے پاس جائیں اور پھر مجھے بتائیں کہ انہوں نے آپ کو اس صورت میں کیا حکم دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی طرف سے پیدل چل کر بیت اللہ کی طرف جاؤ (کیونکہ ان کا بیٹا تو اس بیماری میں فوت ہو گیا تھا)۔

میں نے کہا: اے ابومحمد! کیا آپ کے خیال میں میرا یہ امر مقبول ہوگا؟ انہوں نے کہا: ہاں، یہ بتاؤ اگر تمہارے بیٹے پر قرض ہوتا اور اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہوتی سو تم اس قرض کو ادا کر دیتے، سو کیا تمہارا یہ عمل مقبول ہوگا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، تو انہوں نے کہا: یہ بھی اسی کی مثل ہے۔

اور ابوعبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے اور ابومحمد، سعید بن المسیب کی کنیت ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں ایسا کوئی جملہ یا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سیاق سے یہ سمجھ آتا ہے، یا اس وجہ سے کہ ان کے درمیان یہ مشہور تھا کہ نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو یہاں پر ذکر نہیں کیا گیا، اور حدیث کے اندر اس کے بعد صراحۃً مذکور ہے کہ نذر کسی چیز کو نہ مقدم کرتی ہے اور نہ موخر کرتی ہے، یعنی نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت سے کسی چیز کو نہ مقدم کرتی ہے اور نہ موخر کرتی ہے۔ اور عبداللہ بن مُرۃ کی روایت میں ہے "نذر کسی چیز کو مسترد نہیں کرتی"۔ اسی طرح حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا کہ ابنِ آدم نذر مان کر کوئی ایسی چیز نہیں لا سکتا جو اس کے لیے مقدر نہ کی گئی ہو اور ایک روایت میں ہے کہ نذر ابنِ آدم سے کسی ایسی چیز کو قریب نہیں کرتی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو۔

بخیل کے نذر ماننے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے مال نکالا جاتا ہے" یعنی بعض لوگ صدقہ و خیرات اور روزوں کے ساتھ سخاوت نہیں کرتے مگر جب وہ خوف یا طمع کی وجہ سے کسی چیز کی نذر مان لیں۔ پس گویا کہ اگر انہیں کسی چیز کی تمنا ہو یا کسی چیز کا ڈر نہ ہو تو وہ اس چیز کو نکالنے کی سخاوت نہیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی ہے سو وہ شخص بخیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۹۔۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۳۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَلَكِنَّهُ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن مرۃ نے خبر دی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی لیکن نذر کی وجہ سے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۸، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کو خلاد بن یحییٰ بن صفوان کوفی نے روایت کیا ہے، یہ مکہ میں رہائش پذیر تھے اور یہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں اور وہ منصور بن المعتمر سے روایت کرتے ہیں از عبداللہ بن مُرّۃ۔

یہ حدیث کتاب القدر میں از ابونعیم گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من البخیل" اور امام مسلم کی روایت میں ہے "من الشحیح" اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے "من اللئیم" اور ان تینوں الفاظ کے معانی متقارب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ قُدِّرَ لَهُ وَلَكِنْ يُلْقِيهِ النَّذْرُ إِلَى الْقَدَرِ قَدْ قُدِّرَ لَهُ فَيَسْتَخْرِجُ اللهُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ فَيُؤْتِي عَلَيْهِ مَا لَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر ابن آدم کو کوئی ایسی چیز نہیں دے سکتی جو اس کے لیے

يَكُنْ يُؤْتِي عَلَيْهِ مِنْ قَبْلُ۔

مقدر نہ کی گئی ہو، لیکن نذر اس کو اس تقدیر کی طرف لاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نذر کے سبب سے بخیل سے مال نکالتا ہے، سو وہ نذر کی وجہ سے اس چیز کو دیتا ہے جس کو اس سے پہلے نہیں دیتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۹، ۶۶۹۴، سنن نسائی: ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۳، مسند احمد: ۷۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۶۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نذر کو پورا کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ بخیل نذر کے ذریعہ صدقہ وخیرات کی صورت میں اپنا مال نکالتا ہے اور عبادات کرتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے الکفارات میں از ثوری از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں ''نذر ماننے سے بھی ابن آدم کے پاس وہی چیز آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کی ہے''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا یاتی ابن آدم النذر بشیء لم یکن قدر لہ'' ابوذر کی روایت میں مذکور ہے ''جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو'' اس صورت میں یہ حقیقت میں احادیث قدسیہ سے ہے، لیکن حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے اور حدیث میں اس قول کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی۔ اور سنن نسائی میں ہے ''ابن آدم کے پاس نذر سے کوئی چیز نہیں آسکتی جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو''۔ اور کتاب القدر کے اخیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو''۔ اور یہاں پر اس طرح روایت ہے کہ ابن آدم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جس کو اس کے لیے مقدر نہ کیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیکن نذر اس کو تقدیر کی طرف ڈال دیتی ہے جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہے''۔ ایک قول یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ تقدیر اس کو نذر کی طرف ڈالتی ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نذر کی تقدیر خرچ کرنے کی تقدیر کے خلاف ہے اور پہلی صورت میں تقدیر اس کو نذر کی طرف ڈالتی ہے اور نذر اس کو مال کے خرچ کرنے کی طرف نکالتی ہے۔

امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے ''پس اس پر وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جو اس پر اس سے پہلے آسان نہیں تھا'' اور امام مسلم

کی روایت میں ہے "نذر کی وجہ سے بخیل اس مال کو خرچ کرتا ہے جس کو پہلے وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۰۔۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذر ماننے کے متعلق مذاہب فقہاء

العلماء رحمہم اللہ کا نذر ماننے کے متعلق اختلاف ہے، آیا یہ مکروہ ہے یا حرام ہے؟

نذر کو حرام قرار دینے کا قول صحت اور ثواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا کہ نذر کسی خیر کو نہیں لاتی اور جب نذر خیر کو نہیں لاتی تو پھر وہ شر کو لاتی ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے یہ کہا ہے کہ نذر ماننا حرام ہے اور یہ وجیہ قول ہے۔

اس قول کے صحیح اور ثواب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے اوپر نذر سے کسی چیز کو لازم کر لیتا ہے حالانکہ وہ اس چیز سے عافیت میں ہوتا ہے اور انسان کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے اوپر اس چیز کو لازم کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کیا ہے بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ عافیت کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کیونکہ جب اس نے اپنے نفس پر کسی چیز کو لازم کر لیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کیا تھا تو وہ اپنے نفس پر گناہ ڈالتا ہے اور تمہیں اس پر یہ چیز رہنمائی کرے گی کہ جو لوگ نذر مانتے ہیں وہ سخت نادم ہوتے ہیں اور بعض اوقات وہ نذر کو پورا نہیں کر پاتے اور اس وقت ان کے اوپر سخت عذاب کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ درج ذیل آیات میں مذکور ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ (التوبہ: ۷۵۔۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے ○

پس ان لوگوں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو وہ صدقہ کریں گے اور نیک کام کریں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو انہوں نے اس مال کو دینے میں بخل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کو درج ذیل آیت میں بیان کیا:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

سو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ

(التوبہ:۷۷) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

پس کتنے وہ لوگ ہیں جو نذر مانتے، پھر اس کو پورا نہ کر کے نادم ہوتے ہیں اور وہ سستی کرتے ہیں اور نذر کو پورا نہیں کرتے، پس ان کے متعلق یہ خوف ہے کہ ان پر یہ سزا نازل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں قیامت تک کے لیے نفاق ڈال دے گا اس وجہ سے میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم لوگوں کو بیان کریں کہ نذر کا کم سے کم حکم یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے اور اس کا انجام ندامت ہے اور یہ اکثر واقع ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ التوبہ:۷۷ کا مصداق

کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تا حیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ ثعلبہ بن ابی حاطب تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا شام میں مال تھا، ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے، پھر جب اس کے پاس اس کا مال آ گیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا: اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا، امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے، امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ نبتل بن حارث، جد بن قیس، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلبہ بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے کیونکہ ثعلبہ بن حاطب تو بدری صحابی ہیں، یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۴۷۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۷۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ لَا يَفِي بِالنَّذْرِ — جو نذر پوری نہ کرے، اس کے گناہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص نذر پوری نہ کرے اس کو گناہ ہوگا اور ابوذر کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے: جو شخص نذر پوری نہ کرے اس کا بیان، اور اس میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ حَدَّثَنَا زَهْدَمُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے

مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي ذَكَرَ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا بَعْدَ قَرْنِهِ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ يَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔

ابو جمرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہدم بن مضرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے قرن میں ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ عمران نے کہا: مجھے پتا نہیں کہ آپ نے اپنے قرن کے بعد دو کا ذکر کیا یا تین کا ذکر کیا۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے، اور خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے، اور گواہی دیں گے اور ان کو گواہی کے لیے طلب نہیں کیا جائے گا اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۱، ۳۶۵۰، ۶۴۲۸، ۶۶۹۵، صحیح مسلم: ۲۵۳۵، سنن ترمذی: ۲۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۳۴)

صحیح البخاری: ۶۶۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے "پھر ایسے لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے" اور اس باب کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور یہ القطان ہیں۔ یہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، ان کی نسبت ان کے والد کی طرف ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو جمرہ مذکور ہے، ان کا نام نصر بن عمران ہے اور اس حدیث کی سند میں زہدم بن مضرب کا ذکر ہے، یہ اسم فاعل کے صیغہ پر ہے اور اسم مفعول کے صیغہ پر بھی ہے اور یہ تضریب سے ماخوذ ہے۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں اور فضائل الصحابہ میں اور کتاب الرقاق میں گذر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی اس قرن کے لوگ جس قرن میں، میں ہوں اور وہ صحابہ ہیں۔ (میں کہتا ہوں: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرنی کے قاف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کے راء سے حضرت عمر فاروق کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کی نون سے حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کی یاء سے حضرت علی کی طرف اشارہ ہے رضی اللہ عنہم۔ اور یہ

صحابہ میں سے بہترین لوگ ہیں)۔اور''قرن'' کا معنی ہے: کسی ایک صدی کے بہترین لوگ۔

لفظ ''قرن'' کے متعدد معانی

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

''قرن'' کا معنی ہے: ہر زمانہ کے لوگ۔اور یہ ہر زمانہ کے لوگوں کی عمروں کے متوسط عمر کے لوگ ہیں۔اور یہ ''اقتران'' سے ماخوذ ہے یعنی جس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں میں اور اپنے احوال میں دوسروں کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ ''قرن'' چالیس (۴۰) سال کا زمانہ ہے۔دوسرا قول ہے کہ ''قرن'' اسی (۸۰) سال کا زمانہ ہے۔تیسرا قول ہے کہ ''قرن'' سو (۱۰۰) سال کا زمانہ ہے۔اور چوتھا قول ہے کہ اس سے مراد مطلقاً زمانہ ہے۔

اور ''قرن'' کے متعلق یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: تم ایک ''قرن'' تک زندہ رہو گے،سو وہ لڑکا ایک سو سال تک زندہ رہا۔

اور ''قرن'' کا معنی بالوں کی مینڈھی بھی ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) فوت ہو گئیں تو ہم نے ان کو غسل دیا اور ہم نے ان کی تین مینڈھیوں میں کنگھی کی۔حدیث کے الفاظ ہیں ''ومشطناھا ثلاثۃ قرون''۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۴،صحیح مسلم: ۹۳۹،سنن ترمذی: ۹۹۰،سنن ابوداؤد: ۳۱۴۵،سنن ابن ماجہ: ۱۴۵۹)

اور ''قرن'' کا معنی جانب اور طرف بھی ہے۔حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے لیے جنت میں ایک گھر ہے ''وانک ذو قرنیھا'' یعنی اور بے شک تم اس کی دو طرفوں والے ہو۔

امام ابوعبید نے کہا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امت کی دو جانبوں والے ہیں اور دوسرا قول ہے: اس سے مراد حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

ذوالقرنین سے مراد ہے سکندر،ان کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ مشرق اور مغرب کے مالک ہو گئے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے سر میں دو سینگوں کے مشابہ کوئی چیز تھی۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے سورج کے دو سینگوں کو پکڑ لیا۔

نیز حدیث میں ہے ''الشمس تطلع بین قرنی الشیطن'' یعنی سورج شیطان کی دو جانبوں کے درمیان سے طلوع ہو گا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۹۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ ''قرن'' سے مراد ہے قوت،یعنی سورج طلوع ہو گا اور اس وقت شیطان متحرک ہو گا اور اپنا تسلط کر رہا ہو گا۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ ''قرنیہ'' سے مراد ہے آپ کی امت کے اول اور آخر،اور اس میں ان لوگوں کی مثال ہے جو سورج کے طلوع کے وقت سجدہ کرتے ہیں،پس گویا کہ شیطان نے ان کو اس گمراہی میں مبتلاء کر دیا،پس جو شخص اس وقت سجدہ کرتا ہے تو گویا شیطان اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

اور ''قرآن'' کے معنی ملانا بھی ہیں،اسی سے ہے حج قران،یعنی حج اور عمرہ کو نیت واحدہ اور تلبیہ واحدہ اور احرام واحد سے

ملانا۔امام شافعی نے کہا ہے:اس میں طواف اور سعی بھی واحد ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس میں طواف اور سعی الگ الگ ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے"لبیك بعمرة وحجة"۔

(سنن ترمذی:۸۲۱،مسند احمد:ج ۳ص ۱۱۱)

حضرت جبلہ بن سحیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:قحط کے سال میں ہم حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے،پس ہمیں ایک ایک کھجور دی گئی،پس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے ساتھ گزرے اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے تو انہوں نے کہا:کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ "فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن القران" کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا کر کھجوروں کو کھانے سے منع فرمایا ہے سوا اس صورت کے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے اجازت لے لے۔(صحیح البخاری:۵۴۴۶)(النہایہ ج ۴ص ۴۵۔۴۶،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۱۸ھ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے"پھر ان لوگوں کا قرن ہے جو میرے قرن کے قریب ہوں گے"اور وہ تابعین ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے"پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں"اور وہ اتباع التابعین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ویخونون"یعنی وہ لوگ خیانت ظاہر کریں گے حتیٰ کہ لوگ ان کو امین نہیں قرار دیں گے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے"ویشھدون"یعنی وہ لوگ گواہی دیں گے اور ان کو گواہی کے لیے طلب نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ویظھر فیھم السمن"(سین پر کسرہ اور میم پر زبر ہے)یعنی ان میں وہ شرف اور عظمت نہیں ہوگی جس کو وہ بہت زیادہ ظاہر کریں گے۔یا اس کا معنی ہے:وہ لوگ اموال کو جمع کریں گے اور دین کے امور سے غافل ہوں گے،یا اس کا معنی ہے کہ ان میں فربہی اور موٹاپا غالب ہوگا کیونکہ وہ عبادت کا اہتمام نہیں کرتے ہوں گے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ ان کی دنیا میں رغبت ہوگی اور دنیا کی لذتوں کو وہ آخرت کے اوپر ترجیح دیں گے۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے جو لذتیں تیار کر کے رکھی ہیں وہ ختم نہیں ہوں گی اور دنیا کی لذتیں ختم ہو جائیں گی اور یہ لوگ اپنے سے پہلے نیک لوگوں کی اقتداء نہیں کریں گے۔اور کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل کرنا ہی ان کا مطمع نظر ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ص ۲۱۔۳۲۲،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۶۹۵،کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذر پوری نہ کرنے کی سزا

اس باب کا عنوان ہے"جو شخص نذر پوری نہیں کرتا اس کا گناہ"۔

کیونکہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک گناہ کو مستلزم ہے لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ ہر وہ معصیت جس کے اوپر گناہ کو مرتب کیا گیا ہے اور وہ معصیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کے ماسوا ہو تو وہ معصیت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت ہے۔اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ واجب کو ترک کرنے والا سزا کا مستحق ہوگا اور اس پر وثوق نہیں کیا جاتا،پس یہ نہیں کہا جا

گا کہ اس کو سزا دی جائے گی سوا اس کے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ واجب کے ترک کرنے والے کو سزا دی جائے گی وہ اس سے کسی معین شخص کا ارادہ نہ کرے تو پھر صحیح ہے لیکن معین شخص کے متعلق ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ جس نے واجب کو ترک کیا اس کو سزا دی جائے گی یا جس نے بھی حرام فعل کا ارتکاب کیا اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا (النساء:۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا O

موٹاپے اور فربہی کی مذمت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "جو لوگ نذر پوری نہیں کریں گے اور امانت میں خیانت کریں گے اور بغیر طلب کے گواہی دیں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا"۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس کام پر کیسے ملامت کی جائے گی جس کا بندوں کے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن پر گوشت چڑھانے پر توجہ دیتے ہیں جیسے بکری کو عمدہ چراگاہ میں بھیجا جائے تو وہ بہت فربہ اور موٹی ہو جاتی ہے تو جن لوگوں کا دل اپنی روح کی پرورش سے بے پرواہ رہتا ہے اور وہ علم اور ایمان میں کوشش نہیں کرتے تو قرونِ ثلاثہ کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ جو اپنے بدن کی پرورش کا اہتمام کریں گے اور اپنی روح کی پرورش پر توجہ نہیں دیں گے تو ان میں موٹاپا اور فربہی ظاہر ہوگا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جس آدمی کے تفکرات بہت زیادہ ہوتے ہیں اس کا گوشت بہت کم ہوتا ہے اور جس نذر کو پورا کرنا واجب ہے وہ اطاعت کی نذر ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۰۔ ۶۱۲، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابُ: النَّذْرِ فِي الطَّاعَةِ

اطاعت کی نذر ماننے کا بیان

وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ (البقرۃ:۲۷۰)

اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اطاعت کی نذر ماننے کا کیا حکم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس باب پر تنوین ہے اور "النذر فی الطاعة" میں مبتداء کا اطاعت میں حصر ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ نذر وہی ہے جو اطاعت میں مانی جائے اور جو معصیت میں نذر مانی جائے، وہ نذر شرعی نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے اس کا بھی ایک محمل ہے لیکن اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ باب کے لفظ پر تنوین پڑھی جائے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس آیت میں نذر ماننے کی ثنا اور تحسین کی ہے اور یہ اسی نذر کی ثناء اور تحسین ہے جو اطاعت کے لیے نذر مانی جائے، کیونکہ جو نذر اطاعت کے لیے مانی جائے تو جمہور کے نزدیک اس کو پورا کرنا واجب ہے، جو شخص اس کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ اور نذر کی چار قسمیں ہیں:

نذر کی اقسام

(۱) اطاعت کی نذر جیسا کہ نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کی نذر ماننا (۲) معصیت کی نذر جیسے کوئی شخص العیاذ باللہ زنا کرنے کی نذر مانے (۳) نذرِ مکروہ، جیسے کوئی شخص نفلی عبادات کو ترک کرنے کی نذر مانے۔ (۴) نذرِ مباح جیسے بعض مباح کھانوں کے کھانے کی نذر مانے یا بعض مباح کپڑوں کے پہننے کی نذر مانے۔

اور انسان پر لازم یہ ہے کہ وہ اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عمل کرے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آئے گا اور نذر کی باقی اقسام پر عمل نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از طلحہ بن عبد الملک از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی سو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۰۰، سنن ترمذی: ۱۵۲۶، سنن نسائی: ۳۸۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، مسند احمد: ۲۵۳۴۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۱، سنن دارمی: ۲۳۳۸)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر ماننا" اور اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے جو نذر مانی جائے اس کو پورا کرنے کا حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے طلحہ، یہ ابن عبدالملک الایلی ہیں، یہ مدینہ میں رہتے تھے اور ابنِ جریج کے طبقہ میں سے ثقہ راوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں القاسم کا ذکر ہے، یہ القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب النذر میں القعنبی سے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کتاب النذر میں اس کی قتیبہ سے روایت کی ہے۔ امام نسائی نے بھی اس کی قتیبہ سے روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی الکفارات میں از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے۔

حافظ ابوعمر نے کہا ہے کہ محدثین میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں طلحہ کی قاسم سے روایت ہے اور طلحہ اس روایت میں متفرد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ طلحہ کی متابعت ایوب اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از ابوحیان کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا کسی امرِ واجب میں ہوگی یا امرِ مستحب میں ہوگی۔ سو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی ہے تو اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اطاعت کی نذر کو پورا کرنے کے وجوب کی دلیل

فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک جو شخص اطاعت کی نذر کو پورا کرنے پر قادر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس نذر کو پورا کرے، ہرچند کہ نذر ماننے سے پہلے اس پر وہ اطاعت واجب نہیں تھی لیکن جب اس نے اس اطاعت کی نذر مانی تو نذر نے اس اطاعت کو واجب کر دیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کے اوپر اس اطاعت کو لازم کیا ہے، لہٰذا اس کے اوپر اس اطاعت کو ادا کرنا فرض ہو گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے اپنے نفس کے اوپر کسی اطاعت کو واجب کیا اور پھر اس کو پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے اور رسول لگاتار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی، اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا، ہم نے اس کو ان پر فرض

رَعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞ (الحدید:۲۷)

نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا، پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا، اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O

الحدید: ۲۷ کی تفسیر از مصنف

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، ان میں سے تین فرقوں نے نجات پائی، باقی ہلاک ہو گئے، ان تینوں میں سے ایک فرقہ بادشاہوں کے سامنے ڈٹ گیا اور ان سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دین کی حمایت میں قتال کیا، پس بادشاہوں نے ان کو شہید کر دیا، دوسرے فرقہ میں قتال کرنے کی طاقت نہ تھی، انہوں نے بادشاہوں کے سامنے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے دین کی تبلیغ کی، بادشاہوں نے ان کو بھی شہید کر دیا اور ان کو آروں سے چیر ڈالا، اور تیسرا فرقہ جس کو بادشاہوں سے قتال کرنے کی قوت نہ تھی، نہ ان کے سامنے تبلیغ کرنے کی طاقت تھی، وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور رہبانیت اختیار کی، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ انہوں نے یہ رہبانیت اللہ کی رضا کے لیے اختیار کی تھی۔ (جامع البیان:۲۶۰۸۱)

اس آیت میں ''رہبانیت'' کا لفظ ہے اس کا مادہ بدعت ہے۔ ''الابداع'' کا معنی ہے: کسی چیز کی ابتداءً کسی مثال کے بغیر اس کو بنانا، اور جب اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو بغیر آلہ، بغیر مادہ اور بغیر زمان ومکان کے بنانا، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، قرآن مجید میں ہے ''بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (البقرہ:۱۱۷) یعنی آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا۔ اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے: ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ حق کے خلاف ہو، خواہ وہ علم (اعتقاد) ہو یا عمل ہو یا حال ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کے شبہ یا استحسان پر ہو اور اس کو دینِ قویم اور صراطِ مستقیم بنا دیا جائے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۶)

علامہ عز الدین بن عبدالسلام نے ''کتاب القواعد'' کے اخیر میں لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ واجبہ: جیسے قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے علمِ نحو میں مشہور ہونا (۲) بدعتِ محرمہ: جیسے جبریہ، قدریہ (روافض، مرزائیوں اور اسماعیلیوں) کے مذاہب یہ بدعتِ محرمہ ہے اور ان کا رد کرنا بدعتِ واجبہ ہے۔ (۳) بدعتِ مستحبہ: جیسے سرائے اور دینی مدارس بنانا، اور ہر وہ نیک کام جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا، جیسے تراویح کی جماعت اور وعظ کی محافل اور علمی مذاکرات کے لیے مجالس کو منعقد کرنا (۴) بدعتِ مکروہہ: جیسے دکھاوے کے لیے مساجد کو مزین کرنا۔ (۵) بدعتِ مباحہ: جیسے عصر کی نماز کے بعد التزام سے مصافحہ کرنا اور انواع واقسام کے لذیذ کھانے اور مشروبات۔ (شرح الطیبی ج ۱۱ ص ۲۹۶)

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی، یہ ان لوگوں میں سے بعض ہیں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا''۔ اور آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رہبانیت کی بدعت نکالنے والوں میں سے بعض وہ بھی تھے جنہوں نے رہبانیت

کی کماحقہٗ رعایت کی تھی، کیونکہ اگر ان میں ایسے لوگ نہ ہوتے تو وہ اس اجر کے مستحق نہ ہوتے جس کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے اور جنہوں نے کماحقہٗ رہبانیت کی رعایت نہیں کی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بعد کے لوگوں میں سے ہوں۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۳۱۲)

نذرالمعصیت کا بیان

عنقریب نذرالمعصیت کا اختلاف اس کے باب میں ان شاءاللہ تعالیٰ آئے گا۔

بعض فقہاء نے نذر کی دو قسمیں کی ہیں: ایک نذرِ مجہول ہے جیسے کوئی شخص کہے: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر نذر ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس پر کفارہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے اوپر بہت سخت کفارہ ہے جیسے ظہار کا کفارہ ہوتا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۵۸۳۴، ۱۵۸۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۴۷۴، ۱۲۱۸۰)

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک دن روزہ رکھے یا ایک دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے یا دو رکعت نماز پڑھے۔

اور دوسری قسم نذرِ معلوم ہے، اور اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) نذرِ اطاعت (۲) نذرِ معصیت (۳) نذرِ مکروہ (۴) نذرِ مباح۔ اور ان میں سے صرف نذرِ اطاعت کو پورا کرنا واجب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۸۷۔۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذرِ اطاعت کو پورا کرنے کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے''۔ (البقرہ: ۲۷۰)

اس آیت میں لفظِ ''النفقۃ'' نکرہ ہے اور سیاقِ شرط میں مذکور ہے اور اس سے مراد عام ہے خواہ نفقہ قلیلہ ہو یا کثیرہ ہو۔ اور اس آیت میں نذر کا ذکر ہے، اور نذر سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم کرلے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام واجبات ہوں، کیونکہ انسان جب واجب پر عمل کرنا شروع کرے تو نذر کی طرح اس کو بھی پورا کرنا واجب ہے، اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص کسی واجب کام کو شروع کردے تو اس پر اس کام کو منقطع کرنا حرام ہے سوائے ناگزیز صورت کے، پس جب انسان قضائے رمضان کے روزے رکھنا شروع کردے تو اس پر ان روزوں کو توڑنا حرام ہے۔

پس تمام واجبات جب شروع کردیے جائیں تو وہ نذر ہوجاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ (الحج: ۲۹)

پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O

اور یہی قول صحیح ہے کہ نذر سے مراد وہ کام ہے جس کو انسان اپنے اوپر واجب کرلے اور اس کام میں شروع ہوجائے۔ اور

واجبات میں شروع ہونا بھی اسی کی مثل ہے۔

البقرہ: ۲۷۰ میں فرمایا ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے'' اور اس کے علم پر اس کا اثر مرتب ہوگا اور وہ ہے اس کی جزاء عطا فرمانا۔ اور کبھی انسان اپنے عمل کو باطل کر دیتا ہے، پھر وہاں پر ثواب نہیں ہوگا۔ پس علم سے تعبیر کرنا اس سے عام ہے کہ اس کو ثواب سے تعبیر کیا جائے۔ پس ثواب سے تعبیر کرنا اگرچہ بہ کثرت آیات میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۱۵)

جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا، پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اور یہاں پر ایک اور نکتہ یہ ہے کہ انسان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل میں سے کسی چیز کو ضائع نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو جانتا ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ ثواب کو خبر دینے سے ذکر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ (التغابن: ۷)

آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا، پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

بہر حال نذرِ اطاعت کو پورا کرنا واجب ہے اور رہی نذرِ معصیت تو اگر کسی شخص نے معصیت کی نذر مانی ہے تو وہ اس کو پورا نہ کرے بلکہ اس کے خلاف کرے اور اس نذر کا کفارہ ادا کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۳۔ ۶۱۴، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابٌ: اِذَا نَذَرَ اَوْ حَلَفَ اَنْ لَا یُكَلِّمَ اِنْسَانًا فِی الْجَاهِلِیَّةِ ثُمَّ اَسْلَمَ

جب کسی شخص نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی یا قسم کھائی کہ وہ کسی انسان سے بات نہیں کرے گا، پھر اس نے اسلام قبول کر لیا، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی یا حلف اٹھایا کہ وہ کسی انسان سے بات نہیں کرے گا۔ زمانہ جاہلیت سے مراد انقطاعِ نبوت کا زمانہ ہے یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے کا زمانہ ہے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا یعنی نذر ماننے والے نے، امام بخاری نے اس نذر یا قسم کے جواب کا ذکر نہیں کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے، یا اس نذر کا پورا کرنا مستحب ہے۔

امام طحاوی نے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے وہ امام بخاری کے عنوان سے زیادہ عمدہ ہے اور زیادہ واضح ہے، انہوں نے کہا: ''باب: ایک آدمی نذر مانتا ہے حالانکہ وہ مشرک ہے، پھر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے'' کیونکہ امام بخاری نے جو'فی الجاهلية'' کا لفظ کہا ہے اور علامہ کرمانی نے اس کی تفسیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو مشرک بعثت کے بعد نذر مانے اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کا حکم اس کے خلاف ہوگا حالانکہ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابو الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات المسجد الحرام میں اعتکاف کروں گا، آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۰۳۲، ۲۰۴۳، ۳۱۴۴، ۴۳۲۰، ۶۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۹، سنن نسائی: ۳۸۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۵، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۹، مسند احمد: ۲۵۷، سنن دارمی: ۲۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۶۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط ہوتی ہے، آپ نے فرمایا''تم اپنی نذر پوری کرو'' کیونکہ آپ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کافر کی نذر ماننا صحیح ہے۔ اور جب وہ کافر اسلام قبول کر لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی نذر کو پورا کرے۔ اور اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور عبید اللہ بن عمر کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں۔

یہ حدیث اعتکاف کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو از عبید اللہ بن اسماعیل از ابی اسامہ از عبید اللہ بن عمر روایت کیا تھا۔

کافر کی نذر کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مرد شرک کے زمانہ میں اپنے نفس پر اعتکاف یا صدقہ یا کوئی ایسی عبادت کو لازم کر لے جس کو مسلمان اللہ کے لیے واجب کرتے ہوں، پھر وہ اسلام قبول کر لے تو اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب ہے اور ان فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے جو کہا ہے کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے تو قوم سے ان کی مراد طاؤس، قتادہ، حسن بصری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور غیر مقلدین کی جماعت ہے اور یہی ابن حزم کا قول ہے۔ اور دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: دوسروں سے امام طحاوی کی مراد ہے ابراہیم النخعی، الثوری، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام مالک، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد۔ اور ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہے جو اس باب سے پہلے مذکور ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ نذر عبادت میں منعقد ہوتی ہے اور معصیت میں منعقد نہیں ہوتی۔

اور دوسری دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نذر صرف وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا جائے۔ اور اس کو امام طحاوی نے اپنی مسند میں عبداللہ بن وہب کی روایت سے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر کا فعل اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ جس وقت اس نے اپنے اوپر اس کام کو واجب کیا اس وقت وہ اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتا تھا اور یہ معصیت ہے، سو اس کی نذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ اللہ کی معصیت میں کوئی نذر نہیں ہوتی۔

حدیث مذکور کا محمل

رہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اب مسجد حرام میں اعتکاف کر لیں کیونکہ اب یہ اللہ عزوجل کی اطاعت ہے۔ اس کے برخلاف جس حال میں انہوں نے نذر مانی تھی تو وہ معصیت کا حال تھا۔

اور علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے: شارع علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور ایجاب اور الزام کے نہیں فرمایا یعنی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس فعل کو واجب نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی رائے سے ان کو یہ حکم دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد سے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ نذر کو پورا کرنا بہت مؤکد امور میں سے ہے، اس لیے آپ نے سختی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نذر کو پورا کریں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہنا اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین میں طائف کے مال غنیمت کو تقسیم فرما رہے تھے۔

اعتکاف میں روزہ کی شرط کے متعلق علامہ کرمانی کا فقہاء احناف پر اعتراض اور علامہ عینی کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اعتکاف کی صحت کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں ہے اور یہ حدیث فقہاء احناف پر حجت ہے۔علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ عینی، علامہ کرمانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ کرمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے غافل تھے، آپ نے فرمایا: ''روزہ کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں ہوتا'' اس سے معلوم ہوا کہ روزہ اعتکاف کی شرط ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۳۔۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ کفر میں مانی ہوئی نذر کے متعلق فقہاء اسلام کے مختلف اقوال

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت میں ایسی نذر مانی جس کو مسلمان اللہ کے لیے واجب کرتے ہیں پھر اس نے اسلام قبول کر لیا تو امام شافعی اور ابوثور نے کہا ہے: اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد قسم کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ ہے۔اور یہی ابوجعفر طبری کا قول ہے۔

ان فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنی نذر کو پورا کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔اور یہی المغیرہ المخزومی کا قول ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''اپنی نذر کو پورا کرو'' کو وجوب پر محمول کیا ہے اور یمین (قسم) کو نذر پر قیاس کیا ہے، پس اگر نذر ان کاموں میں سے ہے جن کو اسلام میں بطور عبادت کیا جاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس نذر کو پورا کرے اور اگر نذر اور قسم ان کاموں میں سے نہیں ہے جن کو اسلام میں پورا کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ فلاں آدمی سے بات نہیں کرے گا تو پھر اس پر اسلام لانے کے بعد قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہے، اسی طرح امام شافعی اور ابوثور کہتے ہیں کہ جس نے معصیت کی نذر مانی اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے: اس پر ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ہر وہ شخص جس نے کفر کی حالت میں قسم کھائی پھر اسلام لانے کے بعد قسم توڑ دی تو تمام قسموں میں اس کے اوپر کوئی چیز واجب نہیں ہے، یہ امام مالک، ثوری اور فقہاء احناف کا قول ہے۔

امام طحاوی نے کہا: اس مسئلہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ''جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے''۔ان فقہاء نے کہا کہ جب کہ نذر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد کیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی معصیت کا قصد کیا جائے تو نذر واجب نہیں ہوتی اور کافر نے جب کہا کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر اعتکاف واجب ہے یا روزہ واجب ہے، پھر اس نے یہ کر لیا تو اس سے وہ اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والا نہیں

ہوگا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مشابہ ہے کہ معصیت میں نذر نہیں ہوتی، کیونکہ جس چیز کا عبادت ہونا صحیح نہ ہو تو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم اپنی نذر پوری کرو" یہ آپ نے اس لیے نہیں فرمایا کہ ان پر اس نذر کو واجب کریں، لیکن جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس حال میں نذر مانی تھی اس حال میں اس نذر کو پورا کرنے کی سخاوت کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مستحب قرار دیا کہ وہ اس نذر کو پورا کریں، کیونکہ پہلے تو ان کا یہ فعل عبادت نہیں تھا لیکن اب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کو حکم دیا وہ اس کے خلاف ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ کفر میں اپنے اوپر واجب کیا تھا، کیونکہ اسلام جاہلیت کے معاملات کو منہدم کر دیتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۳۹۔۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۰۔ بَابُ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ

جو شخص فوت ہوگیا اور اس پر نذر تھی

وَأَمَرَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَةً جَعَلَتْ أُمُّهَا عَلَى نَفْسِهَا صَلَاةً بِقُبَاءٍ، فَقَالَ: صَلِّي عَنْهَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت کو حکم دیا جس کی ماں نے اپنے اوپر قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اس کی طرف سے نماز پڑھو۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل فرمایا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے کوئی نذر مانی ہوئی تھی آیا اس کی طرف سے اس نذر کو ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو حکم دیا جس کی ماں نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم اس کی طرف سے نماز پڑھو۔

اس تعلیق نے باب کے عنوان کے حکم کو واضح کر دیا ہے، یعنی جو شخص فوت ہوگیا اور اس نے نذر مانی ہوئی ہو تو نذر اس کی طرف سے ادا کی جائے گی۔

الظاہریہ یعنی غیر مقلدین نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میت کے ورثاء پر واجب ہے کہ وہ میت کی مانی ہوئی نذر کو ادا کریں خواہ روزہ کی نذر ہو یا نماز کی نذر ہو۔

اور فقہاء شافعیہ نے کہا ہے: میت کی طرف سے نماز اور حج اور دیگر عبادات میں نیابت جائز ہے، کیونکہ اس باب کی احادیث اس حکم کو متضمن ہیں۔

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: جو فعل خصوصیت سے نذر کے فعل کو متضمن ہے وہ نماز اور روزہ

ہے اور مذاہب فقہاء سے مشہور یہ ہے کہ ایسا نہیں کیا جائے گا۔ اور محمد بن الحکم نے کہا ہے کہ اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے گا اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے۔ اور اس کے مطابق احادیث صحیحہ وارد ہیں، سو یہی قول مختار ہے۔ اور امام احمد، امام اسحاق، ابوثور اور اہل الظاہر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے گا اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا خواہ فرض نماز ہو یا سنت ہو، نہ زندہ کی طرف سے نماز پڑھے گا اور نہ میت کی طرف سے نماز پڑھے گا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ میں اختلاف ثابت ہے۔

امام مالک نے الموطا میں کہا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا، اور کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا۔ (الموطا: ص ۲۰۲)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیق میں جو اثر منقول ہے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا: اگر تم چاہو تو اپنی ماں کی طرف سے نماز پڑھو۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل فرمایا"۔ یعنی جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ اور اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ از سعید بن جبیر روایت کیا ہے ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کوئی شخص مرگیا اور اس پر نذر ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس نذر کو ادا کرے گا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایت ہے جس کو امام نسائی نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ اور ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اس بات کی روایت اس کے متعلق ہے جو فوت ہو گیا اور نفی کی روایت اس کے متعلق ہے جو زندہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ میں نقل مضطرب ہے، پس یہ روایت کسی کے لیے بھی حجت نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۴۔۳۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَأَفْتَاهُ أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا فَكَانَتْ سُنَّةً بَعْدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ماں کی مانی ہوئی نذر کے متعلق سوال کیا جو نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی

تھیں، تو آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے نذر پوری کریں، پھر بعد میں یہی سنت ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۲۷۶۱، ۶۶۹۸، ۶۹۵۹، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ترمذی: ۱۵۴۶، سنن نسائی: ۳۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۳۰۴۰، موطا امام مالک: ۱۰۲۵)

صحیح البخاری: ۶۶۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر نذر ہو'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جن کی والدہ فوت ہوگئیں تھیں اور انہوں نے اپنی نذر پوری نہیں کی تھی تو آپ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے نذر پوری کرو۔ اور اس حدیث سے اس باب کے عنوان کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس نے نذر مانی ہوئی ہو تو اس کے ورثاء اس کی نذر کو پورا کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں شعیب کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوصایا کے اس باب میں گزر چکی ہے ''باب ما یستحب لمن یتوفی فجاۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذر عن المیت''۔ وہاں اس حدیث کی از عبد اللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔۔۔۔ الحدیث

حدیث مذکور کے معانی

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی نذر میں متعدد اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں پر نذر تھی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کی ماں نے کس چیز کی نذر مانی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے روزہ کی نذر مانی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ان کی نذر مطلق تھی اور اس میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں تھا۔ اور جو نذر مبہم ہو اس کا حکم یہ ہے کہ قسم کا کفارہ دیا جائے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

نذر مبہم کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور سعید بن جبیر اور قتادہ سے منقول ہے کہ نذر مبہم سب سے غلیظ قسم ہے یعنی سب سے سخت، گاڑھی اور مضبوط قسم ہے۔ اور اس کا کفارہ بھی سب سے سخت اور مضبوط ہے یعنی غلام آزاد کرے اور دس مسکینوں کو کپڑے دے یا دس مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلائے۔ اور انہوں نے کہا: صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اس میں قسم کے کفارہ کو مقرر کیا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین نہیں کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے نذر کو ادا کرے"۔ یہ اس اعتبار سے ہے جس طرح اس کی نذر واقع ہوئی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس اس کے بعد یہی سنت ہوگئی"۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی وارث اس کو ادا کرے جو مورث پر ہے اور یہ طریقہ شرعیہ مقرر ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۵۔۳۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَهُ إِنَّ أُخْتِي قَدْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ وَإِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ اللهَ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی اور وہ فوت ہوگئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر اس کے اوپر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اس نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: پس تم اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۵۲، ۶۶۹۹، ۷۳۱۵، سنن نسائی: ۲۶۳۳، مسند احمد: ۲۱۴۱، سنن دارمی: ۲۲۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح گزشتہ حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبشر، ان کا نام جعفر بن ابی وحشیہ ہے۔ اور ابووحشیہ کا نام ایاس الیشکری البصری ہے اور ان کو الواسطی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہوگئی۔۔۔۔۔ الحدیث

دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائیں گی اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں، سو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چاہیے کہ وہ پیدل چلے اور سوار ہو۔ (صحیح البخاری:۱۸۶۶)

ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں امر واقع ہوئے ہوں۔ اور کتاب الحج میں ''الحج عن الغیر'' کے باب میں اس کی تفاصیل گزر چکی ہیں۔

بندوں کے حق پر اللہ تعالیٰ کے حق کو قیاس کر کے جواب دینا

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تمہاری بہن کے اوپر قرض ہوتا'' اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قیاس کی تعلیم دی ہے اور آپ نے قیاس سے استدلال کر کے جواب دیا ہے کہ جب بندہ کا قرض تم ادا کرنے کے لیے تیار ہو تو اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنے کے لیے تمہیں بطریقِ اولیٰ تیار ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے''۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حق اور بندوں کا حق دونوں جمع ہوں تو بندوں کے حق کو مقدم کیا جاتا ہے، پس اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ کا حق ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگوں کے حق کی رعایت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۶۹۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میت کی نذر پوری کرنے کے متعلق اقوالِ فقہاء

ورثاء پر واجب ہے کہ وہ میت کی نذر کو پورا کریں، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

پس اہل الظاہر یعنی غیر مقلدین نے کہا ہے کہ میت کا ولی میت کی نذر کو پورا کرے اور یہ اس پر واجب ہے خواہ اس کی

روزے کی ہو یا مال کی ہو۔
اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ وارث پر واجب نہیں ہے، اگر اس نے میت کی طرف سے نذر پوری کردی تو یہ احسن ہے۔ اگر اس کی نذر صدقہ کے متعلق ہو یا غلام کو آزاد کرنے کے متعلق ہو۔ اور اگر اس نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی تو اس میں اختلاف ہے۔
نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب میت نے نذر پوری کرنے کی وصیت کی۔ امام مالک نے یہ کہا ہے کہ وہ میت کی وصیت کو اس کے تہائی مال میں پوری کرے۔ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: میت کی کل وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، تو میت کے اصل مال سے اس کو پورا کیا جائے گا۔
اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے جو کہا ہے کہ اگر میت نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو اس کو پورا کیا جائے تو یہ انہوں نے اپنی رائے سے کہا ہے اور اس کو واجب نہیں قرار دیا، کیونکہ حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے خلاف مروی ہے جس کی امام بخاری نے ان دونوں سے روایت کی ہے۔
امام مالک نے الموطا میں ذکر کیا ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھے اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے۔ (الموطا: ص ۲۰۲)
اور ایوب بن موسیٰ نے از عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۷۵)
اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھے گا اور نہ سنت پڑھے گا، نہ زندہ کی طرف سے اور نہ فوت شدہ کی طرف سے۔
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اگر یہ جائز ہو کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز پڑھے تو یہ تمام بدنی فرض عبادات میں جائز ہوگا اور یہ جائز ہوگا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی طرف سے ایمان لے آئے۔ اور کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ مستحق نہیں ہے کہ آپ اپنے والدین کی طرف سے ایمان لاتے اور اپنے چچا ابو طالب کی طرف سے ایمان لاتے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرما دیا جن کے لیے آپ نے استغفار کیا تھا (یعنی ابو طالب کے لیے)۔
اور اگر یہ جائز ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی باطل ہو جائے گا:
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا۔ (الانعام: ۱۶۴) اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔
اور اس سے مراد فرائض کا کسب ہے، یعنی ہر شخص اسی فرض کو ادا کرے گا جو اس پر فرض کیا گیا ہے۔ رہے نوافل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اموات وغیرہ کی طرف سے تبرعاً ادا کریں۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کرنا سنت ہو گیا ہے۔
علامہ ابن القابسی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عملِ صالح فوت شدہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے خواہ ان کے اموال سے ان کو نفع نہ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (النجم:۳۹) اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیاO

اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نذر کو پورا کریں۔ اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ماں نے اپنے بیٹے کی جو پرورش کی ہے تو اس وجہ سے بیٹے کا ماں کی طرف سے نذر پوری کرنا یہ گویا ماں کا ہی فعل ہے کیونکہ اس کی پرورش کے سبب سے بیٹے نے اس کی نذر کو پورا کیا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی نذر کے متعلق مختلف روایات

اور علماء کا اس نذر کے متعلق اختلاف ہے جس کی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں نے نذر مانی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ روزے تھے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو الاعمش نے از مسلم البطین از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور ان پر روزے ہیں، کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ الاعمش کی حدیث کو زہری کی حدیث کے لیے مفسر قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اعمش کی اس روایت میں اختلاف ہے کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئیں اور ان پر روزے ہیں۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس مسئلہ کا سوال کرنے والے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ ایک عورت تھی اور ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزے نہ رکھے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں پر جو نذر تھی وہ غلام کو آزاد کرنا تھی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: القاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئیں، اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو کیا ان کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور یہ حدیث اس مجمل نذر کی تفسیر کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ نذر صدقہ کی تھی اور انہوں نے امام مالک کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

از سعید بن عمرو بن شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بعض غزوات میں نکلے تو ان کی والدہ پر وفات کا وقت آ گیا، ان کی والدہ سے کہا گیا: آپ وصیت کیجئے تو انہوں نے کہا: میں کس چیز میں وصیت کروں، یہ مال تو سعد کا مال ہے، پھر وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے فوت ہو گئیں، پس جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا، پس سعد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میری ماں کو نفع پہنچے گا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور اس حدیث میں اس نذر مذکور کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث وصیت کے متعلق ہے اور وصیت نذر کی غیر ہے اور علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ زندہ کا فوت شدہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے خواہ وہ نذر ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

اور دوسرے علماء نے کہا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی نذر، نذر مطلق تھی نہ اس میں روزوں کا ذکر تھا نہ غلام کو آزاد

کرنے کا ذکر تھا اور نہ صدقہ کا ذکر تھا۔ اور انہوں نے کہا: جو شخص اپنے اوپر نذرِ مبہم کو لازم کرے اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے، یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۱۸۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۵۸۳۹، ۱۵۸۴۰)

اور سعید بن جبیر اور قتادہ سے روایت ہے کہ نذرِ مبہم بہت سخت اور گاڑھی قسموں میں سے ہے اور اس کا کفارہ بھی بہت سخت اور گاڑھا ہوتا ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اور صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اس نذر میں قسم کے کفارہ کو مقرر کیا ہے کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نذر مانی اور اس نذر کو معین نہیں کیا پس اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۱۸۱)

اور رہا میت کی طرف سے حج کرنا سو وہ کتاب الحج میں مذکور ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری: ج ۶ ص ۱۴۱۔ ۱۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میت کی طرف سے حج کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: کسی شخص کو دوسرے زندہ شخص کی طرف سے حج نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ اپاہج یعنی معطل الاعضاء ہو یا اس کا غیر ہو۔ اور نہ میت کی طرف سے نفلی حج کرنا چاہیے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا میرے نزدیک مستحب ہے۔ اور یہ امام دار الہجرۃ ہیں جو کہتے ہیں: ہمیں یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک کسی دوسرے کی طرف سے حج کیا ہو یا اس کا حکم دیا ہو یا اس میں اجازت دی ہو۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ سننِ اربعہ میں ابو رزین العقیلی نے لقیط بن عامر سے روایت کی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا والد بہت بوڑھا شخص ہے، وہ نہ حج کر سکتا ہے نہ عمرہ کر سکتا ہے اور نہ سفر کر سکتا ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۸۱۰، سنن ترمذی: ۹۳۰، سنن نسائی: ج ۵ ص ۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۶)

اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۳۹۹۱)

اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۴۸۱)

اور امام بیہقی نے "خلافیات" میں ذکر کیا ہے: اس حدیث کی ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام احمد نے کہا: میرے علم میں نہیں ہے کہ عمرہ کو واجب کرنے کے متعلق کوئی اس سے عمدہ حدیث ہو یا اس سے زیادہ صحیح حدیث ہو۔

اور اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ہے کہ خثعم کی ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کو فرض کیا ہے اور میں نے اپنے باپ کو بہت بوڑھا پایا، وہ سواری پر ثابت قدمی سے نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف

سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۸۵۵)

علامہ ابن وہب اور ابو مصعب نے کہا ہے: کوئی شخص دوسرے کی طرف سے حج نہ کرے سوا اس کے کہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے حج کرسکتا ہے خواہ وہ بوڑھا ہو یا نہ ہو۔

اور اشعب نے کہا ہے: اگر اس نے بہت بوڑھے کی طرف سے حج کیا تو اس کے لیے کافی ہوگا۔

اور امام مالک سے کہا گیا کہ ایک شخص نے کہا: مجھے ایک مرد نے حکم دیا ہے کہ میں اس کی طرف سے حج کروں اور وہ زندہ ہے؟ انہوں نے کہا: تم وہ کرو جس کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور میت کی طرف سے حج کرنے کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۸۴۔ ۳۸۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اولاد کا کسب والدین کے کسب میں شمار ہوتا ہے

صحیح البخاری: ۶۶۹۹ میں مذکور ہے "ایک عورت کی ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: تم اس کی طرف سے نماز پڑھو"۔

اور عون بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی کہ وہ دس دن اعتکاف کرے گی، پس وہ فوت ہوگئی اور اس نے اعتکاف نہیں کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اپنی ماں کی طرف سے اعتکاف کرو۔

اور یہ ہوسکتا ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ابن آدم فوت ہوجائے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عمل اور ان میں سے ایک بیٹے کو شمار کیا ہے، کیونکہ بیٹا بھی اس کے کسب میں سے ہے، پس بیٹے کے اعمالِ صالحہ اس کے باپ کے لیے شمار کیے جاتے ہیں اور بیٹے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ تو اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم قباء میں نماز پڑھ لو اور تمہاری نماز وہاں لکھی جائے گی۔ اور اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاد کے لیے یہ جائز ہے کہ ماں باپ کی طرف سے نذر کو پورا کرے۔ اور اس میں علامہ ابن بطال کا رد ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے خواہ نماز فرض ہو یا سنت، نہ زندہ کی طرف سے اور نہ فوت شدہ کی طرف سے۔ اور المہلب سے نقل کیا ہے کہ اگر یہ جائز ہو تو تمام عباداتِ بدنیہ میں یہ جائز ہوگا اور شارع علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار تھے کہ وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے ایمان لے آتے اور آپ کو اپنے چچا کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

اور علامہ ابن بطال کا اجماع کا دعویٰ کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ابنِ وہب مالکی اور ابو مصعب مالکی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اولاد کے لیے جائز ہے کہ وہ ماں باپ کی طرف سے نذر کو پورا کریں۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے حقوقِ واجبہ کو ادا کرنا چاہیے۔ اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ جو شخص فوت ہوگیا اور

اس پر نذر مانی ہوتو اس کے مال سے اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے خواہ اس نے وصیت نہ کی ہو۔ ہاں اگر یہ نذر اس نے مرض الموت میں کی ہوتو پھر اس کے تہائی مال سے یہ نذر پوری کی جائے گی۔ اور فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس نے اس کی مطلقاً وصیت کی ہو۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جو زیادہ اور بڑا عالم ہو اس سے سوال کرنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث میں والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی فضیلت ہے اور جو حقوق ان کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنے کی فضیلت ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۵۷۔۷۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مفضول جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی ہوتو اس سے افضل جگہ نماز پڑھنے سے بھی وہ نذر ادا ہو جائے گی

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ اس عورت نے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی، کیا اس کے لیے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا متعین ہے؟

ہم کہتے ہیں: جب کسی شخص نے مساجدِ ثلاثہ (مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد قدس) میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی جگہ نماز پڑھے جہاں نماز پڑھنے کی اس نے نذر مانی تھی، سوا اس کے کہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اس جگہ سے افضل جگہ نماز پڑھ لے، لہٰذا اگر کسی انسان نے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اور وہ مدینہ میں ہے تو اگر وہ مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ لے تو اس کی نذر ادا ہو جائے گی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتحِ مکہ کے موقع پر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا، آپ نے اس سے فرمایا: تم یہاں نماز پڑھ لو۔ اس نے دوبارہ سوال کیا، آپ نے پھر فرمایا: تم یہاں نماز پڑھ لو، جب سہ بارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جس طرح تم چاہو۔ سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی شخص کسی افضل جگہ نذر پوری کرلے تو اس نے مفضول جگہ بھی نذر پوری کرلی کیونکہ افضل، مفضول کی جگہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اس سے زیادہ کو بھی مشتمل ہوتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۱۔ بَابُ: النَّذْرِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي مَعْصِيَةٍ انسان جس چیز کا مالک نہ ہو، اس کی نذر ماننے کا بیان اور گناہ کی نذر ماننے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نذر ماننے والا اس چیز کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہیں ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر وہ گناہ کی نذر مانے تو اس کا کیا حکم ہے مثلاً وہ یہ نذر مانے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے گا اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں ہے "اور

گناہ کی نذر نہ مانے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از مالک از طلحہ بن عبد الملک از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، سو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۶، ۶۷۰۰، سنن ترمذی: ۱۵۲۶، سنن نسائی: ۳۸۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، مسند احمد: ۲۵۳۴۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۱، سنن دارمی: ۲۳۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے جزو ثانی کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت ہوسکتی ہے کیونکہ جزو ثانی میں کہا ہے ''معصیت کی نذر ماننے کا حکم'' اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ جس نے معصیت کی نذر مانی تو وہ اس نذر کو پورا نہ کرے۔ اور اس حدیث کا باب کے جزو اول میں کوئی دخل نہیں ہے یعنی جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر ماننے کا حکم۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس باب کی تمام حدیثوں کا اس نذر میں کوئی دخل نہیں ہے جس چیز کی نذر کا انسان مالک نہ ہو۔ ان احادیث کا دخل صرف معصیت کی نذر میں ہے۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے جو کہا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

انسان اس چیز کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہ ہو مثلاً یہ نذر مانے کہ فلاں شخص کا غلام آزاد۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ ایسی نذر، نذر ماننے والے کے ذمہ میں لازم ہو جاتی ہے مثلاً اس نے نذر مانی کہ فلاں شخص کے غلام کو آزاد کرے گا تو اب اس کے ذمہ میں ہے کہ اس شخص سے اس غلام کو خرید کر آزاد کرے۔

اور دوسرے شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس میں نذر لازم نہیں ہوگی جس طرح معصیت میں نذر لازم نہیں ہوتی، کیونکہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر مانے تو یہ مال غیر میں تصرف ہے اور وہ معصیت ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

اس باب کی مناسبت میں جس قدر توجیہات ذکر کی گئی ہیں وہ مقصود پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت کرنے میں تکلف کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعاصم، یہ النبیل الضحاک بن مخلد البصری شیخ البخاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم، یہ ابن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب "باب النذر فی الطاعة" گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ وَرَآهُ يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ وَقَالَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از حمید از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ شخص جو اپنی جان کو عذاب دے رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ اور آپ نے اس شخص کو دیکھا وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان پیدل چل رہا تھا۔
اور الفزاری نے کہا از حمید: مجھے ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

(صحیح البخاری: ۱۸۶۵، ۶۷۰۱، صحیح مسلم: ۱۶۴۲، سنن ترمذی: ۱۵۳۷، سنن نسائی: ۳۸۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۱، مسند احمد: ۱۲۴۷۸)

صحیح البخاری: ۶۷۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت ممکن ہے اور رہا جزو اول، یعنی اس چیز کی نذر ماننا جس کا انسان مالک نہ ہو تو اس کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں۔ اور حُمید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حمید الطویل ابوعبیدہ البصری ہیں، وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں جو ابنِ اسلم البنانی ابومحمد البصری ہیں۔
یہ حدیث کتاب الحج میں از محمد بن سلام گزر چکی ہے، اس کے شروع میں یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے چل رہا تھا۔ یہاں امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے ذکر کیا ہے اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔
اس حدیث میں جو تعلیق ہے اس میں الفزاری کا قول ہے، ان کا نام مروان بن معاویہ الکوفی ہے۔ امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں حُمید نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے ثابت سے حدیث سنی ہے، اور کتاب الحج میں اس کو از محمد بن سلام از الفزاری سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷۔۳۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٠٢۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِزِمَامٍ أَوْ غَيْرِهِ فَقَطَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از سلیمان الاحول از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے ایک مرد کو دیکھا کہ کعبہ کا لگام کے ساتھ طواف کر رہا تھا یا غیر لگام کے ساتھ، تو آپ نے اس لگام کو کاٹ ڈالا۔

(صحیح البخاری: ١٦٢٠، ١٦٢١، ٦٧٠٢، ٦٧٠٣، سنن نسائی: ٣٨١١، سنن ابوداؤد: ٣٣٠٢، مسند احمد: ٣٤٤٣)

صحیح البخاری: ٦٧٠٢، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت میں وہی کلام ہے جو اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعاصم کا ذکر ہے، ان کے متعلق باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ وہ شیخ بخاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جُریج کا ذکر ہے، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔

یہ حدیث بھی کتاب الحج میں از ابوعاصم اور از ابراہیم بن موسیٰ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے ایک مرد کو دیکھا" علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس مرد کا نام ثُراب تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یا وہ چیز لگام کی غیر تھی" یعنی وہ چیز مہار تھی۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٢٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٧٠٣۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ يَقُودُ إِنْسَانًا بِخِزَامَةٍ فِي أَنْفِهِ فَقَطَعَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُودَهُ بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سلیمان الاحول نے خبر دی کہ ان کو طاؤس نے خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو آپ کے ساتھ ایک انسان گزرا جس کی ناک میں دوسرا انسان دھاگہ یا ریشم کی مہار ڈال کر اس کو چلا رہا تھا۔ سو نبی ﷺ نے اس دھاگہ یا ریشم کو اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالا، پھر آپ نے اس

کو حکم دیا کہ وہ اس انسان کو اپنے ہاتھ سے چلائے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳، سنن نسائی: ۳۸۱۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۲، مسند احمد: ۳۴۴۳)

صحیح البخاری: ۶۷۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو حدیث ذکر کی گئی ہے یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے از ابراہیم بن موسیٰ بن یزید الفراء الرازی، وہ ہشام بن یوسف سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبدالملک بن جریج سے روایت کرتے ہیں از سلیمان بن ابی موسیٰ الاحول از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اور یہ سند پہلی سند کے مقابلہ میں سندِ نازل ہے۔

اس حدیث میں ''خزامة'' کا لفظ ہے، یہ بالوں یا ریشم کا ایک حلقہ ہوتا ہے، اس کو اونٹ کے دو نتھنوں کے درمیان جو حاجز ہے اس میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مُہار کو باندھ دیا جاتا ہے تاکہ اونٹ کو چلانا آسان ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اس وقت وہاں ایک مرد کھڑا ہوا تھا، آپ نے اس کے متعلق سوال کیا، لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہیں، اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایا طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اسے کہو کہ یہ بات کرے اور سایا طلب کرے اور بیٹھے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔
عبدالوہاب نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از نبی ﷺ۔

(سنن ابوداؤد: ۳۳۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۶، موطا امام مالک: ۱۰۲۹)

صحیح البخاری: ۶۷۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بھی باب کے عنوان کے جز وثانی کے ساتھ مطابقت ہے کیونکہ جو آدمی یہ نذر مانے کہ وہ بیٹھنے کو ترک کر دے گا اور سایا طلب کرنے کو ترک کر دے گا اور لوگوں سے باتیں کرنے کو ترک کر دے گا تو یہ امور اطاعت نہیں ہیں۔ پس جب اس کی نذر غیر اطاعت میں ہوگی تو پھر یہ نذرِ معصیت ہے کیونکہ معصیت اطاعت کے خلاف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن اسماعیل، یہ ابوسلمہ المنقری ہیں جن کو التبوذکی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے جو وہب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الایمان میں از موسیٰ روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے الکفارات میں از الحسین بن محمد الواسطی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یخطب'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اور خطیب بغدادی نے ''کتاب المبہمات'' میں ایک اور سند سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ ایک مرد کو دیکھا''۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ مرد دھوپ میں کھڑا ہوا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسال عنه'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے متعلق سوال کیا۔ لوگوں نے کہا: ابواسرائیل، اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے ''وہ مرد ابواسرائیل ہے'' اور خطیب نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ مرد قریش میں سے تھا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا کہ وہ مرد الانصار میں سے تھا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: حافظ ابن الاثیر نے دوسروں کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابواسرائیل انصاری تھا۔ علامہ کرمانی نے بھی اسی سے دھوکا کھایا ہے اور وثوق سے کہا ہے کہ وہ مرد انصار میں سے تھا۔ اور پہلا قول زیادہ اولیٰ ہے کہ وہ شخص قریش کا ایک مرد تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قائل سے یہ کہا جائے گا: اگر علامہ کرمانی نے علامہ ابن الاثیر کے کلام سے دھوکا کھایا ہے تو تم نے خطیب کے کلام سے دھوکا کھایا ہے۔ اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ خطیب کی عبارت کرمانی کی عبارت سے اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابوعمر بن عبد البر نے الاستیعاب کے باب الکنیٰ میں کہا ہے کہ ابواسرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے انصار کا ایک مرد تھا، پھر یہ حدیثِ مذکور ذکر کی ہے، پھر کہا: ان کا نام یُسَیر ہے اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام قُشَیر ہے اور تیسرا قول ہے کہ ان کا نام قیصر ہے جو روم کے بادشاہ کا نام

تھا۔اور صحابہ میں سے کوئی شخص ان کی کنیت میں ان کا شریک نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ عینی کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الاثیر نے صاحب الاستیعاب کی عبارت سے استدلال کر کے یہ کہا ہے کہ ابو اسرائیل انصار میں سے تھے اور خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ وہ قریش کے ایک مرد تھے۔ رہا یہ کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ خطیب کی عبارت صاحب الاستیعاب کی عبارت سے اولیٰ ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب بغدادی علامہ ابن الاثیر پر مقدم ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: خطیب بغدادی کا سنِ وفات ۴۳۶ھ ہے اور علامہ ابن الاثیر کا سنِ وفات ۶۰۶ھ ہے۔

نیز خطیب بغدادی نے اپنی بات کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے برخلاف استیعاب کی عبارت حافظ ابن عبدالبر کی سند سے نہیں ہے، اس لیے واضح ہو گیا کہ خطیب بغدادی کا قول ابن الاثیر کے قول پر راجح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے "اس سے کہو" (جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے) کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ روزہ رکھنا عبادت ہے، اس کے برخلاف وہ باقی کام جو کر رہا تھا وہ عبادت نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مباح گفتگو سے چپ رہنا یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے چپ رہنا اطاعت اور عبادت نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح دھوپ میں بیٹھنا بھی عبادت نہیں ہے۔اور اسی کے معنی میں ہر وہ کام ہے جس سے انسان کو تکلیف ہو۔اور وہ کام نہ اطاعت ہو نہ عبادت ہو نہ اس کا کتاب یا سنت میں ذکر ہو۔اطاعت تو صرف وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸۔۳۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مزید فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی امرِ مباح سے سکوت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے "اور نہ ایک دن سے لے کر رات تک خاموش رہنا عبادت ہے"۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے فرمایا کہ "خاموش رہنا جاہلیت کے کاموں میں سے ہے"۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا ہر وہ کام جس سے انسان کو ایذاء پہنچے خواہ اسی وقت ایذاء پہنچے یا بعد میں ایذاء پہنچے اور اس کام کی

شریعت کے متعلق کتاب یا سنت میں کوئی تشریح نہ ہو جیسے ننگے پیر چلنا یا دھوپ میں بیٹھنا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے، لہٰذا اس سے نذر منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسرائیل کو صرف روزہ پورا کرنے کا حکم دیا اور باقی کاموں کو پورا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ روزہ رکھنے سے اس کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اور آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ بیٹھے اور باتیں کرے اور سائے کو طلب کرے۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا ہے: ابواسرائیل کے قصہ میں جمہور کی یہ واضح دلیل ہے کہ معصیت کی نذر ماننے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا یا جو چیز عبادت نہ ہو اس کی نذر ماننے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ امام مالک نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسرائیل کو کفارہ دینے کا حکم دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذرِ معصیت کے متعلق شیخ ابن عثیمین حنبلی کی رائے

اگر کسی شخص نے دوسرے کے غلام کے متعلق نذر مانی کہ وہ اس کو آزاد کرے گا تو اس کی یہ نذر منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس کو آزاد کرنے کا مالک نہیں ہے لیکن اس کے اوپر قسم کا کفارہ واجب ہے کیونکہ ہر وہ نذر جس کو انسان منعقد کرے اور اس کو پورا نہ کرے خواہ عذرِ حسی کی وجہ سے یا عذرِ شرعی کی وجہ سے تو اس پر واجب ہے کہ اس نذر کا کفارہ دے جس طرح قسم کا کفارہ دیا جاتا ہے۔

رہی معصیت کی نذر مثلاً کوئی عورت نذر مانے کہ وہ پہلا دن جس میں مجھے حیض آئے گا میں اس میں روزہ رکھوں گی، تو یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوگی کیونکہ یہ نذرِ حرام ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے۔

برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے پر دلیل

صحیح البخاری: ۶۷۰۲ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو لگام کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو آپ نے اس لگام کو کاٹ دیا۔

یعنی یہ لگام اس کی ناک میں لٹکائی ہوئی تھی اور اس کا صاحب اس لگام کو پکڑ کر اسے کھینچ رہا تھا۔ اور اس سے اس طواف کرنے والے کو بھی ضرر ہوتا ہے اور دوسرے طواف کرنے والے کو بھی ضرر ہوتا ہے کیونکہ وہ رسی جو اس کے ناک میں باندھی گئی ہے تو اس کی وجہ سے طواف کرنے والوں پر تنگی ضرور ہوگی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لگام کو کاٹ دیا اور اس کے صاحب کو حکم دیا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر طواف کرائے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برے کام کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنا چاہیے اور جو شخص اس کو تبدیل کرنے پر قادر ہو اس پر تبدیل کرنا واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے متغیر کرے، اگر ہاتھ سے متغیر کرنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے، اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر دل سے اس برائی کو برا جانے"۔

نذرِ مباح اور نذرِ مکروہ کے حکم کا فرق

نیز شیخ ابن عثیمین ابو اسرائیل کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
ابو اسرائیل کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نذرِ مباح یا نذرِ مکروہ یا نذرِ حرام کو معاف نہیں کیا جاتا۔ لیکن مباح کے فعل اور اس کے کفارہ دینے میں اختیار دیا جائے گا، اس کے برخلاف جو نذرِ حرام یا مکروہ ہو تو ان سے منع کیا جائے گا۔
(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٦٢٢ ـ ٦٢٤، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٣٢- بَابُ: مَنْ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ أَيَّامًا فَوَافَقَ النَّحْرَ أَوِ الْفِطْرَ

جس نے چند معین ایام میں روزہ رکھنے کی نذر مانی پھر اتفاق سے وہ ایام عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے تھے، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ معین ایام میں روزے رکھے گا، پھر اتفاق سے وہ دن عید الفطر کا تھا یا عید الاضحیٰ کا تھا تو کیا اس کے لیے اس دن میں روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا حکم کیسا ہے؟
اور امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ وہ اکثر ابواب میں اسی طرح کرتے ہیں۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جائے گا، یا اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جو شخص اس حدیث سے کوئی حکم مستنبط کرنا چاہے گا تو وہ اس حکم کو معلوم کر لے گا جیسا کہ فقہاء نے اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے۔
اور اس باب کا حکم یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا بالاجماع جائز نہیں ہے اور جس نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانی تو فقہاء شافعیہ کے نزدیک وہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی نذر منعقد ہو جائے گی لیکن وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں اس پر ان روزوں کی قضاء واجب ہے۔ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں کہ اس پر قضاء واجب ہے یا نہیں۔ اور کتاب الصوم کے اواخر میں اس مسئلہ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٢٩ ـ ٣٣٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٧٠٥- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا حَكِيمُ بْنُ أَبِي حُرَّةَ الْأَسْلَمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلَّا صَامَ فَوَافَقَ يَوْمَ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ فَقَالَ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ٢١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حکیم بن ابی حرۃ الاسلمی نے حدیث بیان کی کہ بے شک انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے یہ

لَمْ يَكُنْ يَصُومُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ وَلَا يَرَى صِيَامَهُمَا۔

(صحیح مسلم:۱۱۳۹، مسند احمد:۵۲۲۳)

نذر مانی کہ وہ معین دن میں روزہ رکھے گا، پھر اتفاق سے وہ دن عید الاضحیٰ کا تھا یا عید الفطر کا تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے''۔ (الاحزاب:۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عید الاضحیٰ کو روزہ رکھتے تھے اور نہ عید الفطر کو روزہ رکھتے تھے، اور ہم ان دونوں میں روزہ رکھنا جائز قرار نہیں دیں گے۔

صحیح البخاری:۶۷۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس سے اس باب کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کسی شخص نے مخصوص ایام میں روزہ رکھنے کی نذر مانی اور ان ایام میں عید الاضحیٰ یا عید الفطر کا دن تھا تو اس کے لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابی بکر المقدمی، یہ تقدیم سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکیم بن ابی حُرۃ الاسلمی، یہ المدنی ہیں۔ اور ابو حُرۃ کا نام معلوم نہیں ہوسکا اور صحیح البخاری میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سُئل عن رجل'' یہ جملہ (حضرت) عبداللہ بن عمر سے حال ہے، یعنی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حال میں سوال کیا جب ان سے ایک مرد کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا۔ اور سائل کا نام نہیں لیا گیا، ہوسکتا ہے کہ وہ سائل مرد ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سائل عورت ہو۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے پہلے یہ روایت ذکر کی: امام ابن حبان از کریمہ بنت سیرین روایت کرتے ہیں کہ کریمہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، پس کریمہ نے کہا: میں نے اپنے نفس پر یہ نذر مانی کہ میں ہر بدھ کے دن روزہ رکھوں گی اور بدھ کے بعد جو دن ہوگا اس دن بھی روزہ رکھوں گی، اور وہ دن عید الاضحیٰ ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے اس مبہم کی تفسیر ہوجاتی ہے جو حکیم کی روایت میں ہے (یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرنے والی عورت تھی اور وہ کریمہ بنت سیرین تھی)۔ اس کے برخلاف زیاد بن جبیر کی روایت جس میں یہ مذکور ہے: پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے

سوال کیا۔۔۔۔۔الحدیث (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲ ۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس شرح پر اعتراض ہے، اس لیے کہ امام ابونعیم نے اس حدیث مذکور کی محمد بن ابی بکر شیخ البخاری سے روایت کی ہے اور اسماعیلی نے بھی ایک اور سند سے اس حدیث کی محمد بن ابی بکر سے روایت کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سنا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرتا تھا اس شخص کے متعلق جس نے معین دن میں نذر مانی اور وہ دن عید الاضحیٰ یا عیدالفطر کا تھا۔ اور یہ زیادہ قریب اور زیادہ اولیٰ ہے اس مبہم کی تفسیر کے لیے بہ نسبت اس کے کہ کسی اجنبی حدیث سے اس مبہم کی تفسیر کی جائے۔ علاوہ ازیں ان میں کوئی منافات بھی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ دو واقعات ہوں، ایک واقعہ میں سوال کرنے والا مرد تھا (جس کی ابونعیم نے اور اسماعیلی نے روایت کی ہے) اور دوسرے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرنے والی عورت تھی (جس کی امام ابن حبان نے کریمہ بنت سیرین سے روایت کی ہے)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے پوری عبارت نقل نہیں کی اور اگر وہ پوری عبارت دیکھ لی جائے تو اس پر علامہ عینی کا اعتراضِ مذکور وارد نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

صحیح البخاری کی پہلی روایت جو فضیل بن سلیمان سے مروی ہے اس میں سائل مبہم ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا یا عورت تھی۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا اور یہ اس کو بھی شامل ہے جب سوال کرنے والا مرد ہو اور اس کو بھی شامل ہے جب سوال کرنے والی عورت ہو۔ اور امام ابن حبان کی روایت سے یہ ظاہر ہوا کہ سوال کرنے والی عورت تھی، تو اس روایت سے حکیم بن ابی حُرۃ کی روایت جو مبہم ہے اس کی تفسیر ہو جاتی۔ اس کے برخلاف صحیح البخاری کی دوسری روایت (صحیح البخاری: ۶۷۰۶) جو زیاد بن جبیر سے مروی ہے اس میں مذکور ہے: پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے سوال کیا۔ پھر میں نے یوسف بن یعقوب القاضی کی کتاب الصوم میں دیکھا، انہوں نے امام بخاری کے شیخ ابوبکر محمد بن المقدمی سے یہ روایت کی ہے اور اس روایت کو امام ابونعیم نے بھی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اسی طرح اسماعیلی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے ایک اور سند سے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سنا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مرد کے متعلق سوال کرتا تھا جس نے معین دن میں نذر مانی اور وہ دن عید الاضحیٰ یا عیدالفطر کا تھا۔

نیز اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یوسف بن یعقوب مذکور کی روایت میں یہ عبارت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحیٰ اور عیدالفطر کو روزہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، اور اسی کی مثل اسماعیلی کی روایت میں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہاں دو واقعات ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد بعد میں بدل گیا۔ پہلے ان کو اس میں تردد تھا کہ جس نے معین دن میں روزہ کی نذر مانی اور وہ دن عید الفطر یا عید الاضحیٰ تھا تو وہ شخص کیا کرے؟ اور بعد میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس دن روزہ نہیں رکھے گا یعنی بعد میں اس روزہ کی قضاء کرے گا۔ اور اس کی پوری تفصیل میں نے کتاب الصوم کے باب ''صوم یوم النحر'' میں بیان کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲ ۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦٧٠٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ نَذَرْتُ أَنْ أَصُومَ كُلَّ يَوْمِ ثَلَاثَاءَ أَوْ أَرْبِعَاءَ مَا عِشْتُ فَوَافَقْتُ هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ أَمَرَ اللهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنُهِينَا أَنْ نَصُومَ يَوْمَ النَّحْرِ فَأَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ مِثْلَهُ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ۔

(صحیح مسلم:١١٣٩، مسند احمد:٦١٩٩)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از یونس از زیاد بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، پس ان سے ایک مرد نے سوال کیا، سو کہا: میں نے نذر مانی تھی کہ میں ہر منگل کے دن روزہ رکھوں گا یا ہر بدھ کے دن روزہ رکھوں گا جب تک میں زندہ رہوں، پس مجھے یہ اتفاق ہوا کہ وہ دن عیدالاضحیٰ کا دن تھا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اس نے دوبارہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی مثل جواب دیا اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔

صحیح البخاری:٦٧٠٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی روایت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن عبید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زیاد بن جبیر کا ذکر ہے اور جبیر کا لفظ جبر کی تصغیر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم کے اواخر میں ''باب الصوم فی یوم النحر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثلاثاء او اربعاء'' اس میں راوی کو شک ہے اور یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں کیونکہ اس میں الف ممدودہ تانیث کا ہے جیسے الف حمراء اور صفراء وغیرہ کا ہے۔ اور ان کی جمع ''ثلاثاوات'' اور ''اربعاوات'' آتی ہے۔ یعنی اس نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ جب تک زندہ رہے گا تو وہ ہر منگل یا بدھ کو روزہ رکھے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ۔ (الحج:٢٩) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہمیں عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا'' اور عرف شاہد ہے کہ منع کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سائل نے دوبارہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کی مثل جواب دیا"۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا انتہائی تقویٰ تھا کیونکہ انہوں نے وثوق کے ساتھ کوئی جواب دینے میں توقف کیا، کیونکہ ان کے نزدیک دونوں دلیلیں متعارض تھیں۔

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے لکھا ہے کہ جس شخص کے نزدیک کسی سوال کا جواب مشکل ہو تو اس کو بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح توقف کرنا چاہیے، لیکن ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ نہ رکھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس روایت کا سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح یہ تھا کہ اس دن روزہ نہ رکھے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں اس پر ان روزوں کی قضاء واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۳- بَابٌ: هَلْ يَدْخُلُ فِي الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ الْأَرْضُ وَالْغَنَمُ وَالزُّرُوعُ وَالْأَمْتِعَةُ؟

کیا قسموں میں اور نذروں میں زمین اور بکریاں اور کھیت اور ساز و سامان داخل ہیں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ قَالَ: إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا.

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔

وَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَحَبُّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، لِحَائِطٍ لَهُ مُسْتَقْبِلَةِ الْمَسْجِدِ

اور حضرت ابوطلحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے اپنے تمام اموال میں سب سے زیادہ پسند "بیرُحاء" ہے، یہ مسجد نبوی کے سامنے ایک باغ تھا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کیا قسموں اور نذروں میں زمین اور بکریاں اور کھیت اور ساز و سامان داخل ہیں؟ یعنی کیا ان چیزوں کی قسم کھانا یا ان چیزوں کی نذر ماننا صحیح ہے؟ پس قسم کی صورت یہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اس چادر کے اوپر آگ بھڑک رہی ہے"۔ اور نذر کی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص کہے: یہ زمین اللہ کے لیے نذر ہے۔

علامہ المہلب المالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مال کا اطلاق ہر مملوک چیز پر ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا۔ اور

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے اموال میں سب سے زیادہ پسندیدہ مال "بیرحاء" کا باغ ہے۔اور یہ صحابہ کرام فصاحت اور بلاغت اورزبانِ عرب کی معرفت میں پیشوا اور حجت ہیں۔

اور صاحبِ التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ پر رد کرنا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قسم کھائی یا نذر مانی کہ وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس کی قسم اور اس کی نذر کا اطلاق صرف ان اموال پر ہوگا جن اموال میں خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ ہوتی ہے۔(علامہ ابن ملقن کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

مال کی تفسیر میں فقہاء کا بہت اختلاف ہے، کیونکہ حافظ ابن عبدالبر مالکی التوفی ۴۶۳ھ اور دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ "دوس" ہے اور ان کی لغت میں مال اعیان کا غیر ہے یعنی ساز وسامان اور کپڑوں کا غیر ہے۔اور ایک جماعت کے نزدیک مال کا اطلاق اعیان پر ہوتا ہے جیسے خصوصیت سے سونا اور چاندی۔اور المطرزی نے کہا ہے کہ مال اس چیز کو کہتے ہیں جو بولتی نہ ہو جیسے سونا اور چاندی اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو بولتی ہو۔اور القالی نے ثعلب سے حکایت کی ہے کہ مال عرب کے نزدیک کم سے کم وہ چیز ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہے اور جو اس سے کم ہو تو اس کو مال نہیں کہا جاتا۔اور ابن سیدہ نے العزیض میں کہا ہے کہ عرب مال کا اطلاق مطلقاً صرف اونٹوں پر کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اونٹوں کو شرف حاصل ہے اور جس کے پاس اونٹ ہوں اس کو غنی شمار کیا جاتا ہے۔اور انہوں نے کہا: اور بسا اوقات وہ مال کا اطلاق تمام مویشیوں کی اقسام پر کرتے ہیں۔اور بعض نے کہا ہے کہ مال کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس کا انسان مالک ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا۔ (النساء:۵) اور کم عقلوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔

اور یہ اکثر متاخرین کا مختار ہے۔پس جب امام بخاری نے یہ اختلاف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ مال کا اطلاق ہر مملوک چیز پر ہوتا ہے جیسا کہ علامہ المہلب مالکی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے اور جس طرح کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔پس اس سے ظاہر ہوگیا کہ امام بخاری نے اس قول کو اختیار کیا ہے، لہٰذا صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی کے اس قول کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام ابوحنیفہ پر رد کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ امام بخاری نے مال کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کرلیا ہے۔اسی طرح امام ابوحنیفہ نے مال کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک دوسرے قول کو اختیار کرلیا ہے۔لہٰذا اس میں امام ابوحنیفہ پر رد کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔لیکن باطل تعصب کی رگ اس طرف کھینچ لیتی ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: "مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے زیادہ نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا"۔امام بخاری نے یہ تعلیق اس لیے ذکر کی ہے کہ زمین کے اوپر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے اور اس تعلیق کا امام بخاری نے کتاب الوصایا میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اور اس تعلیق میں مذکور ہے" آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو اپنے پاس رکھو" یعنی اس کی اصل کو وقف کردو۔اور وہاں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرنا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا پسندیدہ مال وہ ہے جو ''بَیْرُحاء'' کا باغ ہے، یہ باغ مسجد کے سامنے تھا۔

اس تعلیق میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام حضرت زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔ اس تعلیق میں اس باغ کی طرف اشارہ ہے جو کھجوروں کا باغ تھا اور اس پر مال کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ حدیث سندِ موصول کے ساتھ ''باب الزکوٰۃ علی الاقارب'' میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۱۔۳۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٠٧۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ خَيْبَرَ فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً إِلَّا الْأَمْوَالَ وَالثِّيَابَ وَالْمَتَاعَ فَأَهْدَى رَجُلٌ مِنْ بَنِي الضُّبَيْبِ يُقَالُ لَهُ رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَوَجَّهَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى وَادِي الْقُرَى حَتَّى إِذَا كَانَ بِوَادِي الْقُرَى بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن زید الدیلی از ابی الغیث مولیٰ ابن مطیع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے مالِ غنیمت میں نہ سونا حاصل کیا نہ چاندی سوائے اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز و سامان کے، پھر بنو ضبیب کے ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا جس کو رفاعہ بن زید کہا جاتا تھا، اس نے آپ کو ہدیہ میں ایک غلام پیش کیا جس کو مدعم کہا جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف چل پڑے حتیٰ کہ جب آپ وادی القریٰ میں پہنچے اس وقت مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوہ کو اتار رہا تھا، اس کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا جس سے اس کی موت ہوگئی، لوگوں نے کہا کہ اس کو جنت مبارک ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس نے خیبر کے دن مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر کو نکال لیا تھا وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے، جب لوگوں نے یہ حدیث سنی تو ایک شخص جوتی کا ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: یہ آگ کا ایک تسمہ ہے، یا آگ کے دو تسمے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳۴، ۶۷۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۵، سنن نسائی: ۳۸۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۱۱، موطا امام مالک: ۹۹۷)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ اشارہ کیا ہے کہ مال کا اطلاق کپڑوں پر اور سامان وغیرہ پر ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن گئے، پس ہم نے سونے اور چاندی کے کو بطور مال غنیمت نہیں پایا سوا اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز وسامان کے''۔ یہ استثنیٰ منقطع ہے یعنی لیکن اموال کو پایا اور اموال کپڑے اور ساز وسامان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ ''دوس'' کی لغت کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کی روایات امام مالک سے مختلف ہیں۔ پس ابن القاسم نے امام بخاری کی روایت کی طرح حدیث بیان کی ہے اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت نے امام مالک سے روایت کی ہے اموال، کپڑے اور ساز وسامان۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے جو شیخ بخاری ہیں، یہ ابن اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثور بن زید الدیلی کا ذکر ہے، اس میں دیل بن ہداد بن زید کی طرف نسبت ہے، یہ ازد کا قبیلہ ہے بنو تغلب اور ضبۃ میں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو الغیث کا ذکر ہے، ان کا نام سالم مولیٰ ابن مطیع ہے۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں غزوۂ خیبر کے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں رفاعہ بن زید بن وہب کا ذکر ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے، ان سب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے ان کے لیے عقد لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مِدعَم'' اس میں میم پر زیر ہے اور عین پر زبر ہے، یہ سیاہ رنگ کے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وادی القریٰ'' ''القریٰ''، القریۃ کی جمع ہے، یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا سهم عائر فقتله'' یعنی مدعم کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا جس نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس تیر کو کس نے مارا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''شملة'' اس کا معنی ہے: چادر۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لم تصبها المقاسم'' یعنی مدعم نے اس چادر کو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لیا تھا اور یہ خیانت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''شراك'' یہ جوتی کا وہ تسمہ ہے جو سامنے کی جانب ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مال مطلقاً مذکور ہو تو اس سے مراد عموم ہوتا ہے

یعنی اگر انسان مال کو مطلقاً ذکر کرے تو وہ صرف سونے اور چاندی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کی قسم یا نذر میں مویشی، کھیت اور ساز و سامان وغیرہ سب داخل ہوتے ہیں سوا اس کے کہ وہ اپنی قسم میں مال کی کسی خاص قسم کا ارادہ کرے۔ اور امام بخاری نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "مجھے ایک زمین ملی اور اس سے اچھا مال مجھے نہیں ملا" پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال کا اطلاق زمین پر کیا۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے سامنے ایک باغ میں جاتے تھے جس کا نام "بیرحاء" تھا، وہاں اس کا خوشگوار اور میٹھا پانی پیتے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲) تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو O

تب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور میرا پسندیدہ مال یہی باغ ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو یہ مال فائدہ مند ہے اور میری رائے ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال رشتہ داروں کو اور چچا کے بیٹوں کو دے دیا۔ اور اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ کو مال فرمایا۔ اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن نکلے، پس ہم نے سونے اور چاندی کا مالِ غنیمت نہیں پایا سوا اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز و سامان کے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے ماسوا کپڑے اور ساز و سامان وغیرہ پر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۲۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر کو نصاب سے زیادہ دینا جائز ہے، کیونکہ آدھا باغ نصاب کا اکثر حصہ ہے اور یہ امام مالک کا ایک قول ہے۔

(۲) ابوعبد الملک نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اپنے مال میں سے کچھ صدقہ کیا، پھر اسے متعین ہو گیا کہ وہ صدقہ دینا اس کو لازم ہے، اگرچہ وہ صدقہ تہائی مال سے زیادہ ہو۔ اور یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ اور "نوادر" میں ابن نافع سے منقول ہے کہ اس کو تہائی مال دینا بھی کفایت کرے گا، اور اس پر اعتراض ہے کیونکہ حدیث میں ہے "ابوطلحہ مدینہ کے انصار میں

سب سے زیادہ مال دار تھے، ان کے باغ کی کھجوریں سب سے زیادہ تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان کے مال کے مقابلہ میں یہ باغ تھوڑا تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۹۷۔ ۳۹۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کے مصداق میں فقہاء کے اقوال

مال کے متعلق امام مالک کی روایات مختلف ہیں۔ ابن القاسم نے امام مالک سے امام بخاری کی روایت کی مثل بیان کیا ہے۔ اور یحییٰ بن یحییٰ اور ایک جماعت نے امام مالک سے روایت کی ہے "سوا اموال کے اور متاع کے اور کپڑوں کے"۔ اور یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ ''دوس'' کی لغت کے مطابق ہے، کیونکہ وہ اعیان کو مال نہیں کہتے تھے، ان کے نزدیک اموال ساز وسامان اور کپڑے ہیں۔ اور دوسروں کے نزدیک مال کا اطلاق خصوصاً سونے اور چاندی پر ہوتا ہے۔ اور عرب کے کلام سے معروف یہ ہے کہ جس چیز سے بھی تموّل اور ملکیت حاصل ہو، وہ مال ہے۔

اور امام بخاری نے اس حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قسم کھائی یا نذر مانی کہ وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس کی قسم اور نذر صرف ان اموال پر واقع ہوگی جن میں خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہے۔ اور امام مالک اور ان کے متبعین کے نزدیک اس کی قسم ہر اس چیز پر واقع ہوگی جس پر مال کا نام بولا جاتا ہے۔ اور اس باب کی احادیث امام مالک کے قول کی تائید کرتی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۴۶۔ ۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۴۔ کِتَابُ كَفَّارَاتِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے کفاروں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قسموں کے کفاروں کے حکم کا بیان ہے، اور''الکفارات'' کا لفظ''کفارۃ'' کی جمع ہے، یہ کُفر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: ڈھانپنا، اسی وجہ سے کسان کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، اسی طرح کفارہ گناہ کو چھپا دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان ہتھیاروں سے ڈھال کو لیتا ہے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے''کفر الرجل بسلاحه'' اور اصطلاح میں کفارہ کا معنی ہے: صدقہ وغیرہ سے جو قسم کا تاوان دیا جائے۔

۱۔ بَابُ: كَفَّارَاتِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے کفاروں کا بیان

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (المائدہ:۸۹)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے''۔

وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ حِينَ نَزَلَتْ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ:۱۹۶)

اور وہ جو نبی ﷺ نے اس وقت حکم دیا جب یہ آیت نازل ہوئی:''تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَطَاءٍ وَعِكْرِمَةَ مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ: أَوْ أَوْ، فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ وَقَدْ خَيَّرَ النَّبِيُّ ﷺ كَعْبًا فِي الْفِدْيَةِ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو''یا، یا'' کے الفاظ آئے ہیں تو اس کے صاحب کو اختیار ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو فدیہ میں اختیار دیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے المائدہ:۸۹ کا ایک حصہ ذکر کیا ہے، پوری آیت حسب ذیل ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾ (المائدہ:۸۹)

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

قسم کے کفارہ کی مقدار میں اختلافِ فقہاء

قسم کے کفارہ میں جو دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے اس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے:

ایک جماعت نے یہ کہا ہے: ہر انسان کو ایک مد (یعنی ایک کلوگرام) طعام کھلائے، یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر؛ حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہی عطاء، القاسم، سالم اور سات فقہاء کا قول ہے۔ اور امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور دوسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع (یعنی دو کلوگرام) گندم کھلائے۔ اور اگر وہ اس کو کھجوریں کھلائے یا جَو تو ہر ایک کو ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) کھلائے۔ یہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہی ابراہیم نخعی، الشعبی، ثوری، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے کوفہ کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں البقرہ:۱۹۶ کا ذکر ہے جس میں ارشاد ہے: ''تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔ (البقرہ:۱۹۶)

اس آیت میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس باب میں آئے گی۔ اور امام بخاری نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس باب میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں اذیت اور تکلیف کے کفارہ میں اختیار کا بیان ہے جیسا کہ اللہ کی قسم کھا کر توڑنے کے کفارہ میں اختیار کا بیان ہے۔ اور وہ جو قرآن میں لفظِ ''اَوْ'' کا ذکر ہے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ (المائدہ:۸۹)

سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

یعنی اس کفارہ دینے والے کو اختیار ہے، یہ وہ واجب ہے جس میں اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی آئے گی۔ اور یہ وہ کفارہ ہے جس میں اختیار ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو ''یا، یا'' کے الفاظ

آئے ہیں تو اس کے صاحب کو اختیار ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو فدیہ میں اختیار دیا''۔

اس تعلیق میں مجہول کا صیغہ''یُذکر'' بیان کیا گیا ہے اور یہ تمریض کا صیغہ ہے، کیونکہ سفیان ثوری نے اس کی تفسیر میں از لیث بن ابی سُلیم از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ قرآن مجید میں جو بھی لفظ''او، او'' کے ساتھ مذکور ہے جیسے اس آیت میں ہے''فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ''(البقرہ:۱۹۶)،(تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے)۔اور قرآن مجید میں جو اس طرح ہو''فَمَن لَّمْ يَجِدْ''(البقرہ:۱۹۶)،تو وہ ترتیب کے مطابق ہوگا۔

رہا عطاء بن ابی رباح کا اثر جس کو امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از ابن جُریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ قرآن میں جو لفظ''او، او'' کے ساتھ مذکور ہے اس میں کفارہ دینے والے کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے دے۔

اور رہا عکرمہ کا اثر، تو اس کو امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از داؤد بن ابی ہند، انہوں نے کہا کہ ہر وہ چیز جو قرآن میں لفظ''او، او'' کے ساتھ ہے، اس میں اختیار دیا جاتا ہے، پس جب اس طرح ہو''فَمَن لَّمْ يَجِدْ'' تو وہ ترتیب کے ساتھ ہے۔

اس تعلیق میں کعب کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل آئے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۴۔۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ أَتَيْتُهُ يَعْنِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ ادْنُ فَدَنَوْتُ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَالنُّسُكُ شَاةٌ وَالْمَسَاكِينُ سِتَّةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از ابن عون از مجاہد از عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، از حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس آیا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، آپ نے فرمایا: قریب ہو، پس میں قریب ہوا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تمہاری جوئیں ایذاء پہنچا رہی ہیں، میں نے کہا: جی ہاں، تو پھر آپ نے فرمایا:''وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔

(البقرہ:۱۹۶)

اور مجھے ابن عون نے خبر دی از ایوب، انہوں نے کہا: تین دن کے روزے اور بکری کی قربانی اور چھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

(صحیح مسلم:۱۲۰۱، سنن ترمذی:۹۵۳، سنن نسائی:۲۸۵۱، سنن ابوداؤد:۱۸۵۶، سنن ابن ماجہ:۳۰۷۹، مسند احمد:۱۷۶۴۳، موطا امام مالک:۵۵)

صحیح البخاری:۶۷۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ اس حدیث کے اندر بھی فدیہ میں اختیار کا ذکر

ہے، جیسا کہ قسموں کے کفارہ میں اختیار کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، یہ احمد بن عبداللہ بن یونس ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابوشہاب کا ذکر ہے جو اصغر ہیں اور ان کا نام عبدربہ بن نافع ہے، یہ درزی ہیں اور صاحب المدائنی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن عون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری ہیں۔

اور یہ حدیث کتاب الحج میں اپنی شرح کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتیتہ" یعنی میں آپ کے پاس آیا اور ابونُعیم کی روایت میں ہے "پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھوامك" یہ ھامة کی جمع ہے، اور ان کے سر سے جوئیں گر رہی تھیں۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "اخبرنی ابن عون" یعنی ابن عون نے از ایوب السختیانی یہ خبر دی ہے کہ روزہ کے فدیہ سے مراد تین دن کے روزے ہیں اور قربانی سے مراد بکری کی قربانی ہے اور صدقہ سے مراد چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفارہ کی مقدار میں فقہاء کے دلائل

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ میں ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلوگرام) گندم دے۔اور اگر کھجور یا جَو دے تو ایک ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) دے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از یسار بن نمیر روایت کرتے ہیں: انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کسی مرد کو کچھ نہیں دوں گا، پھر مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں ان کو دوں، پس جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں نے ایسا کیا (یعنی قسم کو توڑ کر اس کے خلاف کیا) تو میری طرف سے دس مسکینوں کو کھلاؤ۔ہر مسکین کو ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور کھلاؤ یا نصف صاع گندم کھلاؤ۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۵۰۷ طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۴۳۹، رقم: ۱۶۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ ہر مسکین کو ایک کلوگرام کھلائے۔اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عُرف میں جو متوسط کھانا کھایا جاتا ہے وہ اتنی مقدار ہے جس کو صبح کھائے اور شام کو کھائے اور سیر ہو جائے۔اور عُرف میں یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) جَو کھائے یا ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) کھجوریں کھائے۔اور نہ یہ ہے کہ وہ نصف صاع (یعنی دو

کلوگرام) گندم کھائے۔ اور حکم غالب پر معلق ہوتا ہے نہ کہ نادر پر۔ اور جائز ہے کہ مساکین کو صبح اور شام کو کھلایا جائے۔

علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے: ہمارے نزدیک یہ تمام مقادیر جائز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (المائدہ:۸۹)''، (قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے) اور اس آیت میں تخصیص نہیں کی گئی، اگر اس نے صبح اور شام کو کھانا کھلا دیا تو اس آیت کا منشاء پورا ہو گیا۔ اور امام مالک کی اصل پر جائز ہے ان کو صبح اور شام بغیر سالن کے کھلایا جائے، کیونکہ امام مالک کے نزدیک طعام میں اصل ایک کلو کھانا ہے بغیر سالن کے، اور امام مالک نے کہا ہے کہ زیتون کے تیل سے کھانا یہ سالن کے قائم مقام ہے۔

اور جن کا مذہب یہ ہے کہ ایک کلو گندم کھلائے یا ایک صاع جو کھلائے تو وہ کہتے ہیں کہ روٹی اور دودھ کھلائے یا روٹی اور گھی کھلائے یا روٹی اور زیتون کا تیل کھلائے۔ اور انہوں نے کہا: اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ روٹی اور گوشت کھلائے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بغیر سالن کے کھلائے۔ اور ان کے نزدیک ادنیٰ درجہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ'' (یعنی متوسط کھانا کھلاؤ)۔

قسم کے کفارہ میں کپڑوں کی مقدار

اس میں بھی اختلاف ہے کہ قسم کے کفارہ میں کپڑوں کی کتنی مقدار کافی ہے:

امام مالک نے کہا: کپڑوں کی اتنی مقدار جس سے نمازی اپنی شرمگاہ کو چھپائے۔ پس مرد کا ستر قمیص سے ہو جاتا ہے اور عورت کا ستر قمیص اور دوپٹے سے ہوتا ہے کیونکہ عورت کا پورا جسم عورت ہے۔ اور عورت کے لیے نماز میں سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے اور کسی عضو کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے: کپڑوں کی اتنی مقدار کافی ہے جس پر کپڑوں کا اطلاق آئے۔ اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''مِنْ اَوْسَطِ'' فرمایا اور کپڑوں کا عطف طعام پر ہے، پس جس طرح متوسط طعام کھلایا جاتا ہے اسی طرح متوسط کپڑے پہنائے جائیں۔

قسم کے کفارہ میں جس غلام کو آزاد کیا جاتا ہے اس کا معیار

جس غلام کو آزاد کیا جاتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ہر عیب سے سلامت ہو۔

کفارۂ قسم میں روزوں کا بیان

اگر قسم توڑنے والا کھانا کھلانے، کپڑے پہنانے اور غلام آزاد کرنے، تینوں امور سے عاجز ہو گیا تو پھر وہ تین روزے رکھے گا۔ آیا وہ مسلسل تین روزے رکھے گا یا متفرق رکھے گا؟ اس میں دو قول ہیں:

امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ متفرق روزے رکھنا بھی جائز ہے اور اگر مسلسل روزے رکھے گا تو وہ مستحب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کا مذہب اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلسل تین روزے رکھے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: ''فصیام ثلثة ایام متتابعات'' (پس وہ تین روزے مسلسل رکھے)۔ اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزوں کا ذکر کیا ہے اور اس میں مسلسل روزے رکھنے کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ کوئی شخص اذیت کی وجہ سے فدیہ

دے کہ اس کے روزوں میں بھی تسلسل کی شرط نہیں لگائی۔

اگر ایذاء کی وجہ سے سر منڈائے تو سر منڈانے کی مقدار میں اختلاف ہے

جتنی مقدار میں سر منڈانے کی وجہ سے فدیہ واجب ہوتا ہے، امام مالک کے نزدیک سر کے اتنے بال منڈائے جس سے اس کی ایذاء ختم ہو جائے اور زائل ہو جائے اور وہ ٹھیک ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک تین بالوں کو بھی اگر اس نے منڈالیا تو اس کے اوپر فدیہ واجب ہو جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کو منڈالیا تو اس پر فدیہ واجب ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا: آدھے سر کو منڈانے سے فدیہ واجب ہوگا اس سے کم سر منڈانے پر فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے پورے بدن کے بال مونڈے تو سب کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہے اور اس میں غیر مقلدین کا اختلاف ہے۔

سر منڈانے کے فدیہ میں بکری ذبح کرنے کی تفصیل

سر منڈانے کے فدیہ میں اگر وہ بکری ذبح کرتا ہے تو جہاں چاہے بکری کو ذبح کر دے، یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے: حرم کے سوا کسی اور جگہ میں بکری کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ابن الجہم نے کہا ہے کہ وہ مکہ میں بکری کو ذبح کرے۔

سر منڈانے کے فدیہ میں روزوں کی تفصیل

سر منڈانے کے فدیہ میں تین دن روزے رکھے۔ تمام فقہاء کا یہی قول ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے از عکرمہ اور حسن بصری اور نافع سے روایت کی ہے کہ دس دن کے روزے رکھے۔ اور صدقہ بھی دس مسکینوں کو کھلائے۔ اور ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک چھ مسکینوں کو کھلائے، ہر مسکین کو ایک کلو کھلائے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر گندم کھلائے تو ایک کلو کھلائے اور اگر کھجور کھلائے تو چھ مسکینوں کو بارہ کلو کھلائے۔

''ھوام'' کا معنی

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جوؤں کو ''ھوام'' فرمایا، کیونکہ جوئیں سر میں چلتی ہیں اور ''ھوام'' کا معنی چلنا ہے۔

اور الہروی نے کہا ہے: ''ھوام'' سانپوں کو کہتے ہیں اور ہر زہریلے کیڑے کو جو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور جو زہریلا ہو اور ہلاک نہ کرے اس کو ''سوام'' کہا جاتا ہے جیسے بچھو اور تتیہ۔ اور انہوں نے کہا: ''ھوام'' میں سے ''قنفذ'' بھی ہے، ''قنفذ'' کا معنی ہے: سیہہ (یہ ایک خاردار جانور ہے جو بلی کے برابر ہوتا ہے جس کے جسم پر تکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے وقت وہ ان کانٹوں کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے)۔ اور ''خُنفس'' یعنی گبریلا (یہ بھونرے کی مانند پردار کالا کیڑا ہوتا ہے جو گوبر میں ہوتا ہے) اور جنگلی چوہوں کو بھی ''ھوام'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ زمین پر چلتے ہیں۔

اور ابن فارس نے کہا ہے: ''ھوام'' کا معنی ہے: حشرات الارض یعنی زمین میں رینگنے والے کیڑے مکوڑے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۰۲۔ ۴۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جائے گا، کیا اس کا مومن ہونا ضروری ہے؟

قتل خطاء کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جاتا ہے اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ (النساء: ۹۲)

اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً (بلا قصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

پس جس طرح قتلِ خطاء کے کفارہ میں مومن غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی مومن غلام کو آزاد کیا جائے گا۔

اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم کی باندی کے اسلام کی آزمائش کی جب انہوں نے اس باندی کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس باندی سے سوال کیا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آپ نے حضرت معاویہ بن الحکم سے فرمایا: اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ باندی مومنہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷) اور آپ نے جو فرمایا کہ ''یہ باندی مومنہ ہے'' اس میں اشارہ ہے کہ غیر مومن کو آزاد کرنا مشروع نہیں ہے، کیونکہ جو غیر مومن ہوگا تو بسا اوقات وہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، پس وہ مسلمانوں کے خلاف مدد کرے گا۔

قسم کے کفارہ میں جو تین روزے رکھے جاتے ہیں، کیا وہ روزے مسلسل رکھے جائیں گے؟

صحیح یہ ہے کہ وہ روزے مسلسل رکھے جانے چاہئیں۔ اور ان روزوں کے درمیان کسی روزہ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے سوائے عذر کے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: ''فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام متتابعات'' یعنی جو غلام آزاد نہ کر سکے یا کھانا نہ کھلا سکے تو وہ تین دن کے مسلسل روزے رکھے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان قُرّاء میں سے ہیں جن کی قراءت کی اتباع کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تر و تازہ قرآن پڑھنا چاہے وہ ابن ام عبد کی قراءت سے پڑھے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۸)

یعنی وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۸۔۹، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابٌ:

باب

قَوْلِهِ تَعَالٰى: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم: ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ۝''

مَتٰی تَجِبُ الْكَفَّارَةُ عَلَى الْغَنِيِّ وَالْفَقِيْرِ؟ غنی (خوشحال) اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوتا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر کیا جائے گا: ''(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکم والا ہے۔'' (التحریم:۲)

اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے ''باب اس بیان میں کہ غنی اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوگا؟'' اور اس کے بعد التحریم:۲ کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: مناسب یہ تھا کہ اس آیت کا اس باب سے پہلے باب میں ذکر کیا جاتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس باب میں سورۃ التحریم کی تفسیر ذکر کی جاتی اور یہ بیان کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں سے حلال ہونے کے لیے کفارہ کو مقرر فرما دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ فِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا شَأْنُكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ تَسْتَطِيعُ تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قَالَ أَطْعِمْهُ عِيَالَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: میں نے ان کے منہ سے سنا ہے از حُمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آکر کہا: میں ہلاک ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم غلام آزاد کرسکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ تو اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، سو وہ بیٹھ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ''عرق'' آیا جس میں کھجوریں تھیں۔ ''عرق'' کا معنی ہے: بڑا ٹوکرا۔ آپ نے فرمایا: ان کھجوروں کو لے جاؤ اور ان کو صدقہ کردو، اس نے پوچھا: کیا ہم سے بھی زیادہ تنگدست کے اوپر؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، آپ نے فرمایا: یہ کھجوریں تم اپنے گھر

والوں کو کھلا دو۔

(صحیح البخاری:۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم:۱۱۱۱، سنن ترمذی:۷۲۴، سنن ابوداؤد:
۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ:۱۶۷۱، مسند احمد:۷۲۸۸، موطا امام مالک:۶۶۰، سنن دارمی:۱۷۱۶)

صحیح البخاری:۶۷۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "غنی اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟" اور اس حدیث میں فقیر کے اوپر رمضان کے روزہ توڑنے کے کفارہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُہری، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، یہ زُہری ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ کتاب الصوم میں اس حدیث کو ابوالیمان سے روایت کیا ہے اور کتاب الہبہ والنذور میں اس کو محمد بن محبوب سے روایت کیا ہے اور کتاب الادب میں اس کو موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کیا ہے اور کتاب النفقات میں احمد بن یونس سے روایت کیا ہے اور کتاب المحاربین میں قتیبہ سے روایت کیا ہے اور اس پر تفصیلی بحث کتاب الصوم میں آ چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "سمعته من فيه" یعنی سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو زُہری کے منہ سے سنا ہے۔ اور امام بخاری کی غرض اس سے یہ ہے کہ یہ حدیث معنعن نہیں ہے جو تدلیس کا وہم پیدا کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک مرد آیا"۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مرد کا نام سلمہ بن صخر البیاضی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هلكت" اس شخص کی مراد یہ تھی کہ اس سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے یہ گناہ عمداً ہو گیا تھا۔ اور جو بھولے سے رمضان کا روزہ توڑ لے اس کے متعلق اختلاف ہے: امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور ابن الماجشون نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما شانك" یعنی تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم پر کیا چیز جاری ہوئی ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو"۔ اس حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جماع کا کفارہ مرتب ہے اور ابن حبیب کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ اور امام مالک سے منقول ہے کہ اس پر کھانا

کھلانے کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔اور الحسن البصری نے کہا ہے: اس پر غلام کو آزاد کرنا ہے، یا ایک اونٹ کی قربانی دینا ہے یا چالیس مسکینوں کو بیس صاع (۸۰ کلوگرام) کھانا کھلانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المِکتل'' اس کا معنی ہے: اتنا بڑا تھیلا جس میں پندرہ سیر یا اس سے زیادہ کھجوریں آسکیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی بدت نواجذہ'' یعنی حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں۔ پہلے دانت ثنایا ہیں پھر رباعیات ہیں، پھر الانیاب ہیں، پھر الضواحک ہیں، پھر الارحاء ہیں اور پھر نواجذ ہیں۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''النواجذ'' ڈاڑھوں کو کہتے ہیں اور یہی ظاہر حدیث ہے۔ایک قول یہ ہے کہ آپ کے ہنسنے کا سبب اس جماع کرنے والے پر کفارہ کا وجوب ہے اور اس کا اس صدقہ کو لینا حالانکہ وہ اس میں گناہ گار نہیں ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم اسی کے ساتھ مخصوص تھا۔تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۶۔۳۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی انسان کفارہ کے نصاب کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کفارہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، کیونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ پھر فرمایا: دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہو؟ پھر فرمایا: تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو؟

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عبادات میں انسان کے قول کو قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ جب اس مرد نے کہا کہ میں طاقت نہیں رکھتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قول کو قبول فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پر گواہ لاؤ۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان ہے کیونکہ آپ نے اس مرد کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی حالانکہ اس نے ایک سنگین کام کیا تھا کیونکہ اس مرد نے خود کہا کہ میں رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر کے ہلاک ہو گیا۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ اس لیے نہیں کی کہ وہ خود توبہ کرتا ہوا آیا تھا۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص کفارہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔اور یہی قول صحیح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے ذمہ میں کفارہ باقی ہے۔

(۶) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کے ذمہ بھی کفارہ باقی تھا لیکن یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے عمومات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عجز کے ساتھ وجوب نہیں ہوتا۔

(۷) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، لیکن یہ جاننا واجب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کم ہنستے تھے، زیادہ تر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے تھے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قہقہہ لگانا ثابت نہیں ہے۔تاہم کسی تعجب خیز بات پر ہنسنا بھی

شریعت میں ثابت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔
(۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھ سے زیادہ تو مدینہ میں کوئی محتاج اور ضرورت مند نہیں ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ سائل اگر محتاج ہو تو اس کے لوگوں سے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۰۔ ۱۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: مَنْ أَعَانَ الْمُعْسِرَ فِي الْكَفَّارَةِ

جس شخص نے کفارہ کی ادائیگی میں کسی تنگدست کی مدد کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کفارہ کی ادائیگی میں کسی تنگدست کی مدد کرے تو یہ جائز ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِعَرَقٍ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ أَعَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از حمید بن عبدالرحمن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں ہلاک ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ نے فرمایا: کیا تم آزاد کرنے کے لیے ایک غلام پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو، اس نے کہا: نہیں، پھر انصار میں سے ایک مرد عَرَق لے کر آیا اور ''عَرَق'' کا معنی ہے: بڑا ٹوکرا جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: یہ لے جاؤ اور ان کو صدقہ کر دو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! ان دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان کوئی گھر والا ایسا نہیں ہے جو ہم سے زیادہ محتاج ہو، پھر آپ نے

فرمایا: جاؤ یہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۸۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۷۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی روایت ہے جو دوسری سند کے ساتھ ہے، اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھجوروں کا تھیلا یا ٹوکرا دیا اور فرمایا: جاؤ اس کو صدقہ کرو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن محبوب کا ذکر ہے، یہ بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد العبدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ ابن راشد ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما بین لابتیھا" یہ "لابۃ" کا تثنیہ ہے اور یہی "الحرۃ" ہے یعنی مدینہ کی دو طرفوں کے درمیان۔ اور "الحرۃ" کا معنی ہے: سیاہ پتھریلی زمین۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص تنگدستی کی وجہ سے کفارہ واجبہ کو ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اور اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی ہے۔ پس اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص فقیر اور تنگدست ہے اور اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے تو وہ اس کو کوئی ایسی چیز ہدیہ دے یا اس کے پاس کوئی چیز بھیجے جس سے وہ کفارہ ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بغیر حلف طلب کرنے کے بھی حلف اٹھانا جائز ہے، کیونکہ اس شخص نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے"۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلبہ ظن کی بناء پر قسم کا اٹھانا جائز ہے، کیونکہ اس شخص نے قسم اٹھا کر کہا کہ مدینہ میں اس سے زیادہ فقیر اور کوئی گھر نہیں ہے۔ اور یہ معلوم تھا کہ اس مرد نے مدینہ کے تمام گھروں کا طواف نہیں کیا اور یہ تجسس نہیں کیا کہ آیا ان گھروں میں اس سے زیادہ کوئی فقیر ہے یا نہیں، لیکن اس کا غلبہ ظن یہ تھا کہ وہ مدینہ میں سب سے زیادہ فقیر ہے، اس لیے اس نے قسم اٹھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا۔

(۴) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی فقیر نہ ہو کیونکہ اس مرد پر پورا لباس تھا ہوسکتا ہے مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہوں جن کو پورا لباس میسر نہ ہو، یا لباس تو میسر ہو لیکن ان کے اوپر قرض بہت زیادہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے یہ غلبہ ظن کی بناء پر قسم کھائی تھی تحقیقاً قسم نہیں کھائی تھی۔

(۵) جس شخص نے قسم کھائی ہو اور اس پر کفارہ کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو کیا اس پر واجب ہے کہ اگر کوئی اس کی مدد کرے تو وہ اس کو قبول کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر واجب تو نہیں ہے لیکن اگر وہ قبول کر لے تو یہ جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۔ ۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ بَابٌ: يُعْطِي فِي الْكَفَّارَةِ عَشَرَةَ مَسَاكِينَ قَرِيبًا كَانَ أَوْ بَعِيدًا

کفارہ میں دس مسکینوں کو دے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے کہ ''کفارہ میں دے'' یعنی قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو دے جیسا کہ قرآن مجید کی نص صریح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا۔

اس کے بعد امام بخاری نے عنوان میں لکھا ''عام ازیں کہ وہ مساکین قریب ہوں یا بعید ہوں''۔ اور ''عشرۃ'' کی مناسبت سے ''قریبۃ او بعیدۃ'' نہیں کہا کیونکہ اس میں لفظ ''مساکین'' کی رعایت کی۔ یا اس اعتبار سے کہ فعیل کا وزن مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے ○

(الاعراف: ۵۶)

اس آیت میں بھی ''رحمۃ'' کی مناسبت سے ''قریبۃ'' نہیں فرمایا کیونکہ فعیل کا وزن مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں ''العشرۃ'' کے ذکر کی کوئی توجیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ عنوان قسم کے کفارہ کے متعلق ہے اور اس باب کی حدیث رمضان کے روزہ میں جماع کرنے کے کفارہ کے متعلق ہے، پس یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کا ذکر مبہم ہے کیونکہ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دس مسکین اس کے رشتہ دار ہوں یا بعید ہوں۔ اور اس باب کی حدیث میں جو جماع

کے کفارہ کا ذکر ہے اس میں قریبی رشتہ داروں کا ذکر ہے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: ''یہ کھجوریں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ'' اور یہ حدیث مُفسّر ہے اور مُفسر مُجمل پر راجح ہوتی ہے اور امام بخاری نے قسم کے کفارہ کو جماع کے کفارہ پر قیاس کیا ہے کہ جب جماع کا کفارہ رشتہ داروں پر خرچ کرنا جائز ہے تو بعید لوگوں پر اس کو خرچ کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ (علامہ المہلب کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ المہلب کا یہ جواب اس صورت میں جاری ہوگا جب حدیث میں مذکور ''یا اپنے گھر والوں کو کھلاؤ'' کو اس پر محمول کیا جائے کہ ان کو بطور کفارہ کے کھلاؤ نہ بطور صدقہ کے، اس لیے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کفارہ اپنے گھر والوں میں سے کسی ایک کو بھی کھلایا جائے جن پر خرچ کرنا اس شخص پر لازم ہے، لیکن اگر اس پر خرچ کرنا لازم نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ رمضان کے روزہ کے کفارہ سے اس عنوان کی مناسبت یہ ہے کہ شاید اس کے گھر والے دس افراد پر مشتمل ہوں لیکن علامہ کرمانی کا یہ جواب فضول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۷۔۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا شَأْنُكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَفْقَرُ مِنَّا ثُمَّ قَالَ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از حمید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں ہلاک ہوگیا، آپ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، آپ نے فرمایا: کیا تم آزاد کرنے کے لیے غلام پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا: میں نہیں کرسکتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ''عَرَق'' (بڑا ٹوکرا) آیا جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: یہ لے جاؤ اور ان کو صدقہ کردو، پس اس نے کہا: کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ مدینہ کی دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان ہم سے زیادہ محتاج تو کوئی ہے نہیں، پھر آپ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۷۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکور کی دوسری سند ہے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن مسلمہ کا ذکر ہے، یہ القعنبی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حُمید کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔ اس حدیث کی باقی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں دس مسکینوں کے کفارہ کا ذکر ہے اور باب کی حدیث میں رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے کفارہ کا ذکر ہے اور اس کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے نہ کہ دس مسکینوں کو۔ نیز اس باب کے عنوان میں مذکور ہے کہ ''خواہ وہ مساکین اس کے قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے رشتہ دار ہوں'' اور حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کو کھجوروں کا ٹوکرا دے کر فرمایا: یہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ اور اس کو کفارہ پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کفارہ کا طعام اپنے گھر والوں کو کھلانا جائز نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے تو پھر امام بخاری کا عنوان میں یہ لکھنا کہ ''کفارہ میں دس مسکینوں کو دے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ہوں'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں تو کفارہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا اس کی وجہ وہ خود ہی جانتے ہوں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۔ بَابُ: صَاعِ الْمَدِينَةِ وَمُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَبَرَكَتِهِ وَمَا تَوَارَثَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذٰلِكَ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ

مدینہ منورہ کا ''صاع'' (چار کلوگرام) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''مُد'' (ایک کلوگرام) اور اس کی برکت، اور بعد میں اہلِ مدینہ کو جو یہ صاع اور مُد نسل در نسل ملا، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''صاع'' کا بیان ہے اور اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ واجبات کی ادائیگی میں اہلِ مدینہ کے صاع کے حساب سے طعام کو نکالنا واجب ہے، کیونکہ ابتداءً شرعی امور اسی کے مطابق واقع ہوئے حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں اضافہ کیا گیا جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

علامہ کرمانی نے لکھا ہے: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''مُد'' کی برکت، یا ''مُد'' اور ''صاع'' دونوں کی برکت۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

زیادہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت'' کیونکہ آپ نے دعا کی تھی: ''اے اللہ! ان کے پیمانوں میں برکت عطا فرما، ان کے ''صاع'' میں اور ان کے ''مد'' میں''۔ اور عنقریب اس کا بیان حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔ اور امام بخاری نے کہا ہے: اور وہ جو اہلِ مدینہ کا توارث ہے یعنی اہلِ مدینہ جو نسل در نسل عمل کرتے رہے اور امام بخاری کے زمانہ تک اس میں تغیر نہیں ہوا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابو یوسف جب امام مالک کے ساتھ مدینہ میں جمع ہوئے اور ان کے درمیان ''صاع'' کی مقدار میں مناظرہ ہوا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ ایک صاع آٹھ رطل کا ہے (ایک رطل نصف کلو کے برابر ہے) اور امام مالک کھڑے ہوئے اور اپنے گھر میں گئے اور صاع کے پیمانہ کو نکالا اور یہ کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا: میں نے اس کو پانچ رطل اور ایک تہائی کے برابر پایا، پس امام ابو یوسف نے امام مالک کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کی مخالفت کی۔ سو اس باب کو کتاب الکفارات میں ذکر کرنے کی یہ توجیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قسم کا کفارہ دس مساکین کو طعام کھلانا ہے جو دس مد کے برابر ہے۔ اور روزہ میں جماع کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ہے اور یہ ساٹھ مد کے برابر ہے۔ اور قسم کا کفارہ تین صاع چھ مسکینوں کو کھلانا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸۔۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الصَّاعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ فَزِيدَ فِيهِ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔ (سنن نسائی: ۲۵۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں القاسم بن مالک المزنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجعید بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی از حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صاع کا پیمانہ تمہارے آج کل کے مد کے اعتبار سے ایک مد اور تہائی مد کے برابر تھا، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں اضافہ کیا گیا۔

صحیح البخاری: ۶۷۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں اہلِ مدینہ کے صاع اور مد کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صاع کا پیمانہ آج کل کے ایک مد اور تہائی کے برابر تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم بن مالک المزنی، (المزنی میں میم پر پیش ہے اور زاء پر زبر ہے)۔ اور اس حدیث کی سند میں الجعید مذکور ہے، (جعید میں جیم پر پیش ہے اور عین پر زبر ہے)، اور ان کو ابن اوس الکندی المدنی کہا جاتا ہے۔ اور اس

حدیث کی سند میں السائب بن یزید کا ذکر ہے، یہ بھی الکندی ہیں اور ان کو اللیثی بھی کہا جاتا ہے اور الازدی المدنی بھی کہا جاتا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سماع کیا تھا، اس وقت ان کی عمر سات سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور اکیانوے (۹۱) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور کتاب الاعتصام میں بھی آئے گی۔ امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الزکوٰۃ میں عمرو بن زرارۃ سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بمدکم الیوم" یعنی جب حضرت سائب نے ان کو یہ حدیث بیان کی تو ان کا مد چار "رطل" کا تھا اور پھر اس میں جب ایک تہائی کا اضافہ کیا گیا اور وہ ایک رطل اور تہائی ہے تو اس کی مقدار پانچ رطل اور ایک تہائی ہوگئی، اور یہ صاع بغدادی ہے۔ اس دلیل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مد ایک رطل اور تہائی تھا اور آپ کا صاع چار مد کے برابر تھا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اس میں اضافہ کیا گیا، سو اس کا ہمیں علم نہیں ہے اور یہ حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا مد تین مد کے برابر تھا۔ اور کتاب الطہارۃ کے باب الوضوء میں اس کی شرح کی جا چکی ہے اور مد اور صاع کا اختلاف بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۸۔۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۳۔ حَدَّثَنَا مُنْذِرُ بْنُ الْوَلِيدِ الْجَارُودِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ وَهُوَ سَلْمٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي زَكَاةَ رَمَضَانَ بِمُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمُدِّ الْأَوَّلِ وَفِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ بِمُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ لَنَا مَالِكٌ مُدُّنَا أَعْظَمُ مِنْ مُدِّكُمْ وَلَا نَرَى الْفَضْلَ إِلَّا فِي مُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ لِي مَالِكٌ لَوْ جَاءَكُمْ أَمِيرٌ فَضَرَبَ مُدًّا أَصْغَرَ مِنْ مُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُعْطُونَ قُلْتُ كُنَّا نُعْطِي بِمُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَفَلَا تَرَى أَنَّ الْأَمْرَ إِنَّمَا يَعُودُ إِلَى مُدِّ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں منذر بن الولید الجارودی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوقتیبہ نے حدیث بیان کی اور وہ سلم ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رمضان میں صدقۂ فطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے مد کے اعتبار سے نکالتے تھے، اور قسم کے کفارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے نکالتے تھے۔

ابوقتیبہ نے بیان کیا: ہم سے امام مالک نے کہا: ہمارا مد تمہارے مد سے بڑا ہے اور ہمارے نزدیک فضیلت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد میں ہے۔ اور مجھ سے امام مالک نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی ایسا امیر آئے جو مد کا پیمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے چھوٹا قرار دے تو تم کون سے مد کے اعتبار سے صدقۂ فطر دو گے؟ تو میں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے صدقۂ فطر دیں گے، امام مالک نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد ہی کی طرف رجوع کرتا ہے!

صحیح البخاری: ۶۷۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مُنذِر کا ذکر ہے، یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور انذار سے بنا ہے، یہ ابوالولید الجارودی ہیں۔ الرشاطی نے کہا ہے کہ الجارودی قبیلہ عبدالقیس میں الجارود کی طرف نسبت ہے اور یہ بشر بن عمرو ہیں جو الجرد سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوقُتیبہ کا ذکر ہے (اس میں قاف پر پیش ہے) اور یہ ''قتبة الرحل'' کی تصغیر ہے، ان کا نام سَلم (سین پر زبر اور لام ساکن) ہے، یہ ابوقتیبہ الشعیری الخراسانی ہیں، یہ بصرہ میں رہائش پذیر تھے اور دوصدی ہجری کے بعد فوت ہو گئے، امام بخاری نے ان کو ان کی عمر میں پایا اور ان سے ملاقات سے پہلے امام بخاری کی وفات ہو گئی۔ اور یہ سَلم بن قتیبہ الباہلی کے علاوہ ہیں جو قتیبہ بن مسلم کے بیٹے تھے اور امیر خراسان تھے اور یہ الشعیری سے عمر میں بڑے ہیں، اور ان کی وفات سے پانچ سال سے زیادہ پہلے فوت ہو گئے۔

یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔ اور یہ حدیث غریب ہے، امام مالک نے اس کو صرف ابوقُتیبہ سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے صرف المنذر نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یُؤتی زکوٰۃ رمضان'' اس سے مراد ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر دیتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''المُدُّ الاول'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے صدقہ فطر نکالتے تھے اور نافع نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مد کے اعتبار سے صدقہ فطر نہیں نکالتے تھے جس کو ہشام بن حارث نے ایجاد کیا تھا۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: مُداول وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مد تھا اور ثانی وہ مد ہے جس میں اضافہ کیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وفی کفارة یمین بمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قسم کے کفارہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے کفارہ دیتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابوقتیبہ نے کہا: مجھ سے امام مالک بن انس نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی امیر آئے اور وہ ایسا مد مقرر کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے کم ہو تو تم کس چیز کے اعتبار سے صدقہ فطر نکالو گے یا قسم کا کفارہ دو گے؟''۔

اس حدیث سے امام مالک نے اپنے خصم کو الزام دینے کا ارادہ کیا ہے بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے علاوہ اور کوئی مرجع نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَصَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دعا کی: اے اللہ! ان کے مکیال (کیل کے پیمانوں) اور ان کے
صاع میں اور ان کے مد میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۲۱۳۰، ۶۷۱۴، ۷۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۳۶۸، موطا امام مالک: ۱۶۳۶، سنن دارمی: ۲۵۷۵)

صحیح البخاری: ۶۷۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اللھم بارك لھم" یعنی اے اللہ! اہلِ مدینہ کے پیمانوں میں برکت عطا فرما۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی مکیالھم" مکیال اس پیمانہ کو کہتے ہیں جس سے ناپ ناپ کر غلہ دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دعا اس مد کے ساتھ خاص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مد تھا حتیٰ کہ جو مد بعد میں حادث ہوا، اس کو یہ دعا شامل نہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دعا اہلِ مدینہ کے قیامت تک کے تمام پیمانوں کو شامل ہو۔ اور ظاہر یہی دوسرا محمل ہے لیکن امام مالک کا جو کلام پہلے گزرا ہے وہ پہلے احتمال کی تائید کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفارات میں "مُد" کے پیمانہ کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر میں اور قسم کے کفارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے غلہ یا طعام دیا کرتے تھے اور اس مد سے مراد وہ مد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مُروج تھا تاکہ اس مد میں اور بعد میں ہشام نے اہلِ مدینہ کے لیے کفارۂ ظہار میں جو مد حادث کیا اس سے فرق ہو جائے۔ کفارۂ ظہار میں کفارہ کی مقدار متظاہرین پر زیادہ رکھی جن کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس قول کو برا اور جھوٹ قرار دیا، تو چونکہ یہ قول برا اور جھوٹ تھا تو اس لیے ہشام نے کفارۂ ظہار کے اندر اس مد کو معیار بنایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مد سے مقدار میں دو تہائی زیادہ تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی مد تھا اور یہ وہ ہے جس کو اہلِ مدینہ نے نقل کیا اور اب تک لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں۔

اور قسموں کے کفارہ میں فقہاء کے دو قول ہیں:

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تمام کفارات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مد کا اعتبار ہوگا اور ہر مسکین کو ایک ایک مد دیا جائے گا۔ اسی طرح جو رمضان کے روزہ میں کمی کرے تو وہ بھی اسی مد کے اعتبار سے صدقۂ فطر دے گا اور یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے، جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

اور اہلِ عراق نے یہ کہا ہے کہ تمام کفارات میں ہر مسکین کو دو مد دیے جائیں گے، جیسا کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ہر مسکین کو نصف صاع دیں۔

(ایک مُد ایک کلوگرام کے برابر ہے اور دو مُد دو کلوگرام کے برابر ہے اور نصف صاع سے بھی یہی مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل عراق کے نزدیک فدیہ اور کفارہ میں دو کلو طعام دیا جائے گا اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایک کلوگرام طعام دیا جائے گا۔)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۔ بَابٌ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المائدہ: ۸۹) وَأَيُّ الرِّقَابِ أَزْكَى؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یا ایک غلام آزاد کرنا ہے'' اور کون سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر ہے ''أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ'' یہاں پر پوری آیت کو ذکر نہیں کیا اور آیت کا ایک جزو ذکر کیا ہے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ غور وفکر کرنے والا پوری آیت کو نکال لے گا اور وہ یہ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ○

غلام کو آزاد کرنے کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ہے کفارہ قسم میں غلام کو آزاد کرنا اور یہ مطلق ہے اور دوسری قسم ہے: کفارہ قتل خطاء میں غلام کو آزاد کرنا اور اس غلام میں یہ قید ہے کہ وہ غلام مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ (النساء: ۹۲)

اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اسی وجہ سے یہاں پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، یعنی کفارہ قسم میں بھی مومن غلام کو آزاد کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابوثور اور ابن المنذر کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ قسم میں کافر غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس باب کے اندر باقی کلام کتب اصول اور

فروع میں مذکور ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: "کون سا غلام آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟" افضل غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو غلام مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔ اور کتاب العتق کے اوائل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزری ہے، اس میں مذکور ہے کہ "پس میں نے پوچھا: کون سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس غلام کی قیمت زیادہ ہو"۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اصلِ تفضیل میں اشتراک ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ امام بخاری کی "ازکی" سے مراد اسلام ہو، اور علامہ کرمانی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس سے مراد ہے وہ غلام مسلمان ہو۔ لہٰذا کفارہ قسم میں کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ حکم ہے کہ یہاں پر مطلق غلام مراد ہو، کیونکہ انہوں نے اس کی تفصیل یہ کی ہے کہ جس غلام کی قیمت زیادہ ہو اور وہ مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں داؤد بن رُشید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی از ابی غسان محمد بن مطرِّف از زید بن اسلم از علی بن حسین از سعید بن مرجانہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں غلام آزاد کرنے والے کا ہر عُضو دوزخ سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ غلام آزاد کرنے والے کی شرمگاہ کو غلام کی شرمگاہ کے بدلہ میں دوزخ سے آزاد کر دے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۱۷، ۶۷۱۵، صحیح مسلم: ۱۵۰۹، سنن ترمذی: ۱۵۴۱، مسند احمد: ۱۰۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۷۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت لفظِ "رقبة" میں ہے، یعنی باب کے عنوان میں بھی "تحریر رقبة" کا

لفظ ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے "من اعتق رقبۃ" یعنی جس نے ایک غلام کی گردن کو آزاد کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحیم، یہ صاعقہ کے نام سے معروف ہیں اور امام بخاری ان سے حدیث روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں داؤد بن رُشَید کا ذکر ہے، یہ رُشد کی تصغیر ہے، یہ بغدادی ہیں اور دو سو سینتیس (۲۳۷ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الولید بن مُسلم، یہ القرشی الاموی الدمشقی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، یہ محمد بن مُطرِّف کی کنیت ہے (یہ تفریط سے اسم فاعل کا صیغہ ہے) اور اس حدیث کی سند میں زید بن اسلم کا ذکر ہے، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کی کنیت ابواسامہ العدوی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں علی بن حُسین کا ذکر ہے، یہ ابن علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ عنہم، اور یہ زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعید بن مرجانہ کا ذکر ہے، مرجانہ سعید کی ماں کا نام ہے اور ان کے والد وہ عبداللہ العامری ہیں۔

اس سند میں تین تابعین ایک درجہ کے ہیں زید، علی اور سعید اور یہ تینوں مدنی ہیں۔

یہ حدیث اوائلِ عتق میں ایک اور سند کے ساتھ گزر چکی ہے از سعید بن مرجانہ اور وہاں اس سند پر گفتگو ہو چکی ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے از داؤد بن رُشَید سے روایت کیا ہے جو امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں اور ان کے اور امام بخاری کے درمیان محمد بن عبدالرحیم صاعقہ واسطہ ہیں۔ اور داؤد بن رُشَید کی صحیح البخاری میں اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس غلام کو آزاد کرنا چاہیے جس کے تمام اعضاء مکمل ہوں یعنی وہ اندھا، کانا، لنگڑا اور لولا نہ ہو، بعض اوقات ناقص الاعضاء زیادہ مہنگا ہوتا ہے جیسے خصی، کیونکہ وہ گھر کے اندر بھی جا سکتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ باندی کو آزاد کرنا افضل ہے یا غلام کو آزاد کرنا افضل ہے؟ صحیح یہ ہے کہ باندی کی بہ نسبت غلام کو آزاد کرنا افضل ہے کیونکہ غلام میں بعض ایسے اعضاء ہوتے ہیں جو باندی میں نہیں ہوتے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مرد غلام کو آزاد کرے اور عورت باندی کو آزاد کرے تاکہ آزاد کرنے والے کا ہر عضو اس کے عضو کے بدلہ میں دوزخ سے آزاد ہو جائے۔

علامہ مرغینانی فرغانی نے ہدایہ میں لکھا ہے تاکہ اعضاء کا مقابلہ اعضاء کے ساتھ متحقق ہو جائے۔

اس حدیث میں غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے اور یہ کہ نیک اعمال میں غلام کو آزاد کرنے کا بہت بلند مرتبہ ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی جزاء اس عمل کی جنس سے عطا فرماتا ہے، بندہ کسی غلام کو آزاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزاء میں اس بندہ کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: قتلِ خطاء کے کفارہ میں مومن غلام کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور قسم اور ظہار کے کفارہ میں مطلقاً غلام کا ذکر ہے۔ فقہاءِ شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ جہاں مطلق غلام کا ذکر ہے اس کو بھی مقید پر محمول کر دیا جائے اور اس سے مراد بھی مومن غلام

کولیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟ لیکن اگر قسم اور ظہار کے کفارہ میں بھی مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے تو بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کفارہ ادا ہو جائے گا، اس لیے ان میں بھی مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس باب کی حدیث میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے، کیونکہ اس سے غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابُ: عِتْقِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبِ فِي الْكَفَّارَةِ وَعِتْقِ وَلَدِ الزِّنَا

مدبر اور ام ولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کا بیان اور ولد الزنا کو آزاد کرنے کا بیان

وَقَالَ طَاوُسٌ: يُجْزِءُ الْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ۔

طاؤس نے کہا ہے: مدبر اور ام الولد کو آزاد کرنا کافی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مدبر اور ام الولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کا کیا حکم ہے اور ولد الزنا کو آزاد کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور امام بخاری نے ان کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے۔

(''مُدَبَّر'' اس غلام کو کہتے ہیں جس کا مالک اسے یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور ''اُمُّ الوَلَد'' اس باندی کو کہتے ہیں جس سے مالک کی اولاد ہو، اور ''مُکَاتَب'' اس غلام کو کہتے ہیں جس سے مالک یہ کہے کہ تم اتنی رقم مجھے قسطوں میں یا نقد ادا کر دو تو تم آزاد ہو)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''طاؤس نے کہا: مُدَبَّر اور ام الولد کو آزاد کرنا کفارہ میں کافی ہوگا''۔

یعنی طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی نے کہا کہ مُدَبَّر اور ام الولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے، اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ضعف ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ جس میں لیث کا ذکر ہے ابن علیہ سے روایت کی ہے کہ المُدبر کو کفارہ میں اور ام الولد کو ظہار میں آزاد کرنا کفایت کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۷۸۔۷۹)

اور مُدَبَّر میں طاؤس کی موافقت حسن بصری نے کی ہے اور ام الولد میں طاؤس کی موافقت ابراہیم نخعی نے کی ہے اور مدبر میں طاؤس کی مخالفت الزہری، شعبی اور ابراہیم نے کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۷۸۔۷۹)

مُدَبَّر، اُمُّ الولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے، پس امام مالک نے کہا ہے کہ جن چیزوں کے کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے ان میں مُکاتب کو اور مدبر کو اور ام الولد کو آزاد نہ کیا جائے اور نہ اس کو آزاد کیا جائے جس کی آزادی کسی چیز پر معلق ہو۔ اور امام ابوحنیفہ اور

الاوزاعی نے کہا ہے کہ اگر مُکاتب نے اپنے زرِ مکاتبت میں سے کچھ ادا کر دیا ہے تو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔اور یہی اللیث، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔اور امام شافعی اور ابوثور نے کہا ہے کہ مدبر کو آزاد کرنا جائز ہے۔اور رہا اُمّ الولد کو آزاد کرنا تو جن مسائل میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے ان میں اُم الولد کو آزاد کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک جائز نہیں ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا اسی پر اتفاق ہے۔

اور رہا ''وَلَدُ الزنا'' کو ان مسائل میں آزاد کرنا جن میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے، یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، حسن بصری، طاؤس کا بھی یہی قول ہے۔اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوعبید کا بھی یہی قول ہے۔اور عطاء، شعبی، النخعی اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ یہ تینوں میں سب سے زیادہ شر ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۶۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۱)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اس کا انکار منقول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہ تینوں میں سب سے زیادہ شر ہوتا تو حاکم اس کا انتظار نہ کرتا حتیٰ کہ اس کی ماں سے وہ پیدا ہو جاتا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے ماں باپ کا گناہ اس کے اوپر نہیں ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۲۔۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۶۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا لَهُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَسَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ اَوَّلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے خبر دی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد نے اپنے ایک غلام کو مُدَبَّر کر دیا اور اس کا اس غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا؟ تو اس غلام کو نعیم بن النحام نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا، پس میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ وہ غلام قبطی تھا اور پہلے سال فوت ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۱، ۲۲۳۰، ۲۳۲۱، ۲۴۰۳، ۲۴۱۵، ۲۵۳۴، ۶۷۱۶، ۶۹۴۷، ۷۱۸۶، صحیح مسلم: ۹۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۱۹، سنن نسائی: ۴۶۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۹۵۷، مسند احمد: ۱۳۱۹۷، سنن دارمی: ۲۵۷۳)

صحیح البخاری: ۶۷۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث باب کے عنوان پر کس طرح دلالت کرے گی؟ پھر کہا: جب مُدَبَّر کی بیع جائز ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے، اور عنوان کے باقی امورام الولد اور مکاتب کو بھی امام بخاری نے اسی پر قیاس کیا ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مُدَبَّر کی بیع جائز ہے تو مدبر کے ساتھ جو باقی امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بیع بطریق اولیٰ جائز ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر مواخذہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح کی تو کوئی نہ کوئی وجہ ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے اور یہ معلوم ہو گیا کہ مدبران میں سے ہے جس کی بیع جائز ہے، لیکن رہا اس قائل کا کلام تو اس کی تو کوئی بھی وجہ بالکل نہیں ہے، کیونکہ اس قائل نے کہا ہے کہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو جو امور ان کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں ان کی بیع بطریق اولیٰ جائز ہو گی۔ پس سبحان اللہ! باب کے عنوان میں کس جگہ میں اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے حتیٰ کہ اس پر اس کے آزاد کرنے کی بناء کی جائے؟ علاوہ ازیں علامہ کرمانی کا کلام بھی بغیر ضعیف تاویل کے صحیح نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے مصنف کی توجیہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت نقل کر کے اس پر رد کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل عبارت کو ہم علامہ عینی کی شرح کے بعد ان شاء اللہ نقل کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں، یہ عارم کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن دینار ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الاکراہ میں از ابوالنعمان روایت کی ہے اور امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب الایمان والنذور میں از ابی الربیع روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انصار کے ایک مرد نے اپنے ایک غلام کو مُدَبَّر کر دیا" اس غلام کا نام تھا ابومذکور (اس میں ذال ہے) اور جس غلام کو مُدَبَّر کیا اس کا نام یعقوب ہے، اس کو نعیم النحام نے خرید لیا، یہ کرمانی کا قول ہے۔ الکرمانی نے کہا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ وہ نعیم بن نحام ہے اور اس میں ابن کا اضافہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ ابن کا اضافہ نہیں ہے۔ اور نُعیم میں نون پر پیش ہے

اور عین پر زبر ہے، یہ نُعم کی تصغیر ہے اور نَحّام میں نون پر زبر ہے اور حاء پر تشدید ہے، یہ اس کا لقب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے نُعیم کی کھانسی کی آواز جنت میں معراج کی شب سنی''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عبدا قِبطیا'' (قاف کے نیچے زیر ہے اور باء ساکن ہے) یہ قبط کی طرف نسبت ہے اور یہ لوگ مصر کے رہنے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عام اول'' یعنی پہلے زمانہ کے سال میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۳۔۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مُدَبَّر کی بیع حدیث سے ثابت ہے تو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا

امام بخاری نے اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُدَبَّر کو آزاد کر دیا۔ کتاب العتق میں اس کی مفصل شرح گزر چکی ہے اور اس میں اختلاف کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اور ان کے دلائل بھی ذکر کیے جا چکے ہیں جو اس بیع کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مُدَبَّر کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہو کیونکہ اس کی بیع کی صحت اس کی ملکیت کی بقاء کی فرع ہے، پس اس میں اس کو آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا۔

ام الولد کے اکثر احکام غلام کے احکام کی مثل ہیں، لہٰذا اس کو بھی کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہوگا

رہا ام الولد کا معاملہ، ام الولد کا حکم اکثر احکام میں وہ ہوتا ہے جو غلام کے احکام ہوتے ہیں مثلاً جنایت میں، حدود میں اور مالک کے اس سے فائدہ اٹھانے میں، اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ ام الولد کی بیع جائز ہے لیکن اس پر معاملہ مقرر ہو گیا ہے کہ اس کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس کو آزاد کرنا کفارہ میں کافی ہوگا۔

مُکاتَب کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

اور رہا مُکاتب کو آزاد کرنا تو امام مالک، امام شافعی اور ثوری نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ علامہ ابن المنذر نے اس کو نقل کیا ہے۔ اور امام مالک سے یہ منقول ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے اپنے زرِ کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہے تو پھر اس کو آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے پورا غلام آزاد نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ حصہ آزاد کیا اور یہی امام اوزاعی اور لیث کا قول ہے۔ اور امام احمد اور اسحاق سے منقول ہے کہ اگر اس نے تہائی یا اس سے زیادہ کو آزاد کر دیا تو پھر کافی نہیں ہے۔

فقہاء متقدمین کا اس میں اختلاف ہے، پس طاؤس نے جو کہا ہے کہ مدبر کو اور ام الولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے تو اس کی موافقت حسن بصری نے مدبر میں کی ہے اور ابراہیم نخعی نے ام الولد میں کی ہے اور ان دونوں مسئلوں میں الزہری اور شعبی نے مخالفت کی ہے۔ اور امام مالک اور اوزاعی نے کہا ہے: کفارہ میں مدبر کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے اور نہ ام ولد کو اور نہ اس کو کہ جس کی آزادی معلق ہو اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے۔

مدبّر کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

اور امام شافعی نے کہا ہے: مدبر کو آزاد کرنا کافی ہے اور ابوثور نے کہا ہے: مدبر کو آزاد کرنا اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کے اوپر زرِ کتابت باقی ہے۔ اور امام مالک کے قول پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے لیے عقدِ حریت ثابت ہے اور اس کے اٹھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر مدبر میں حریت اور آزادی کا کوئی حصہ ہوتا تو اس کی بیع جائز نہ ہوتی۔

''ولد الزنا'' کے آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

رہا ولد الزنا کو آزاد کرنا، تو ابن المنیّر نے کہا ہے کہ میرے علم میں ولد الزنا کو آزاد کرنے میں اور مدبر اور مکاتب اور ام ولد کو آزاد کرنے کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے سوا اس کے کہ جو ولد الزنا کے آزاد کرنے کا مخالف ہے وہ ان تینوں کے آزاد کرنے کا بھی مخالف ہے۔

ولد الزنا کو آزاد کرنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام بیہقی سندِ صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کرتے ہیں: مجھے ابوحسن مولیٰ عبداللہ بن الحارث نے خبر دی اور وہ اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ میں سے تھے کہ انہوں نے ایک عورت سے سنا، وہ عبداللہ بن نوفل سے ولد الزنا کے آزاد کرنے کے متعلق سوال کر رہی تھی کہ کسی غلام کی جگہ اسے آزاد کردے اور ان پر کسی غلام کو آزاد کرنا تھا، تو عبداللہ بن نوفل نے جواب دیا: میری رائے یہ ہے کہ یہ تمہارے لیے کافی نہیں ہے، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں دو جوتے دوں وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ولد الزنا کو آزاد کروں۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں ایک کوڑے کی اتباع کروں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ولد الزنا کو آزاد کروں۔

ولد الزنا کو کفارہ میں آزاد کرنے کے دلائل

ہاں الموطا میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولد الزنا کے آزاد کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ولد الزنا کو آزاد کیا۔

اور امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ولد الزنا سے زیادہ شر کے اوپر احسان کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ (محمد: ۴)

جب تم ان (کافروں) کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو، (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

یعنی ولد الزنا، کفار سے بدتر تو نہیں ہے تو جب کفار پر احسان کر کے انہیں آزاد کرنا جائز ہے تو ولد الزنا کو آزاد کرنا بطریقِ اولیٰ

جائز ہوگا۔

اور جمہور نے کہا ہے کہ ولد الزنا کو آزاد کرنا جائز ہے۔ اور حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے اس کے آزاد کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے ان کی روایات کو اسانیدِ ضعیف سے روایت کیا ہے۔ اور شعبی، نخعی اور الاوزاعی نے بھی منع کیا ہے۔ اور امام ابن شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ یہ اولین کی طرف سے روایت کیا ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ'' (المائدہ:۸۹) یعنی قسم کے کفارہ میں یا غلام کو آزاد کیا جائے۔ اور اگر کوئی قسم کھانے والا ولد الزنا کو خرید لے تو اس کی ملکیت صحیح ہے تو اس کا آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور علامہ ابن المنذر نے سندِ صحیح کے ساتھ ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے منع کیا، ابوالخیر نے کہا: پھر ہم نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ عقبہ بن عامر کی مغفرت فرمائے، ولد الزنا بھی تو روحوں میں سے ایک روح ہے۔ اور امام بخاری نے مدبر کی بیع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے اور باب کے عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو ام ولد اور مکاتب کی بیع بھی بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۶۹۔ ۷۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی پر علامہ عینی کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس آخری عبارت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں یہ اشارہ کہاں سے کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان میں تین امور کا ذکر کیا ہے: مدبر، ام ولد اور مکاتب، آیا ان کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعد میں صرف مدبر کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کی بیع کی، تو اس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا کہ فی نفسہٖ نہ مدبر کی بیع جائز ہے نہ ام ولد کی اور نہ مکاتب کی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا مدبر کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا اس کے مدبر کو فروخت کر دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ام ولد اور مکاتب کو بھی اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے یعنی جب ان کے مالکوں کا ان کے سوا اور کوئی مال نہ ہو۔ اور یہ اس پر محمول ہوگا کہ ان کے مالکوں کا اس کو مدبر یا ام ولد یا مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس ان کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا تو گویا اب یہ تینوں ورثاء کا مال ہیں اور ان کو مدبر بنانا یا ام ولد بنانا یا مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے، لہٰذا ان کو فروخت کرنا جائز ہے، اور جب مدبر، ام ولد اور مکاتب کی بیع جائز ہے تو ان کو کفارہ میں آزاد کرنا بھی جائز ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۸۔ بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ جب کسی شخص نے اس غلام کو آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک تھا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس شخص کے حکم کے بیان کے متعلق ہے جس نے اس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک تھا، کیا اس کو آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ لیکن امام بخاری نے اس باب کے ثبوت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: علماء نے بیان کیا کہ امام بخاری ابواب کے عنوان قائم کرتے ہیں تا کہ اس عنوان کے مطابق حدیث لائیں، پس انہوں نے اس عنوان کے مطابق اپنی شرط کے مناسب کوئی حدیث نہیں پائی، یا ان کی عمر نے وفا نہیں کی کہ وہ اپنی زندگی میں اس حدیث کو تلاش کر لیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے: بلکہ امام بخاری نے اس عنوان کے تحت حدیث نہ لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ اس عنوان کے ثبوت میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان صرف المستملی کے لیے بغیر کسی حدیث کے ثابت ہے، پس گویا کہ مصنف نے یہ ارادہ کیا کہ اس عنوان کے لیے اس باب میں اس حدیث کو کسی اور سند کے ساتھ ثابت کریں جو اس باب کے بعد والے باب میں حدیث مذکور ہے، لیکن ان کو اتفاق نہیں ہوا۔ یا انہوں نے ان دونوں عنوانوں میں تردد کیا یعنی اس باب کا عنوان اور بعد والے باب کا عنوان۔ پس اکثر نے اسی عنوان پر اقتصار کیا جو یہاں لکھا ہوا ہے۔ اور المستملی نے دونوں عنوانوں کو احتیاطاً لکھ دیا اور اس باب کے بعد جو حدیث ہے وہ تاویل کے ساتھ دونوں بابوں کے عنوان کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور امام ابونعیم نے دونوں عنوانوں کو ایک باب میں جمع کر دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکور شرح کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ کرمانی نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے محض ظن اور تخمین اور اندازہ ہے۔

پہلی وجہ جو علامہ کرمانی نے لکھی ہے، سو وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کسی باب کا عنوان اسی وقت لکھتے ہیں جب وہ اس باب کے متعلق کسی حدیث پر مطلع ہو جاتے ہیں جو اس عنوان کے مناسب ہو۔ اور دوسری وجہ جو انہوں نے ذکر کی ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔ اور رہی تیسری وجہ تو وہ پہلی دو وجہوں سے زیادہ بعید ہے، کیونکہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ پس دیکھنے والا کیسے یہ اطلاق کرے گا کہ یہاں پر ایسی احادیث ہیں جو امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو یہ لکھا ہے کہ المستملی نے دونوں عنوان بطور احتیاط لکھے ہیں، سو اس میں کونسی احتیاط ہے اور احتیاط کی کیا وجہ ہے، یعنی اگر امام بخاری اس باب کے عنوان کو ترک کر دیتے جو بغیر حدیث کے ہے تو کیا وہ کسی گناہ کے مرتکب ہوتے حتیٰ کہ انہوں نے اس عنوان کو احتیاطاً ذکر کیا۔ اور رہا ان کا یہ کہنا کہ جو حدیث اس باب کے بعد والے باب میں ہے وہ دونوں بابوں کے عنوانوں کی صلاحیت رکھتی ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ولاء اس کی ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے، پس جس غلام کو اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ اس کا غلام ہے اور اس کی ولاء بھی اسی کے لیے ہے، پس ان دونوں کے درمیان اشتراک کہاں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اس نے ایک ایسے غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جو اس کے اور

دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا خوش حال ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا کافی ہوگا اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔ اور اگر وہ آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے مشترک غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے: اس عنوان کو امام بخاری نے نہیں لکھا، اور یہی وجہ ہے کہ المستملی کے علاوہ دوسرے راویوں کے نسخہ میں یہ عنوان نہیں ہے، جب کہ المستملی کے نزدیک بھی اس کے ثبوت میں اعتراض ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۱۴۴'' میں علامہ عینی کے اعتراض کی پوری عبارت تو لکھی ہے لیکن اس کا جواب نہیں لکھا۔ ہوسکتا ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کی اس رائے سے اتفاق کر لیا کہ اس باب کا عنوان امام بخاری نے نہیں لکھا، یہی وجہ ہے کہ المستملی کے علاوہ اور کسی کے نسخہ میں یہ عنوان نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۹۔ بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ فِي الْكَفَّارَةِ لِمَنْ يَكُونُ وَلَاؤُهُ؟ جب کسی شخص نے کفارہ میں غلام کو آزاد کیا تو اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے کفارہ میں غلام کو آزاد کر دیا تو اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی؟ یعنی جس غلام کو آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی۔ (وَلاء کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ غلام آزاد ہونے کے بعد مالدار ہوا اور اس نے ترکہ چھوڑا تو اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہو جائے گا اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہوا تو پھر اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو دیا جائے گا، اس کو وَلاء کہتے ہیں)۔

اس باب کے عنوان کا جواب محذوف ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ بعض صورتوں میں اس کا کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور بعض صورتوں میں صحیح نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، پس ان میں سے ایک غلام کو کفارہ میں آزاد کر دے، پس اگر وہ خوشحال ہے تو اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا اور وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی، اور اگر وہ تنگدست ہے تو پھر اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں پر ایک اور صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مرد سے کہے: تم اپنے غلام کو میری طرف سے آزاد کر دو کیونکہ مجھ پر کفارہ ہے، سو اس نے آزاد کر دیا تو یہ کافی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا یہی قول ہے، اور اگر اس شخص نے اس کے کہنے سے بغیر کسی معاوضہ کے غلام کو آزاد کر دیا تو امام شافعی کے قول کے مطابق یہ کافی ہوگا اور اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جس کی طرف سے غلام کو آزاد کیا ہے۔ اور ابوثور نے کہا کہ یہ کافی ہوگا اور اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جس نے آزاد کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی اور یہ کافی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۴۔۳۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧١٧۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهَا الْوَلَاءَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو ان کے مالکوں نے ان کے اوپر وَلاء کی شرط لگائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شرط کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم بریرہ کو خریدلو، وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ٤٥٦، ١٤٩٣، ٢١٥٥، ٢١٦٨، ٢٥٣٦، ٢٥٦٠، ٢٥٦١، ٢٥٦٣، ٢٥٦٤، ٢٥٦٥، ٢٥٧٨، ٢٧١٧، ٢٧٢٦، ٢٧٢٩، ٢٧٣٥، ٥٠٩٧، ٥٢٧٩، ٥٢٨٤، ٥٤٣٠، ٦٧١٧، ٦٧٥١، ٦٧٥٤، ٦٧٥٨، ٦٧٦٠، صحیح مسلم: ١٥٠٤، سنن ترمذی: ١٢٥٦، سنن ابوداؤد: ٣٩٢٩، موطا امام مالک: ١٥١٩)

صحیح البخاری: ٦٧١٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ "وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحکم کا ذکر ہے، یہ ابن عُتیبہ ہیں، یہ عتبۃ الدار کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم کا ذکر ہے وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسود کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں اور وہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں، یہ پہلے بنی ہلال کے کسی شخص کی باندی تھیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ چند انصار کی باندی تھیں انہوں نے ان کو مُکاتَب کر دیا، پھر انہوں نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ فروخت کر دیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے صرف ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاشترطوا" یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ شرط لگائی کہ وَلاء ان کے لیے ہوگی۔ اور اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٤٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی مشترک غلام کو آزاد کرے تو اس کی وَلاء کے متعلق اقوالِ فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے: جب دو شریکوں میں سے ایک شخص اپنے حصہ کے غلام کو کفارہ میں آزاد کر دے تو اگر وہ خوشحال ہے تو اس کا آزاد کرنا کافی ہے اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ تنگدست ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا کافی نہیں ہے اور یہ امام محمد اور امام ابویوسف اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے بعض اصحاب نے کہا ہے: اس شخص کو مشترک غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا کافی نہیں ہے خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگدست ہو۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ آزاد کرنے والا جب خوشحال ہے اور اس کا شریک اپنے حصہ کو آزاد نہیں کرتا تو پورا غلام خوشحال شخص کے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائے گا، اس وجہ سے اس کی طرف سے آزاد کرنا کافی ہے۔ اور جو فقہاء اس آزاد کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے وہ کہتے ہیں کہ اس نے آدھے غلام کو آزاد کیا ہے مکمل غلام کو آزاد نہیں کیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا شریک کو اختیار دیا جائے گا، اگر چاہے تو وہ اس غلام کی قیمت اپنے شریک کے اوپر ڈالے اور وہ قیمت آزاد کرنے والے سے وصول کرے، اور اگر چاہے تو وہ غلام اپنی آدھی قیمت کے عوض محنت مزدوری کرے اور کما کر شریک کو اس کا حصہ ادا کرے۔ اور اگر چاہے تو غلام کو آزاد کر دے اور اس کی وَلاء دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

اور جمہور علماء کے نزدیک یہ وَلاء کفارہ دینے والے کے لیے ہے، اس لیے کہ جب اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور وہ خوشحال تھا تو غلام کا آزاد کرنا اس پر واجب ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وَلاء صرف اس کے لیے ہے جو آزاد کرے، اسی وجہ سے امام بخاری نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس باب میں درج کیا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۵۔۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا گیا، اس کی وَلاء کے متعلق اقوالِ فقہاء

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جائے اور زکوٰۃ میں ادا کیا جائے اس کی وَلاء بیت المال کے لیے ہوگی، یا جو اس کا مستحق ہوگا اس کے لیے ہوگی۔ اگر وہ زکوٰۃ میں ہے تو اس کی وَلاء زکوٰۃ کے مستحق کے لیے ہوگی، اور اگر وہ کفارہ میں ہے تو اس کی وَلاء فقراء کے لیے ہوگی۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وَلاء اس کے لیے مطلقاً ہوگی جو غلام کو آزاد کرے، خواہ کفارہ میں آزاد کرے یا کسی چیز میں آزاد کرے، پس اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس کو آزاد کر رہا ہے۔ اور فقہاء حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وَلاء اس کے

لیے ہوگی جو غلام کو آزاد کرے، کیونکہ حدیث میں بطریقِ عموم فرمایا ہے کہ وَلاء صرف اس کے لیے ہوگی جو آزاد کرتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ جس کو زکوٰۃ میں آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء اہل زکوٰۃ کے لیے ہوگی، اور جس کو کفارہ میں آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اہل کفارہ کے لیے ہوگی اور وہ فقراء ہیں، اور جس کو نفلی طور پر اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس غلام کو آزاد کرے گا۔

پس اگر ہم عمومِ حدیث کی طرف نظر کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ حدیث عام ہے اور اکثر جو لوگ غلام کو آزاد کرتے ہیں وہ کفارہ میں آزاد کرتے ہیں یا زکوٰۃ میں آزاد کرتے ہیں، اور اگر معنی کی طرف غور کریں تو ہم کہیں گے کہ جس کو کفارہ میں آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء فقراء کے لیے ہوگی اور جس کو زکوٰۃ میں آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اہل زکوٰۃ کے لیے ہوگی، لہٰذا دوسرے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰- بَابُ: الِاسْتِثْنَاءِ فِي الْأَيْمَانِ — قسموں میں استثناء کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قسموں میں استثناء کے حکم کا بیان کیا گیا ہے اور استثناء سے یہاں پر مراد ہے لفظِ ان شاء اللہ کہنا۔

اور استثناء سے مراد اصطلاحی استثناء نہیں ہے جو کہ لفظِ ''اِلا'' وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے: ''میرے پاس زید کے سوا لوگ نہیں آئے'' بلکہ یہاں استثناء سے مراد یہ ہے کہ قسم کے بعد کوئی شخص ان شاء اللہ کہے، جیسے کوئی شخص کہے ''اللہ کی قسم میں ضرور اس طرح کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ'' یا کہے ''اللہ کی قسم میں اس طرح ہرگز نہیں کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ''۔ اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قسموں میں استثناء کرنے کے متعلق فقہاء کے مذاہب

ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اوزاعی، اللیث اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ قسموں میں استثناء کی شرط یہ ہے کہ استثناء حلف کے ساتھ متصل ہو۔

اور امام مالک نے کہا: جب انسان نے قسم کھا کر سکوت کیا یا اپنا کلام منقطع کر دیا تو پھر کوئی استثناء نہیں ہے، اور امام شافعی نے کہا کہ استثناء کی شرط یہ ہے کہ وہ پہلے کلام کے ساتھ متصل ہو اور اس کا وصل ایک نہج سے ہو، پس اگر قسم اور حلف کے درمیان سکوت ہو گیا تو استثناء منقطع ہو جائے گا سوا اس صورت کے کہ وہ سکوت کسی چیز کو یاد کرنے کے لیے ہو یا اس کا سانس رک گیا ہو یا اس کی آواز منقطع ہو گئی ہو۔ اور حسن بصری اور طاؤس نے کہا ہے: حلف اٹھانے والے کے لیے استثناء کرنا جائز ہے جب تک کہ وہ اپنی مجلس سے اٹھے نہیں۔ اور قتادہ نے کہا ہے: یا وہ کلام کرے۔ اور امام احمد نے کہا ہے: اس کے لیے استثناء کرنا جائز ہے جب تک کہ وہ اس معاملہ میں ہو اور یہی اسحاق کا قول ہے، مگر یہ کہ سکوت ہو اور پھر وہ معاملہ کی طرف لوٹے۔ اور عطاء نے کہا ہے: اس کے لیے سکوت کرنا جائز ہے اگر سکوت اتنی دیر کا ہو جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ چار مہینے تک سکوت

کرسکتا ہے۔اور مجاہد نے کہا: اس کے لیے دو سال بعد تک کی مدت ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے لیے یہ استثناء صحیح ہے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو، پس ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک سال کا ارادہ کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے دوام کا ارادہ کیا ہے، اس کی ابن القصار نے حکایت کی ہے۔

اور فقہاء کا طلاق اور غلام آزاد کرنے کے معاملہ میں بھی استثناء کرنے میں اختلاف ہے، پس ابن ابی لیلیٰ، الاوزاعی، لیث اور امام مالک نے کہا کہ طلاق میں استثناء کرنا جائز نہیں ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن المسیب سے، الشعبی سے، عطاء سے، الحسن سے، مکحول سے، اور الزہری سے منقول ہے۔اور طاؤس، النخعی، الحسن اور عطاء نے ایک روایت میں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اور اسحاق نے کہا کہ یہ استثناء جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۵۔۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ فَأُتِيَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثَةِ ذَوْدٍ فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ لَا يُبَارِكُ اللهُ لَنَا أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا فَحَمَلَنَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از غیلان بن جریر از حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کے چند لوگوں کے ساتھ آیا، میں آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا! نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم ٹھہرے رہے، پھر آپ کے پاس چند اونٹ آئے تو آپ نے ہمیں تین اونٹوں کو دینے کا حکم فرمایا، پس جب ہم چلے گئے تو ہم میں نے ایک دوسرے سے کہا: اللہ تعالیٰ ہم کو برکت نہیں دے گا، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کردیا، پس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: سو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ہم نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: میں نے تو تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سواری پر سوار کیا ہے اور بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا پھر دیکھوں گا کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور جو بہتر کام ہے اس کو کروں گا اور کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۷۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے " بے شک میں اللہ کی قسم ان شاء اللہ "۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد " ان شاء اللہ " حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اکثر سندوں میں مذکور نہیں ہے۔ لیکن اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ اصول میں ثابت ہے۔ اور امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ استثناء کی صفت کو مشیت کے ساتھ بیان کریں، اور ابو موسیٰ المدینی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرک کے لیے ان شاء اللہ فرمایا تھا نہ کہ استثناء کے لیے، لیکن یہ بات خلاف ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے اور وہ ابن زید ہیں، کیونکہ قتیبہ نے حماد بن سلمہ کو نہیں پایا اور یہ قتیبہ کی حماد سے روایت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں غیلان بن جریر کا ذکر ہے، غَیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے۔ اور ابن جَریر میں جیم پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو بُردہ کا ذکر ہے، ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، یہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب النذر میں از ابو النعمان محمد بن الفضل گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے " استحمله " یعنی ہم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسی سواری دیں جو ہمیں اٹھا کر لے جائے اور ہمارے سامان کو اٹھا کر لے جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے " فاتی بابل " اِبل لفظ واحد ہے اور اس کا معنی ہے: اونٹ، علامہ الخطابی نے کہا ہے: اس میں لفظِ واحد کا ذکر ہے اور مراد اس سے جمع ہے جیسے السامر۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ابوذر کے نسخہ میں اِبل کی جگہ " شائل " کا لفظ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کی جمع شوائل ہے، شوائل ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جن کا دودھ کم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے " بثلاثة ذود " اور ابوذر کی روایت میں ہے " ثلاث ذود " اور یہی صحیح ہے کیونکہ " ذود " کا لفظ مؤنث ہے اور تین سے دس اونٹوں کے لیے " ذود " کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ایک قول ہے تین سے سات تک کے لیے استعمال ہوتا ہے، دوسرا قول ہے دو سے نو تک کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اس کا اس سے واحد نہیں ہے اور کثیر کے لیے " اذواد " کا لفظ

استعمال ہوتا ہے، اور یہ اونٹنیوں کے ساتھ خاص ہے اور کبھی اس کا اطلاق اونٹوں پر بھی ہوتا ہے۔
اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب المغازی میں "خمس ذود" کا لفظ آیا ہے، تو میں کہتا ہوں: ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے آپ نے اشعریین کو تین اونٹ دینے کا حکم دیا پھر اس میں دو کا اضافہ کر دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "انی واللہ ان شاء اللہ" یہ استثناء کی جگہ ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۶۔ ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَقَالَ إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور کہا: "مگر میں اپنی قسم سے کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہوگا، یا فرمایا: میں اس کام کو کروں گا جو بہتر ہوگا اور کفارہ دوں گا"۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۷۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، وہ محمد بن الفضل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔
اور امام بخاری نے ابوالنعمان کی اس سند کو ذکر کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے کہ کفارہ کو قسم توڑنے پر مقدم کرے یا قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم کرے۔ اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔
علامہ عینی نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: اسی طرح اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از سلیمان بن حرب از حماد بن زید روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلٌّ تَلِدُ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي الْمَلَكَ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَنَسِيَ فَطَافَ بِهِنَّ فَلَمْ تَأْتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ بِوَلَدٍ إِلَّا وَاحِدَةٌ بِشِقِّ غُلَامٍ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَرْوِيهِ قَالَ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن حُجیر از طاؤس، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں آج رات نوے (۹۰) بیویوں سے جماع کروں گا اور ان میں سے ہر ایک سے لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں قتال کرے گا، ان کے صاحب نے کہا: سفیان نے بتایا یعنی فرشتے

يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا لَهُ فِي حَاجَتِهِ وَقَالَ مَرَّةً قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوِ اسْتَثْنَى وَحَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ

نے، آپ ان شاء الله کہیے! پس حضرت سلیمان (علیہ السلام) بھول گئے، پس انہوں نے ان بیویوں سے جماع کیا اور ان میں سے صرف ایک بیوی سے ایک لڑکے کا ایک حصہ پیدا ہوا، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء الله کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور وہ اپنی حاجت کو پا لیتے، اور ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء الله کہتے۔

اور ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن نسائی: ۳۸۳۱، مسند احمد: ۷۰۹۷)

صحیح البخاری: ۶۷۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "قسم میں استثناء کرنا یعنی ان شاء الله کہنا" اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرشتے نے کہا کہ آپ ان شاء الله کہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبدالله، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن حُجَیر (اس میں حاء پر پیش ہے اور جیم پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے) یہ مکی ہیں، علامہ کرمانی نے کہا: ان کا اس سے پہلے ذکر نہیں آیا۔

یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ اس سے پہلے کتاب الجہاد میں اس باب میں گزر چکی ہے "باب من طلب الولد للجهاد" اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا کہ آج رات میں ایک سو بیویوں یا ننانوے بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاطوفن" اور لام اس میں قسم کے جواب میں ہے گویا کہ انہوں نے کہا: الله کی قسم! میں ضرور اپنی بیویوں سے جماع کروں گا اور نون اس میں تاکید کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے طواف کیا اور اپنی بیویوں سے مقاربت کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نوے (۹۰) بیویوں سے جماع کروں گا" علامہ کرمانی نے کہا ہے: کسی حدیث صحیح کے عدد میں اس

سے زیادہ اختلاف نہیں ہے جتنا اس حدیث میں ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ایک سو بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ننانوے بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا، اور تیسری حدیث میں ہے ساٹھ بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا۔ اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ عدد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کل تلد" یعنی ان میں سے ہر بیوی سے لڑکا پیدا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بشق غلام" یعنی آدھا لڑکا پیدا ہوگا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: "حنث" معصیت ہے، پس کیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حنث جائز ہوا؟ پھر کہا: یہ ان کے اختیار سے نہیں تھا، یا یہ گناہِ صغیرہ تھا جو معاف کر دیا گیا۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح پر اعتراض ہے، کیونکہ انہوں نے "حنث" کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا وہ واقع نہیں ہوا۔ نیز علامہ کرمانی نے حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبی ہیں ان کی طرف صغیرہ گناہ کی نسبت کی ہے اور اس پر بھی اعتراض ہے، اور اس حدیث کا اول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن انہوں نے اس قول کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی اور کہا: "یرویہ" وہ اس کو روایت کرتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وکان درکا" یعنی اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو وہ اپنی حاجت کو پا لیتے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) استثناء کرتے یعنی ان شاء اللہ کہتے" اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر وہ ان شاء اللہ کہتے" اور دونوں کا مآل ایک ہے اور الفاظ مختلف ہیں۔ اور اس جملہ کا جواب محذوف ہے یعنی اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں استثناء اس معنی میں نہیں ہے جو قسم کے حکم کو اٹھا لیتا ہے، بلکہ یہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا O (الکہف: ۲۳-۲۴)

یہاں پر ان شاء اللہ کا لفظ قسم کے حکم کو مرتفع کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا چاہیے۔

اس حدیث میں تعلیق ہے کہ "ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل"۔

اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ سفیان کی اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک دو سندیں ہیں: ہشام عن طاؤس، اور ابو الزناد عن الاعرج۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی اور اس نے بغیر وقفہ کے ان شاء اللہ کہا تو اس کا استثناء درست ہے اور اگر اس نے وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہا تو استثناء درست نہیں ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب قسم کھانے والے نے ان شاء اللہ کہا تو اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک اور فقہاء احناف اور امام اوزاعی اور اللیث اور امام شافعی اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ قسم کھانے والے کا ان شاء اللہ کہنا اس وقت معتبر ہوگا جب وہ اس کے کلام کے ساتھ متصل ہو اور اس کا کلام درمیان میں منقطع نہ ہوا ہو۔ پس اگر وہ کچھ بات کر کے خاموش ہو گیا اور اپنا کلام منقطع کر دیا تو پھر اس کا ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

اور حسن بصری اور طاؤس نے کہا کہ قسم کھانے والے کے لیے اس وقت تک استثناء کرنا یعنی ان شاء اللہ کہنا جائز ہے جب تک کہ وہ اپنی مجلس سے نہ اٹھے اور قتادہ نے کہا: جب تک وہ کوئی اور بات نہ کرے۔ اور امام احمد نے کہا: اس کے لیے استثناء کرنا اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ اس سلسلہ میں بات کر رہا ہو، اسی طرح اسحاق نے کہا: مگر یہ کہ وہ خاموش ہونے کے بعد پھر اصل بات کی طرف لوٹ آئے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ چار مہینے بعد تک ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے، اور مجاہد نے کہا کہ دو سال بعد بھی ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا استثناء کرنا صحیح ہے خواہ کچھ عرصہ کے بعد کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی مراد ایک سال ہے اور ابن القصار نے کہا: ان کی مراد ہے: ہمیشہ۔

وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہنے کے معتبر ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دلائل

اور انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (الکہف: ۲۳-۲۴)

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جب آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں، یعنی جب آپ کو یاد آئے تو ان شاء اللہ کہہ لیں۔ اور اس میں کسی مدت کا تعین نہیں کیا۔

نیز ان فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قیس نے از سماک از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اور اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، پھر آپ خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: ان شاء اللہ"۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۸۵، صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۱۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۸۲)

وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہنے سے استثناء کے معتبر نہ ہونے پر دلائل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل کا جواب

علامہ ابن القصار نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں ان فقہاء کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو شریک نے از سماک از عکرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے، پس یہ حدیث مرسل ہے (کیونکہ عکرمہ تابعی ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں) اور اگر یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے صحیح ہو تو انہوں نے اس سے قسم ٹوٹنے کا استثناء نہیں کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ انہوں نے ہر اس شخص کے اوپر ان شاء اللہ کہنے کو واجب کیا ہے جو یہ کہے کہ وہ یہ کام کرے گا، پس جب وہ ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو بعد میں کسی وقت ان شاء اللہ کہہ لے خواہ ایک سال بعد، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حکم قسم میں بھی جائز ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر قسم کھانے والے نے کچھ وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہا تو پھر یہ استثناء صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا، پھر اس کام کو کرے جو بہتر ہے اور پھر قسم کا کفارہ دے، اور اگر یہ ممکن ہوتا کہ وہ اس قسم سے ان شاء اللہ کہہ کر نکل جائے تو آپ اس کے اوپر کبھی بھی کفارہ واجب نہ فرماتے اور آپ یوں فرماتے کہ جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ اور پھر تم اس کے خلاف کو بہتر جانو تو تم ان شاء اللہ کہہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے اور آپ کفارہ کا ذکر نہ فرماتے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہو تو پھر درج ذیل آیت کا معنی باطل ہو جائے گا:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم: ۲)

(اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کھولنے کے لیے ایک طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹ جائے تو آدمی اس کا کفارہ دے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم کھل جاتی ہو تو پھر اس آیت کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی حدیث کا معنی باطل ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور آج رات اپنی بیویوں سے جماع کریں گے، تو پھر بعد میں وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔

اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر وہ متصل ان شاء اللہ کہہ دیتے، اور اگر کچھ عرصہ بعد بھی ان شاء اللہ کہنا معتبر ہوتا تو پھر کسی شخص کی کوئی قسم نہ ٹوٹتی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۶۔۱۵۸، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ ان شاء اللہ کو قسم کے ساتھ متصل کہنے پر مزید دلائل

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ان شاء اللہ کہنے کے وقت میں اختلاف ہے، پس اکثر فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قسم کے ساتھ متصل ہو۔ امام مالک نے کہا: جب وہ قسم کھا کر خاموش ہوا یا اس نے کلام منقطع کر دیا تو اس کا ان شاء اللہ کہنا معتبر نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی نے کہا کہ ان شاء اللہ کہنے میں شرط یہ ہے کہ وہ کلامِ اول کے ساتھ متصل ہو اور پورا کلام ایک طریقہ

سے ہو، پس اگر ان کے درمیان سکوت ہو اور وہ کلام منقطع ہو جائے سوا اس کے کہ اس کا سانس ٹوٹ جائے یا اس کی آواز رک جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور علامہ ابن الحاجب نے کہا ہے: اتصال کی شرط یہ ہے کہ لفظاً اتصال ہو یا حکماً اتصال ہو مثلاً اس کا سانس ٹوٹ جائے یا اس کو کھانسی آ جائے تو یہ عرفاً اتصال سے مانع نہیں ہے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم کا استثناء صحیح ہو تو پھر کوئی شخص اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا۔ اور اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ (ص:۴۴)

اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے ہیں بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O

اس آیت کی تفسیر حسب ذیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلاء اس شخص کا علاج بھی کردو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفاء دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفاء دی ہے، اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اجر طلب نہیں کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تھا، انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! یہ تو شیطان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (ص:۴۴) نازل فرمائی، سو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔
(تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی قسم پوری کرنے کے لیے یہ حیلہ تعلیم فرمایا کہ وہ سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی ایک جھاڑو اپنی بیوی پر ماریں تو ان کی قسم پوری ہو جائے گی، سو اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم پوری ہو جاتی ہو تو پھر اس حیلہ کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا: تم بعد میں ان شاء اللہ کہہ دینا، تو پھر ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر قسم کھانے والا قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہے تو اس کا استثناء صحیح ہے اور اگر وہ کچھ وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہے تو پھر اس کا استثناء صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۷، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حکایت

میں کہتا ہوں: میرے استاذ علامہ حافظ عطا محمد بندیالوی قدس سرہٗ ونور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا: تم ہمارے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مسلک کی کیوں مخالفت کرتے ہو، وہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھانے والا قسم کھانے کے کچھ وقفہ کے بعد بھی ان شاء اللہ کہے تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کا خلاف کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ نہیں ہوگا، امام ابو یوسف نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک تو امیر المومنین آپ کے لیے مضر ہے، کیونکہ ایک شخص آپ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا اور قسم کھائے گا کہ وہ آپ کی بیعت پر قائم رہے گا اور دربار خلافت سے نکلنے کے بعد کہہ دے گا ان شاء اللہ۔ تو اب اگر وہ اس قسم کو توڑ دے اور آپ کی بیعت کو بھی توڑ دے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ ہارون الرشید اس جواب سے

حیران رہ گیا۔(سعیدی غفرلہٗ)

بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم میں ان شاء اللہ کہنے کی بحث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طاؤس، نخعی، حکم اور ایک روایت کے مطابق عطاء نے یہ کہا ہے کہ بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے میں بھی ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عموم فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی، اور قسم کھانے والے کا ان شاء اللہ کہنا تمام قسموں میں عمل کرے گا، کیونکہ بعض قسمیں دوسری بعض قسموں سے مخصوص نہیں ہیں، پس واجب ہے کہ ان شاء اللہ کہنے سے طلاق اور عتاق اور تمام قسموں میں قسم نہ ٹوٹے۔

امام مالک وغیرہ کے نزدیک طلاق اور عتاق میں ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کے عدم جواز پر دلیل

اور امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، اللیث اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ طلاق اور عتاق میں ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کرنا جائز نہیں ہے اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن المسیب، شعبی، حسن، عطاء، مکحول، قتادہ اور زہری سے منقول ہے۔

اور امام مالک جو کہتے ہیں کہ اگر کسی نے طلاق یا عتاق کے ساتھ ان شاء اللہ کہا تو طلاق واجب ہو جائے گی اور اس میں ان شاء اللہ کے لفظ کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ استثناء صرف اللہ تعالیٰ کی قسم میں ہوتا ہے اور اسی کے متعلق حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از طاؤس از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر کہا: ان شاء اللہ، تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ (سنن ترمذی: ۱۵۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۹)

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از النافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر کہا: ان شاء اللہ، تو اس نے استثناء کر لیا اور اب وہ حانث نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۵۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہلِ علم وغیرہم کا عمل ہے کہ جب استثناء قسم کے ساتھ متصل ہو تو پھر قسم نہیں ٹوٹے گی اور یہی سفیان ثوری، الاوزاعی، امام مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

(میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن امام ترمذی نے حسبِ عادت ان کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

امام مالک اور دیگر فقہاء کے اختلاف کا منشاء

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھا کر اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے لفظِ اللہ کے ساتھ قسم نہیں کھائی تو پھر ان شاء اللہ کہا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ان شاء اللہ، تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اس صورت میں اگر وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس کو طلاق نہیں واقع ہوگی کیونکہ اس نے ان شاء اللہ کہا ہے، لیکن امام مالک کے نزدیک

یہاں پر ان شاء اللہ کہنا معتبر نہیں ہے، کیونکہ ان شاء اللہ کہنا اسی صورت میں معتبر ہوگا جب وہ لفظ اللہ کی قسم کھا کر کہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ٦ ص، ملخصا وملتقطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

١١۔ بَابُ: اَلْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ وَبَعْدَهُ — قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد کفارہ قسم دینے کے جواز کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد کفارۂ قسم ادا کرنا جائز ہے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارۂ قسم دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس ربیعہ، مالک، ثوری، اللیث اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ قسم دینا جائز ہے اور یہی امام احمد، اسحاق اور ابوثور کا قول ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: غلام کو آزاد کرنا اور مسکینوں کو کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا قسم توڑنے سے پہلے جائز ہے اور قسم توڑنے سے پہلے روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم دینا کافی نہیں ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ٨٠٤ھ نے کہا ہے: امام ابوحنیفہ سے پہلے یہ قول متقدمین میں سے کسی کا نہیں ہے، اور امام ابوجعفر طحاوی نے امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (المائدہ: ٨٩) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب تم قسم کھاؤ اور قسم کو توڑ دو تو پھر اپنی قسموں کا یہ کفارہ دو جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ اس قول کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ اشعب مالکی کا بھی یہی قول ہے اور داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

اور صاحب التوضیح امام شافعی کے مذہب کے متعلق کیا کہیں گے، کیونکہ کفارہ تو اس کی تمام قسموں کا نام ہے۔ پس قسم توڑنے کے بعد لفظ کو کفارہ کی تمام قسموں پر محمول کیا جائے گا۔ اور امام شافعی قسم توڑنے سے پہلے لفظ کو کفارہ کی بعض اقسام کے ساتھ خاص کر رہے ہیں تو انہوں نے تین وجوہ سے ظاہر کو ترک کر دیا: (١) انہوں نے اس کو کفارہ کہا حالانکہ یہاں پر وہ چیز نہیں ہے جو کسی گناہ کو مٹائے (٢) دوسرا انہوں نے کہا کہ کفارہ کی ان بعض قسموں کو قسم توڑنے پر مقدم کرنا جائز ہے حالانکہ قسم توڑنے پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے تو انہوں نے واجب سے عدول کر کے جواز کا قول کیا (٣) اور تیسرا یہ کہ انہوں نے کفارہ کو اس کی بعض اقسام کے ساتھ خاص کیا یعنی غلام آزاد کرنے کے ساتھ اور مسکینوں کو کپڑے پہنانے اور ان کو کھانا کھلانے کے ساتھ خاص کیا اور یہ کہا کہ قسم توڑنے

سے پہلے کفارہ قسم میں روزے رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ ترجیح بلا مرجح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو کفارہ قسم کی ان تینوں قسموں کو بیان فرمایا ہے۔ اور کفارہ تو گناہ کے مٹانے کو کہتے ہیں تو جب اس نے گناہ کیا ہی نہیں تو پھر گناہ مٹانا کیسے متصور ہوگا۔ لہٰذا قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کی ان بعض قسموں کو ادا کرنا کس طرح جائز ہوگا جیسا کہ امام شافعی نے کہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۱ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ وَمَعْرُوفٌ قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامٌ قَالَ وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ قَالَ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى ادْنُ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا قَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ عَنْ ذَلِكَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ أَيُّوبُ أَحْسِبُهُ قَالَ وَهُوَ غَضْبَانُ قَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَقِيلَ أَيْنَ هَؤُلَاءِ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَتَيْنَا فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى قَالَ فَانْدَفَعْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْنَا فَحَمَلَنَا نَسِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ وَاللهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا ارْجِعُوا بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلْنُذَكِّرْهُ يَمِينَهُ فَرَجَعْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَتَيْنَاكَ نَسْتَحْمِلُكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا فَظَنَنَّا أَوْ فَعَرَفْنَا أَنَّكَ نَسِيتَ يَمِينَكَ قَالَ انْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللهُ إِنِّي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن حجر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از ایوب از القاسم التمیمی از زہدم الجرمی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ہمارے اور جرم کے اس قبیلہ کے درمیان بھائی چارہ اور تعلق تھا اور انہوں نے بیان کیا: پس کھانا لایا گیا اور کھانے میں مرغی کا گوشت لایا گیا اور انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں میں بنو تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا مرد تھا گویا کہ وہ آزاد شدہ غلام تھا، پس وہ کھانے کے قریب نہیں گیا، اس سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی سے کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا کہ میں نے اس مرغی کو کچھ کھاتے ہوئے دیکھا تھا تو مجھے اس سے گھن آئی، سو میں نے قسم کھائی کہ میں کبھی بھی مرغی نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ، میں تمہیں اس کے متعلق حدیث کی خبر دیتا ہوں، (انہوں نے بتایا) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں گئے، میں آپ سے سواری طلب کر رہا تھا اور آپ صدقہ کے اونٹوں میں سے اونٹ تقسیم کر رہے تھے، ایوب نے بتایا: میرا گمان ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اور آپ اس وقت غصہ میں تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس وہ چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ہم چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے، پس کہا گیا: وہ اشعریین کہاں ہیں؟ پس ہم آئے تو آپ نے ہمارے

وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَاصِمٍ الْكُلَيْبِيِّ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا۔

لیے پانچ اونٹوں کو عطا کرنے کا حکم دیا جو سفید کوہان کے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ہم چلے گئے تو میں نے اپنے اصحاب سے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہمیں بلوایا، پھر آپ نے ہم کو سواری پر سوار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قسم کو بھول گئے اور اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی قسم سے غافل قرار دیا تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلو، ہم آپ کو آپ کی قسم یاد دلاتے ہیں، پھر ہم واپس گئے، پس ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے تھے، آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، پس ہم نے یہ گمان کیا یا ہم نے یہ سمجھا کہ آپ اپنی قسم کو بھول گئے، آپ نے فرمایا: تم لوگ جاؤ، تم کو اللہ تعالیٰ نے سوار کیا ہے اور بے شک میں اللہ کی قسم ان شاء اللہ کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا، پھر میں اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

اس حدیث میں اسماعیل بن ابراہیم کی حماد بن زید نے از ایوب از ابی قلابہ متابعت کی ہے اور از قاسم بن عاصم الکلیبی متابعت کی ہے ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ اور قاسم تمیمی از زہدم یہی حدیث۔

اور ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از القاسم از زہدم یہی حدیث۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۷۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

یہ حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفارہ قسم، قسم توڑنے کے بعد دیا جائے گا، پس اب اس حدیث کے عنوان اور حدیث کے درمیان مطابقت صرف اس جملہ میں ہوگی ''وبعدہٗ'' یعنی باب کے عنوان میں تو کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد قسم توڑنے کے کفارہ کا جواز اور حدیث میں صرف قسم توڑنے کے بعد کفارہ قسم دینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ بالکل ذکر نہیں ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی قسم کا کفارہ دینا جائز ہے۔ پس گویا کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان کے ثبوت میں اس حدیث پر اکتفاء کیا ہے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی اور وہ حدیث یہ ہے:

صحیح البخاری: ۶۷۱۹ میں مذکور ہے: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور کہا: ''مگر میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے یا میں اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا''۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ کفارہ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ذکر ہے ''مگر میں قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے'' اور کفارہ قسم کو قسم توڑنے سے موخر کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس حدیث کے دوسرے جملہ میں یہ ذکر ہے ''یا میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا'' اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن حُجر کا ذکر ہے، یہ السعدی ہیں جو کہ دو سو چوالیس (۲۴۴ھ) میں فوت ہوئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم، وہ ابن عُلَیّة ہیں (عُلَیّہ ان کی ماں کا نام ہے)، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم بن محمد، یہ التیمی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، وہ حضرت عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہمارے اور جَرم کے اس قبیلہ کے درمیان ''اخاء و معروف'' تھا'' یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے تھے اور حسنِ سلوک کرتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فقُدِم طعام'' الکشمیھنی کی روایت میں اسی طرح ہے، اور دوسروں کی روایت میں ہے: یعنی کھانا لایا گیا اور سامنے رکھا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وفی القوم رجل بنی تیم اللہ احمر'' یعنی لوگوں میں بنی تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا مرد تھا۔ ''تیم اللہ'' قبیلہ کا نام ہے اور اس قبیلہ کو ''تیم اللات'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ بنو قضاعہ سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''احمر'' یعنی وہ سرخ رنگ کا تھا، یعنی خالص عرب سے نہیں تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کانه مولی'' یعنی گویا وہ آزاد شدہ غلام تھا اور باب فرض الخمس میں گزرا ہے کہ وہ الموالی میں سے تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یدن'' یعنی وہ شخص طعام کے قریب نہیں گیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''قذرته'' یعنی مجھے اس مرغی سے گھن آئی کیونکہ وہ گندگی کھا رہی تھی۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''اخبرك عن ذالك'' یعنی میں تمہیں اس کے متعلق خبر دوں گا یا حدیث سناؤں گا جس میں قسم کھولنے کا طریقہ ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''استحمله'' میں آپ سے اس چیز کو طلب کرتا تھا جس پر میں سوار ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''واللہ لا احملکم'' یعنی اللہ کی قسم! میں تم کو کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا۔
علامہ قرطبی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو کسی چیز سے منع کیا جائے تو قسم کھائی جائے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''بنهب'' اس سے مراد ہے مال غنیمت۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''بخمس ذود'' یعنی پانچ اونٹ، اور کتاب المغازی میں گزرا ہے کہ چھ اونٹ تھے، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ قلیل کا ذکر کثیر کی نفی نہیں کرتا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''غر الذری'' یعنی ان اونٹوں کے سفید کوہان تھے۔ اور ''غُر'' کا لفظ غین کے پیش اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اغر کی جمع ہے یعنی ابیض جس کا معنی ہے: سفید۔ اور ''الذُریٰ'' (ذال کے پیش اور راء پر زبر)، یہ ''ذروة'' کی جمع ہے اور ذروۃ کسی چیز کی بلندی کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد کوہان ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فاندفعنا'' یعنی ہم جلدی جلدی گئے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''واللہ لئن تغفلنا'' یعنی اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قسم میں غافل پایا اور آپ کو آپ کی قسم یاد نہیں دلائی تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور عبدالوہاب اور عبدالسلام کی روایت میں ہے: جب ہم نے ان اونٹوں پر قبضہ کر لیا تو ہم نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غافل پایا، ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور حماد کی روایت میں ہے: پس جب ہم گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا اور اس میں برکت نہ ہو، اور اس میں بھولنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور غیلان کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ ہمیں برکت نہ دے، اور یزید کی روایت اس اضافہ سے خالی ہے: پس چاہیے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قسم یاد دلائیں کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ میں تمہیں سوار نہیں کروں گا اور پھر آپ نے ہمیں سوار کر دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''لا احلف علی یمین'' یعنی میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاؤں گا اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کفارہ قسم ٹوٹنے کے بعد دیا جاتا ہے اور اس حدیث سے احناف کی تائید ہوتی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۰۔۳۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ بْنِ فَارِسٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر بن

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ تَابَعَهُ أَشْهَلُ بْنُ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ وَتَابَعَهُ يُونُسُ وَسِمَاكُ بْنُ عَطِيَّةَ وَسِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ وَحُمَيْدٌ وَقَتَادَةُ وَمَنْصُورٌ وَهِشَامٌ وَالرَّبِيعُ۔

فارس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی از الحسن از عبدالرحمن بن سمرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امارت کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو امارت بغیر سوال کے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی اور اگر تمہارے سوال کی وجہ سے تمہیں امارت دی گئی تو تمہیں اس کے سپرد کر دیا جائے گا، اور جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانو تو اس کام کو کرو جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دو۔
اس حدیث میں عثمان بن عمر نے اشہل کی متابعت کی ہے از ابن عون۔
اور ان کی متابعت یونس نے اور سماک بن عطیہ نے اور سماک بن حرب نے اور حُمید نے اور قتادہ نے اور منصور نے اور ہشام نے اور الربیع نے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲۲، ۶۱۴۶، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵، سنن دارمی: ۲۳۴۶)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، یہ حدیث بھی باب کے عنوان کے اس جزو کے مطابق ہے جس میں مذکور ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد دیا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس بن ذویب الذہلی النیشاپوری ہیں جو مشہور حافظ ہیں۔ اور صاحب ''کتاب الرجال الصحیحین'' نے کہا ہے کہ امام بخاری نے تقریباً تیس جگہ محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے اور کہیں پر بھی تصریح سے یہ نہیں کہا کہ وہ محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں بلکہ کبھی کہتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی اور اس پر اضافہ نہیں کرتے اور کبھی کہتے ہیں ہمیں محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی اور ان کو دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ہے محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس بن ذویب الذہلی النیشاپوری جو کہ مشہور حافظ ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں: ہمیں محمد بن خالد نے حدیث بیان کی، تو ان کو ان کے باپ کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ امام بخاری جب

نیشاپور میں گئے تو ان کا محمد بن یحییٰ ذہلی سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ قرآن مجید کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں ہیں، محمد بن یحییٰ ذہلی قرآن مجید کے الفاظ کے قدیم ہونے کے قائل تھے اور امام بخاری قرآن مجید کے الفاظ کے مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ اور امام بخاری نے محمد بن یحییٰ سے احادیث کا سماع کیا تھا اور انہوں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کی روایات کو ترک نہیں کیا اور ان کے نام کی تصریح نہیں کی۔ اور محمد بن یحییٰ امام بخاری کے تھوڑے عرصہ بعد دو سو پچھتر (۲۷۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے جب کہ امام بخاری دو سو چھپن (۲۵۶ھ) میں فوت ہوئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عثمان بن عمر بن فارس البصری کا ذکر ہے، ان کا ذکر باب الغسل میں ہو چکا ہے، یہ عبداللہ بن عون سے روایت کرتے ہیں از حسن بصری از عبدالرحمٰن بن سمرہ القرشی، یہ بصرہ میں سکونت رکھتے تھے اور کوفہ کے اندر پچاس (۵۰) ہجری میں فوت ہوئے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الامارة'' اس سے مراد ہے منصب حکومت۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان اوتیتها من غیر مسالة اعنت علیها، وان اعطیتها عن مسالة وکلت الیها'' یعنی اگر بغیر تمہارے سوال کے تمہیں حکومت کا کوئی منصب دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی، اور اگر تمہارے سوال کی وجہ سے تم کو حکومت کا منصب ملا تو تمہیں اس کی طرف سونپ دیا جائے گا اور تم اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو جاؤ گے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم ادا کرنے کے متعلق فقہاء کے مذاہب اور دلائل

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کو ادا کرنا جائز ہے اور اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک کفارہ قسم میں غلام آزاد کرنے کو اور مسکینوں کو کپڑا پہنانے اور انہیں کھانا کھلانے کو کفارہ قسم پر مقدم کرنا جائز ہے اور روزہ رکھنے کو کفارہ قسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کو ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے: امام ابوحنیفہ سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کہا۔

اور امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کے قول پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (المائدہ:۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب تم قسم کھاؤ اور قسم کو توڑ دو تو اس کا کفارہ ادا کرو۔

کفارہ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنے کے دلائل

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ بتایا کہ احادیث کے الفاظ میں اختلاف نہیں ہے کہ قسم توڑنے پر

کفارہ قسم کو ادا کرنا واجب ہو یا اس کے برعکس ہو۔ قسم کھانے والے کو دو حکموں کا مکلف کیا گیا ہے، اس کو قسم توڑنے کا حکم دیا اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ پس جب اس نے یہ دونوں کام کر لیے تو اس نے اس حکم کی اطاعت کر لی اور جس کا حکم دیا گیا تھا اس کو کر لیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرہ:۱۹۶) اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

پس حج اور عمرہ میں سے جس کو بھی دوسرے پر مقدم کیا تو اس نے اس حکم کو ادا کر لیا۔ اسی طرح جس شخص نے قسم توڑ کر اچھے کام کو کر لیا اور قسم کا کفارہ دے دیا تو اس نے بھی اس حکم پر عمل کر لیا۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ چودہ صحابہ کی رائے یہ ہے کہ کفارہ قسم کو قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے، وہ چودہ صحابہ یہ ہیں:
(۱) حضرت ابن مسعود (۲) حضرت عائشہ (۳) حضرت ابن عباس (۴) حضرت ابن عمر (۵) حضرت ابوالدرداء (۶) حضرت ابوایوب (۷) حضرت ابوموسیٰ (۸) حضرت ابومسعود (۹) حضرت حذیفہ (۱۰) حضرت سلمان (۱۱) حضرت مسلمہ بن مخلد (۱۲) حضرت ابن الزبیر (۱۳) حضرت معقل (۱۴) اور ایک اور صحابی جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ رضی اللہ عنہم

اور ان کے بعد فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، علقمہ، نخعی، حکم بن عتیبہ اور مکحول رحمہم اللہ۔

پس یہ شہر کے عظیم علماء ہیں جو کفارہ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنے کے جواز کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ کے سوا ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے جو امام طحاوی نے یہ دلیل پیش کی ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (المائدہ:۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

تو ہمارے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور پھر تم اس قسم کو توڑنے کا ارادہ کرو۔

امام شافعی کے قول کا رد از علامہ ابن بطال

رہا امام شافعی کا یہ قول کہ روزوں کو کفارہ توڑنے پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، سو اس کا رد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس کام کو کرے جو بہتر ہے''۔ اور آپ نے کفارہ کی جنس میں سے کسی ایک قسم کو خاص نہیں کیا گویا ہر قسم کو مقدم کرنا جائز ہے۔ پس اگر امام شافعی یہ کہیں کہ روزہ بدن کے حقوق میں سے ہے اور روزہ کو اپنے وقت سے پہلے مقدم کرنا جائز نہیں ہے جیسے نماز کو، اور غلام آزاد کرنا، اور مسکین کو کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا یہ اموال کے حقوق میں سے ہے، پس یہ زکوٰۃ کی مثل ہے جیسے زکوٰۃ کو مقدم کرنا جائز ہے تو ان کو بھی مقدم کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کی اس دلیل کا جواب یہ ہے: ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ حق جو مال کے ساتھ متعلق ہو اس کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ کفارہ قتل اور شکار کی جزاء کو ان کے وجوب سے پہلے مقدم کرنا جائز نہیں ہے، اور غلام کو آزاد کرنا اور کھانا کھلانا اور کپڑے پہنانا کفارہ قسم میں اس کے وجوب سے پہلے ادا کرنا جائز ہے تو اسی طرح روزوں کو بھی مقدم کرنا جائز ہونا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۹۔۱۶۰، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۷۲۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "امارت (منصب حکومت) کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو امارت بغیر سوال کے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی اور اگر تم کو امارت سوال سے دی گئی تو تمہیں اس کی طرف سونپ دیا جائے گا۔۔۔۔الحدیث"۔

امارت کے سوال کی ممانعت منصب حکومت اور ولایت کے ساتھ مخصوص ہے یا عام ہے

سوال: کیا اس ممانعت کے ساتھ تمام ولایات لاحق ہیں مثلاً قضاء، اموال کی حفاظت، نماز کی امامت اور ان کے مشابہ دیگر امور، یا یہ ممانعت امارت کے ساتھ مخصوص ہے؟

الجواب: حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے بادشاہ سے کہا:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف: ۵۵) مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے محکمۂ مال کا وزیر بنادیں۔

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے اپنی قوم کا امام بنادیں، آپ نے فرمایا: تم ان کے امام ہو اور تم ان میں سے کمزور لوگوں کی پیروی کرنا اور مؤذن بنانا اور ایسا مؤذن بنانا جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۳۱، سنن نسائی: ۶۷۱، سنن ابن ماجہ: ۹۸۷)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں تھا اور دو مرد تھے جو میرے چچازاد تھے تو ان دو مردوں میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں بعض ان مناصب پر حاکم بنادیجئے جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکم بنایا ہے، دوسرے نے بھی اس کی مثل کہا تو آپ نے فرمایا: بے شک ہم اللہ کی قسم اس عمل پر کسی کو والی نہیں بنائیں گے جس نے اس کا سوال کیا ہو اور نہ اس شخص کو والی بنائیں گے جس نے اس منصب کا سوال کیا ہو اور جس نے اس منصب کی حرص کی ہو۔

(صحیح البخاری: ۷۱۴۹، صحیح مسلم: ۱۷۳۳)

اور اس باب میں نصوص متعارض ہیں یا متعارض کے مشابہ ہیں، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان امارت اور منصب ولایت کا کبھی بھی سوال نہ کرے، کیونکہ وہ خطرہ میں ہے، کیونکہ حاکم کبھی اپنے لیے عزت کو دیکھتا ہے اور دوسروں پر غلبہ کو دیکھتا ہے اور اس سے ظلم اور زیادتی صادر ہوتی ہے، لیکن جو اس کے علاوہ ہو۔ پس اگر وہ کسی مصلحت کی وجہ سے منصب کا سوال کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً یہ کہ اس منصب کے اوپر کوئی ایسا شخص فائز ہو رہا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو یا اس منصب کے احکام سے جاہل ہو یا وہ خائن ہو یا اور کسی وجہ سے اس کے لائق نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس منصب کا سوال کرے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اسی پر محمول ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ اموال ضائع ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا: "مجھے اس ملک کے

خزانوں پر مقرر کردیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں"۔

اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہی ضابطہ ہے جو امارت کو بھی شامل ہے اور امارت سے ممانعت کے سوال کو بھی شامل ہے۔

امارت سے ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ کسی مصلحت پر مشتمل نہ ہو، پس اگر امارت کا سوال کسی مصلحت پر مشتمل ہو مثلاً وہ یہ دیکھے کہ امیر امانت کو ضائع کر رہا ہے اور رعیت پر ظلم کر رہا ہے تو وہ سوال کرے کہ اس کے بدلہ میں اسے امیر بنادیا جائے تاکہ وہ اس کے مظالم کا ازالہ کرے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے تو ایسے سوال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جائے گا کہ جس حدیث میں امارت کی طلب سے ممانعت ہے وہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ طلب کسی فساد کو زائل کرنے کی وجہ سے نہ ہو، لیکن جب کسی فساد کو زائل کرنے کی وجہ سے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

منصب قضاء کے متعلق دیگر احادیث

امارت کی طلب کے جواز کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کی قضاء کو طلب کیا حتیٰ کہ اس منصب کو پالیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔ اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب رہا تو اس کے لیے دوزخ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۵)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قضاء کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک جنت میں ہے اور دو، دوزخ میں ہیں، رہا وہ جو جنت میں ہے پس یہ وہ مرد ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور وہ مرد جس نے حق کو پہچانا پھر حکم میں ظلم کیا تو وہ دوزخ میں ہے، اور وہ مرد جس نے لوگوں کے لیے جہالت سے فیصلہ کیا سو وہ دوزخ میں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۳، سنن ترمذی: ۱۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۵)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم حکم دے، پس اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب حاکم حکم کرے، پس اجتہاد کرے اور اجتہاد میں خطاء ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۷۴، صحیح البخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶، سنن ترمذی: ۱۳۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۴، سنن نسائی: ۵۳۹۶)

المہلب المالکی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: "جس کو بغیر اس کے سوال کے منصب دیا جائے تو اس کی اعانت کی جاتی ہے" اور اعانت کی تفسیر اس حدیث سے واضح ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے منصب قضاء کو طلب کیا اور لوگوں سے سفارش کرا کر اس منصب کی طلب میں مدد حاصل کی تو اسے اس کے نفس کی طرف سونپ دیا جائے گا اور جس کو زبردستی منصب قضاء دیا گیا تو ایک فرشتہ نازل کیا جائے گا جو اس کو سیدھی راہ پر قائم رکھے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۸)

منصب کے طلب کی ممانعت اور منصب کی طلب کے جواز کی نصوص میں تطبیق

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: جس کو جبراً منصب قضاء دیا جائے، اس کا معنی یہ ہے کہ اسے منصب کی طرف دعوت دی جائے اور وہ اپنے آپ کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا خوف خدا کے غلبہ کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ کہیں اس سے کوئی غلط کام نہ ہو جائے تو

اس کی مدد کی جاتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ اکثر اور اغلب پر محمول ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں''۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص:۳۵)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O

قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوا کہ منصب کی طلب کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ منصب کی طلب کرنا صرف اس شخص کے لیے ممنوع ہوگا جو اپنی ذاتی وجاہت اور اس منصب سے ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے منصب کو طلب کرے، لیکن اگر کوئی شخص منصب کو قومی خدمت کے لیے اور مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے لیے طلب کرے تو پھر منصب کو طلب کرنا جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۔۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الایمان والنذور اور کفارہ اور اس کے ملحقات میں ایک سو ستائیس (۱۲۷) احادیثِ مرفوعہ ہیں، اور ان میں چھبیس (۲۶) تعلیقات ہیں اور بقیہ احادیث موصولہ ہیں اور ان میں ایک سو پندرہ (۱۱۵) احادیث مکررہ ہیں، اور خالص احادیث کی تعداد بارہ (۱۲) ہے۔

''کتاب الایمان والنذور'' اور ''کتاب الکفارات'' کی تکمیل

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے رسولِ مکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ کے توسل اور فیضان سے آج ''کتاب الایمان والنذور وکفارات الایمان'' کی تکمیل ہوگئی۔

میں گوناگوں بیماریوں اور تکالیف میں مبتلاء ہوں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان نے ان ابواب کی تکمیل کرادی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان ابواب میں جو شرح لکھی گئی ہے اس کو مقبولِ عام بنائے اور اس تحریر سے موافقین کو دینِ متین پر استقامت عطا فرمائے اور مخالفین کو ہدایت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس شرح کو تادیر قائم، باقی اور فیض آفرین رکھے۔ اور مجھے صحت اور توانائی کے ساتھ توفیق عطا فرمائے کہ میں صحیح البخاری کے بقیہ ابواب کی شرح کو بھی مکمل کرسکوں۔ اس کے بعد اب ان شاء اللہ العزیز کتاب الفرائض میں امام بخاری نے جو احادیث درج کی ہیں ان کا ترجمہ اور ان کی شرح کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اسے لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور قارئین کرام کو اس سے استفادہ کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۵۔ کِتَابُ الْفَرَائِضِ

وراثت کے احکام کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب فرائض کے احکام کے بیان میں ہے، فرائض کا لفظ ''فریضۃ'' کی جمع ہے، اس کا لغوی معنی ہے: جو احکام مکلف کے اوپر فرض کیے جاتے ہیں، ان ہی میں سے نمازوں کے فرائض ہیں، زکوۃ کے فرائض ہیں، نیز میراث کے احکام کو بھی فرائض کہا جاتا ہے اور فروض بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ بھی وراثت والوں کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان کا بیان کیا گیا ہے اور یہ احکام قطعی ہیں، ان پر اضافہ جائز نہیں ہے اور نہ ان سے کوئی کمی کرنا جائز ہے۔ یہ لفظ اصل میں فرض سے ماخوذ ہے اور فرض کا معنی ہے: القطع، التقدیر اور البیان۔ کہا جاتا ہے ''فرضت لفلان کذا'' یعنی میں نے اس کے لیے اتنا مال قطع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (النور:۱)

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ○

یعنی ہم نے اس سورت میں احکام فرض کیے ہیں اور ان کا بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (التحریم:۲)

(اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ○

یعنی ہم نے تمہاری قسموں کا کفارہ بیان فرما دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے، سو اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے، اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے، اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے

لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ ۗ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللهِ ۗ وَاللهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ (النساء:۱۱۔۱۲)

(اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے، (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے، (یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بے حد حکمت والا ہےO اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے، ان کی وصیت پوری کرنے اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حلم والا ہےO

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں آیات کریمہ اور وہ آیت جو سورت کے اختتام میں ہے، یہ سورۃ النساء ہے۔ ان آیات میں فرائض یعنی وراثت کے احکام کا علم ہے۔ اور اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ اس آیت کی تفسیر کے مثل ہیں۔

جن سے عہد کیا گیا ہو ان کے وارث ہونے کا بیان اور جو وارث کبھی ساقط نہیں ہوتے ان کا بیان اور جن کو کبھی وراثت نہیں دی جاتی ان کا بیان

زمانہ جاہلیت میں وراثت مردوں کے لیے ہوتی تھی اور طاقتوروں کے لیے ہوتی تھی، یعنی وہ لوگ مردوں کو وارث کرتے تھے عورتوں کو وارث نہیں کرتے تھے۔ اور ابتداء اسلام میں بھی حلف برداری کی وجہ سے حلفاء کو وارث بنایا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۳۳)

اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں جو ترکہ اولاد اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو، اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۝

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے ان کو تم ان کا حصہ دے دو''۔ یعنی ان کو میراث میں سے حصہ دو۔ پھر ہجرت کے بعد بھی یہ مشروع رہا، پھر یہ سب منسوخ ہو گیا اور وراثت صرف دو سببوں سے باقی رہی: نسب سے اور سبب سے، پس سبب سے مراد نکاح ہے اور الولاء ہے اور نسب سے مراد قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ اور علم فرائض میں ان سے بحث کی گئی ہے۔

اور وہ لوگ جو وراثت سے اصلاً ساقط نہیں ہوتے ان کی تعداد چھ ہے: ماں، باپ، بیٹے، بیٹیاں، شوہر اور بیوی۔

اور جو لوگ اصلاً وارث نہیں ہوتے وہ بھی چھ ہیں:

(۱) غلام (۲) مرتد (۳) مکاتب (۴) ام الولد (۵) عمداً قتل کرنے والا (۶) دو مختلف ملّتوں کے حامل۔

اور بعض علماء نے ان میں چار مزید کا اضافہ کیا ہے:

(۱) منہ بولا بیٹا (۲) وارث کا مجہول ہونا (۳) مرنے والے کی تاریخ کا مجہول ہونا (۴) ارتداد

اور عنقریب ان آیات کی تفسیر آئے گی اور ان آیات کے نزول کے اسباب کا ان ابواب میں ذکر آئے گا جن ابواب کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ اور اب ہم ان آیات کے بعض الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔

باب میں مذکور آیات کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس سے وہ معمول منسوخ ہو گیا جو زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مذکر کے لیے مونث سے دگنا حصہ رکھا، کیونکہ مرد کو اخراجات پورا کرنے کے لیے روزی کمانے کی مشقت اٹھانی ہوتی ہے اور خرید و فروخت اور تجارت کی مشقت برداشت کرنی ہوتی ہے اور محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ''فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ '' (سو اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے)، یعنی اگر ترکہ میں جو وارث ہیں وہ دو یا دو سے زیادہ عورتیں ہوں۔ ایک قول ہے کہ لفظ ''فوق'' اس آیت کی طرح صلہ ہے:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ (الانفال: ۱۲) سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو۔

اور دوسرا قول ہے کہ یہ تسلیم نہیں ہے نہ اس آیت میں اور نہ وہاں پر، اور قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو زائد ہو اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ '' (اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے) یعنی اگر وراثت میں متروکہ ایک بیٹی ہو۔ اور ''واحدۃ'' پر زبر اس لیے ہے کہ یہ ''کانت'' کی خبر ہے، اور اس پر پیش بھی پڑھا

گیا ہے یعنی ''وان وقعت واحدۃ'' پس اس صورت میں اس کی خبر نہیں ہوگی کیونکہ اب ''کانت'' تامہ ہوگا۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ'' (اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے)۔ یعنی میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور میت کا لفظ اگرچہ مذکور نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس مال میں سے جس کو میت نے ترک کیا ہے اگر میت کی اولاد ہو تو۔ اس آیت میں ''وَلَدٌ'' کا لفظ فرمایا ہے اور یہ بیٹے اور پوتے دونوں کو شامل ہے۔ اور اب یہاں پر صاحب فرض ہے، پس اگر میت کی اولاد نہ ہو اور حال یہ ہو کہ اس کے ماں باپ اس کے وارث ہو رہے ہوں تو اس کی ماں کو ترکہ میں سے تیسرا حصہ ملے گا اور اس سے باقی کا حکم معلوم ہو گیا کہ باقی دو تہائی اس کے باپ کو ملیں گے۔
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ'' (اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے، (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے)۔
یعنی اگر میت کے دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں، یا زیادہ ہوں، تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، یہ عام فقہاء کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ تین بھائی بہنوں سے کم ہوں تو ماں کے حصہ کو تہائی حصہ سے چھٹے حصہ کی طرف کے لیے حاجب نہیں بنتے اور وہ کہتے تھے کہ ماں باپ کے لیے اور دو بھائی بہنوں کے لیے اور ماں کے لیے تیسرا حصہ اور جو باقی ہے وہ باپ کے لیے ہے، انہوں نے ظاہر لفظ کی پیروی کی۔
اس کے بعد فرمایا ''میت کی وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد''۔
تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن قرض کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا قرض ہے اور دوسرا بندوں کا قرض ہے، پس اللہ تعالیٰ کا قرض اگر اس نے اس کی وصیت نہیں کی ہے تو ہمارے نزدیک وہ ساقط ہو جائے گا خواہ وہ نماز ہو یا زکوٰۃ ہو اور میت کے اوپر گناہ باقی رہے گا اور قیامت کے دن اس سے باقی رہی ہوئی نماز یا زکوٰۃ کا مطالبہ ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک اس کو ادا کرنا بھی لازم ہے جیسا کہ بندوں کے قرض کو ادا کرنا بھی لازم ہے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور بعض قرض، بعض سے راجح ہیں۔ پس جو صحت کا قرض ہے یا مرض کے معائنہ کے وقت جو قرض ہے یا گواہوں سے جو قرض ثابت ہے ہمارے نزدیک وہ میت کے اقرار کیے ہوئے قرض پر مقدم ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: صحت کا قرض اور جس کا میت نے اپنے مرض میں اقرار کیا ہے دونوں برابر ہیں، اور جس قرض کا اس نے اقرار کیا ہے وہ وصیت پر مقدم ہے اور ہمارے نزدیک میت کا اپنے وارث کے لیے کسی دَین یا عین کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ یعنی وہ وارث کے لیے یہ اقرار کرے کہ اس نے اس کو اتنے دراہم یا دینار دینے ہیں یا وارث کو فلاں چیز دینی ہے تو اس کا یہ اقرار صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اس سے اختلاف کیا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ اگر باقی وارث اس اقرار کو جائز قرار دیں تو پھر صحیح ہے۔ اور جب دو قرض جمع ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کا قرض اور بندوں کا قرض تو ہمارے نزدیک بندوں کا قرض ادا کرنا اولیٰ ہے اور امام شافعی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا اولیٰ ہے اور امام شافعی سے یہ روایت بھی ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ رہی وصیت تو اگر وہ تہائی ترکہ کی مقدار میں ہو تو وہ وراثت پر قرض ادا کرنے کے بعد مقدم ہوگی اور اس میں وارثوں کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا '' (تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے)۔

یعنی تم از خود نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادا میں سے اور تمہارے بیٹوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نفع دینے والا ہے، کیا وہ جس کے لیے ان میں سے کسی نے وصیت کی ہے، یا وہ جس کے لیے ان میں سے کسی نے وصیت نہیں کی؟ یعنی جس نے اپنے بعض مال کی وصیت کی پھر تم کو وصیت جاری کرنے کے سبب سے آخرت کے ثواب کے لیے پیش کیا تو وہ تمہارے لیے زیادہ نفع پہنچانے کا سبب ہے۔ مجاہد نے کہا: دنیا میں، اور حسن بصری نے کہا: تم نہیں جانتے ان میں سے دین اور دنیا میں کون زیادہ سعادت مند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا '' ((یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بے حد حکمت والا ہے)۔

''فَرِیْضَةً'' پر زبر، بر بنائے مصدر ہے یعنی ہم نے جو میراث کی تفصیل ذکر کی ہے اور یہ کہ بعض وارثوں کا حصہ دوسرے بعض سے زیادہ ہے، سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرض کیا ہے، فرض کرنا۔ اور اس کا فیصلہ کیا ہے اور وہ علیم اور حکیم ہے، وہ ہر چیز کو اس کے محل میں رکھتا ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ '' (اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے، ان کی وصیت پوری کرنے اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد)۔ یعنی اور تمہارے لیے اے مردو! جب تمہاری بیویاں فوت ہو جائیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تمہیں ان کے ترکہ کا نصف ملے گا اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہیں ان کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا، اور ان بیویوں کے لیے خواہ وہ ایک ہوں یا چار ہوں تو اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو ان کو چوتھائی حصہ ملے گا، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کو آٹھواں حصہ ملے گا اور جتنی بیویاں ہیں وہ سب اس ترکہ میں شریک ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ '' (اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد)۔ ''كَلٰلَة'' پر اس لیے زبر ہے کہ یہ ''كَانَ'' کی خبر ہے اور کلالۃ کا لفظ اکلیل سے ماخوذ ہے اور یہ وہ دھاگا ہے جو سر کو اس کے تمام جوانب سے گھیر لیتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ میت کا اصول ہو اور نہ فروع ہو، اور یہ وہ شخص ہے کہ جو نہ میت کا والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو، اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور یہی الشعبی، النخعی، الحسن بصری، قتادہ، جابر بن زید اور حکم کا قول ہے، اور اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی سات فقہاء کا قول ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا قول ہے اور جمہور متقدمین اور

متاخرین بلکہ سب کا یہی قول ہے اور اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور طاؤس نے کہا ہے: بیٹے کے ماسوا ''کلالۃ'' ہے، اور عطیہ نے کہا: ''کلالۃ'' ماں شریک بھائی ہیں۔ اور عبید بن عمیر نے کہا ''کلالۃ'' ماں شریک بھائی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بھائی اور بہن ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ باپ کے سوا ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ''کلالۃ'' مورث کی صفت ہے یعنی جس شخص کا ترکہ تقسیم کرنا ہو وہ ''کلالۃ'' ہو اور اس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اس کی اولاد ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ'' (اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد)۔

یعنی اس کا ایک اخیافی بھائی ہو یا اخیافی بہن ہو تو ان کو ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا اور اس میں مذکر اور مونث برابر کے شریک ہوں گے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصیت میں ضرر پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۶۔۳۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اصحاب الفروض اور عصبات کا بیان

اصحاب الفروض ان ورثاء کو کہتے ہیں جن کے حصے اللہ کی کتاب میں مقرر ہیں جیسے بیٹی ایک ہو تو نصف لیتی ہے اور دو بیٹیاں ہوں تو وہ دو ثلث لیتی ہیں یعنی دو تہائی۔ اور باپ یا دادا کا چھٹا حصہ مقرر ہے اور ماں شریک بھائی کا یا ماں شریک بہن کا تہائی حصہ مقرر ہے، اور خاوند کا اگر اولاد نہ ہو تو نصف حصہ مقرر ہے اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ مقرر ہے اور بیوی کا اگر اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ مقرر ہے اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ مقرر ہے۔ یہ سب اصحاب الفروض ہیں۔

اور عصبات میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جیسے بیٹا اور چچا وغیرہ۔ عصبات کا حکم یہ ہے کہ ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ عصبات کو دے دیا جاتا ہے، اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو پورے کا پورا ترکہ عصبات کو دے دیا جاتا ہے۔

ان کے بعد ذوی الارحام کا نمبر ہے، ذوی الارحام میت کی ماں کی طرف سے رشتہ دار ہیں، جیسے ماموں اور خالہ وغیرہ۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

میت کے بھائی اور بہن عصبات میں سے ہیں اور اس میں بھائیوں کو بہنوں سے دگنا حصہ ملے گا۔

قرض کا وصیت پر مقدم ہونا

النساء: ۱۱ میں پہلے وصیت کا ذکر ہے اور پھر قرض کی ادائیگی کا ذکر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا بعد میں اس کے ترکہ کے تہائی مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تم یہ آیت اس طرح پڑھتے ہو "وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد" اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کو ادا کیا ہے۔ اور یہ کہ سگے بھائی بہن وارث ہوتے ہیں اور باپ شریک بہن بھائی وارث نہیں ہوتے (یعنی سگے بھائی بہن کے ہوتے ہوئے باپ شریک بھائی بہن وارث نہیں ہوتے)۔ (سنن ترمذی: ۲۰۹۴، المستدرک ج ۴ ص ۳۳۶، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹)

اس حدیث کی سند میں الحارث الاعور ہے اور یہ بہت شدید ضعیف راوی ہے لیکن اس حدیث کے تقاضے پر اجماع منعقد ہے اور جو اس کی مخالفت کرے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: ہمارے نزدیک اجماعی امر یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن بیٹے اور پوتے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، نہ باپ کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور نہ دادا کے ساتھ، اور اس کے سوا وارث ہوتے ہیں، اگر ماں شریک بھائی بہنوں میں سے ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر دو یا اس سے زائد ہوں تو اسے تہائی حصہ ملتا ہے اور وہ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

ورثاء کی تفصیل

جو مردوں میں سے وارث ہوتے ہیں وہ دس ہیں اور جو عورتوں میں سے وارث ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور یہ ذوی الارحام پر مقدم ہیں، پھر ان میں سے عصبات بھی ہیں اور ذوی الفروض بھی ہیں، پس تمام مرد عصبات ہیں سوا شوہر کے اور سوا ماں شریک بھائی اور باپ شریک بھائی کے۔ اور سوا دادا کے جو بیٹے اور پوتے کے ساتھ ہو، اور تمام عورتیں ذوی الفروض ہیں سوا مولاۃ العتاقۃ کے، اور سوا ان بہنوں کے جو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، اور ان کے ساتھ کوئی ذوی الفروض نہ ہو اور وہ بھی نہ ہو جو ان کو عصبہ بنا دے ان کا بھائی یا ان کے چچا کا بیٹا، اور یہ لوگ بعض حال میں وارث ہوتے ہیں اور بعض حال میں محجوب ہو جاتے ہیں یعنی ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے سوا پانچ کے شوہر اور بیوی، باپ اور ماں اور صلبی بیٹا۔

اور چار مردوں میں سے چار عورتوں کے سے وارث ہوتے ہیں اور عورتیں ان کی مطلقاً وارث نہیں ہوتیں:

بھتیجا اپنی پھوپھی کا وارث ہوتا ہے اور پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی، اور چچا بھتیجی کا وارث ہوتا ہے اور بھتیجی چچا کی وارث نہیں ہوتی، اور چچا کا بیٹا پھوپھی کی بیٹی کا وارث ہوتا ہے اور پھوپھی کی بیٹی اس کی وارث نہیں ہوتی۔ اور مولی العتاقۃ آزاد شدہ باندی کا وارث ہوتا ہے اور آزاد شدہ باندی اس کی وارث نہیں ہوتی۔

دو عورتیں دو مردوں کی وارث ہوتی ہیں اور مرد ان کے وارث نہیں ہوتے: دادی پوتے کی وارث ہوتی ہے اور پوتا دادی کا وارث نہیں ہوتا، اور آزاد شدہ باندی آزاد کرنے والے کی وارث ہوتی ہے اور وہ اس باندی کا وارث نہیں ہوتا۔

چار مرد اپنی بہنوں کو عصبہ بناتے ہیں اور ان کے لیے ذوی الفروض سے مانع ہوتے ہیں، اور باقی ترکہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت سے دگنا ملتا ہے، وہ چار مرد یہ ہیں: بیٹے اور ان کے بیٹے خواہ اس سے نیچے ہوں، اور سگے بھائی اور باپ

شریک بھائی، یہ سگی بہنوں اور باپ شریک بہنوں کو عصبات بناتے ہیں اور ان کو ذوی الفروض ہونے سے مانع ہے، ان کے علاوہ جو عصبات ہیں ان میں سے جو مرد ہیں وہ تنہا وراثت کو لے لیتے ہیں اور عورتوں کو وراثت نہیں ملتی، جیسے بھتیجوں کو وراثت ملتی ہے بھتیجیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰، ص ۴۵۷۔۴۵۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۷۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما يَقُولُ مَرِضْتُ فَعَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوءَهُ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمَوَارِيثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، اور وہ دونوں پیدل چل رہے تھے، پس وہ دونوں میرے پاس آئے اور مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پس مجھ پر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، سو میں ہوش میں آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے مال کا کیا کروں؟ میں اپنے مال کا کس طرح فیصلہ کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۱۴۳۷۷، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت سورۃ النساء کی ان دو آیتوں کے ساتھ ظاہر ہے جن کا اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ دو آیتیں اس باب کے عنوان کے قائم مقام ہیں، کیونکہ ان میں میراث کے احکام کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن عیینہ ہیں۔

اور یہ حدیث کتاب الطب میں از عبداللہ بن محمد گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاتیانی" یہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور ایک روایت میں ہے "فاتانی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے

پاس تشریف لائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وَضوئه" (اس میں واؤ پر زبر ہے) اس سے مراد ہے جس پانی سے وضو کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آیت المواریث" اور ایک روایت میں ہے "آیة المیراث" اور یہ سورۃ النساء:۱۱ ہے جس میں مذکور ہے: یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۔ (اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے)۔

حدیث مذکور پر ایک سوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورۃ النساء کی یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی منافات نہیں ہے، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا بعض حصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے موقع پر نازل ہوا ہو اور بعض حصہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری پر نازل ہوا ہو، یا دونوں کے متعلق یہ آیت ایک وقت میں نازل ہوئی ہو۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار کرتے تھے اور اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اس مسئلہ میں آپ نے اجتہاد نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ مطلقاً اجتہاد نہ فرماتے ہوں، یا آپ اس وقت اجتہاد فرماتے تھے جب آپ وحی نازل ہونے سے مایوس ہو جاتے تھے، یا آپ اس وقت اجتہاد فرماتے جب آپ پر مسائل کا حل آسان ہوتا، یا آپ مسائلِ تعبدیہ میں اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔

اس حدیث کے دیگر فوائد میں سے یہ ہے کہ مریض کی عیادت کرنی چاہیے اور مریض کے پاس پیدل چل کر جانا چاہیے، اور صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنی چاہیے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استعمال شدہ پانی پاک ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا پانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر ڈالا، اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کی برکت ظاہر ہوئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور آپ نے اپنے وضو کا پانی ڈالا تو وہ ہوش میں آ گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مسائل مستنبطہ

علامہ مہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا حل نکالے جب تک کہ اس کے لیے نصوص کو حاصل کرنے کا طریقہ موجود ہو، اور اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کی موجودگی میں کسی مسئلہ کا اجتہاد سے حل نکالنا

جائز ہوتا تو وہ آپ سے مشورہ نہ کرتے اور یہ نہ پوچھتے کہ میں اپنے مال میں کس طرح کروں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے اس مسئلہ کا حل بتائیں جب تک کہ آپ کے اوپر قرآن نازل نہ ہوا ہو، اس لیے آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر سورۃ النساء: ۱۱ نازل فرمائی۔

اس حدیث میں اس پر قوی ترین دلیل ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں علماء سے سوال کرنا چاہیے اور جس جگہ اقتداء کرنی واجب ہو وہاں اجتہاد نہیں کرنا چاہیے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے آثار سے حصولِ برکت کا عدم جواز

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل ہوتی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وضو کیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پر پانی ڈالا تو وہ ہوش میں آ گئے، لیکن کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کی طرف بھی برکت کا پہنچانا متعدی ہوتا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ نہیں! پسینہ سے تبرک حاصل کرنا یا کپڑے سے تبرک حاصل کرنا یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا یا اس کے مشابہ دیگر چیزوں سے برکت حاصل کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی دوسرا آپ کے ساتھ اس میں شریک نہیں۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے آپس میں ایک دوسرے کے آثار سے برکت حاصل نہیں کی، پس نہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آثار سے برکت حاصل کی، نہ حضرت عمر، نہ حضرت عثمان اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہم کے آثار سے برکت حاصل کی، اور جب انہوں نے ان عظیم صحابہ سے برکت حاصل نہیں کی باوجود اس کے کہ سبب قائم تھا تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے برکت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ اور اولیاء اللہ کی برکتوں کا ثبوت

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار میں اللہ تعالیٰ نے جو برکتیں رکھی ہیں غیر انبیاء کے آثار میں وہ برکتیں نہیں ہوتیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾ (البقرہ: ۲۵۱)	اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے O

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد، اولاد در اولاد اور اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب سے بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے: ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

نیز حافظ ابن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل آیت کو بھی ذکر کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج: ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں گرا دی جاتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان احادیث کو بھی حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور درج ذیل حدیث بھی ذکر کی ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات آدمی ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی، جن کی وجہ سے تم پر بارش ہوگی اور جن کے سبب سے تم کو رزق دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آ جائے گا۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۴۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (آل عمران: ۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی نداء کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں

کے ساتھ کرو

صحیح البخاری: ۱۳۳۹، صحیح مسلم: ۲۳۷۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو ابھی موت آجائے، اور اللہ تعالیٰ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کردے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے۔۔۔ الحدیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت کو دفن کرنا مستحب ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۰، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ لکھتے ہیں:

حرمین طیبین، انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تاکہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مقصود تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں، قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۷، دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لیے پسند کیا تھا تاکہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو، اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنی چاہیے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے: قیامت اس وقت تک کسی شخص پر قائم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ، اللہ کہہ رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸، سنن ترمذی: ۲۲۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روئے زمین صرف اللہ اللہ کرنے والوں کی برکت سے قائم ہے اور جب زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہیں رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔

نیز متعدد مستند کتب میں مذکور ہے: بعض صحابہ اور صلحاء کی قبروں پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرمالیتا ہے اور اگر بارش نہ ہوتی ہو اور ان کی قبروں کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے نزول کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمادیتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر کی یہ کرامت مشہور ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ	اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، تو

يَبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (الکہف:۸۲) آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔

(سنن ترمذی: ۳۱۵۲، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۸، ۲۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یعنی حضرت خضر نے کہا) ''اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا''۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے باپ کی نیکیوں کی برکت سے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی، کیونکہ ان لڑکوں کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی برکت سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۲۸۸۳، ۱۲۸۸۲، جامع البیان، رقم: ۱۷۵۴۴)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد نے بیان کیا: ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے، اور محمد بن المنکدر نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندہ کی نیکی کی برکت سے اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلے والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۶۳، معالم التنزیل، ج ۳ ص ۱۴۷، النکت والعیون ج ۳ ص ۳۳۶، زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۰، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۹۲، روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۹۔۲۰)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

وہ مردِ صالح ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے، ان کے والد کا نام کاشح تھا، اور ان کی والدہ کا نام دُنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہو، اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ (الاعراف:۱۹۶) (آپ کہیے:) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے O

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۱۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان ٹھوس دلائل اور مستند حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور متقین اور ابرار کو برکتیں عطا فرماتا ہے اور ان کی برکتوں سے بعد کے لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے، اس لیے اولیاء اللہ کی تعظیم اور تکریم کرنی چاہیے اور ان کے متعلق کسی ناگفتنی بات

کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء کرام اور متقین اور ابرار کے دامن سے وابستہ رکھے اور ان کے فیضان کو ہم پر سایہ فگن رکھے۔ شیخ ابن عثیمین چونکہ نجدی افکار اور نظریات کے حامل ہیں اس لیے جہاں ان کو موقع ملتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی تنقیص کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کے فیضان کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

شیخ ابن عثیمین کا وارث کی میراث منقطع کرنے کو جائز قرار دینا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

نیز شیخ ابن عثیمین اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص بہت زیادہ مال کا مالک ہو اور وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد کوئی ایسا کام کرے جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد پر ناراض ہو اور اپنا تمام مال نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے وقف کر دے تو آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے اور اس نے جو مال نیک کاموں کے لیے وقف کیا ہے وہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ وصیت نہیں ہے، یہ وقف ہے۔ ہاں اگر وہ نیک کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کرتا تو صرف تہائی مال میں اس کی وصیت جاری ہوتی۔

میں کہتا ہوں: شیخ ابن عثیمین کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے وارثوں کو وراثت سے عاق اور محروم کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے وارث کی میراث قطع کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں اس کی میراث کو قطع فرما دے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۳)

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کا ممنوع ہونا

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

وصیت کرنے والے پر یہ حرام ہے کہ وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ وصیت کرنے سے منع فرما دیا حتیٰ کہ وہ تہائی تک پہنچے اور آپ نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے۔

اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہو اور وہ اپنی تمام مملوکات کو وقف کر دے تو اس کا یہ وقف نافذ نہیں ہوگا سوائے تہائی مال کے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

وراثت کے احکام کی تعلیم دینا

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ تَعَلَّمُوا قَبْلَ الظَّانِّينَ يَعْنِي الَّذِينَ يَتَكَلَّمُونَ بِالظَّنِّ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: علم کو حاصل کرو اس سے پہلے کہ گمان کرنے والے ہو جاؤ، یعنی جو لوگ اٹکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں تعلیم الفرائض کا بیان ہے۔

اس باب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب کے عنوان کو اس باب میں داخل کرنے کی کوئی صحیح وجہ نہیں ہے۔
اس اعتراض کو رد کر دیا گیا ہے کہ اس عنوان سے بالعموم علم کی تعلیم اور بالخصوص وراثت کے احکام کی تعلیم کی ترغیب دی گئی ہے۔
تعلیمِ فرائض کے متعلق ایک حدیث وارد ہے لیکن وہ حدیث چونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی اس لیے امام بخاری نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اور وہ حدیث درج ذیل ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو فرائض سکھاؤ کیونکہ میں ایسا مرد ہوں جو فوت ہونے والا ہوں اور عنقریب علم کو اٹھالیا جائے گا حتیٰ کہ دو آدمی فریضہ میں اختلاف کریں گے اور انہیں وہ شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ (سنن ترمذی: ۲۰۹۱)
میں کہتا ہوں: اس باب میں مزید احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفرائض (احکامِ وراثت کا علم) کو سیکھو، اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جس کو میری امت سے بھلا دیا جائے گا۔
(سنن ابن ماجہ: ۲۷۱۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۳۲)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں اور ان کے ماسوا فضول ہے: آیتِ محکمہ، یا سنتِ قائمہ، یا فریضہ عادلہ۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۸۵)
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔
(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۸۲)
امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: اس کی مثال جو قرآن پڑھتا ہو اور فرائض کو اچھی طرح نہ جانتا ہو ایسے ہے جیسے ٹوپی بغیر سر کے ہو۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم الفرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین سے ہے۔ (سنن دارمی: ج ۴ ص ۱۸۸۵)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ تم گمان کرنے والوں میں سے ہو جاؤ''۔
حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو چوالیس (۴۴) ہجری میں مصر کا والی بنایا تھا، پھر ان کو معزول کر کے حضرت مسلمہ بن مخلد کو مصر کا والی بنا دیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ کو مصر اور مغرب کا والی بنا دیا۔ ۶۲ ھ میں مدینہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ دوسرا قول ہے کہ مصر میں ان کی وفات ہوئی۔ اور ابن یونس نے کہا کہ ان کی وفات اسکندریہ میں ہوئی۔ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے مصر میں ایک حویلی بنائی تھی۔ حافظ ابو عمر بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ ھ نے کہا ہے کہ حضرت عقبہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی خلافت کے اخیر میں فوت ہو گئے تھے۔ علامہ الواقدی نے کہا ہے: وہ المقطم میں مدفون ہوئے۔ اور خلیفہ نے کہا ہے: وہ ۵۸ ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''تم علم حاصل کرو'' اور مفعول کا ذکر نہیں کیا تاکہ ہر علم کو شامل ہو جائے اور اس میں فرائض کا علم بھی

داخل ہو جائے۔ اور یہ اس تعلیق کی اس باب کے ساتھ مناسبت ہے۔ اور اس شرح سے توضیح کا کلام مردود ہو جاتا ہے، کیونکہ صاحب التوضیح نے کہا ہے: رہا حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا کلام اور جو اس کے بعد حدیث ہے، ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہے اس کو ہماری شرح سے اس تعلیق اور باب کے درمیان مناسبت سمجھ آ جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عقبہ کی مراد یہ ہو کہ تم علم الفرائض کو سیکھو اور اس سے مراد ان کی یہ مخصوص علم ہے کیونکہ اس کے ساتھ بہت شدید اہتمام کیا جاتا ہے، کیونکہ جس حدیث کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ علم الفرائض یعنی احکام وراثت کا علم حاصل کرنا اور اس علم کو سکھانا اس پر بہت توجہ کی جاتی ہے اور ایسا کیوں نہیں ہوگا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الفرائض کو نصف علم قرار دیا ہے، کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فرائض کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو یہ علم سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جس کو میری امت سے بھلا دیا جائے گا۔ اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں اور اس کے ماسوا فضول ہے: آیت محکمہ، یا سنت قائمہ، یا فریضہ عادلہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قبل الظانین" اور اس کی تفسیر کی ہے یعنی ان لوگوں سے پہلے جو ظن سے کلام کرتے ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا: یعنی علم کے مٹنے سے پہلے اور علماء کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے۔ اور ان لوگوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جنہیں کسی چیز کا علم نہیں ہوتا اور اپنے ظنونِ فاسدہ کے اعتبار سے کلام کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۸-۳۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظن اور اجتہاد کا فرق

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں ظن کی مذمت کی ہے اور یہی وہ ظن ہے جس کا تعلیقِ مذکور میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا ہے اور یہ وہ ظن نہیں ہے جو اصول کے مطابق اجتہاد پر مبنی ہو، کیونکہ جس ظن سے کتاب و سنت میں منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ اس کا جواب کتاب اللہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا ائمہ دین کے اقوال کو جانے بغیر دے، لیکن جب وہ ان تین اصولوں کے مطابق جواب دے گا تو پھر وہ ظن کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ مجتہد ہے اور اجتہاد اصول کے مطابق جائز ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ مہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ کی مذکور الصدر عبارت اس باب کی شرح میں من و عن نقل کی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۵۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اور علامہ ابن الملقن کی اس عبارت میں اس عبارت کا نام و نشان نہیں ہے جس کا علامہ عینی نے التوضیح کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا کلام اور اس باب کی حدیث کی باب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۷۲۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بدگمانی سے اجتناب کرو، بے شک ظن (بدگمانی) سب سے جھوٹی بات ہے، آپس میں ایک دوسرے کی برائی کی تلاش میں نہ لگے رہو اور ایک دوسرے کے خفیہ معاملات کو معلوم نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو، بلکہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۳، ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴، صحیح مسلم: ۲۵۶۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۷، مسند احمد: ۸۲۹۹، موطا امام مالک: ۱۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "تعلیم الفرائض" یعنی میراث کے احکام کی تعلیم دینا اور اس حدیث میں بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا جو اثر ہے اس میں مذکور ہے "گمان کرنے سے پہلے علم حاصل کرو" سو اس اثر سے اس حدیث کی کچھ مناسبت ہے کیونکہ اس میں بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے اور یہ ابن خالد البصری ہیں جو عبداللہ بن طاؤس سے روایت کرتے ہیں از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے باب "لا یخطب علی خطبۃ اخیہ" میں گذر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایاکم والظن" یعنی تم بدگمانی سے اجتناب کرو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فان الظن اکذب الحدیث" یعنی ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔

"اکذب" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ کذب زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتا، پس اس سے اسم تفضیل کس طرح سے آ گیا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدگمانی دوسری باتوں کی بہ نسبت اکثر جھوٹی بات پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ظن بات تو نہیں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظن بھی انسان کے دل میں بات ہوتی ہے۔ اور اس کا معنی

یہ ہے کہ جس بات کا منشاء ظن ہو وہ دوسری باتوں کی بہ نسبت اکثر جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ظن کا منشاء اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''ولا تجسسوا''اس کا معنی ہے: دوسروں کے اندرونی معاملات کی چھان بین نہ کرو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''ولا تحسسوا''ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے اندرونی معاملات کی چھان بین کرنا، اور ''تحسس'' کا معنی ہے کسی کی برائی کو تلاش کرنا۔اور الجرمی نے کہا ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور دونوں کا معنی ہے: خبروں کی معرفت حاصل کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''ولا تدابروا''یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کو نہ چھوڑو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا خلاصہ

اس حدیث میں علم کے حصول کی ترغیب دی ہے، خاص طور پر جب لوگوں کو علم حاصل نہیں ہوتا تو وہ اکثر اپنے گمان سے باتیں کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے، کیونکہ ایک آدمی ہم میں سے کوشش کرتا ہے تا کہ علم حاصل کرے اور ہمارے ذہنوں میں علوم راسخ ہو جائیں تا کہ گمان کرنے والوں کا دور نہ آئے، پھر امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ تم بدگمانی کرنے سے بچو یعنی میں تم کو بدگمانی سے ڈراتا ہوں، کیونکہ بدگمانی انسان کے نفس کی بات ہے اور وہ جھوٹی بات ہوتی ہے۔

تحسس اور تجسس کا فرق

تجسس کا معنی ہے: بحث و تمحیص میں گہرائی میں جانا اور معمولی بحث کرنا تحسس ہے۔یا کہا جاتا ہے کہ اخلاقِ حسیہ کی تفتیش کرنا تحسس ہے اور اخلاقِ معنویہ کی تفتیش کرنا تجسس ہے۔

پس تحسس کا معنی ہے: ظاہری چیزوں میں بحث کرنا جن کا حواس سے ادراک کیا جاتا ہے اور تجسس کا معنی ہے: باطنی چیزوں سے بحث کرنا جن کا حواسِ ظاہرہ سے ادراک نہیں کیا جاتا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ''لا تحسسوا'' کا معنی ہے: لوگوں کے عیوب سے بحث نہ کرو اور ان کی اتباع نہ کرو۔

اللہ عزوجل حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ (یوسف: ۸۷) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اور تحسس کا معنی ہے کہ حواسِ خمسہ کو کام میں لا کر کسی چیز کی خبر حاصل کرنا۔

ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے: لوگوں کے عیوب سے بحث کرنا اور لوگوں کی باتیں سننا۔

یہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے جو سب سے کم عمر تابعی ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے: کسی کے باطنی امور سے بحث کرنا اور بالعموم اس کا شر میں استعمال ہوتا ہے۔ اور تحسس کا معنی ہے: جن چیزوں کا آنکھوں سے اور کان سے ادراک کیا جائے۔

تجسس کرنا ممنوع ہے لیکن کسی کو ہلاکت سے بچانے کے لیے یا کسی کو شر سے بچانے کے لیے تجسس کرنا جائز ہے، جیسے حکومت ملکی بقاء اور سلامتی کے لیے دشمنوں کا کھوج لگانے کے لیے جاسوس مقرر کرتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تباغضوا" یعنی تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تدابروا" یعنی لوگوں کے سامنے پیٹھ موڑ کر نہ بیٹھو۔ اور یہ ادب کے خلاف ہے کوئی آدمی کسی کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے دلوں میں دوسروں کی طرف پشت نہ کرو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹۔۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم الفرائض کو نصف علم قرار دینے کی توجیہ

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرائض کے علم کو سیکھو کیونکہ یہ نصف علم ہے، فرائض کے علم سے مراد ہے احکامِ وراثت کا علم، اس کو نصف علم اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک زندگی کی حالت ہے اور ایک موت کی حالت ہے اور علم الفرائض کا تعلق موت کے احکام سے ہے، اس لیے اس کو نصف علم فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ احکام نصوص سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور قیاس سے بھی، اور فرائض کا علم صرف نصوص سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں قیاس کا دخل نہیں ہے، اس لیے اس کو نصف علم فرمایا۔

نیز اس حدیث میں "ایاکم والظن" فرمایا، یعنی بدگمانی کرنے سے اجتناب کرو، کیونکہ بدگمانی کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہوتی بلکہ محض دل میں آئے ہوئے بے بنیاد خیالات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

نبی ﷺ کا ارشاد: ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کے عنوان میں "لانُوْرَثُ" کا ذکر ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، اور اگر یہ معلوم کا صیغہ ہو جیسے "لانُوْرِثُ" اس کا معنی ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ تو اس کا بھی معنی صحیح ہے۔
اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جب رسول اللہ ﷺ کو بندوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ نے جو اللہ تعالیٰ کے دین

کی تبلیغ کی ہے اور اس کے احکام کا اعلان کیا ہے تو آپ سے جنت کا وعدہ فرمایا اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اس دین کی تبلیغ پر کوئی اجر نہ لیں اور نہ دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز لیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا۝ (الفرقان:۵۷)

آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کر لے O

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ کی طرف دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز منسوب نہ ہو، جو لوگوں کے نزدیک اجر اور قیمت کے معنی میں ہو۔ سو اس وجہ سے آپ کے لیے دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز حلال نہیں، اور مرد کے پاس جو چیز پہنچتی ہے یا اس کے گھر والوں کے پاس جو چیز پہنچتی ہے وہ اس مرد تک پہنچ جاتی ہے، اسی لیے آپ کے گھر والوں پر میراث کو حرام کر دیا گیا ہے تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ نے اپنے وارثوں کے لیے مال جمع کیا ہے، جیسا کہ آپ کے اوپر ان صدقات کو حرام فرما دیا جو آپ کے ہاتھوں سے دنیا والوں کو دیے جاتے ہیں تاکہ آپ کی طرف یہ منسوب نہ ہو کہ آپ نے دنیا سے کوئی چیز حاصل کی ہے اور تمام رسولوں کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان ہو چکا ہے۔

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ آلِ محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ پس یہ حدیث تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق عام ہے۔ اور اس حدیث کے معارض یہ آیت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ۔ (النمل:۱۶) اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

کیونکہ اس آیت سے مال اور حکومت کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ نبوت اور علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ (مریم:۶) جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔

یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔ اس آیت میں بھی وراثت سے مراد نبوت اور علم اور حکمت کی وراثت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا۝ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا۝ (مریم:۵-۶)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما O جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا دے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک بیٹا عطا فرمائے جو نبوت اور علم میں ان کا وارث ہو، کیونکہ ان کو اپنے بیٹے کی وجہ سے ایسے فضائل حاصل ہوں گے جو اپنے بیٹے کے علاوہ کسی اور سے وہ فضائل حاصل نہ ہوتے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرد کا اپنے بعد اپنے بیٹے کی دعا سے درجہ بلند کیا جاتا ہے۔

پس حضرت زکریا علیہ السلام نے اس میں رغبت کی کہ ان کا بیٹا نبوت میں اور علم میں ان کا وارث ہو جو ان کی پشت سے باہر آئے، اس اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور وہ قرابت دار ان کے چچا کے بیٹے تھے اور دیگر عصبات تھے کہ ان قرابت داروں کی طرف ان کا علم اور ان کی حکمت پہنچ جائے گی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے کی طرف ان کا علم اور ان کی حکمت پہنچے، سو انہوں نے اس کو اپنے دل میں رکھا۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بھی ڈرتے تھے اور لوگوں سے بھی ڈرتے تھے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب سے ڈرتے تھے اور اس کی گرفت سے ڈرتے تھے، اور لوگوں سے ان کی ملامت سے ڈرتے تھے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ میرے قرابت دار دین کو ضائع کر دیں گے اور ان کے خلاف سازشیں کریں گے، سو انہوں نے اپنے لئے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا وارث عطا فرمائے جو نبوت میں اور علم میں ان کا وارث ہوتا کہ ان کے بعد دین ضائع نہ ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ ''ہم (گروہِ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے'' وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جو اپنے رب سے سوال کیا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے بیٹے کو نبوت کا وارث بنائے نہ کہ مال کا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ میرے وارث میرے چچا کے بیٹے ہوں گے اور دیگر عصبات ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مال کو مقدر نہیں کیا تھا۔ اور جس چیز نے ان کو اس دعاء پر برانگیختہ کیا، وہ یہ تھی کہ انہوں نے مشاہدہ کیا تھا کہ لوگوں نے دین کو تبدیل کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کر دیا ہے اور یہ تمام معانی کتاب الخمس کی احادیث میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۷۲۵ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمَا حِينَئِذٍ يَطْلُبَانِ أَرْضَيْهِمَا مِنْ فَدَكَ وَسَهْمَهُمَا مِنْ خَيْبَرَ۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۳، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، مسند احمد: ۵۶، ۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت العباس علیہما السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کو طلب کرتے تھے اور وہ دونوں اس وقت فدک کی زمینوں کو اور خیبر میں جو ان کا حصہ تھا اس کو طلب کرتے تھے۔

٦٧٢٦۔ فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللهِ لَا أَدَعُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ قَالَ فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى مَاتَتْ۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۳، ۴۲۱۷، ۴۰۳۶، ۴۲۴۱، ۶۷۲۶)

پس ان دونوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، آلِ محمد صرف اس مال سے کھائے گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی کام کو نہیں چھوڑوں گا جس کام کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا مگر میں اس کام کو کروں گا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور ان سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

صحیح البخاری: ٦٧٢٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے'' اور اس باب کی حدیث میں بھی اسی طرح ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابنِ یوسف الیمانی ہیں جو یمن کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں اور وہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ باب ''فرض الخمس'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من فَدَكَ'' (ف اور دال دونوں پر زبر ہے) یہ مدینہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ فدک سے اس پر صلح کی تھی کہ فدک کی آدھی زمین کی پیداوار ان کے لیے ہوگی اور وہ خالصاً آپ کی زمین تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مِن خیبر'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو جہاد کے ذریعہ لڑ کر فتح کیا تھا، اور خیبر کی آمدنی کا خمس آپ کے لیے تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی کو اپنے لیے جمع کر کے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے اہل و عیال پر اور امت کی مصلحتوں اور ان کی بہتری پر خرچ کر دیتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من هذا المال'' اس میں اس مال کی طرف اشارہ ہے جو خیبر کے خُمس سے حاصل ہوگا۔ اور لفظِ ''مِن'' تبعیض کے لیے ہے، یعنی بعض مال وہ کھائیں گے جو ان کے خرچ کے اعتبار سے ہوگا۔

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونے اور ان سے ترک کلام کرنے کے متعلق علامہ بدالدین عینی حنفی کی توجیہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "فهجرته فاطمة رضی الله عنها" یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اور اس سے مراد وہ چھوڑنا نہیں ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو نہ چھوڑے جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو وہ ایک دوسرے سے منہ موڑ لیں اور ایک دوسرے سے بات نہ کریں اور یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے اعراض کیا اور بات نہیں کی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد چھ ماہ سے بھی کم مدت میں فوت ہوگئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات میں ان کی طبیعت پر بوجھ ہوتا تھا اس لیے انہوں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس طرح چھوڑ دیا تھا جس طرح چھوڑنا حرام ہے، اور جو چھوڑنا حرام ہے وہ یہ ہے کہ جب ان کی باہمی ملاقات ہو تو وہ ایک دوسرے کو سلام نہ کریں اور کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان کی باہم ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو سلام نہیں کیا۔ اور شرعاً مذموم یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے عداوت رکھیں، دراصل حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام اس واقعہ کے بعد اپنے گھر میں ہی رہی تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے نہیں گئیں، اس سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

ابوحفص بن شاہین نے کتاب الخمس میں شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے کہا: جب سے آپ مجھ پر ناراض ہوئی ہیں، میری زندگی میں کوئی خیر نہیں رہی، سوا گر اس معاملہ میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہے تو آپ اپنے قول میں صادقہ، مصدقہ اور مامونہ ہیں، شعبی نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اس وقت تک نہیں اٹھے حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام ان سے راضی ہوگئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے راضی ہوگئے۔

(شرح ابن بطال ج ۵ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ ابن ملقن شافعی کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف ابن ملقن التوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت من وعن نقل کی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے خلیفہ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ترکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو بالکل تبدیل نہیں کیا بلکہ اسی طرح معاملہ جاری رکھا جس طرح اس ترکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں معاملہ کو جاری رکھا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ص ۳۷۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ کورانی حنفی کی توجیہ

علامہ احمد بن اسماعیل بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور جو چیز اس کو تکلیف دے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۲۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۹)

اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا: ''جس نے فاطمہ کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی''۔ (صحیح البخاری و مسلم حوالہ مذکورہ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ شرعاً ایذاء نہیں تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی کی اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مطالبہ پر ان کو فدک کی زمین اور خیبر کا خمس دے دیتے تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو وجہ سے معصیت تھی:

الاول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور آپ کے صدقہ کو باطل کرنا۔

الثانی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حرام مال دینے والے نہیں تھے۔

رہا حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دینا جب کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو اس طرح نہیں چھوڑا تھا اور وہ یہ ہے کہ دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہو اور وہ ایک دوسرے کو سلام نہ کریں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل پر بشری تقاضے سے ایک بوجھ تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ نہیں لیا گیا تو کس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر بوجھ ہوا اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کچھ مدت تک چھوڑے رکھا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۶ص ۸۸۔۸۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی توجیہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئیں حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حدیث مذکور سے استدلال کر رہے تھے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ اعتقاد تھا کہ اس حدیث کی وہ تاویل نہیں ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ ''لا نورث'' میں عموم مراد نہیں ہے بلکہ تخصیص ہے اور ان کا خیال یہ تھا کہ فدک کی زمین اور خیبر کے خمس کی وراثت ممتنع نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو عموم پر محمول کیا ہے اور ان دونوں نے اس چیز میں اختلاف کیا جس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ (فتح الباری ج ۴ص ۳۸۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق مصنف کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدک اور خیبر کے خُمس میں سے وراثت کو طلب کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کو اس حدیث کا علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہم گروہِ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے'' اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر مطلع ہو گئیں تو پھر انہوں نے دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کی وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔ رہا یہ کہ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے جلنے کے محرکات اور دواعی نہیں تھے، پھر اس کے بعد کا وقت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت میں گزرا۔ اور آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیسے رنجیدہ اور ناراض ہوسکتی تھیں جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر رہے تھے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فدک اور خیبر کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر خرچ ہوتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آمدنی کو بعد میں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے۔ اور انہوں نے فدک اور خیبر کے خُمس میں سے آمدنی کا کوئی حصہ اپنی ذات کے لیے نہیں رکھا بلکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس آمدنی کو جن مصارف پر خرچ کرتے تھے ان ہی مصارف پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی آمدنی کو خرچ کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مواقف کی تفصیل اور علماء شیعہ کے ایک اعتراض کا جواب

حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے فدک اور خیبر کے خُمس کی میراث کا جو مطالبہ کیا سو ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے تھا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (النساء:11) اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے تھا ''لانورث'' (ہم وارث نہیں بنائے جاتے)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ قرآن مجید کی آیت النساء:11 کے عموم کی تخصیص اس حدیث سے ہو گئی ہے۔ شیعہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ النساء:11 قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے اور حدیث ''لانورث'' خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد قرآن مجید کی قطعی آیت کے مزاحم نہیں ہوسکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا خبرِ واحد ہونا ہمارے اعتبار سے ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حدیث اسی طرح قطعی تھی جس طرح النساء:11 قطعی ہے، کیونکہ جس زبان سے انہوں نے النساء:11 کو سنا تھا اسی زبان سے انہوں نے ''لانورث'' کو سنا، سو ان کے نزدیک یہ دونوں قطعی ہیں اور حدیث ''لانورث'' میں النساء:11 کے عموم کی تخصیص کر دی۔

اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، پس ان سے پوچھا: تمہارا وارث کون ہوگا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری اہلیہ اور میری اولاد۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس کیا وجہ ہے کہ میں اپنے والد کی وارث نہ بنوں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "لانورث" (ہم وارث نہیں بنائے جاتے)، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پرورش کرتے تھے میں ان کی پرورش کرتا رہوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر خرچ کرتے تھے میں ان پر خرچ کرتا رہوں گا۔

(سنن ترمذی:۱۶۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳)

نیز امام ترمذی از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی میراث کا سوال کرتی تھیں، تو ان دونوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انی لا اورث" (بے شک میں وارث نہیں بنایا جاتا)۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم دونوں سے کبھی کلام نہیں کروں گی، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں اور آپ ان دونوں سے بات نہیں کرتی تھیں۔

علی بن عیسیٰ نے کہا: حضرت فاطمہ نے جو کہا کہ میں تم دونوں سے بات نہیں کروں گی، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں اس میراث کے معاملہ میں اب کبھی بھی تم دونوں سے بات نہیں کروں گی، تم دونوں سچے ہو۔ اور یہ حدیث متعدد اسانید کے ساتھ از حضرت ابوبکر صدیق از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی گئی ہے۔ (سنن ترمذی:۱۶۰۹)

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میراث کے مطالبہ کے متعلق دیگر احادیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا سوال کرتی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ فئے عطا فرمایا تھا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صدقات کو طلب کرتی تھیں جو مدینہ میں تھے اور فدک میں تھے اور جو خمسِ خیبر کا بقیہ تھا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لانورث" ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے اور آلِ محمد اس مال سے کھائے گی یعنی اللہ کے مال سے، اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کھانے پینے کے بعد کسی چیز کا اضافہ کریں، اور بے شک میں اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات میں سے کسی چیز کو تبدیل نہیں کروں گا، جس طرح وہ صدقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اور میں ان صدقات میں وہی عمل کروں گا جو ان صدقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت دی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت کو جانتے ہیں، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا ذکر کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کلام کیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرنا میرے نزدیک اپنے قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری:۳۷۱۱، ۳۷۱۲)

علماء شیعہ کے ایک اور اعتراض کا جواب

شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے:

امام بخاری از مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"۔

(صحیح البخاری:۳۷۱۴، صحیح مسلم:۲۴۴۹، سنن ترمذی:۳۸۶۹، سنن ابوداؤد:۲۰۷۱، سنن ابن ماجہ:۱۹۹۸، مسند احمد:۴۷۱۸)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواب سے سیدہ فاطمہ علیہا السلام ناراض ہوئیں اور ان کو ناراض کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرنا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے مطالبہ پر فدک کی زمین اور خمس خیبر ان کو عطا نہیں کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ناراض ہوئے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس طرح کا اعتراض تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی حیات میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض نہیں ہوئی تھیں بلکہ انہوں نے دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں کلام نہیں کیا۔ اور اگر بالفرض وہ ناراض ہوئی تھیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ کی بیماری کے ایام میں ان کی عیادت کی اور ان کو جا کر راضی کر لیا تھا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی تصریح ہے:

امام بیہقی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام بیمار ہوگئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور ان سے ملنے کی اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے کہا: یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت سیدہ علیہا السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! پس حضرت سیدہ علیہا السلام نے ان کو اجازت دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کو راضی کرنے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے اور اے اہل بیت! آپ لوگوں کی رضا کے لیے اپنا گھر، مال اور خاندان کو چھوڑا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو راضی کیا حتیٰ کہ وہ راضی ہوگئیں۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۱، ملتان)

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ میراث کے متعلق حرف آخر

میں کہتا ہوں: میں نے اس مسئلہ کے متعلق بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا اور شروحات کو دیکھا اور احادیث کے حوالہ جات درج کیے، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احترام بھی قائم رکھنا چاہتا تھا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو عقیدت اور محبت ہے اس کو بھی قائم رکھنا چاہتا تھا، اور اس مسئلہ میں لوگوں نے جو افراط اور تفریط کی ہے اس سے بچنا چاہتا تھا، میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے محض اللہ کی رضا کے لیے لکھا ہے، اگر یہ درست اور حق ہے تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میرے علم کی کمی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بری ہیں۔ میں اپنے آپ کو عارف جامی کے اس شعر کا مصداق پاتا ہوں:

منم ادنیٰ ثناخوان محمد
غلامے از غلامان محمد

۶۷۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المبارک نے خبر دی از یونس از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ

صَدَقَةٌ۔

بیان کرتی ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم (گروہِ انبیاء) وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳۴، ۶۷۲۷، ۶۷۳۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۸، مسند احمد: ۱۰)

صحیح البخاری: ۶۷۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیثِ مذکور کی دوسری سند ہے جس کو اسماعیل بن ابان نے روایت کیا ہے، وہ ابواسحاق الوراق الازدی الکوفی ہیں از عبداللہ بن المبارک المروزی از یونس بن یزید از محمد بن مسلم الزہری۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي مِنْ حَدِيثِهِ ذَلِكَ فَانْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ فَأَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَأُ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ ثُمَّ قَالَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا قَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَفْسَهُ فَقَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ ذَلِكَ قَالَا قَدْ قَالَ ذَلِكَ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صلى الله عليه وسلم فِي هَذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن اوس بن الحدثان نے خبر دی اور محمد بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے اپنی اس حدیث کا کچھ ذکر کیا، پس میں گیا حتیٰ کہ ان کے پاس پہنچا، سو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں گیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا آئے، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت الزبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، پس ان کو داخل ہونے کی اجازت دی، پھر دربان یرفا نے کہا: کیا آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بھی داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرے اور اس (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے درمیان فیصلہ کیجئے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، رسول اللہ

قَدِيْرٌ۝ ﴾ فَكَانَتْ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَاللهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ لَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتّٰى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ فَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ مِنْ هٰذَا الْمَالِ نَفَقَةَ سَنَتِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ بِذَاكَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ قَالَا نَعَمْ فَتَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَبَضَهَا فَعَمِلَ بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ وَلِيِّ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا مَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَانِي هٰذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ فَوَاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا۔

صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے، تو اس جماعت نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف مڑے، پس کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا؟ ان دونوں نے کہا: بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو اس معاملہ کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مالِ فئے میں سے کسی حصہ کے ساتھ مخصوص کر لیا تھا، اور وہ حصہ آپ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں فرمایا۔ پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور اللہ تعالیٰ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O (الحشر: ٦)

پس یہ اموال خالصۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے، اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام اموال تمہیں چھوڑ کر صرف اپنے لیے جمع نہیں کیے اور نہ آپ ان اموال کے ساتھ مخصوص ہوئے، آپ نے تم کو بھی یہ مال عطا کیے اور یہ اموال تمہارے درمیان پھیلا دیئے اور تمہارے درمیان منتشر کر دیئے حتیٰ کہ ان اموال میں سے یہ مال باقی رہ گیا ہے (جس میں تم جھگڑ رہے ہو) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے اپنے اہل کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے، پھر باقی مال کو لیتے اور اس کو اس جگہ میں رکھتے جہاں اللہ کا مال رکھا جاتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنی پوری حیات میں عمل کرتے رہے، میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو اس بات کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں سے کہا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم دونوں اس بات کو جانتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وفات

دے دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور آپ کا خلیفہ ہوں، انہوں نے ان اموال پر قبضہ کرلیا اور ان اموال میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں عمل کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وفات دے دی، تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کا خلیفہ ہوں، میں نے دو سال تک اس مال پر قبضہ رکھا اور اس میں وہی عمل کرتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور تم دونوں ایک بات پر متفق تھے اور تمہارا ایک معاملہ تھا، تم میرے پاس آئے اور اپنے بھتیجے کی میراث سے حصہ مجھ سے طلب کرتے تھے، اور یہ میرے پاس آئے، یہ مجھ سے اپنی بیوی کے اس حصہ کا مطالبہ کرتے تھے جو ان کو اپنے والد کی وراثت سے ملنا تھا، پس میں نے کہا: اگر تم دونوں چاہو تو میں یہ اموال تم دونوں کو اسی شرط کے مطابق دے دیتا ہوں (کہ تم ان اموال میں وہی عمل کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے) کیا تم اب مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ طلب کر رہے ہو؟ پس اللہ کی قسم! جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، میں ان اموال میں اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ پس اگر تم ان اموال میں اس طرح عمل کرنے سے عاجز ہو تو یہ اموال مجھے واپس کردو، میں تمہارے بدلے ان اموال میں وہی عمل کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱۷۸۵)

صحیح البخاری: ۶۷۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے" اور اس باب کی حدیث میں بھی اسی ارشاد کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے اور یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ہیں، بکیر، بکر کی تصغیر ہے اور یہ مصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے لیث ، یہ لیث بن سعد المصری ہیں، یہ ازعقیل روایت کرتے ہیں اور وہ ابن خالد الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابنِ شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مالک بن اوس کا ذکر ہے، یہ ابن الحدثان ہیں۔

یہ حدیث باب فرض الخمس میں اس سے زیادہ طویل متن کے ساتھ گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی امام بخاری نے از اسحاق بن محمد الفروی روایت کی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

مشکل الفاظ کے معانی اور بعض جملوں کی وضاحت

اس حدیث میں مذکور ہے "یرفأ" (یاء پر زبر ہے اور راء ساکن ہے اور اس کے آخر میں ہمزہ ہے) یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دربان نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا "هل لك فی عثمان" یعنی حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، کیا آپ ان صحابہ کو آپ کے پاس آنے اور ملاقات کی اجازت دیتے ہیں اور ان سے ملاقات میں رغبت رکھتے ہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے "انشدكم الله" یعنی میں اللہ کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا نورث، يريد رسول الله صلى الله عليه وسلم نفسه" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملہ سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا، اسی لیے آپ نے جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: "لا نورث" یعنی ہم گروہِ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال الرهط" اس سے صحابہ مذکورین کا ارادہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مالِ فئے کے حصہ کے ساتھ خاص کر لیا اور کسی اور کو اس میں سے نہیں دیا" ۔ کیونکہ اس تمام مالِ فئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر لیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا تھا اور باقی انبیاء علیہم السلام کے لیے مالِ غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما احتازها" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو اپنے لیے جمع نہیں کیا سوائے تمہارے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا استاثر" اور نہ اس مالِ فئے کے ساتھ آپ متفرد ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقد اعطاكموها" بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو بھی عطا کیا اور تمہارے درمیان اس مال کو پھیلا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مجعل مال الله" یعنی آپ نے اس مال کو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کے منزلہ میں قرار دیا اور اس کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکلمتکما واحدۃ" یعنی تم دونوں ایک بات پر متفق ہو اور اس میں تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت: ان شئتما دفعتها الیکما بذالك" یعنی پس میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموال تمہارے سپرد کر دوں اسی طریقہ سے بایں طور کہ تم اس میں اس طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا اور جس طرح ان اموال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تھا تو میں یہ اموال تمہیں اس شرط پر دے دیتا ہوں، پس آج تم دونوں میرے پاس آئے ہو اور مجھ سے اس فیصلہ کے علاوہ کسی اور چیز کا سوال کر رہے ہو۔

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو اموالِ فئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی شرط کے مطابق دے دیئے گئے تو اب پھر وہ کس بات میں اختلاف کر رہے تھے اور کس چیز میں ان کا جھگڑا تھا؟

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ قضیہ مشکل ہے کیونکہ جب حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اس مالِ فئے کو اس شرط کے مطابق لے لیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی تو پھر اب ان کا کس بات میں جھگڑا تھا؟

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں پر اس مالِ فئے میں ایک دوسرے کا شریک ہونا دشوار تھا، پس ان دونوں نے یہ طلب کیا کہ اس مالِ فئے کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تاکہ ان میں سے ہر ایک ان اموال میں تدبیر اور تصرف کے اندر مستقل ہو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا کہ اگر ان اموالِ فئے کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا تو پھر یہ وہم ہوگا کہ وہ دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہو گئے ہیں، کیونکہ تقسیم املاک میں ہوتی ہے اور جب کافی زمانہ گزر جائے گا تو ان کے متعلق یہ گمان کیا جائے گا کہ یہ دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہیں، حالانکہ یہ اموالِ فئے وقف تھے اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۲۔ ۳۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں، میں نے اپنی ازواج کے خرچ کے بعد اور عاملین کی مشقت کے اجر کے بعد جو بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۷۶، ۳۰۹۶، ۶۷۲۹، صحیح مسلم: ۱۷۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۴، مسند احمد: ۷۲۶۱، موطا امام مالک: ۱۸۷۱)

صحیح البخاری: ۶۷۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند مین مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب الخمس اور کتاب الوصایا میں از عبداللہ بن یوسف از مالک گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت خزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں"۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ کتاب الوصایا میں حضرت عمرو بن الحارث الخزاعی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی دینار چھوڑا تھا اور نہ کوئی درہم چھوڑا تھا، سو جب آپ نے کوئی درہم اور دینار چھوڑا ہی نہیں تو اس کی تقسیم سے ممانعت کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے جو درہم اور دینار چھوڑے تھے آپ نے ان کی تقسیم سے منع فرمایا اور حضرت خزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے ورثاء میں تقسیم کے لیے دینار اور درہم کو نہیں چھوڑا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر درہم اور دینار چھوڑے ہوں تو ان کو میرے ورثاء بطور وراثت کے آپس میں تقسیم نہ کریں۔

ازواجِ مطہرات کے خرچ کی توجیہ اور عاملین کی اجرت کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے اپنی ازواج کے خرچ کے بعد اور عاملین کی مشقت کے بعد جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے"۔

آپ کی مراد یہ تھی کہ ان اموالِ فئے سے میری ازواج کا خرچ نکالا جائے گا کیونکہ آپ کی ازواج آپ کے نکاح میں محبوس ہیں اور دوسرے لوگوں سے ان کا نکاح حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۞ (الاحزاب: ۵۳)

اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات کی دلیل

میں کہتا ہوں کہ اگر بفرض محال آپ کی وفات کے بعد کوئی امتی آپ کی ازواج میں سے کسی ایک سے نکاح کرتا تو اس سے آپ کو ایذاء پہنچتی یعنی آپ کو رنج ہوتا، اور ایذاء اور رنج ہونا اس بات کی فرع ہے کہ آپ قبر مبارک میں حیات ہوں، کیونکہ زندہ کو ہی رنج ہوتا ہے اور اسی کو ایذاء پہنچتی ہے، سو اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر انور میں آپ کی حیات کی بھی دلیل ہے اور آپ کی اس خصوصیت کا بھی بیان ہے کہ آپ کی حیات، حیاتِ شہداء سے افضل ہے کیونکہ شہداء کی شہادت کے بعد ان کی ازواج سے نکاح کرنا جائز ہے حالانکہ وہ بھی زندہ ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، حیاتِ شہداء سے قوی تر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومؤنۃ عاملی" یعنی میرے عاملین کی مشقت کی اجرت اس مالِ فئے سے ادا کی جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان صدقات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال پر قائم ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مسلمان عامل ہے خواہ وہ خلیفہ ہو یا کوئی اور ہو، کیونکہ خلیفہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل ہے اور آپ کی طرف سے آپ کی امت کے معاملات کا انتظام کرنے کا نائب ہے۔ تیسرا قول ہے کہ عامل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے۔ چوتھا قول ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کو کھودنے والا ہے۔ پانچواں قول ہے کہ اس سے مراد مزدور ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ازواجِ مطہرات کو خرچ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا اور عامل کو اس کی مشقت کی اجرت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا اور کیا ان میں فرق ہے؟

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ازواج کا خرچ عاملین کی اجرت سے کم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا خرچ ادا کرنا ضروری تھا، اور عامل اجیر اور مزدور کی صورت میں ہے، تو اس کے لیے اتنی مقدار کافی ہے جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فھو صدقۃ" یعنی یہ مالِ فئے آپ کی آل کے لیے حلال نہیں ہے۔

حدیثِ مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقف کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ وفات کے بعد بھی وقف کا حکم جاری ہوتا ہے جیسا کہ حیات میں جاری ہوتا ہے، پس جس چیز کو وقف کیا گیا اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کا کوئی مالک ہوگا جیسا کہ شارع علیہ السلام نے اموالِ فئے کے متعلق حکم دیا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، لیکن جن امور کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے ان امور میں ان اموالِ فئے میں سے خرچ کیا جائے گا اور باقی آمدنی مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے وقف رہے گی۔

علامہ عینی حنفی کا علامہ ابن الملقن شافعی پر مواخذہ

یہاں پر صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن الملقن شافعی نے بے ادبی کی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے: "اس حدیث مذکور سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا"۔

علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وقف کے جواز کی دلیل ہے اور اس سے امام

ابوحنیفہ کے اس قول کا فساد ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے کہا ہے کہ وقف کرنا باطل ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۶۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علامہ ابن ملقن شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
امام ابوحنیفہ کا قول فاسد نہیں ہے، بلکہ فساد اس شخص کے قول میں ہے جس کو حقائق امور کا ادراک نہیں ہے، پس امام ابوحنیفہ جو وقف کو باطل قرار دیتے ہیں تو وہ اپنی رائے میں منفرد نہیں ہیں اور یہ شریح ہیں جنہوں نے کہا کہ محمد وقف کی بیع کے لیے آئے اور یہ کہ اس میں ملکیت باقی ہے اور اس لیے کہ وقف کی آمدنی کو صدقہ کیا جاتا ہے یا اس میں منفعتِ معدومہ ہے اور وہ وصیت کے سوا اور کسی میں جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں تاکہ ان سے اپنی وراثت کا سوال کریں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳۴، ۶۷۲۷، ۶۷۳۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۸، مسند احمد: ۱۰)

صحیح البخاری: ۶۷۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے۔
اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب المغازی میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الخراج میں از القعنبی روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس کی کتاب الفرائض میں از قتیبہ روایت کی ہے اور تینوں نے اس حدیث کی روایت امام مالک سے کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا کسی کو وارث نہ بنانے کی حکمت

اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اگر اپنے ترکہ کا کسی کو وارث بناتے تو لوگ یہ بدگمانی کرتے کہ انبیاء علیہم السلام نے

نبوت کا دعویٰ اسی لیے کیا تھا تا کہ مال حاصل کریں حتیٰ کہ وہ مال ان کے بعد ان کے وارثوں کے پاس چلا جائے ، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو وارث بنانے سے منع فرما دیا اور انبیاء علیہم السلام کے ترکہ کو صدقہ قرار دیا۔

رافضہ کی اس حدیث میں باطل تاویل اور اس کے بطلان کی توجیہ

رافضہ نے اس حدیث میں تحریف کی ہے اور انہوں نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے: ہم اس مال کا وارث نہیں بناتے جس کو ہم نے بطور صدقہ چھوڑا ہے، بلکہ ہم نے جس مال کو بطور صدقہ چھوڑا ہے اس کا صدقہ کیا جائے گا۔

اگر رافضہ کی یہ تاویل صحیح ہوتی تو پھر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کیسے ثابت ہوتی ، کیونکہ ہر انسان جس صدقہ کو چھوڑتا ہے اس میں وراثت نہیں ہوتی ، اس کا صدقہ کیا جاتا ہے جب کہ وہ صدقہ اس کے تہائی مال سے کیا جائے۔ اور اگر ایسا ہو تو انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا۔

پھر یہ تحریف حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی فہم ان جاہل رافضیوں کی فہم سے زیادہ صحیح تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کی میراث کے مطالبہ کی توجیہ

بہرحال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں جو جاری ہوا وہ ان کا اجتہاد تھا اور ہم اللہ عزوجل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا، کیونکہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس وجہ سے ترک تعلق کر لیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ترک تعلق کے اہل نہیں تھے کیونکہ وہ ان کے والد کے خلیفہ تھے لیکن یہ اجتہاد کے باب سے ہے، اگر سیدہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد صحیح ہوتا تو ان کو اس میں دو اجر ملتے اور اگر خطاء ہے تب بھی انہیں ایک اجر بہر حال ملے گا، اور ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتوں اور مخلوق کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ اس باب میں صحت اور ثواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے باقی اصحاب کے ساتھ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا بیان

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے تا کہ یہ بیان کیا جائے کہ آیات فرائض عام ہیں اور ہر شخص جو ترکہ چھوڑے وہ اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ماسوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ آپ اپنے ترکہ کا کسی کو وارث نہیں بناتے جیسے باقی لوگوں کو وارث بنایا جاتا ہے۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے حکم کو سنت کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے اور کتاب کو سنت کے ساتھ خاص کرنا بہت عام ہے یعنی کوئی غریب اور اجنبی بات نہیں ہے کہ بعض معاملات میں نصوص قرآن مجید میں عام ہوتی ہیں، پھر سنت میں ان کو خاص کر لیا جاتا ہے۔ پھر امام بخاری نے عروہ کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

''سلام اللہ علیہ'' پر ''رضی اللہ عنہ'' کی فضیلت اور اس پر شیخ ابن عثیمین کے دلائل

اس حدیث میں علیہا السلام لکھا ہوا ہے اور شاید کہ یہ بعد کے لکھنے والوں نے لکھا ہے اور امام بخاری نے نہیں لکھا کیونکہ ان کے ساتھ رضی اللہ عنہا لکھنا یہ علیہا السلام کے لکھنے سے افضل ہے، کیونکہ رضا کے لفظ میں سلام کی بھی دعا ہے اور اضافہ بھی ہے اور سلام میں فقط

مکروہ کی نفی ہے یعنی اللہ آپ کو مکروہ کاموں سے اور مصائب سے محفوظ رکھے بخلاف رضا کے کیونکہ یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے جو لفظِ سلام پر زائد ہے۔

''سلام اللہ علیہ'' پر ''رضی اللہ عنہ'' کی فضیلت پر مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ رضی اللہ عنہ میں، سلام اللہ علیہ سے زیادہ فضیلت ہے، کیونکہ سلام تو تمام مومنین کو عام ہے زندوں کو بھی اور وفات یافتگان کو بھی، کیونکہ زندہ کو کہا جاتا ہے السلام علیکم اور فوت شدہ لوگوں کو کہا جاتا ہے السلام علیکم یا اهل القبور، یا سلام علیکم یا دار قوم مومنین، اس کے برخلاف رضی اللہ عنہ ہر عام شخص کے متعلق نہیں کہا جاتا، بلکہ اسی کے متعلق کہا جاتا ہے جو کامل متقی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (البینۃ:۸)

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔ (التوبہ:۱۰۰)

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اس آیت سے بھی واضح ہو گیا کہ رضی اللہ عنہم انہی کے لیے کہا گیا ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین تھے اور بعد کے لوگوں میں سے جو ان کی اتباع بالاحسان کرنے والے تھے، یعنی ہر ایک کے لیے یہ دعائیہ کلمہ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کے حصص

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور عباس رضی اللہ عنہ چچا ہیں، پس بیٹی کو نصف حصہ ملتا ہے اور ازواج کو اگر وہ وارث ہوں تو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور باقی ترکہ عصبات کو ملتا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریب تھے اور وہ وراثت کے زیادہ لائق تھے اگر وراثت ہوتی۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل سے محبت کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ حضرت ابوبکر، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ پر اموالِ فدک سے ان کا حصہ عطا کر دیتے؟

اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل محمد اس مال سے کھائے گی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں کسی ایسے کام کو نہیں چھوڑوں گا جس کام کو کرتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا مگر میں وہ کام کروں گا)۔

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شہادت دی کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس شہادت میں صادق تھے بایں طور کہ انبیاء علیہم السلام وارث نہیں بنائے جاتے اور جو کچھ انہوں نے چھوڑا وہ صدقہ ہے، پھر انہوں نے قسم کھائی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو بالکل ترک نہیں کریں گے نہ اس سے تجاوز کریں گے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی اپنی قرابت سے زیادہ محبوب تھی جیسا کہ خود انہوں نے حدیث میں اس کی تصریح کی ہے۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کریں؟۔

جواب: نہیں! بلکہ انسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اور آپ کی آل سے جتنی زیادہ محبت ہوگی تو وہ ان کے طریقہ پر عمل کرے گا اور ان کی محبت میں غلو کرنے سے بری ہوگا جیسا کہ صحابی بری ہوتے تھے اور جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو دین میں غلو کرنے سے ڈراتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۲۔ ۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: جس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی شرح کی جائے گی جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: ''جس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴)

۶۷۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں، پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر قرضہ تھا اور اس نے اس کی ادائیگی کے لیے مال نہیں چھوڑا تو ہم پر لازم ہے کہ اس کے قرض کو ادا کریں۔ اور جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۲۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل کے لیے ہے" اور ورثاء بھی اس کے اہل میں سے ہیں، اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ یونس بن یزید ہیں جو محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی کتاب الفرائض میں از زہیر بن حرب وغیرہ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں"۔ امام بخاری نے یہاں اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے اور کتاب الکفالہ میں اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے، اس کی عبارت اس طرح سے ہے:

بابِ مذکور کی حدیث کی تفصیل

از ابن شہاب روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک فوت شدہ مرد لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ فرماتے: کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے؟ اگر کہا جاتا: جی ہاں تو آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ورنہ آپ فرماتے: تم خود اپنے صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں، سو جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر قرض ہو اور اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے مال نہیں چھوڑا تو ہم پر اس کے قرض کو ادا کرنا لازم ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدۂ مذکورہ قیصر و کسریٰ کی فتوحات پر موقوف تھا

علامہ المہلب نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسریٰ اور قیصر کے ملک کی فتوحات عطا فرمائی تھیں۔ اور یہ ضمانت نہیں ہے، کیونکہ آپ اس وقت تک مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے حتیٰ کہ کوئی اور شخص اس کے قرض کی ادائیگی کا ضامن ہو جائے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ حدیث اس حکم کی ناسخ ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افرادِ امت کی مصلحتوں کے ولی ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا نہ ہوں

اس حدیث میں مذکور ہے "پس ہم پر اس کے قرض کو ادا کرنا لازم ہے" یعنی ہم پر اس کی ضمانت لازم ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: جو فوت شدہ مرد تنگ دست ہو اس کے قرض کو ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالص مال سے اس قرض کو ادا فرماتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ بیت المال سے اس کے قرض کو ادا کرتے تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مصلحتوں کو قائم کرتے تھے خواہ امت کے افراد زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ اور دونوں حالوں میں آپ امت کے ولی تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے" اور اس پر اجماع ہے۔

اور اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے، عبدالرحمٰن بن عمرہ نے کہا: وہ مرنے والے کے وارثوں کے لیے ہے خواہ وہ عصبہ ہوں یا جو بھی ہوں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: عصبات سے مراد یہاں پر ورثاء ہیں اور یہاں عصبات سے مراد وہ نہیں ہے جو ذوی الفروض کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو اگر اکیلا ہو تو پورا مال لے لیتا ہے ورنہ اصحاب الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ اس کو لے لیتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عصبات سے مراد یہاں پر مرد کے قرابت دار ہیں اور یہ وہ ہیں جو میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کی تعریف

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے مال کو ترک کیا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے"۔

علماء کے نزدیک مال کی تعریف یہ ہے: ہر وہ عین جس سے نفع کا حصول بلا ضرورت مباح ہو وہ مال ہے۔ پس جس کا نفع مباح نہ ہو وہ مال نہیں ہے اور جو مباح النفع تو ہو لیکن اس کی ضرورت ہو تو وہ بھی مال نہیں ہے، مال کے لیے ضروری ہے کہ وہ بغیر ضرورت کے مباح النفع ہو۔

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑا جو مال نہیں ہے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے نہیں ہوگی، اور یہ اس پر محمول ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک نہیں ہوں گے لیکن بطور استحقاق وہ اس کو بغیر کسی شک وشبہ کے لے سکتے ہیں مثلاً میت نے شکاری کتا چھوڑا تو شکاری کتا مال نہیں ہے کیونکہ اس کو فروخت نہیں کیا جاتا لیکن جس کے قبضہ میں یہ شکاری کتا ہے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے، پس وارث اس کتے کے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں گے، اور اگر وہ اس سے مستغنی ہوں تو اس کو چھوڑ دیں۔

اس دور میں تنگدست مسلمان میت کے قرض کی ادائیگی کی صورت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر کسی شخص نے قرض چھوڑا تو اس کو میں ادا کروں گا"۔

اب سوال یہ ہے کہ آج کل اگر کسی میت نے قرض چھوڑا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے جس سے اس قرض کو ادا کیا جائے، تو وہ قرض کیسے ادا کیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا، پس جو والی اور حکام ہیں ان پر لازم ہے کہ جو تنگدست مسلمان فوت ہو جائے اس کا قرض ادا کریں جس طرح ان پر لازم ہے کہ اس کے اوپر خرچ کریں یعنی اس کی تجہیز و تکفین کریں، لیکن عام مصالح، خاص مصالح پر مقدم ہوتے ہیں، پس اگر ہم یہ فرض کریں کہ حکومت کے پاس مال ہے لیکن عام لوگوں کی مصلحتیں اس مال کو محیط ہیں تو عام لوگوں کی مصلحتوں پر وہ مال خرچ کیا جائے گا کیونکہ قرض کا ادا کرنا ایک مصلحتِ خاصہ ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ

باپ اور ماں کی طرف سے اولاد کی وراثت

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِذَا تَرَكَ رَجُلٌ أَوِ امْرَأَةٌ بِنْتًا فَلَهَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَلَهُنَّ الثُّلُثَانِ، وَإِنْ كَانَ مَعَهُنَّ ذَكَرٌ بُدِئَ بِمَنْ شَرِكَهُمْ فَيُؤْتَى فَرِيضَتَهُ فَمَا بَقِيَ فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کسی مرد یا کسی عورت نے ایک بیٹی کو چھوڑا تو اس بیٹی کو کل ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر اس نے دو بیٹیوں یا دو سے زیادہ کو چھوڑا تو ان کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے، اور اگر ان بیٹیوں کے ساتھ مذکر ہو تو پہلے جو ان کے ساتھ ذوی الفروض شریک ہے اس کا حصہ ادا کیا جائے گا، پھر جو باقی ترکہ بچے گا وہ مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں وَلَد کا ذکر ہے اور یہ مونث اور مذکر دونوں کو شامل ہے اور اولاد در اولاد کو بھی شامل ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ان کا نام حضرت زید بن ثابت بن ضحاک الانصاری النجاری المدنی ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کے کاتب تھے اور فضلاء صحابہ میں سے تھے اور اصحابِ فتویٰ میں سے تھے۔ ۴۵ھ میں ان کی مدینہ میں وفات ہو گئی۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: امام مالک، امام شافعی، اہلِ حجاز اور ان کے موافقین نے فرائض (وراثت) میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو بنیاد قرار دیا ہے اور اہلِ عراق اور ان کے موافقین نے فرائض (وراثت) میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کو بنیاد قرار دیا ہے، اور یہ دونوں فریق اپنے صاحب کی بہت نادر اور کم چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں۔

یہ تعلیق جو ذکر کی گئی ہے امام سعید بن منصور نے اس کو سندِ موصول کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود از خارجہ بن

زید بن ثابت از والد خود روایت کیا ہے اور اسی تعلیق کی مثل ذکر کی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ اگر کسی مرد یا کسی عورت نے ایک بیٹی کو چھوڑا تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا''۔ یہ ایک جماعت کا قول ہے سوا ان کے جو رد کے قائل ہیں۔ اسی طرح دو بیٹیوں یا ان سے زیادہ میں ترکہ کے دو تہائی ملیں گے سوا ان کے کہ جو رد کے قائل ہوں۔ اور سوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دو بیٹیوں کو بھی ترکہ کا نصف دیا جائے گا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''اگر بیٹیوں کے ساتھ مذکر ہو تو اس سے ابتداء کی جائے گی جو ان کے ساتھ شریک ہے اور اس کا فریضہ اس کو دے دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا''۔ یعنی اگر بیٹیوں کے ساتھ ان کا بھائی ہو اور ان کے ساتھ ان کے علاوہ بھی کوئی ہو تو جس کا فرض مقرر ہے مثلاً ماں تو اس کو اس کا فرض دے دیا جائے گا اور جو باقی ترکہ بچے گا وہ بیٹیوں میں اور بیٹوں میں تقسیم کر دیا جائے گا بیٹوں کو دگنا ملے گا اور بیٹیوں کو ایک حصہ ملے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: فرائض ذوی الفروض کے ساتھ ملاؤ، پھر جو باقی بچے تو جو مرد مذکر ہو اور زیادہ قریب ہو اس کو دے دیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں اولاد کی وراثت کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بیٹے کی وراثت کا ذکر ہے کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو وارث قریب ہو اور مذکر ہو اس کو دیا جائے گا، مثلاً اگر ورثاء میں ماں ہے اور ایک بیٹا ہے تو ماں کا حصہ کل ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اور اس کو چھٹا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ بیٹے کو دے دیا جائے گا مثلاً کل ترکہ کے چھ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ ماں کو دے دیا جائے گا اور بقیہ پانچ حصے بیٹے کو دے دیے جائیں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن طاؤس ہیں جو اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فرائض کو ان کے اہل کے ساتھ ملادو" فرائض سے مراد ہے وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں اور وہ نصف ہے، ربع (چوتھائی) ہے، ثمن (آٹھواں حصہ) ہے، ثلثان (دوتہائی) ہے، ثلث (ایک تہائی) ہے اور سدس (چھٹا حصہ) ہے۔اوران کے اصحاب وہ ہیں جو کتب فرائض یعنی کتب میراث میں مذکور ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "باھلھا" یعنی نصِ قرآن سے جوان حصوں کا مستحق ہوتا ہو۔اور روح بن القاسم نے از ابن طاؤس روایت کی ہے کہ اہلِ فرائض کے درمیان کتاب اللہ کے درمیان مال کو تقسیم کردو، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حصے بیان فرمائے ہیں اس کے مطابق وہ حصے ان لوگوں کو دے دیئے جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فما بقی" یعنی اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فھو لاولی رجل" علامہ نووی نے کہا ہے کہ اولیٰ سے مراد ہے اقرب، کیونکہ ہم خود نہیں جانتے کہ کون زیادہ حق دار ہے اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اولیٰ سے مراد وہ ہے جو عصبات میں زیادہ قریب ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علم الفرائض میں سب پر مقدم ہونے کے متعلق بحث ونظر

امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تعلیق اس لیے ذکر کی ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ فرائض کو جاننے والے تھے، کیونکہ حدیث میں ہے: تم سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید ہیں۔ یہ پوری حدیث درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں اُمت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں، اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں سخت عمر ہیں، اور سب سے زیادہ حیاء کرنے والے عثمان ہیں، اور سب سے زیادہ حلال اور حرام کو جاننے والے معاذ بن جبل ہیں، اور سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور سب سے زیادہ قراءت کو جاننے والے ابی بن کعب ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔(سنن ترمذی: ۳۷۹۰)

امام ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اس کو قتادہ کی صرف اسی سند کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ اوراس حدیث کی ابوقلابہ نے از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی مثل اور مشہور حدیث ابوقلابہ ہے۔

(سنن ترمذی: ص ۱۴۳۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

شیخ ابن عثیمین نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ صحیح ہو تو آپ نے اس حدیث سے ایک خاص قوم کو خطاب کیا ہے اور تمام امت کو خطاب نہیں فرمایا۔

اور اگر بالفرض آپ نے اس حدیث سے تمام امت کو خطاب فرمایا ہو تب بھی یہ معتبر نہیں، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اگرچہ فرائض کو زیادہ جاننے والے ہیں، کیونکہ معصوم عن الخطاء تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرائض کے متعلق جو کہا ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں فرائض کو زیادہ جاننے والے زید ہیں۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں، اس قول کے تین جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے اور اہم بات یہ ہے کہ کسی حکم کو ثابت کرنے کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

(۲) بر تقدیر صحت اس حدیث میں قوم مخصوص کے ساتھ خطاب ہے۔

(۳) اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کا یہ خطاب عمومی ہے تب بھی یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ معصوم ہیں اگرچہ فرائض کے زیادہ جاننے والے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے۔

اور اس بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ دادا اور بھائیوں کی وراثت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہمارے لیے لازم نہیں ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔ اور صحیح یہ ہے کہ جد سے مراد وہ ہے جو باپ کا باپ ہو، وہ باپ کے درجہ میں ہے۔ اور تمام بھائیوں کے لیے وہ حاجب ہوتا ہے اور دادا کے ہوتے ہوئے کوئی بھائی وارث نہیں ہوتا۔

اصحاب الفروض اور عصبات کا بیان

اصحاب الفروض کی تعداد دس ہے:

(۱) شوہر (۲) بیوی (۳) ماں (۴) باپ (۵) دادا (۶) دادی (۷) بیٹیاں (۸) پوتیاں (۹) مطلق بہنیں (۱۰) ماں شریک بہنیں۔

شوہر کی وراثت کا حکم

جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اگر اس بیوی کی اولاد ہو خواہ مذکر ہو یا مونث تو شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا، اور اگر اس کی بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔

بیوی کی وراثت کا حکم

بیوی خواہ ایک ہو یا متعدد ہوں تو اگر اس کا شوہر فوت ہو جائے اور اس کے شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر اس کے شوہر کی اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

اگر بیویاں ایک سے زائد مثلاً چار تک ہوں تو وہ حصہ ان چار بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

باپ اور ماں کی وراثت کا حکم

ماں یا تو ترکہ کی تہائی حصہ کی وارث ہوتی ہے یا چھٹے حصہ کی وارث ہوتی ہے یا باقی ماندہ تہائی کی وارث ہوتی ہے، اس کے سوا اس کا اور کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور باقی ماندہ تہائی کی وارث دو مسئلوں میں ہوتی ہے، ان دو مسئلوں کو العُمریتین کہا جاتا ہے۔ اور ان کو ''العمریتین'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا۔ اور وہ دو مسئلے یہ ہیں:

(۱) میت نے شوہر اور ماں اور باپ کو چھوڑا ہے تو شوہر اور باپ کا حصہ دینے کے بعد جو باقی ماندہ ہوگا اس کا تہائی ماں کو ملے گا۔ (۲) بیوی اور ماں اور باپ۔

اور ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ جب میت نے شوہر اور ماں اور باپ کو چھوڑا ہو تو مسئلہ کو چھ سے شروع کریں گے، شوہر کو نصف دیں گے یعنی تین اور ماں کو اس تین کا تہائی دیں گے یعنی ایک اور جو باقی دو حصے بچیں گے وہ باپ کو دیں گے۔

اور دوسرا مسئلہ اس طرح ہے کہ بیوی کو چوتھائی دیں گے یعنی ایک اور ماں کو باقی ماندہ کا تہائی دیں گے یعنی ایک اور جو باقی ترکہ ہے وہ باپ کو دیں گے یعنی دو۔

اور جب مسئلہ ''العُمریتین'' میں سے نہ ہو اور وہاں پر ذوی الفروض بھی ہوں اور عصبات بھی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ماں کو، باپ کو اور بیٹے کو چھوڑا تو چھ سے مسئلہ شروع کریں گے، ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی ایک اور باپ کو بھی چھٹا حصہ ملے گا یعنی ایک اور باقی کے چار حصے بیٹے کو ملیں گے۔

اور اس کی دوسری مثال ہے جس میں اس کے بھائی بھی جمع ہوں مثلاً ایک شخص نے اپنی ماں کو اور دو ماں شریک بھائیوں کو اور ایک سگے چچا کو چھوڑا تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا کیونکہ جب دو یا دو سے زائد بھائی ہوں اور دو اخیافی بھائیوں یا بھائی بہنوں کو تہائی حصہ ملے گا اور باقی سگے چچا کو ملے گا یعنی مسئلہ چھ سے کریں گے، ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصے ماں شریک بھائی بہنوں کو ملیں گے اور باقی تین سگے چچا کو ملیں گے۔ سو اب ماں کے تین حال ہیں، یا تو ماں کو باقی ماندہ کا تہائی حصہ ملے گا جیسے ''العمریتین'' کے مسئلہ میں ہے، یا ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسے دوسری مثال میں بیان کیا گیا ہے، یا ماں کو کل ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔

اور باپ کی وراثت ماں کی وراثت سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ اگر باپ کے ساتھ ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو باپ کو صرف چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر باپ کے ساتھ کوئی مونث ذوی الفروض ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بطورِ ذوی الفروض ملے گا اور باقی ماندہ بطورِ عصبہ ملے گا۔

اور اگر میت کا کوئی ذوی الفروض وارث نہ ہو تو باپ عصبہ محض ہوگا اور وہ سارا مال لے لے گا۔

دادی کی وراثت کی تفصیل

دادی کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں بشرطیکہ اس سے پہلے ماں نہ ہو یا وہ دادی نہ ہو جو اس سے زیادہ قریب ہو، اگر اس سے پہلے ماں ہو یا وہ دادی ہو جو اس سے زیادہ قریب ہو تو پھر دادی کو کچھ نہیں ملے گا۔

پس اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے اپنی ماں کو چھوڑا اور باپ کی ماں کو چھوڑا، تو اس صورت میں باپ کی ماں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ میت کی ماں موجود ہے۔ اور اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے باپ کی ماں کو چھوڑا اور دادا کی ماں کو چھوڑا تو اس کے باپ کی ماں کو ملے گا اور دادا کی ماں کو نہیں ملے گا کیونکہ اس سے زیادہ قریب اس کے باپ کی ماں ہے۔ اور اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے ماں کی

ماں کو چھوڑا اور باپ کی ماں کو چھوڑا (یعنی نانی اور دادی کو) تو وہ دونوں چھٹے حصے میں شریک ہوں گے۔

دادا کی وراثت کی تفصیل

دادا باپ کی مثل ہے۔

بیٹیوں کی وراثت کی تفصیل

اگر میت کی بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہو تو بیٹے کو دو حصے ملیں گے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا نہ ہو تو میت کی ایک بیٹی کو نصف ملے گا اور دو یا دو سے زائد کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے۔

بہنوں کی وراثت کی تفصیل

بہنوں کی وراثت بیٹیوں کے مثل ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی ذوی الفروض وارث نہ ہو اور نہ اصول میں سے مذکر ہو، کیونکہ اگر ان کے ساتھ کوئی غیر ذوی الفروض وارث ہو یا اصول میں سے مذکر ہو تو راجح قول کے مطابق بہنیں مطلقاً ساقط ہو جاتی ہیں۔

جو ماں شریک بہن ہو وہ اگر ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو ایک تہائی حصہ ملے گا بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی ماں شریک بھائی نہ ہو، اگر ماں شریک بھائی ان کے ساتھ ہو تو پھر مرد کو دو حصے ملیں گے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۰۔ ۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْبَنَاتِ — بیٹیوں کی وراثت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیٹیوں کی وراثت کا بیان ہے اور قرآن مجید میں اس کی دلیل وہ آیت ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۔ (النساء: ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

اور زمانہ جاہلیت میں لوگ بیٹیوں کو وارث نہیں بناتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس رسم کو باطل کیا اور بیٹیوں کو بیٹوں کے ساتھ شریک رکھا اور اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۳ ۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَرِضْتُ بِمَكَّةَ مَرَضًا فَأَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد بن ابی وقاص نے خبر دی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مکہ

أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قَالَ قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ كَبِيرٌ إِنَّكَ إِنْ تَرَكْتَ وَلَدَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَأُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِي فَقَالَ لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي فَتَعْمَلَ عَمَلًا تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً وَلَعَلَّ أَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ قَالَ سُفْيَانُ وَسَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ۔

میں ایسی بیماری میں مبتلاء ہو گیا جس سے میں موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے اور میری وارث صرف میری بیٹی ہے، کیا پس میں دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: کیا میں نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: کیا میں تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی مال بڑا حصہ ہے، اگر تم اپنی اولاد کو خوشحال چھوڑ و تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ و اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور بے شک تم جب بھی کچھ خرچ کرو گے تو اس پر تم کو اجر ملے گا حتیٰ کہ جو لقمہ تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو (اس پر بھی اجر ملے گا)، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت کے بعد پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: تم ہرگز میرے بعد پیچھے نہیں رہو گے، پس تم جو بھی عمل کرو گے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے تمہارے درجہ کو زیادہ کرے گا اور بلند کرے گا۔ اور شاید کہ تم میرے بعد پیچھے رہو حتیٰ کہ تم سے کچھ لوگ نفع حاصل کریں گے اور دوسرے لوگ نقصان اٹھائیں گے، لیکن فقیر یا شدید ضرورت مند تو سعد بن خولہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اظہار افسوس کر رہے تھے کہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے۔

سفیان نے بتایا اور سعد بن خولہ بنو عامر بن لوی کے ایک مرد تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۶، ۱۲۹۵، ۲۷۴۲، ۲۷۴۴، ۳۹۳۶، ۴۴۰۹، ۵۳۵۴، ۵۶۵۹، ۵۶۶۸، ۶۳۷۳، ۶۷۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۴۹۵)

صحیح البخاری: ۶۷۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے بیٹیوں کی وراثت اور اس حدیث میں مذکور ہے ''میری وارث صرف میری بیٹی ہے'' اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحُمیدی، یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں، اور اس میں حُمید کی طرف نسبت ہے جو ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور یہ روایت کرتے ہیں زُہری سے اور وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے باب ''رثاء النبی ﷺ سعد بن خولہ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشفیت'' یعنی میں جھانک کر دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عالۃ'' یہ عائل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: فقیر۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یتکففون'' یعنی لوگوں کے سامنے اپنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اجرت'' یہ اجر کے مصدر سے مجہول کا صیغہ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''واُخَلَّف'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی میں مکہ میں باقی رہ جاؤں گا اور اپنی ہجرت سے متخلف ہوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرثی'' یعنی آپ کا دل حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے نرم ہوتا تھا اور آپ ان پر رحم فرماتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زُہری نے کہا۔ اور حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں فوت ہو گئے تھے اور اس حدیث کے مباحث کی شرح کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۸۔ ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۴۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ شَيْبَانُ عَنْ أَشْعَثَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَتَانَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ بِالْيَمَنِ مُعَلِّمًا وَأَمِيرًا فَسَأَلْنَاهُ عَنْ رَجُلٍ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ ابْنَتَهُ وَأُخْتَهُ فَأَعْطَى الِابْنَةَ النِّصْفَ وَالْأُخْتَ النِّصْفَ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۳، سنن داری: ۲۸۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود بن غیلان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالنضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ شیبان نے حدیث بیان کی از اشعث از الاسود بن یزید، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بطور معلّم اور امیر آئے، سو ہم نے ان سے سوال کیا کہ ایک مرد فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو انہوں نے بیٹی کو نصف دیا اور بہن کو بھی نصف دیا۔

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بیٹیوں کی وراثت'' اور اس حدیث میں بیٹی کو ترکہ کا نصف دینے کا ذکر ہے، اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، یہ ابن غیلان ہیں ان کی کنیت ابواحمد المروزی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالنضر کا ذکر ہے، ان کا نام ہاشم التمیمی ہے اور ان کا لقب قیصر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں اشعث کا ذکر ہے، یہ ابن سُلیم ہیں، ان کی کنیت الشعثاء الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں اسود بن یزید کا ذکر ہے، یہ ابن قیس النخعی الکوفی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں از موسیٰ بن اسماعیل روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیٹی کو نصف دیا''۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک بیٹی کا حصہ ترکہ کا نصف ہے، اور بہن کو نصف دیا اور یہ نص قرآن سے ثابت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں اور بہنوں کی وراثت کا ذکر

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (النساء:۱۱) اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے۔

اور نیز اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ ایک بہن کو بھی نصف ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ۔ (النساء:۱۷۶) اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا۔

پس اگر تم سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ دو بہنوں کو دو تہائی حصہ ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو

(النساء:۱۷۶) ... تہائی ہے

بہنوں کو دو تہائی حصہ ملے گا تو بیٹیوں کے ذکر سے بہنوں کے ذکر سے استغناء ہو گیا، کیونکہ بیٹیاں اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی حصہ ملتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ بہنیں بھی اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کو بھی دو تہائی حصہ ملے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبر دینے کا ثبوت

نیز صحیح البخاری: ۶۷۳۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''اگر تم نے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑا تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو فقیر چھوڑ دو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں''۔

اس حدیث میں یہ پیشگوئی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ان کے پاس وارثوں کی جماعت ہو اور یہ کہ وہ اس بیماری سے فوت نہیں ہوں گے۔ اور جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے متعدد بیٹے تھے اور یہ سب بیٹے اس مرض کے بعد پیدا ہوئے۔ اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبر کا ثبوت ہے اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۴۔ ۳۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں کے وارث ہونے کی دلیل

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیٹی بھی وارثوں میں سے ہے، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میری وارث صرف میری بیٹی ہو گی''۔ (صحیح البخاری: ۶۷۳۳)

اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کی رسم کو باطل کرنا ہے، کیونکہ اہلِ جاہلیت عورتوں کو وارث بنانے سے منع کرتے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ وارث صرف وہ بہادر لوگ ہوں گے جو شہروں میں دشمنوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ اور رہیں عورتیں تو ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ (النساء: ۷)

مردوں کے لیے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ، یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے ۝

عصبات کو ذوی الفروض سے تعبیر کرنے کا جواز

صحیح البخاری: ۶۷۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور بہن کو چھوڑا، تو انہوں نے بیٹی کو بھی نصف دیا اور بہن کو بھی نصف دیا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عصبات کو بھی ذوی الفروض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، کیونکہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی

ہیں، پس ایک بیٹی کو نصف دینے کے بعد جو مال باقی بچا وہ بہن کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جائے گا، لہٰذا باقی نصف بہن بحیثیت عصبہ کے لے لے گی۔

اور اگر بہن کی جگہ پھوپھی ہوتی تو پھر سارا مال بیٹی کو مل جاتا، کیونکہ پھوپھی ذوی الارحام میں سے ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابٌ: مِيرَاثُ ابْنِ الِابْنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ ابْنٌ

پوتے کی وراثت جب بیٹا نہ ہو

وَقَالَ زَيْدٌ وَلَدُ الْأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ وَلَا يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹوں کی اولاد، اولاد کے درجہ میں ہے جب کہ ان کے ساتھ مذکر اولاد نہ ہو، پوتوں کے مذکر بیٹوں کے مذکر کی مثل ہیں اور پوتوں کی مؤنثات بیٹوں کی مؤنثات کی طرح ہیں، پوتے اس طرح وارث ہوں گے جیسے بیٹے وارث ہوتے ہیں اور پوتے اس طرح حاجب ہوں گے جیسے بیٹے حاجب ہوتے ہیں، اور پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی مرد کا پوتا وارث ہوگا جب کہ اس کا صلبی بیٹا نہ ہو۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور یہ پورا ان کا قول امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اس کے اوپر علماء کا اجماع ہے اور اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سندِ موصول کے ساتھ از عبد الرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود روایت کیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ پوتا بیٹے کے درجہ میں ہے یعنی صُلبی بیٹے کے درجہ میں ہے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اذا لم یکن دونھم ولد'' یعنی جب میت اور اس کے پوتوں کے درمیان صلبی بیٹا نہ ہو۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''ذکر'' اور مذکر کی قید سے مؤنث سے احتراز کیا۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''ذکرھم کذکرھم'' یعنی پوتوں کے مذکر، بیٹوں کے مذکر کی مثل ہیں اور پوتوں کی مونث بیٹوں کی مونث کی مثل ہیں، یعنی جس طرح بیٹے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پوتے وارث ہوں گے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''ویحجبون'' یعنی پوتے جب منفرد ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اپنے سے نچلے طبقہ کے لوگوں کے لیے حاجب ہوں گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ جس میت نے شوہر کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا اور بیٹی کو چھوڑا اور پوتے کو

چھوڑا اور پوتی کو چھوڑا۔

اس صورت میں ذوی الفروض کو مقدم کیا جائے گا، پس شوہر کو چوتھا حصہ دیا جائے گا اور ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بیٹی کو نصف حصہ دیا جائے گا اور جو باقی ماندہ مال ہے وہ پوتے اور پوتیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پوتے کو دو حصے ملیں گے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا۔

پس اس مسئلہ کی صورت میں بارہ (۱۲) سے تقسیم کی جائے گی اور تین حصے شوہر کو دیے جائیں گے اور دو حصے ماں کو دیے جائیں گے اور چھ حصے بیٹی کو دیے جائیں گے، اور باقی جو ایک حصہ بچا ہے وہ پوتے اور پوتیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور اب اصل مسئلہ کو تین سے ضرب دے دی جائے گی اور اب چھتیس (۳۶) سے ہوگی۔ سو اس میں سے نو (۹) حصے شوہر کو دیے جائیں گے اور چھ (۶) حصے ماں کو دیے جائیں گے اور اٹھارہ (۱۸) حصے بیٹی کو دیے جائیں گے، اور باقی ماندہ تین حصوں میں سے دو پوتوں کو اور ایک حصہ پوتیوں کو دیا جائے گا۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوگا''۔ اور یہ بات پہلے بھی سمجھ آ رہی تھی کیونکہ اوپر والا نیچے والے کے لیے حاجب ہو جاتا ہے لیکن بطور تاکید اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

یتیم پوتے کی وراثت کا قانون

میں کہتا ہوں: ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بنائے گئے تھے اور اس میں بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو وارث قرار دیا گیا تھا اور ابھی تک یہ قانون اسی طرح جاری ہے اور ختم نہیں کیا گیا اور یہ قانون خلاف شرع ہے، اول تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ میراث کا یہ اصول ہے کہ اوپر کے درجہ کے وارث کے ہوتے ہوئے نچلے درجہ کے وارث کو ترکہ سے نہیں دیا جاتا، لہٰذا جب بیٹا موجود ہو تو پوتے کو نہیں دیا جائے گا۔ اور ابھی تک یہ غیر شرعی قانون اسی طرح قائم ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ تمام قوانین جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہیں ان کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یتیم پوتے کا کوئی کفیل نہیں ہوتا تو اس کی کفالت کے لیے کچھ حصہ مقرر ہونا چاہیے تو اس کا طریقہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ مرنے والا یتیم پوتے کے لیے تہائی مال میں سے کچھ وصیت کر دے۔ اس طرح یتیم پوتے کی کفالت کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور کسی اسلامی اصول کی مخالفت بھی لازم نہیں آئے گی۔ اور اس کی صورت اس طرح ہوگی کہ ایک شخص مثلاً زید مر رہا ہے اور اس کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا زندہ ہے اور دوسرا بیٹا جو فوت ہو چکا ہے اس کا بیٹا بھی موجود ہے اور یہ زید کا یتیم پوتا ہے، سو اس کی کفالت کے لیے زید کو یوں کرنا چاہیے کہ وہ اپنے ترکہ کے تہائی مال سے یتیم پوتے کے لیے کچھ وصیت کر دے۔ اس طرح قانون وراثت کی مخالفت نہیں ہوگی۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۷۳۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کو ذوی الفروض کے ساتھ ملا دو اور جو
باقی بچے تو وہ اس مذکر مرد کے لیے ہے جو زیادہ قریب ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۳۲، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہ وہ ہے جو عنقریب "باب میراث الولد من ابیہ وامہ" میں گزر چکی ہے اور اس کو دوبارہ دو فائدوں کی وجہ سے ذکر کیا ہے:

(۱) اس میں یہ اشارہ ہے کہ بیٹوں کی اولاد بھی اولاد کے درجہ میں ہے۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ حدیث امام بخاری کے دو شیوخ سے مروی ہے، ان میں سے ایک شیخ موسیٰ بن اسماعیل از وہیب ہیں جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور دوسرے شیخ مسلم بن ابراہیم از وہیب ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: مِيرَاثِ ابْنَةِ ابْنٍ مَعَ ابْنَةٍ — بیٹی کے ہوتے ہوئے پوتی کی وراثت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتی کی وراثت کا کیا حکم ہے، اور اس حکم کو امام بخاری نے عنوان میں بیان نہیں کیا کیونکہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو قَيْسٍ سَمِعْتُ هُزَيْلَ بْنَ شُرَحْبِيلَ قَالَ سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوقیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہزیل بن شرحبیل سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک بہن (کی وراثت کے متعلق) تو انہوں نے کہا: بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا اور تم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، وہ بھی عنقریب میری موافقت کریں گے، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ان کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی خبر

تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ.

دی تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: "(اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا" (الانعام:٥٦)، میں اس مسئلہ میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا، بیٹی کے لیے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ ہے تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کے لیے ہے۔ پھر ہم حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پس ہم نے ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کی خبر دی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو۔

(صحیح البخاری:٦٧٤٢، سنن ترمذی:٢٠٩٣، سنن ابوداؤد:٢٨٩٠، سنن ابن ماجہ:٢٧٢١، مسند احمد:٣٦٨٣)

صحیح البخاری:٦٧٣٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں پوتی کی بیٹی کے ساتھ وراثت کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقیس، ان کا نام عبدالرحمٰن بن سروان ہے، ان کی ١٢٠ھ میں وفات ہوئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے هُزَیل بن شُرَحْبِیل، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ان دونوں کا ذکر پہلے نہیں گزرا۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں از عبداللہ بن عامر بن زرارۃ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از الحسن بن عرفہ روایت کی ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از محمود بن غیلان روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از علی بن محمد از وکیع روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا"۔

امام نسائی نے از شعبہ از غندر روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس وقت وہ امیر تھے اور سلمان بن ربیعہ الباہلی کے پاس آیا اور ان دونوں سے سوال کیا، اسی طرح امام ابوداؤد نے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ اور امام

طحاوی اور امام دارمی نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ سلمان بن ربیعہ حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ کوفہ کے منصب قضاء پر فائز تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ ''(اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہوجاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا'' O (الانعام:۵۶)

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس آیت کو پڑھنے کی غرض یہ تھی کہ اگر انہوں نے یہ کہا کہ پوتی محروم ہوجاتی ہے تو وہ گمراہ ہوجائیں گے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات کا جواب دیا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ابن مسعود میری موافقت کریں گے، انہوں نے یہ اشارہ کیا کہ اگر وہ ان کی موافقت کرتے تو ان کے نزدیک جو صریح سنت سے ثابت حکم تھا اس کی مخالفت ہوتی، اور اگر وہ اس کی عمداً مخالفت کرتے تو وہ گمراہ ہوجاتے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اقضی فیھا'' یعنی میں اس مسئلہ میں وہ فیصلہ کروں گا یا اس قضیہ میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ میں فیصلہ فرمایا تھا۔ اور سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ابوموسیٰ کے قول کی مثل کیسے کہہ سکتا ہوں حالانکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں سن چکا ہوں، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ذکر کیا۔ اور یہ قضیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، اور اس سے پہلے کوفہ کے گورنر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، پھر ان کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی گورنری سے پہلے معزول کردیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاتینا ابا موسیٰ'' اس میں یہ خبر دی ہے کہ ہزیل راوی بھی سائل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تھا اور پھر وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کی خبر دی، اس تفصیل کا المزی نے الاطراف میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث ہزیل کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ما دام ھذا الحَبْر'' (الحَبْر میں حاء پر زبر ہے) حَبْر سے مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ حَبْر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کلام میں حسن ہو اور وہ کلام کو مزین کرتا ہو۔ علامہ الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ حَبْر بھی ہے زبر کے ساتھ اور حِبْر بھی ہے زیر کے ساتھ، اور علامہ جوہری نے زیر کو ترجیح دی ہے اور فراء نے وثوق کے ساتھ حِبْر کہا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(ا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسئلہ کے اندر اختلاف ہو تو حجت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی حدیث ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں انصاف تھا اور وہ حق کا اعتراف کرتے تھے اور حق کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے علم کی شہادت دیتے تھے اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا زیادہ علم تھا۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا جب ان کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث کی بناء پر ان سے اختلاف کیا ہے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی عالم سے کسی مسئلہ کا جواب پوچھا جاتا ہے، اگرچہ اس عالم نے تمام سنتوں کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہوتا اور اگر عالم اس وقت تک کسی مسئلہ کا جواب نہ دے جب تک اس نے تمام سنتوں کا احاطہ نہ کر لیا ہو تو پھر کوئی شخص فقہ میں کلام نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب میں یہ خبر ہے کہ انہوں نے اپنے سابق قول سے رجوع کر لیا۔

اور حافظ ابوعمر نے کہا: اس مسئلہ میں صرف حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ الباہلی نے مخالفت کی تھی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع کر لیا اور شاید کہ سلمان نے بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح رجوع کر لیا ہو، اور اس سلمان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور سلمان نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عراق کی فتوحات میں بہت کارنامے انجام دیئے تھے، اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہید ہو گئے اور ان کو سلمان الخیل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں گھوڑوں کی بہت زیادہ معرفت تھی۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ جب تک حدیث کی معرفت نہ ہو تو قیاس پر عمل کرنا جائز ہے اور حدیث کی معرفت کے بعد حدیث کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو حکم حدیث کے خلاف ہو اس کو توڑنا بھی واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۳۔ ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے اس حدیث کے جو فوائد ذکر کیے ہیں، یہ سب علامہ ابن بطال نے اپنی شرح میں ذکر کئے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اسی طرح علامہ ابن ملقن نے بھی ان فوائدِ مذکورہ کو اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔

نیز علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تین فائدے ہیں: ایک یہ ہے کہ دو بیٹیوں کو دو ثلث ملتا ہے اور دوسرا یہ کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اور تیسرا یہ کہ پوتی بیٹی کے قائم مقام ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۷۶، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں جو مباحث ذکر کیے ہیں وہ تمام مباحث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیے ہوئے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۹۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٩- بَابُ: مِيرَاثِ الْجَدِّ مَعَ الْأَبِ وَالْإِخْوَةِ

باپ اور بھائیوں کی دادا کے ساتھ وراثت

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ الْجَدُّ: أَبٌ

اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم نے کہا: دادا باپ ہے۔

وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَابَنِي آدَمَ (الاعراف:٢٧) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآءِيْ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ (یوسف:٣٨)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: ''اے آدم کی اولاد''۔ اور یہ آیت پڑھی: ''اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی۔

وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَحَدًا خَالَفَ أَبَا بَكْرٍ فِي زَمَانِهِ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَافِرُونَ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَرِثُنِي ابْنُ ابْنِي دُونَ إِخْوَتِي وَلَا أَرِثُ أَنَا ابْنَ ابْنِي

اور یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان کے زمانہ میں مخالفت کی حالانکہ وہ بہت زیادہ تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میرا پوتا میرا وارث ہوگا نہ کہ میرے بھائی اور میں اپنے پوتے کا وارث نہیں ہوں گا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدٍ أَقَاوِيلُ مُخْتَلِفَةٌ۔

اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دادا کی وراثت کو باپ کے ساتھ اور سگے بھائیوں کے ساتھ اور باپ شریک بھائیوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''حضرت ابوبکر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ باپ، دادا ہے''۔

دادا سے مراد ہے جدِ صحیح (جو نانا نہ ہو) اس کا حکم وہ ہے جو باپ کا حکم ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو۔ اور جدِ صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت کریں تو درمیان میں ماں کا واسطہ نہ ہو یعنی میت کی ماں کا باپ (نانا) نہ ہو۔ اور کبھی دادا پر باپ کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف:٢٧)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا۔

اور جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا جو ہمارے جدِ اعلیٰ ہیں اور اس آیت میں ان پر باپ کا اطلاق فرمایا ہے۔ پس جب جدِ اعلیٰ پر باپ کا اطلاق ثابت ہے تو باپ کے باپ پر جد کا اطلاق بطریقِ اولیٰ ہوگا۔

اور باپ کے وراثت میں تین احوال ہوتے ہیں:

(۱) فرضِ مطلق: (وہ چھٹا حصہ ہے)۔

(۲) فرض اور عصبہ: یعنی اس کو چھٹا حصہ بطور فرض کے ملے گا اور جو باقی بچا ہو گا وہ بطور عصبہ کے ملے گا۔

(۳) عصبہ محض: یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اس کو مل جائے گا۔

پس دادا تمام احوال میں باپ کی مثل ہیں سوائے چار مسائل کے، ان مسائل میں دادا، باپ کے قائم مقام نہیں ہوتا:

(۱) عینی بھائی بہن اور تمام جدات بالا جماع باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور دادا سے ساقط نہیں ہوتے سوائے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے۔

(۲) ماں، شوہر یا بیوی کے ساتھ ہو اور باپ بھی ہو تو ماں باقی ماندہ کا ثلث لیتی ہے اور دادا کے ساتھ کل مال کا ثلث لیتی ہے سوائے امام ابو یوسف کے کیونکہ ان کے نزدیک دادا اس مسئلہ میں باپ کی مثل ہے۔

(۳) باپ کی ماں یعنی دادی خواہ وہ اوپر کے درجہ میں ہو، وہ باپ سے ساقط ہو جاتی ہے اور دادا سے ساقط نہیں ہوتی خواہ وہ اوپر کے درجہ کی ہو۔

(۴) آزاد شدہ مرد جب آزاد شدہ کے باپ کو چھوڑے اور بیٹے کو تو وَلاء کا چھٹا حصہ باپ کے لیے ہے اور باقی بیٹے کے لیے ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سب بیٹے کے لیے ہے۔ اور اگر اس نے آزاد شدہ کا بیٹا اور دادا کو چھوڑا تو پوری وَلاء بالاتفاق بیٹے کے لیے ہو گی۔

یہ ان صحابہ کے کلام کی شرح ہے اور میں نے شراح میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس میں سے کسی کو بھی ذکر کیا ہو۔

اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر وغیرہ نے جو کہا ہے کہ دادا، باپ ہے یعنی حقیقتاً باپ ہے۔

علامہ عینی ان بعض شارحین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات ان لوگوں میں سے کسی نے بھی نہیں کہی جو حقیقت اور مجاز کے درمیان تمیز رکھتے ہیں، رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ دادا باپ ہے تو اس کو امام دارمی نے امام مسلم کی شرط کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو محمد بن نصر المروزی نے کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ دادا، باپ ہے۔ اور رہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول تو ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اہلِ کوفہ نے ابن الزبیر کی طرف لکھ کر دادا کے متعلق معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف: ۲۷)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا۔

اور دوسری آیت یہ پڑھی:

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ۔ ''اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی''۔ (یوسف:۳۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الاعراف:۲۶ پڑھی اور اس سے یہ استدلال کیا کہ دادا باپ کے درجہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے اولادِ آدم!'' اور دوسری آیت پڑھی'''' اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی''۔ اس میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام پر باپ کا اطلاق کیا حالانکہ وہ سب دادا ہیں۔

اور امام سعید بن منصور نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ دادا، باپ ہے اور یہ آیت پڑھی ''وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ۔ الآیۃ''

اور یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہو کہ دادا، باپ کے درجہ میں ہے اور یہ اجماعِ سکوتی ہے کیونکہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور کسی نے بھی مخالفت نہیں کی۔

اور جن صحابہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی مثل کہا وہ حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، شریح اور شعبی نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔ اور فقہاءِ مجتہدین میں سے عثمان البتی، امام ابوحنیفہ، اسحاق، ابوثور، داؤد، المزنی اور ابن شریح نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔

اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ بھائی، دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں لیکن اس کی کیفیت میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی تفصیل کا مقام کتبِ فرائض ہیں۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ''میرا وارث میرا پوتا ہوگا نہ کہ میرے بھائی اور نہ میں اپنے پوتے کا وارث ہوں گا''۔

اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کا ارادہ کیا یعنی دادا کیوں وارث نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دادا وارث نہیں ہوگا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ فقط دادا کیوں وارث نہیں ہوگا نہ کہ اس کا بھائی۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اور اس تعلیق میں مذکور ہے ''اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال منقول ہیں''۔

امام بخاری نے یہاں پر ''یُذکر'' مجہول کا صیغہ ذکر کیا، اس میں اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ بھائی دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں لیکن ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول امام دارمی نے روایت کیا ہے، وہ دادا کو بھائی اور دو بھائیوں کے ساتھ وارث کرتے ہیں، پس جب بھائی زیادہ ہو جائیں تو وہ دادا کو تہائی حصہ دیتے ہیں اور بیٹے کے ساتھ چھٹا حصہ دیتے ہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول الشعبی نے روایت کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے اس مسئلہ کا سوال کیا کہ چھ بھائی ہیں اور دادا ہے، تو انہوں نے ان کی طرف لکھا کہ دادا کو بھائیوں میں سے ایک کے درجہ میں رکھو اور میرے اس مکتوب کو مٹا دو۔ اور حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں کے ساتھ چھٹے حصے تک شریک کرتے تھے اور ان کے اور بھی اقوال ہیں۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اور اپنی ماں کو اور اپنے دادا کو اور اپنے باپ شریک بھائی کو چھوڑا تو انہوں نے کہا کہ شوہر کے لیے تین حصے ہوں گے اور نصف ہوگا اور ماں کے لیے باقی ماندہ میں سے تہائی حصہ ہوگا اور وہ پورے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا اور بھائی کے لیے ایک حصہ ہوگا اور دادا کے لیے بھی ایک حصہ ہوگا۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی امام دارمی نے حسن بصری سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی تک شریک قرار دیتے تھے۔ اور امام عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں سے ایک تہائی تک شریک قرار دیتے تھے۔ پس جب تہائی باپ کو دے دیتے تو بھائیوں کو باقی ماندہ دیتے اور بھائیوں کو باپ کے ساتھ تقسیم کرتے تھے، پھر باقی ماندہ مال کو بھائیوں پر رد کر دیتے تھے۔ اور باپ شریک بھائیوں کو سگے بھائیوں کے ساتھ شریک رکھتے تھے اور ماں شریک بھائی کو باپ کے ساتھ بالکل نہیں دیتے تھے اور ان کے اس مسئلہ میں اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم نے بوجہ اختصار ترک کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۲-۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: ذوی الفروض کے حصص کو ان کے ساتھ ملا دو اور جو باقی بچے تو جو مرد مذکر ہو اس کو دے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب کے تحت وارد کرنے کی وجہ ہے حالانکہ یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ جو میت کے زیادہ قریب رشتہ دار ہو اس کو دے دیا جائے اور دادا زیادہ قریب رشتہ دار ہے تو باقی ماندہ اس کو دے دیا جائے گا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا جو دادا اور بھائی کو وراثت میں شریک قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ میت کے زیادہ قریب ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے اور یہ ابن خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٣٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُهُ وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ أَوْ قَالَ خَيْرٌ فَإِنَّهُ أَنْزَلَهُ أَبًا أَوْ قَالَ قَضَاهُ أَبًا۔

(صحیح البخاری: ٤٦٧، ٣٦٥٦، ٦٧٣٨، مسند احمد: ٢٤٢٨)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہے کہ اگر میں اس امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں اس کو ضرور بناتا، لیکن اسلام کی خلة افضل ہے یا فرمایا: زیادہ بہتر ہے، بے شک آپ نے ان کو باپ کے درجہ میں رکھا یا فرمایا: ان کو باپ کے حکم میں رکھا۔

صحیح البخاری: ٦٧٣٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوبکر نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، ان کا نام عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج المنقری المقعد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید البصری ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لو کنت متخذا" یعنی اگر میں اللہ کے غیر کی طرف منتقل ہوتا تو ابوبکر کی طرف منتقل ہوگا لیکن یہ ممنوع ہے اور اس کی وجہ امتناع یہ ہے کہ اسلام کی خلة افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٧٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٧٣٨، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دادا کو باپ کے درجہ میں رکھنے کے متعلق متعدد روایات

یزید بن ہارون نے از ربیع بن صبیح روایت کی ہے، ہمیں عطاء نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن وہ میرے (دینی) بھائی ہیں اور غار میں میرے صاحب ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ دادا باپ ہے جب اس کے سوا کوئی باپ نہ ہو جیسا کہ پوتا بیٹا ہوتا ہے جب اس کے سوا کوئی بیٹا نہ ہو۔

از حجاج بن ارطاۃ از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: جو چاہے ہم سے الحجر الاسود کے پاس لعان کرلے کہ دادا باپ ہے اور اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہ دادا کا ذکر کیا ہے اور نہ دادی کا اور یہ دونوں آباء ہیں اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ (یوسف:۳۸)

اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی۔

اور ہمیں محمد بن سالم نے خبر دی از الشعبی کہ حضرت ابوبکر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم یہ سب دادا کو باپ قرار دیتے تھے، جس کے لیے باپ وارث ہوتا ہے اس کے لیے دادا وارث ہوتا ہے اور جس کے لیے باپ حاجب ہوتا ہے اس کے لیے دادا حاجب ہوتا ہے۔

اور ہمیں یزید بن ابراہیم التستری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسن نے خبر دی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باپ کو دادا قرار دیا۔

ہمیں حماد بن سلمہ نے خبر دی از اللیث از طاؤس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں دادا کو باپ قرار دیتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۴۴۸۰ ـ ۴۷۹ ، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

۱۰ ـ بَابُ: مِيرَاثِ الزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ

اولاد وغیرہ کے ساتھ شوہر کی وراثت

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اولاد وغیرہ کے ساتھ شوہر کی وراثت کو بیان کیا گیا ہے جو وارثین میں سے ہیں، پس شوہر کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا البتہ اس کا درجہ اولاد کی وجہ سے نصف سے چوتھائی تک کم ہو جاتا ہے۔ (یعنی شوہر کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف ملے گا اور اولاد ہو تو اس کو چوتھائی حصہ ملے گا)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۷۳۹ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۴۷، ۴۵۷۸، ۶۷۳۹، سنن دارمی: ۳۲۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی از ورقاء از ابن ابی نجیح از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مال اولاد کے لیے تھا اور وصیت والدین کے لیے تھی، پس اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جس کو چاہا منسوخ کر دیا، پس مرد کے لیے عورت کے دو حصے کر دیے، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ کر دیا، اور بیوی کے لیے آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ رکھا اور شوہر کے لیے نصف حصہ اور چوتھا حصہ رکھا۔

صحیح البخاری: ۶۷۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کتاب الفرائض کے شروع میں دو آیتیں ہیں ان سے ان کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وصیت والدین کے لیے تھی اور اس کا حکم کتاب الوصایا میں گزر چکا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ورقاء کا ذکر ہے، یہ الاورق کی مونث ہے اور الاورق عمر الخوارزمی کے بیٹے ہیں اور وہ عبداللہ بن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ القطان نے کہا کہ وہ قدری تھے یعنی منکرِ تقدیر تھے اور وہ عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شوہر اور بیوی کے مقررہ حصوں پر اجماع

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب بیوی کی شوہر سے اولاد نہ ہو اور نہ کسی اور سے تو شوہر کو نصف ملتا ہے اور اگر بیوی کے لیے اس شوہر سے اولاد ہو یا کسی اور سے تو شوہر کو چوتھائی ملتا ہے اور اس فرض سے اس کی کمی نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح بیوی کی شوہر سے وراثت ہے۔ اسی طرح جب شوہر کی بیوی سے اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور اگر بیوی کی شوہر سے اولاد نہ ہو تو اس کو چوتھائی حصہ ملتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ وَالزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ — عورت اور شوہر کی وراثت اولاد کے ساتھ

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں عورت کی وراثت کا بیان کیا گیا ہے اور شوہر کی وراثت کا اولاد کے ساتھ اور "وغیرہ" کا معنی ہے جو وارثین میں سے ہیں۔ پس عورت اور شوہر کی وراثت کسی حال میں بھی کم نہیں ہوتی، بلکہ اولاد شوہر کی وراثت کو نصف سے ربع تک کم کرتی ہے اور اولاد عورت کی وراثت کو چوتھائی سے آٹھویں حصہ تک کم کرتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى لَهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے اس بچہ کے متعلق ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنے کا حکم دیا جو مردہ (حالت میں) گر گیا تھا۔ پھر وہ عورت جس کے خلاف

غلام یا باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا فوت ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس عورت کی وراثت اس کے بیٹوں اور اس کے خاوند کو ملے گی۔اور دیت کی ادائیگی اس عورت کے عصبات پر لازم ہوگی۔

(صحیح البخاری:۵۷۵۸،صحیح مسلم:۱۶۸۱،سنن ترمذی:۲۱۱۱،سنن نسائی:۴۸۱۷،مسند احمد:۱۰۵۷۰)

صحیح البخاری:۶۷۴۰،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کے عنوان میں عورت کی وراثت کا ذکر ہے اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں کو اور اس کے شوہر کو ملے گی۔۔۔الحدیث

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن المسیب کا ذکر ہے، ان کا نام سعید ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کا ذکر کتاب الدیات میں از عبداللہ بن یوسف کیا ہے۔امام مسلم نے اس حدیث کا ذکر کتاب الحدود میں کیا ہے۔امام ترمذی نے اس کا ذکر کتاب الفرائض میں کیا ہے اور امام ابوداؤد اور النسائی نے اس کا ذکر الدیات میں کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

پیٹ کے بچہ کو مارے جانے کا قصہ اور اس کے متعلق متعدد روایات میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے''فی جنین امراۃ'' یعنی ایک عورت کے پیٹ کے بچے کے مارے جانے کے سبب سے۔

امام بخاری نے کتاب الدیات میں بیان کیا ہے کہ قبیلہ ہزیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں، پس ایک عورت نے دوسری عورت کے اوپر ایک پتھر مارا اور اس کی ضرب سے اس عورت کو بھی مار دیا اور جو اس کے پیٹ میں بچہ تھا اس کو بھی مار دیا۔۔۔الحدیث

کہا جاتا ہے کہ جو عورت مارنے والی تھی اس کو ام عفیف بنت مسروح کہا جاتا تھا اور جس عورت کو پتھر مارا گیا تھا اس کو ملیکہ بنت عویم کہا جاتا تھا۔دوسرا قول ہے کہ عویمر براء کہا جاتا تھا، اس کا حافظ ابو عمر بن عبدالبر مالکی نے ذکر کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۴۶۷)

اور امام بخاری کی عبارت اس طرح ہے کہ قبیلہ ہزیل کی دو عورتوں نے ایک دوسرے کو پتھر مارا، پس دوسری عورت کے پیٹ کا بچہ ساقط ہو گیا۔۔۔الحدیث

اور یہاں اس حدیث میں امام بخاری نے کہا ہے کہ جس عورت کو پتھر مارا گیا تھا وہ بنولحیان سے تھی اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں ہے کیونکہ لحیان، ہزیل کی ایک شاخ ہے اور وہ لحیان بن ہذیل بن مدرکہ ہے۔

علامہ الجوہری نے کہا ہے: بلحیان میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ قبیلہ کا باپ ہے۔ اور ایک روایت میں ہزلیہ اور عامریہ ہے اور اس کی نسبت ابن ابی فروہ کی طرف ہے اور یہ ضعیف ہے اور ان دونوں میں تعارض ظاہر ہے۔ (الصحاح للجوہری ج ۶ ص ۲۴۸۰)

اور صحیح مسلم کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی سوکن تھی۔
(صحیح مسلم: ۱۶۸۲، کتاب القسامۃ، باب دیۃ الجنین)

اور امام ابوداؤد نے مجالد کی سند سے روایت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک شوہر کے نکاح میں تھی اور اس میں بھی کوئی منافاۃ نہیں ہے کیونکہ اس احتمال کا ارادہ ہے کہ وہ دونوں سوکنیں نہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۵)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو خیمہ کی لکڑی سے مارا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۸۶۲)

اور سنن ترمذی کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر سے مارا تھا۔ (سنن ترمذی: ۱۴۱۱)

اور اس میں بھی کوئی تخالف نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے لکڑی سے مارا ہو اور پھر پتھر سے مارا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سقط" یعنی وہ پیٹ کا بچہ ساقط ہو گیا اس حال میں کہ وہ مردہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے ایک غلام یا ایک باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا"۔ اس حدیث میں جو "یا" کا لفظ ہے یہ تنویع اور تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں ہے۔

پیٹ کے بچہ کے تاوان میں دیے جانے والے مویشیوں کی اقسام اور ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات

اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیٹ کے بچہ کے سبب سے ایک غلام یا ایک باندی یا ایک گھوڑے یا ایک خچر یا ایک گدھے کا فیصلہ فرمایا۔ اور یہ حدیث معلول ہے (یعنی اس میں علتِ خفیہ قادحہ طاعنہ ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۹)

اور امام ابن ابی شیبہ نے عطاء سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ نے فقط خچر کا فیصلہ فرمایا۔ اور دوسری روایت ہے: یا گھوڑے کا فیصلہ فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۹۲۔۳۹۱)

اور امام الدارقطنی نے از معمر از ابن طاؤس از والد خود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: یا آپ نے گھوڑے کا فیصلہ فرمایا۔
(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۷۷)

اور ابن سیرین نے کہا: اس میں سو بکریاں دینا کافی ہے۔

اور امام ابوداؤد نے بعض سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس میں پانچ سو بکریاں دینا کافی ہے اور یہ ان کا وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ سو بکریاں دینا کافی ہے جیسا کہ اس پر امام ابوداؤد نے تنبیہ کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۸)

اور مسند الحارث بن ابی اسامہ میں حمل بن مالک کی حدیث سے مذکور ہے: یا دس اونٹ کا فیصلہ فرمایا، یا سو بکریوں کا فیصلہ فرمایا۔ (اتحاف الخیرۃ المھرۃ ج ۴ ص ۱۹۲، رقم: ۳۴۰۸، المطالب العالیہ ج ۸ ص ۱۶۹، رقم: ۱۹۰۲)

اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ ابوالملیح نے بھی از والد خود از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی روایت کی ہے، مگر انہوں نے کہا ہے: یا ایک سو

بیس بکریوں کا فیصلہ فرمایا، اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۱۵)

اور وکیع نے از عبد اللہ بن ابی بکر از ابی الملیح الہذلی روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ حمل بن مالک کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ایک عورت بنو سعد کی تھی اور ایک عورت الملیح الہذلی کی تھی۔ پس السعدیہ نے اللحیانیہ کو پتھر مارا، سو اس کو جان سے مار ڈالا اور ایک لڑکا ساقط کر دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ کو مارنے کے سبب سے ایک غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا، پس عویمر نے کہا جن کے خلاف غلام کو آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا گیا تھا: یارسول اللہ! میرے پاس تو کوئی غلام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر دس اونٹ دو، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس تو اونٹ نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: پھر ایک سو بیس بکریاں دو، ان بکریوں میں نہ کوئی کانی ہو، نہ کوئی بوڑھی ہو، جن میں کسی کا نہ کوئی سینگ کٹا ہوا ہو اور نہ وہ کان کٹی ہو، اس نے کہا: یارسول اللہ! پھر بنو لحیان کے صدقہ میں سے میری مدد کیجئے، پس آپ نے ایک مرد سے فرمایا: اس کی مدد کرو۔

اور امام عبد الرزاق نے از ابو جابر البیاضی روایت کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں از سعید بن المسیب از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کسی عورت کے پیٹ کے بچہ کو جو مارا جائے تو اگر وہ بچہ لڑکا ہو تو اس میں ایک غلام کو آزاد کیا جائے، اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس میں ایک باندی کو آزاد کیا جائے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۶۱، رقم: ۱۸۳۵۴)

''غرۃ'' کا معنی اور تاوان میں دیے جانے والے غلام کے رنگ کے متعلق مختلف اقوال

حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی نے کہا ہے: ''غرۃ'' کا معنی یہاں پر ہے ''الابیض'' یعنی سفید، پس اس میں سیاہ رنگ کا غلام یا سیاہ رنگ کی باندی کو نہیں لیا جائے گا۔ اور امام مالک نے کہا: سرخ رنگ کے غلام اور باندی میرے نزدیک سیاہ رنگ کے غلام اور باندی سے زیادہ مستحب ہیں۔ الابہری نے کہا: غرۃ سے مراد ہے البیض یعنی سفید، اگر اس شہر کے اندر سفید غلام نہ ہوں تو پھر سیاہ غلام دے دیئے جائیں گے۔ اور امام مالک نے کہا: اس شہر کے متوسط غلاموں میں سے دیے جائیں گے، پس اگر اس شہر کے غلاموں میں اکثر سرخ ہوں تو ان میں سے متوسط دیے جائیں گے اور اگر اکثر سیاہ ہوں تو ان میں سے متوسط دیے جائیں گے۔ اور امام مالک نے کہا: اس سے مراد غلام یا باندی ہے۔

جس عورت پر تاوان تھا اس کے مر جانے کی صورت میں اس کی وراثت کا مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس عورت کے خلاف ''غرۃ'' کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ فوت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کی وراثت اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لیے ہے اور دیت اس کے عصبات پر لازم ہے۔ (کیونکہ عصبات میت کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اگر میت پر کوئی تاوان لازم ہو تو وہ بھی ان کو ہی ادا کرنا ہوگا)۔

''غرۃ'' کی ادائیگی کس پر لازم ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف

امام مالک اور حسن بن حی نے کہا ہے کہ یہ جنایت یعنی جرم کرنے والے کے مال میں لازم ہے، پھر کفارہ ہے اور یہ الحسن اور الشعبی کا قول ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ابراہیم، العطاء اور الحکم نے اسی کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ ''غرۃ'' عاقلہ (عصبات) پر ہے۔ یہ الثوری، النخعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے

اصحاب کا قول ہے۔اور یہی ابن سیرین اور ابراہیم کا دوسری روایت میں قول ہے۔اوران کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ''غرۃ'' کو عورت کے عاقلہ پر لازم کیا ہے۔

اور حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی نے کہا: یہ اس مسئلہ میں نص سے ثابت ہے اور صحیح ہے اختلاف کے محل میں اور اسی پر حکم لگانا واجب ہے۔

''غرۃ'' کی قیمت میں فقہاء کا اختلاف

امام مالک نے کہا: اس کی قیمت پچاس دینار ہے یا چھ سو درہم ہے جو آزاد، مسلمان مرد کی دیت کا پانچواں حصہ ہے۔اور آزاد مسلمان عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور یہی الزہری، الربیعہ اور تمام اہلِ مدینہ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور تمام فقہاء کوفہ نے کہا ہے: اس کی قیمت پانچ سو درہم ہے اور یہی ابراہیم نخعی اور شعبی کا قول ہے۔

پیٹ کے مارے جانے والے بچہ کی صفت میں فقہاء کا اختلاف

پیٹ کے جس بچہ کے مارے جانے پر ایک ''غرۃ'' کو دینے کا حکم ہے، اس کی صفت کے متعلق امام مالک نے کہا: عورت نے جب اس کو ساقط کیا ہو تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہو یا جما ہوا خون ہو یا جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ بچہ ہے تو اس میں ایک ''غُرّۃ'' دیا جائے گا، پس اگر وہ پیٹ کا بچہ ساقط ہو جائے اور وہ آواز نہ نکالے تو اس میں ایک ''غرۃ'' ہے خواہ اس نے حرکت کی ہو یا اسے چھینک آئی ہو، تب بھی اس میں ایک ''غرۃ'' ہے، اور اگر اس نے آواز نکالی ہو تو اس میں مکمل دیت ہے (یعنی سو اونٹ)۔

امام شافعی نے کہا: اس کے سبب سے کوئی چیز واجب نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کی تخلیق سے کوئی چیز واضح ہو جائے، پس اگر اس کی حرکت سے یا اس کے چھینک لینے سے یا اس کے آواز نکالنے سے یا کسی اور طریقہ سے اس کی حیات کا علم ہو جائے اور اس کی زندگی کا یقین ہو جائے پھر وہ مر جائے تو اس میں دیت ہے۔

اور حافظ ابن عبدالبر مالکی نے کہا: اور یہی تمام فقہاء کا قول ہے اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پیٹ کا بچہ جب نکلا پھر مر گیا تو اس میں دیت بھی ہے اور کفارہ بھی ہے۔ (دیت سو اونٹ ہے اور کفارہ سے مراد قتلِ خطاء کا کفارہ ہے یعنی ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے)۔

امام مالک نے کہا: اس میں قسامت ہے۔اور امام ابوحنیفہ نے قسامت کے بغیر کہا۔

اور جب پیٹ کا بچہ مردہ نکلے تو اس کے کفارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔پس امام مالک نے کہا: اس میں ''غرۃ'' اور کفارہ ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: اس میں ''غرۃ'' ہے اور کفارہ نہیں ہے اور یہی داؤد ظاہری کا قول ہے۔

دیت کو عقل کہنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی عقل یعنی اس کی دیت قاتلہ کے عصبات پر ہے''۔

عقل سے مراد ہے دیت، اور اس کی اصل یہ ہے کہ قاتل نے جب کسی مقتول کو قتل کیا تو اس کی پوری دیت اونٹوں سے دی جاتی

ہے، پس ان اونٹوں کو باندھ کر مقتول کے اولیاء کو دیا جاتا ہے تاکہ مقتول کے اولیاء ان اونٹوں پر قبضہ کر لیں اور عقل کے معنی باندھنا ہے، اس وجہ سے دیت کو عقل کہتے ہیں۔ اور تمام دیات قاتلہ کے عصبات پر ہے جو اس کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوتے ہیں کیونکہ وہ بطور عصبہ کے وراثت لیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۶ ۳۔ ۷۸ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''غرۃ'' کے معنی کی تحقیق

''غرۃ'' کا معنی ہے ''الخیار'' یعنی بہتر اور عمدہ۔ ابو عمرو نے کہا ہے: ''غرۃ'' کا معنی ہے ''الابیض'' یعنی سفید، سو اس میں سیاہ غلام نہیں لیا جائے گا۔ اور امام مالک نے کہا ہے کہ سرخ رنگ کے غلام میرے نزدیک سیاہ رنگ کے غلاموں سے بہتر ہیں۔

(المدونہ ج ۴ ص ۴۸۴)

علامہ الابہری نے کہا ہے یعنی سفید، اگر اس شہر کے غلاموں میں سفید غلام نہ ہوں تو پھر سیاہ غلام دے دیے جائیں۔ اور ''غرۃ'' کے لیے زمانہ جاہلیت میں ایک اصل معروف تھی یعنی جو شخص کسی شرف کو نہ پہنچا ہو تو اس کی مکمل دیت ادا کی جائے گی۔

(التمہید لابن عبد البر ج ۶ ص ۴۸۲)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ لفظ ''الغرۃ'' حدیث میں تنوین کے ساتھ ہے، پھر انہوں نے اس کی تفسیر کی اور کہا کہ ''غرۃ'' نہ غلام کی طرف مضاف ہے اور نہ باندی کی طرف۔ امام مالک نے کہا: اس شہر کے غلاموں میں سے متوسط غلام دیا جائے گا۔ اگر اس شہر کے اکثر غلام سرخ ہوں تو متوسط غلام دیا جائے گا، اور اگر اس شہر کے اکثر غلام سیاہ ہوں تو ان میں سے متوسط غلام دیا جائے گا۔

(المنتقی ج ۷ ص ۸۰)

اور امام مالک نے کہا: غلام ہو یا باندی ہو۔ (المدونہ ج ۴ ص ۴۸۴)

اور اسی طرح امام بخاری نے کتاب الدیات میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۹۰۹، باب: جنین المراۃ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''جو پیٹ کا بچہ مارا گیا ہے اس کی دیت قاتلہ کے عصبات پر ہے''۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی دیت کا بوجھ اس کے عصبات اٹھائیں گے اور یہ ابو الفرج کی امام مالک سے روایت ہے، کیونکہ یہ ایک شخص کی دیت ہے جیسے نصرانی کی دیت ہوتی ہے یا مجوسی کی دیت ہوتی ہے۔ اور المدونہ میں اس طرح مذکور ہے کہ اس کی دیت جنایت کرنے والے کے مال سے دی جائے گی، کیونکہ یہ تہائی دیت سے کم ہے۔

(المدونہ ج ۴ ص ۴۸۲)

مقتولہ کی دیت کے متعلق روایات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ ھ لکھتے ہیں:

ایک فرقہ کا شاذ قول ہے کہ پیٹ میں مارے ہوئے بچہ کے تاوان میں کچھ نہیں ہے اور یہ قول نصوص ظاہرہ اور اجماع صحابہ سے

مردود ہے۔(المفہم شرح مسلم ج ۵ ص ۶۲، دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ان نصوص میں سے مجالد کی حدیث ہے از شعبی از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر مقرر کی۔ اس حدیث کی متابعت نہیں کی گئی۔ اور اس میں یہ ہے کہ اس قاتلہ کا خاوند اس قتل سے بری ہو گیا اور اس کا بیٹا بھی پس مقتولہ کی عاقلہ نے کہا: اس کی میراث ہمارے لیے ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس کی میراث اس کے خاوند اور اس کی اولاد کے لیے ہوگی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۸)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اس عورت کے چچا نے کہا: یا رسول اللہ! اس عورت نے ایک لڑکے کو ساقط کیا ہے جس کے بال بھی پیدا نہیں ہوئے اور وہ مرا ہوا ہے تو قاتلہ کے باپ نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۵ نشر السنۃ، ملتان)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتلِ شبہ عمد کی دیت کو قاتل کے عصبات برداشت کرتے ہیں اور یہ امام شافعی اور جمہور کا قول ہے۔ (الاشراف لابن المنذر ج ۳ ص ۱۳۱۔۱۳۲)

(۲) اور امام بیہقی کی روایتِ صحیحہ میں مذکور ہے کہ عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ امام بیہقی نے کہا: اس روایت کی سند صحیح ہے، مگر میں نے اس کو حدیث کی مختلف سندوں میں نہیں پایا۔ (السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۴۳)

(۳) عمرو بن دینار کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو اس میں شک ہے کہ جب عورت، عورت کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ از ابن طاؤس از والد خود روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں حکم دیا کہ مقتولہ کی دیت دی جائے گی اور اس کے مارے ہوئے بچہ کے بدلہ میں ایک ''غرۃ'' دیا جائے گا۔ امام بیہقی نے کہا: محفوظ یہ ہے کہ آپ نے قاتلہ کے عصبات کے اوپر دیت کو واجب فرمایا۔ (السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۳۔۱۱۴)

حافظ ابوعمر بن عبد البر نے کہا ہے: اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس صورت میں قصاص کا فیصلہ کیا یعنی قاتلہ سے مقتولہ کا قصاص لیا جائے گا۔ (الاستذکار لابن عبد البر ج ۲۵ ص ۷۵)

(۴) العصیلی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ جب قاتلہ کو قتل کرنا واجب ہے تو اس کے عصبات نفلی طور پر مقتولہ کے اولیاء کو دیت ادا کریں۔ اور کبھی یہ اس کی موت سے پہلے ہوتا ہے تو ان کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ مقتولہ کے اولیاء کو یہ ادا کریں۔

اور علامہ ابن بطال نے ''جنین المرأۃ'' کے باب میں اپنے بعض مشائخ سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قاتلہ کے عصبات کے اوپر دیت کا ادا کرنا واجب ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۸ ص ۵۵۵۔۵۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۰۲۔۵۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: مِيرَاثُ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ

بہنوں کی بیٹیوں کے ساتھ وراثت بطورِ عصبہ ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب بہنیں بیٹیوں کے ساتھ جمع ہوں تو وہ بہنیں عصبہ ہوں گی، اور اس پر اجماع ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی عصبہ ہیں، پس جو شخص مر گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا یعنی بیٹی کا نصف حصہ دینے کے بعد بطورِ عصبہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۱۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَضَى فِينَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ النِّصْفُ لِلِابْنَةِ وَالنِّصْفُ لِلْأُخْتِ ثُمَّ قَالَ سُلَيْمَانُ قَضَى فِينَا وَلَمْ يَذْكُرْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۳، سنن دارمی: ۲۸۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہمارے درمیان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو نصف ملے گا، پھر سلیمان نے کہا: ہمارے درمیان فیصلہ کیا اور یہ لفظ نہیں کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں۔

صحیح البخاری: ۶۷۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں مذکور ہے: بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہیں اور اس باب کی حدیث میں بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن خالد، یہ ابو محمد العسکری ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، یہ دوسو ترپن (۲۵۳ھ) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، اور وہ غندر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، اور وہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاسود، وہ ابن یزید ہیں جو ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔

یہ حدیث "باب میراث البنات" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قضی فینا معاذ بن جبل" امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن میں فیصلہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن والوں کی طرف گورنر اور معلم بنا کر بھیجا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ عَنْ هُزَيْلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی قیس از ہزیل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا یا کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ بیٹی کے لیے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ ہے اور باقی ماندہ بہن کو ملے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۶، ۶۷۴۲، سنن ترمذی: ۲۰۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۱، مسند احمد: ۳۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۷۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابق ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں بھی بیٹیوں کی وراثت بطور عصبہ ذکر کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عباس، یہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن، وہ ابن مہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقیس، وہ عبدالرحمٰن بن سروان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہزیل، وہ ہزل کی تصغیر ہے اور وہ ابن شرحبیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں ضرور اس مسئلہ میں فیصلہ کروں گا" یعنی جس مسئلہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ان کی مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور آپ کی سند کے مطابق فتوی دیں

گے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دنوں نہ قاضی تھے اور نہ امیر تھے۔

اور امام نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا اور یہی جماعتِ علماء کا قول ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اور بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ بہنوں کا ہوتا ہے، مثلاً ایک بیٹی ہو اور ایک بہن ہو تو بیٹی کو اس کا فرض حصہ نصف ملے گا اور جو باقی نصف ملے گا وہ بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور جیسے دو بیٹیاں ہوں اور ایک بہن ہو تو دو بیٹیوں کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے اور بہن کو جو باقی بچے گا یعنی ایک تہائی وہ بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور جیسے ایک بیٹی ہو اور ایک پوتی ہو اور ایک بہن ہو تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بیٹی کو نصف ملے گا پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کی وراثت کی تفصیل

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی عصبہ ہیں، پس بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ اس کی وارث ہوں گی۔ پس جس شخص نے صرف ایک بیٹی اور ایک بہن کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو باقی نصف ملے گا جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اگر اس نے دو بیٹیوں کو اور ایک بہن کو چھوڑا تو دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور بہن کو باقی ماندہ ترکہ ملے گا اور اگر اس نے ایک بیٹی یا بہن اور ایک پوتی کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں۔ اور بہن کو باقی ماندہ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کیونکہ بیٹیاں دو ثلث سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتیں۔ اور اس مسئلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور کسی نے مخالفت نہیں کی، وہ یہ کہتے تھے کہ بیٹی کو نصف ملے گا اور باقی ماندہ عصبات کو ملے گا اور بہن کو نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب دو بیٹیوں کو دو ثلث ملیں گے اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تو باقی عصبات کو ملے گا اور اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ترکہ ایک بیٹی یا زائد بیٹیوں پر لوٹا دیا جائے گا اور اس کی بحث گزر چکی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس مسئلہ میں سوائے اہل الظاہر کے اور کسی نے موافقت نہیں کی۔ اور جمہور کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النساء: ۱۷۶)

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا، اور وہ (بھائی) اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں

کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت
سے) بیان فرماتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب
جاننے والا ہے O

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان ہوئے ہیں:

(۱) ایک شخص فوت ہوا اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو بہن کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا، پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اس بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بھائی بہن میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصے دیے جائیں گے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ وَالْإِخْوَةِ — بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اخوات اور اخوۃ کی وراثت کا بیان ہے، اخوات اخت کی جمع ہے جس کا معنی ہے بہن اور اخوۃ، اخ کی جمع ہے جس کا معنی ہے بھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَرِيضٌ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ نَضَحَ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا لِي أَخَوَاتٌ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت میں بیمار تھا، آپ نے وضو کا پانی منگایا، پس آپ نے وضو کیا، پھر آپ نے میرے اوپر وضو کے بچے ہوئے پانی کو چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری تو بہنیں ہیں۔۔۔ پھر فرائض کی آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن

ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کے عنوان میں بہنوں کی وراثت کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری بہنیں ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ اور امام بخاری نے بھائیوں کا مسئلہ اپنے استنباط سے نکالا اور بہنوں کے ذکر کو عنوان میں مقدم کیا کیونکہ حدیث میں بہنوں کے ذکر کی تصریح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عثمان، یہ ابن جبلہ ہیں اور ان کا لقب عبدان المروزی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الفرائض کے شروع میں اس سے زیادہ مکمل متن کے ساتھ گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بوَضُوءِ" اور یہ وہ پانی ہے جس سے وضو کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم نضح" یعنی پانی چھڑکا۔

بہنوں اور بھائیوں کی وراثت کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے "فنزلت آیۃ الفرائض" یعنی وراثت کی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بہنیں وارث ہوں گی۔ اور اس پر اجماع ہے کہ بہنیں اور بھائی خواہ سگے ہوں یا باپ شریک ہوں، مذکر ہوں یا مونث، وہ بیٹے اور پوتے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے اور نہ باپ کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔

بہنوں کی دادا کے ساتھ وراثت کی تفصیل

دادا کے ساتھ بہنوں کی وراثت میں اختلاف ہے، پس دادا کے ساتھ بہنوں میں سے ایک بہن کے لیے ترکہ کا نصف ہے اور دو بیٹیوں یا زیادہ کے لیے دو ثلث ہے مگر مسئلہ الاکدریہ میں اور وہ یہ ہے:

شوہر ہو اور ماں ہو اور دادا ہو اور سگی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو تو شوہر کو نصف ملے گا اور ماں کو ایک تہائی ملے گا اور دادا کو چھٹا حصہ ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا۔

اس مسئلہ کی تصحیح چھ سے ہوگی، شوہر کو تین حصے ملیں گے، ماں کو دو حصے ملیں گے دادا کو ایک حصہ ملے گا اور بہن کو بھی تین حصے ملیں گے اور یہ تصحیح نو کی طرف عول کرے گی۔ پھر دادا کا حصہ اور بہن کا حصہ جمع کیا جائے گا اور یہ چار ہے، پس ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور مذکر کو دو حصے ملیں گے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا اور چار تین پر برابر برابر تقسیم نہیں ہوتے تو تین کو اصل مسئلہ یعنی نو کے

ساتھ ضرب دی جائے گی تو یہ ستائیس ہو جائے گا، اب شوہر کو نو حصے دیے جائیں گے اور ماں کو چھ حصے دیے جائیں گے اور دادا کو آٹھ حصے دیے جائیں گے اور بہن کو چار حصے دیے جائیں گے اور اس مسئلہ کا نام اکدریہ رکھا ہے، کیونکہ عبدالملک بن مروان نے اس مسئلہ کے متعلق ایک مرد سے سوال کیا اس مرد کا نام اکدر تھا، اس نے اس مسئلہ کے بیان کرنے میں خطاء کی تو یہ مسئلہ اس کی طرف منسوب ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میت کا نام اکدر تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اکدریہ اس لیے کہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر گدلا اور مٹیالا ہو گیا تھا اور کدورت کے معنی گدلا اور مٹیالا ہیں یعنی ان کو یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ نہیں آسکا، کیونکہ بہن کو دادا کے ساتھ صرف اسی مسئلہ میں حصہ ملتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹۔۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہنوں کے دادا کے ساتھ جمع ہونے کی ایک اور صورت

اس مسئلہ کی اس صورت میں اختلاف ہے جب بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ دادا ہو جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ پس بہنوں میں سے ایک کے لیے نصف ہوگا اور دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو ان کے لیے دو ثلث ہوں گے یعنی دو تہائی اور باقی ماندہ ترکہ بھائی کے لیے ہوگا۔ اور اگر بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس میں صرف اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شوہر ہو اور ماں ہو اور دو ماں شریک بہنیں ہوں اور ایک سگا بھائی ہو تو جمہور نے کہا ہے کہ بھائی ان میں شریک ہوگا اور حضرت علی اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم بھائیوں کو شریک نہیں کرتے تھے خواہ وہ سگے بھائی ہوں ماں شریک بہنوں کے ساتھ کیونکہ بھائی عصبہ ہیں اور عصبہ سارا مال لے لیتے ہیں اور کوفیوں کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بھائی اور بہن خواہ سگے ہوں یا باپ شریک ہوں، مرد ہوں یا عورت ہوں وہ بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے اور نہ پوتے کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور نہ باپ کے ساتھ۔

اور بہنوں کی دادا کے ساتھ وراثت میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے اس کا ''باب میراث الجد'' میں ذکر کیا ہے۔

جب بہنیں اور دادا ہوں تو جو بہنوں کو دادا کے ساتھ وارث کرتے ہیں وہ دادا کو بھائی کے درجہ میں قرار دیتے ہیں اور دادا کو اس کی مثل دیتے ہیں جو دو بہنوں کو دیتے ہیں اور جو بہنوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے وہ دادا کو باپ کے درجہ میں رکھتے ہیں اور دادا بہنوں کے لیے حاجب ہو جاتا ہے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت کا مسلک ہے۔ اور بہنیں دادا اور باپ اور بیٹے کے ماسوا میں وارث ہوتی ہیں۔ ایک بہن کو نصف ملے گا اور دو یا دو سے زائد کو دو ثلث ملیں گے مگر مسئلہ مشترکہ میں اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت فوت ہو گئی اور اس نے اپنے شوہر کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا اور ماں شریک بہنوں کو چھوڑا

اور سگی بہنوں کو چھوڑا، پس اس کے شوہر کو نصف ملے گا اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں شریک بہنوں کو تیسرا حصہ ملے گا اور چونکہ باقی کچھ نہیں بچا تو سگے بھائی بہن ماں شریک بہنوں کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہو جائیں گے اور مذکر کو دو حصے ملیں گے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا، اس وجہ سے کہ یہ سب فوت شدہ ماں کے بھائی ہیں اور یہ ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰی بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ۝ (النساء:۱۲)

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حلم والا ہے O

اسی وجہ سے سگے بھائی اخیافی بھائی کے حصہ میں شریک ہو جائیں گے۔

اور اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، پس حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ سگے بھائی اخیافی بھائی کے حصہ میں شریک ہوں گے اور یہی امام مالک اور ثوری اور امام شافعی اور اسحاق کا قول ہے۔

اور حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ وہ سگے بھائی کو ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک نہیں کرتے کیونکہ سگا بھائی عصبہ ہے اور وہ تمام حصوں کو لے لیتا ہے اور اس سے کچھ باقی نہیں بچا۔

ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی مذہب ہے اور فقہاء کوفہ کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۴۔ بَابُ: یَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ یَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ یُبَیِّنُ

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر

اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾ (النساء:۱۷۶)

دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں النساء:۱۷۶ کو بیان کیا گیا ہے اور اس آیت کو اس لیے عنوان بنایا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں بھائیوں کی وراثت کی تخصیص ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ'' یہ لفظ ''استفتاء'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: فتویٰ طلب کرنا اور فتویٰ کا معنی ہے: پیش آمدہ مسئلہ کا جواب۔ اور اصل عبارت اس طرح ہے ''لوگ آپ سے کلالہ کے متعلق فتویٰ طلب کرتے ہیں'' یعنی جو شخص فوت ہو جائے اور نہ اس کے ماں باپ ہوں اور نہ اس کی اولاد ہو تو اس کی وراثت کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے متعلق یہ جواب دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اِنِ امۡرُؤٌا ہَلَکَ'' یعنی ایک مرد فوت ہو جائے اور اس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد ہو اور وہی کلالہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَّلَہٗۤ اُخۡتٌ'' یعنی اس کی سگی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو، کیونکہ ماں شریک بہن بھائیوں کا ذکر اس سورت کے شروع میں ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَہَا نِصۡفُ مَا تَرَکَ'' یعنی اس کی سگی بہن یا اس کی باپ شریک بہن کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اگر وہ اکیلی ہو تو۔ اور اگر دو سگی بہنیں ہوں یا دو باپ شریک بہنیں ہوں تو ان کو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ان کے ساتھ بھائی بھی ہوں تو بھائیوں کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا'' اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اس صورت میں ''اَنۡ تَضِلُّوۡا'' سے پہلے حرف ''لا'' مقدر ہے۔ اور بصریوں نے کہا کہ حرف لا کو محذوف ماننا خطاء ہے کیونکہ ان کے نزدیک حرف لا کو محذوف قرار دینا جائز نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس آیت کا معنی ہے: اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے گمراہی کو بیان کرتا ہے، یعنی ''اَنۡ تَضِلُّوۡا'' میں اَنۡ مصدریہ

ہے اور اس نے ''اَنْ تَضِلُّوْا'' کو ضلال کے معنی میں کر دیا ہے جیسا کہ تم کہو''یعجبنی ان تقوم'' یعنی مجھے تمہارے کھڑے ہونے سے تعجب ہوتا ہے، اس قول میں ''ان تقوم'' قیام کے معنی میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رضى الله عنه قَالَ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُورَةِ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سورۃ النساء کی آخری آیت ہے یعنی ''يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' (النساء:۱۷۶)

(صحیح البخاری: ۴۳۶۴، ۴۶۰۵، ۴۶۵۴، ۶۷۴۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۸، سنن ترمذی: ۳۰۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۸، مسند احمد: ۱۸۱۶۴)

صحیح البخاری: ۶۷۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ النساء: ۱۷۶ کو باب کا عنوان بنایا گیا ہے اور یہی آیت اس باب کی حدیث میں بھی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن باذام ابو محمد الکوفی ہیں، ان سے امام مسلم بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس بن اسحاق عمرو السبیعی ہیں، وہ اپنے دادا ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں از عبد اللہ بن رجاء گزر چکی ہے۔

النساء: ۱۷۶ کے آخری آیت ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ سورۃ البقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ راوی نے دونوں جگہ پر اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا بلکہ وہاں پر کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے گمان سے کہا اور یہاں پر کہا ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنے گمان سے کہا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸) تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (البقرہ:۲۸۱) اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O

اور ان تین روایتوں کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری آیتیں ہیں، کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان تینوں کے متعلق اپنے گمان سے کہا ہے کہ یہ آخری آیتیں ہیں، سو یہ نہیں کہا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۰۔۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کی آخری آیت کے متعلق مصنف کی تحقیق

علامہ عینی نے یہاں پر قرآن مجید کی آخری آیت کے متعلق اشکال تو قائم کیا ہے لیکن اس کا جواب نہیں دیا۔

مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الربا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۵۴۴)

واضح رہے کہ البقرہ: ۲۷۸۔۲۸۰ تک آیات الربوٰ ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ البقرہ: ۲۸۱ کا بھی پہلی آیتوں پر عطف ہے اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، طبع لاہور)

سورۂ توبہ کی آخری آیت کو بھی قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت کہا گیا ہے لیکن البقرہ: ۲۸۱ کا آخری آیت ہونا زیادہ صحیح، زیادہ معروف اور زیادہ علماء کا مختار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت)

نیز صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے، لیکن اس کی توجیہ یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آخری آیت وراثت کے احکام کی آخری آیت ہے اور حقیقتاً آخری آیت البقرہ: ۲۸۱ ہے، کیونکہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نو گھنٹے پہلے نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور ابن جبیر نے کہا کہ یہ آیت آپ کی وفات سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۵۔ بَابٌ: ابْنَيْ عَمٍّ أَحَدُهُمَا أَخٌ لِلْأُمِّ وَالْآخَرُ زَوْجٌ

چچا کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا خاوند ہے، ان کی وراثت کا بیان

وَقَالَ عَلِيٌّ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأَخِ مِنَ الْأُمِّ السُّدُسُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوہر کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا جائے گا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی اور اس کے چچا کے دو بیٹے ہیں، ان میں سے ایک بیٹا اس کا ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا بیٹا اس کا خاوند ہے۔

یہ عنوان بجھارت اور پہیلی کی مثل ہے، کیونکہ اس میں نہ تو مسئلہ کی صورت کا ذکر ہے اور نہ اس کے حکم کا بیان ہے لیکن اس مسئلہ کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا، پھر اس مرد نے دوسری عورت سے نکاح کیا، اس سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، پھر اس مرد نے دوسری عورت کو طلاق دے دی، پھر اس عورت سے اس کے بھائی نے نکاح کر لیا، اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی تو یہ دوسرے بیٹے کی ماں شریک بہن ہے اور اس کے چچا کی بیٹی ہے، پھر اس بیٹی نے پہلے بیٹے سے نکاح کر لیا اور وہ اس کے چچا کا بیٹا ہے، پھر وہ فوت ہوگئی اور اس نے اپنے چچا کے دو بیٹے چھوڑے، ایک بیٹا اس کا ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا بیٹا اس کا شوہر ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شوہر کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ترکہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس صورت مذکورہ میں فرمایا کہ شوہر کو نصف حصہ ملے گا کیونکہ شوہر کا نصف حصہ ہوتا ہے اگر اولاد نہ ہو، اور اس کے ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا کیونکہ وہ ماں شریک بھائی ہے اور اس کا فرض چھٹا حصہ ہے، اور جو باقی بچا اور وہ ایک تہائی ہے وہ ان دونوں کے درمیان یعنی چچا کے دونوں بیٹوں کے درمیان جن میں سے ایک اس عورت کا خاوند ہے اور دوسرا اس عورت کا ماں شریک بھائی ہے، ان دونوں کو آدھا آدھا بطور عصبہ کے ملے گا، پس اس مسئلہ کی تصحیح دو ثلث سے ہوگی، چچا کے پہلے بیٹے کے لیے جو کہ شوہر ہے اس کو دو ثلث ملیں گے نصف بطور ذوی الفروض کے ملے گا اور چھٹا حصہ بطور عصبہ کے ملے گا، اور اس کے چچا کا دوسرے بیٹے کو ایک ثلث ملے گا جس میں سے چھٹا حصہ بطور ذوی الفروض کے ملے گا کیونکہ وہ اس کا ماں شریک بھائی ہے اور باقی بطور عصبہ کے ملے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اہل مدینہ اور ثوری اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق کا مذہب ہے۔

اور حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ان دونوں نے کہا: تمام مال اس کے لیے ہوگا جس نے دونوں رشتوں کو جمع کر لیا کیونکہ ان دونوں نے کہا کہ چچا کے دو بیٹے ہیں، ان میں سے ایک بیٹا ماں شریک بھائی ہے، ماں شریک بھائی مال کا زیادہ حق دار ہے، اس کو بطور ذوی الفروض کے چھٹا حصہ ملے گا اور باقی مال اس کو بطور عصبہ کے ملے گا۔ اور حسن بصری اور عطاء اور ابراہیم نخعی اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابوثور اور اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیق کی روایت یزید بن ہارون نے کی ہے از حماد بن سلمہ از اوس بن ثابت از حکیم بن عقال، انہوں نے بیان کیا کہ شریح نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس عورت نے اپنے چچا کے دو بیٹے چھوڑے، ان میں سے ایک اس کا خاوند ہے اور دوسرا اس کا ماں شریک بھائی ہے تو شریح نے خاوند کو ترکہ کا نصف دیا اور ماں شریک بھائی کو ترکہ کا باقی حصہ دیا، پھر یہ مسئلہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا: میرے لیے اس بندہ کو بلاؤ تاکہ میں غور کروں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح کو بلایا اور ان سے پوچھا: آپ نے جو فیصلہ کیا ہے آیا کتاب اللہ سے کیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کیا ہے؟ تو شریح نے جواب دیا: میں نے اللہ کی کتاب سے یہ فیصلہ کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کتاب میں یہ کہاں لکھا ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: کیا کتاب اللہ میں یہ ذکر ہے کہ زوج کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو بقیہ ترکہ ملے گا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شوہر کو نصف دیا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا، پھر باقی ماندہ ترکہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۵۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَالُهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضَيَاعًا فَأَنَا وَلِيُّهُ فَلِأُدْعَى لَهُ الْكَلُّ الْعِيَالُ۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے خبر دی از اسرائیل از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ ان سے قریب ہوں، پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے مال چھوڑا تو اس کا مال اس کے ان وارثوں کا حق ہے جو عصبہ ہیں، اور جس نے قرض چھوڑا ہو یا بیوی بچے چھوڑے ہوں تو میں اس کا ولی ہوں، تو اس کے لیے مجھ سے مانگا جائے۔ (الکل کا معنی ہے اہل وعیال)

صحیح البخاری: ۶۷۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت کافی مشکل اور دشواری سے ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کا ترکہ اس کے موالی عصبہ کے لیے ہوگا اور عنوان کی صورت وہ ہے جس میں فرض بھی ہے اور تعصیب بھی ہے تو یہ موالی عصبہ کے مطابق ہو جائے گا یعنی ان موالی کے لیے جو عصبہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ اصحاب الفروض کے

لیے ہوگا، اس سے کہا جائے گا کہ اصحاب الفروض تو عصبات پر مقدم ہوتے ہیں، پس جب ابعد کو ترکہ ملے گا تو اقرب کو بطریق اولیٰ ترکہ ملے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ ابن غیلان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ ابن موسیٰ ہیں اور یہ بھی امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام بخاری اکثر ان سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، یہ ابن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حصین، ان کا نام عثمان بن عاصم ہے اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان السمان ہیں۔

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الفرائض میں از احمد بن سلیمان روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

''انا اولی بالمومنین'' کی تفسیر

اس حدیث میں مذکور ہے ''انا اولی بالمومنین من انفسھم'' اور اولویت سے مراد نصرت ہے یعنی مدد۔ اس کا معنی ہے: میں مومنین کی وفات کے بعد ان کے امور کا والی ہوں، سو میں ان کی اس سے زیادہ مدد کروں گا جتنی اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے معاملات میں اپنی مدد کرتے۔ پس اگر انہوں نے کچھ مال چھوڑا تو ظالموں میں سے اگر کوئی ظالم اس مال کو چھیننا چاہے تو میں اس مال کو چھڑاؤں گا اور وارثوں کے لیے اس مال کو مہیا کروں گا اور اگر انہوں نے مال نہیں چھوڑا اور انہوں نے اہل و عیال اور اولاد چھوڑی ہے تو میں ان کی کفالت کروں گا اور میں ہی ان کا ملجا اور ماویٰ ہوں گا۔ اور اگر انہوں نے کوئی قرض چھوڑا تو مجھ پر اس کو ادا کرنا لازم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾'' (التوبہ:۱۲۸) (مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں)۔

اسی طرح اس آیت کی تفسیر کرنی چاہیے۔ اور الاصیلی کی روایت میں یہاں پر یہ اضافہ ہے ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' (الاحزاب:٦) (اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں)۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ حدیث میں اضافہ ہے اس کا یہاں پر کوئی معنی نہیں ہے، اور علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' یہاں پر مناسب ہے کیونکہ ہم جب کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشفق باپ کی مثل ہیں بلکہ اس سے زیادہ شفیق اور رحیم ہیں، کیونکہ امت میں سے جو مر جائے اس کی اولاد کے آپ کفیل ہیں اور اس کے قرض کو آپ ادا کرنے والے ہیں، اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے ''اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ'' وہ مجمل ہے اور یہ اس کی تفسیر ہے۔

''کَلٌّ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ومن ترک کلا''، ''کَلٌّ'' کے معنی ہیں: بوجھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ۔ (النحل:۷۶) اور وہ اپنے مالک پر بار ہے۔

اور اس کی جمع ''کلول'' ہے اور یہ لفظ قرض اور بال بچوں دونوں کو شامل ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "او ضیاعا" یہ "ضاع الشیء یضیع ضیعۃ وضیاعا" کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا اور یہاں پر مضاف مقدر ہے یعنی ہلاک ہونے والی چیز۔ علامہ طیبی نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے اور وہ اپاہج لوگ جو اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتے ان کی اگر حفاظت نہ کی جائے تو وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلادعی له" یعنی پس چاہیے کہ مجھے بلایا جائے حتیٰ کہ میں ان کے بوجھ کو اٹھاؤں اور ان کے بچوں کی حفاظت کروں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۶۔ حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَوْحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں امیہ بن بسطام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از روح از عبداللہ بن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فرائض کو ذوی الفروض کے ساتھ ملا دو، پھر فرائض کے ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے تو جو مرد مذکر قریب ہو تو اس کو دے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۲، ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت کی توجیہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے امیہ بن بسطام، یہ بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے روح، یہ ابن القاسم العنبری ہیں۔ یہ حدیث عنقریب باب "میراث الولد من ابیه وامه" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔ بَابُ: ذَوِي الْأَرْحَامِ

ذوی الارحام (عورتوں کی طرف سے رشتہ داروں) کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ذوی الارحام کے حکم کے بیان میں ہے آیا یہ وارث ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور ذوی الارحام کا مصداق کون ہیں؟

''ذوی الارحام'' کا لغوی معنی

''ذوی الارحام'' ''ذوالرحم'' کی جمع ہے اور ''ذو الرحم'' اسے کہتے ہیں جو اجنبی شخص کے خلاف ہو، اور الارحام، رحم کی جمع ہے۔ اور رحم اصل میں بچہ کی پیدائش کی جگہ ہے اور پیٹ میں اس کا ظرف ہے۔ پھر رشتہ داروں کو ولادت کی جہت سے رحم کا نام دیا جاتا ہے۔

''ذوی الارحام'' کا شرعی معنی

اور ''ذوالرحم'' کا شرعی معنی ہے: ہر وہ رشتہ دار جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور نہ وہ عصبہ ہو۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''ذوو الرحم'' کا معنی ہے اقارب یعنی رشتہ دار۔ اور اس کا اطلاق ہر اس رشتہ دار پر ہوتا ہے جس کے اور تمہارے درمیان نسب ہو اور فرائض یعنی میراث میں اس کا اطلاق عورتوں کی جانب سے رشتہ داروں پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے ''ذوو رحم محارم و محرم'' اور یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہے جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ۔

''ذوی الارحام'' کے مصادیق

التلویح میں علامہ مغلطائی نے کہا ہے: ''ذوو الارحام'' وہ لوگ ہیں جن کا کتاب اور سنت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا اور وہ میت کے قرابت دار ہوتے ہیں اور عصبات نہیں ہوتے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، ماں شریک بھائی کی اولاد، بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں، پھوپھی، خالہ، باپ کی پھوپھی، باپ کا ماں شریک بھائی، نانا اور نانا کی ماں۔

''ذوی الارحام'' کو وارث بنانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس باب میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا ہے: جب میت کا کوئی وارث نہ ہو جس کا فرض مقرر ہو تو اس کا مال اس کے لیے ہے جس نے اس کو آزاد کیا ہے۔ اور اگر اس کو آزاد کرنے والا نہ ہو تو پھر اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہے اور ذوی الارحام اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ یہ حضرت ابوبکر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی اہلِ مدینہ، الزہری، ابوالزناد، ربیعہ اور امام مالک کا قول ہے اور مکحول اور الاوزاعی سے بھی یہی روایت ہے، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ عینی کا خلاف تحقیق علامہ ابن ملقن اور علامہ ابن بطال کی نقل کرنا اور اپنے مذہب کی تحقیق نہ کرنا

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے بغیر تحقیق کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ وہ بھی ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے اور اسی طرح علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے اور غالباً علامہ عینی نے ان ہی کی عبارت کو نقل کیا ہے ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے تھے اور ان کے علاوہ تمام صحابہ ذوی الارحام کو وارث بناتے ہیں اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف اس اجماع میں مضر نہیں ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی حنفی المتوفی ۴۸۳ھ کی تحقیق عنقریب المبسوط میں آئے گی۔ (المبسوط: ج ۳۰ ص ۳-۴) نیز علامہ محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے بھی اپنی کتاب ''الاوسط'' ج ۷ ص ۵۷۸ میں لکھا ہے کہ حضرت

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، لہٰذا علامہ عینی کا ان لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو شمار کرنا محض علامہ ابن بطال کی نقل پر مبنی ہے اور خلافِ تحقیق ہے۔ اور چونکہ علامہ عینی، علامہ ابن الملقن کی کتاب سے نقل کرتے ہیں اور وہ علامہ ابن بطال سے نقل کرتے ہیں، اس لیے علامہ عینی نے علامہ ابن الملقن کی تحریر پر اعتماد کر لیا کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق سے، زید بن ثابت سے، ابن عمر سے اور ایک روایت کے مطابق حضرت علی سے منقول ہے اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۳۲-۵۳۳)

علامہ عینی کی عادت ہے کہ وہ علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں اور زیادہ چھان بین اور تحقیق نہیں کرتے، ورنہ اگر وہ مسئلہ کو وراثت کی مشہور کتاب ''السراجی'' جو کہ سراج الملۃ والدین محمد بن عبدالرشید السجاوندی کی ہے اور میر سید شریف علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ کی شرح سراجی ''الشریفیۃ'' کو دیکھ لیتے تو اس میں بھی لکھا ہوا ہے کہ الصحابہ رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے اور یہی ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذوی الارحام کے لیے وراثت نہیں ہوتی۔ سو تحقیق یہی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں جیسا کہ المبسوط، الاوسط، السراجی، الشریفیہ، علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، علامہ شمس الدین بن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۸۲ھ کی المغنی میں مذکور ہے۔

سو یہ تحقیق نہ کرنے اور محض نقل پر اکتفاء کرنے کی خرابی ہے کہ علامہ عینی نے اپنے مذہب کے خلاف لکھا اور بلا تحقیق حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی طرف یہ نسبت کر دی کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، مزید حیرت اس پر ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ہیں اور امام شافعی ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے، پھر بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت نہیں کی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن بطال کی عبارت نقل کی ہے لیکن ابن بطال کی عبارت کا وہ حصہ نقل نہیں کیا جس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث بناتے تھے اور انہوں نے لکھا ہے کہ سندِ صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پھوپھی کو باپ کے درجہ میں رکھتے تھے اور خالہ کو ماں کے درجہ میں رکھتے تھے اور ان دونوں کے درمیان مال کو تقسیم کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۵)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے۔ اور ذوی الارحام کے ساتھ وَلاء کو نہیں دیتے تھے۔ اور ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق ابن ابی لیلیٰ، ابراہیم نخعی، عطاء اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی قول ہے۔ اور یہی فقہاء احناف، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳-۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۷- حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ إِدْرِيسُ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواسامہ

جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ قَالَ كَانَ الْمُهَاجِرُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْأَنْصَارِيُّ الْمُهَاجِرِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ نَسَخَتْهَا ﴿وَ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾

(صحیح البخاری: ۴۵۸۰، ۲۲۹۲، م ۶۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۲)

سے کہا: تمہیں ادریس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طلحہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کردیے ہیں اولاد اور قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔ (النساء: ۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصاری، مہاجر کا وارث بنتا تھا نہ کہ ذوی الارحام، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آپس میں بھائی بنادیا تھا، پھر جب یہ آیت ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' نازل ہوئی تو اس آیت نے ''وَ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ'' کو منسوخ کردیا۔ (یعنی جن مہاجرین کو انصار کا بھائی بنادیا گیا تھا ان کی وراثت کو منسوخ کردیا)۔

صحیح البخاری: ۶۷۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آیت کے اس حصہ سے نکالنی ممکن ہے ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' کیونکہ موالی کا معنی ہے ''الورثاء''۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث میں تفصیل کی ہے، کیونکہ امام بخاری نے ''کتاب الکفالۃ'' میں یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے: از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' (النساء: ۳۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: موالی سے مراد ورثاء ہیں۔۔۔ الحدیث۔ اور ورثاء کا اطلاق ذوی الارحام پر بھی کیا جاتا ہے۔ سو امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ''باب ذوی الارحام'' لیکن یہ عنوان مبہم ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ''ذوی الارحام'' وارث ہوں گے یا نہیں ہوں گے، لیکن امام بخاری نے اس حدیث کو جس سیاق میں روایت کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے۔ لیکن اس سیاق میں اعتراض ہے، کیونکہ یہ ''وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ'' (النساء: ۳۳) کی خبر دیتا ہے جو ناسخ ہے اور صحیح یہ ہے کہ منسوخ ہے، اس پر امام طبری نے اور دوسروں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں متنبہ کیا ہے۔ اور جمہور سلف کا موقف یہ ہے کہ اس آیت کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

فقہاء نے کہا ہے: ذوی الارحام میں دو سبب ہیں، ایک سبب قرابت ہے اور دوسرا سبب اسلام ہے، تو وہ ان سے اولیٰ ہے جن

کا صرف ایک سبب ہے اور وہ اسلام ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور حسن بصری سے مروی ہے اور یہی وہ ہے جس کو امام ابوعبید نے اپنی ناسخ اور منسوخ میں ثابت کیا ہے۔

اور اس میں ایک دوسرا قول بھی ہے: زہری نے از المسیب روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے بیٹے بنا لیے حالانکہ وہ ان کے حقیقی بیٹے نہیں تھے اور پھر ان کو اسلام میں وارث بنایا، اللہ تعالیٰ نے ان کا وصیت میں حصہ مقرر کر دیا اور وراثت کو ذوی الارحام اور عصبات کی طرف لوٹا دیا۔

اور دوسری جماعت نے یہ کہا ہے ''وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ'' یہ آیت محکمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کا نصرت اور خیر خواہی اور دوستی سے جو حصہ مقرر کیا تھا وہ ان کو دیا جائے نہ کہ ان کو وراثت دی جائے۔ امام طبری نے بھی اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور یہی مجاہد اور السدی کا قول ہے۔

اور عراق، بصریٰ، کوفہ اور دیگر شہروں کے فقہاء نے اور علماء کی ایک جماعت نے تمام آفاق میں یہ کہا ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔

''ذوی الارحام'' کو وارث قرار دینے کے متعلق احادیث

اور امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ اس کی دیت بھی ادا کرے گا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۳۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۳۴)

اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے سندِ صحیح سے روایت کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان: ۶۰۳۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۴۴، البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ الارواح ج ۶ ص ۱۳۸)

اور امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۱۰۳، اور البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ الارواح: ۱۷۰۰)

اور اس حدیث کی امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور اس حدیث کی امام عبدالرزاق نے بھی از ابن جریج از عمرو بن مسلم روایت کی ہے کہ ہمیں طاؤس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث بیان کی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ج ۴ ص ۷۶، رقم: ۶۳۵۲، مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۲۰، رقم: ۱۶۲۰۲)

''ذوی الارحام'' کو وارث نہ بنانے کے متعلق ایک حدیث

امام حاکم نے از عبداللہ بن جعفر از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار تھے، پس آپ سے ایک مرد نے ملاقات کی، اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایک مرد نے پھوپھی کو اور خالہ کو ترک کیا اور ان دونوں کے سوا کوئی وارث نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، پس آپ نے دعا کی: اے اللہ! ایک مرد نے پھوپھی اور خالہ کو چھوڑا اور ان دو کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ اس سائل نے کہا:

میں یہاں پر ہوں، آپ نے فرمایا: ان دونوں کے لیے کوئی وراثت نہیں ہے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(المستدرک ج ۴ ص ۳۴۳)

''ذوی الارحام'' کو وارث نہ بنانے کی حدیث کی سند پر علامہ عینی کی جرح اور تنقید

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن جعفر المدینی سے مروی ہے اور اس میں اعتراضات ہیں۔ ابوحاکم نے کہا: عبداللہ بن جعفر سخت منکر الحدیث ہے، یہ ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی اور ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ الجرجانی نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور امام نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو ابوعاصم سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں امام بخاری کے شیخ اسحاق بن ابراہیم ہیں جو ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابواسامہ کا ذکر ہے اور وہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ادریس کا ذکر ہے وہ ابن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں طلحہ کا ذکر ہے، وہ ابن مطرف ہیں۔

اس حدیث کی روایت امام نسائی اور امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں کی ہے از ہارون بن عبداللہ از ابی اسامہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرث الانصاریُ المهاجریَ'' انصاری پر پیش ہے کیونکہ یہ فاعل ہے اور المہاجری پر زبر ہے کیونکہ یہ مفعول ہے، یعنی انصاری مہاجری کا وارث ہوتا تھا اور انصاری اور مہاجری میں یاءِ نسبت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ مبالغہ کے لیے ہے جیسا کہ احمر کے مبالغہ میں احمری کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے آخر میں یاءِ نسبت کا اضافہ کیا گیا ہے مشاکلت کی وجہ سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' نازل ہوئی تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا جس میں مذکور ہے ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' یعنی پہلے وہ بھی وارث ہوتے تھے جن کو قسم کھا کر بھائی بنا لیا جاتا تھا، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' (یعنی ہم نے ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں) تو پھر ان کی وراثت منسوخ کر دی گئی جن کو قسم کھا کر بھائی بنا لیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳۔۳۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذوی الارحام کی وراثت کے ثبوت میں آثار

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا ذوی الارحام کی وراثت کے مسئلہ میں اختلاف ہے، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مال کو پھوپھی اور خالہ کے درمیان تقسیم کیا تھا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور

بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے۔

از اسحاق از امام عبدالرزاق از ثوری از محمد بن سالم از الشعبی از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے اور ہر ذی رحم کو اس کے رحم کے درجہ میں رکھا جائے گا جس کی وجہ سے وہ وارث ہو جب کہ اس کا کوئی قرابت دار وارث نہ ہو۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۱۵، سنن دارمی: ۲۹۸۱، سنن سعید بن منصور: ۱۵۵، السنن الکبری للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۷)

اسحاق بن راہویہ نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از عاصم بن ابی النجود از زر بن حبیش، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مال کو پھوپھی اور خالہ کے درمیان تقسیم کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۳۶)

از الشعبی وہ زیاد کے پاس گئے پھوپھی اور خالہ کے مسئلہ میں، تو زیاد نے کہا: میں تمام لوگوں سے زیادہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی قضاء کو جاننے والا ہوں، انہوں نے اس کے لیے دو ثلث کیے اور خالہ کو ماں کے درجہ میں رکھا اور اس کے لیے ایک ثلث رکھا۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۴، السنن الکبری للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۶)

از شعبی از مسروق وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے اور ہر وہ ذو رحم اس رحم کے درجہ میں ہے جو اس کو گھسیٹتا ہے جب ایسا وارث نہ ہو جو ذوی الفروض سے ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۵)

شعبی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اس چچا کے متعلق فرمایا جو باپ کا ماں شریک بھائی ہے اور ماموں کے متعلق فرمایا کہ جو چچا باپ کا باپ شریک بھائی ہے: اس کے لیے اس کے بھائی کا حصہ ہوگا اور ماموں کے لیے اس کی بہن کا حصہ ہوگا۔ (الاوسط: ۶۹۹۴)

ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام ابوعبید نے کہا: اہل عراق کے نزدیک جب کوئی مرد فوت ہو جائے اور اس نے ذوی الفروض میں سے ان کو چھوڑا ہو جو ترکہ کا پورا مال نہیں لیتے جیسے ماں اور ماں شریک بھائی اور بیٹیاں اور بہنیں، اور اس صورت میں عصبہ نہ ہوں، تو وراثت کو ذوی الفروض کے حصص پر تقسیم کرتے ہیں، پھر باقی ترکہ ان ہی پر رد کر دیتے ہیں ان کے حصوں کے مطابق۔ اور جب میت کے ورثاء میں سے ذوی الفروض نہ ہوں اور اس کے لیے ذوی الارحام ہوں تو وہ ذوی الارحام کو بھی ورثاء کے ساتھ رکھتے ہیں اور مال کو ان کے درمیان ان کے رحم اور قرابت کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵) اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

(میں کہتا ہوں: مذکور الصدر آثار اور امام ابوعبید کے مذکور الصدر قول کے مطابق ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ ماں شریک بھائی کا بیٹا ذوی الارحام میں سے ہے اور وہ کسی چیز کا وارث نہیں ہے اور نہ نانا کسی چیز کا وارث ہے اور وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور جو چچا باپ کا ماں شریک بھائی ہو وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور وہ بھی رحم کے رشتہ سے وارث نہیں ہوگا اور نہ ماموں اپنے رحم کے رشتہ کی وجہ سے کسی چیز کا وارث ہوگا۔

اور جدہ جو کہ نانا کی ماں ہوں وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے۔ اور سگے بھائی کی بیٹی بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور پھوپھی جو باپ کی سگی بہن ہے وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور خالہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور ان میں سے کوئی بھی ترکہ میں سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۷۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۳)

اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ (الموطا ص ۴۱۱، کتاب الفرائض، باب: من لا میراث لہٗ)

اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ (کتاب الام ج ۴ ص ۸۰-۸۱)

اور امام شافعی نے کہا ہے: الانفال: ۷۵ (وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ) کا معنی یہ ہے کہ لوگ عہد و پیمان اور نصرت کے حلف کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، پھر اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو منسوخ کر دیا کہ یہ لوگ وارث نہیں ہوں گے بلکہ رشتہ دار وارث ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو رشتہ داروں کے لیے حصے مقرر کیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جو حصے ان کے لیے ثابت ہیں وہ ان کے وارث ہوں گے اور یہ آیت اپنے اطلاق پر نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شوہر اس سے زیادہ کا وارث ہوتا ہے جتنے حصہ کے ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں اور شوہر کا کوئی رحم نہیں ہوتا۔ اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ چچا کا جو بیٹا بعید ہو وہ پورے مال کا وارث ہوتا ہے اور اس کا ماموں وارث نہیں ہوتا حالانکہ ماموں رحم کے رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے، پس اس آیت کا وہ معنی ہے جو میں نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حصے ہیں وہ نصرت کے حلف اور اسلام اور ہجرت کی وراثت سے مقدم ہیں۔ اور تم یہ کہتے ہو کہ لوگ رحم کے سبب سے وارث ہوتے ہیں اور تم کئی جگہ اس کے خلاف کرتے ہو، ایک مرد مر جائے اس نے ماموں بھی چھوڑے ہوں اور عصبات بھی چھوڑے ہوں تو اس کا مال اس کے عصبات کو ملے گا اور ماموں کو نہیں ملے گا، پس ذوی الارحام کو منع کر دیا جائے گا۔

اور امام شافعی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا کہ ایک مرد نے ایک بیٹی چھوڑی ہو اور اس کے ساتھ کوئی عصبہ نہ ہو اور نہ ذوی الفروض میں سے کوئی ہو تو بیٹی کو نصف اس کے فرض کے اعتبار سے ملے گا اور باقی نصف جو مال ہے اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر اس مال کا حکم ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو کہ اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھ دیا جائے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۷ ص ۵۷۶-۵۷۹، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کی توریث کے متعلق فقہاء کا اختلاف

متقدمین اور متاخرین کا ذوی الارحام کو وارث بنانے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اور ذوی الارحام کا مصداق وہ ہیں جن کا کتاب وسنت میں میت کے قرابت داروں میں سے کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور وہ عصبات نہ ہوں جیسے بیٹی کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اور ماں شریک بھائیوں کی اولاد اور بھتیجیاں اور پھوپھی اور خالہ اور باپ کی پھوپھی اور ایسا چچا جو باپ کا ماں شریک بھائی ہو اور نانا اور نانا کی ماں۔

پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب میت کا ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال اس کے آزاد کرنے والوں کو دیا جائے گا اور جب اس کا آزاد کرنے والا نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں دیا جائے گا اور ذوی الارحام جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے وہ وارث نہیں ہوں گے، یہ مذہب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی اہلِ مدینہ کا قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے زہری، ابوالزناد، ربیعہ اور امام مالک کا یہی قول ہے۔ اور مکحول اور اوزاعی سے بھی یہی روایت ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں اور ذوی الارحام کے ہوتے ہوئے وَلاء نہیں دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں اور ابن ابی لیلیٰ، النخعی، عطاء اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث قرار دیئے جائیں گے اور یہی فقہاء احناف کا، امام احمد کا اور اسحاق کا قول ہے۔ ان فقہاء کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (الانفال:۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

ان فقہاء نے کہا ہے کہ ذوی الارحام میں دو سبب جمع ہیں، ایک سبب قرابت ہے اور دوسرا سبب اسلام ہے سو یہ ان سے زیادہ اولیٰ ہیں جن کا صرف ایک سبب ہے اور وہ اسلام ہے اور انہوں نے بھتیجی کو اس جدہ کے درجہ میں رکھا ہے جس کے متعلق سنت وارد ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک وارث کے باپ سے منسوب ہے (یعنی دادی باپ کی طرف منسوب ہے اور باپ وارث ہے اسی طرح بھتیجی بھائی کی طرف منسوب ہے اور بھائی وارث ہے)۔

اور جو ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، وہ کہتے ہیں کہ الانفال:۷۵ نے ان کی وراثت کو منسوخ کر دیا جو حلف اور بھائی قرار دینے اور ہجرت کی وجہ سے وارث ہوتے تھے۔ اور اس آیت میں ''أُولُوا الْأَرْحَامِ'' سے مراد اہل الفرائض ہیں تمام ذوی الارحام مراد نہیں ہیں۔

اور انہوں نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اصحابِ فرائض کو دینے کے بعد جو مال باقی ہے وہ عصبات کو دیا جاتا ہے اور اللہ کی کتاب میں جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے جو ذوی الارحام ہیں ان کی عصبات کے ساتھ وراثت نہیں ہوتی۔ اور جو آزاد کرنے والا ہے وہ عصبہ کے درجہ میں ہے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ آزاد کرنے والے کو دیا جائے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۹۰۔ ۲۹۲ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق اختلاف صحابہ

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور بعد کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، پس جن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا کہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیا جائے گا وہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور مشہور روایات کے مطابق حضرت ابن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور جن صحابہ نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ حضرت زید بن ثابت اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اس روایت کی نسبت جھوٹ ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ المعتضد نے ابوحازم القاضی سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ذوی الارحام وارث قرار دیئے جاتے ہیں اور اجماع کے مقابلہ میں فقط حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور المعتضد نے کہا کہ بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کی ہے کہ ذوی الارحام کو وارث نہیں کیا جائے گا، تو انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، جس نے ان کی طرف اس بات کو منسوب کیا وہ جھوٹ ہے۔

اور ابوحازم نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں کرتا جتنا افسوس اس بات پر کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسائل کے متعلق سوال نہیں کیا: (۱) اس خلافت کے متعلق کیا یہ خلافت ہمارے لیے ہے کہ ہم اس پر قائم رہیں یا ہمارے غیر کے لیے ہے تو ہم یہ خلافت اس کی طرف سپرد کر دیں (۲) انصار کے متعلق یہ سوال نہیں کیا: کیا اس خلافت میں سے ان کو بھی کوئی حصہ ملے گا؟ (۳) ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کوئی چیز نہیں سنی لیکن میں اپنی رائے سے ذوی الارحام کو وارث قرار دیتا ہوں۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق فقہاء تابعین اور فقہاء مجتہدین کا اختلاف

فقہاء تابعین میں سے جنہوں نے کہا ذوی الارحام کو وارث قرار دیا جائے گا وہ شریح، الحسن البصری، ابن سیرین، عطاء اور مجاہد ہیں۔

اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر ہیں۔

اور جن ائمہ مجتہدین نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں وہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر اور عیسیٰ

بن ابان اور اہل التنزیل رحمہم اللہ ہیں، (اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور جن فقہاء مجتہدین نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ سفیان ثوری، امام مالک اور امام شافعی ہیں۔

اور جو فقہاء مجتہدین ذوی الارحام کی وراثت کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال میراث کی آیتوں سے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نص فرمائی ہے جس میں اصحاب الفرائض اور العصبات کا بیان ہے اور ذوی الارحام کے لیے کچھ بیان نہیں فرمایا اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ اور کم سے کم جو اس باب میں کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنانا کتاب اللہ پر اضافہ ہے اور یہ اضافہ خبرِ واحد اور قیاس سے ثابت نہیں ہوتا۔

ذوی الارحام کو وارث نہ بنانے کے متعلق ایک روایت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پھوپھی اور خالہ کی وراثت کے متعلق (جو ذوی الارحام میں سے ہیں) تو آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام مجھ پر نازل ہوئے اور مجھے یہ خبر دی کہ پھوپھی اور خالہ کے لیے وراثت نہیں ہے۔

روایتِ مذکورہ کے ضعف کا بیان

(یہ حدیث ضعیف ہے، امام الحاکم نے اس کو المستدرک ج ۴ ص ۳۴۳ میں بیان کیا ہے اور امام الدارقطنی نے اپنی سنن ج ۴ ص ۸۱۔۸۰ میں بیان کیا ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے زید بن اسلم کی مرسل روایت میں اور امام حاکم نے اس کو المستدرک میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور امام طبرانی نے اس کو المعجم الصغیر میں ابوسعید سے محمد بن الحارث المخزومی کی سوانح میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند میں اس کے حال کا ذکر نہیں ہے۔ (التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۴)

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ — اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بعض ذوی الارحام دوسرے ذوی الارحام سے اولیٰ ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ذوی الارحام کا استحقاقِ وراثت وصفِ عام کے سبب سے ہے اور وصفِ عام کے استحقاق اور وصفِ خاص کے استحقاق میں کوئی منافات نہیں ہے، پس جس کے متعلق وصفِ خاص کی نفی ہوگی تو وصفِ عام کے ساتھ استحقاق ثابت ہو جائے گا، لہٰذا ذوی الارحام کو وارث بنانا کتاب اللہ پر اضافہ نہیں ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ اور اس کا رسول اس کا مولیٰ ہے جس کا کوئی مولیٰ نہیں اور ماموں اس کا وارث ہے (اور ماموں ذوی الارحام میں سے ہے) جس کا کوئی وارث نہیں''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، کتاب الفرائض، سنن ترمذی: ۲۱۰۳، کتاب الفرائض، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۷ کتاب الفرائض، سنن دارمی: ۲۹۷۷، الفرائض، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶ الحدیث: ۱۹۰)

ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں وارث ہوتا ہے اور وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرتا ہے''۔

(سنن ابوداؤد، الفرائض: ۲۸۹۹، سنن ترمذی، الفرائض: ۲۱۰۴، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، سنن ابن ماجہ الفرائض: ۲۷۳۸، سنن دارمی، الفرائض: ۲۹۷۶)

نیز حدیث میں ہے: جب حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عاصم المنقری سے پوچھا: کیا تم اس کے لیے کسی چیز کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں فوت ہو گئے، ہم ان کے لیے اور کسی کو نہیں پہچانتے مگر ان کا ایک بھانجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن الدحداح کی وراثت ان کے بھانجے کے لیے کر دی۔

(سنن دارمی، الفرائض: ۲۹۷۶)

اور جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ پھوپھی اور خالہ کی وراثت نہیں ہوتی، وہ اس پر محمول ہے کہ جب پھوپھی اور خالہ کے ساتھ ذوی الفروض ہوں یا عصبات ہوں تو ان کی وراثت نہیں ہوگی، کیونکہ ذوی الارحام کی وراثت تب ہوتی ہے جب ان کے ساتھ ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں۔ (المبسوط ج ۳۰ ص ۱۔۶ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کے گیارہ مصادیق

ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات ہوں اور یہ گیارہ افراد ہیں:

(۱) بیٹیوں کی اولاد (۲) بہنوں کی اولاد (۳) بھائیوں کی بیٹیاں (۴) ماں شریک بھائیوں کی اولاد (۵) پھوپھیاں خواہ وہ کسی جہت سے ہوں (۶) باپ کا ماں شریک بھائی یعنی ماں کی طرف سے چچا (۷) ماموں (۸) خالائیں (۹) چچاؤں کی بیٹیاں (۱۰) نانا (۱۱) ہر وہ دادی جو باپ کی طرف ماں کے واسطہ سے منسوب ہو یعنی نانا کی ماں۔ پس یہ وہ ہیں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے۔

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کا بیان

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔

اور فقہاء تابعین میں سے شریح، عمر بن عبدالعزیز، عطاء، طاؤس، علقمہ، مسروق اور اہل کوفہ (یعنی فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے۔

ذوی الارحام کو وارث نہ قرار دینے والوں کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے تھے اور ترکہ کا باقی مال بیت المال کے لیے قرار دیتے تھے۔ امام مالک، الاوزاعی، امام شافعی، ابوثور، داؤد ظاہری، اور ابن جریر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی موقف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ عطاء بن یسار نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف گئے اور اللہ تعالیٰ سے پھوپھی اور خالہ کے متعلق استخارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ حکم نازل فرمایا کہ ان کے لیے وراثت نہیں ہے۔ اس حدیث کی امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۶۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۹۵۔ ۹۸، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۴۳، الحاکم نے کہا ہے: عبداللہ بن جعفر کی یہ حدیث صحیح ہے اس کے شواہد ہیں، امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں الشاذکونی ہیں اور وہ ارسال کرتا ہے اور دوسرا راوی اس میں ضرار ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔)

نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی اپنے بھائیوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں، لہٰذا جب وہ تنہا ہوں گی تب بھی وارث نہیں ہوں گی، کیونکہ ان کے ساتھ ان کے بھائیوں کا ملنا ان کو موکد کرتا ہے اور ان کو قوت دیتا ہے۔ پس جب یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں تو جب تنہا ہوں گی تو بطریقِ اولیٰ وارث نہیں ہوں گی۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے سے متعلق قرآن مجید سے استدلال

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

یعنی ذوی الارحام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وراثت کے زیادہ مستحق ہیں۔

اہلِ علم نے کہا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں حلف کے ساتھ بھی وراثت ہوتی تھی، ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا: میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا مال تمہارا مال ہے، تم میری مدد کرنا میں تمہاری مدد کروں گا، تم میرے وارث ہوگے میں تمہارا وارث ہوں گا، پس وہ دونوں اس پر حلف اٹھاتے تھے، پس وہ وارث ہوتے اور قرابت دار نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ۔ (النساء: ۳۳)

اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اسلام اور ہجرت سے وراثت مقرر ہوگئی۔ پس جس شخص کی اولاد ہوتی اور اس نے ہجرت نہ کی ہوتی تو اس کے بجائے مہاجرین اس کے وارث ہوتے، اس کے موافق اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔ (الانفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو درج ذیل آیت سے منسوخ کر دیا:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (الانفال:۷۵) اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق احادیث

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو تیر مار کر قتل کر دیا اور اس مقتول کا ماموں کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا، تو اس کی وراثت کے متعلق حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۔ ۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۷، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، ماموں اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۸، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۳، ۱۳۱۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

اور امام سعید بن منصور نے بیان کیا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از محمد بن اسحاق از محمد بن یحییٰ بن حبان از عم خود واسع بن حبان، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن دحداحہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور نہ عصبہ تو ان کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال ان کے بھانجے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو دے دیا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱ ص ۷۰، ۷۱، رقم الحدیث: ۱۶۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۱۲، سنن دارمی: ۲۹۷۶)

اس حدیث کی امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے مگر اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: کہ حضرت ثابت بن دحداحہ رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی بھتیجی چھوڑی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث ان کی بھتیجی کو عطا کر دی۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱ ص ۷۰، ۷۱، رقم الحدیث: ۱۶۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۱۲، سنن دارمی: ۲۹۷۶)

اور اس لیے کہ وہ قرابت دار ہے، لہٰذا وہ ذوی الفروض کی طرح وارث ہوگی اور اس لیے کہ وہ اسلام لانے میں لوگوں کے برابر ہے اور اس میں قرابت کا رشتہ زائد ہے، پس وہ اپنے مورث کے مال کی زیادہ وارث ہوگی، اسی وجہ سے وہ زندگی میں اس کے صدقہ اور صلۂ رحم کی زیادہ حق دار تھی اور موت کے بعد اس کی وصیت کی زیادہ حق دار ہے، پس وہ ذوی الفروض کے مشابہ ہوگئی اور ان عصبات کے مشابہ ہوگئی جو محجوب ہوں اور ان کا کوئی حاجب نہ ہو۔ اور یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذوی الارحام کے لیے ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ وراثت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے ماموں کو اس کا وارث قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، یعنی جب کوئی اور وارث نہیں ہوگا تو وہ وارث ہوگا، اور یہ جو مخالفین نے کہا ہے کہ ماموں اور خالہ بہنوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بہنیں ماموں اور خالہ سے زیادہ رشتہ میں قوی ہیں اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ میراث تو نص سے ثابت ہوتی ہے تو ہم نے نصوص کو ذکر کر دیا۔ (المغنی ج ۸ ص ۳۹۹۔ ۴۰۲، دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۱۷۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْمُلَاعَنَةِ — لعان کرنے والی عورت کی وراثت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ملاعنہ کی وراثت کا حکم بیان کیا گیا ہے، ملاعنہ وہ عورت ہے جس کے درمیان اوراس کے شوہر کے درمیان لعان ہو۔ ملاعنہ کی میراث کے بیان کرنے سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ لعان کرنے والی عورت کی اولاد کا وارث کون ہوگا اور لعان کرنے والی عورت اپنے بیٹے کے کتنے حصہ کی وارث ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عُروہ نے بیان کیا ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا اور وَلد الزنا جب مرجائیں تو اس کی ماں کتاب اللہ میں اپنے حق کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی بھی اپنے حقوق کے وارث ہوں گے۔ اور اس کے باقی ترکہ کا وارث اس کے آزاد کرنے والے کا باپ ہوگا اگر اس کا آزاد کرنے والا ہے۔ اگر وہ عورت عربی ہے تو وہ اپنے حق کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی اپنے حقوق کے وارث ہوں گے اور اس کے ترکہ کا جو باقی ہے تو وہ مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ امام مالک نے کہا: اور مجھے سلیمان بن یسار سے اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا: اور ہمارے شہر کے علماء کو میں نے اسی موقف پر پایا۔

اور حافظ ابوعمر بن عبد البر نے کہا: یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس کے ترکہ سے جو باقی بچے گا وہ اس کی ماں کے عصبات کے لیے ہوگا جب کہ اس نے کوئی ذو رحم قرابت دار نہ چھوڑا ہو جس کا حصہ مقرر ہو۔ اور اگر اس نے کوئی ذو رحم چھوڑا ہے تو وہ مال ذوی الفروض اور عصبات پر رد ہو جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے ذوی الارحام کو ان کے رحم کی قرابت کی وجہ سے وارث قرار دیا اور بیت المال کے لیے کوئی حصہ نہیں رکھا۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ باقی ترکہ اس کی ماں کے اوپر رد ہو جائے گا انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق کہا۔

اور جمہور اہلِ مدینہ، ابن المسیب، عروہ، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، زہری، ربیعہ، ابوالزناد اور امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔ اور امام شافعی اور الاوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی (اپنے نسب سے) نفی کی، پس نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی اور بیٹے کو عورت کے ساتھ ملا دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸ صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

صحیح البخاری: ۶۷۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری حصہ سے ظاہر ہے، کیونکہ بیٹے کو ماں کے ساتھ ملانے سے مراد یہ ہے کہ بیٹے اور ماں کے درمیان وراثت ہوگی، کیونکہ جب آپ نے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا تو اس کے نسب کو باپ سے منقطع کر دیا، پس وہ ایسا ہو گیا جیسے کسی شخص کا باپ نہ ہو اور وہ اولاد الفئے سے ہو جس کے متعلق مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ عصبہ ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن قضاعہ کا ذکر ہے، (قاف اور ضاد دونوں پر زبر ہے) اور یہ الحجازی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں از یحییٰ بن بکیر از امام مالک گزر چکی ہے۔

ملاعنہ کی اپنے بیٹے کی وراثت کے متعلق دیگر احادیث

امام ابوداؤد نے اس حدیث کی از عمرو بن شعیب از ابیہ از جدہ روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاعنہ کے بیٹے کی وراثت اس کی ماں کو دی اور ان کے بعد جو ان کے ورثاء ہیں ان کو دی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۰۸)

اور اصحاب السنن الاربعہ میں اس حدیث کی حضرت واصلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت تین وراثتوں کو جمع کر لیتی ہے: (۱) جس کو اس نے آزاد کیا اس کی وراثت (۲) اور جو بچہ اس کو پڑا ہوا مل گیا تھا (لقیط) اس کی وراثت (۳) اور اس بیٹے کی وراثت جس پر اس نے لعان کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۰۶، ۲۹۰۷)

امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۴۰)

اور امام بیہقی پر یہ رد کیا گیا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس میں عمرو بن رؤبة کے سوا ایسا کوئی راوی نہیں ہے جس کی صحت میں اختلاف ہو۔ امام بخاری نے کہا: اس راوی میں اعتراض ہے اور ایک جماعت نے اس راوی کی توثیق کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۶۔ ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کی میراث کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، لکھتے ہیں:

احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا۔

۶۸۵۱۔ ہمیں محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے خبر دی کہ ابن وہب نے ان کو خبر دی، اور ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام شافعی نے خبر دی۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۹۰، ۱۲۶، مسند الامام الشافعی: ۲۵۹)

انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی۔ (الموطا ج ۲ ص ۴۴۵)

از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی (اپنے نسب سے) نفی کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بیٹے کو اس عورت کے ساتھ ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

۶۸۵۲۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبدالرزاق نے خبر دی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۴۶) انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے ملاعنہ کے متعلق اور اس میں سنت کے متعلق خبر دی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ کے بھائی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے آیا وہ اس کو قتل کر دے تو پھر آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق وہ بیان کیا جو قرآن مجید میں لعان کرنے والوں کے معاملہ کے متعلق مذکور ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ کر دیا، انہوں نے کہا: پھر ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں موجود تھا، پس جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس انصار کے مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھ لوں تو پھر میں اس پر جھوٹ باندھنے والا ہوں گا، پس انہوں نے اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے پہلے تین طلاقیں دے دیں جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس عورت کو علیحدہ کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ہر دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہے۔

ابن شہاب نے کہا: پس یہ سنت ہو گئی کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

اور وہ عورت حاملہ تھی تو اس انصاری نے اس کے نسب کا انکار کیا اور اس کا بیٹا اپنی ماں کی طرف نسبت کر کے بلایا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۴۹۲)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا اور اس کی اس کے باپ سے نفی کر دی تو ثابت ہو گیا کہ وہ بیٹا اپنے باپ کا عصبہ نہیں ہے اور نہ باپ کا وارث ہے اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا جب فوت ہو جائے اور اپنی ماں کو چھوڑے اور بیوی کو چھوڑے اور اولاد کو چھوڑے جو مذکر بھی ہوں اور مونث بھی ہوں تو اس کا مال ان کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ (الاجماع لابن المنذر: ۳۱۹، الاقناع: ۲۷۳۲)

پس اگر اس نے ایسے ورثاء چھوڑے جو بعض مال کے مستحق ہوتے ہوں اور تمام مال کو اکٹھا نہ لیتے ہوں تو اس میں اختلاف ہے: ایک جماعت نے کہا ہے کہ اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچا ہے وہ ماں کے عصبہ کے لیے ہو گا، یہ قول حضرت علی بن

ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء، نخعی، حسن بصری اور شعبی کا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کا وارث وہ ہوگا جو ماں کے زیادہ قریب ہے۔ اور حکم اور حماد نے کہا: اس کا وارث وہ ہوگا جس کی اس کی ماں وارث ہوتی ہے۔

۶۸۵۳۔ مجھے ابوبکر بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن ایوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از ابن ابی لیلیٰ از شعبی از حضرت علی اور از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے کہا: لعان کرنے والی کا بیٹا اس کا عصبہ وہ ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے۔ (سنن دارمی: ۲۹۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۰)

۶۸۵۴۔ ہمیں محمد بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام سعید بن منصور (رقم: ۱۲۰) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی از محمد بن سالم از الشعبی از حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ان دونوں نے کہا کہ لعان کرنے والی کا بیٹا اپنی ماں کا عصبہ ہے، پس اگر اس کی ماں نہ ہو تو اس کی ماں کے عصبات اس کے عصبہ ہیں اور ولد الزنا بھی اسی کے درجہ میں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۵۸)

۶۸۵۵۔ ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۰) انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عبیدہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ملاعنہ کا بیٹا اس کا عصبہ وہ ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے، وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ لوگ اس کے وارث ہوں گے۔

۶۸۵۶۔ ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از عزرہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: ملاعنہ کا بیٹا وہ ہے جس کا کوئی باپ نہیں، اس کی ماں اس کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی اس کے وارث ہوں گے اور اس کی ماں کا عصبہ اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر کوئی تہمت لگانے والا اس پر تہمت لگائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے۔
(سنن دارمی: ۲۹۶۷)

اور سفیان ثوری نے کہا: جب اس نے ایک بیٹی اور خالہ چھوڑی تو خالہ کو کچھ نہیں ملے گا اور بیٹی کا باقی ماندہ اس کی ماں کے عصبہ کو ملے گا۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا: اس کا وارث اس کا عصبہ ہوگا اور اس کا عصبہ اس کی ماں ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا: اس کے مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اگر اس سے باقی کچھ بچ جائے تو وہ اس کی ماں کو دیا جائے گا۔

۶۸۵۷۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبدالرزاق از ثوری از موسیٰ بن عبیدہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس کی ماں اس کی عصبہ ہے، وہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اس کی وارث ہوگی، سفیان نے کہا: پورا مال۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۷۸)

۶۸۵۸۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبدالرزاق از معمر از قتادہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ملاعنہ کے بیٹے کی کل

میراث اس کی ماں کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۹، مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۷۹)

۶۸۵۹۔ یحییٰ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: ماں اس کی عصبہ ہے جس کا کوئی عصبہ نہیں۔ (سنن دارمی: ۲۹۴۷)

ہم نے مکحول سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کی کل میراث کا وارث ہوگا۔ اور شعبی سے روایت ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کا وارث ہوگا، پس جب وہ مرجائے تو اس کا وہ وارث ہوگا جو اس کی ماں کا وارث ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: اگر اس کی ماں باندی ہے تو باقی ماندہ ترکہ اس کے آزاد کرنے والوں کے لیے ہوگا اور اگر وہ عربی ہے تو باقی ماندہ ترکہ بیت المال کے لیے ہوگا۔ یہ زہری کا قول ہے اور امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔

(الموطاج ۲ ص ۳۱۴، باب میراث ولد الملاعنۃ وولد الزنا)

امام شافعی اور ابوثور نے کہا: امام مالک نے کہا: یہ وہ چیز ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور میں نے اپنے شہر کے علماء کو اسی پر پایا۔

اور زید بن ثابت سے روایت ہے کہ اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور اس کے بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ماندہ ترکہ بیت المال کے لیے ہوگا۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: ملاعنہ کے بیٹے کی میراث ان دوسروں کی طرح ہوتی ہے جو مرجاتے ہیں اور ان کا کوئی باپ کی طرف سے عصبہ نہیں ہوتا اور نہ کوئی قرابت دار ہوتا ہے، پس اگر وہ مرجائیں اور اصحاب فرائض اور ماں کی طرف سے قرابت داروں کو چھوڑیں تو اصحاب فرائض کو ان کے فرائض دیے جائیں گے اور جو باقی ماندہ ہے وہ دوسرے وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دیا جائے گا جب کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہو۔ انہوں نے کہا: اگر ملاعنہ کا بیٹا ایسا وارث نہ چھوڑے جس کا حصہ ہو اور ماں کی طرف سے قرابت دار چھوڑے جو اصحاب فرائض نہ ہوں تو وہ اس طرح وارث ہوں گے جس طرح ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں ابن الملاعنہ کے باپ کے علاوہ اور اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ نہیں ہوگا کیونکہ عصبات باپ کی طرف سے ہوتے ہیں نہ کہ ماں کی طرف سے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۷ ص ۴۵۶۔۴۶۱)

ملاعنہ کے بیٹے کی وراثت کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں یہ کہتے تھے کہ ملاعنہ کا بیٹا اس کے درجہ میں ہے جس کا باپ کی طرف سے کوئی قرابت دار نہ ہو اور ماں کی طرف سے اس کے قرابت دار ہوں اور یہ زہری کا اور سلیمان بن یسار کا قول ہے۔ اور اسی قول کے موافق ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعی کا قول ہے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے: ملاعنہ کا بیٹا اس کی ماں کے بیٹے کا عصبہ ہے، اسی قول کے موافق عطاء، مجاہد، الشعبی اور النخعی نے کہا ہے حتیٰ کہ النخعی نے کہا: جب تم یہ ارادہ کرو کہ تم ملاعنہ کے بیٹے کے عصبہ کو پہچانو تو اس کی ماں پر غور کرو اور اس پر غور کرو کہ اس کی ماں کا عصبہ کون ہے، پس وہی ملاعنہ کے بیٹے کا عصبہ ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے: اس کا عصبہ اس کی ماں ہے اور اس کی ماں اس کے لیے باپ کے درجہ میں ہے اور ماں کے درجہ میں ہے اور یہ الحکم بن عیینہ کا قول ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین کی میراث کو جمع کر لیتی ہے: (۱) اپنے لقیط کی میراث کو (۲) اور جس کو اس نے آزاد کیا ہے اس کی میراث کو (۳) اور اس بیٹے کی میراث کو جس کی وجہ سے اس پر لعان کیا گیا ہے۔ پھر یہ اپنے آزاد کیے ہوئے کی عصبہ ہے، اسی طرح اس بیٹے کی عصبہ ہے جس کی وجہ سے اس پر لعان کیا گیا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں: جب ملاعنہ کا بیٹا مر گیا اور اس نے ایک بیٹی کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں پر رد کر دیا جائے گا، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک باقی بیت المال کو دیا جائے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ باقی ماں کو بطورِ عصبہ کے دیا جائے گا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے اور وہی ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ باقی ماں کے قریب ترین عصبہ کو مل جائے گا۔ (المبسوط ج ۲۹ ص ۲۲۱۔ ۲۲۴ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَابٌ: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ حُرَّةً کَانَتْ أَوْ أَمَةً
بچہ اسی کا کہلائے گا جس کے بستر پر پیدا ہوا خواہ وہ بستر آزاد عورت کا ہو یا باندی کا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ بچہ اس بستر والے کا ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا کہ بستر بیوی سے کنایہ ہے۔

فِراش کے لفظ کا اگرچہ خاوند پر اطلاق کیا جاتا ہے اس کا بیوی پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے لیے فراش یعنی بستر ہوتا ہے۔

اس عنوان میں کہا ہے "خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو"۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک باندی سے جب اس کا مالک مباشرت کرے تو وہ اس کا فراش بن جاتی ہے یا مالک یہ اقرار کرے کہ اس نے اس عورت سے مباشرت کی ہے اور اسی کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حکم کیا اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے۔ پس جب عورت اس سے مباشرت کے چھ ماہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی تو اس بچہ کا نسب اس مباشرت کرنے والے سے ثابت ہو جائے گا اور وہ عورت اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس کے مالک کے لیے جائز ہے کہ اس بچہ کی نفی کرے جب کہ وہ استبراء کا دعویٰ کرے اور صرف ملکیت سے بغیر مباشرت کے وہ عورت امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک فراش یعنی بستر نہیں ہوتی۔

اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ وہ عورت وطی سے فراش نہیں ہوتی اور نہ وطی کے اقرار سے فراش ہوتی ہے، پس اگر اس کے مالک نے اس سے وطی کی یا وطی کا اقرار کیا، پھر وہ بچہ کو لے کر آئی تو وہ بچہ اس کے ساتھ نہیں ملے گا اور وہ اس کا مملوک ہوگا اور وہ باندی اس

کی مملوکہ ہوگی۔اور وہ بچہ اس کے ساتھ اس وقت ملے گا جب وہ اس بچہ کا اقرار کرلے، اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ شخص اپنے قول سے اس بچہ کی نفی کرے اور اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ استبراء کا دعویٰ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۹۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ ابْنُ أَخِي عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ عتبہ نے اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا بیٹا مجھ سے ہے، سو تم اس کو اپنے پاس قبضہ کر کے رکھ لینا، پس جب فتح مکہ کا سال ہوا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو لے لیا، پس کہا: یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اس نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی، پھر عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، پس ان دونوں نے اپنا معاملہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرے بھائی نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی، پس عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے اور یہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارا ہے بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اس سے پردہ کیا کرو، کیونکہ آپ نے اس کی مشابہت عتبہ کے ساتھ دیکھی۔ پس اس لڑکے نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اللہ سے جا ملا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۴۴۹، سنن دارمی: ۲۲۳۷)

صحیح البخاری: ۶۷۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں"۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں از یحییٰ بن قضاعہ از امام مالک گزر چکی ہے۔ اور کتاب الوصایا اور کتاب المغازی میں از القعنبی از امام مالک گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاحکام میں از اسماعیل بن عبداللہ از امام مالک آئے گی، اس کی شرح بھی گزر چکی ہے، لیکن ہم شرح کا کچھ حصہ یہاں ذکر کریں گے کیونکہ مسافت زیادہ ہو چکی ہے۔

عتبہ بن ابی وقاص کا تذکرہ اور یہ کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوئی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عتبہ، یہ ابن ابی وقاص ہیں اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، پس العسکری نے ان کا صحابہ میں ذکر کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مکہ میں قریش کے کسی فرد کو قتل کر دیا تھا، پھر یہ مدینہ کی طرف منتقل ہو گئے اور جب یہ مرنے لگے تو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی اور ابن مندہ نے ان کا صحابہ میں ذکر کیا ہے اور سند کے ساتھ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ ان کے بھائی نے یہ وصیت کی تھی کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔ اور امام ابونعیم نے اس کا انکار کیا ہے، اور یہ ذکر کیا ہے کہ جس کافر نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی کیا تھا وہ یہی شخص تھا اور انہوں نے کہا: مجھے اس کے اسلام لانے کا علم نہیں ہے، بلکہ امام عبدالرزاق نے از عثمان الجزری از مقسم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی تھی کہ عتبہ کے اوپر سال نہ گزرے حتیٰ کہ وہ حالتِ کفر میں مر جائے، سو وہ سال پورا ہونے سے پہلے مر گیا اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اور علامہ دمیاطی نے اور علامہ ابن التین نے وثوق سے بیان کیا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوئی۔ اور عتبہ کی ماں کا نام ہند بنت وہب بن الحارث بن زہرہ ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اپنی موت کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا بیٹا مجھ سے ہے" اور "ولیدۃ" کا لفظ ولادت سے ماخوذ ہے اور فعیلۃ کے وزن پر ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: بچی اور باندی اور اس کی جمع "ولائد" ہے۔ اور وہ باندی یمانیہ تھی اور زمعہ اس کے علاوہ دوسرا شخص تھا، اس پر امام طحاوی نے تنبیہ کی ہے۔

عبد بن زمعہ کا نام اور زمعہ کی باندی کے بیٹے کو عبد بن زمعہ کا بھائی قرار دینے کا پس منظر

اور عبد بن زمعہ کا نام قیس بن عبدالشمس القرشی العامری ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما کان عام الفتح اخذہ سعد" یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن اس کو دیکھ لیا تو اس کو عتبہ کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے دیکھ لیا، پھر اس کو اپنی گود میں بھر لیا اور کہا: رب کعبہ کی قسم! یہ میرے بھائی کا

بیٹا ہے۔ اور لیث کی روایت میں ہے: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقام عبد بن زمعه فقال اخی" یعنی یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے، یعنی اس کی باندی کا بیٹا ہے اور یہ ان کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ اور عبد بن زمعہ میں عبد کا لفظ بغیر کسی لفظ کی طرف اضافت کے ہے۔ اور مختصر ابن الحاجب میں مذکور ہے کہ اس کا نام عبداللہ تھا۔ اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ یہ غلط ہے، کیونکہ عبداللہ بن زمعہ وہ اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ کا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابن مندہ کو عبدالرحمٰن بن زمعہ کی سوانح میں خبط واقع ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے زعم کیا کہ عبدالرحمٰن، عبداللہ اور عبد (بغیر اضافت کے) تینوں بھائی ہیں اور یہ زمعہ بن الاسود کی اولاد ہیں حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ عبد کا لفظ بغیر اضافت کے ہے اور عبدالرحمٰن اور عبد دونوں بھائی عامری ہیں اور قریش سے ہیں۔ اور عبداللہ بن زمعہ اسدی ہیں اور وہ بھی قریش سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هو لك يا عبد بن زمعه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکے کو لے لیں۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۹۴ھ) نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ تمہارا بھائی ہے، پس آپ نے اس کے دعویٰ کو برقرار رکھا اور یہ نہیں فرمایا کہ باندی فراش یعنی بستر نہیں ہوتی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ امام طحاوی نے یہاں پر ایک اور مسلک کو اختیار کیا ہے اور آپ نے جو فرمایا "هو لك" اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا قبضہ اس پر ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم اس کے مالک ہو، اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس پر قبضہ کرنے سے منع کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے جیسا کہ آپ نے صاحب اللقطہ سے فرمایا: "یہ لقطہ تمہارے لیے ہے اور جب اس کا مالک آئے گا تو تم اس کو یہ واپس کر دینا"۔ اور انہوں نے کہا: جب کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس میں عبد بن زمعہ کی شریک تھیں لیکن ان سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس کی تصدیق کی ہو اور نہ انہوں نے اس لڑکے پر دعویٰ کیا تھا، تو آپ نے عبد بن زمعہ پر وہ لازم کیا جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ اور اس کو ان کے خلاف حجت نہیں قرار دیا تو آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر امام طحاوی کے اس ناقل (یعنی حافظ ابن حجر) نے کہا: یہ کلام اس صریح روایت سے مردود ہے جس میں آپ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا ہے کہ یہ تمہارا بھائی ہے اور آپ کا یہ ارشاد اشکال کو اٹھا دیتا ہے اور گویا کہ یہ ناقل اس حدیث پر واقف نہیں ہوا اور نہ حضرت ابن الزبیر اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہم کی اس حدیث پر واقف ہوا جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس کی موافقت کر لی تھی کہ وہ ان کا بھائی ہے۔ (ناقل کی عبارت ختم ہوئی)۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی عبارت پر تبصرہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از سعید بن منصور اور مسدد روایت کی ہے اور اس میں مسدد نے یہ اضافہ کیا ہے

"هو اخوك" وہ تمہارا بھائی ہے۔ اور صحیح وہ روایت ہے جس کی سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور مسدد کے اضافہ کی کسی نے موافقت نہیں کی۔ اور اگر ہم اس اضافہ کو تسلیم کرلیں تو اس سے یہ ارادہ کیا جائے گا کہ یہ تمہارا دین میں بھائی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصل حدیث یہ ہو کہ "وہ تمہارے لیے ہے"، پس راوی نے یہ گمان کیا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ تمہارا نسبی بھائی ہے۔ پس اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا جو اس کے نزدیک ہے۔ اور جس حدیث کی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے، اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔ اور علامہ خطابی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ مقرر تھا کہ لوگوں کی باندیاں حرام کاری کرتی تھیں اور لوگ ان کو زنا کرنے والوں کے ساتھ ملا دیتے تھے جب وہ یہ دعویٰ کرتے کہ انہوں نے زنا کیا ہے جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔ اور زمعہ کی ایک باندی تھی اور زمعہ اس سے دخول کرتا تھا اور اس سے حمل ظاہر ہوگیا۔ اور عتبہ بن ابی وقاص نے یہ زعم کیا کہ یہ حمل اس سے ہے، اور اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کردی کہ وہ اس کو عتبہ کے ساتھ ملا لے، پس اس کے متعلق عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا اور عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے جیسا کہ اسلام کے اندر حکم برقرار ہے کہ بچہ اس کا قرار دیا جاتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور وہ لڑکا زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے حکم کو باطل کردیا اور اس لڑکے کو زمعہ کے ساتھ لاحق کردیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدر الدین عینی حنفی کی اس عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

اس حدیث میں مذکور ہے "الولد للفراش"۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے کہ آزاد عورت اس وقت فراش (بستر) بنتی ہے جب اس کے ساتھ وطی ممکن ہو اور بچہ کو اس مدت میں اس کے ساتھ ملا دیا جائے جس مدت میں اس جیسا بچہ پیدا ہوسکتا ہے اور اس کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا یہ شاذ قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب کسی شخص نے نکاح کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس وقت وطی کا امکان نہیں تھا اور وہ عقد نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ کو لے آئی تو بچہ اس شخص کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور نیز انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کا جو مذہب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کے خلاف ہے کہ بچہ مرد کے پانی اور عورت کے پانی سے بنتا ہے۔

علامہ عینی حنفی کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب شاذ نہیں ہے اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کی مخالفت کی ہے اور بے شک صاحب توضیح اور جو ان کے مسلک پر چلتا ہو، انہوں نے اس مسئلہ کو اس طرح نہیں سمجھا جس طرح امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ کو سمجھا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب پر اس سے استدلال کیا ہے "الولد للفراش"، یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا

ہو، اور اس حدیث میں وطی کی شرط کا ذکر نہیں ہے اور نہ وطی کا ذکر ہے، اور اس لیے اس مسئلہ میں عقد کرنا وطی کی مثل ہے، اس کے برخلاف باندی کا کوئی فراش یعنی بستر نہیں ہوتا (کیونکہ باندی کے ساتھ عقد نہیں ہوتا) اس باندی سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب اسی وقت ثابت ہوگا جب اس کا مالک اس اولاد کا اعتراف کرے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وللعاھر الحجر" یعنی زانی کے لیے ناکامی اور محرومی ہے اور "عَھَر" کا معنی ہے: زنا، اور ناکامی اور محرومی سے مراد یہ ہے کہ جس بچہ کے نسب کا وہ دعویٰ کرتا ہے اس میں ناکام ہوا۔ اور عرب کی عادت یہ ہے کہ جو شخص ناکام ہوجائے تو کہتے ہیں اس کے لیے پتھر ہے اور مٹی ہے اور اس کی مثل الفاظ کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "حَجَر" سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ اس کو رجم کیا جائے گا۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ رجم کرنا شادی شدہ کے ساتھ مختص ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ "تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو"، یعنی اس باندی کے بیٹے سے۔ آپ نے یہ حکم تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر دیا کیونکہ وہ لڑکا عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثبوتِ نسب میں بچہ کی کسی کے ساتھ مشابہت کا شرعاً اعتبار نہ کرنا

عتبہ بن ابی وقاص نے زمعہ کی باندی کے ساتھ زنا کیا تھا یعنی اس کی مملوکہ کے ساتھ اور اس سے بچہ ہوگیا اور یہ بچہ واضح طور پر عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا، پس عتبہ نے اپنے بھائی (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے کہا: یہ میرا بیٹا ہے اور تم اس کے وصی ہو، پس جب فتح مکہ کا سال ہوا تو اس بچہ کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا ہوا، عبد بن زمعہ کہتے تھے: یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے اور وہ میرے باپ کا فراش یعنی بستر تھی، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے تھے: یہ میرا بھتیجا ہے اور میں اس کا چچا ہوں، یارسول اللہ! آپ اس کی مشابہت دیکھیے! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کی طرف دیکھا، آپ نے دیکھا وہ واضح طور پر عتبہ کے مشابہ تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشابہت کو لغو قرار دیا اور حکم فراش کی بناء پر دیا تاکہ شکوک منقطع ہوجائیں، کیونکہ اگر مشابہت کا حکم شرعی کے خلاف اثر ہوتا تو بیویوں کے اپنے شوہروں کے ساتھ شکوک پیدا ہوتے، کیونکہ ہر وہ عورت جس سے ایسا بچہ پیدا ہوتا جو باپ کے مشابہ نہ ہوتا اور وہ صرف مثلاً اپنے چچا کے مشابہ ہوتا تو خاوند کو اپنے بھائی کے متعلق شک ہوتا، اسی وجہ سے اس مشابہت کو ساقط کردیا گیا ہے۔

حتیٰ کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میری بیوی کے ہاں ایک کالا لڑکا پیدا ہوا ہے اور میری بیوی سفید ہے اور میں بھی سفید ہوں تو یہ کالا لڑکا کہاں سے آگیا؟

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: ان کے کیا رنگ ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی چتکبرا اونٹ بھی ہے یعنی کالا اور سفید؟ اس نے کہا: جی

ہاں، آپ نے فرمایا: یہ چتکبرا اونٹ کہاں سے آ گیا جب کہ یہ اونٹ سرخ ہے؟ اس اعرابی نے کہا: شاید اس نے کوئی رگ کھینچ لی ہوگی، آپ نے فرمایا: سو اسی طرح تمہارے بیٹے نے بھی شاید کوئی رگ کھینچ لی ہوگی۔ پس وہ اعرابی مطمئن ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۸۹، مسند الحمیدی: ۱۰۸۴)

اس لیے کہ یہ واضح قیاس ہے۔

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں:

پس میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کی نعمت یہ ہے کہ اس نے فراش یعنی بستر کو ایسی حجت شرعیہ قرار دیا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کی عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ واضح مشابہت دیکھی لیکن یہ مشابہت حجت شرعیہ یعنی فراش کے مزاحم نہیں ہو سکتی تھی تو آپ نے حجت شرعیہ کو حجت حسیہ پر مقدم کیا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لڑکا تمہارے لیے ہے اے عبد بن زمعہ، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

زمعہ کی باندی سے پیدا شدہ لڑکے کا آزاد ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ سے فرمایا: ''ھولک اے عبد بن زمعہ!''۔

اس حدیث میں لام ملکیت کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا: ''یہ تمہارا مملوک ہے'' اور وہ آزاد تھا۔ اور اس لیے کہ جب مالک اپنی باندی سے اولاد کو طلب کرے تو اس کی اولاد آزاد ہوتی ہے اور اگر باندی سے کسی کا غلام عقد نکاح کر لے تو اس کی اولاد غلام ہوگی، پس باندی کا اگر اپنے مالک سے بچہ پیدا ہو تو وہ آزاد ہوگا اور اگر دوسرے سے بچہ پیدا ہو تو وہ غلام ہوگا خواہ وہ آزاد ہو، پس عربی زبان میں لام تملیک کے لیے بھی آتا ہے اور اختصاص کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں پر لام تملیک کے لیے نہیں ہے بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی اے عبد بن زمعہ! یہ لڑکا خاص تمہارے لیے ہے اگرچہ یہ لڑکا آزاد ہے اور تمہارا مملوک نہیں ہے۔

تعارض اور شکوک کے وقت امر محتاط کے مطابق فیصلہ کرنا

جب کہ وہ لڑکا عبد بن زمعہ کے لیے ہو گیا اور وہ ان کا بھائی قرار پایا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اس کی بہن قرار پائیں اور اگر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا فوت ہو جاتیں تو وہ ان کا وارث ہوتا اور اگر وہ لڑکا فوت ہوتا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس کی وارث ہوتیں، اس کے باوجود آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تم اس سے پردہ کیا کرو''۔

یہاں پر یہ اشکال ہے کہ جب وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار پایا تو آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ جب کہ شرعی حکم یہ تھا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس کی بہن ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہے اور یہ امر حسّی سے معارض ہے اور امر حسّی مشابہت ہے، پس اس سے شک ہو گیا، اس شک کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں احتیاط کے مسلک کو اختیار کیا اور آپ نے احتیاطاً حکم دیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس لڑکے سے پردہ کریں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سبب حسّی اور سبب شرعی یہ دونوں متضاد حکم ہیں اور دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ دونوں ضدیں ہیں اور دو ضدین جمع نہیں ہوتیں، تو اس مسئلہ میں صحیح اور ثواب یہ تھا کہ احتیاط پر عمل کیا جائے۔

ہر عالم کے قول پر فتویٰ نہ دیا جائے

بعض علماء نے کہا ہے: جب کوئی شخص کسی بچہ کے نسب کو اپنے ساتھ ملالے تو اس کو ملا لیا جائے گا، کیونکہ جس عورت کا کوئی خاوند نہ ہو پس ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بچہ کو ملا لیا جائے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے"الولد للفراش" یعنی بچہ اس کا شمار کیا جائے گا جس کے بستر پر ہو، یہ اس معاملہ میں ہے جس میں عورت کا خاوند ہو یا حق کے ساتھ وطی کی جائے۔ لیکن جب حق کے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو اور نہ خاوند ہو اور زانی اس بچہ کے نسب کو اپنے ساتھ ملائے تو ہمارا اس بچہ کو لاحق قرار دینا اس کے نسب کے ضائع کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ وہی رائے ہے جو شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کی ہے لیکن یہ قوی قول ہے اور اس پر فتویٰ دینے سے احتیاط کرنی چاہیے، کیونکہ اگر اس پر فتویٰ دیا گیا تو اولاد الزنا بہ کثرت ہوگی، انسان کسی عورت کے ساتھ زنا کرے گا اور جب وہ حاملہ ہو جائے گی تو اس سے نکاح کرلے گا پھر اس بچہ کا نسب اپنے ساتھ ملالے گا کیونکہ اس کو یقین ہے کہ یہ عورت اس سے حاملہ ہوئی ہے اور اس عورت کے گھر والے بھی عنقریب تسلیم کرلیں گے تاکہ ان کو رسوائی اور شرمندگی نہ ہو۔

لیکن طالب علم کو چاہیے کہ وہ وسیع امور پر غور کرے اور ہر ایک کے قول پر فتویٰ نہ دے، کیونکہ کبھی مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ اس قول پر فتویٰ نہ دیا جائے اور کبھی اس میں مصلحت ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ اس قول کا معتقد نہیں ہے لیکن وہ اس کے اوپر فتویٰ دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں امہات الاولاد کی خرید وفروخت ہوتی تھی، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ اس معاملہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے تو انہوں نے مصلحت کی بناء پر امہات الاولاد کو فروخت کرنے سے منع کر دیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمر پینے کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، جب کوئی خمر پینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لایا جاتا تو اس کو ڈنڈوں سے مارتے اور جوتوں سے مارتے اور کپڑے کا کوڑا بنا کر چالیس کوڑے مارتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی چالیس کوڑے مارے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتداءِ خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا، پھر جب لوگوں نے کثرت کے ساتھ خمر نوشی کرلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کم سے کم حد اسی (۸۰) کوڑے ہے، یعنی حدِ قذف اسی کوڑے ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خمر پینے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کردی۔ (صحیح مسلم:۱۷۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کرنا شرعی حکم نہیں تھا بلکہ یہ بربنائے سیاست حکم تھا۔
(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۸۵۔۹۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: جب بعد کے صحابہ کا خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہونے پر اجماع ہوگیا تو اب یہ حکمِ شرعی ہوگیا اور یہ صرف حکم بربنائے سیاست نہیں رہا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۷۵۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از شعبہ از محمد بن زیاد، وہ بیان کرتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ۔ کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بچہ بستر والے کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۸، مسند احمد: ۷۹۰۴)

صحیح البخاری: ۶۷۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور یہ حدیث اس سے پہلی حدیث کی تفسیر ہے جس میں مذکور تھا ''بچہ بستر کے لیے ہے'' اور اس حدیث میں فرمایا ''بچہ بستر والے کے لیے ہے'' اور یہ حدیث بنفسہٖ مستقل ہے، اس کے برخلاف اس سے پہلی حدیث میں یہ جملہ عبد بن زمعہ کی حدیث کی اتباع میں ذکر کیا گیا تھا۔

امام طحاوی نے کہا ہے: اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث کے ساتھ جو یہ حدیث موصول ہے کہ بچہ بستر والے کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں اس کا کیا معنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مسئلہ کی تعلیم کے لیے ہے یعنی تم اپنے بھائی کے لیے دعویٰ کرتے ہو اور تمہارے بھائی کا بستر نہیں تھا (کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بھائی عتبہ بن ابی وقاص تھا اور ان کا بستر نہیں تھا، بستر تو زمعہ کا تھا)، اور نسب ان سے تب ثابت ہوتا اگر وہ ان کا فراش ہوتا، پس تمہارا بھائی زانی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

حدیث مذکور کے مزید طرق

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: حدیث ''الولد للفراش'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث میں سے صحیح ترین حدیث ہے اور یہ بیس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے۔ پس امام بخاری نے یہاں پر حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کہا ہے: اس باب میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابو امامہ، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت البراء، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن نسائی میں ہے، اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی سنن النسائی میں ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے، اور حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث امام الطبرانی کی المعجم الکبیر میں ہے، اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی المعجم الکبیر میں ہے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین نے ان صحابہ کے اوپر حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا اضافہ کیا ہے، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند ابویعلیٰ الموصلی میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مسند البزار میں ہے اور ان تمام صحابہ کی روایت میں

مذکور ہے "بچہ اس کے لیے ہے جس کے بستر پر ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے" اور بعض صحابہ نے صرف پہلے جملہ پر اقتصار کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابٌ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ
اس قاعدہ کا بیان کہ وَلاء اس کیلئے ہے جو آزاد کرے

وَمِیرَاثُ اللَّقِیطِ
اور جو لڑکا راستہ میں پڑا ہوا ملے اسکا وارث کون ہوگا؟ اس کا بیان

وَقَالَ عُمَرُ: اَللَّقِیطُ حُرٌّ۔
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو لڑکا راستہ میں پڑا ہوا ملے اور اس کے ماں باپ معلوم نہ ہوں تو وہ آزاد ہوگا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ وَلاء اس شخص کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور اکثر نسخوں میں مذکور ہے "باب: ولاء صرف اس کے لیے جو آزاد کرے"۔
الوَلاء میں واؤ پر زبر ہے یہ "الوَلایة" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نصرت اور محبت ہے، کیونکہ وَلاءِ عتاقة میں اور موالات میں ایک دوسرے کی مدد یا محبت ہے، یا یہ لفظ "ولی" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قرب، اور وَلاء قرابتِ حکمیہ ہے جو آزاد کرنے سے یا موالات سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا شرعی معنی ہے: ولاء العتاقة کے ساتھ مدد کرنا، یا وَلاءِ عتاقة میں وراثت اور دیت کی ادائیگی کا استحقاق ہوتا ہے۔
اس عنوان میں مذکور ہے "وَلاء اس کے لیے جو آزاد کرے"۔ اور اس حدیث کے الفاظ ائمہ ستہ نے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیے ہیں۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "میراث اللقیط" لیکن امام بخاری نے یہاں کوئی حکم ذکر نہیں کیا، یعنی راستہ میں پڑے ہوئے بچہ کی وراثت کیا ہوگی؟ علامہ کرمانی نے کہا: کیونکہ امام بخاری کو ان کی شرط کے مطابق اس کے حکم کے متعلق حدیث نہیں ملی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اس لفظ کو ذکر کریں اور خالی جگہ چھوڑ دیں حتیٰ کہ اس جگہ پر بعد میں اس کا ذکر کرتے، پھر انہیں کوئی حدیث نہیں ملی اور یہ عنوان اسی طرح قائم رہا۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کے حکم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر اکتفاء کیا ہے جو دوسری تعلیق میں مذکور ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ راستہ میں پڑا ہوا بچہ آزاد ہے، پس جب وہ آزاد ہے تو اس کی وَلاء بیت المال میں ہوگی، کیونکہ اس کی وَلاء تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا یہی مذہب ہے۔ اور قاضی شریح نے کہا ہے کہ اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس بچہ کو اٹھائے گا (وَلاء سے یہاں پر یہ مراد ہے

کہ وہ بچہ بڑا ہوا اور مال دار ہوا اور اس نے ترکہ چھوڑا تو اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کا ترکہ اور اس کا مال تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور اس کو بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور قاضی شریح نے کہا کہ اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر اس کا ترکہ اسے دیا جائے گا جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے)۔

اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا استدلال سُنَین ابی جمیلہ کی حدیث سے ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے راستہ میں پھینکے ہوئے بچے کے متعلق فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو اور تمہارے لیے اس کی وَلاء ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ابو جمیلہ مجہول ہے اس حدیث کے علاوہ اس کی کوئی اور حدیث مشہور نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ "تمہارے لیے اس کی وَلاء ہے" یہ اس پر محمول ہے کہ تم ہی اس کی تربیت اور معاملات کی کفالت کے ولی ہو، اور یہ اسلام کی وَلایت ہے، آزاد کرنے کی وَلایت نہیں ہے۔

اور عطاء اور ابن شہاب نے کہا ہے کہ راستہ میں پڑا ہوا بچہ آزاد ہے، پس جس کو وہ بچہ ملا ہے اگر وہ اس کی تربیت اور کفالت کو پسند کرتا ہے تو وہ کر سکتا ہے اور اگر وہ یہ پسند کرے کہ کوئی اور اس کی کفالت کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو دے دے۔

اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے: اس کے لیے جائز ہے کہ اس کی وَلاء کو جہاں چاہے منتقل کرے، پس جس نے اس کی کفالت کی ہے اگر وہ اس کی کسی جنایت کا تاوان ادا کرتا ہے تو اس کے لیے اس کی وَلاء کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور وہ اس کا وارث ہوگا۔

سُنَین ابو جمیلہ کا تذکرہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سُنَین میں سین پر پیش ہے اور نون پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور اس کے آخر میں نون ہے ابو جمیلہ الضمری، اور ان کو السلمی بھی کہا جاتا ہے۔ ان سے ابن شہاب نے روایت کی ہے اور ان سے روایت کرتے ہوئے معمر نے کہا: مجھے ابو جمیلہ نے حدیث بیان کی اور ان کا یہ زعم تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے اور الزبیدی نے از الزہری کہا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تین کو پایا: حضرت انس بن مالک، حضرت سہل بن سعد، اور حضرت ابو جمیلہ سُنَین رضی اللہ عنہم کو۔ اور امام مالک نے از ابن شہاب کہا: مجھے سُنَین ابو جمیلہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال پایا اور علامہ الذہبی نے کہا: ابو جمیلہ سُنَین السلمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور وہ ان کے ساتھ فتح مکہ کے سال نکلے اور ان کی حدیث ترمذی میں ہے اور ان سے الزہری نے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۰۔ ۳۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْتَرِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ وَأُهْدِيَ لَهَا شَاةٌ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ الْحَكَمُ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا وَقَوْلُ الْحَكَمِ مُرْسَلٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَأَيْتُهُ عَبْدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو خرید لو کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔ اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ایک بکری ہدیہ میں دی گئی تو آپ نے فرمایا: یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے

لیے ہدیہ ہے۔
اور حَکم نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد تھے اور حَکم کا قول مرسل ہے۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کو دیکھا وہ غلام تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حفص بن عُمر کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث ابوعمر الحوضی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الحَکَم کا ذکر ہے اور یہ ابن عتیبہ ہیں جو عتبۃ الباب کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم کا ذکر ہے، یہ النخعی ہیں اور اس حدیث کی سند میں الاسود کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ہیں اور یہ تینوں تابعی ہیں اور کوفی ہیں۔

یہ حدیث کفارۃ الایمان میں از سلیمان بن حرب گزر چکی ہے اور کتاب الطلاق میں از عبداللہ بن رجاء گزر چکی ہے اور کتاب الزکوۃ میں از آدم گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث کی شرح کئی مرتبہ کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''بَرِیرہ'' کا ذکر ہے، اس میں باء پر زبر ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''اھدی'' یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حَکم نے بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر آزاد تھا اور حَکم کا قول مرسل ہے''۔
یہ تعلیق سندِ مذکور کے ساتھ موصول ہے لیکن اس میں جو مُرسل مذکور ہے یہ اس حدیث کی سند میں مذکور نہیں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور الاسماعیلی نے کہا ہے کہ حَکم کا قول حدیث کا جز نہیں ہے، یہ مُدرَج ہے (یعنی راوی کا اپنی طرف سے اضافہ ہے)۔ یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ امام بخاری کا یہ کہنا کہ یہ تعلیق مُرسل ہے اصطلاح کے مخالف ہے، کیونکہ جو کلام بعض

راویوں پر موقوف ہو اس کو مُرسل نہیں کہا جاتا۔

اور اس تعلیق کی حدیث میں مذکور ہے ''وکان زوجھا'' یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر۔

حدیث مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا'' یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا اور یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر مغیث کے غلام ہونے پر دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو مغیث کہا جاتا تھا۔ اور وہ بنو مخزوم میں سے آل مغیرہ کے غلام تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس کے نکاح میں برقرار رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ عدت گزاریں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے اختیار دیا تھا کہ ان کے شوہر غلام تھے اور اب وہ آزاد کر دی گئی تھیں، اور شوہر اپنی بیوی پر دو طلاقوں کا مالک ہوتا ہے جب کہ وہ باندی ہو۔

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو آزاد کیا گیا تو وہ حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں۔ اور وہ اس وقت غلام تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو اس نکاح میں برقرار رہیں اور چاہیں تو اس نکاح کو فسخ کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ملتا ہے۔ وہ چاہے تو نکاح سابق پر برقرار رہے اور چاہے تو اس کو مسترد کر دے، سو حضرت بریرہ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ ان کے فراق میں روتے رہتے تھے۔

یہ حدیث سندِ موصول کے ساتھ تفصیل کے ساتھ کتاب الطلاق کے ''باب خیار الامۃ تحت العبد'' میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۱۔ ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۶، ۲۱۶۹، ۲۵۶۲، ۶۷۵۲، ۶۷۵۷، ۶۷۵۹، سنن نسائی: ۴۶۴۴، مسند احمد: ۴۷۹۳)

صحیح البخاری: ۶۷۵۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' اور حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عبداللہ کا ذکر ہے اور یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں جو امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام محمد بن عبدالحکم نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کی وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں: اس کی وَلاء اس کے لیے ہے جس کے غلام کو آزاد کیا جاتا ہے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی

ی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے تین مسائل کا مستنبط ہونا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مختصر حدیث سے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے تین مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔

(۲) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر گوشت کو صدقہ کیا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت سے کچھ حصہ طلب کیا تو گھر والوں نے بتایا کہ یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(۳) جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو ان کو اختیار دیا گیا (کہ وہ نکاحِ سابق پر برقرار رہتی ہیں یا نہیں، اس کو خیارِ عتق کہتے ہیں) اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں کہ آیا ان کا شوہر آزاد تھا یا غلام تھا اور صحیح یہ ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۹۱-۹۲، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

لقیط کی وراثت اور اس کی کفالت کا بیان

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لقیط آزاد ہے۔ (لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جو کہیں پڑا ہوا مل جائے اور نہ اس کا باپ معلوم ہو اور نہ اس کی ماں معلوم ہو اور نہ اس کا نسب معلوم ہو، اس کو لقیط کہتے ہیں)۔ یہ عنوان اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ لقیط کی میراث بیان کی جائے، پس امام بخاری نے جمہور کے قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لقیط آزاد ہے اور اس کی وَلاء بیت المال میں ہوگی۔ اور اسی کی طرف نخعی کے قول سے اشارہ ہے کہ اس کی وَلاء اس کے لیے ہے جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے۔ اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول

سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے ابو جمیلہ سے کہا تھا: جاؤ یہ آزاد ہے، اور ہم پر اس کا خرچ لازم ہے اور تم کو اس کی وَلاء ملے گی۔
اور یہ مکمل اثر شہادات کے اوائل میں گذر چکا ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ وہاں اس اثر کو کس نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور میں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول ''اس کی وَلاء تمہارے لیے ہے'' کا معنی یہ ہے کہ تم اس کی تربیت اور اس کی کفالت کے والی اور منتظم ہو گے، پس یہ اسلام کی ولایت ہے اور ولایت عتق نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ صریح حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے''۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس نے آزاد نہیں کیا اس کی کوئی وَلاء نہیں ہے کیونکہ آزاد کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے اس پر ملکیت ہو اور جو دارا سلام میں بچہ پڑا ہوا مل جائے اور کوئی اس کو اٹھالے تو اٹھانے والا اس کا مالک نہیں ہوتا، کیونکہ اصل لوگوں میں حُریت اور آزاد ہونا ہے اور جو لقیط اٹھایا گیا ہے وہ اس حال سے خالی نہیں ہے کہ وہ کسی آزاد عورت کا بیٹا ہو، پس اس کو غلام نہیں بنایا جائے گا یا وہ کسی قوم کی باندی کا بیٹا ہو تو اس کی وراثت اس قوم کے لیے ہوگی اور جب اس کی وراثت مجہول ہے تو اس وراثت کو بیت المال میں رکھا جائے گا اور وہ اس کا غلام نہیں ہوگا جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے۔
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ لقیط کا جو چاہے مولیٰ بن جائے اور یہی فقہاء احناف نے کہا ہے کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کے بعد وہ کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور یہ پوری عبارت الاسماعیلی پر مخفی رہی، سو انہوں نے کہا: امام بخاری نے لقیط کی میراث کا ذکر باب کے عنوان میں کیا ہے اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ حدیث میں اس پر دلالت ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث اس عنوان کے مطابق ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور ان دونوں کی روایت میں لقیط کی میراث کا ذکر نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، پس انہوں نے کہا: اگر تم کہو کہ لقیط کی میراث کا ذکر کہاں ہے؟ تو میں کہوں گا: یہ وہاں ہے جہاں امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے اور امام بخاری کو یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ اس کے مناسب حدیث کو وارد کرتے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ پوری تقریر ظاہر کے اعتبار سے ہے لیکن تدقیقِ نظر سے یہ ہے کہ اس کی مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو میراث کے ابواب میں بیان کیا ہے، پس اس کا بیان وہ ہے جس کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔
علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ لقیط آزاد ہے سوائے نخعی کی روایت کے اور نخعی کی روایت ایک جماعت کی روایت کی مثل ہے اور ان سے ایک قول فقہاء احناف کی مثل ہے اور قاضی شریح سے بھی پہلے قول کی مثل منقول ہے اور اسحاق بن راہویہ نے بھی یہی کہا ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے غلام ہونے کی روایت کی ترجیح

اس تعلیق میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے''۔ اور الحکم اور الاسود نے جو کہا ہے کہ وہ آزاد تھے تو اسود کا قول منقطع ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے ساتھ متصل نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے۔ اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے اور انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ کیا، پس ان

کا قول اس کے قول پر راجح ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حاضر نہیں ہوا، کیونکہ اسود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مدینہ میں داخل نہیں ہوئے۔ اور رہے الحکم تو وہ اس کے کافی زمانہ کے بعد پیدا ہوئے تھے اور امام بخاری نے جو اسود کے قول کو ذکر کیا ہے حالانکہ وہ منقطع ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حدیثِ منقطع کو مرسل کی جگہ ذکر کرنا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے جو کہا ہے کہ حکم کا قول مرسل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعی صغیر کو بھی مرسل سے تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ حکم بہت کم عمر تابعین میں سے تھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۰- بَابُ: مِيرَاثِ السَّائِبَةِ — سائبہ کی میراث کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سائبہ کی میراث کا بیان ہے، اس سے مراد وہ غلام ہے جس کو اس شرط پر آزاد کیا جائے کہ اس کی وَلاء کسی کے لیے نہیں ہوگی۔

سائبہ کا ذکر اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ○

المائدہ: ۱۰۳ کی تفسیر از مصنف

سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے کہ "بحیرۃ" وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔

اور "سائبۃ" وہ اونٹنی ہے جس کو مشرکین اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا، وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے "سائبۃ" اونٹنیوں کو چھوڑا تھا۔

اور "وصیلۃ" وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹ جنتی ہے۔ وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نر نہ ہو۔

اور "حامی" جو چند مرتبہ گابھن (حاملہ) کرے جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے اور اس کو "الحامی" کہتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۶۲۳-۴۶۲۴)

اور یہاں "سائبۃ" سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے غلام سے کہے: تم "سائبۃ" ہو اور اس غلام کے اوپر وَلاء نہ ہو۔ (وَلاء کا معنی ہے کہ وہ غلام آزاد ہونے کے بعد مال دار ہو جائے تو اس کا ترکہ اس کے وارثوں کو دینے کے بعد یا وارث نہ ہوں تو اس کے

آزاد کرنے والے کو دیا جائے)۔

اور سب سے پہلے جس نے ''سوائب'' (اونٹنیوں کو بتوں کے لیے) کو چھوڑا اس شخص کا نام عمرو بن لحی ہے۔

فقہاء کی ''السائبة'' کی میراث میں اختلاف

پس فقہاء احناف اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق اور ابوثور نے کہا ہے: اس کی وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی اور ان کا استدلال اس باب کی حدیث سے ہے:

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس کی وراثت مسلمانوں کے لیے ہوگی، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ربیعہ اور ابوزناد سے بھی منقول ہے۔ اور یہی امام مالک کا ان کے مذہب کے مطابق مشہور قول ہے۔

اور الزہری نے کہا ہے: آزاد کرنے والا اپنے ''سائبة'' کی کفالت میں جسے چاہے دے۔ پس اگر وہ مرگیا اور کسی ایک نے بھی اس کی کفالت نہیں کی تو اس کی وَلاء مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ عَنْ هُزَيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْإِسْلَامِ لَا يُسَيِّبُونَ وَإِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يُسَيِّبُونَ۔ (تحفۃ الاشراف: ۹۵۹۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی قیس از ہزیل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ اہلِ اسلام سائبہ نہیں بناتے اور اہلِ جاہلیہ سائبہ بناتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۷۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث مختصر ہے اور اس کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ ایک مرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، سو اس نے کہا: میں نے ایک غلام کو ''سائبہ'' آزاد کیا ہے۔ پس وہ غلام مرگیا اور اس نے مال چھوڑا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہلِ اسلام سائبہ نہیں قرار دیتے، صرف اہلِ جاہلیت سائبہ قرار دیتے تھے اور تم اس کی نعمت کے ولی ہو، لہٰذا اس کی میراث تمہارے لیے ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اسماعیلی اور سفیان نے اس سند میں کہا ہے کہ سفیان سے مراد سفیان ثوری ہے۔ اور ابوقیس سے مراد عبدالرحمٰن بن مروان ہے، اور ھزیل، ھزل کی تصغیر ہے، یہ ابن شرحبیل ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی

اشْتَرَتْ بَرِيرَةَ لِتُعْتِقَهَا وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ لِأُعْتِقَهَا وَإِنَّ أَهْلَهَا يَشْتَرِطُونَ وَلَاءَهَا فَقَالَ أَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ أَوْ قَالَ أَعْطَى الثَّمَنَ قَالَ فَاشْتَرَتْهَا فَأَعْتَقَتْهَا قَالَ وَخُيِّرَتْ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَقَالَتْ لَوْ أُعْطِيتُ كَذَا وَكَذَا مَا كُنْتُ مَعَهُ قَالَ الْأَسْوَدُ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا قَوْلُ الْأَسْوَدِ مُنْقَطِعٌ وَقَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَأَيْتُهُ عَبْدًا أَصَحُّ۔

ازمنصور از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدا، تا کہ وہ ان کو آزاد کردیں اور ان کے مالکوں نے وَلاء کی اپنے لیے شرط لگائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میں بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خرید رہی ہوں، اور اس کے مالک اس میں وَلاء کی شرط لگا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: تم اِس کو آزاد کردو، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے یا آپ نے فرمایا: جو قیمت کو ادا کرتا ہے۔ اسود نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا اور ان کو آزاد کردیا اور بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا گیا (کہ وہ نکاحِ سابق کو برقرار رکھیں یا نہ رکھیں) تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا اور کہا: اگر مجھے اتنا اور اتنا (مال) دیا جائے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔

اسود نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے اور اسود کا قول منقطع ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا، اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۵۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طور پر ہے کہ جب کہ وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوتی ہے تو اس میں غلام عام ہے وہ سائبہ ہو یا نہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ وہ ابن اسماعیل التبوذکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسود، وہ ابن یزید ہیں۔

یہ حدیث بیس مرتبہ سے زیادہ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''واشترط اھلھا'' یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے یہ شرط لگائی کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی ولاء ان مالکوں کے لیے ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''او قال اعطی الثمن'' یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تم قیمت ادا کردو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وخیرت'' یعنی جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد کردی گئیں تو ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنے نکاح کو فسخ کردیں اور اختیار دیا گیا کہ اپنے نفس کو اختیار کرلیں۔اور انہیں اس نکاح کو جاری رکھنے کا اختیار دیا گیا اور زوج کو برقرار رکھنے کا اختیار دیا گیا اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے شوہر کا نام مُغیث تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وقالت لو اعطیت کذا و کذا'' یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے اتنا اتنا مال دے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اور نہ اس کے پاس قیام کروں گی۔اسی طرح امام نسائی کی روایت میں ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا تو انہوں نے کہا: اگر ان کا شوہر ان کو اتنا اتنا مال دے تب بھی وہ ان کے پاس نہیں رہیں گی، انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور ان کے شوہر آزاد تھے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اسود بن یزید جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے ہیں، اس تعلیق میں ان کا قول مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے۔

قولِ منقطع یا حدیث منقطع کی تعریف

پھر امام بخاری نے کہا کہ اسود کا قول منقطع ہے۔کہا گیا ہے کہ منقطع اس قول کو کہتے ہیں کہ جس کی صفت میں سے کسی مرد کو ساقط کردیا جائے، یا اس میں کسی مبہم مرد کا ذکر کیا جائے اور علامہ الخطیب نے کہا ہے: منقطع وہ قول ہے جس میں تابعی یا اس سے نچلے درجہ کے مرد سے قول یا فعل کی موقوفاً روایت کی جائے۔ایک اور قول یہ ہے کہ المنقطع، المرسل کی مثل ہے اور یہ ہر وہ قول ہے جس کی سند متصل نہ ہو، البتہ مرسل کا اکثر اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے۔اور مشہور یہ ہے کہ مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحابی کا غیر کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے، یہ قول

زیادہ صحیح ہے۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا، یہ اسود کے قول سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا تھا اور ان کا مشاہدہ کیا تھا اور اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۱۔ بَابُ: إِثْمِ مَنْ تَبَرَّأَ مِنْ مَوَالِيهِ جو شخص اپنے مالکوں سے بری ہو، اس کے گناہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کے گناہ کا بیان کیا گیا ہے جس نے اپنے مالکوں سے براءت کا اظہار کیا بایں طور کہ اس نے اس کی نفی کی کہ وہ فلاں مالک کا غلام ہے یا اس نے اپنے غلام ہونے کی نسبت کسی اور مالک کی طرف کی۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ از سہل از والد خود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے والدین سے براءت کا اظہار کرے اور ان سے اعراض کرے اور وہ شخص جو اپنے بیٹے سے براءت کا اظہار کرے اور وہ مرد جس پر کسی قوم نے انعام کیا ہو، پس وہ ان کی نعمت کا انکار کرے اور ان سے براءت کا اظہار کرے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰، رقم الحدیث: ۱۵۶۳۶، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۴۴۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رضی الله عنه مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ غَيْرَ هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ فَأَخْرَجَهَا فَإِذَا فِيهَا أَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَأَسْنَانِ الْإِبِلِ قَالَ وَفِيهَا الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے پاس ایسی کتاب نہیں ہے جس کی ہم تلاوت کریں سوائے اللہ عزوجل کی کتاب کے اور سوا اس صحیفہ کے، راوی نے کہا: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کو نکالا تو اس میں زخموں کے بارے میں اور دیت کے اونٹوں کی عمروں کے بارے میں لکھا ہوا تھا، اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے، پس جس نے مدینہ میں کوئی جرم کیا یا اس نے کسی مجرم کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، نہ قیامت کے دن اس کا کوئی

يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔

فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل، اور جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی، تو اس کے اوپر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس کا نہ کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل۔ اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے اور ان میں سے کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اس ذمہ کی کوشش کر سکتا ہے، پس جس شخص نے کسی مسلمان سے کئے ہوئے عہد کو توڑا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے دن نہ اس سے کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۰، ۶۷۵۵، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۳۴، مسند احمد: ۱۳۰۰)

صحیح البخاری: ۶۷۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اس شخص کا گناہ جس نے اپنے مالکوں سے براءت کی'' اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے ''جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''۔ اور اس میں بھی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں ہے ''جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی'' اور اس پر وعید ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے مالکوں کی اجازت سے کسی قوم کے ساتھ موالات کی تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور نہ وہ ان سے براءت کرنے والا ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حکم کی قید نہیں ہے بلکہ یہ کلام اکثر اور اغلب طریقہ پر محمول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید کیلئے ہے کیونکہ جب وہ اپنے مالکوں سے اجازت لے گا تو وہ اس کو منع کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم التیمی، یہ ابراہیم بن یزید بن شریک تیمی تیم الرباب ہیں اور یہ ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو نہیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ابن عمر بن یزید بن الاسود بن عمر ہیں۔ اور ابراہیم التیمی اپنے والد یزید بن شریک بن طارق التیمی سے روایت کرتے ہیں، ان کا شمار اہلِ کوفہ میں ہوتا ہے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے سماع کیا ہے۔

یہ حدیث کتاب الحج میں از محمد بن بشار گزر چکی ہے اور کتاب الجزیہ میں از محمد بن وکیع گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاعتصام میں از عمرو بن حفص آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "غیر هذه الصحیفة" یہ ترکیب میں حال واقع ہے یا دوسرا استثناء ہے اور حرف عطف مقدر ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے "التحیات المبارکات الصلوات" اصل میں ہے والصلوات۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اشیاء" یہ شی ءکی جمع ہے اور غیر منصرف ہے۔ اور علامہ الکسائی نے کہا ہے کہ یہ کثرت استعمال کی وجہ سے منصرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الجراحات" یعنی زخموں کے احکام کا بیان، اور دیت کے اونٹوں کی عمروں کا بیان۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عَیر" (عین پر زبر اور یاء ساکن ہے) یہ مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الی ثَور" ثَور میں ثاء پر زبر ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: یا تو ثور کا معنی ہے حیوانِ مشہور (بیل)، بعض راویوں نے ثور کی جگہ سفید جگہ چھوڑ دی کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ خطاء ہے، کیونکہ مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس کا نام ثور ہو، اور بعض علماء نے کہا کہ یہ لفظ "کذا" سے کنایہ ہے، یعنی "عَیر" سے لے کر فلاں جگہ تک۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس جگہ اصل لفظ "احد" ہے یعنی عَیر سے لے کر احد تک حرم ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ مدینہ میں ایک پہاڑ تھا جس کا نام ثور تھا، یا تو وہ احد پہاڑ تھا یا کوئی اور تھا، پھر اس کا نام مخفی ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حدثا" یعنی وہ کام جو نیا ہو اور برا ہو اور معروف نہ ہو، اور نہ سنت میں اس کی کوئی اصل ہو۔ (میں کہتا ہوں: یا تو اس سے مراد جرم ہے اور یا اس سے مراد بدعتِ سیئہ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اس نے کسی محدث کو پناہ دی" یعنی وہ اس مُحدِث یا مجرم کو سزا دینے کے درمیان حائل ہو گیا۔ اور اگر یہ لفظ مُحدَث ہو یعنی دال پر زبر ہو تو اس سے مراد وہ جرم اور وہ بدعت ہو گی، اور اس کو پناہ دینے کا معنی ہو گا اس جرم یا بدعتِ سیئہ پر راضی ہونا اور اس پر صبر کرنا، کیونکہ جو شخص کسی بدعت پر راضی ہوا اور اس کے مرتکب کو اس پر برقرار رکھا اور اس کی مذمت نہیں کی تو اس نے اس کو پناہ دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لعنه الله" اس کا معنی ہے: اس کو ابتداءً جنت سے دور کر دے گا جو کہ دارِ رحمت ہے اور اس سے مطلقاً جنت سے دور کرنا مراد نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صرف ولا عدل" صَرف سے مراد فرض ہے اور عدل سے مراد نفل ہے۔ دوسرا قول اس کے برعکس ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف سے مراد توبہ اور عدل سے مراد فدیہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مَن والی قوما" یعنی جس نے اپنی وَلاء دوسرے لوگوں کو اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر دے دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "و ذمّة المسلمین" ذمۃ سے مراد عہد اور امان ہے، یعنی کسی مسلمان کے لیے کسی کافر کو امان دینا صحیح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ادناھم" یعنی مثلاً عورت یا غلام اگر کسی حربی کو امان دیں تو کسی اور مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس عہد کو توڑ دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فمن اخفر" یعنی جس نے اس کے ذمہ کو توڑا یا اس کے عہد کو توڑا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسد مسلمان پر لعنت کرنا جائز ہے (میں کہتا ہوں: کسی معین فاسق مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اس پر بطورِ عموم لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہا جائے: فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہے یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور جس نے اپنے مالکوں سے براءت کی تو اس کی شہادت جائز نہیں ہے اور اس پر توبہ کرنا اور استغفار کرنا لازم ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور جس پر شارع علیہ السلام لعنت فرمائیں وہ فاسق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۶ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۳۵، ۶۷۵۶، صحیح مسلم: ۱۵۰۶، سنن ترمذی: ۲۱۲۶، سنن نسائی: ۴۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۱۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۸، مسند احمد: ۴۵۴۶، موطا امام مالک: ۱۵۲۲، سنن دارمی: ۲۵۷۲)

صحیح البخاری: ۶۷۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں صراحۃً وَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ وَلاء کی بیع اور ہبہ میں اذن کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب مالک کو وَلاء کی بیع سے منع کر دیا گیا حالانکہ اس میں اس کو وَلاء کا عوض ملے گا اور ہبہ سے بھی منع کر دیا گیا حالانکہ اس میں مالک دوسرے پر احسان کرے گا تو پھر مالک کی اجازت سے وَلاء کی بیع اور ہبہ بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ابی شیبہ نے از ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم یہ روایت کی ہے کہ محارب کی ایک عورت نے ایک

غلام آزاد کیا اور اس کی وَلاء عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ہبہ کر دی اور اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جائز قرار دیا اور شعبی اور قتادہ اور ابن المسیب سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس باب کی حدیث اس پر رد کرتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وَلاء کی بیع اور اس کو ہبہ کرنا اس باب کی حدیث سے منسوخ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسروں کو وَلاء کی بیع اور ہبہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الوَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۵۶)

الوَلاء کی بیع اور اس کو ہبہ کرنے کی ممانعت میں یہ دلیل ہے کہ غلام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کی وَلاء سے براءت کا اظہار کرے اور اپنے مالک سے براءت کا اظہار کرے اور انکار کرے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کچھ لوگوں سے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر موالات کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کرے اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ اگر کوئی مرد اپنے غلام کو اجازت دے کہ وہ جس سے چاہے موالات کرے تو یہ جائز ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو امام عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے اور یہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق ہے کہ انہوں نے اپنے غلاموں کی وَلاء حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی، اور ان کی وَلاء آج تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ فقہاء کی ایک جماعت عطاء کے قول کو جائز نہیں قرار دیتی اور نہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو جائز قرار دیتی ہے۔ اور امام مالک نے اس کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک مرد اپنے نفس کو اپنے مالک سے خرید لے کہ وہ جس کو چاہے اپنی وَلاء دے دے، تو امام مالک نے کہا: یہ جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے'' اور آپ نے وَلاء کی بیع اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کیا تاویل ہوگی؟ کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر اپنی وَلاء کسی کو دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث منسوخ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الوَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرما دیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ایسی تاویل ہو جیسی تاویل درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ۔ (بنی اسرائیل:۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو قتل کرنا اس وقت ممنوع ہے جب رزق میں تنگی کا ڈر ہو، اور جب رزق میں تنگی کا ڈر نہ ہو تو پھر اولاد کو قتل کرنا مباح ہوا؟، حالانکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اولاد کو قتل کرنا ہر حال میں عام ہے خواہ رزق کی تنگی کا ڈر ہو یا نہ ہو، اور اسی طرح درج ذیل آیت میں ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ (النساء:۲۳) اور (تم پر حرام ہیں) تمہاری زیر پرورش بیٹیاں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت کا ظاہر معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان بیٹیوں کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ تمہارے زیر پرورش ہوں یعنی تمہاری لے پالک ہوں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ تمہاری لے پالک نہ ہوں اور تمہارے زیر پرورش نہ ہوں تو پھر وہ حرام نہیں ہیں حالانکہ تمام شہروں کے ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ لے پالک بیٹی اس کی ماں کے شوہر پر حرام ہوتی ہے خواہ وہ شوہر کے زیر پرورش نہ ہو۔ پس جب کہ شوہر کے زیر پرورش ہونا تحریم میں شرط نہیں ہے اور نہ ہی رزق کی تنگی کا خوف قتلِ اولاد کے لیے مباح ہے، پس اسی طریقہ سے دوسروں کو وَلاء کی بیع کرنا مطلقاً لعنت کا موجب ہوگا خواہ وہ مالکوں کی اجازت سے ہو یا مالکوں کی اجازت کے بغیر سے ہو، بلکہ لعنت ان کی طرف متوجہ ہوگی جو اپنی وَلاء دوسروں کو فروخت کر دیں گے یا ہبہ کر دیں گے، کیونکہ وَلاء کی بیع اور ہبہ سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۲۔ بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ عَلَى يَدَيْهِ
جب کوئی مرد دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام لائے تو اس کی وَلاء کا بیان

وَكَانَ الْحَسَنُ لَا يَرَى لَهُ وِلَايَةً

اور حسن بصری یہ سمجھتے تھے کہ اس کے لیے وَلاء نہیں ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ

اور نبی ﷺ نے فرمایا: وَلاء اس شخص کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ هٰذَا الْخَبَرِ۔

اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مرد تمام لوگوں سے زیادہ اس کی زندگی اور موت میں حق دار ہے۔ اور اس حدیث کی صحت میں اختلاف کیا گیا ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد کے ہاتھوں پر کسی شخص نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے وَلاء کے ثبوت میں اختلافِ فقہاء

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب ایک مرد کسی مسلمان مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے (تو آیا جس مرد کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے وَلاء ہوگی یا نہیں ہوگی، اور وَلاء کا معنی یہ ہے کہ جب اسلام لانے والا مر جائے اور اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس کا وارث ہوگا)۔

پس حسن بصری اور شعبی نے کہا: جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے میراث ثابت نہیں ہوگی، اور اسلام لانے والے کی وَلاء مسلمانوں کے لیے ہوگی جب اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو۔ اور اس کی وَلاء اس کے لیے نہیں ہوگی جس کے ہاتھوں پر وہ اسلام لایا ہے اور یہی ابن ابی لیلیٰ، ثوری، امام مالک اور الاوزاعی، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ اور ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے (جس میں مذکور ہے کہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے)۔

اور ابن وہب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے اس کے لیے وَلاء نہیں ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور زیاد بن ابی سفیان سے۔

اور ابراہیم نخعی اور ایوب سے روایت ہے کہ اس کی وَلاء اس مرد کے لیے ہوگی جس کے ہاتھوں پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اور وہ اس مرد کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے کی طرف اس وَلاء کو منتقل کر دے جب تک اس نے اس کی طرف سے دیت ادا نہیں کی۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حسن بصری اس کے لیے وَلاء نہیں سمجھتے تھے''۔ یعنی حسن بصری اس کے لیے وَلاء نہیں سمجھتے تھے جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام لایا ہے، ایک روایت میں وَلایت کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں وَلاء کا لفظ ہے۔

حسن بصری کے نزدیک مولی الموالات کی وراثت کا عام مسلمانوں کے لیے ہونا

سفیان ثوری نے حسن بصری کے اس اثر کی جامع سفیان ثوری میں از مطرّف از الشعبی از یونس از ابن عبید از حسن بصری روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے موالات کرتا ہے تو ان دونوں نے کہا کہ اس کی وراثت مسلمانوں کے درمیان ہوگی۔ سفیان ثوری نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔

حسن بصری کی اپنے موقف پر دلیل

اس حدیث سے حسن بصری نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' یعنی ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوتی ہے۔ (اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام قبول کرتا ہے اس کے لیے وَلاء نہیں ہے۔)

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اس کی زندگی اور موت میں تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہے''۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل

امام بخاری نے اس تعلیق کو صیغۂ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے ''تمیم سے مروی ہے''۔ ان کا نام تمیم بن عوف الداری ہے، یہ بنو دار کی طرف نسبت ہے۔
اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے وہ اسلام لانے والے کی زندگی میں اس کی مدد کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کو غسل دینے کا اور اس کو کفن پہنانے کا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کی وراثت کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور ''محیا'' اور ''مماة'' دونوں مصدر میمی ہیں۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے''۔ یعنی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکور کی صحت میں اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام ترمذی اور علامہ ابن المنذر کے اقوال سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت کو ضعیف قرار دینا

پس امام بخاری نے کہا ہے کہ بعض علماء نے از ابن موہب روایت کی ہے جنہوں نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس حدیث کی عبد العزیز بن عمر نے از ابن موہب روایت کی ہے اور ابن موہب معروف نہیں ہیں۔ اور ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کی مثل سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہوگی۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ابن موہب اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے درمیان قبیصہ ہے اس کو یحییٰ بن حمزہ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قبیصہ کے ذکر میں متفرد ہیں اور ابو اسحاق السبیعی نے اس حدیث کو ابنِ موہب سے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے اور امام نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: یہ حدیث مضطرب ہے، آیا یہ از ابن موہب از تمیم مروی ہے یا ان دونوں کے درمیان قبیصہ ہے؟ اور اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے از عبد اللہ بن موہب، اور بعض نے کہا ہے ابنِ موہب۔ اور عبد العزیز جو اس کے راوی ہیں وہ حافظ نہیں ہیں۔

علامہ عینی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ان ائمہ کے اعتراضات کے جوابات اس بحث کے آخر میں دیے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر رد کرنا

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ اور امام نسائی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس روایت میں یہ واقع ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، وہ خطاء ہے۔ لیکن بعض

علماء نے اس کی توثیق کی ہے اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا، اور ابوزرعہ الدمشقی نے اپنی تاریخ میں سندِ صحیح کے ساتھ اوزاعی سے روایت کی ہے کہ وہ اس حدیث کو رد کرتے تھے اور اس کی کوئی توجیہ نہیں سمجھتے تھے۔ (حافظ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی)۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ثبوت میں علامہ عینی کے دلائل

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی مذکور الصدر عبارت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابوزرعہ دمشقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا مخرج حسن متصل ہے، اور امام اوزاعی پر رد کیا ہے، پس کہا: اور اس طرح نہیں ہے۔ اور میں نے اہلِ علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس حدیث کی مرفوعاً روایت کی ہو۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کی از ابن موہب از تمیم روایت کی ہے، پھر کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اور الاربعہ (امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ) نے اس حدیث کی الفرائض میں روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس تبصرہ کا مطلقاً ذکر نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب ممکن نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۴۴۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

فقہاء احناف کے موقف اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

پس امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے از یزید بن خالد بن موہب الرملی، اور ہشام بن عمار الدمشقی، ان دونوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی اور وہ ابنِ حمزہ ہیں از عبد العزیز بن عمر، انہوں نے کہا: میں نے عبد اللہ بن موہب سے سنا وہ حدیث بیان کرتے تھے عمر بن عبد العزیز از قبیصہ بن ذؤیب اور ہشام نے کہا از حضرت تمیم داری، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اور یزید نے کہا کہ بے شک حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! جو مرد مسلمانوں میں سے کسی دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس کی زندگی اور موت میں حق دار ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت ختم ہوئی)۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۱۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲)

اور امام ابوداؤد کی یہ عادت معلوم ہے کہ جب وہ کسی حدیث کی روایت کریں اور اس سے سکوت کریں تو ان کا سکوت ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

اور امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ہمیں ابوکریب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی اور ابن نمیر نے اور وکیع نے از عبد العزیز از عبد اللہ بن موہب، بعض علماء نے کہا: عبد اللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو مرد کسی دوسرے مسلمان مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت میں زیادہ حق دار ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۲)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو ہم صرف عبداللہ بن وہب کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور اس کو ابن وہب بھی کہا جاتا ہے از حضرت تمیم الداری، اور بعض نے عبداللہ بن وہب اور حضرت تمیم داری کے درمیان قبیصہ بن ذویب کو داخل کیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، اس کی روایت یحییٰ بن حمزہ نے کی ہے از عبدالعزیز بن عمر، اور اس میں قبیصہ بن ذویب کا اضافہ کیا ہے۔ اور بعض اہل علم کا اس حدیث کے اوپر عمل ہے۔ (میں کہتا ہوں: فقہاء احناف نے اس حدیث پر عمل کیا ہے لیکن امام ترمذی نے اپنی عادت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہ)۔ نیز امام ترمذی نے کہا: اور یہ حدیث میرے نزدیک متصل نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے: اس کی میراث بیت المال میں رکھی جائے گی اور یہ امام شافعی کا قول ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بے شک وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ (سنن ترمذی ص ۸۳۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک متصل نہیں ہے، اس کا جواب عنقریب علامہ عینی کی عبارت میں آرہا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور امام نسائی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ہمیں عمرو بن علی ابوحفص نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن داؤد نے خبر دی از عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مشرکین میں سے ایک مرد مسلمانوں میں سے کسی مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت میں زیادہ حق دار ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم: ۶۳۸۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور امام نسائی نے اس حدیث کی دو دیگر سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی طرف کوئی تعارض نہیں کیا کہ ان راویوں کے متعلق کیا کہا گیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی، رقم: ۶۳۷۰، ۶۳۷۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے: ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز از عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب کے اس مرد کے متعلق کیا حکم ہے جو دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام لائے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت کا زیادہ حق دار ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲، مسند احمد: ۱۶۹۴۴)

فقہاء احناف کی تائید میں امام طبری اور حافظ ابن عبدالبر کی روایات

اور جو چیز حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت کی تائید کرتی ہے، یہ وہ ہے جس کی امام ابن جریر طبری نے التہذیب میں روایت کی ہے: خصیف نے از مجاہد روایت کی، انہوں نے کہا کہ ایک مرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پس اس نے کہا کہ ایک مرد میرے ہاتھوں پر مسلمان ہوا اور مر گیا اور اس نے ایک ہزار درہم چھوڑے، پس اس کی میراث کس کے لیے ہوگی؟ انہوں نے کہا: یہ بتاؤ اگر وہ کوئی جرم کرتا تو اس کا تاوان کون ادا کرتا؟ اس مرد نے کہا: میں ادا کرتا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی وراثت بھی تمہارے لیے ہوگی۔ اس حدیث کی مسروق نے از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس کو ابراہیم نخعی، ابن المسیب، مکحول اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی روایت کیا ہے۔

اور الاستذکار میں لکھا ہوا ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبوں کا قول ہے اور ربیعہ کا اور اسی کی یحییٰ بن سعید نے کا فرحربی کے متعلق روایت کی ہے جب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے۔ اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے موالاۃ کی اجازت دی ہے اور اس کو وارث قرار دیا ہے اور اللیث نے از عطاء اور از الزہری اور از مکحول اسی کی روایت کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب

امام شافعی نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اس سے وہ ابوزرعہ الدمشقی کے کلام کا ارادہ کرتے ہیں جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا اور ائمہ اربعہ نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کی روایت کی ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ امام بخاری نے جب اس حدیث کا تعلیقاً ذکر کیا تو اس کے ضعف پر وثوق نہیں کیا۔ اور امام شافعی یہ کیسے کہتے ہیں کہ ابن موہب معروف نہیں ہیں حالانکہ ابنِ موہب سے عبدالعزیز بن عمر اور الزہری اور ان کے بیٹے زید بن عبداللہ اور عبدالملک بن ابی جمیلہ اور عمر بن مہاجر نے روایت کی ہے۔ اور صاحب ''الکمال'' نے کہا ہے کہ ابن موہب کو عمر بن عبدالعزیز نے فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا اور یہ تمام چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ابنِ موہب مجہول نہیں ہے نہ اس کی شخصیت مجہول ہے اور نہ اس کا حال مجہول ہے۔ اور ان کی شہرت اور ثقاہت کے لیے یہ کافی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کو فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا۔

اور یعقوب بن سفیان نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عمر نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں از ابن موہب الہمدانی اور وہ بھی ثقہ ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی، اسی طرح الصریفینی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

اور امام شافعی نے یہ کس طرح کہا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ابن موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی یا نہیں، حالانکہ یعقوب بن سفیان کی جو روایت ابھی ذکر کی گئی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ ابنِ موہب نے تمیم سے سماع کیا ہے۔ اور انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے اور کیا بغیر ملاقات کے سماع کا تصور ہو سکتا ہے؟ اور امام شافعی کو جو یہ علم نہیں تھا کہ ابنِ موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ہے یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ امام شافعی کے علاوہ دوسروں کو ابنِ موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا علم ہو۔ اور عبدالعزیز بن عمر جماعت کے رجال میں ثقہ ہیں۔ یحییٰ اور امام ابوداؤد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں اور یحییٰ سے روایت ہے کہ وہ ثبت ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ عبدالعزیز حافظ نہیں ہیں، ان کا یہ کلام ساقط الاعتبار ہے، کیونکہ اعتبار اس کا ہے کہ وہ ثقہ ہوں اور ان کا ثقہ ہونا ثابت ہے۔ اور محمد بن عمار نے کہا ہے: جو حفظ میں امام احمد کے مشابہ ہے وہ ثقہ ہے۔ اور اس بات میں لوگوں کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔

اور علامہ خطابی نے جو کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، سو اس طرح نہیں ہے کیونکہ علامہ خطابی نے اس کے ضعف کی وجہ بیان نہیں کی۔

امام ترمذی کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث متصل نہیں ہے

اور امام ترمذی کا یہ قول کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے، امام ترمذی کے اس قول کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ ابن موہب نے اس حدیث کو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنا ہے۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ ابن موہب نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نہیں سنا اور نہ وہ ان سے ملے، پس ان کے درمیان واسطہ قبیصہ ہے اور وہ ثقہ راوی ہے اور انہوں نے یقینی طور پر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا۔ پس ان کا اس حدیث کو عن سے روایت کرنا اتصال پر محمول ہے۔

علامہ ابن المنذر کے اس قول کا جواب کہ یہ حدیث مضطرب ہے

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ علامہ ابن المنذر کا یہ کلام بجائے خود مضطرب ہے، کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، پس اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ آیا یہ حدیث از ابن موہب از تمیم مروی ہو یا ان کے درمیان راوی قبیصہ ہو، اور جب حدیث کے راوی ثقہ ہوں تو پھر اضطراب سے ضرر نہیں ہوتا۔

اور امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ ابواسحاق سبیعی کی حدیث از ابن موہب غریب ہے، اس کی روایت میں ابن موہب سے ان کا بیٹا یونس متفرد ہے۔ اور ابوبکر الحنفی بھی اس میں متفرد ہے۔ پس امام دارقطنی نے یہ افادہ کیا ہے کہ عبدالعزیز کا ایک متابع ہے اور وہ ابواسحاق ہے اور غرابت، ضعف پر دلالت نہیں کرتی۔ کبھی غرابت حدیثِ صحیح میں بھی ہوتی ہے اور جو سند دارقطنی نے ذکر کی ہے وہ امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اور اس عبارت میں بھی ابن المنذر کے قول کا رد ہے اور امام نسائی کیسے اشارہ کریں گے کہ جس روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابن موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے وہ خطاء ہے۔ پھر ابن منذر نے کہا کہ بعض محدثین نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، پس ابن منذر کا آخر کلام ان کے اول کلام کے مناقض ہے اور وہ اس حدیث پر خطاء کا حکم کیسے لگائیں گے حالانکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ دو ثقہ اور جلیل محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا سماع کیا ہے؟

اور ابن بنت منیع نے ایک جماعت سے روایت کی ہے از عبدالعزیز اور اس میں تصریح ہے کہ میں نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سنا، پس جائز ہے کہ یہ روایت از قبیصہ از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ ہو اور از حضرت تمیم بلاواسطہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶۔۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٥٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَقَالَ أَهْلُهَا نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از مالک از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے ارادہ کیا کہ وہ ایک باندی کو خرید کر آزاد کریں، اس باندی کے مالکوں نے کہا: ہم آپ کو یہ باندی فروخت کر دیں گے اس شرط پر کہ اس کی وَلاء ہمارے لیے ہو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم کو ان کی یہ بات اس باندی کو خریدنے سے منع نہ کرے، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ، نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: ''وَلاء صرف اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے''۔ اس حدیث میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی وَلاء اس کے ساتھ مخصوص ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے اور اس کو آزاد کرنے میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ کرمانی شافعی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح کا رد اور وَلاء کا آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص نہ ہونا

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر کسی مرد نے اسلام قبول کیا اس شخص کے لیے وَلاء نہیں ہوگی، کیونکہ وَلاء اس کے ساتھ مختص ہے جس نے غلام کو آزاد کیا اور اس کا اختصاص لام کے سبب سے ہے۔ (کیونکہ حدیث میں ہے: ''الولاء لمن اعتق'') لیکن لام کے اختصاص کے لیے ہونے پر اعتراض ہے کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لام استحقاق کے لیے ہو، جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۝ (المطففین: ۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے شدید عذاب کا استحقاق ہے ۝

اور آزاد کرنے والے کا وَلاء کا مستحق ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا بھی وَلاء کا مستحق ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لام صیرورت کے لیے ہو (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا)، خلاصہ یہ ہے کہ وَلاء آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اور آزاد کرنے والے کی طرف وَلاء کا منتقل ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ وَلاء اس کے علاوہ کسی اور کی طرف منتقل ہوجائے اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ حدیث اس سے پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶۔۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از

اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ قَالَتْ فَأَعْتَقْتُهَا قَالَتْ فَدَعَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَيَّرَهَا مِنْ زَوْجِهَا فَقَالَتْ لَوْ أَعْطَانِي كَذَا وَكَذَا مَا بِتُّ عِنْدَهُ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا۔

ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکوں نے اس کی وَلاء کی شرط لگائی، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا نبی ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس کو آزاد کردو، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو چاندی کو عطا کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پس میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے بلایا اور ان کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا (کہ وہ ان کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں)، تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر وہ مجھے اتنا اور اتنا مال دیں، تب بھی میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گی، سو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت میں وہی کلام ہے جو اس سے پہلی حدیث کی مطابقت میں کلام تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ الغسانی نے کہا ہے: یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور ابوذر نے الکشمیھنی سے روایت کی ہے کہ یہ محمد بن یوسف البیکندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور کتاب الاستقراض میں ہے "حدثنا محمد حدثنا جریر" اور اس کتاب میں محمد از جریر صرف ان دو جگہوں پر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاسود، یہ ابن یزید ہیں جو ابراہیم کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الوَرِق" اس کا معنی ہے چاندی اور باقی امور ظاہر ہیں۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس

حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک شخص کسی مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس شخص کی وَلاء کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہلِ علم نے کہا ہے: کسی مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ مرد اس شخص کا مولیٰ نہیں ہو جاتا۔ یہ قول شعبی اور حسن بصری سے مروی ہے۔ اور امام مالک بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ اور الاوزاعی، سفیان ثوری اور ابن ابی لیلیٰ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور دوسری بار انہوں نے اس کے جواب میں توقف کیا ہے۔

(المدونہ ج ۳ ص ۳۶۵، باب فی ولاء الذمی یسلم وجنایۃ، کتاب الام ج ۴ ص ۱۲۶، باب الولاء والحلف، مسائل احمد واسحاق روایت الکوسج: ۳۱۹۸)

علامہ ابوبکر بن المنذر الشافعی کہتے ہیں: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: ''الولاء لمن اعتق'' وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ وَلاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: جب کوئی مرد دوسرے مرد سے موالات کرے اور وہ اس کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے تو وہ اس کا تاوان اور اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا۔ یہ قول النخعی سے مروی ہے اور النخعی سے دوسرا قول اس طرح منقول ہے جب ایک مرد دوسرے مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے، اور جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے وہ اس کا مولیٰ ہو جائے تو وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت یا تاوان ادا کرے گا۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی وراثت دوسرے کی طرف منتقل کردے جب تک اس نے اس کی طرف سے تاوان نہ ادا کیا ہو۔ اور جب اس نے اس کی طرف سے تاوان ادا کر دیا تو اب اس کے لیے اس کی وراثت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا مذہب ہے۔

(المبسوط للشیبانی ج ۴ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳)

۶۷۷۵۔ از عبدالرزاق (رقم الحدیث: ۹۸۷۲) از عبداللہ بن مبارک، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن عمر نے خبر دی از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا تو وہ اس کا مولیٰ ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۲، سنن سعید بن منصور: ۲۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۴۱۲)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر علامہ ابن المنذر کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

علامہ ابوبکر ابن المنذر نے کہا ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض محدثین نے جرح کی ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کی عبدالعزیز کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کی۔ اور عبدالعزیز ایسا شیخ ہے جو اہلِ اتقان میں سے نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ عبدالعزیز بن عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم الاموی ابومحمد المدنی، ان سے صحاحِ ستہ کے تمام مصنفین حدیث روایت کرتے ہیں

ابن معین نے کہا کہ عبدالعزیز بن عمر ثقہ ہیں اور ابن عیاض نے ایک مرتبہ کہا کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح

امام نسائی نے کہا اور امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔ اور ابن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثبت ہے اور ابن عمار نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں اور ان کے متعلق لوگوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور یعقوب بن سفیان نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں اور ابوزرعہ نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں اور ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جائے گی، اور میمون بن ابی مسہر نے کہا: یہ ضعیف الحدیث ہیں۔ اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے ان سے خطا ہو جاتی تھی لیکن ان کی حدیث معتبر ہے جب کہ ان کے علاوہ راوی ثقہ ہو۔ یہ ۱۴۷ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ خطابی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ یہ اہل حفظ اور اتقان میں سے نہیں ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ٦ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۳۸۹، کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۱۴)

جب یہ واضح ہو گیا کہ عبدالعزیز بن عمر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور زیادہ تر محدثین نے ان کی تعدیل کی ہے اور صرف دو تین نے ان پر جرح کی ہے، سو ان کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ تعدیل جرح پر مقدم ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ ابوبکر بن المنذر نے کہا ہے:

نیز ان کی اس حدیث کی روایت مضطرب ہے، پس ان سے وکیع نے روایت کی (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲)، اور ابونعیم نے روایت کی (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۳، سنن دارمی: ۳۰۳۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۹۶) از عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

اور ان سے شریک نے اور حفص بن غیاث نے روایت کی (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۲) از ایک مرد از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ۔

اور اس حدیث کی یحییٰ بن حمزہ نے ان سے روایت کی (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۱۰، المستدرک ج ۲ ص ۲۱۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۹۷) از عبداللہ بن موہب از قبیصہ بن ذؤیب از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ۔

اور یہ معلوم نہیں کہ قبیصہ نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا تھا یا نہیں، پس جب اس حدیث کی سندیں مضطرب ہو گئیں تو ہمیں یہ خوف ہوا کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ظاہر ہے کہ ولاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے وہ استدلال کے زیادہ لائق ہے۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۷ ص ۵٦۰۔۵٦۱ ملخصاً وملتقطاً، دارالفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور از عبدالعزیز بن عمر از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سند صحیح متصل کے ساتھ ثابت ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل اور امام دارمی اور امام بیہقی وغیرہم نے اپنی اپنی مصنفات میں روایت کی ہے۔

اب اگر دوسری سند کے ساتھ اس میں قبیصہ بن ذؤیب از تمیم کا بھی ذکر ہے تو یہ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ جب ایک سند کے ساتھ اس حدیث کا اتصال اور اس کی صحت ثابت ہو گئی تو اگر دوسری سند میں اتصال یا انقطاع ہو تو وہ ہمیں مضر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ٦۷۵۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان کرنے والے کو وَلاء دینے کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کے دلائل

پہلی دلیل: جس شخص نے اس مرد کو کفر سے نجات دی ہے اس کا اس مرد پر اس سے زیادہ احسان ہے جس نے اس کو غلامی سے آزاد کیا۔ (جب کہ غلامی سے آزاد کرنے والے کو وَلاء دی جاتی ہے اور اس کو وارث بنایا جاتا ہے تو جس شخص نے اس کو مسلمان کر کے اس کو کفر سے نجات دی ہے وہ بطریق اولیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس کو وَلاء دی جائے اور اس کو اس مرد کا وارث بنایا جائے)۔

دوسری دلیل: جب ہم اس شخص کو اس مرد کی وَلاء دیں گے جس شخص کے ہاتھ پر اس مرد نے اسلام قبول کیا ہے تو وہ اس سے خاص ہے کہ ہم اس مرد کے ترکہ کو بیت المال میں داخل کر دیں، کیونکہ جب ہم یہ کہیں گے کہ وہ شخص اس مرد کا وارث نہیں ہوگا تو اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹ جائے گا اور جب اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹ جائے گا تو اس کا ترکہ عام مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ اور جس شخص نے اس پر احسان کیا ہے اور اس مرد کو اسلام کی رہنمائی کی ہے حتیٰ کہ وہ اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ عام مسلمانوں کی بہ نسبت خاص ہے، پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور ان دو دلیلوں سے اس حدیث پر عمل کرنا راجح ہے۔

لیکن جب یہ حدیث صحیح نہ ہو تو ہم اس پر عمل نہیں کریں گے لیکن تم دیکھتے ہو کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے اور شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے یہ کہا ہے کہ اس شخص کو وارث بنایا جائے گا جس کے ہاتھوں پر وہ مرد اسلام لایا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مسلمان کرنے والے کو وَلاء دینے کے ثبوت میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا کہ ایک مرد میرے پاس آتا ہے، پس وہ میرے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے اور مجھے اپنا مولیٰ بناتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارا مولیٰ ہے اور تم اس کی زندگی میں اور اس کی موت میں زیادہ حق دار ہو۔

(صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: ۲۲ تعلیقاً، سنن ابوداؤد: 2918، سنن ترمذی: ۲۱۱۲، سنن دارمی: ۳۰۳۳، مسند احمد: ۱۶۹۴۷)

اس کی زندگی میں زیادہ حق دار ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم اس کی دیت اور تاوان کو ادا کرو گے اور موت میں اس کے زیادہ حق دار ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم اس کے وارث ہو گے۔ اور بطریق نظر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب وہاں پر اس مرد کا اور کوئی قرابت دار نہیں ہے تو ضرورت پیش آئی کہ اس مرد کے حال کی طرف نظر کی جائے، پس جب اس مرد نے کسی شخص سے موالات کا عقد کیا تو یہ اس کا خالص اپنے حق میں تصرف ہے، پس یہ تصرف صحیح ہے جیسا کہ تہائی مال میں وصیت صحیح ہوتی ہے۔

اور اسلام میں حکماً حیات کا معنی ہے جیسا کہ آزاد کرنے میں ہے، پس جس طرح آزاد کرنے والے کے لیے اس پر وَلاء ثابت ہوتی ہے جس کو آزاد کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کو زندہ کرنے کا کسب کرتا ہے، پس اسی طرح جس شخص نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس کے لیے بھی وَلایت ثابت ہوگی کیونکہ وہ بھی اس کو زندہ کرنے کا سبب ہے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس نے

اس کو مولیٰ بنالیا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ محض مسلمان کرنے سے اس کے لیے ولایت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کو مولیٰ نہ بنائے۔ اور یہ آزاد کرنے والے کی وَلاء کے خلاف ہے کیونکہ اس کا سبب آزاد کرنا ہے اور یہ آزاد کرنے والے سے پایا گیا ہے اور یہاں پر اس کی حیات کا سبب اسلام ہے اور یہ وہ ہے جو از خود اسلام لایا ہو، پس جس شخص نے اس کے اوپر اسلام کو پیش کیا وہ اس کی حیات کے کسب کا سبب ہے، پس اس کے لیے وَلاء اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس کو مولیٰ نہ بنائے۔

(المبسوط ج ۳۰ ص ۵۲۔ ۵۳ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابٌ: مَا یَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ — عورتوں کے وَلاء کے وارث ہونے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتیں وَلاء کی وارث ہوتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ أَرَادَتْ عَائِشَةُ أَنْ تَشْتَرِیَ بَرِیرَةَ فَقَالَتْ لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهُمْ یَشْتَرِطُونَ الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اشْتَرِیهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ وَلاء کی شرط لگاتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بریرہ کو خرید لو، کیونکہ ولاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورتوں کو آزاد کیا جائے تو وہ وَلاء کی مستحق ہوتی ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے اور یہ ابن یحییٰ ہیں۔

یہ حدیث اس کی مثل ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰۔۴۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ وَوَلِيَ النِّعْمَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از سفیان از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو چاندی عطا کرتا ہے اور اس (کو آزاد کرنے کی) نعمت کا ولی ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ثوری ہیں اور باقی رجال ظاہر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولی النعمة" اس کا معنی ہے: جو غلام یا باندی کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس کو ادا کرتا ہے، کیونکہ نعمت کی جس ولایت کی وجہ سے وہ باندی میراث کی مستحق ہوتی ہے وہ صرف اس کو آزاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور ہر وہ جگہ جہاں پر یہ مذکور ہوتا ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے، اس سے مراد مرد اور عورت ہے جس کو اسی طرح آزاد کیا گیا ہے۔ پس جب کوئی مرد یا عورت کسی غلام کو آزاد کریں تو اس کی وَلاء ان دونوں کے لیے ثابت ہوگی اور اس کی اولاد کی وَلاء ان کے مردوں اور عورتوں کے لیے ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کے لیے وَلاء کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف

اس حدیث میں مذکور ہے "الولاء لمن اعتق" اور "مَن" کا لفظ مذکر اور مونث، واحد اور جمع سب کو شامل ہے، مگر فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک عورتوں کے لیے وَلاء نہیں ہوتی۔

ابہری نے کہا ہے: یہ اہلِ مدینہ کے سات فقہاء اور اہلِ کوفہ کے فقہاء کا قول ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوا اس کے جو مسروق سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ عورتیں وَلاء کی اس طرح وارث ہوں گی جس طرح وہ مال کی وارث ہوتی ہیں۔

اور علامہ ابن المنذر نے طاؤس سے اس کی مثل روایت کی ہے اور ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے:

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ (النساء:۷) اور عورتوں کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ۔

اور یہ قول شاذ ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اور عورتیں وَلاء کی اس لیے وارث نہیں ہوں گی کیونکہ وَلاء کی وراثت عصبہ ہونے کی جہت سے ہوتی ہے اور عورت عصبہ نہیں ہوتی۔ اور جب کہ عورت ذوی الفروض کی حیثیت سے پورے مال کا احاطہ نہیں کرتی جب کہ ذوی الفروض عصبہ سے زیادہ موکد ہے تو پھر وہ وَلاء کی بھی وارث نہیں ہوگی۔

فصل

ہر وہ جگہ جہاں پر وَلاء آزاد کرنے والے مرد کے لیے ہوتی ہے تو آزاد کرنے والی عورت بھی اسی طرح ہوگی۔ پس جب مرد کسی غلام کو آزاد کرے یا عورت کسی غلام کو آزاد کرے تو ان دونوں کے لیے وَلاء ثابت ہوگی اور اس کی اولاد کے لیے بھی وَلاء ثابت ہوگی خواہ وہ مذکر ہوں یا مونث ہوں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: بیٹیوں کی اولاد کے لیے وَلاء ثابت نہیں ہوگی خواہ بیٹیوں کی اولاد مذکر ہو یا مونث۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۶۳۔ ۵۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

آزاد کرنے والی عورت کی وفات کے بعد اس کی وَلاء کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر آزاد کرنے والی عورت فوت ہو جائے اور اس نے اولاد چھوڑی ہو مذکر بھی اور مونث بھی اور اپنے بیٹے کی طرف سے عصبات بھی چھوڑے ہوں، پھر وہ غلام فوت ہو جائے جس کو اس عورت نے آزاد کیا تھا اور ان کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہ ہو تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: اس غلام کا مال اس آزاد کرنے والی کے عصبات کے لیے ہوگا نہ کہ اس کی اولاد کے لیے، کیونکہ اس کے عصبات ہی وہ ہیں جو اس کی طرف سے اور اس کے غلاموں کی طرف سے تاوان ادا کرتے ہیں، پس جس طرح وہ اس عورت کی طرف سے تاوان ادا کرتے ہیں، اسی طرح سے اس

عورت کے غلام وارث ہوں گے۔

بعض فقہاء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد شدہ غلاموں کے متعلق نزاع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت ان کی وَلاء کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے عصبہ تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

علامہ ابن المنذر بیان کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد العزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابراہیم کہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور انہوں نے اپنا ایک آزاد شدہ غلام چھوڑا، پس اس غلام کی وَلاء کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما میں نزاع ہوا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کے حق میں وَلاء کا فیصلہ کیا حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو جائیں اور تاوان کی ادائیگی کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیا۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۶۲۵۵، سنن سعید بن منصور: ۲۷۴)

یہ الشعبی، الزہری اور قتادہ کا قول ہے۔

اور امام مالک بن انس، سفیان ثوری، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل، اسحاق، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونہ ج ۳ ص ۳۸۲، ۳۷۷)

اور زہری اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ وَلاء اس عورت کے بیٹے کے لیے ہوگی اور جب وہ بیٹے ختم ہو جائیں گے تو پھر وَلاء ان کی ماں کے عصبہ کے لیے ہوگی۔ اسی طرح سفیان ثوری، امام مالک، امام احمد، اسحاق اور فقہاء احناف کا قول ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۷ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، دار الفلاح، ریاض ۱۴۳۰ھ)

جب عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر فوت ہو جائے اور وہ اپنے بیٹے اور باپ کو چھوڑے، پھر وہ غلام بھی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت میں امام ابو یوسف کا امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے اختلاف

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر وہ عورت فوت ہو جائے اور وہ اپنے بیٹے کو چھوڑے اور اپنے باپ کو چھوڑے، پھر وہ غلام مر جائے تو اس کی وراثت خصوصاً اس آزاد کرنے والی عورت کے بیٹے کے لیے ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک، اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا پہلا قول ہے، پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا کہ اس کے باپ کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی اس کے بیٹے کے لیے ہوگا۔

امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کی طرح عصبہ ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ باپ اس وقت عصبہ ہوتا ہے جب بیٹا نہ ہو اور وَلاء کی وراثت کا استحقاق عصبہ ہونے پر موقوف ہے اور بیٹے کا وجود باپ کے میراث سے محروم ہونے کا بالکل موجب نہیں ہے۔

رہا قیاس تو اس کا تقاضا وہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول ہے، کیونکہ آزاد کرنے والے کا عصبہ آزاد کرنے والے کی موت کے بعد اس آزاد کردہ کی میراث میں قائم مقام ہوتا ہے اور بیٹا عصبہ ہے نہ کہ باپ، اور باپ کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے چھٹا حصہ ملے گا اور بطور عصبہ کے نہیں ملے گا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے بیٹی باپ کے ساتھ ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے نصف ترکہ کی مستحق ہوتی ہے اور یہ اس بیٹی کے لیے آزاد کرنے والے کی وراثت میں باپ کے ساتھ مزاحم نہیں ہوگی۔

(المبسوط ج ۸ ص ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابٌ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَابْنُ الْأُخْتِ مِنْهُمْ

کسی قوم کے آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا اور اسی طرح کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی قوم کے آزاد کردہ غلام کی نسبت بھی اس قوم کی طرف ہوگی اور اسی سے میراث ہوگی۔ اور "امام بخاری نے کہا: کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا" یعنی وہ بھانجا بھی اس قوم کا وارث ہوگا جس طرح ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: رہا یہ کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اس قوم سے ہوتا ہے تو یہ قول اہل مدینہ کے مذہب پر محمول ہے کہ ان کا بھانجا بھی ان کے آزاد کردہ میں سے ہے۔ اور اہل عراق جو ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، وہ کہتے ہیں: کسی قوم کا بھانجا اس قوم سے شمار ہوتا ہے، وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ لوگ اس کے وارث نہیں ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ وَقَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَوْ كَمَا قَالَ۔ (تحفۃ الاشراف: ۱۲۴۴، ۱۵۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن قرۃ نے اور قتادہ نے از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم کا آزاد کردہ غلام بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

صحیح البخاری: ۶۷۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ کسی قوم کا آزاد کردہ غلام بھی اسی قوم سے ہوتا ہے۔

یہ حدیث اسی طرح ہے کہ آدم نے از شعبہ روایت کی ہے اور اکثر راویوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث از شعبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ أَوْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے یا فرمایا ان ہی کے نفسوں میں سے ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۲۸، ۶۷۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۵۹، سنن ترمذی: ۳۹۰۱، سنن نسائی: ۲۶۱۱، سنن ابوداؤد: ۵۱۲۲، مسند احمد: ۱۲۹۰۹، سنن دارمی: ۲۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۷۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت باب کے عنوان کے دوسرے جز میں ہے کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار اس قوم سے ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث ابوالولید ہشام بن عبدالملک سے مروی ہے، یہاں پر اس کا مختصر ذکر کیا ہے اور مناقب قریش میں اس کو مکمل ذکر کیا ہے اس باب میں "ابن اخت القوم و مولی القوم منهم" وہاں پر یہ حدیث اس طرح ہے: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً انصار کو بلایا، پس آپ نے فرمایا: کیا تم میں تمہارے علاوہ بھی کوئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! صرف ہمارا بھانجا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اس قوم سے ہوتا ہے۔

بھانجے کی وراثت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

جن فقہاء کے نزدیک ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

قاضی شریح، الشعبی، النخعی، مسروق، علقمہ بن الاسود، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، الحسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام احمد بن حنبل، اسحاق، یحییٰ بن آدم، ضرار بن صرد اور نوح بن دراج وغیرہم ائمہ کا یہی موقف ہے۔ اور یہی عامۃ الصحابہ کا

قول ہے، ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور زیادہ مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں، جیسا کہ قاضی ابو حازم نے کہا ہے۔

اور حضرت عثمان بن عفان، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ ذوی الارحام کے لیے میراث نہیں ہے، پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور نہ کوئی عصبہ چھوڑا، پس اس کا تمام مال بیت المال کو دیا جائے گا۔ امام مالک، الاوزاعی، مکحول، سعید بن المسیب اور امام شافعی نے اسی قول کو اختیار کیا۔ اور اہلِ مدینہ اور اہل الظاہر کا بھی یہی قول ہے مگر امام شافعی کے اصحاب آج کل اہل التنزیل کے قول کے مطابق ذوی الارحام کے وارث ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ بیت المال فاسد ہو چکا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابٌ: مِيرَاثِ الْأَسِيرِ

قیدی کی وراثت کا بیان

قَالَ: وَكَانَ شُرَيْحٌ يُوَرِّثُ الْأَسِيرَ فِي أَيْدِي الْعَدُوِّ وَيَقُولُ: هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ۔

امام بخاری نے کہا کہ قاضی شریح اس قیدی کو وارث بناتے تھے جو دشمن کی قید میں ہو اور کہتے تھے کہ وہ وراثت کا زیادہ محتاج ہے۔

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَجِزْ وَصِيَّةَ الْأَسِيرِ وَعَتَاقَهُ وَمَا صَنَعَ فِي مَالِهِ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ عَنْ دِينِهِ فَإِنَّمَا هُوَ مَالُهُ يَصْنَعُ فِيهِ مَا يَشَاءُ۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: قیدی کی وصیت کو نافذ کرو اور اس کے آزاد کرنے کو، اور جو کچھ اس نے اپنے مال میں تصرف کیا ہے جب تک وہ اپنے دین سے متغیر نہ ہو، کیونکہ وہ اس کا مال ہے وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس قیدی کی وراثت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو دشمن کی قید میں ہو۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

پس سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ اس قیدی کو وارث نہیں بنایا جائے گا جو دشمن کی قید میں ہو، اس کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے اور ان کی سعید بن المسیب سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو وارث بنایا جائے گا اور الزہری سے بھی اسی کی مثل دو روایتیں ہیں۔ اور الزہری سے ایک روایت یہ ہے کہ قیدی کے لیے اس کے مال میں سے صرف تہائی جائز ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اکثر علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ قیدی کے لیے جب کوئی میراث واجب ہو تو اس کو موقوف رکھا جائے، یہ امام مالک اور فقہاء احناف اور امام شافعی اور جمہور کا قول ہے۔ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ قیدی جب مسلمان ہو تو وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہے "جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لیے ہے"۔ اور قیدی بھی ان مسلمانوں میں سے ہے جن کے اوپر مسلمانوں کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس کی بیوی کا نکاح نہیں کیا جائے گا، اور جب تک اس کی حیات ثابت ہو اور اس کی رہائش کی جگہ کا علم ہو تو اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ پس جب اس کی خبر منقطع ہو جائے

اوراس کا حال معلوم نہ ہوتو پھر وہ مفقود ہے اوراس پر مفقود کے احکام جاری ہوں گے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کے شروع میں مذکور ہے "قال" صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں یہ لفظ "قال" نہیں ہے، اور برتقدیر وجود "قال" کے فاعل امام بخاری ہیں، یعنی امام بخاری نے کہا کہ شریح بن الحارث القاضی الکندی الکوفی اس قیدی کو وارث نہیں بناتے تھے جو دشمن کے ہاتھوں میں ہو۔ اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ اور امام دارمی نے سندِ موصول کے ساتھ از داؤد بن ابی ہند از شعبی از شریح روایت کی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: قیدی کی وصیت کو اور اس کے آزاد کرنے کو نافذ کرو اور جو تصرف اس نے اپنے مال میں کیا ہے جب تک کہ وہ اپنے دین پر قائم ہو، کیونکہ یہ اس کا مال ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔
یہ تعلیق اس ابہام کو واضح کرتی ہے جو باب کے عنوان میں ہے۔ امام عبدالرزاق نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ از معمر از اسحاق بن راشد روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کی طرف لکھا کہ قیدی کی وصیت کو پورا کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی از ابوحازم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس نے بال بچوں کو چھوڑا تو ان کی کفالت ہمارے ذمہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ جو قیدی دشمن کی قید میں ہو، اس کا ترکہ بھی اس حدیث کے عموم میں داخل ہے "جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے عدی، یہ ابن ثابت الانصاری ہیں۔اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمان الاشجعی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاستقراض میں بھی ابوالولید کی روایت سے گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں "کلا" (کاف پر زبر اور لام پر تشدید) کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: عیال اور بال بچے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۲۔۴۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابٌ: لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ

اس کا بیان کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے

وَإِذَا أَسْلَمَ قَبْلَ أَنْ يُقْسَمَ الْمِيرَاثُ فَلَا مِيرَاثَ لَهُ۔

جب کوئی مرد میراث کی تقسیم ہونے سے پہلے مسلمان ہوا ہو تو اس کا وراثت میں حصہ نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا"۔

رہا کافر تو وہ مسلمان کا وارث بالاجماع نہیں ہوتا اور اس حدیثِ مذکور سے بھی وارث نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی وارث نہیں ہوگا:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۞ (النساء: ۱۴۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا O

یعنی کافر کی میراث میں مسلمان کے اوپر کوئی سبیل نہیں بنائے گا اور اس سے مراد ہے کہ حکم میں کوئی سبیل نہیں بنائے گا، یہ مراد نہیں ہے کہ حقیقت میں کوئی سبیل نہیں بنائے گا (یعنی کوئی ایسا حکم نازل نہیں فرمائے گا جس کی وجہ سے کافر مسلمان کا وارث ہوجائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ واقع میں کبھی بھی کافر کو مسلمان پر غلبہ نہیں عطا فرمائے گا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں بہت سارے کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ ہے، البتہ جب تک مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تو وہ دنیا میں غالب رہے اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کردیا تو پھر وہ دنیا میں مغلوب ہوگئے)۔

اور رہا یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یا نہیں؟ تو عامۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور یہی ہمارے علماء احناف کا اور امام شافعی کا موقف ہے۔اور یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو، اور یہی

حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے مسروق، حسن بصری، محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی بن حسین کا موقف ہے۔

اور رہا مسلمان کا مرتد کا وارث ہونا تو وہ اس کی اسلام کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مرتد نے اپنے اسلام کے حال میں جو کمائی کی ہے اس کا مسلمان وارث ہوگا اور جو اس نے اپنے ارتداد کے حال میں کمائی کی ہے اس کا مسلمان وارث نہیں ہوگا۔ اور مرتد مسلمان کا مطلقاً وارث نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ جب کافر مثلاً اپنے باپ یا بھائی کی میراث کی تقسیم ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ اس کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اعتبار موت کے وقت کا ہوتا ہے نہ کہ تقسیم کے وقت کا اور یہ جمہور فقہاء کا قول ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب وہ وراثت کی تقسیم سے پہلے مسلمان ہو تو پھر اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، یہ قول حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ ایسی سند کے ساتھ منقول ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حسن بصری اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن ہبیرہ نے امام احمد سے اسی قول کی حکایت کی ہے۔ اور علامہ ابن التین نے اس قول کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حکایت کی ہے۔ اور حسن بصری سے یہ بھی روایت ہے کہ وراثت اس میں ہوتی ہے جس کی تقسیم نہیں کی گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از ابن شہاب از علی بن حسین از عمرو بن عثمان از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۸۸، ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، ۶۷۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۲۱۰۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۰۹، مسند احمد: ۲۱۲۴۵، موطا امام مالک: ۱۱۰۴، سنن دارمی: ۲۹۹۸)

صحیح البخاری: ۶۷۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا، اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر

ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، جو زین العابدین کے لقب سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عثمان بن عفان القرشی الاموی کے صاحبزادے ہیں۔اور ہر وہ جس نے اس حدیث کی ابن شہاب سے روایت کی ہے اس نے عمرو کہا ہے (واؤ کے ساتھ) سوائے امام مالک کے انہوں نے عمر کہا ہے (بغیر واؤ کے)۔اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عمر تھا (بغیر واؤ کے) اور دوسرا بیٹا تھا جس کا نام عمرو تھا (واؤ کے ساتھ)۔مگر اس حدیث کی روایت ایک جماعت کے نزدیک عمرو سے ہے۔الکلاباذی نے کہا: امام مالک کو اس سند میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے عمر کہا (بغیر واؤ کے)۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں از سلیمان بن عبدالرحمٰن از سعدان بن یحییٰ از محمد بن ابی حفصہ از الزہری گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ وَالْمُكَاتَبِ النَّصْرَانِيِّ وَإِثْمِ مَنِ انْتَفَى مِنْ وَلَدِهِ

نصرانی غلام اور نصرانی مکاتب کی وراثت کا بیان اور اس کے گناہ کا بیان جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "نصرانی غلام اور نصرانی مکاتب کی میراث کا بیان" اور اس باب کے تحت امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اور اسی طرح صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں ہے۔اور ابوذر نے المستملی اور الکشمیہنی سے روایت کی ہے "باب من دعی اخا او ابن اخ" یعنی جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا اور اس میں بھی کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

علامہ کرمانی نے کہا: یہاں پر تین پے در پے عنوان ہیں: (۱) نصرانی غلام کی میراث کا باب (۲) جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی اس کے گناہ کا باب (۳) جس نے بھائی کا دعویٰ کیا، اس کا باب۔

اور شارحین نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری نے ان ابواب کے عنوانات قائم کیے اور ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ احادیث کو ملائیں گے اور ان کو اتفاق نہیں ہوا۔اور انہوں نے دو ترجموں کے درمیان سفید جگہ چھوڑ دی اور ناقلین نے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔

اور انہوں نے "باب اثم من انتفی ولدہ" کے تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کا قصہ ذکر کر دیا۔

علامہ ابن بطال اور علامہ ابن التین نے "باب من انتفی ولدہ" کو حذف کر دیا، اور ان دونوں نے ابن زمعہ کا قصہ "باب من دعی اخا" کے تحت ذکر کر دیا اور ان دونوں نے نصرانی غلام کی میراث کے باب میں کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ اکثرین کے نزدیک واقع ہے۔

اور علامہ النسفی نے "باب میراث العبد النصرانی والمکاتب النصرانی" کو لکھا اور اس کے تحت کوئی حدیث نہیں لکھی۔اور

اس کے بعد "باب اثم من انتفی من ولدہ" اور "من ادعی اخا او ابن اخ" لکھا اور اس میں عبد بن زمعہ کا قصہ لکھا۔

نصرانی غلام کی وراثت کے متعلق علماء کے اقوال

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ نصرانی غلام جب مر جائے تو اس کا مال اس کے مالک کے لیے ہوگا اس کی غلامی کی وجہ سے، کیونکہ غلام کی ملکیت صحیح نہیں ہے اور وہ مالک کا مال ہے، وہ غلام بطور وراثت اس کا مستحق نہیں ہوگا۔

اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ اس کا مال بیت المال کے لیے ہوگا اور مالک کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ رہا مکاتب، پس اگر وہ کتابت کی قسط ادا کرنے سے پہلے مرگیا اور اس کا مال اتنا تھا جس سے کتابت کی باقی اقساط ادا ہو سکتی ہیں تو اس کا وہ مال اس کی کتابت کے وقت لے لیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ بیت المال کے لیے ہے۔

اور علامہ ابن التین نے نصرانی کی میراث کے متعلق جب اس کو مسلمان آزاد کرے آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں۔ پس عمر بن عبدالعزیز اور لیث اور شافعی نے کہا: وہ اس مسلمان غلام کی طرح ہے، اگر اس کے وارث ہوں، ورنہ اس کا مال اس کے مالک کے لیے ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خصوصاً اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا بیٹا اور باپ خصوصیت کے ساتھ اس کا وارث ہوگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وہ دونوں اور اس کے بھائی وارث ہوں گے۔ اور پانچوں قول یہ ہے کہ وہ اور عصبہ اس کے وارث ہوں گے۔ اور چھٹا قول یہ ہے کہ اس کی وراثت ذوی الارحام کے لیے ہوگی۔ اور ساتواں قول یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کے لیے ہوگا۔ اور آٹھواں قول یہ ہے کہ اس کے مال میں توقف کیا جائے گا۔ اور نصاریٰ میں سے جو اس کے مال کا دعویٰ کرے گا اس کو دے دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۸۔ بَابُ: مَنِ ادَّعَى أَخًا أَوِ ابْنَ أَخٍ — جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا اس کا کیا حکم ہے؟ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان اس طرح مذکور ہے "اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی اور جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتِ اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ فَقَالَ سَعْدٌ هَذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ انْظُرْ إِلَى شَبَهِهِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ هَذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ وُلِدَ عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ نے ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، اس نے

فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى شَبَهِهِ فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ قَالَتْ فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ۔

میری طرف وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے آپ اس کی اس کے ساتھ مشابہت دیکھ لیں، اور عبد بن زمعہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کے بستر پر اس کی باندی سے پیدا ہوا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی مشابہت کی طرف دیکھا، پس آپ نے دیکھا کہ اس کی عتبہ کے ساتھ واضح مشابہت تھی تو آپ نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارے لیے ہے، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے، اور اے سودہ بنت زمعہ! تم اس سے پردہ کیا کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس اس نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بالکل نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۴۴۹، سنن داری: ۲۲۳۷)

صحیح البخاری: ۶۷۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ لڑکا ان کا بھتیجا ہے اور عبد بن زمعہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ان کا بھائی ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب ''الولد للفراش'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من ولیدتہ'' اس کا معنی ہے: اس کی باندی سے۔ اور اس حدیث میں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یر سودۃ قط'' یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑکے کو بالکل نہیں دیکھا اور اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ باپ کے سوا کسی کے نسب کے ساتھ الحاق جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب ایک مرد فوت ہو جائے اور اس نے ایک بیٹا چھوڑا ہو اور اس ایک بیٹے کے سوا اس کا کوئی اور وارث نہ ہو، پس وہ بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو علامہ ابن القصار نے کہا: امام مالک اور فقہاء احناف کے نزدیک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ سے بھی یہی مشہور ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، پس انہوں نے کہا: وہ

میت کے قائم مقام ہے، پس اس کا اقرار کرنا ایسا ہے جیسے اس نے زندگی میں اس کا اقرار کیا ہو۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہم نے کہا کہ اس نے دوسرے کے متعلق نسب کا دعویٰ کیا، سو یہ جائز نہیں ہے۔

اپنے بیٹے کی نفی کرنے والے کے متعلق وعیدات

اور رہا وہ جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی تو اس کے متعلق سخت وعید وارد ہے۔ مجاہد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی تا کہ دنیا میں اس کو رسوا کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا۔ اور اس حدیث کی سند میں الجراح ہے جو وکیع کے والد ہیں، ان کے متعلق اختلاف ہے۔

اور امام ابن عدی نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن الزعیزعۃ ہے اس کی روایت کرنے والے نافع ہیں، ابو حاتم نے کہا: یہ منکر الحدیث ہیں۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کو امام حاکم اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی روایت یہ ہے: جس شخص نے اپنے بیٹے کا انکار کیا اور وہ اس کی طرف دیکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس سے حجاب کرے گا اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن یونس حجازی ہے، جس سے یزید بن الھاد کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ — جس نے اپنے باپ کے غیر کے نسب کا دعویٰ کیا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کے گناہ کا بیان کیا گیا ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کے نسب کی طرف منسوب کیا۔ اس عنوان کا جواب یا حکم امام بخاری نے بیان نہیں کیا اور اس کا حکم اس باب کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٦٦۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَعْدٍ رضی الله عنهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی اور وہ ابن عبداللہ ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اپنے باپ کے غیر کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا اور اس کو معلوم ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔

(صحیح مسلم: ۶۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۰، مسند احمد: ۱۴۵۷، سنن دارمی: ۲۵۳۰)

۶۷۶۷۔ فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ فَقَالَ وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

پس میں نے ابوبکرہ سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اس حدیث کو میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۶۶، صحیح مسلم: ۶۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۰، مسند احمد: ۱۴۵۷، سنن دارمی: ۲۵۳۰)

صحیح البخاری: ۶۷۶۶، ۶۷۶۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ باب کا عنوان اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، یہ امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں، اور یہ ابن عبداللہ الطحان الواسطی ہیں، اور ان کے شیخ خالد بن مہران الحذاء ہیں، وہ ابوعثمان عبدالرحمٰن النہدی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی کے غزوۂ حنان میں عاصم الاحول از ابی عثمان گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من الدعی الی غیر ابیہ" یعنی جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا، حالانکہ اس کو یہ علم تھا کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اور امام مسلم کی روایت میں ہے "جس شخص نے اسلام میں اپنے باپ کے غیر کا دعویٰ کیا" اور باقی حدیث اسی کی مثل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس جنت اس کے اوپر حرام ہے" اور اس کے بعد دوسری حدیث میں ہے کہ اس شخص نے کفر کیا، یعنی جب اس نے اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کو جائز سمجھا تو اس نے کفر کیا، کیونکہ جنت صرف کافروں پر حرام کی گئی ہے۔ یا کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے اور اللہ کے حق کا انکار ہے اور باپ کے حق کا انکار ہے، یا جو حدیث میں ارشاد ہے "اس نے کفر کیا" یہ تغلیظ کے لیے ہے، یعنی یہ اس کا سخت گناہ ہے۔ اور یہ ارشاد اس آیت کی مثل ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے ۝ (آل عمران: ۹۷)

اس کے بعد دوسری حدیث میں مذکور ہے "فذکرتہ" یعنی ابوعثمان نے کہا: میں نے اس حدیث کا حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا نام نفیع بن الحارث ہے، نُفیع، نفع کی تصغیر ہے اور یہ ثقفی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٦٨ ۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

(صحیح مسلم: ٦٢، مسند احمد: ١٠٤٣٢)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ بن الفرج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی از جعفر بن ربیعہ از عراک از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آباء سے اعراض نہ کرو، پس جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو اس نے کفر کیا۔

صحیح البخاری: ٦٧٦٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ معنوی طور پر مطابقت ہے، کیونکہ اس باب کے عنوان میں اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کی ممانعت ہے، اور جو اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو" اور اپنے باپ کی طرف منسوب ہونے سے اعراض کرنا کفر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن الحارث المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عراک، یہ ابن مالک الغفاری ہیں۔

یہ حدیث مناقب قریش میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا ترغبوا عن آباء کم" اس حدیث میں رغبت کے بعد "عن" کا ذکر ہے اور جب کسی فعل کے بعد "عَن" کا ذکر ہو تو اس کا معنی اعراض کرنا ہوتا ہے، یعنی تم اپنے آباء کی طرف منسوب ہونے سے اعراض نہ کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقد کفر" یعنی جس نے اپنے باپ کی طرف منسوب ہونے سے اعراض کیا تو اس نے کفر کیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ باپ کے غیر کی طرف نسبت کرنا زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کفر سے مراد کفر باللہ نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کفران نعمت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اس کو نسب حلال کی نعمت عطا فرمائی تھی اس نے اس کا انکار کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کفر سے مراد کفر باللہ ہو تو یہ اس شخص پر محمول ہے جو شخص باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کو جائز اور حلال سمجھے تو اس نے حرام کو حلال سمجھا اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ یا پھر یہاں پر کفر کا لفظ تغلیظ کے لیے ہے یعنی یہ سخت گناہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٠٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

۳۰۔ بَابٌ: إِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ ابْنًا — جب کوئی عورت کسی بیٹے پر دعویٰ کرے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی عورت کسی بیٹے پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا کیونکہ نفسِ حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتِ الْأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرَى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ وَمَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ان کے بیٹے تھے، سو بھیڑیا آیا اور ان میں سے کسی ایک کے بیٹے کو لے گیا، تو ان میں سے ایک نے اپنی ساتھی عورت سے کہا: بھیڑیا تمہارے بیٹے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا: نہیں! تمہارے بیٹے کو لے گیا ہے، پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اپنا مقدمہ پیش کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو اس مقدمہ کی خبر دی، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میرے پاس چھری لاؤ، میں اس بیٹے کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اور وہ ٹکڑے تم دونوں کے درمیان ہوں گے۔ تو چھوٹی عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ ایسا نہ کریں، یہ اس کا بیٹا ہے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس دن سے پہلے سکّین کا لفظ نہیں سنا، ہم چھری کو المدیۃ کہتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۲۷، ۶۷۶۹، صحیح مسلم: ۱۷۲۰، سنن نسائی: ۵۴۰۲، مسند احمد: ۸۰۸۱)

صحیح البخاری: ۶۷۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان دو عورتوں میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس حدیث کے روایت کرنے کی کیا توجیہ ہے حالانکہ اس حدیث کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ایسی عورت جس کا خاوند نہ ہو جب کسی بچہ کے لیے یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس کا باپ معروف نہ ہو اور کوئی شخص اس میں تنازع نہ کرے تو اس عورت کے قول پر عمل کیا جائے گا، وہ عورت اس بچہ کی وارث ہوگی اور وہ بچہ اس عورت کا وارث ہوگا۔ اور اس بچہ کے ماں شریک بھائی اس کے وارث ہوں گے اور جب اس عورت کا خاوند ہو اور عورت یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور خاوند اس کا انکار کرے تو پھر عورت کے قول پر عمل نہیں کیا جائے گا سوا اس صورت کے کہ عورت اپنے قول کے اوپر گواہ پیش کرے، تو اس صورت میں اس کے دعویٰ کو قبول کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الیمان، یہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، اور یہ عبد اللہ بن ذکوان ہیں جو عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث احادیث الانبیاء کے باب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فتحاکمتا" یعنی ان دو مذکورہ عورتوں نے مقدمہ پیش کیا، اور ایک روایت میں مذکر کے صیغہ کے ساتھ "فتحاکما" ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ عورتوں کو شخص سے تعبیر کیا۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کو کس وجہ سے توڑا؟

اس کا پھر یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان دونوں نے وحی سے فیصلہ کیا تھا، اور سلیمان علیہ السلام کا حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کے لیے ناسخ تھا۔ یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور جب ایک مجتہد کا فیصلہ قوی دلیل پر مبنی ہو تو اس کے لیے دوسرے کے فیصلہ کو توڑنا جائز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پہلے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ (۱۱) سال تھی اور اس وقت ان پر وحی نہیں کی جاتی تھی۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی۔

اور مقاتل نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام سے عمدہ فیصلہ کرتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔

چھوٹی عورت کے حق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی توجیہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب ایک فریق نے یہ اعتراف کر لیا کہ حق اس کے صاحب کے لیے ہے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے خلاف کیسے فیصلہ فرمایا؟

پھر علامہ کرمانی نے اس کا جواب دیا کہ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرینہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس عورت کی مراد حقیقتِ امر نہیں ہے بلکہ وہ اس بچہ کی جان بچانے کے لیے کہہ رہی ہے کہ اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے نہ کریں اور دوسری عورت کو دے دیں، اس طرح بچہ زندہ تو رہے گا۔

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے استدلال کیا کہ چھوٹی عورت نے اس بچہ پر شفقت کی، یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی ماں ہے اور شاید کہ بڑی عورت نے بعد میں اقرار کر لیا ہو کہ یہ بچہ چھوٹی عورت کے لیے ہے۔

چھری کو ''مدیة'' اور ''سکّین'' کہنے کی مناسبت

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان سمعت بالسکّین'' یعنی میں نے اس دن سے پہلے چھری کے لیے ہرگز ''سکّین'' کا لفظ نہیں سنا تھا۔ اور ہم چھری کے لیے ''مدیة'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ چھری کو ''مدیة'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جاندار کی حیات کی مدت کو قطع کر دیتی ہے اور اس کو ''سکّین'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جاندار کی حرکت کو ساکن کر دیتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: اَلْقَائِفِ　　قیافہ شناس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قیافہ شناس کے حکم کا بیان ہے۔ ''قائف'' کا لفظ فاعل کے وزن پر ہے اور یہ ''قیافة'' سے ماخوذ ہے۔ ''قیافة'' کا معنی ہے: آثار کی معرفت۔ یعنی کسی چیز کے نشانات کو دیکھ کر صاحبِ نشان تک پہنچنا۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں ''قائف'' اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی مشابہت کو پہچانتا ہے اور اس کے آثار کو متمیز کرتا ہے، اس کو قائف اس لیے کہتے ہیں کہ یہ چیزوں کی پیروی کرتا ہے۔ علامہ الاصمعی نے کہا ہے: ''قائف'' وہ شخص ہے جو کسی چیز کے نشان کی پیروی کرتا ہے اور ''القائف'' کی جمع ''القافة'' آتی ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ''قائف'' کے باب کو کتاب الفرائض میں ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس کے مذہب پر ہے جو قیافہ پر عمل کرتا ہے اور اس باب میں ان کا رد ہے جو قیافہ پر عمل نہیں کرتے اور اس سے لازم آتا ہے کہ جس کو کسی کے ساتھ لاحق کیا گیا اس کے درمیان اور جس کو لاحق کیا گیا ہے وراثت پر عمل کیا جائے

اور اس اعتبار سے اس باب کا فرائض کے ساتھ تعلق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ فَقَالَ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت خوشی کے ساتھ تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ کے چہرہ کی پیشانی کی لکیریں چمک رہی تھیں، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مجزز (ایک قیافہ شناس) نے ابھی ابھی زید بن حارث اور اسامہ بن زید دونوں کے صرف پیروں کو دیکھا، پس کہا: یہ دونوں پیر ایک دوسرے کا جزو ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۵، ۳۷۳۱، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۱۲۹، سنن نسائی: ۳۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۲۵۳۶۷)

صحیح البخاری: ۶۷۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ حدیث میں جس مجزز کا ذکر کیا گیا ہے، اس نے قیافہ سے یہ حکم لگایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا جز ہیں اور زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نسب پر طعن کرتے تھے، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سخت کالے رنگ کے تھے کیونکہ ان کی والدہ برکہ تھیں اور وہ سیاہ فام حبشیہ تھیں۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ روئی کی طرح بہت گورے رنگ کے تھے، پس جب اس قیافہ شناس نے ان کے رنگوں کے اختلاف کے باوجود یہ کہا کہ یہ ایک دوسرے کا جزو ہیں تو نبی ﷺ اس لئے خوش ہوئے کہ یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نسب سے عربوں کے اصول کے مطابق طعن کو دور کرنے کا ذریعہ تھا، کیونکہ عرب قیافہ شناس کی بات کو حجت قرار دیتے تھے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب النکاح میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الولاء میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دخل علی مسرورا" یعنی رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ بہت خوش خوش تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تبرق اسارير وجهه"۔ "اسارير" ان خطوط اور لکیروں کو کہتے ہیں یا ان شکنوں کو کہتے ہیں جو پیشانی میں ہوتی ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کی پیشانی خوشی سے چمک رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الم تری" اور ایک روایت میں ہے "الم ترین" اور اس حدیث میں رؤیت سے مراد علم ہے یعنی کیا تم کو خبر نہیں ہے یا تم کو علم نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان مجززا" (مجزز میں میم پر پیش ہے اور زاء مشدد ہے اور اس پر زیر بھی پڑھا گیا ہے اور زبر بھی پڑھا گیا ہے)۔

اس شخص کو مجزز اس لئے کہا گیا کہ جب یہ شخص زمانہ جاہلیت میں کسی قیدی کو پکڑتا تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر چھوڑ دیتا اور اس کا نام ابن الاعور بن جعدہ المدلجی ہے، یہ مدلج بن مرہ بن عبد مناف بن کنانہ کی طرف نسبت ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے: اس نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے جس کا ذکر ابن یونس نے ان لوگوں میں کیا ہے جو لوگ مصر کی فتح کے وقت حاضر تھے۔ اور علامہ ذہبی نے کہا ہے: مجھے ان کی کسی روایت کا علم نہیں ہے۔ اور ابن ماکولا نے کہا ہے کہ مجزز کو نبی ﷺ کی صحبت حاصل تھی، یہ امام طبری کا قول ہے۔ اور الکلبی نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو حبشہ کے ایک لشکر کی طرف بھیجا، پس وہ سب ہلاک ہو گئے۔

ایک سوال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا قیافہ کرنا بنو مدلج کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں؟ تو میں کہوں گا: قیافہ ان میں بھی تھا اور بنو اسد میں بھی تھا اور عرب ان کے لیے اعتراف کرتے تھے اور صحیح یہ ہے کہ قیافہ ان کے ساتھ خاص نہیں تھا، کیونکہ یزید بن ہارون نے کتاب الفرائض میں سندِ صحیح کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیافہ شناس تھے، یزید بن ہارون نے اس کا مدلجی کے قصہ میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرشی تھے وہ نہ مدلجی تھے اور نہ اسدی تھے اور نہ اسد قریش سے تھے اور نہ اسدِ خزیمہ سے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نظر آنفا" یعنی اس نے ابھی ابھی ان کو دیکھا ہے۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ذکر ہے کہ میرے پاس ایک قیافہ شناس آیا، اس نے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا اور ان کے اوپر ایک چادر تھی جس سے ان دونوں کے سر چھپے ہوئے تھے اور ان دونوں کے پیر کھلے ہوئے تھے تو اس قیافہ شناس نے کہا: یہ بعض پیر، بعض کا جزو ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیافہ کے ساتھ حکم لگانا درست ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور عطاء، امام مالک، الاوزاعی، لیث، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔

فقہاء احناف، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قیافہ کے ساتھ حکم لگانا باطل ہے، کیونکہ یہ حدس ہے، یعنی تیز فہمی، فراست اور تخمینہ اور اندازہ سے حکم لگانا ہے۔ یہ محض ظنی چیز ہے اور کوئی قطعی بات نہیں ہے اور شریعت میں یہ جائز نہیں ہے اور قیافہ سے حکم لگانے میں اس باب کی حدیث حجت نہیں ہے، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت اس سے پہلے بھی ثابت تھی اور شارع علیہ السلام نے اس نسبت کے ثبوت میں کسی کے قول پر اعتماد نہیں کیا۔ آپ کو تو صرف مجزز کی تیز فہمی اور فراست پر تعجب ہوا جیسے کوئی آدمی کسی شخص کے اس گمان پر تعجب کرتا ہے جس کا گمان کسی شے کی حقیقت تک پہنچ جائے اور اس سے حکم واجب نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار کرنے کو ترک کیا کیونکہ آپ نے اس واقعہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نسب ثابت نہیں فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل: ۳۶) اور جس چیز کا تمہیں قطعی علم نہیں ہے اس کے درپے نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُورٌ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ فَرَأَى أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُوسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ بہت خوش تھے، پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک مجزز المدلجی میرے پاس آیا، پس اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا اور ان دونوں پر ایک چادر تھی، ان دونوں نے اپنے سر ڈھانپے ہوئے تھے اور ان دونوں کے قدم کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا: ان میں سے بعض قدم بعض کا جزو ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۵، ۳۷۳۱، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۱۲۹، سنن نسائی: ۳۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۲۵۳۶۷)

صحیح البخاری: ۶۷۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" یہ وہی حدیث ہے جس کی پہلے امام بخاری نے قتیبہ سے دوسندوں کے ساتھ روایت کی ہے: ایک از قتیبہ از اللیث اور دوسری از قتیبہ از سفیان بن عیینہ۔ اس حدیث میں قدم کے لفظ کا اضافہ ہے اور اس حدیث میں قطیفۃ کا ذکر ہے جس کا معنی چادر ہے۔ اور اس کی جمع قطائف اور قطف آتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الفرائض میں تینتالیس (۴۳) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ "جس نے کسی مرد کو مسلمان کیا اس کو بھی اس کی ولاء ملے گی" یہ حدیث معلق ہے اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سینتیس (۳۷) احادیث مکررہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتاب الفرائض میں صرف چھ (۶) احادیث خالص ہیں۔

کتاب الفرائض اور چودھویں (۱۴) جلد کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!۔

آج ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ/ 31 جولائی 2013ء بروز بدھ نعم الباری شرح صحیح البخاری کی چودھویں جلد کی تکمیل ہوگئی۔

اس جلد کی ابتداء ۴ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ/ 15 اپریل 2013ء بروز پیر کو ہوئی تھی۔ اس طرح ساڑھے تین مہینوں میں چودھویں جلد مکمل ہوگئی۔ اس جلد میں دوسونواسی (۲۸۹) احادیث کی شرح آگئی ہے۔

چودھویں جلد کی ابتداء کتاب الرقاق سے ہوئی تھی اور اس کی انتہا کتاب الفرائض پر ہوئی ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز پندرھویں جلد کی ابتداء "کتاب الحدود" سے ہوگی۔ اس جلد کی کمپوزنگ حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ اور تصحیح ہمارے محترم اور مکرم دوست سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ' نے نہایت اخلاص اور عرق ریزی سے کی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری اس محنت کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو اپنی بارگاہ عالیہ میں مشکور اور مسعود فرمائے۔ اس جلد کی تکمیل میں، میں اپنے تمام محسنین اور معاونین کا خلوصِ قلب سے سپاس گزار ہوں اور ان کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زیدت الطافہم العالیہ اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ مساعیہم، اور صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈفورڈ) اور مشہور اسکالر حافظ عبدالمجید (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) اور مولانا سید محمد اشرف شاہ (ناروے) اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہ (پروف ریڈر)، مولانا مختار احمد صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم۔ ان تمام عالی قدر شخصیات اور احباب کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور مجھے اپنی بیماریوں اور کمزوریوں سے صحت اور توانائی عطا فرمائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے صحیح البخاری کی ان احادیث کی شرح میرے ہاتھوں کرادی ہے اللہ تعالیٰ صحیح البخاری کی باقی احادیث کی شرح کی بھی مجھے توفیق ارزانی فرمائے۔ اس شرح کو اللہ تعالیٰ موافقین کے لیے دینِ حق پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنادے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صرف اپنا محتاج رکھے کسی مخلوق کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں ہمیں آپ کی شفاعت سے مستفید فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمادے اور ہمیں ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ

میں رکھے اور اپنے فضل و کرم اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ / 31 جولائی 2013ء

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد رابع عشر (۱۴) کی ڈائری

افتتاح 4 جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ / 15 اپریل 2013ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
15 اپریل	۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ	پیر	=	=	=	۶۴۸۲
یکم مئی 2013ء	۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ	بدھ	۱۵۰	۱۵۰	۲۷	۶۵۰۹
یکم جون 2013ء	۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	ہفتہ	۲۸۰	۴۳۰	۱۰۱	۶۶۱۰
یکم جولائی 2013ء	۲۱ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	پیر	۳۲۵	۷۵۵	۸۹	۶۶۹۹
31 جولائی 2013	۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ	بدھ	۲۴۴	۹۹۹	۷۲	۶۷۷۱

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دارالمعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دارالمعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دارابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ
۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶۱۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ
۶۲۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ
۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت
۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان
۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار لکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ
۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ
۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ
۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ
۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ
۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ
۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت
۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ
۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

٧٨۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
٧٩۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ
٨٠۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
٨١۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ
٨٢۔ امام ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
٨٣۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ
٨٤۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ
٨٥۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ
٨٦۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ
٨٧۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
٨٨۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ
٨٩۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
٩٠۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، بحیدر آباد، دکن
٩١۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الاردبیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بہا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء
٩٢۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
٩٣۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
٩٤۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ
٩٥۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر،

بیروت 1414ھ
۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ
۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ
۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ
۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،
۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان
۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ
۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ دارابن کثیر، 1421ھ
۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ
۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ
۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ
۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ
۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ
۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء
۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ
۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر
۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور
۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت
۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ
۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبّر، متوفی 1242ھ تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر، 1421ھ
۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ
۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور
۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان
۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات
۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور
۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء
۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ
۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ
۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی التوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ

۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۸۰۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ

۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ

۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت

۱۸۶۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۷۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ

۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ

۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ

۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ
۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی
۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ
۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ
۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۶۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۱۲۔ شیخ وحیدالزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ
۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۱۴۔ شیخ انورشاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ
۲۱۹۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی التوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۵۔ ملاعلی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دارالباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،
۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشرادب الحوزہ، قم ایران، دارصادر، بیروت 2003ء
۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت
۲۵۸۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفّٰی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لویس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لویس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لویس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لویس معلوف الیسوعی، متوفّٰی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفّٰی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفّٰی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفّٰی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفّٰی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفّٰی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفّٰی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفّٰی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفّٰی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفّٰی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنۃ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفّٰی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفّٰی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفّٰی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشهیر الحاکم الشهید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ
۳۰۶۔ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ
۳۰۷۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابواللیث سمرقندی، المیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ
۳۰۸۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی
۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السعدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ
۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت 1398ھ
۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ
۳۱۲۔ علامہ علاؤالدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحیٰی بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ
۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان
۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ
۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ
۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع
۳۲۲۔ امام فخرالدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ
۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1415ھ
۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ
۳۲۵۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1411ھ
۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ
۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفّٰی 1413ھ، وقار الفتاوی، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء
۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ
۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1982ء، فتاوی مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ
۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبدالغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ
۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء
۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ
۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاوی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمر قندی الحنفی الفتاوی فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۷۳۔ شیخ عبدالحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ
۳۷۵۔ علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفّٰی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ
۳۷۶۔ علامہ ابواسحاق شیرازی، متوفّٰی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ
۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ
۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفّٰی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۸۱۔ امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفّٰی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۸۲۔ قاضی عبدالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفّٰی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۳۸۳۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفّٰی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفّٰی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۸۵۔ علامہ ابوالبرکات، احمد دردیر مالکی، متوفّٰی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ
۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۸۹۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ
۳۹۰۔ شیخ ابو العباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۹۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ
۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ
۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت
۴۰۴۔ امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۹۔ بحر العلوم عبدالعلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ

۴۱۳۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۱۴۔ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت

۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ

۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1405ھ

۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲۴۔ شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران

۴۲۵۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۴۲۶۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۴۲۷۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۴۲۸۔ ملاباقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم)، مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ
۴۳۱۔ امام ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۴۳۲۔ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ
۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ
۴۳۴۔ میر عبد الواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ
۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ
۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور
۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ
۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ
۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی
۴۴۰۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ
۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ
۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ
۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء
۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ
۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء
۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ
۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ
۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ
۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان و ما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ
۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول ﷺ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ
۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ
۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء
۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ
۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء
۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی
۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہٗ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہٗ سفرِ آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

